کشف الباری
عما في صحيح البخاري
كتاب الجهاد والسير
جلد اول
شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان مدظلہم
مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی
مکتبہ فاروقیہ
شاہ فیصل کالونی ۴ کراچی

تاثرات

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث، جامعہ دارالعلوم، کراچی

''کشف الباری عما فی صحیح البخاری'' اردو زبان میں صحیح بخاری شریف کی عظیم الشان اردو شرح ہے جو شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم کی نصف صدی کے تدریسی افادات اور مطالعہ کا نچوڑ و ثمرہ ہے، یہ شرح ابھی تدوین کے مرحلے میں ہے۔ ''کشف الباری'' عوام وخواص، علماء طلبہ ہر طبقے میں الحمد للہ یکساں مقبول ہو رہی ہے، ملک کی ممتاز دینی درس گاہ دارالعلوم کراچی کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی مدظلہم نے ''کشف الباری'' سے والہانہ انداز میں اپنے استفادے کا ذکر کرتے ہوئے کتاب کے متعلق اپنے تاثرات قلمبند فرمائے ہیں، ذیل میں ان دونوں علماء کے یہ تاثرات شائع کیے جارہے ہیں۔

کشف الباری
صحیح بخاری کی اردو میں ایک عظیم الشان شرح

احقر کو بفضلہ تعالیٰ اپنے استاذ معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب (أطال اللہ بقاء ہ بالعافیة) سے تلمذ کا شرف پچھلے 43 سال سے حاصل ہے، ان میں سے ابتدائی تین سال تو باقاعدہ اور باضابطہ تلمذ کا موقع ملا، جس میں احقر نے درس نظامی کی متعدد اہم ترین کتابیں حضرت سے پڑھیں، جن میں ہدایہ آخرین، میبذی اور دورۂ حدیث کے سال جامع ترمذی شامل ہیں، پھر اس کے بعد بھی الحمد للہ استفادہ کا سلسلہ کسی نہ کسی جہت سے قائم رہا۔ حضرت کا دلنشین اندازِ تدریس، ہم سب ساتھیوں کے درمیان یکساں طور پر مقبول اور محبوب تھا اور اس کی خصوصیت یہ تھی کہ مشکل سے مشکل مباحث حضرت کی سلجھی ہوئی تقریر کے ذریعے پانی ہوجاتے تھے، خاص طور سے جامع ترمذی کے درس میں یہ بات نمایاں طور پر نظر آئی کہ شروح حدیث کے وہ مباحث جو مختلف کتابوں میں غیر مرتب انداز میں پھیلے ہوئے ہوتے، وہ حضرت کے درس میں نہایت انضباط کے ساتھ اس طرح مرتب ہوجاتے کہ ان کا سمجھنا اور یاد رکھنا ہم جیسے طالب علموں کے لیے نہایت آسان ہوتا، اور اس طرح حضرت نے ایک کتاب اور اس کے موضوعات ہی نہیں پڑھائے، بلکہ اس بات کی تعلیم بھی دی کہ بکھرے ہوئے مباحث کو کس طرح سمیٹا جائے اور انہیں فہم سے قریب کرنے کے لیے کیا انداز اختیار کیا جائے۔ حضرت کے اس اندازِ تدریس کا یہ احسان میرے علاوہ ان تمام طلبہ کے لیے ناقابل فراموش ہے جنہیں حضرت سے پڑھنے کے بعد کسی علمی خدمت کا موقع ملا۔

حضرت نے اپنے علمی مقام اور اپنے وسیع افادات کو ہمیشہ اپنی اس متواضع، سادہ اور بے تکلف زندگی کے پردے میں چھپائے رکھا جس کا مشاہدہ ہر شخص آج بھی ان سے ملاقات کر کے کرسکتا ہے۔

لیکن پچھلے دنوں حضرت کے بعض تلامذہ نے آپ کی تقریر بخاری کو ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے مرتب کر کے شائع کرنے کا ارادہ کیا اور اب بفضلہٖ تعالیٰ ''کشف الباری'' کے نام سے منظر عام پر آ چکی ہیں۔

جب پہلی بار ''کشف الباری'' کا ایک نسخہ میرے سامنے آیا تو حضرت سے پڑھنے کے زمانے کی جو خوشگوار یادیں ذہن پر مرتسم تھیں، انہوں نے طبعی طور پر کتاب کی طرف اشتیاق پیدا کیا۔ لیکن آج کل مجھ ناکارہ کو گوناگوں مصروفیات اور اسفار کے جس غیر متناہی سلسلے نے جکڑا ہوا ہے اس میں مجھے اپنے آپ سے یہ امید نہ تھی کہ میں ان ضخیم جلدوں سے پورا پورا استفادہ کر سکوں گا، یوں بھی اردو زبان میں اکابر سے لے کر اصاغر تک بہت سے حضرات اساتذہ کی تقاریر بخاری معروف ومتداول ہیں اور ان سب کو بیک وقت مطالعے میں رکھنا مشکل ہوتا ہے۔

لیکن جب میں نے ''کشف الباری'' کی پہلی جلد سرسری مطالعے کی نیت سے اٹھائی تو اس نے مجھے خود مستقل طور پر اپنا قاری بنالیا۔ اپنے درس بخاری کے دوران جب میں ''فتح الباری، عمدۃ القاری، شرح ابن بطال، فیض الباری، لامع الدراری اور فضل الباری کا مطالعہ کرنے کے بعد ''کشف الباری'' کا مطالعہ کرتا تو ظاہر ہوتا کہ اس کتاب میں مذکورہ تمام کتابوں کے اہم مباحث دلنشین تفہیم کے ساتھ اس طرح یک جا ہو گئے ہیں جیسے ان کتابوں کا لب لباب اس میں سمٹ آیا ہو۔ اور اس کے علاوہ بھی بہت سے مسائل اور مباحث اس پر مستزاد ہیں۔ اس طرح مجھے بفضلہٖ تعالیٰ ''کشف الباری'' کی ابتدائی دو جلدوں کا تقریباً بالاستیعاب مطالعہ کرنے کا شرف حاصل ہوا اور کتاب المغازی والی جلد کے بیشتر حصے سے استفادہ نصیب ہوا اور اگر میں یہ کہوں تو شاید یہ مبالغہ نہیں ہوگا کہ اس وقت صحیح بخاری کی جتنی تقاریر اردو میں دستیاب ہیں ان میں یہ تقریر اپنی نافعیت اور جامعیت کے لحاظ سے سب پر فائق ہے۔ اور یہ صرف طلبہ ہی کے لیے نہیں، بلکہ صحیح بخاری کے اساتذہ کے لیے بھی نہایت مفید ہے۔ مباحث کے انتخاب، تطویل اور اختصار میں ہر پڑھانے والے کا مذاق جدا ہو سکتا ہے۔ لیکن اس میں صحیح بخاری کے طالب علم اور استاذ کے لیے تقریباً تمام ضروری مسائل کا احاطہ کر لیا گیا ہے۔ پہلی دو جلدیں تقریباً 14 سو صفحات پر مشتمل ہیں۔ اور ان میں صرف کتاب الایمان مکمل ہوئی ہے۔ جب کہ شروع میں علم حدیث اور صحیح بخاری کے بارے میں نہایت مفید مقدمہ بھی شامل ہے دوسری دو جلدیں کتاب المغازی اور کتاب التفسیر پر مشتمل ہیں۔ اور ان کی ضخامت بھی قریب قریب اتنی ہی ہے۔

اس تقریر کی ترتیب اور تدوین میں مولانا نور البشر اور مولانا ابن الحسن عباسی صاحبان (فاضلین دار العلوم کراچی) نے اپنی صلاحیت اور قابلیت کا بہترین مظاہرہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جزائے خیر عطا فرمائیں، وفقهما الله تعالیٰ لأمثال أمثاله، دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائیں اور تقریر کے باقی ماندہ حصے بھی اسی معیار کے ساتھ مرتب ہو کر شائع ہوں۔ انشاء اللہ یہ کتاب اپنی تکمیل کے بعد اردو میں صحیح بخاری کی جامع ترین شرح ثابت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ حضرت صاحبِ تقریر کا سایۂ عاطفت ہمارے سروں پر تادیر بعافیتِ تامہ قائم رکھیں، ہمیں اور پوری امت کو ان کے فیوض سے مستفید ہونے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین۔

احقر اس لائق نہیں تھا کہ حضرتِ والا کی تقریر کے بارے میں کچھ لکھتا، لیکن تعمیل حکم میں یہ چند بے ربط اور بے ساختہ تاثرات قلمبند ہو گئے۔ حضرت صاحبِ تقریر اور اس عظیم الشان کتاب کا مرتبہ یقیناً اس سے کہیں زیادہ بلند ہے۔

☆☆☆☆

تاثرات

حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزی صاحب
شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن کراچی

حدیث رسول قرآن کریم کی شرح ہے

﴿لقد من اللّٰہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلو علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ﴾۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی ذمہ داری قرآن کریم کی آیات صرف پڑھ کر سنانا نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ کتاب اللہ کے احکام کی تعلیم، قولی اور عملی طریقے سے دینا بھی آپ کے فرائض میں داخل تھا اور یہ ان مقاصد میں سے تھا جس کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا تھا کیونکہ علمائے امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حکمت سے مراد قرآن کریم کے علاوہ شریعت کے وہ احکام ہیں جن پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے وحی خفی کے ذریعہ آپ کو اطلاع دی تھی، چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب " الرسالۃ" میں لکھا ہے۔

"سمعت من أرضی من أھل العلم بالقرآن یقول: الحکمۃ سنۃ رسول اللّٰہ ﷺ " (ص:۲۴)

''میں نے قرآن کے ان اہل علم کو جن کو میں پسند کرتا ہوں یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ حکمت سے مراد نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے''۔

امام شاطبی نے اپنی کتاب ''الموافقات'' (ج۴ص:۱۰) پر لکھا ہے " فکانت السنۃ بمنزلۃ التفسیر والشرح لمعاني أحکام الکتاب" " یعنی سنت کتاب اللہ کے احکام کے لئے شرح کا درجہ رکھتی ہے''۔

اور امام محمد بن جریر طبری سورۂ بقرہ کی آیت " ربنا وابعث فیھم رسولا ...... "کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں:

"الصواب من القول عندنا فی الحکمۃ أن العلم بأحکام اللّٰہ التی لا یدرك علمھا إلا ببیان الرسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم، والمعرفۃ بھا ومادل علیہ فی نظائرہ، وھو عندی مأخوذ من الحکم الذی بمعنی الفصل بین الباطل والحق۔

''ہمارے نزدیک صحیح تر بات یہ ہے کہ حکمت اللہ تعالیٰ کے احکام کے علم کا نام ہے جو صرف نبی کریم ﷺ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے......''۔

اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ "ألا إني أوتیت القرآن ومثلہ معہ "یعنی مجھے قرآن کریم دیا گیا ہے اور اس کے مثل مزید، جس سے مراد قرآن کریم کی شرح یعنی نبی اکرم ﷺ کی قولی وفعلی احادیث مبارکہ ہی ہیں اور اسی لئے اللہ تبارک تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو قرآن حکیم میں خطاب کر کے دین کے اس حصے کی حفاظت کا حکم فرمایا تھا ......: ﴿ واذکرن مایتلی فی بیوتکن من آیات اللّٰہ والحکمۃ...... ﴾ کہ تمہارے گھروں میں اللہ تعالیٰ کی جو آیتیں اور حکمت کی جو باتیں سنائی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو۔

علمائے امت کے ہاں اس پر اجماع ہے کہ قرآن کریم کے مجملات ومشکلات کی تفسیر وتشریح اور اعمال دینیہ کی عملی صورت نبی کریم ﷺ کے اقوال واعمال اور آپ کے احوال جانے بغیر نہیں ہو سکتی، کیونکہ آپ مرادِ الٰہی کے بیان وتفسیر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر تھے، چنانچہ ارشاد ہے: "أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ" (سورۃ النحل) ''آپ پر ہم نے یہ ذکر یعنی یادداشت نازل کی تاکہ جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے، آپ اس کو کھول کر لوگوں سے بیان کر دیں''۔ چنانچہ قرآن کریم میں جتنے احکام نازل فرمائے گئے تھے، مثلاً وضو، نماز، روزہ، حج، درود، دعا، جہاد، ذکر الٰہی، نکاح، طلاق، خرید وفروخت، اخلاق ومعاشرت ...... یہ سب احکام قرآن کریم میں مجملاً تھے، ان

احکام کی تفسیر وتشریح نبی اکرم ﷺ نے فرمائی، اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ "ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ ......"

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی احادیث قرآن کریم سے الگ عجمی دین نہیں پیش کرتی ہیں اور نہ ہی یہ عجمی سازش ہے، بلکہ یہ قرآن کریم کے اجمال کی تفصیل ہے اور دینِ اسلام کا حصہ ہے۔

حفاظتِ حدیث، امت مسلمہ کی خصوصیت

اسی اہمیت وخصوصیت کی بناء پر اس کی حفاظت وتدوین اور تشریح کے لئے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کی کوششیں صرف ہوئی ہیں، حافظ ابن حزم ظاہریؒ نے اپنی کتاب ''الفصل'' میں لکھا ہے کہ پچھلی امتوں میں کسی کو بھی یہ توفیق نہیں ملی کہ اپنے رسول کے کلمات کو صحیح اور ثبوت کے ساتھ محفوظ کر سکے، یہ صرف اس امت کی خصوصیت ہے کہ اس کو اپنے رسول کے ایک ایک کلمے کی صحت اور اتصال کے ساتھ جمع کرنے کی توفیق ملی، مسلمانوں کے اس عظیم کارنامے کا اعتراف غیر مسلموں کو بھی ہے۔

''خطبات مدراس'' میں مولانا سید سلیمان ندوی نے ڈاکٹر اسپنگر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ مسلمانوں نے علم حدیث کی حفاظت کے لئے اسمائے رجال کا فن ایجاد کیا، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ سے زیادہ انسانوں کے حالات محفوظ ہو گئے، یہ وہ لوگ ہیں جن کا نبی اکرم ﷺ کی احادیث سے جمع ونقل کا تعلق ہے، اس کے علاوہ علمِ حدیث کے سوفنون ہیں جن کی تفصیل مصطلح الحدیث کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

تدوینِ حدیث کی ابتداء

حدیث کی جمع وترتیب اور تدوین کی تفصیل ان کتب میں دیکھی جائے جو منکرینِ حدیث اور مستشرقینِ یورپ کے جواب میں علمائے امت نے لکھی ہیں، یہاں اس کا موقع نہیں البتہ مختصراً اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ احادیث مبارکہ کے لکھنے کا سلسلہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں بھی تھا اور بعض صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کی اجازت سے آپ ﷺ کی احادیث کو محفوظ وقلمبند کیا، اس کے بعد پھر تابعین اور تبع تابعین کے دور میں احادیث کی ترتیب وتدوین کے کام میں مزید ترقی ہوئی اور پہلی صدی ہجری کے اختتام اور دوسری صدی ہجری کے ابتدائی حصے میں خلیفۂ راشد وعادل حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانۂ خلافت میں سرکاری طور پر اس کے لئے اہتمام شروع ہوا اور پھر ان کے انتقال کے بعد اگر چہ اس کام کا سرکاری اہتمام تو باقی نہیں رہا لیکن علمائے امت نے اس کا بیڑا سنبھالا اور الحمدللہ آج احادیث مرتب اور منقح صورت میں جو ہمارے سامنے موجود ہیں، یہ محدثین، فقہاء اور علمائے امت کا وہ عظیم الشان کارنامہ ہے کہ واقعۃً تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

صحیح بخاری شریف کا مقام

اس سلسلۂ ترتیب وتدوین کی ایک زریں کڑی امام محمد بن اسماعیل البخاری کی کتاب ''الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول ﷺ وسننہ وایامہ'' ہے، اس کتاب میں امام بخاریؒ نے وہ آٹھ اقسام جمع کر دیے ہیں جو کسی کتاب کے جامع ہونے کے لئے ضروری ہیں امام بخاری نے نہ معلوم کس قدر عظیم اخلاص کے ساتھ یہ کتاب لکھی تھی جس کی بناء پر اللہ تبارک تعالیٰ نے اسے وہ عظیم مقبولیت عطا فرمائی کہ مخلوق کی کتابوں میں جس کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی، چنانچہ حافظ ابن صلاح فرماتے ہیں کہ ''اللہ کی کتاب کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم سب سے صحیح ترین کتابیں ہیں اور...... "إن کتاب البخاری أصح الکتابین صحیحا، وأکثرھما فوائد" اور امام نسائی فرماتے ہیں " أجود ھذہ الکتب کتاب البخاری" اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب " حجۃ اللہ البالغہ" (ص:۲۹۷) میں ارشاد فرماتے ہیں: ''جو شخص اس کتاب کی عظمت کا

قائل نہ ہو، وہ مبتدع ہے اور مسلمانوں کی راہ سے ہٹا ہوا ہے" پھر قسم اٹھا کر فرماتے ہیں: ''اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کتاب کو جو شہرت عطا فرمائی، اس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا''۔

اس کتاب میں جو خصوصیات اور امتیازات ہیں ان کی تفصیل کو زیر نظر کتاب کے مقدمہ میں دیکھا جائے۔

شروح بخاری

ان ہی خصوصیات وامتیازات اور اہمیت ومقبولیت کی بناء پر صحیح بخاری کی تدوین وتصنیف کے بعد ہر دور کے علماء نے اس پر شروح وحواشی لکھے ہیں، شیخ الحدیث حضرت اقدس حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نور اللہ مرقدہ نے ''لامع الدراری'' کے مقدمہ میں ایک سو سے زیادہ شروح وحواشی کا ذکر کیا ہے۔ ابھی ابھی " ابن بطال" کی شرح بخاری چھپی ہے اس کے مقدمہ میں کتاب کے محقق ابوتمیم یاسر بن ابراہیم فرماتے ہیں:

"فأضحى هذا الكتاب أصح كتاب بعد القرآن، واحتل من بين الكتب الصدارة والاهتمام، فقضى العلماء أمامه الليالي والأيام، فمنهم الشارح لما في ألفاظ متونه من المعاني والأحكام، ومنهم الشارح لمناسبات تراجم أبوابه، ومنهم المترجم لرجال اسانيده، ومنهم الباحث فى شرط البخارى فيه، ومنهم المستدرك عليه أشياء لم يخرجها، ومنهم المتتبع أشياء انتقدها عليه، إلى غير ذلك من أنواع العلوم المتعلقة بالجامع الصحيح (ص:۷ ج۱)"

یعنی ان کتب حدیث میں جب صحیح بخاری نے صدارت کا مقام حاصل کیا تو علماء امت نے اپنی زندگیاں اور دن رات اس کتاب کی خدمت میں صرف کردیے۔ بعض لوگوں نے اس کتاب کے متون حدیث میں جو معانی واحکام ہیں ان پر کتابیں لکھیں، بعض علماء نے ابواب بخاری کی مناسبت یا اس کی اسانید کے رجال کے حالات پر اور بعض نے بخاری کی شرائط پر اور بعض نے کتاب پر استدراک وانتقاد کے سلسلے میں کتابیں لکھیں۔

پھر فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری کی سب سے پہلی شرح حافظ ابوسلیمان الخطابی التوفی ۳۸۶ھ کی ''أعلام الحدیث'' ہے، اس شرح میں صرف غریب الفاظ کی تشریح ہے۔

اس کے بعد پھر حافظ داؤدی التوفی ۴۰۲ھ کی شرح ہے، ابن التین نے اپنی شرح بخاری میں اس کی عبارتیں نقل کی ہیں، ان کے بعد پھر علامہ ''مہلب بن احمد بن ابی صفرہ'' التوفی ۴۳۵ھ کی شرح ہے، اسی شرح کی تلخیص شارح کے شاگرد ''ابوعبداللہ محمد بن خلف بن المرابط الاندلسی المصری التوفی ۴۸۵ھ نے کی ہے، ان کے بعد پھر ابوالحسن علی بن خلف بن بطال القرطبی التوفی ۴۴۹ھ کی شرح ہے، یہ مہلب کے شاگرد تھے اور انھوں نے ان کی شرح سے استفادہ کیا ہے، ابن بطال کی شرح سے پہلے صرف ''خطابی'' کی شرح مطبوع ہے، اور اب ''ابن بطال'' کی شرح چھوٹے سائز کی دس جلدوں میں چھپ چکی ہے، امام نووی التوفی ۶۷۹ھ نے بھی صرف کتاب الایمان کی شرح لکھی، اسی طرح امام شمس الدین محمد بن یوسف بن علی الکرمانی التوفی ۷۸۶ھ کی شرح'' الکواکب الدراری'' شیخ جمال الدین الشافعی التوفی ۶۷۲ھ کی ' شواهد التوضيح والتصحيح لمشكلات الجامع الصحيح" حافظ ابن حجر العسقلانی التوفی ۸۵۲ھ کی ''فتح الباری'' امام بدرالدین عینی التوفی ۸۵۵ھ کی'' عمدة القاری'' علامہ جلال الدین السیوطی التوفی ۹۱۱ھ کی ''التوشیح'' امام قسطلانیؒ کی ' ارشاد الساری'' علامہ نورالحق بن مولانا الشیخ عبدالحق محدث دهلوی التوفی ۱۰۷۳ھ کی 'تیسیر القاری'' شیخ الاسلام بن محب اللہ البخاری کی شرح جو تیسیر القاری کے حاشیہ پر ہے، حافظ درازپشاوری کا حاشیہ بھی ''تیسیر القاری'' کے حاشیہ پر چھپا ہے، علامہ ابوالحسن نورالدین محمد بن عبدالھادی سندھی کا حاشیہ ...... یہ تمام صحیح بخاری کے مشہور اور مطبوع شروح وحواشی ہیں۔

ہندوستان میں علم حدیث کی خدمات کا مختصر جائزہ

ہندوستان میں جب علم حدیث کا سلسلہ شروع ہوا تو اس کے بعد حدیث کی خدمت کے سلسلے میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اوران کے گھرانے کی گراں قدر خدمات ہیں، حضرت شیخ نے خود مشکوۃ المصابیح پر عربی اور فارسی میں شروح لکھیں اوران کے صاحبزادے نے صحیح بخاری پر شرح لکھی پھران کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اوران کے خاندان کی خدمات بھی آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

صحیح بخاری کے ابواب وتراجم پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا رسالہ صحیح بخاری کی ابتدا میں مطبوع اور متداول ہے پھران کے بعد حدیث کی تدریس وتشریح کے سلسلے میں علماء دیوبند کا دور آتا ہے جن میں نمایاں خدمت حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری کا حاشیہ بخاری ہے، جس کی تکمیل حضرت قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے کی، نیز حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری نے صحاح کی اکثر کتب پر حواشی لکھے اوراحادیث کی کتب اہتمام صحت کے ساتھ چھپوائیں۔

پھر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نوراللہ مرقدہ کی خدماتِ تدریسِ حدیث اوران کے لائق تلامذہ کی وہ تقاریر بھی خدمتِ حدیث کی سنہری کڑیاں ہیں جن میں صحیح بخاری پر ''لامع الدراری'' اور سنن ترمذی پر ''الکوکب الدری'' جو حضرت شیخ الحدیثؒ کے قیمتی حواشی کے ساتھ چھپ چکی ہیں، سنن ابن ماجہ پر حضرت شیخ الہند کے استاذ ملا محمودؒ کا حاشیہ اور سنن ابی داؤد پر حضرت شیخ الہند اور حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی کے حواشی، سنن ترمذی اور سنن النسائی پر حضرت مولانا اشفاق الرحمان کاندھلویؒ کے حواشی اور ابوداؤد پر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی بے مثال شرح ''بذل المجہود''، سنن ترمذی اور سنن ابی داؤد پر حضرت شیخ الہند کی تقاریر، صحیح بخاری اور سنن ابی داؤد پر حضرت امام العصر علامہ انور شاہ کاشمیری کی تقاریر، سنن ترمذی پر علامہ انور شاہ کشمیری اور شیخ الاسلام حضرت مدنی کی تقاریر، صحیح مسلم پر حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی لاجواب شرح، اسی طرح سنن ترمذی پر حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے مختصر نکات، صحیح بخاری پر حضرت عثمانی کی تقریر اور حضرت شیخ الحدیث کی تقریر اور " الابواب والتراجم " موطا امام مالکؒ پر ان کی شرح ''اوجز المسالک'' موجودہ زمانے میں حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی ''تکملۃ فتح الملہم'' اور درس ترمذی، حضرت مولانا فخر الدینؒ کی '' إیضاح البخاری'' اور " الابواب والتراجم " پر ان کی کتاب، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی "التعلیق الصبیح" اور صحیح بخاری پر " الابواب والتراجم " مولانا عبدالجبار اعظمی کی ''امداد الباری'' شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غور غشتوی کا '' حاشیہ مشکوۃ'' حضرت مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) کی تقریر ترمذی، حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب کی ترمذی پر شرح، مولانا نذیر احمد صاحب فیصل آبادی کی مشکوۃ پر تقریر، حضرت مولانا عبدالرحمان کاملپوری کی ''معارف ترمذی'' اوراس طرح کی دیگر لاتعداد کتب، علم حدیث کی وہ گرانقدر خدمات ہیں جن سے زمانہ صرفِ نظر نہیں کرسکتا اور نہ علوم کی تاریخ لکھنے والا ان خدمات کو نظر انداز کرسکتا ہے۔

کشف الباری

صحیح بخاری کی شروح میں ایک گرانقدر اضافہ

موجودہ دور میں علم حدیث اور خصوصاً صحیح بخاری کی خدمت وتشریح کے سلسلے میں ایک گراں قدر، قیمتی اور بے مثال اضافہ سیدی وسندی، مسند العصر، استاذ العلماء، شیخ الحدیث وصدر وفاق المدارس پاکستان حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہ وفیوضہ وادام اللہ علینا ظلہ کی صحیح بخاری پر تقریر " کشف الباری عما فی صحیح البخاری " ہے یہ کتاب حضرت کی ان تقاریر پر مشتمل ہے جو صحیح بخاری پڑھاتے وقت حضرت نے فرمائیں۔

جامعہ فاروقیہ میں احقر کے دورۂ حدیث پڑھنے کا پس منظر

بندہ نے خود بھی حضرت دام ظلہ سے صحیح بخاری پڑھی تھی جس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ بندہ صوبہ سرحد، ضلع سوات، تحصیل مٹہ، گاؤں فاضل بیگ گھڑی، کے دیہات سے رمضان المبارک کے آخر میں جامعہ اشرفیہ لاہور میں داخلے کے ارادے سے روانہ ہوا، راولپنڈی آ کر اگلی منزل پر روانگی کے لئے دار العلوم تعلیم القرآن راجہ بازار، راولپنڈی میں ٹھہر گیا، یہ ۱۹۷۳ء کی بات ہے اس زمانے میں جامعہ اشرفیہ میں علم کے آفتاب و ماہتاب حضرت مولانا رسول خان صاحب اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھاتے تھے، بندہ بھی شیخین سے استفادہ کی خاطر گھر سے نکلا تھا، راولپنڈی میں قیام کے دوران طالب علمی کے دور کے شفیق و بزرگ ساتھی حضرت مولانا محمد اکبر صاحب چکیسری سے ملاقات ہوئی، وہ اس سال جامعہ فاروقیہ میں حضرت دام مجدہ سے دورۂ حدیث پڑھ چکے تھے، انھوں نے بندہ کے ارادے پر مطلع ہونے کے بعد کچھ اس والہانہ اور محبت کے انداز میں حضرت کی طرز تدریس اور قدرت علی التدریس کا تذکرہ کیا کہ بندہ کے لاہور جانے کے ارادے میں کچھ تزلزل پیدا ہوا اور پھر انھوں نے مجھ پر اصرار کیا کہ میں بھی دورۂ حدیث جامعہ فاروقیہ کراچی میں حضرت سے پڑھ لوں، چنانچہ بندہ نے ان کی معیت میں کراچی کا سفر کیا، انھوں نے حضرت سے سفارش کر کے بندہ کا داخلہ دورہ حدیث میں کرایا ''مشکوۃ المصابیح'' میں حضرت نے خود بندہ کا امتحان لیا، مجھے اب تک مقام امتحان کی وہ حدیث یاد ہے۔

اس وقت جامعہ فاروقیہ ایک نوزائیدہ مدرسہ تھا اور اکثر عمارات کچی تھیں، اسباق شروع ہونے سے پہلے بندہ کو کچھ بے چینی اور شکوک وشبہات نے گھیرا، چنانچہ بندہ نے چپکے سے کراچی کے ایک اور بڑے مدرسہ میں داخلہ لیا، وہاں اسباق شروع تھے، صحیح بخاری اور سنن ترمذی کے سبق میں ایک دن شریک ہوا لیکن پھر واپس جامعہ فاروقیہ آیا، دوسرے دن وہاں اسباق شروع ہوئے، حضرت دام مجدہ کے پاس صحیح بخاری کا سبق تھا، پہلے دن کا سبق سن کر اور ابتدائی ابحاث پر حضرت کا خوبصورت اور دل موہ لینے والا مرتب اور واضح انداز تدریس کا مشاہدہ کر کے دل کو اطمینان ہوا اور اپنے رفیق حضرت مولانا محمد اکبر مدظلہ کے لئے دل سے دعا نکلی، بندہ نے خود بھی حضرت کی بخاری شریف کی تقریر لکھی تھی جو بعد میں میری غفلت کی وجہ سے ضائع ہوگئی۔

میں نے مولانا سلیم اللہ خان صاحب جیسا استاذ و مدرس نہیں دیکھا

یہ بات واضح رہنی چاہیئے کہ بندہ نے ایک طویل عرصے تک حضرت کے زیر سایہ جامعہ فاروقیہ میں تدریس کے فرائض انجام دیے اور اب تقریباً دس بارہ سال سے جامعۃ العلوم الاسلامیہ میں درس دے رہا ہے، اس وقت حضرت دام ظلہ سے میرا کوئی دنیوی مفاد وابستہ نہیں ہے، یہ تمہید میں نے اس لئے لکھی، کہ آئندہ جو بات میں لکھنا چاہتا ہوں، شاید کچھ حضرات اس کو مبالغہ اور تملق پر محمول کریں گے وہ بات یہ کہ بندہ نے اپنی مختصر سی طالب علمی کی زندگی میں اور اس کے بعد تقریباً ستائیس اٹھائیس سالہ تدریسی زندگی میں حضرت جیسا مدرس اور استاذ نہیں دیکھا جس کی تقریر ایسی مرتب جامع اور واضح ہو کہ اعلیٰ، متوسط اور ادنی درجے کا ہر طالب علم اس سے استفادہ کر سکتا ہو، اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کو جو تحقیقی ذوق عطا فرمایا، اس کے ساتھ مرتب اور جامع طرزِ تدریس عموماً بہت کم ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات گرامی میں یہ تمام صفات جمع فرمائی ہیں۔

کشف الباری مستغنی کر دینے والی شرح

بندہ تقریباً تین سال سے جامعہ علوم اسلامیہ میں صحیح بخاری پڑھاتا ہے اور الحمد للہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کہتا ہوں کہ مجھے مطالعہ کرنے کا ذوق اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے عطا فرمایا ہے، صحیح بخاری کی مطبوعہ ومتداول شروح، حواشی اور تقاریر اکابر میں سے شاید کوئی

شرح، حاشیہ، یا تقریر ایسی ہوگی، جو بندہ کی نظر سے نہیں گذری لیکن میں نے ''کشف الباری'' جیسی ہر لحاظ سے جامع، مرتب اور تحقیقی شرح نہیں دیکھی، اگرچہ علماء کا مشہور مقولہ ہے ...... " لایغنی کتاب عن کتاب" لیکن ...... " مامن عام إلا وقد خص عنه البعض " کے قاعدے کے مطابق ''کشف الباری'' اس قاعدے سے مستثنی ہے، بلا مبالغہ حقیقتۃً واقعۃً یہ ایسی شرح ہے کہ انسان کو دوسری شروح سے مستغنی کردیتی ہے۔

میں ان لوگوں کی بات تو نہیں کرتا جو کسی خاص تقریر کا مطالعہ کر کے سبق پڑھاتے ہیں البتہ وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے تحقیقی ذوق دیا ہے، اور متقدمین شارحین جیسے خطابی، ابن بطال، کرمانی، عینی، ابن حجر، قسطلانی، سندھی وغیرھم کی شروح کا مطالعہ کرتے ہیں اور متاخرین میں تیسیر القاری، لامع الدراری، کوثر المعانی، اور فیض الباری کو دیکھتے ہیں، وہ اس بات کی گواہی دیں گے۔

کشف الباری کی خصوصیات

''کشف الباری عما فی صحیح البخاری'' کی خصوصیات اور امتیازات تو بہت ہیں اور ان شاء اللہ بندہ کا ارادہ ہے کہ اس موضوع پر دوسری شروح کے ساتھ ایک تقابلی جائزہ آئندہ پیش کرے گا یہاں ارتجالاً چند خصوصیات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ مشکل الفاظ کے لغوی معانی کا اور یہ کہ یہ لفظ کس باب سے آتا ہے بیان ہوتا ہے۔

۲۔ اگر نحوی ترکیب کی ضرورت ہو تو جملے کی نحوی ترکیب کو ذکر کیا گیا ہے۔

۳۔ حدیث کے الفاظ کا مختلف جملوں کی صورت میں سلیس ترجمہ کیا گیا ہے۔

۴۔ ترجمۃ الباب کے مقصد کا تحقیقی طریقے سے مفصل بیان کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں علماء کے مختلف اقوال کا تنقیدی تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

۵۔ باب کا ماقبل سے ربط و تعلق کے سلسلے میں بھی پوری تحقیق و تنقید کے ساتھ تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

۶۔ مختلف فیہا مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک اور دوسرے مسالک کی تنقیح و تحقیق کے بعد ہر ایک کے مستدلات کا استقصاء اور پھر دلائل پر تحقیقی طریقے سے رد و قدح اور احناف کے دلائل کی وضاحت اور ترجیح بیان کی گئی ہے۔

۷۔ اگر حدیث میں کوئی تاریخی واقعہ مذکور ہو تو اس کی پوری وضاحت کی گئی ہے۔

۸۔ جن احادیث کو تقریر کے ضمن میں بطور استدلال پیش کیا گیا ہے ان کی تخریج کی گئی ہے۔

۹۔ تعلیقات بخاری کی تخریج کی گئی ہے۔

۱۰۔ اور سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مختلف اقوال کے نقل کرنے میں حضرت صرف ناقل نہیں ہیں بلکہ ہر قول پر محققانہ اور تنقیدی کلام بھی بوقت ضرورت کیا گیا ہے۔ تلک عشرۃ کاملہ۔

حضرت کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے تدریس کا طویل موقعہ عنایت فرمایا، اس کتاب میں آپ کی پوری زندگی کی تدریس کا نچوڑ موجود ہے، بندہ کی رائے یہ ہے کہ اس دور میں صحیح بخاری پڑھانے والا کوئی بھی استاذ اس کتاب کے مطالعہ سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت کا سایہ تادیر ہم پر قائم رہے، اس تقریر کے مرتب کرنے والے حضرات کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، دینی طبقہ پر عموماً اور حضرت کے طبقۂ تلامذہ پر خصوصاً جن میں بندہ بھی شامل ہے، یہ ان حضرات کا عظیم احسان ہے۔

☆ ☆☆☆

کتاب الجہاد والیسر
(جلد سوم)

کشف الباری

کتاب الجهاد والسیر
(جلد سوم)

افادات

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان

ترتیب وتحقیق

حبیب اللہ زکریا

مطبوعات مکتبہ فاروقیہ کراچی 75230 پاکستان

نزد جامعہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی نمبر 4
کراچی 75230، پاکستان
فون: 021-4575763
m_farooqia@hotmail.com

۱۴۳۴ھ 2013

بسم الله الرحمن الرحيم

فهرست اجمالی

☆☆......☆☆

فہرست مضامین

باب أداء الخمس من الإيمان ۹۶

باب نفقة نساء النبي ﷺ بعد وفاته ۹۸

باب الغنيمة لمن شهد الوقعة ۲۶۱

باب من قاتل للمغنم هل ينقص من أجره؟ ۲۶۸

باب کیف ینبذ إلی أهل العهد؟

باب إثم من عاهد ثم غدر

ایک وضاحت

اس تقریر میں ہم نے صحیح بخاری کا جو نسخہ متن کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اس پر ڈاکٹر مصطفیٰ دیب البغا نے تحقیقی کام کیا ہے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ دیب نے احادیث پر نمبر لگانے کے ساتھ ساتھ احادیث کے مواضع متکررہ کی نشان دہی کا بھی التزام کیا ہے۔ اگر کوئی حدیث بعد میں آنے والی ہے تو حدیث کے آخر میں نمبرات سے اس کی نشان دہی کرتے ہیں کہ اس نمبر پر یہ حدیث آرہی ہے اور اگر حدیث گزری ہے تو نمبر سے پہلے [ر] لگا دیتے ہیں۔ یعنی اس نمبر کی طرف رجوع کیا جائے۔

أسماء المترجم لهم على ترتيب حروف الهجاء

نمبر شمار	الاسماء	صفحہ نمبر
☆	ابن زمعہ (دیکھیے عبداللہ بن زمعہ)	
۱	حضرت ابو بردہ بن قیس رضی اللہ عنہ	۳۴۹
۲	حضرت ابو رہم بن قیس رضی اللہ عنہ	۳۵۰
۳	حضرت ابوالعاص بن الربیع بن عبد العزی رضی اللہ عنہ	۱۶۴
۴	حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ	۴۳۲
۵	بجالہ بن عبدہ بن سالم	۴۷۴
۶	بسر بن عبید اللہ الشامی	۶۴۴
۷	جبیر بن حیہ ثقفی	۵۰۰
۸	حضرت جزء بن معاویہ	۴۷۸
۹	حضرت جویریہ بنت ابی جہل رضی اللہ عنہا	۱۵۸
۱۰	جویریہ بن قدامۃ	۵۳۴
۱۱	الحسن بن عمرو الفقیمی	۵۵۰
۱۲	حضرت حویصۃ بن مسعود رضی اللہ عنہ	۶۱۵
۱۳	خبیب بن عبداللہ بن زبیر	۲۹۰
۱۴	حضرت خولہ بنت ثامر رضی اللہ عنہا	۲۲۶
۱۵	حضرت رقیۃ رضی اللہ عنہا بنت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم	۳۱۹
۱۶	سعید بن عبید اللہ الثقفی	۴۹۸
۱۷	عبداللہ بن جعفر الرقی	۴۹۵
۱۸	حضرت عبداللہ بن زمعۃ رضی اللہ عنہ	۳۰۳
۱۹	حضرت عبدالرحمن بن سہل رضی اللہ عنہ	۶۱۳
۲۰	عبدالعزیز بن سیاہ	۶۹۰
۲۱	عبداللہ بن العلاء بن زبر	۶۴۱
۲۲	عمرو بن عوف الأنصاری رضی اللہ عنہ	۴۸۹
۲۳	عیسیٰ بن طہمان الجشمی	۱۳۹
۲۴	حضرت عیینہ بن حصن	۴۳۳
۲۵	قاسم بن عاصم کلیبی	۳۳۱
۲۶	مالک بن اوس	۶۳
۲۷	مصعب بن الزبیر	۴۷۶
۲۸	حضرت معاذ بن عفراء	۳۹۶
۲۹	حضرت معاذ بن عمرو بن الجموح	۳۹۷
۳۰	المنذر بن الزبیر بن العوام	۳۰۲
۳۱	حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ	۵۱۲
۳۲	ہرمزان	۵۰۳
۳۳	یرفا مولی عمر	۶۶
۳۴	یزید بن عبدالعزیز بن سیاہ	۶۸۹

عرضِ مرتب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العلمين، والعاقبة للمتقين، والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين، وعلى آله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

اما بعد!

اللہ تعالیٰ کا انتہائی کرم اور اس کی بے انتہا نوازش و مہربانی ہے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں یہ توفیق بخشی کہ آج ہم آپ کے ہاتھوں میں بخاری شریف کی عظیم الشان شرح ''کشف الباری'' کی ایک اور جلد پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔

یہ جلد صحیح بخاری کی کتاب الخمس والجزیۃ سے متعلق ہے۔ جس میں کل 42 ابواب کی تشریح، تعلیق، تحقیق اور ترتیب کے ساتھ آگئی ہے، جن میں 20 ابواب کتاب الخمس کے اور 22 ابواب کتاب الجزیہ کے ہیں۔

اس جلد میں بھی الحمد للہ ان تمام امور کا التزام کیا گیا ہے جن کا اہتمام کتاب الایمان و کتاب العلم اور کتاب الجہاد کی جلدوں میں کیا گیا ہے اور دورانِ ترتیب و تعلیق اسی نہج کو برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، جس کا اہتمام مذکورہ بالا جلدوں میں کیا گیا۔

احادیث کی تشریح میں جہاں کہیں عربی عبارتیں نقل کی گئی ہیں ان کا بھی ترجمہ کردیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں تراجم رجال کے تحت رواۃ سند کے احوال وتذکرہ بیان کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے، چوں کہ خمس وجزیہ صحیح بخاری جلد اول کے تقریباً آخر میں ہے اور کتاب الوضو سے کتاب الجہاد تک کشف الباری کا کام ابھی تک زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہوا، اس لیے ہم نے جہاں بھی حاشیہ میں یہ لکھا کہ مثلاً ''ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب......'' یا ''ان کے حالات کے لیے دیکھیے کتاب الزکوۃ، باب......'' تو اس سے مراد صحیح بخاری کی مذکورہ کتاب اور باب ہے اور اگر کسی راوی یا شخصیت کا نام پہلی بار خمس وجزیہ کے کسی باب میں آیا ہے تو وہیں ان کا تذکرہ بھی لکھ دیا گیا ہے اور اگر کشف الباری کی ابتدائی چار جلدوں یا کتاب الجہاد کی دو جلدوں میں ان کا تذکرہ ہے تو بقید صفحہ نشان دہی کردی گئی ہے۔

احقر کو اپنی علمی بے بضاعتی اور میدانِ تحقیق میں اپنی ناتجربہ کاری ونو واردگی کا نہ صرف احساس ہے، بلکہ اس کا مکمل اعتراف بھی ہے۔ تاہم محض توکلاً علی اللہ، حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم کے حکم اور آپ کی توجہات وعنایات اور دعاؤں سے اس عظیم خدمت کا بیڑہ اٹھالیا ہے، عین ممکن ہے کہ اس میں بلاقصد وارادہ غلطیوں کا صدور ہو گیا ہو، لہٰذا حضرات اہل علم کی خدمت میں مؤدبانہ گزارش ہے کہ کتاب میں کسی قسم کی فروگذاشت پر نظر پڑے تو احقر کو اس سے مطلع فرمائیں۔

اس کتاب کی ابتدا سے انتہا تک ترتیب وتحقیق کے دوران احقر کو جن حضرات کی راہ نمائی حاصل رہی ان میں سب سے بلند نام حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم کے بعد حضرت استاذ مکرم مولانا نورُ البشر صاحب دامت معالیہم (رفیق شعبہ تصنیف واستاذ حدیث جامعہ فاروقیہ کراچی) کا ہے کہ ان کی راہ نمائی بندہ کو قدم قدم پر حاصل رہی۔

کتاب کی مکمل پروف ریڈنگ احقر نے خود ہی کی ہے، البتہ بعض احادیث کی تخریج، فہرست وغیرہ کی تیاری اور بعض حوالہ جات کی تخریج میں کچھ دوستوں کا تعاون حاصل رہا ہے، اللہ تعالیٰ ان تمام معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے اور علمی وعملی ترقیوں سے نوازے، نیز بندہ ان تمام اساتذہ ومخلصین ومحبین کا بھی نہایت شکرگزار ہے جن کی حوصلہ افزائی اور دعائیں احقر کو حاصل رہیں۔

آخر میں تمام قارئین سے حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم کے لیے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت کے سایۂ عاطفت کو ہمارے سروں پر تا دیر بعافیت قائم ودائم رکھے اور ملک وبیرون ملک جو علمی افادات کا سلسلہ (بالخصوص جامعہ فاروقیہ کراچی کی صورت میں) تقریباً نصف صدی سے جاری ہے اس کو تا قیامت جاری وساری رکھے اور ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

نیز احقر مرتب کے لیے بھی خصوصی دعا فرمائیں کہ بقیہ کام کو اللہ تعالیٰ آسان فرمائے، جلد از جلد مکمل کرنے کی توفیق بخشے اور اپنی بارگاہ میں قبولیت سے نوازے اور ہمارے لیے، ہمارے اساتذہ ومشائخ اور والدین ومتعلقین کے واسطے ذخیرۂ آخرت اور ذریعہ نجات بنائے۔

حبیب اللہ زکریا

رفیق شعبہ تصنیف وتالیف واستاذ جامعہ فاروقیہ کراچی

[illegible] المبارک ۱۴۳۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

٦١ - أبواب الخمس

سابق سے مناسبت

کتاب الجہاد چونکہ ختم ہوچکی ہے اور جہاد کے ملحقات میں ابواب الخمس بھی آتے ہیں، اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اب احکام خمس بیان کریں گے۔

اختلاف نسخ

اسماعیلی کے نسخے میں عنوان ''کتاب'' کے ساتھ معنون ہے اور اکثر نسخوں میں باب کا لفظ ہے اور بعض نسخ میں عنوان میں صرف ''فرض الخمس'' کے کلمات ہیں، نہ کتاب ہے اور نہ ہی باب۔

پھر نسخوں میں بسملہ بھی موجود ہے (۱)۔

البتہ راجح یہ ہے کہ عنوان ''کتاب'' کے ساتھ معنون ہو۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آگے مختلف ابواب قائم فرمائے ہیں، جن میں اکثر کا موضوع ومقصد احکامِ خمس کا بیان ہے، لہٰذا ان سب ابواب کا ایک کتاب کے تحت ہونا ہی بہتر ہے۔

ثانیاً۔ مصنف علیہ الرحمۃ عموماً بسملہ کتاب کے لیے ہی ذکر کرتے ہیں، نہ کہ ابواب کے لئے۔

اور مقصد اس سے ان ابواب کی اہمیت کو بتلانا ہے کہ یہ ابواب اتنے اہم ہیں کہ ان کو الگ عنوان کے ساتھ ذکر کیا جانا چاہیے۔

١ - باب : فَرْضِ الخُمُسِ .

خمس کی لغوی واصطلاحی تعریف

خمس ۔ بضم الخاء والمیم ۔ کے معنی پانچویں حصے یا جزء کے ہیں، جیسے ربع یا ثلث ہوتا ہے۔

---

(١) فتح الباري: ١٩٨/٦، وعمدة القاري: ١٧/١٥، والقسطلاني: ١٨٩/٥، والأبواب والتراجم: ٢٠٥/١.

اور اصطلاح شرع میں خمس غنیمت کے اس پانچویں حصے کو کہتے ہیں، جس کو تقسیم سے الگ کرلیا جاتا ہے(۱)، جب کہ بقیہ چار حصے مجاہدین میں تقسیم کیے جاتے ہیں، خمس کے مصارف کی تفصیل آئندہ ابواب میں آرہی ہے۔

ترجمة الباب کا مقصد

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں ترجمۃ الباب کے تین مقاصد ہوسکتے ہیں:

۱- امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خمس کی فرضیت کے وقت اور تاریخ کو بیان کرنا چاہتے ہیں، کہ خمس کی فرضیت کب ہوئی؟

۲-خمس کی فرضیت کی کیفیت بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اول وہلہ میں خمس کی فرضیت کی کیفیت کیا تھی؟

۳-نفس خمس کی فرضیت کو ثابت اور بیان کرنا چاہتے ہیں، کہ مالِ غنیمت میں سے خمس کا نکالنا فرض وضروری ہے(۲)۔یہی تیسری رائے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے(۳)۔

جاہلیت کا دستور اور خمس کی ابتدا

جاہلیت میں ربع کا دستور ہوا کرتا تھا، یعنی عربوں کو جنگوں میں جو غنیمت حاصل ہوتی، اس کے چار حصے کیے جاتے، تین حصے غانمین کے ہوتے اور ایک حصہ الگ کرلیا جاتا، جو سردار قبیلہ کا ہوتا، وہ حصہ رُباعہ کہلاتا تھا، بنو نمیر کا ایک شاعر کہتا ہے(۴):

أنا ابن الرابعين من آل عمرو وفرسان المنابر من جناب

کہ میں آل عمرو کے سرداروں اور قبیلہ جناب کے منبر کے شہسواروں کا فرزند ہوں۔

لیکن حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے ایک سریہ میں یہ کیا کہ مال غنیمت جو اُن کو حاصل ہوا،

---

(۱) فتح الباري: ۱۹۸/۶، والقاموس الوحيد، مادة "خمس"، ولسان العرب: ۷۰/۶، مادة "خمس". وفيه لغة أخرى، وهي إسكان الميم.

(۲) فتح الباري: ۱۹۸/۶.

(۳) عمدة القاري: ۱۷/۱۵.

(۴) ديوان الحماسة، باب الحماسة: ۱۲۰.

اس کے پانچ حصے کیے، چار حصے تو غانمین میں تقسیم کر دیے اور ایک حصہ الگ کرلیا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ ہے اس کی ابتدا(۱)۔

خمس کی فرضیت کب ہوئی؟

اب رہا یہ مسئلہ کہ خمس کی فرضیت کب ہوئی، اس میں اختلاف ہے، حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے جس سریہ کا اوپر ذکر آیا ہے، وہ رجب دو ہجری کا ہے، یعنی غزوہ بدر سے دو ماہ قبل (۲)، اس سریہ میں عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے مال غنیمت سے جو خمس نکالا تھا وہ ان کا اپنا ذاتی اجتہاد تھا، اس وقت تک فرضیت خمس کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے:-

"وقد ذكر لي بعض آل عبدالله بن جحش أن عبدالله قال لأصحابه: إن لرسول الله صلى الله عليه وسلم مما غنمنا الخمس، وذلك قبل أن يفرض الله تعالىٰ الخمس من المغانم، فعزل له الخمس، وقسم سائر الغنيمة بين أصحابه، قال: فوقع رضا الله بذلك"(۳).

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ نے اپنے ساتھی مجاہدین سے کہا کہ ہماری غنیمت میں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پانچواں حصہ ہوگا، جو انہوں نے الگ بھی کر دیا اور بقیہ غنیمت تقسیم کر دی۔ فرماتے ہیں کہ بعد میں ان کی موافقت میں حکم خداوندی بھی آ گیا کہ خمس نکالا جائے۔

تاہم یہ حکم کب آیا تو اس میں قاضی اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض کے بقول خمس کی فرضیت کا حکم غزوہ بنو قریظہ کے دوران نازل ہوا تھا۔ جب کہ دیگر بعض کا کہنا یہ ہے کہ اس کے بعد یہ حکم نازل ہوا۔ لیکن (بقول قاضی اسماعیل) میرے خیال میں اس کا صریح حکم غنائم حنین کے موقع پر آیا ہے(۴)۔

---

(۱) تفسير ابن كثير: ۲۵۵/۱، سورة البقرة/۲۱۷.

(۲) فتح الباري: ۱۹۹/٦، اس غزوے کی تفصیلات کے لیے دیکھیے، كشف الباري، كتاب المغازي: ٤٢-٤٦.

(۳) فتح الباري: ۱۹۹/٦، والسيرة النبوية لابن هشام: ٦٠٣/٢، سرية عبدالله بن جحش، وطرح التثريب في شرح التقريب: ۱۹۸۰/٦.

(٤) فتح الباري: ۱۹۹/٦، وشرح ابن بطال: ٢٤٨/٥.

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

باب کی پہلی حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں، "وكان النبي صلى الله عليه وسلم أعطاني شارفا من الخمس" حضرت علی فرماتے ہیں کہ ایک اونٹنی نبی علیہ السلام نے مجھے خمس میں سے عطا فرمائی، اس کی شرح میں علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ظاہر سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ خمس کی مشروعیت بدر میں ہوئی ہے، لیکن...... اہل سیر کا اس امر میں اتفاق ہے کہ بدر کے موقع پر خمس مشروع نہیں ہوا تھا۔

پھر ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی اسماعیل کے قول کو ترجیح دی کہ غزوۂ حنین کے موقع پر خمس کی فرضیت کا حکم نازل ہوا تھا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں یہ تاویل کی کہ اس حدیث میں جس اونٹنی کا ذکر ہے، وہ سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ میں جو خمس نکالا گیا تھا، اس میں سے تھی (۱)۔

یہی موقف ابن الملقن رحمہ اللہ کا بھی ہے، جوانہوں نے ابن بطال کی اتباع میں اختیار کیا ہے (۲)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اور ابن بطال کو جواب

جب کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر خمس کی فرضیت کا حکم آچکا تھا، وہ اس لیے کہ سورۃ الانفال بدر کے موقع پر نازل ہوئی ہے اور اس سورت میں فرضیت خمس کی تصریح آئی ہے، چنانچہ امام داودی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر جزم کیا ہے کہ آیت خمس بدر کے دن نازل ہوئی، تاج السبکی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے، فرماتے ہیں:

---

(۱) قال ابن بطال رحمه الله: "أما قول علي: "أعطاني النبي عليه السلام شارفا من الخمس يومئذ" يعني: يوم بدر، فظاهره أن الخمس قد كان يوم بدر، ولم يختلف أهل السير أن الخمس لم يكن يوم بدر، ذكر إسماعيل...... (القاضي) قال: في غزوة بني قريظة حين حكم سعد بأن تقتل المقاتلة، وتسبى الذرية -قيل: إنه أول يوم جعل فيه الخمس. قال: وأحسب أن بعضهم قال: نزل أمر الخمس بعد ذلك، ولم يأت في ذلك من الحديث ما فيه بيان شاف، وإنما جاء أمر الخمس يقينا في غنائم حنين، وهي آخر غنيمة حضرها رسول الله.

...... وإذا لم يختلف أن الخمس لم يكن يوم بدر، فيحتاج قول علي: "أعطاني رسول الله شارفا من الخمس" إلى تأويل لا يعارض قول أهل السير......". شرح ابن بطال: ۲٤۸/۵.

(۲) إرشاد الساري: ۱۸۹/۵.

"نزلت الأنفال في بدر وغنائمها"(۱).

امام کلبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے کہ خمس کی فرضیت بدر کے موقع پر نازل ہوچکی تھی (۲)۔

جہاں تک ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا تعلق ہے تو وہ کچھ عجیب سا ہے کہ اس میں تضاد پایا جاتا ہے، وہ اس طرح کہ خود ابن بطال یہ تسلیم کررہے ہیں کہ سریۂ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے اندر خمس نکالا گیا تھا اور یہ سریہ، جیسا کہ ماقبل میں گذرا، غزوہ بدر سے پہلے کا ہے تو پھر بدر میں خمس نہ ہونے کی کیا وجہ ہوگی؟! (۳)

اس لیے راجح قول وہی ہے جو عام مفسرین اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

احادیثِ باب

اس کے بعد یہ سمجھیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں باب کے تحت تین احادیث ذکر کی ہیں، جن میں کی پہلی حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۲۵ : حدَّثنا عَبْدَانُ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ : أَخْبَرَنَا يُونُسُ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ : أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ : أَنَّ حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ رضي الله عنه أَخْبَرَهُ : أَنَّ عَلِيًّا[٤] قَالَ : كَانَتْ لِي شَارِفٌ مِنْ نَصِيبِي مِنَ الْمَغْنَمِ يَوْمَ بَدْرٍ ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَعْطَانِي شَارِفًا مِنَ الْخُمُسِ . فَلَمَّا أَرَدْتُ أَنْ أَبْتَنِيَ بِفَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُولِ اللهِ ﷺ . وَاعَدْتُ رَجُلًا صَوَّاغًا مِنْ بَنِي قَيْنُقَاعٍ أَنْ يَرْتَحِلَ مَعِي ، فَنَأْتِيَ بِإِذْخِرٍ أَرَدْتُ أَنْ أَبِيعَهُ الصَّوَّاغِينَ ، وَأَسْتَعِينَ بِهِ فِي وَلِيمَةِ عُرْسِي . فَبَيْنَا أَنَا أَجْمَعُ لِشَارِفَيَّ مَتَاعًا مِنَ الْأَقْتَابِ وَالْغَرَائِرِ وَالْحِبَالِ . وَشَارِفَايَ مُنَاخَانِ إِلَى جَنْبِ حُجْرَةِ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ ، رَجَعْتُ حِينَ جَمَعْتُ مَا جَمَعْتُ ، فَإِذَا شَارِفَايَ قَدِ اجْتُبَّ أَسْنِمَتُهُمَا . وَبُقِرَتْ خَوَاصِرُهُمَا وَأُخِذَ مِنْ أَكْبَادِهِمَا ، فَلَمْ أَمْلِكْ عَيْنَيَّ حِينَ رَأَيْتُ ذٰلِكَ الْمَنْظَرَ مِنْهُمَا ، فَقُلْتُ : مَنْ فَعَلَ هٰذَا ؟ فَقَالُوا : فَعَلَ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ، وَهُوَ فِي هٰذَا الْبَيْتِ فِي شَرْبٍ مِنَ الْأَنْصَارِ ، فَانْطَلَقْتُ حَتَّى أَدْخُلَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَعِنْدَهُ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ ، فَعَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ فِي وَجْهِي الَّذِي لَقِيتُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (مَا لَكَ) . فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللهِ ، مَا رَأَيْتُ كَالْيَوْمِ قَطُّ . عَدَا حَمْزَةُ عَلَى

---

(۱) فتح الباري: ٦/١٩٩، وإرشاد الساري: ٥/١٨٩، وتفسير المنار: ١٠/٥، الأنفال: ٤١.

(۲) التفسير الكبير للرازي: ١٥/١٦٦، والكشاف: ٢/٢٢٢.

(۳) فتح الباري: ٦/١٩٩، وإرشاد الساري: ٥/١٨٩.

(٤) قوله: "أن عليا......": الحديث، مر تخريجه في البيوع، باب ماقيل في الصواغ.

نَاقَتِيَّ ، فَأَجَبَّ أَسْنِمَتَهُمَا ، وَبَقَرَ خَوَاصِرَهُمَا ، وَهَا هُوَ ذَا فِي بَيْتٍ مَعَهُ شَرْبٌ : فَدَعَا النَّبِيُّ ﷺ بِرِدَائِهِ فَارْتَدَى ، ثُمَّ انْطَلَقَ يَمْشِي ، وَاتَّبَعْتُهُ أَنَا وَزَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ حَتَّى جَاءَ الْبَيْتَ الَّذِي فِيهِ حَمْزَةُ ، فَاسْتَأْذَنَ فَأَذِنُوا لَهُمْ . فَإِذَا هُمْ شَرْبٌ ، فَطَفِقَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَلُومُ حَمْزَةَ فِيمَا فَعَلَ . فَإِذَا حَمْزَةُ قَدْ ثَمِلَ ، مُحْمَرَّةً عَيْنَاهُ ، فَنَظَرَ حَمْزَةُ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ ثُمَّ صَعَّدَ النَّظَرَ ، فَنَظَرَ إِلَى رُكْبَتِهِ ، ثُمَّ صَعَّدَ النَّظَرَ ، فَنَظَرَ إِلَى سُرَّتِهِ ، ثُمَّ صَعَّدَ النَّظَرَ فَنَظَرَ إِلَى وَجْهِهِ ، ثُمَّ قَالَ حَمْزَةُ : هَلْ أَنْتُمْ إِلَّا عَبِيدٌ لِأَبِي . فَعَرَفَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنَّهُ قَدْ ثَمِلَ . فَنَكَصَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى عَقِبَيْهِ الْقَهْقَرَى ، وَخَرَجْنَا مَعَهُ . [ر : ۱۹۸۳]

تراجم رجال

۱- عبدان

یہ عبداللہ بن عثمان الملقب بعبدان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲- عبداللہ

یہ مشہور محدث حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳- یونس

یہ یونس بن یزید الأیلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان تینوں حضرات کا تذکرہ بدء الوحي کی "الحدیث الخامس" کے تحت آچکا ہے(۱)۔

٤- الزهري

یہ ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ "بدء الوحي" میں تحت گذر چکا(۲)۔

٥- علی بن الحسین

یہ حضرت علی کے پوتے علی بن حسین بن علی المعروف بہ زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

(۱) كشف الباري: ۱/٤٦۱-٤٦۳، یونس ایلی رحمۃ اللہ علیہ کے مزید حالات کے لیے دیکھیے، کشف: ۳/۲۸۲.

(۲) كشف الباري: ۱/۳۲٦، الحديث الثالث.

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الغسل، باب الغسل بالصاع ونحوه.

٦- حسین بن علی

یہ نواسۂ رسول، حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما ہیں (۱)۔

۷- علی

یہ دامادِ رسول، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے مفصل حالات کتاب العلم، "باب کتابة العلم" میں گذر چکے ہیں (۲)۔

ترجمہ حدیث

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی درج بالا حدیث کی شرح چونکہ مغازی (۳) میں آچکی ہے، اس لیے یہاں صرف اس کے ترجمہ پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک اونٹنی وہ تھی جو بدر کے غنیمت میں مجھے ملی تھی، ایک دوسری اونٹنی بھی تھی، جو نبی علیہ السلام نے مجھے خمس میں سے عطا کی تھی۔ جب میں نے فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رخصتی کا ارادہ کیا تو بنوقینقاع کے ایک سنار کے ساتھ یہ معاملہ طے کیا کہ وہ میرے ساتھ چلے کہ ہم اذخر گھاس لائیں، میرا ارادہ یہ تھا کہ میں اس گھاس کو سناروں کے ہاتھ فروخت کردوں گا اور اس کے ذریعے اپنی شادی کے ولیمہ میں کچھ مدد حاصل کروں گا۔

چنانچہ اس دوران کہ میں اپنی دونوں اونٹنیوں کے لیے پالان، بورے اور رسیاں جمع کر رہا تھا اور میری اونٹنیاں ایک انصاری کے حجرے کے پہلو میں بیٹھی تھیں، تو جو کچھ جمع کرنا تھا وہ جمع کر کے میں لوٹ آیا تو اچانک میں نے دیکھا کہ...... میری اونٹنیوں کی کوہانیں کاٹ لی گئیں، ان کی کوکھیں چیر دی گئیں اور کلیجیاں نکال لی گئی ہیں۔ میں نے جب یہ منظر دیکھا تو اپنی آنکھوں پر قابو نہ رکھ سکا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کس نے کیا ہے؟ لوگوں نے بتلایا کہ حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے کیا ہے اور وہ انصار کی شراب نوش کرنے والی ایک جماعت کے ساتھ

---

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب التهجد، باب تحريض النبي صلى الله عليه وسلم على صلاة الليل.

(۲) كشف الباري: ۱٤۹/٤.

(۳) كشف الباري، كتاب المغازي: ۱٥٦-۱٦۰.

اس مکان میں موجود ہیں۔

یہ حالت دیکھ کر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کے پاس زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، نبی علیہ السلام میرا چہرہ دیکھ کر میرے رنج وغم کو سمجھ گئے اور فرمایا "ما لك؟" تمہیں کیا ہوا ہے؟ میں نے کہا، یا رسول اللہ! میں نے آج جیسا منظر (پہلے کبھی) نہیں دیکھا، حمزہ (رضی اللہ عنہ) نے آج میری دو اونٹنیوں پر ظلم کیا ہے، چنانچہ ان کی کوہانیں کاٹ ڈالیں اور ان کی کوکھیں چیر ڈالی ہیں۔ حمزہ اور ان کے ساتھی یہاں ایک گھر میں موجود ہیں۔ (میری باتیں سن کر) نبی علیہ السلام نے اپنی چادر طلب کی اور اوڑھ کر روانہ ہوئے، میں اور زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہ) بھی آپ علیہ السلام کے پیچھے چلے، حتیٰ کہ اس گھر میں آئے جہاں حمزہ موجود تھے، نبی علیہ السلام نے اندر جانے کی اجازت طلب کی، تو ان کو اجازت مل گئی، دیکھا کہ وہ سب شراب نوشی کے لیے وہاں جمع تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ان کے فعل پر ملامت کرنا شروع کی، لیکن وہ نشے میں تھے، ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، پھر نگاہ ذرا اور اونچی کی اور آپ کے گھٹنوں کی طرف دیکھا، پھر نظر کو مزید اٹھایا اور آپ کے ناف کی طرف دیکھا، پھر نظر مزید اونچی کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی طرف دیکھا، پھر حمزہ نے کہا "تم لوگ میرے باپ کے غلام ہی تو ہو!" رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ یہ نشے میں مدہوش ہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے الٹے پاؤں لوٹے اور ہم دونوں بھی آپ کے ساتھ باہر نکل آئے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت "وكان النبي صلى الله عليه وسلم أعطاني شارفا من الخمس" میں ہے (۱) کہ اس سے خمس کی مشروعیت واضح ہو رہی ہے۔

باب کی دوسری حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔

۲۹۲۶ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ : أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ : أَنَّ عَائِشَةَ[۲] أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَخْبَرَتْهُ : أَنَّ

(۱) عمدة القاري: ۱۵/ ۱۷، وإرشاد الساري: ۵/ ۱۹۱.

(۲) قوله: "أن عائشة.....": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه =

فاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ . ابْنَةَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ : سَأَلَتْ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ بَعْدَ وَفَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ : أَنْ يَقْسِمَ لَهَا مِيرَاثَهَا . ما تَرَكَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِمَّا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَيْهِ . فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قالَ : (لَا نُورَثُ . ما تَرَكْنَا صَدَقَةٌ) . فَغَضِبَتْ فاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَهَجَرَتْ أَبَا بَكْرٍ . فَلَمْ تَزَلْ مُهَاجِرَتَه حَتَّى تُوُفِّيَتْ . وَعاشَتْ بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ سِتَّةَ أَشْهُرٍ . قالَتْ : وَكانَتْ فاطِمَةُ تَسْأَلُ أَبَا بَكْرٍ نَصِيبَهَا مِمَّا تَرَكَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ خَيْبَرَ وَفَدَكٍ . وَصَدَقَتَهُ بِالْمَدِينَةِ . فَأَبَى أَبُو بَكْرٍ عَلَيْهَا ذٰلِكَ وَقالَ : لَسْتُ تارِكًا شَيْئًا كانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَعْمَلُ بِهِ إِلَّا عَمِلْتُ بِهِ . فَإِنِّي أَخْشَى إِنْ تَرَكْتُ شَيْئًا مِنْ أَمْرِهِ أَنْ أَزِيغَ . فَأَمَّا صَدَقَتُهُ بِالْمَدِينَةِ فَدَفَعَهَا عُمَرُ إِلَى عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ . وأَمَّا خَيْبَرُ وَفَدَكُ فَأَمْسَكَهَا عُمَرُ وَقالَ : هُما صَدَقَةُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ . كانَتَا لِحُقُوقِهِ الَّتِي تَعْرُوهُ وَنَوَائِبِهِ . وَأَمْرُهُما إِلَى مَنْ وَلِيَ الْأَمْرَ . قالَ : فَهُمَا عَلَى ذٰلِكَ إِلَى الْيَوْمِ .
[٣٥٠٨ . ٣٨١٠ . ٣٩٩٨ . ٦٣٤٦ . ٦٣٤٩]

تراجم رجال

١- عبدالعزیز بن عبداللہ

یہ عبدالعزیز بن عبداللہ اویسی عامری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے مفصل حالات کتاب العلم، "باب الحرص علی الحدیث" کے تحت گذر چکے(۱)۔

٢- ابراهیم بن سعد

یہ ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف قرشی زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٣- صالح

یہ صالح بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب من کرہ

= وسلم، باب مناقب قرابة رسول الله......، رقم (٣٧١١-٣٧١٢)، والمغازي، باب حديث بني النضير ......، رقم (٤٠٣٥-٤٠٣٦)، وباب غزوة خيبر، رقم (٤٢٤٠-٤٢٤١)، والفرائض، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: لا نورث ......، رقم (٦٧٢٥-٦٧٢٦)، ومسلم، كتاب الجهاد والسير، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: لا نورث ...... (٣٥٤٣-٤٥٤٥)، وأبوداود، كتاب الخراج ......، باب في صفايا رسول الله ......، رقم (٢٩٦٨-٢٩٦٩)، والنسائي، قسم الفيء، رقم (٤١٤٦).

(١) كشف الباري: ٤٨/٤.

أن يعود في الكفر كما يكره......" کے تحت آچکا(۱)۔

٤- ابن شهاب

ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ بدء الوحي کی "الحديث الثالث" کے تحت آچکا(۲)۔

٥- عروة

یہ عروۃ بن الزبیر بن العوام قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٦- عائشه

یہ حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما ہیں۔ان دونوں کا ترجمہ بدء الوحي کی "الحديث الثاني" کے تحت گذر چکا ہے(۳)۔

تنبیہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث، جس میں حضرت ابوبکر اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے درمیان فدک وخیبر کی زمینوں کی وراثت کے بارے میں قضیہ کا ذکر ہے، کتاب المغازی میں بھی آئی ہے، اس پر وہیں تفصیلی بحث آچکی ہے(۴)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

یہاں یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حدیث اور ترجمہ میں مطابقت نہیں ہے، کہ اس میں خمس کا ذکر نہیں ہے۔

تاہم اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جو میراث کا مطالبہ کیا، اس میں خیبر بھی شامل تھا، امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ خیبر صلحا وعنوۃ دونوں طرح فتح ہوا تھا کہ اس کے بعض علاقوں میں قتال ہوا اور بعض علاقے بغیر قتال کے صلحا حاصل ہوئے، ظاہر ہے کہ جو حصہ عنوۃ فتح ہوا اس میں خمس بھی جاری

---

(۱) كشف الباري: ۱۲۰/۲-۱۲۲.

(۲) كشف الباري: ۳۲٦/۱.

(۳) كشف الباري: ۲۹۱/۱، عروۃ کے لیے مزید دیکھیے، كشف الباري: ٤۳٦/۲.

(٤) كشف الباري، كتاب المغازي ٤٥٤-٤٦٦.

ہوا ہوگا، اس طرح مطابقت پائی گئی (۱)۔

علاوہ ازیں اس حدیث کا جو طریق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مغازی میں ذکر کیا ہے، اس میں خمس کے الفاظ کی صراحت موجود ہے، "أرسلت (فاطمة) إلى أبي بكر تسأله ميراثها من رسول الله صلى الله عليه وسلم، مما أفاء الله عليه بالمدينة وفدك، وما بقي من خمس خيبر" (٢). چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کی طرف اشارہ کردیا کہ معاملہ چونکہ مشہور ومعروف ہے، اس لیے یہاں اختصار پر اکتفا کیا گیا (۳)۔

ایک تفسیری قول کا اضافہ

بخاری شریف کے اکثر نسخوں میں یہاں ایک تفسیری قول کا اضافہ بھی ہے، جو اس طرح ہے:

قال أبو عبدالله: اعتراك: افتعلت، من عروتُه، فأصبته، ومنه يعروه واعتراني.

ابوعبداللہ سے مراد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خود ہیں اور اس تفسیری جملہ کی غرض اس حدیث میں وارد شدہ ایک لفظ "تعروه" کی توضیح، اس کے مشتقات اور معنی کو بیان کرنا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ تعروه اصل میں عروتُ يعروه سے ہے، نصر اس کا باب ہے، اس کے معنی حاصل کرنے اور ڈھانپنے کے ہیں، اسی سے تعروه ہے اور اعتراني ہے۔ نیز قرآن کی آیت شریفہ ﴿إن نقول الا اعتراك بعض آلهتنا بسوء﴾ (٤) میں جو لفظ اعتراك ہے، اس کی اصل بھی یہی لفظ ہے۔ اور یہ امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ وہ حدیث کے غریب الفاظ کی تفسیر قرآن کریم کے غریب الفاظ سے کرتے ہیں (٥)۔

علاوہ ازیں یہ بھی سمجھ لیجیے کہ یہ تفسیر ابوعبیدہ کی "المجاز" سے نقل کردہ ہے۔ تاہم بخاری کے نسخوں

(١) عمدة القاري: ١٥/١٩، وشرح ابن بطال: ٥/٢٥٢.

(٢) صحيح بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، رقم (٤٢٤٠-٤٢٤١).

(٣) عمدة القاري: ١٥/١٩.

(٤) هود/ ٥٤.

(٥) فتح الباري: ٦/٢٠٤، وإرشاد الساري: ٥/١٩٣، قال العيني في العمدة (١٥/٢١): "وقال الجوهري: عراني هذا الأمر، واعتراني: إذا غشيك. وعروت الرجل أعروه عروا: إذا ألممت به، وأتيته طالبا، فهو معرو. وفلان تعروه الأضيافُ ويعتريه أي: تغشاه". والصحاح للجوهري: ٦٨٤، مادة "عراء، عرى".

میں اعتراك کا وزن افتعلت بتلایا گیا ہے، جب کہ "المجاز" میں وزن افتعلك مذکور ہے اور مذکورہ لفظ کا حقیقی وزن بھی یہی ہے(۱)۔

تیسری حدیث حضرت مالک بن اوس بن حدثان رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔

اس حدیث سے قبل بعض نسخوں میں "قصة فدك" کے عنوان سے ایک عبارت بھی ہے(۲)، لیکن اس عنوان کی حقیقۃً یہاں کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ گزشتہ حدیث میں فدک ہی کا قضیہ مذکور ہے، علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "وزاد أبو ذر في رواية الحموي هنا ترجمة، فقال: "قصة فدك"، وهي زيادة مستغنى عنها بما سبق في الحديث المتقدم"(۳)۔

۲۹۲۷ : حدّثنا إِسْحٰقُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْفَرْوِيُّ : حَدَّثَنَا مالِكُ بْنُ أَنَسٍ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنْ مالِكِ بْنِ أَوْسِ بْنِ الحَدَثَانِ(٤) وَكانَ مَحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرٍ ذَكَرَ لِي ذِكْرًا مِنْ حَدِيثِهِ ذٰلِكَ ، فَٱنْطَلَقْتُ حَتَّى أَدْخُلَ عَلَى مالِكِ بْنِ أَوْسٍ ، فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ الحَدِيثِ . فَقَالَ مالِكٌ : بَيْنَا أَنَا جالِسٌ فِي أَهْلِي حِينَ مَتَعَ النَّهارُ ، إِذَا رَسُولُ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ يَأْتِينِي . فَقَالَ : أَجِبْ أَمِيرَ المُؤْمِنِينَ . فَٱنْطَلَقْتُ مَعَهُ حَتَّى أَدْخُلَ عَلَى عُمَرَ . فَإِذَا هُوَ جالِسٌ عَلَى رِمالِ سَرِيرٍ . لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ فِرَاشٌ . مُتَّكِىءٌ عَلَى وِسَادَةٍ مِنْ أَدَمٍ . فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ ثُمَّ جَلَسْتُ . فَقَالَ : يا مالِ ، إِنَّهُ قَدِمَ عَلَيْنَا مِنْ قَوْمِكَ أَهْلُ أَبْيَاتٍ ، وَقَدْ أَمَرْتُ فِيهِمْ بِرَضْخٍ ، فَٱقْبِضْهُ فَٱقْسِمْهُ بَيْنَهُمْ ، فَقُلْتُ : يَا أَمِيرَ المُؤْمِنِينَ لَوْ أَمَرْتَ بِهِ غَيْرِي ، قالَ : ٱقْبِضْهُ أَيُّهَا المَرْءُ ، فَبَيْنَا أَنَا جالِسٌ عِنْدَهُ أَتَاهُ حاجِبُهُ يَرْفَأُ ، فَقَالَ : هَلْ لَكَ فِي عُثْمانَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَالزُّبَيْرِ وَسَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ يَسْتَأْذِنُونَ ؟ قالَ : نَعَمْ ، فَأَذِنَ لَهُمْ فَدَخَلُوا فَسَلَّمُوا وَجَلَسُوا ، ثُمَّ جَلَسَ يَرْفَأُ يَسِيرًا ، ثُمَّ قالَ : هَلْ لَكَ فِي عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ ؟ قالَ : نَعَمْ ، فَأَذِنَ لَهُمَا فَدَخَلَا فَسَلَّمَا فَجَلَسَا ، فَقَالَ عَبَّاسٌ : يَا أَمِيرَ المُؤْمِنِينَ ٱقْضِ بَيْنِي وَبَيْنَ هٰذَا ، وَهُمَا يَخْتَصِمانِ فِيما أَفاءَ ٱللهُ عَلَى رَسُولِهِ ﷺ مِنْ بَنِي النَّضِيرِ ، فَقَالَ

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٠٤، وإرشاد الساري: ٥/١٩٣.

(۲) دیکھیے، عمدة القاري: ١٥/٢١.

(۳) إرشاد الساري: ٥/١٩٣.

(٤) قوله: "عن مالك بن أوس......": الحديث، مر تخريجه في كتاب الجهاد، باب المجن، ومَن ......

الرَّهْطُ ، عُثْمانُ وَأَصْحَابُهُ : يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ اقْضِ بَيْنَهُمَا ، وَأَرِحْ أَحَدَهُمَا مِنَ الآخَرِ ، قَالَ عُمَرُ : تَيْدَكُمْ ، أَنْشُدُكُمْ بِاللهِ الَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ ، هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قالَ : (لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ) . يُرِيدُ رَسُولُ اللهِ ﷺ نَفْسَهُ ؟ قالَ الرَّهْطُ : قَدْ قالَ ذٰلِكَ ، فَأَقْبَلَ عُمَرُ عَلَى عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ ، فَقَالَ : أَنْشُدُكُمَا اللهَ ، أَتَعْلَمَانِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَدْ قالَ ذٰلِكَ ؟ قالَا : قَدْ قالَ ذٰلِكَ ، قالَ عُمَرُ : فَإِنِّي أُحَدِّثُكُمْ عَنْ هٰذَا الْأَمْرِ ، إِنَّ اللهَ قَدْ خَصَّ رَسُولَهُ ﷺ فِي هٰذَا الْفَيْءِ بِشَيْءٍ لَمْ يُعْطِهِ أَحَدًا غَيْرَهُ ، ثُمَّ قَرَأَ : «وَما أَفَاءَ اللهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ – إِلَى قَوْلِهِ – قَدِيرٌ» . فَكَانَتْ هٰذِهِ خالِصَةً لِرَسُولِ اللهِ ﷺ . وَاللهِ ما احْتَازَهَا دُونَكُمْ ، وَلَا اسْتَأْثَرَ بِهَا عَلَيْكُمْ ، قَدْ أَعْطَاكُمُوهَا وَبَثَّهَا فِيكُمْ ، حَتَّى بَقِيَ مِنْهَا هٰذَا الْمَالُ ، فَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُنْفِقُ عَلَى أَهْلِهِ نَفَقَةَ سَنَتِهِمْ مِنْ هٰذَا الْمَالِ ، ثُمَّ يَأْخُذُ ما بَقِيَ فَيَجْعَلُهُ مَجْعَلَ مالِ اللهِ ، فَعَمِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِذٰلِكَ حَيَاتَهُ ، أَنْشُدُكُمْ بِاللهِ هَلْ تَعْلَمُونَ ذٰلِكَ ؟ قالُوا : نَعَمْ ، ثُمَّ قالَ لِعَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ : أَنْشُدُكُمَا بِاللهِ هَلْ تَعْلَمَانِ ذٰلِكَ ؟ قالَ عُمَرُ : ثُمَّ تَوَفَّى اللهُ نَبِيَّهُ ﷺ ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : أَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللهِ ﷺ ، فَقَبَضَهَا أَبُو بَكْرٍ ، فَعَمِلَ فِيهَا بِمَا عَمِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ، وَاللهُ يَعْلَمُ : إِنَّهُ فِيهَا لَصَادِقٌ بَارٌّ رَاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ ، ثُمَّ تَوَفَّى اللهُ أَبَا بَكْرٍ ، فَكُنْتُ أَنَا وَلِيَّ أَبِي بَكْرٍ ، فَقَبَضْتُهَا سَنَتَيْنِ مِنْ إِمَارَتِي ، أَعْمَلُ فِيهَا بِمَا عَمِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَما عَمِلَ فِيهَا أَبُو بَكْرٍ ، وَاللهُ يَعْلَمُ : إِنِّي فِيهَا لَصَادِقٌ بَارٌّ رَاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ ، ثُمَّ جِئْتُمَانِي تُكَلِّمَانِي ، وَكَلِمَتُكُمَا وَاحِدَةٌ وَأَمْرُكُمَا وَاحِدٌ ، جِئْتَنِي يَا عَبَّاسُ تَسْأَلُنِي نَصِيبَكَ مِنِ ابْنِ أَخِيكَ ، وَجَاءَنِي هٰذَا – يُرِيدُ عَلِيًّا – يُرِيدُ نَصِيبَ امْرَأَتِهِ مِنْ أَبِيهَا ، فَقُلْتُ لَكُمَا : إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قالَ : (لَا نُورَثُ ، ما تَرَكْنَا صَدَقَةٌ) . فَلَمَّا بَدَا لِي أَنْ أَدْفَعَهُ إِلَيْكُمَا ، قُلْتُ : إِنْ شِئْتُمَا دَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا ، عَلَى أَنَّ عَلَيْكُمَا عَهْدَ اللهِ وَمِيثَاقَهُ : لَتَعْمَلَانِ فِيهَا بِمَا عَمِلَ فِيهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ ، وَبِمَا عَمِلَ فِيهَا أَبُو بَكْرٍ ، وَبِمَا عَمِلْتُ فِيهَا مُنْذُ وَلِيتُهَا ، فَقُلْتُمَا : ادْفَعْهَا إِلَيْنَا ، فَبِذٰلِكَ دَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا ، فَأَنْشُدُكُمْ بِاللهِ هَلْ دَفَعْتُهَا إِلَيْهِمَا بِذٰلِكَ ؟ قالَ الرَّهْطُ : نَعَمْ ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ ، فَقَالَ : أَنْشُدُكُمَا بِاللهِ ، هَلْ دَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا بِذٰلِكَ ؟ قالَا : نَعَمْ ، قالَ : فَتَلْتَمِسَانِ مِنِّي قَضَاءً غَيْرَ ذٰلِكَ ، فَوَاللهِ الَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ لَا أَقْضِي فِيهَا قَضَاءً غَيْرَ ذٰلِكَ ، فَإِنْ عَجَزْتُمَا عَنْهَا فَادْفَعَاهَا إِلَيَّ ، فَإِنِّي أَكْفِيكُمَاهَا .

[ر : ٢٧٤٨]

تراجم رجال

١- اسحاق بن محمد الفروي

یہ اسحاق بن محمد الفروي -بفتح الفاء وسکون الراء وبالواو- رحمۃ اللہ علیہ ہیں (١)۔

تنبیہ (ایک اہم وضاحت)

فربری اور قابسی کے نسخوں میں یہاں قلب واقع ہوا ہے، چنانچہ ان نسخوں میں محمد بن اسحاق الفروی مذکور ہے، جوکہ وہم ہے، درست نام اسحاق بن محمد ہے (٢)۔

علاوہ ازیں اسحاق بن محمد امام بخاری کے ایسے شیخ ہیں، جن سے وہ بالواسطہ اور بلاواسطہ دونوں طرح روایت کرتے ہیں، کتاب الصلح (٣) میں ایک جگہ انہوں نے اسحاق بن محمد سے بواسطہ محمد بن عبداللہ روایت نقل کی ہے (٤)۔

٢- مالك بن انس

یہ امام دارالہجرہ مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "بدء الوحي" میں گذر چکا (٥)۔

٣- ابن شهاب

ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کا اجمالی تذکرہ "بدء الوحي" میں گزر چکا ہے (٦)۔

٤- مالك بن اوس بن الحدثان

یہ مشہور تابعی حضرت ابوسعید مالک بن اوس بن حدثان بن عوف نصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (٧)۔

---

(١) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الصلح، باب قول الإمام لأصحابه: اذهبوا بنا نصلح.

(٢) عمدة القاري: ١٥/٢٣، وفتح الباري: ٦/٢٠٤، وإرشاد الساري: ٥/١٩٣.

(٣) كتاب الصلح، باب قول الإمام لأصحابه: اذهبوا بنا نصلح، رقم (٢٦٩٣).

(٤) فتح الباري: ٦/٢٠٤.

(٥) كشف الباري: ١/٢٩٠، الحديث الثاني، و: ٢/٨٠.

(٦) كشف الباري: ١/٣٢٦، الحديث الثالث.

(٧) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب البيوع، باب مايذكر في بيع الطعام والحكرة.

وكان محمد بن جبير ذكر لي ذكرا من حديثه ذلك، فانطلقتُ معه حتى أدخل على مالك بن أوس، فسألته عن ذلك الحديث

اور محمد بن جبیر نے ان کی حدیث کا کچھ تذکرہ مجھ سے کیا تھا، سو میں انہی کے ہمراہ مالک بن اوس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں چلا اور ان کے ہاں داخل ہوا، پھر ان سے حدیث کی بابت پوچھا۔

محمد بن جبیر سے مراد مشہور تابعی محمد بن جبیر بن مطعم رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱)۔

اوپر ذکر کردہ عبارت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ باب کے تحت ذکر کی گئی حدیث انہوں نے محمد بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی سنی تھی، لیکن خواہش یہ تھی کہ صاحب واقعہ سے بھی سن لی جائے، اس لیے حضرت محمد بن جبیر کو ساتھ لیا اور مالک بن اوس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، مقصد واضح ہے کہ امام زہری اپنی سند عالی کرنا چاہتے تھے، حافظ فرماتے ہیں:

"وفي صنيع ابن شهاب ذلك أصل في طلب علو الإسناد؛ لأنه لم يقتنع بالحديث عنه، حتى دخل عليه؛ ليشافهه به، وفيه حرص ابن شهاب على طلب الحديث وتحصيله" (۲).

یہاں ذلك کا مشار الیہ محذوف ہے أي الآتي ذكره (۳) یعنی آئندہ سطور میں جس حدیث کا ذکر آرہا ہے اس کا سماع مجھے محمد بن جبیر سے تھا۔

أدخل کے اعراب میں دو احتمال ہیں:

۱- مرفوع ہو، بنابریں کہ حتی عاطفہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انطلقت فدخلت.

۲- منصوب ہو، کہ حتی "إلى أن" کے معنی میں ہو۔ ابن مالک رحمۃ اللہ علیہ نے وجہ نصب کو راجح قرار دیا ہے (۴)۔

حافظ فرماتے ہیں کہ ماضی کی بجائے مضارع کا صیغہ استعمال کرنا بطور مبالغہ کے ہے کہ اس وقت کی

---

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الأذان، باب الجهر في المغرب.

(۲) فتح الباري: ۶/۲۰۴.

(۳) حوالہ بالا، وإرشاد الساري: ۵/۱۹۳.

(۴) حوالہ جات بالا، وعمدة القاري: ۱۵/۲۳.

پوری صورت حال مجھے خوب مستحضر ہے(۱)۔

فقال مالك

مالک بن اوس نے فرمایا۔

حضرت مالک بن اوس کبار تابعین میں سے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بکثرت روایت کرتے ہیں، ان کی صحبت میں اختلاف ہے، بعض علماء نے ان کا شمار صحابہ میں کیا ہے، لیکن راجح قول کے مطابق ان کو صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حاصل نہیں ہوئی۔ البتہ ان کے والد اوس رضی اللہ عنہ بالاتفاق صحابی ہیں۔

حضرت مالک بن اوس رحمہ اللہ کی بخاری شریف میں دو ہی روایتیں ہیں، ایک تو حدیث باب ہے، دوسری روایت بیوع (۲) میں گذری ہے (۳)۔

بينا أنا جالس في أهلي حين متع النهار

اس دوران کہ میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ بیٹھا تھا اور دن چڑھ گیا تھا۔

متع -بالميم والتاء المثناة...... والعين المهملة المفتوحات-(٤) کے معنی ہیں، "ارتفع" یعنی بلند ہوگیا، صاحب العین نے فرمایا ہے کہ متع النهار اس وقت بولا جاتا ہے جب دن چڑھ جائے اور زوال سے قبل کا وقت ہو (۵)۔

مسلم اور ابوداوٗد (٦) کی روایت میں "حين تعالى النهار" کے الفاظ آئے ہیں (۷)۔ معنی واضح ہیں۔

---

(١) فتح الباري: ٢٠٤/٦.

(٢) صحيح بخاري، كتاب البيوع، باب مايذكر في بيع الطعام والحكرة، رقم(٢١٣٤).

(٣) فتح الباري: ٢٠٤/٦، وعمدة القاري: ٢٣/١٥، والأنساب للسمعاني: ٤٩٤/٥، النصري، باب النون والصاد (المهملة).

(٤) عمدة القاري: ٢٣/١٥.

(٥) حوالہ بالا، وإرشاد الساري: ١٩٣/٥، وكتاب العين: ٨٣/٢، باب العين والتاء والميم معهما.

(٦) صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب حكم الفيء، رقم (٤٥٧٧)، وسنن أبي داود، كتاب الخراج......، باب في صفايا رسول الله صلى الله عليه وسلم من الأموال، رقم(٢٩٦٣).

(٧) عمدة القاري: ٢٣/١٥، وفتح الباري: ٢٠٤/٦-٢٠٥.

إذا رسول عمر بن الخطاب يأتيني، فقال: أجب أمير المؤمنين

اچانک میرے پاس عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قاصد آیا اور کہا کہ امیر المؤمنین کے ہاں حاضری دو۔

حافظ فرماتے ہیں کہ اس فرستادہ کا نام مجھے معلوم نہیں ہوسکا، تاہم یہ احتمال ہے کہ مراد یرفا حاجب ہوں، جن کا ذکر آگے آرہا ہے(۱)۔

فانطلقت معه حتى أدخل على عمر، فإذا هو جالس على رمال سرير، ليس بينه وبينه فراش، متكئ على وسادة من أدم

تو میں اس قاصد کے ساتھ چلا اور عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں داخل ہوا، تو دیکھا کہ وہ کھجور کی شاخوں سے بُنی ہوئی چارپائی پر بیٹھے تھے، ان کے اور چارپائی کے درمیان کوئی بستر نہ تھا، چمڑے سے بنے تکیے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

فانطلقت معه...... میں وہی بات ہے جو ابھی ماقبل میں گذری، رفع ونصب کے حوالے سے اور مبالغے کے حوالے سے کہ جس طرح زہری کو اپنی ملاقات کا ہر ہر جزئیہ یاد ہے، اسی طرح مالک بن اوس رحمہما اللہ کو بھی ان کے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان اس وقت جو ملاقات ہوئی، اس کا ایک ایک جز مستحضر ہے۔

رُمال راء کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ، بُنی ہوئی چیز۔ رمال سریر کے معنی ہیں وہ چارپائی جو کھجور کی شاخوں سے بُنی ہوئی ہو(۲)۔

لیس بینه وبینه فراش کی تصریح اس لیے کی کہ عموماً اور عادۃً چارپائی پر بستر ہوتا ہے(۳)۔ لیکن وقت کا خلیفہ اور آدھی دنیا کا حاکم جس چارپائی پر بیٹھا تھا وہ بستر سے بھی محروم تھا۔ اللہ اکبر۔

فسلمت عليه، ثم جلست، فقال: يا مالِ

میں نے انہیں سلام کیا، پھر بیٹھ گیا، حضرت نے فرمایا اے مالک

---

(۱) فتح الباري: ۶/۲۰۵، حافظ نے یہاں تو احتمالاً ہی یرفا کو فرستادہ قرار دیا ہے لیکن ہدی الساری میں اس کی خود نفی بھی کی ہے۔ دیکھیے، هدي الساري: ۴۳۹، فرض الخمس.

(۲) فتح الباري: ۶/۲۰۵، وعمدة القاري: ۱۵/۲۳.

(۳) حواله جات بالا.

مال اصل میں مالک تھا، ترخیم کی وجہ سے مال ہوگیا ہے۔ لام کو کسرہ کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے کہ اصل اس کی یہی ہے۔ اور لام پر ضمہ بھی جائز ہے کہ ترخیم کے بعد وہ مستقل اسم بن گیا ہے، اس لیے منادی مفرد کا اعراب اس کو دیا گیا(۱)۔

إنه قدم علينا من قومك أهل أبيات

تمہاری قوم کے کچھ گھرانے ہمارے پاس آئے ہیں۔

قوم سے مراد بنونصر بن معاویہ بن بکر بن ہوازن ہے، حضرت مالک بن اوس رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق اسی قبیلے سے تھا(۲)۔

مسلم شریف کی جویریہ عن مالک کے طریق میں "دَفَّ أهــل أبيــات"(۳) کے الفاظ ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تھوڑے تھوڑے ہوکر آئے ہیں، غالباً ان لوگوں کا موطن اصلی قحط سالی کا شکار ہوگیا تھا، اس بنا پر یہ تلاش معاش میں مدینہ منورہ آگئے تھے(۴)۔

وقد أمرت فيهم برضخ، فاقبضه، فاقسمه بينهم

تحقیق میں نے ان کے لیے کچھ امداد کا حکم جاری کیا ہے، جس کا قبضہ تم لے لو، پھر ان میں تقسیم کردو۔

رضـخ –بفتح الراء، وسكون المعجمة، بعدها خاء معجمة– عطیہ و امداد کو کہتے ہیں، جو بہت زیادہ ہو، نہ مقرر(۵)۔

فقلت: يا أمير المؤمنين، لو أمرت به غيري؟

تو میں نے کہا، امیر المؤمنین! میرے علاوہ کسی اور کو یہ ذمے داری سونپ دیں (تو زیادہ بہتر ہوگا)۔

چونکہ تحمل امانت کا معاملہ تھا اور ذمے داری بڑی تھی، اس لیے مالک بن اوس رحمۃ اللہ علیہ نے عذر پیش

---

(۱) عمدة القاري: ۲٤/۱٥، وفتح الباري: ۲۰٥/٦، والقسطلاني: ۱۹۳/٥، والكرماني: ۷۷/۱۳.

(۲) فتح الباري: ۲۰٥/٦، وإرشاد الساري: ۱۹۳/٥.

(۳) صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب حكم الفيء، رقم (٤٥۷۷).

(٤) فتح الباري: ۲۰٥/٦، وإرشاد الساري: ۱۹۳/٥، وعمدة القاري: ۲٤/۱٥.

(٥) حواله جات بالا.

کرنے کی کوشش کی (۱)۔

قال: اقبضه أيها المرء

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (حکما) فرمایا اے آدمی! اس کو اپنے قبضہ میں لے لو۔

دوسری بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکماً حضرت مالک کو فرمایا کہ یہ کام تمہی نے کرنا ہے، چنانچہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مذکورہ امداد قبضہ میں لے کر اپنی قوم کے افراد میں تقسیم کردی، چونکہ قرینہ اس پر موجود تھا، اس لیے انہوں نے یہ تفصیل حذف کردی ہے (۲)۔

فبينا أنا جالس عنده أتاه حاجبه يرفأ

اس اثناء میں کہ میں ان کے پاس بیٹھا تھا کہ ان کا دربان یرفا اندر آیا۔

يرفأ

اس نام کو ہمزہ اور بغیر ہمزہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے، تاہم بغیر ہمزہ کے زیادہ مشہور ہے (۳)۔

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مولی اور دربان تھے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے، بلکہ جاہلیت کا زمانہ بھی دیکھا ہے، لیکن صحبت ثابت نہیں ہے (۴)۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کی سعادت بھی حاصل کی (۵)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کسی ذریعے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ایک ہی وقت میں مختلف ومتنوع اقسام کے کھانے تناول کرتے ہیں، جو زہد کے خلاف ہے، اس لیے انہوں نے یرفا سے کہا کہ جب یزید (رضی اللہ عنہ) کے رات کا کھانا آجائے تو مجھے بتلانا۔ حسبِ حکم کھانے پہنچنے کے بعد یرفا

---

(۱) حواله جات بالا.

(۲) حواله جات بالا.

(۳) عمدة القاري: ۱۵/۲٤.

(٤) حواله بالا، وفتح الباري: ٦/۲۰٥، والإصابة: ۳/٦۷۲، وشرح القسطلاني: ٥/١٩٤.

(٥) فتح الباري: ٦/۲۰٥، والإصابة: ۳/٦۷۲.

نے امیر المؤمنین کواطلاع کردی، چنانچہ وہ آئے اوراجازت طلب کی۔ اجازت ملنے پر اندر آئے، اولاً گوشت کا ثرید پیش کیا گیا، جس میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے ساتھ تناول فرمایا...... پھر بھنا گوشت پیش کیا گیا تو حضرت یزید نے اپنا ہاتھ بڑھایا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ رک گئے اور فرمایا، اے یزید! یہ کیا ہے؟ کھانے کے بعد پھر کھانا؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں عمر کی جان ہے! اگر تم نے ان کے طریقہ کی مخالفت کی تو تم بھی ان کے طریقہ سے ہٹادیے جاؤ گے(۱)۔

یرفا رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر مصنف ابن ابی شیبہ کی کتاب الصلاۃ کی ایک حدیث میں بھی آیا ہے، چنانچہ ابن ابی شیبہ نے "يحيى بن سعيد عن عبيدالله بن عبدالله عن أبيه" کے طریق سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں، "جئت إلى عمر، وهو يصلي، فجعلني عن يمينه، فجاء يرفأ، فجعلَنا خلفه"(۲).

سعید بن منصور کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یرفا رحمۃ اللہ علیہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بھی بقید حیات تھے، چنانچہ ابواسحاق (۳) یرفا سے روایت کرتے ہیں، "قال: قال لي عمر: إني أنزلت نفسي من مال الله بمنزلة ولي اليتيم؛ إن احتجتُ أخذتُ منه، وإن أيسرتُ رددته، وإن استغنيت استعففت"(٤). رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

فقال: هل لك في عثمان وعبدالرحمن بن عوف والزبير وسعد بن وقاص يستأذنون؟ قال: نعم. فأذن لهم، فدخلوا، فسلموا وجلسوا

یرفا نے کہا کہ (امیر المؤمنین!) کیا آپ کو عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر بن عوام اور سعد بن ابی

(۱) كتاب الزهد لابن المبارك، الجزء الرابع، باب ماجاء في الفقر: ۲۰۳-۲۰٤، رقم (۵۷۸).

(۲) المصنف لابن أبي شيبة: ۵٦۸/۳، كتاب الصلاة، باب ماقالوا: إذا كانوا ثلاثة ......، رقم (٤۹۸۲).

(۳) حضرت ابواسحاق عمرو بن عبداللہ سبیعی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت عہد عثمانی کے آخری سالوں میں ہوئی ہے۔ كشف الباري: ۳۷۱/۲.

(٤) السنن الكبرى للبيهقي: ۳۵٤/٦، كتاب قسم الفيء ......، رقم (۱۲۷۹۰)، ومعرفة السنن والآثار: ۱٦٤/۵، كتاب قسم الفيء......، باب رزق الوالي، رقم (٤۰۱۲)، اس اثر کو ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کیا ہے، لیکن اس میں یرفا کی بجائے حارثہ بن مضرب عبدی یہ اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے والے ہیں۔ انظر المصنف: ٤۹۱/۱۷، كتاب السير، باب ماقالوا في عدل الولي ......، رقم (۳۳۵۸۵).

وقاص رضی اللہ عنہم کی ملاقات میں کوئی رغبت ہے کہ یہ حضرات ملنے کی اجازت چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا، بالکل۔ تو یرفا نے انہیں مطلع کیا، سو یہ حضرات اندر آئے، سلام کیا اور بیٹھ گئے۔

دربارِ عمری میں آنے والے حضرات کل کتنے تھے، اس بارے میں حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے تمام طرق میں ان چاروں حضرات کے علاوہ اور کسی کا نام میں نے نہیں دیکھا، سوائے نسائی شریف (۱) اور عمر بن شبہ (۲) کی ایک روایت میں، جو عمرو بن دینار عن ابن شہاب کے طریق سے ہے، اس میں طلحہ بن عبید اللہ کے نام کا اضافہ بھی پایا جاتا ہے، علاوہ ازیں امامی عن ابن شہاب کے طریق میں بھی طلحہ بن عبید اللہ کا ذکر پایا گیا ہے۔ اسی طرح یہ روایت ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ابوالبختری کے طریق سے نقل کی ہے (۳)۔ اس میں بھی طلحہ رضی اللہ عنہ کا ذکر موجود ہے، تاہم اس میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے (۴)۔

ثم جلس يرفأ يسيرا، ثم قال: هل لك في علي وعباس؟ قال: نعم. فأذن لهما، فدخلا، فسلما، فجلسا

پھر یرفا تھوڑی دیر بیٹھے، پھر کہا کیا آپ علی وعباس رضی اللہ عنہما سے ملنا پسند کریں گے؟ امیر المؤمنین نے فرمایا نعم، چنانچہ یرفا نے ان دونوں کو اندر آنے کا کہا، سو یہ دونوں حضرات اندر آئے، سلام کیا اور بیٹھ گئے۔

شعیب بن ابی حمزہ کی مغازی کی روایت میں "هل لك في علي وعباس" کے بعد "يستأذنان" (۵) کا اضافہ بھی ہے کہ "وہ دونوں اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں"۔

فقال عباس: يا امير المؤمنين، اقض بيني وبين هذا.

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، امیر المؤمنین! میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کیجئے۔

یہاں باب کی روایت اس طرح ہے کہ "اقض بيني وبين هذا" لیکن شعیب بن ابی حمزہ کی روایت

---

(۱) سنن النسائي الكبرى، كتاب الفرائض، باب ذكر مواريث الأنبياء، رقم (٦٣٠٩).

(۲) أخبار المدينة: ١٢٨/١، رقم (٥٦٥)، خصومة علي والعباس رضي الله عنهما إلى عمر......

(۳) سنن أبي داود، كتاب الخراج......، باب في صفايا رسول الله صلى الله عليه وسلم......، رقم (٢٩٧٥).

(٤) فتح الباري: ٢٠٥/٦، وشرح القسطلاني: ١٩٤/٥.

(٥) صحيح بخاري، كتاب المغازي، باب حديث بني النضير، ومخرج رسول الله......، رقم (٤٠٣٣).

کے الفاظ یوں ہیں، "فاستب علي وعباس" (۱) اور عقیل عن ابن شہاب کے طریق میں "اقض بيني وبين هذا الظالم، استبا" (۲) کے الفاظ ہیں، جب کہ جویریہ کی روایت میں "وبين هذا الكاذب، الآثم، الغادر، الخائن" (۳) کے الفاظ ہیں۔

ان تمام طرق کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عمر و دیگر کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا اور ان کے حق میں کاذب، آثم وغادر جیسے سخت کلمات استعمال کیے۔ تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو کچھ کہا ہو، اس کی روایات میں صراحت نہیں ہے، بقول حافظ صرف عقیل کی ایک روایت ہے، جس میں "استبا" کے کلمات ہیں کہ ان دونوں نے ایک دوسرے کو برا بھلا کہا، چنانچہ حافظ کہتے ہیں:

"ولم أر في شيء من الطرق أنه صدر من علي في حق العباس شيء، بخلاف ما يفهم قوله في رواية عقيل: استبا" (٤).

علاوہ ازیں شعیب کی روایت بھی اس امر پر دال ہے کہ ان دونوں نے ایک دوسرے کو برا بھلا کہا ہے، "فاستب علي وعباس".

لیکن راجح یہی ہے کہ اس موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ہی مذکورہ کلمات کہے ہیں، نہ کہ حضرت علی نے، بشرطیکہ اس کی صحت کو تسلیم کیا جائے کہ حضرت عباس نے واقعی یہ کلمات کہے ہیں اور حضرت علی کو برا بھلا کہا ہے۔

کیا حضرت عباس نے واقعی یہ کلمات کہے ہیں؟

اب سوال یہ ہے کہ آیا واقعی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مذکورہ کلمات کہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا ہے؟ تو اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں:

---

(١) حواله بالا.

(٢) صحيح بخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب ما يكره من التعمق……، رقم (٧٣٠٥).

(٣) صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب حكم الفيء، رقم (٤٥٧٧).

(٤) فتح الباري: ٦/٢٠٥.

۱- علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں تقدیر عبارت یوں ہے: الکاذب إن لم ينصف (۱) کہ یہ جھوٹے ہیں، خائن ہیں...... اگر میرے ساتھ انصاف نہ کریں۔ یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مذکورہ کلمات مقید بالشرط ہیں۔

۲- علامہ مازری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کلمات کو حذف کرنے کی تصویب فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ غالبًا یہاں بعض رواۃ کو وہم ہوگیا ہے۔

جب کہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ تو ان کلمات کو حذف کرنا واجب قرار دیتے ہیں، "يجب إزالة هذه اللفظة عن الكتاب" (۲)۔

۳- مازری رحمۃ اللہ علیہ مزید یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر یہ کلمات محفوظ بھی ہوں تو ان کا محمل یہ ہوگا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات از راہ ناز ادا فرمائے ہیں، کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے لیے بمنزلہ ولد (بیٹے) کے ہیں کہ وہ ان کے سگے چچا تھے، باپ بیٹے اور چچا بھتیجے میں اس طرح کے کلمات مستبعد نہیں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ چونکہ حضرت علی کو غلطی پر سمجھتے تھے، اس لیے ان کی غرض یہ تھی کہ حضرت علی کو روکا جائے۔

۴- نیز ان کی غرض یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جو کچھ کر رہے ہیں، اگر وہ سب عمداً وقصداً ہے تو وہ ان صفات کے ساتھ متصف ہیں، ورنہ نہیں۔

مزید فرماتے ہیں کہ یہ تاویل اس لیے ضروری ہے کہ جو کچھ ہوا وہ صحابہ کی ایک جماعت کی موجودگی میں ہوا، جن میں عمر فاروق جیسی شخصیت بھی تھی اور دوسری جلیل القدر ہستیاں بھی تھیں، ان سب حضرات کے ہوتے ہوئے اس واقعہ کا رونما ہونا اور ان حضرات کا اس پر تنبیہ نہ کرنا سمجھ میں نہیں آتا۔ مازری لکھتے ہیں:

"ولا بد من هذا التأويل؛ لوقوع ذلك بمحضر الخليفة ومن ذكر معه، ولم يصدر منهم إنكار لذلك، مع ما علم من تشددهم في إنكار المنكر" (۳).

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۲٤.

(۲) حواله بالا.

(۳) حواله بالا، وفتح الباري: ٦/۲۰۵، وشرح النووي على مسلم: ۲/۹۰، وكذا انظر حاشية السندي على صحيح مسلم، المطبوعة مع مسلم: ۲/٤٦٦.

وهما يختصمان فيما أفاء الله على رسوله ﷺ من بني النضير

اور وہ دونوں حضرات جھگڑ رہے تھے بنونضیر کے اس مال فی ء میں، جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا تھا۔

روایت میں اختصار

یہاں روایت میں اختصار ہے کہ اس میں صرف بنونضیر کے مال فيء کا ذکر ہے، جب کہ مراد نبی علیہ السلام کی ملکیتی زمینیں ہیں، جن میں بنوقریظہ، بنونضیر کی زمینیں، جو مدینہ میں تھیں، فدک اور خیبر کا خمس وغیرہ شامل ہیں، علامہ عینی امام نسفی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"وقال ابن عباس في قوله ﴿وما أفاء الله على رسوله منهم﴾(۱) هو من أموال الكفار، وأهل القرى –وهم بنو قريظة والنضير– وهما بالمدينة، وفدك، وخيبر، وقرى عرينة، وينبع"(۲).

فقال الرهط عثمان وأصحابه: يا أمير المؤمنين، اقض بينهما، وأرح أحدهما من الآخر

جماعت نے یعنی حضرت عثمان اور ان کے ساتھیوں نے کہا، امیر المؤمنین! ان دونوں حضرات کے درمیان فیصلہ کر دیجیے اور ایک کو دوسرے سے آرام دیجیے۔

یہاں کی روایت میں "الرهط" کا لفظ ہے، جب کہ مسلم شریف کی روایت میں "القوم" آیا ہے، اسی روایت میں ان کلمات کی زیادتی بھی مروی ہے، "فقال مالك بن أوس: يخيل إلي أنهم قد كانوا قدّموهم لذلك"(۳). اور ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے: "فقال العباس: يا امير المؤمنين، اقض

---

(۱) الحشر /٦.

(۲) عمدة القاري: ١٥/٢٤، و تنوير المقباس من تفسير ابن عباس، الحشر/٣-٨، ٢/٨٦، وأحكام القرآن للرازي: ٣/٥٧٤، ومن سورة الحشر.

(۳) مسلم شريف، كتاب الجهاد والسير، باب حكم الفيء، رقم (٤٥٧٧).

بينـي وبين هذا –يعني عليا– فقال بعضهم: أجل يا أمير المؤمنين، فاقض بينهما وأرحهما"(۱)
جس سے ان حضرات کی تشریف آوری کا مقصد واضح ہو رہا ہے کہ یہ حضرات سفارش کے لیے آئے تھے، کہ حضرت عباس وعلی رضی اللہ عنہما کے درمیان کوئی واضح فیصلہ کر دیا جائے کہ منازعت ومخاصمت ختم ہو اور آپس کے تعلقات مزید خراب نہ ہوں (۲)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مسند ابن ابی عمر کی ایک روایت، جو معمر عن الزہری کے طریق سے مروی ہے، کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے "اقض بينهما" فرمایا تھا۔ اس سے اس امر کی تعیین ہوگئی کہ رہط میں سے بات کس نے شروع کی تھی (۳)۔

فقال الرهط عثمان وأصحابه میں عثمان وأصحابه مبتدائے محذوف کی خبر ہے، أي: هم عثمان وأصحابه المذكورون.

تاہم یہ الرهط سے بدل یا عطف بیان بھی ہوسکتا ہے (۴)۔

وأرح صیغہ امر ہے، إراحة (افعال) سے اور واو عاطفہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں جس جھگڑے میں ہیں، اس سے انہیں آرام دیجیے (۵)۔

قال عمر: تيدكم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ذرا رکو، صبر کرو۔

تيدكم کا ضبط اور معنی

تيدكم تائے مثناۃ کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ، جب کہ یاء ساکنہ ہے اور دال مفتوحہ یا مضمومہ، یعنی تَيْدَكم، یہ اسم فعل ہے روید کی طرح، اس کے معنی ہیں، صبر کرو۔

---

(۱) سنن أبي داود، كتاب الخراج والفيء والإمارة، باب في صفايا رسول الله ......، رقم (۲۹٦۳).

(۲) فتح الباري: ٦/٢٠٥، وعمدة القاري: ١٥/٢٤، وتكملة فتح الملهم: ٣/٤٩.

(۳) فتح الباري: ٦/٢٠٥.

(٤) عمدة القاري: ١٥/٢٤.

(٥) حواله بالا، وتكملة فتح الملهم: ٣/٤٩.

ابوذر کی روایت میں یہ کلمہ تئید کم –بفتح المثناة و کسر التحتانية مهموز وفتح الدال– مروی ہے۔ابن التین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کی اصل تید کم ہے، جو التؤدة مصدر سے مشتق ہے، جس کے معنی رِفق اور نرمی کے ہیں۔ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے(۱)۔

أنشدكم بالله الذي بإذنه تقوم السماء والأرضُ، هل تعلمون أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا نورث، ماتركنا صدقة؟ يريد رسول الله صلى الله عليه وسلم نفسه. قال الرهط: قد قال ذلك

میں تمہیں اس ذات کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس کے حکم سے زمین وآسمان قائم ہیں کہ کیا تم جانتے ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہم جو ترکہ چھوڑ جائیں اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی، وہ تو صدقہ ہے؟ اس سے نبی علیہ السلام نے اپنی ذات شریفہ مراد لی تھی۔حاضرین نے کہا، بالکل، نبی علیہ السلام نے اسی طرح فرمایا تھا۔

أنشدكم میں روایت شین کے ضمہ کے ساتھ ہے، یہ باءاور بغیر باء دونوں طرح مستعمل ہے، نشدتك الله اور نشدتك بالله۔ اس کے معنی ہیں،اسألكم بالله کہ میں اللہ کے نام پر سوال کرتا ہوں، درخواست کرتا ہوں اور اس کا واسطہ دیتا ہوں۔

علاوہ ازیں یہ لفظ باب افعال سے بھی مستعمل ہے، یعنی ہمزہ کے ضمہ اور شین کے کسرہ کے ساتھ (مضارع متکلم)۔نووی نے اس کی تصریح کی ہے(۲)۔

لا نورث میں روایت نون کے ساتھ ہے، یعنی جمع متکلم کا صیغہ ہے، امام قرطبی فرماتے ہیں کہ اس سے جماعۃ الانبیاء مراد ہے(۳)، چناں چہ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں، "إنا معشر الأنبياء لا نورث"(٤)

(١) عمدة القاري: ١٥/٢٤، وفتح الباري: ٦/٢٠٦، والنهاية في غريب الحديث......: ١/١٧٨، باب التاء مع الهمزة، مادة تئد، وشرح القسطلاني: ٥/١٩٤.

(٢) عمدة القاري: ١٥/٢٤، وإرشاد الساري: ٥/١٩٤، وشرح النووي على مسلم: ٢/٩٠.

(٣) عمدة القاري: ١٥/٢٤، والمفهم للقرطبي: ١١/٨٥، باب ما يصرف فيه الفيء......

(٤) وتمامه: "ما تركنا فهو صدقة" انظر سنن النسائي الكبرى، كتاب الفرائض، باب ذكر مواريث الأنبياء، =

علاوہ ازیں ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن شہاب عن مالک بن اوس عن عمر رضی اللہ عنہ کے طریق سے ایک حدیث نقل کی ہے، اس کے الفاظ اور زیادہ واضح ہیں، فرماتے ہیں، "إنا معشر الأنبياء، ما تركنا صدقة"(۱).

تاہم حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے، اس میں دوسرے انبیاء ان کے ساتھ شامل نہیں، ان کا استدلال قرآنی آیات ﴿يرثني ويرث من آل يعقوب﴾(۲) اور ﴿وورث سليمان داود﴾(۳) سے ہے۔

لیکن جمہور علمائے امت نے ان آیات کو میراث علم، نبوت، حکمت (یحیی علیہ السلام کے لیے) اور پرندوں کی بولی (سلیمان علیہ السلام کے لیے) پر محمول کیا ہے، لہٰذا راجح یہی ہے کہ انبیائے کرام کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی، وہ صدقہ ہوتا ہے (۴)۔

انبیاء وارث ہوسکتے ہیں؟

اوپر کی تفصیل اس بابت تھی کہ انبیاء کا کوئی وارث ہوسکتا ہے یا نہیں، ان کے مال میں وراثت جاری ہوگی یا نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا انبیاء وارث بھی نہیں ہوسکتے کہ اپنے مورثین کے مال سے میراث پائیں؟

اس مسئلے میں ہمارے حضرات حنفیہ۔ کثر اللہ سوادہم۔ کے اقوال دو طرح کے ہیں:

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسائل میں فرمایا ہے کہ نبوت مانع ارث ہے، تاہم یہ وارثیت یا موروثیت دونوں سے مانع ہے یا صرف موروثیت سے؟ تو شافعیہ رحمہم اللہ کا میلان دوسری طرف ہے کہ نبوت صرف موروثیت سے مانع ہے، نہ کہ وارثیت سے..... لیکن ہمارے ائمہ کے اقوال اس مسئلے میں مختلف ہیں:

چنانچہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام وارث اور مورث دونوں نہیں ہوسکتے، فرماتے ہیں، "كل إنسان يرث ويورث، إلا الأنبياء عليهم السلام لا يرثون ولا

= رقم (٦٣٠٩)، وفتح الباري: ١٢/٨، كتاب الفرائض.

(١) التمهيد لابن عبدالبر: ١٧٥/٨، حديث ثامن لابن شهاب عن عروة.

(٢) مريم/٦.

(٣) النمل/١٦.

(٤) عمدة القاري: ١٥/٢٤-٢٥، وإرشاد الساري: ١٩٤/٥، والتمهيد لابن عبدالبر: ١٧٤/٨-١٧٥.

یورثون" نیز فرماتے ہیں کہ یہ جو منقول ہے کہ نبی علیہ السلام حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال کے وارث ہوئے تھے تو یہ بات درست نہیں ہے، بلکہ وہاں تو یہ ہوا تھا کہ انہوں نے اپنا سارا مال صحت کے ایام ہی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا تھا(۱)۔

دوسری طرف ابن الکمال اور سکب الأنہر کی عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام بھی عوام کی طرح وارث ہوتے ہیں (۲)۔

مذہب شافعیہ ومالکیہ

اوپر علامہ شامی کی عبارت میں گذرا کہ شافعیہ انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے وارثیت کو درست سمجھتے ہیں، صاحب "الإقناع" علامہ شربینی فرماتے ہیں:

"......أن الناس في الإرث أربعة أقسام: منهم من يرث ويورث، وعكسه فيهما، ومنهم من يورث ولا يرث، وعكسه ......، والرابع الأنبياء عليهم السلام، فإنهم يرثون ولا يورثون"(۳).

مالکیہ کا مذہب بھی اس مسئلے میں شوافع کی طرح ہے، ان کے ہاں بھی یہی راجح ہے کہ انبیاء وارث ہوتے ہیں، علامہ دردیر نے الشرح الکبیر میں نبی علیہ السلام کے خصائص میں لکھا ہے: "وبأن لا يورث، وكذا غيره من الأنبياء"(٤) اس کی توضیح کرتے ہوئے علامہ دسوقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس عبارت کا مقتضا یہی ہے کہ وہ وارث ہوتے ہیں، کیوں کہ دردیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں "لا یورث" پر اقتصار کیا ہے، جس کا مقتضا "یرث" ہے۔ یہی راجح بھی ہے، کیوں کہ یہ امر ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والد محترم کی میراث میں سے ام ایمن برکۃ حبشیہ ملی تھیں، ساتھ میں کچھ بکریاں وغیرہ بھی تھیں (۵)۔

---

(۱) الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي: ٤٩٦/٢، الفن الثاني، كتاب الفرائض، رقم (١٧٨٢).

(۲) رسائل ابن عابدين : ٢٠٢/٢، الرحيق المختوم شرح قلائد المنظوم، فصل في موانع الإرث، وردالمحتار، كتاب الفرائض، (تتمة): ٥٤٣/٥، جملة الموانع حنيئذٍ ستة ......

(۳) الأوجز: ٥٤٤/١٧، والإقناع: ٢٨٥/٢، كتاب بيان أحكام الفرائض، القول في موانع الإرث الحقيقية.

(٤) الشرح الكبير مع الدسوقي: ٥٤١/٢، باب الخصائص.

(٥) [illegible] وفي السيرة الحلبية: ٥٢/١، باب وفاة والده صلى الله عليه وسلم: =

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ اُم ایمن رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرماتے ہیں:

"قالوا: وكان رسول الله ﷺ ورثها عن أبيه......، فأعتق رسول الله ﷺ أم أيمن حين تزوج خديجة...... رضي الله عنها"(١).

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

ہمارے مشائخ میں سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مسئلے میں شوافع وموالک کے مثل اس بات کے قائل ہیں کہ انبیاء وارث ہوتے ہیں، مورث نہیں، فرماتے ہیں:

"اختلف العلماء في توريث الأنبياء من غيرهم، فقال بعضهم: لا يَرِثون كما لا يُورَثون، ورووا نحن معاشر الأنبياء، لا نرث ولا نورث، والصحيح أن هذه اللفظةَ غير ثابتة......"(٢).

اس عبارت میں ہذہ اللفظۃ سے مراد "لا نرث" ہے، یہ غیر ثابت ہے اور عام روایات اس زیادتی سے خالی ہیں، عام روایات میں صرف لا نورث کے کلمات پائے جاتے ہیں(٣)۔

اسی طرح علامہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حدیث نبوی "سلوني من مالي" کی شرح میں فرماتے ہیں:

"والإيراد بأنه صلى الله عليه وسلم لم يكن له مال سيما بمكة توهم، أفلم يكن له صلى الله عليه وسلم ما فيه أكله وشربه، والتركة التي أصابه من أبيه؟ وما اشتهر من "إنا لانرث، ولا نورث" فالكلمة الأولى منها لم تثبت"(٤).

خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف اس مسئلے میں وہی ہے جو شوافع وموالک کا ہے کہ

= "وترك عبدالله خمسة أجمال، وقطعة من غنم، فورث ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم من أبيه".

(١) الطبقات الكبرى لابن سعد: ٨/٢٢٣، ذكر أم أيمن، والإصابة: ٤/٤٣٢، فصل فيمن عرف بالكنية من النساء، إلا أن فيه "ورثها عن أمه".

(٢) الكوكب الدري: ٣/١٠٣-١٠٤، كتاب الفرائض، تحت رقم (٢١٠٥).

(٣) تعليقات الكوكب الدري للكاندهلوي: ٣/١٠٤.، وكذا انظر أوجز المسالك: ١٧/٥٤٥.

(٤) الكوكب الدري: ٤/٢٢٩، كتاب التفسير، سورة الشعراء، تحت قوله ﷺ: "سلوني من مالي".

انبیاء وارث ہوتے ہیں(۱)۔

ایک سوال اوراس کا جواب

اوپر کے اس موقف پر ایک اعتراض ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام کی تین صاحبزادیوں زینب، رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہن وأرضاهن کا انتقال نبی علیہ السلام کی حیات ہی میں ہوگیا تھا،لیکن روایات میں کہیں بھی یہ نہیں آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی میراث میں سے حصہ لیا ہو۔

اس کا جواب علمائے سیرت نے یہ دیا ہے کہ اولاً تو یہ تسلیم ہی نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی میراث میں سے حصہ نہیں لیا۔

ثانیاً- اگر اس دعویٰ کو تسلیم کر بھی لیا جائے کہ آپ نے ان کی میراث نہیں لی تھی تو ہوسکتا ہے کہ بطور استغنا آپ نے کچھ نہ لیا ہو۔اس سے بہرحال وارثیت کی نفی نہیں ہوتی (۲)۔واللہ اعلم بالصواب

صدقہ کا اعراب

حدیث نبوی"لا نورث ما تركنا صدقة" میں لفظ صدقہ مرفوع ہے،ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یہ رفع کے ساتھ ہے اور جملہ متانفہ ہے، گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا،"لا نورث" تو قدرتی طور پر سوال پیدا ہوا کہ پھر آپ کے ترکہ کا کیا کیا جائے؟ تو جواب دیا گیا"ما تركنا صدقة" کہ ہم جو ترکہ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

یہ لفظ نصب کے ساتھ بھی مروی ہے،اس صورت میں تقدیر عبارت یوں ہوگی،"ما تركناه مبذول صدقة"، چنانچہ خبر (مبذول) کو حذف کردیا گیا اور صدقہ (درصورت نصب) حال ہوکر خبر کی عوض میں ہوکر باقی رہا......

شیعہ شنیعہ کا یہ کہنا کہ اس جملہ میں ما نافیہ ہے اور لفظ صدقة، تركنا کا مفعول بہٖ ہوکر منصوب ہے تو یہ

(۱) تعليقات الكوكب: ٢٢٩/٤، والأوجز: ٥٤٥/١٧.

(٢) تعليقات الكوكب: ٢٣٠/٤، والبذل: ٧٣/١٠، كتاب الفرائض، باب: في ميراث ذوي الأرحام، رقم (٢٩٠٢)، والأوجز: ٥٤٦/١٧، والسيرة الحلبية: ٥٢/١، باب وفاة والده صلى الله عليه وسلم.

بہتان اور افترا ہے، ان کے رد کے لیے یہی کافی ہے کہ اکثر روایات میں ترکناہ ضمیر منصوب کے ساتھ آیا ہے، جو ضمیر عائد ہے اور اس کا مرجع ما ماصولہ ہے۔

علاوہ ازیں بعض روایات میں "فهو صدقة" آیا ہے(۱)، اس کے تو مرفوع ہونے میں کوئی شک ہی نہیں کہ ھو ضمیر مبتدا ہے اور صدقة اس کی خبر۔

اسی طرح وہ احادیث جن میں اس قسم کی صراحت آئی ہے، "إنا معاشر الانبياء، لا نورث".

اس سب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں لفظ صدقہ اکثر روایات کے مطابق مرفوع ہے اور ما موصولہ ہے، نہ کہ نافیہ(۲)۔

فأقبل عمر على علي وعباس، فقال: أنشدكما الله، أتعلمان أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قد قال ذلك؟ قالا: قد قال ذلك.

پھر حضرت عمر حضرت علی وحضرت عباس رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، میں تم دونوں سے اللہ کے نام پر پوچھتا ہوں کہ کیا تم یہ جانتے ہو کہ نبی علیہ السلام نے مذکورہ بالا بات ارشاد فرمائی تھی؟ ان دونوں نے کہا، بالکل ارشاد فرمائی تھی۔

اولاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سفارش کنندگان کے سامنے مذکورہ بالا سوال رکھا کہ کیا تم لوگوں نے نبی علیہ السلام کو فرماتے سنا تھا کہ "لا نورث، ما تركنا صدقة؟" جب انہوں نے سننے کا اقرار کیا تو یہی سوال حضرت علی وعباس رضی اللہ عنہما سے بھی کیا، جس کا جواب ان دونوں نے بھی یہی دیا کہ ہم نے یہ بات سن رکھی ہے، ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ یہ اگلی بات کے لیے بطور تمہید کے ہے۔ ذلک کا مشار الیہ حدیث "لا نورث، ما تركنا صدقة" (۳) ہے۔

---

(۱) انظر المؤطأ، كتاب الكلام، باب ماجاء في تركة النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (۱۸۰۸).

(۲) مرقاة المفاتيح: ۱۱/۱۲۹-۱۳۰، كتاب الفضائل والشمائل، رقم (۵۹۷٦)، وشرح الطيبي: ۱۱/۱۹۵، والأوجز: ۱۷/۵۳۵، والتعليق الممجد: ۳۱۹.

(۳) عمدة القاري: ۱۵/۲۵، وإرشاد الساري: ۵/۱۹٤.

قال عمر: فإني أحدثكم عن هذا الأمر: إن الله قد خص رسوله صلى الله عليه وسلم في هذا الفيء بشيء لم يعطه أحدا غيره، ثم قرأ ﴿وما أفاء الله على رسوله منهم –إلى قوله– قدير﴾ فكانت هذه خالصة لرسول الله صلى الله عليه وسلم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں تم لوگوں کو اس معاملے کے بارے میں بتلاتا ہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس مال فیء میں سے ایک مخصوص حصہ مقرر کر دیا تھا، جس میں سے انہوں نے کسی کو کچھ بھی نہیں دیا، چنانچہ یہ صرف اور صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا۔

عبارت میں ذکر کردہ آیت پوری اس طرح ہے:

﴿وما آفاء الله على رسوله منهم فما أوجفتم عليه من خيل ولا ركاب ولكن الله يسلط رسله على من يشاء، والله على كل شيء قدير﴾(۱).

''اور جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے دلوایا ہے، اس پر تم نے گھوڑے دوڑائے، نہ اونٹ، لیکن اپنے رسولوں کو جس پر چاہے غلبہ عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر ہر چیز پر پوری قدرت حاصل ہے''۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ جہاں مالِ فیء کی تعریف کو شامل ہے، وہیں اس میں اس بات کی بھی تصریح آ گئی کہ یہ مال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خالص ہوتا تھا اور کسی کا اس میں استحقاق نہیں تھا، نبی علیہ السلام اس مال کو جس طرح صَرف کریں انہی پر منحصر تھا، حدیث باب کے جملہ ''فكانت هذه خالصةً لرسول الله صلى الله عليه وسلم'' کا مطلب یہی ہے(۲)۔

اب یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ اس مال کا آپ علیہ السلام کرتے کیا تھے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مال ان کے نفقے اور اہل وعیال کے نفقے میں استعمال ہوتا تھا اور جو کچھ بچ رہتا اسے مسلمانوں کے مصالح میں

(۱) الحشر/٦.

(۲) عمدة القاري: ١٥/٢٥.

صَرف کرتے، جیسا کہ آگے اسی روایت میں آرہا ہے۔

واللّٰه ما احتازها دونكم، ولا استأثر بها عليكم، قد أعطاكموها، وبثَّها فيكم

لیکن اللہ کی قسم! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مال صرف اپنے لیے جمع کیے نہیں رکھا اور نہ اپنی ذات کو تم پر ترجیح دی، بلکہ یہ مال انہوں نے تمہی کو دیا اور تم لوگوں میں تقسیم کیا۔

مختلف الفاظ کا ضبط اور معنی

احتاز میں دو روایتیں ہیں:

۱- حائے مہملہ اور زای معجمہ کے ساتھ اس کا مصدر حیازة ہے، اس کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ اکثر کی روایت یہی ہے۔

۲- کشمیہنی کی روایت میں یہ لفظ خائے معجمہ اور رائے مہملہ کے ساتھ ہے، یعنی اختار، اس کے معنی اختیار کرنے کے ہیں (۱)۔

استأثر کے معنی اپنی ذات کو ترجیح دینے کے ہیں (۲)۔

أعطاكموها میں بھی دو روایتیں ہیں:

۱ - أعطاكموها، اس صورت میں ضمیر کا مرجع أموال الفيء ہوگا۔

۲ - أعطاكموه، اس صورت میں مرجع فيء ہوگا (۳)۔ دونوں صورتوں میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

بثها کے معنی فرقها یعنی تقسیم کیا کے ہیں، جو بث يبث بثا (ثائے مثلثہ مشددہ کے ساتھ) سے ہے (۴)۔

اور مطلب یہ ہے کہ یہ اموال فيء اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ خاص تھے، لیکن اس سے اقارب وغیر اقارب دونوں قسم کے لوگوں کی معاونت ونصرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے

---

(۱) حواله بالا، وفتح الباري: ٦/٢٠٦، وإرشاد الساري: ٥/١٩٥.

(٢) عمدة القاري: ١٥/٢٥، وإرشاد الساري: ٥/١٩٥.

(٣) إرشاد الساري: ٥/١٩٥.

(٤) حواله بالا، وعمدة القاري: ١٥/٢٥.

تھے،نسائی شریف (۱) کی عکرمہ بن خالدعن مالک بن اوس کے طریق سے اس کی تائید ہوتی ہے (۲)۔

حتى بقي منها هذا المال، فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينفق على أهله نفقة سنتهم من هذا المال، ثم يأخذ ما بقي، فيجعله مجعل مال الله

یہاں تک کہ اس میں سے موجودہ مال (زمینیں) باقی رہ گیا ہے، اس میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل وعیال کے لیے سال بھر کا نفقہ نکالتے تھے، پھر جو کچھ بچ رہتا اسے اللہ کے مال کے طور پر رکھتے۔

ایک اشکال اوراس کا جواب

اوپر کی عبارت بالکل واضح ہے، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث میں "توفي رسول اللهﷺ ودرعه مرهونة عند يهودي بثلاثين صاعا من شعير" (۳) وارد ہوا ہے، کہ آپ علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جَو کے بدلے گروی رکھی ہوئی تھی۔

سوال یہ ہے کہ جب اپنا ذاتی مال اتنا وافر تھا کہ گھر والوں کے نفقہ کو الگ کرنے کے بعد بھی بہت سا مال بچا رہتا تھا، جو بیت المال میں جمع ہوتا تو اس حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کا کیا مطلب ہے اور قرض (وہ بھی زرہ گروی رکھ کر!) لینے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عام معمول تو یہی تھا کہ پورے سال کا خرچ الگ کرلیا جاتا تھا، لیکن سال گذرنے کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری وجوہ خیر اور خارجی ضروریات میں بھی اس میں سے صَرف کرتے رہتے ہیں، اس طرح سال پورا ہوتے ہوئے مقررہ نفقہ ختم ہوجاتا اور قرض لینے کی ضرورت پیش آجاتی، علامہ قسطلانی فرماتے ہیں:

"وهذا لا يعارضه حديث عائشة أنه صلى الله عليه وسلم توفي ودرعه مرهونة على شعير؛ لأنه يجمع بينهما بأنه كان يدخر لأهله قوت

---

(۱) سنن النسائي، أول كتاب قسم الفيء، رقم (٤١٥٣).

(۲) فتح الباري: ٦/٢٠٦.

(۳) انظر صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب ما قيل في درع النبيﷺ......، رقم (٢٩١٦).

سنتهم، ثم في طول السنة يحتاج لمن يطرقه إلى إخراج شيء منه، فيخرجه، فيحتاج إلى تعويض ما أخذ منها، فلذلك استدان"(۱).

"مجعل مال الله" میں مجعل میم کے فتحہ کے ساتھ صیغۂ ظرف ہے، بیت المال مراد ہے کہ اس سے اسلحہ وغیرہ خریدا جاتا اور مسلمانوں کے دیگر مصالح پر اس مال کو خرچ کیا جاتا (۲)۔

فعمل رسول الله صلى الله عليه وسلم بذلك حياته، أنشدكم بالله، هل تعلمون ذلك؟ قالوا: نعم

سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی حیاتِ مبارکہ میں یہی معمول رہا، میں تم لوگوں کو خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم لوگوں کو اس کا علم ہے؟ جماعت نے کہا، بالکل، ہمیں اس کا ادراک ہے۔

عمل میں میم مکسور ہے، یہ یہاں باب سمع سے مستعمل ہے (۳)۔

ثم قال لعلي وعباس: أنشدكما بالله، هل تعلمان ذلك؟

پھر حضرت عمر نے علی وعباس رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا...... کیا تم دونوں بھی اس بات کا علم رکھتے ہو؟

یہاں روایت میں سوال تو مذکور ہے، لیکن ان دونوں حضرات نے جواباً کیا فرمایا، مذکور نہیں، تو کتاب الفرائض کی عقیل کی روایت (۴) میں اس کے بعد یہ زیادتی بھی مروی ہے، "قالا: نعم"(۵).

قال عمر: ثم توفى الله نبيه صلى الله عليه وسلم، فقال أبوبكر: أنا ولي رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقبضها أبوبكر، فعمل فيها بما عمل رسول

(۱) إرشاد الساري: ٥/١٩٥، وأيضاً في الفتح: ٦/٢٠٦، والعمدة: ١٥/٢٥.

(۲) حواله جات بالا.

(۳) إرشاد الساري: ٥/١٩٥.

(۴) صحيح البخاري، كتاب الفرائض، باب قول النبي ......: لا نورث......، رقم (٦٧٢٨)

(۵) إرشاد الساري: ٥/١٩٥، وفتح الباري: ٦/٢٠٦.

الله صلى الله عليه وسلم، والله يعلم إنه فيها لصادق، بار، راشد، تابع للحق، ثـم تـوفـى الله أبـابكر، فكنت أنا ولي أبي بكر، فقبضتها سنتين من إمارتي، أعـمـل فيها بما عمل رسول الله صلى الله عليه وسلم وما عمل فيها أبوبكر، والله يعلم إني فيها لصادق، بار، راشد، تابع، للحق

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھالیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہوں، سو اس مال کو انہوں نے اپنے تصرف میں لے لیا، وہ اس میں اسی معمول پر کاربند رہے، جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ وہ اس مال کے معاملے میں سچے، نیک، ہدایت یافتہ اور حق کے تابع تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے پاس بلالیا، تو میں ابوبکر کا ولی ونائب بنا، میں نے اپنی خلافت کے (ابتدائی) دو سالوں تک اس مال کو اپنے تصرف میں رکھا، میں نے اس میں اپنا وہی معمول رکھا جو نبی علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تھا، اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے کہ میں اس مال کے بارے میں سچا، نیک، ہدایت یافتہ اور حق کا تابع ہوں۔

"بار" رائے مشددہ کے ساتھ، بر یبر سے ہے، نیک کے معنی میں ہے۔

"إمـــارتی" کسرۂ ہمزہ کے ساتھ، خلافت وحکومت کو کہتے ہیں، ایک اور لفظ ہے أمـارة فتحۂ ہمزہ کے ساتھ، وہ بمعنی علامت ونشانی کے ہے(۱)۔

کتاب الاعتصام کی روایت، جو عقیل عن ابن شہاب کے طریق سے ہے، میں "فـقـال أبـوبـكـر: أنا ولـي ...... فـعمل فيها بما عمل رسول الله صلى الله عليه وسلم" کے الفاظ کے بعد یہ کلمات بھی پائے جاتے ہیں، "وأنتـمـا حـنيـئـذٍ -وأقبـل على علي وعباس- تزعمان أن أبابكر كذا وكذا"(۲) اور مغازی کی شعیب بن ابی حمزہ کی روایت میں "تـذكران أن أبابكر فيه كما تقولان"(۳) کے الفاظ ہیں، ان

(۱) إرشاد الساري: ۵/۱۹۵.

(۲) صحيح البخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب مايكره من التعمق......، رقم (۷۳۰۵).

(۳) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب حديث بني النضير، ومخرج رسول الله ......، رقم (۴۰۳۳).

دونوں روایات سے صریح روایت وہ ہے جو مسلم شریف میں ہے، اس میں ان دونوں روایتوں میں مذکور کلمات مبہمہ کی وضاحت بھی کی گئی ہے کہ "کذا وکذا" اور "کما تقولان" کی مراد کیا ہے، اس روایت میں مذکور زیادتی درج ذیل ہے:

"......فجئتما، تطلب ميراثك من ابن أخيك، ويطلب هذا ميراث امرأته من أبيها، فقال أبوبكر: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "مانورث، ما تركنا صدقة"، فرأيتماه كاذبا آثما غادرا خائنا"(١).

ان تینوں طرق سے مندرجہ ذیل فوائد مستنبط ہوئے:

۱- اس حدیث کا مدار چونکہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں تو اس سلسلے میں ان کی صنیع یہ رہی ہے کہ وہ مذکورہ کلمات، جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہے گئے، کی روایت کبھی صراحۃ کرتے، کبھی مبہم کلمات استعمال کرتے، یہی حال حضرت مالک بن اوس رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے کہ کبھی صراحت کرتے ہیں تو کبھی کنایہ۔

۲- یہی روایت اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بھی درج کی ہے، ان کی بشر بن عمر کے طریق میں یہ کلمات سرے سے نہیں ہیں، محذوف ہیں، اس کی نظیر وہی ہے جو روایت کے ابتدا میں ہے کہ حضرت عباس نے حضرت علی (رضی اللہ عنہما) کو برا بھلا کہا تھا، اس میں تاویل وہی ہے کہ اولی والیق ان کلمات کو حذف کرنا ہی ہے(۲)۔

ثم جئتماني تكلماني، وكلمتكما واحدة، وأمركما واحد، جئتني يا عباس تسألني نصيبك من ابن أخيك، وجاء ني هذا -يريد عليا- يريد نصيب امرأته من أبيها

پھر تم دونوں میرے پاس اس معاملے میں بات کرنے آئے، تم دونوں کا کلمہ ایک تھا اور معاملہ بھی ایک ہی تھا، اے عباس! تم میرے پاس اپنے بھتیجے (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حصہ لینے آئے اور یہ (علی) بھی میرے

(١) صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب حكم الفيء، رقم (٤٥٧٧).

(٢) فتح الباري: ٦/٢٠٦.

پاس آئے کہ انہیں ان کی اہلیہ کا حصہ دیا جائے۔

حدیثِ باب اور امام عبدالرزاق

علامہ عقیلی (۱) نے نقل کیا ہے کہ امام عبدالرزاق بن ہمام، جو مشہور محدث، صاحب مصنَّف، اصحاب ستہ کے راوی ہیں، انہوں نے اس مقام پر پہنچ کر ایک بہت ہی نازیبا جملہ استعمال کیا، اگر چہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے یہ جملہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے مجبور ہو کر کہا ہے، لیکن بہرحال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں چونکہ یہ جملہ استعمال ہوا ہے اور حضرت عمر کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو تعلق وقلبی ربط تھا وہ معلوم اور معروف ہی ہے، اس لیے اس جملے پر امام عبدالرزاق پر اظہارِ افسوس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”انـظـر إلـى هـذا الأنـوك، يقول: من ابن أخيك، من أبيها، لا يقول: رسول الله صلى الله عليه وسلم“ (اللفظ للذهبي)(۲).

اوپر جو روایت گذری، اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام کا ذکر حضرت عباس کے ساتھ کیا تو ابن أخيك فرمایا تھا اور حضرت علی کے ساتھ کیا تو يـريـد نـصيب امرأته من أبيها فرمایا تھا، اس پر امام عبدالرزاق ناراض ہو رہے ہیں کہ اس بے وقوف کو دیکھو! حضور علیہ السلام کو من ابن أخيك اور من أبيها سے تعبیر کر رہا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نہیں کہتا۔

أنْوَك بے وقوف اور احمق کو کہا جاتا ہے، اس کلام میں اس سے ان کی مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ لفظ نوك ينوك نوكا ونواكا (س) سے مشتق ہے، أنوك کی جمع نوك اور نَوکَی ہے (۳)۔

علی بن عبداللہ بن مبارک صنعانی کہتے ہیں کہ زید بن المبارک امام عبدالرزاق کی مجالس حدیث میں پابندی سے شریک ہوا کرتے اور ان سے خوب روایتیں کرتے تھے، لیکن بعد میں ان سے مروی تمام کتابیں زید

---

(۱) الضعفاء الكبير: ۳/۱۱۰.

(۲) ميزان الاعتدال: ۲/۶۱۱.

(۳) القـامـوس الـوحيد، بـاب الـنـون، مـادة نوك، والنهاية للجزري: ۵/۱۲۹، باب النون والواو...... وغريب الحديث للخطابي: ۲/۱۴۹، وتاج العروس: ۲۷/۳۷۸، مادة (ن و ك).

بن المبارک نے جلا ڈالیں اور محمد بن ثور کے خلقات میں جانے لگے، کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ ہم ایک دفعہ ان کے درس میں شریک تھے کہ انہوں نے ابن الحدثان کی حدیث (حدیثِ باب) روایت کی، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان کلمات فجئتَ أنت تطلب میراثك من إبن أخيك...... تک پہنچے تو اوپر ذکر کردہ کلمات کہے، انظر إلى هذا الأنوك...... زید بن المبارک فرماتے ہیں تو میں اس مجلس سے اٹھ گیا اور دوبارہ ان کی طرف نہیں گیا اور نہ ہی اب ان سے روایت کرتا ہوں (۱)۔

حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے میزان الاعتدال میں اس حکایت کو نقل کرنے کے بعد یہ کہا ہے کہ اولاً یہ کلام مرسل ہے، اس کے ثبوت ہی میں اشکال ہے کہ عبدالرزاق نے یہ بات کہی بھی یا نہیں۔

اگر مان لیا جائے کہ یہ بات انہوں نے کہی ہے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے حافظ ذہبی جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں اصحاب المیراث کی زبان میں بات کی ہے۔ چنانچہ ان کا مقصد "من ابن أخيك" کہہ کر وہی میراث کے تعلق کو ظاہر کرنا تھا، کیونکہ عباس رضی اللہ عنہ عصبہ میں داخل تھے اور "من أبيها" کہہ کر حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے نصف حصے کا ذکر مقصود تھا، جب بیٹی اکیلی ہوتی ہے تو وہ باپ کی میراث میں سے آدھے کی وارث ہوا کرتی ہے۔ اس لیے انہوں نے اصحاب المیراث کی زبان میں "من ابن أخيك" اور "من أبيها" کہا ہے۔ خدانخواستہ تحقیر مقصود تھوڑا ہی ہے۔

"قلت: في هذه الحكاية إرسال، والله أعلم بصحتها، ولا اعتراض على الفاروق رضي الله عنه فيها؛ فإنه تكلم بلسان قسمة التركات"(۲).

میزان الاعتدال میں تو ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے امام عبدالرزاق کا کسی حد تک دفاع کیا ہے، جب کہ سیر میں انہوں نے امام عبدالرزاق کو مذکورہ بالا کلمات پر شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے، اس کی وجہ ظاہر ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی حدیث میں ہر جگہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عظمت وتوقیر کے ساتھ ذکر کیا ہے اور موقع بموقع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید اور اتباع کا تذکرہ کیا ہے، اس لیے اس کو کیونکر بے ادبی وگستاخی پر محمول کیا جا سکتا ہے؟! اور ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ جس نے اس کو بے ادبی پر محمول کیا ہے، وہ یا تو خود مغلوب الحال

---

(۱) كتاب الضعفاء الكبير للعقيلي: ۳/۱۱۰، وميزان الاعتدال: ۳/۶۱۱، وسير أعلام النبلاء: ۹/۵۷۲.

(۲) ميزان الاعتدال: ۳/۶۱۱.

ہے، یا اس نے خود بے ادبی کا ارتکاب کیا ہے۔

چنانچہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ سیر میں لکھتے ہیں:

"قلت: هذه عظيمة، وما فهم قول أمير المؤمنين عمر، فإنك يا هذا، لو سكت، لكان أولى بك، فإن عمر إنما كان في مقام تبيين الغمومة والبُنُوَّة، وإلا فعمر رضي الله عنه أعلم بحق المصطفى وبتوقيره وتعظيمه من كل متحذلق(۱)، متنطع(۲)، بل الصواب أن نقول عنك: انظروا إلى هذا الأنوك الفاعل -عفا الله عنه- كيف يقول عن عمر هذا، ولا يقول: قال أمير المؤمنين الفاروق؟! وبكل حال فنستغفر الله لنا ولعبد الرزاق، فإنه مأمون على حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم، صادق"(۳).

فقلت لكما: إن رسول الله ﷺ قال: لا نورث ما تركنا صدقة

اس وقت میں نے تم دونوں سے کہا تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہمارے ترکے میں میراث جاری نہیں ہوتی، ہم جو ترکہ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "لا نورث ما تركنا صدقة" کی کچھ شرح ہم نے اسی حدیث باب کے شروع میں بیان کی تھی کہ اہل سنت کا مسلک اس مسئلے میں یہ ہے کہ یہ حکم صرف نبی علیہ السلام کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام اس حکم کے عموم میں داخل ہیں، صرف حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، نیز

---

(۱) یہ لفظ تحذلق سے مشتق ہے، جس کے معنی ڈینگ مارنا، شیخی مارنا کے ہیں، المتحذلق کے معنی ہوئے شیخی خورہ کے۔ القاموس الوحيد، باب الحاء، مادة "حذلق".

(۲) اس لفظ کے معنی غالی، حد سے تجاوز کرنے والے وغیرہ ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث "هلك المتنطعون" [مسلم، رقم (٦٧٢٥)، وأبوداود، رقم (٤٦٠٨)] کی شرح میں علامہ ابن الاثیر جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"هم المتعمقون، المغالون في الكلام، المتكلمون بأقصى حلوقهم، مأخوذ من النطع، وهو الغار الأعلى من الفم، ثم استعمل في كل تعمق، قولا وفعلا". انظر النهاية: ٧٤/٥، باب النون مع الطاء.

(۳) سير أعلام النبلاء: ٥٧٢/٩-٥٧٣.

ابن علیہ رحمۃ اللہ علیہ (۱) اس کو نبی علیہ السلام کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں۔

جب کہ شیعہ امامیہ (علیہم لعائن اللہ والملائکۃ والناس أجمعین) کا عقیدہ یہ ہے کہ عام لوگوں کی طرح انبیاء کی میراث بھی تقسیم ہوتی ہے اور حدیث نبوی میں مختلف قسم کی بعید از کار تاویلیں کرتے ہیں، ہم ذیل میں اہل علم کے لیے ایک واقعہ نقل کرتے ہیں، جو دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ فائدہ عظیمہ سے بھی خالی نہیں۔

ابن شاذان اور ابن المعلم کا مناظرہ

علامہ باجی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوجعفر سمنانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابوعلی بن شاذان، جو بڑے عالم اور امام تھے، لیکن انہیں علوم عربیت پر مہارت نہیں تھی، نے مذکورہ بالا مسئلہ پر امامیہ کے ایک عالم ابوعبداللہ بن المعلم سے مناظرہ کیا، جو اپنے وقت کے امامیہ کے امام ہونے کے ساتھ ساتھ علوم عربیت پر بھی بڑی مہارت اور دست رس رکھتے تھے۔

ابن شاذان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے موقف پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پیش کی:

"إنا معاشر الأنبياء، لا نورث، ما تركنا صدقة" (٢).

اس پر ابن المعلم نے جواباً یہ کہا کہ کلمہ "صدقۃ" بنا بر حالیت منصوب ہے، جس کا مقتضا یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے جو اشیاء بطور صدقہ چھوڑیں ان میں میراث جاری نہیں ہوگی، ان کا کوئی وارث نہیں ہوگا، اس سے ہم بھی نہیں روکتے، البتہ جو چیزیں بطور صدقہ نہیں چھوڑی گئیں ان میں میراث جاری ہوگی۔

ابن المعلم نے یہ استدلال اسی لیے کیا تھا کہ انہیں یہ بات معلوم تھی کہ ابن شاذان علوم عربیت کی معرفت نہیں رکھتے اور نہ ہی حال اور غیر حال کے فرق کو سمجھتے ہیں، لیکن اس کے باوجود انہوں نے ابن المعلم کو لاجواب کر دیا۔

---

(١) المنتقى: ٩/٥٠٠-٥٠١، تلخيص الحبير: ٢/٢٨٥، كتاب النكاح، الواجبات، رقم (١٤٥٩)، دار الكتب، والأوجز: ١٧/٥٣٥، والتعليق الممجد: ٣١٩، كتاب الفرائض، باب النبي صلى الله عليه وسلم هل يورث؟

(٢) سنن النسائي الكبرى، كتاب الفرائض، ذكر مواريث الأنبياء، رقم (٦٣٠٩)، والكامل لابن عدي: ٢/٨٦، رقم (٥/٣٠٧).

چنانچہ انہوں نے ابن المعلم سے کہا کہ تمہارا گمان یہ ہے کہ لفظ ''صدقة'' منصوب ہے اور تم یہ کہتے ہو کہ جو چیز بطور صدقہ ترکۂ نبی میں چھوڑی گئی اس میں ہم بھی آپ کے موافق ہیں کہ اس میں میراث جاری نہیں ہوگی۔ لیکن سنو! مجھے نصب اور رفع کا فرق معلوم نہیں ہے، نیز اس مسئلے میں اس فرق کو جاننے یا سمجھنے کی میں ضرورت بھی محسوس نہیں کرتا۔ تاہم ایک بات ہے، جس میں مجھے کسی قسم کا شک ہے، نہ تم کو، کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا افصح العرب میں سے تھیں، اسی طرح ''صدقة'' منصوب ہے یا مرفوع، اس کو بھی سب سے زیادہ جاننے والی تھیں، یہی صورت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بھی ہے، وہ بھی ایک مستحق میراث تھے، اگر نبی علیہ السلام موروث ہوتے۔ یہی حال حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بھی ہے کہ ان کا شمار قریش کے فصحاء وعلماء میں ہوتا تھا، بلکہ ان سے بھی مرتبے میں بلند تھے۔

اور سنو! حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب اپنا حصہ طلب کرنے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائیں تو انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو جواب دیا، اس سے انہوں نے یہی سمجھا کہ میراث نبی میں ان کے لیے کچھ بھی نہیں ہے اور اپنے دعوے سے وہ ہٹ گئیں، یہی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے سمجھا، یہی حضرت علی ودیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی سمجھے، ان میں سے کسی نے بھی یہ اعتراض نہیں کیا، جو تم لوگ کر رہے ہو۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو اس حدیث سے استدلال کر رہے ہیں، وہ بھی یہ مفہوم، حدیث کا نہیں لے رہے ہیں، جو تم لے رہے ہو، بلکہ ان کا مقصد بھی مقتضائے منع کو ظاہر کرنا ہے، جب کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فصحائے عرب اور ان کے علماء میں سے ہونے پر کوئی اختلاف بھی نہیں ہے، اگر حدیث کے کلمات ممانعت پر دلالت نہ کرتے تو اس کو وہ کبھی بطور دلیل پیش نہ فرماتے۔

اب دو ہی صورتیں ہیں، صدقة منصوب ہے، جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے، لیکن اس سے وہ مطلب ومعنی کسی نے نہیں لیے، جو تم لے رہے ہو، حالانکہ وہ سب حضرات فصحائے عرب میں سے تھے، چنانچہ نصب کا مقتضا بھی وہی ہے جو اُن حضرات نے سمجھا کہ میراث جاری نہیں ہوگی، اس لیے تمہارا دعویٰ باطل ہے۔

یا یہ لفظ مرفوع ہے، ہونا بھی یہی چاہیے اور یہی مروی بھی ہے، اس لیے اس میں دعویٰ نصب باطل ہے......(۱)۔

(۱) أوجز المسالك: ۱۷/ ۵۳۵-۵۳٦، والمنتقى: ۹/ ۵۰۰، كتاب الجامع من المؤطأ.

فلما بدا لي أن أدفعه إليكما، قلت: إن شئتما دفعتها إليكما، على أن عليكما عهدَ الله وميثاقه لتعملان فيها بما عمل فيها رسول الله ﷺ وبما عمل فيها أبوبكر، وبما عملت فيها منذ وليتها، فقلتما: ادفعها إلينا، فبذلك دفعتُها إليكما، فأنشدكم بالله، هل دفعتها إليهما بذلك؟ قال الرهط: نعم

جب مجھ پر یہ منشرح ہوگیا کہ اس مال کو تم دونوں کے حوالے کردوں تو میں نے کہا تھا کہ اگر تم دونوں چاہو تو یہ مال تمہارے حوالے کیے دیتا ہوں، بشرطیکہ اللہ کے عہد اور اس کے میثاق کی پابندی تم پر لازم ہوگی کہ تم دونوں ان زمینوں کی دیکھ بھال میں وہی معمول اختیار کیے رکھو گے، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تھا اور جو معمول وطریقہ میرا رہا ہے جب سے میں نے ان کی ذمے داری قبول کی ہے۔ تو (اس وقت) تم دونوں نے کہا تھا کہ (اس شرط پر) ہمارے حوالے یہ زمینیں کردیجیے۔ چنانچہ میں نے اس شرط پر تم دونوں کے حوالے کردی تھی۔ میں تم لوگوں سے خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا میں نے یہ زمینیں ان دونوں (علی وعباس رضی اللہ عنہما) کے حوالے اسی شرط پر کی تھی؟ جماعت صحابہ نے کہا، جی ہاں! یہی بات تھی۔

مطلب یہ ہے کہ یہ زمینیں ان دنوں حضرات کے حوالے بطور تملیک نہیں کی گئی تھیں، بلکہ تصرف وانتفاع کے لیے حوالے کی گئیں کہ آپ دونوں ان میں تصرف کرسکتے ہیں اور جتنا آپ دونوں کا حق ہے اس کے بقدر ان زمینوں سے نفع بھی حاصل کرسکتے ہیں، کیونکہ ان صدقات کی تملیک کسی طور پر نہیں ہوسکتی، یہ حرام ہے(۱)۔

ثـم أقبل على علي وعباس، فقال: أنشدكما بالله، هل دفعتها إليكما بذلك؟ قالا: نعم، قال: فتلتمسان مني قضاءً غير ذلك؟ فوالله الذي بإذنه تقوم السماء والأرض، لا أقضي فيها قضاءً غير ذلك، فإن عجزتما عنها فادفعاها إلي، فإني أكفيكماها.

پھر حضرت عمر، علی وعباس رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے، فرمایا میں تم دونوں سے اللہ واسطے پوچھتا

(۱) إرشاد الساري: ۱۹۵/۵.

ہوں کہ کیا وہ زمینیں میں نے تم دونوں کے حوالے اسی شرط پر کی تھیں؟ دونوں حضرات نے کہا، جی ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اب تم دونوں مجھ سے سابقہ فیصلہ سے ہٹ کر اور کوئی فیصلہ کروانا چاہتے ہو؟ تو سنو! قسم ہے اس ذات کی، جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں! میں ان زمینوں میں اس کے علاوہ اور کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔ اگر تم لوگ ان زمینوں کی دیکھ بھال سے تنگ ہوتے ہو تو وہ مجھے واپس لوٹا دو۔ میں تم دونوں کی طرف سے ان زمینوں کے لیے اکیلا ہی کافی ہو جاؤں گا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں اشکال یہ ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، ”لا نورث، ما ترکنا صدقة“. چنانچہ حضرت عباس و علی رضی اللہ عنہما نے یہ کلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا یا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے، ان دونوں حضرات نے نبی علیہ السلام کی یہ حدیث سنی تھی، جیسا کہ خود انہوں نے حدیث باب میں سماع کی تصدیق کی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی تھی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس میراث طلب کرنے کیوں گئے تھے اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی تھی تو عمر رضی اللہ عنہ کے پاس میراث کے لیے کیوں گئے کہ یہ تو حدیث کی خلاف ورزی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان حضرات نے حدیث سن رکھی تھی، اس پر وہ عمل پیرا بھی تھے، لیکن ان حضرات کا نقطۂ نظر اور موقف یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث منقول اشیاء میں جاری نہیں ہوگی، تاہم غیر منقولات میں آپ کی میراث جاری ہوگی۔ چنانچہ پہلے یہ حضرات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انہوں نے انکار کر دیا، چوں کہ ان کی رائے یہ تھی کہ یہ حکم عام ہے، منقولات اور غیر منقولات دونوں کو اور سارے متروکات کو شامل ہے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو ان کو یہ خیال ہوا کہ ان سے رجوع کریں، ممکن ہے ان کا مؤقف وہی ہو جو ہمارا موقف ہے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ”لا نورث، ما ترکنا صدقة“ کے عموم پر عمل کیا اور ان حضرات کو میراث میں سے کچھ بھی دینے سے انکار کر دیا(۱)۔

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٠٧.

ایک سوال اور اس کا جواب

تاہم یہاں دوسرا سوال ذہن میں یہ ابھرتا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں حضرات کو ایک بار منع کر دیا تھا کہ بطور میراث میں یہ ترکات تقسیم نہیں کر سکتا تو دوبارہ یہ حضرات دربارِ عمری میں کیوں آئے؟

اس کا جواب امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ دیا ہے کہ یہ دوبارہ آنا میراث کے لیے نہیں تھا، بلکہ اس کی غرض اس جھگڑے وقضیے کا دفعیہ تھا، جو اُن دونوں حضرات (علی وعباس رضی اللہ عنہما) کے درمیان ان زمینوں کے تصرف اور ولایت میں ہو گیا تھا(۱)۔

واقعہ دراصل یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہلی بار آئے تھے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو میراث دینے سے تو منع فرما دیا تھا، لیکن صدقات کی وہ زمینیں بطور تصرف و دیکھ بھال ان کے حوالے کر دی تھیں، کہ ان کا انتظام وانصرام یہ چچا بھتیجا سنبھالیں، چچا حضرت عباس تھے تو بھتیجے حضرت علی رضی اللہ عنہما، مگر مزاج میں اختلاف تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ فیاض آدمی تھے اور مال کو ضرورت وحاجت کے لیے جمع کرنے کا ان کے پاس کوئی اہتمام نہ تھا، جب کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ مدبر و جہاں دیدہ شخصیت کے مالک تھے، وہ مال کو بے دریغ خرچ کرنا پسند نہیں کرتے تھے، چنانچہ اس طرح کئی بار ایسا ہوتا کہ ایک جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خرچ کرنا چاہتے ہیں اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ مزاحمت کر رہے ہیں، ایک جگہ عباس مال کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں اور علی خرچ پر اصرار کر رہے ہیں۔

اس اختلاف کی وجہ سے یہ حضرات پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور آپ کے سامنے انہوں نے اپنا مسئلہ پیش کیا اور کہا کہ آپ آدھی آدھی زمینیں ہمیں دے دیجیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا۔

انکار کی وجہ کیا تھی؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں حضرات کا مطالبہ تو بظاہر معقول تھا کہ ان زمینوں کو تصرف کے لیے نصف نصف تقسیم کر دیا جائے، اس کے باوصف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکار کیوں کیا؟

اس کا جواب امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے کہ اصل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیش نظر یہ

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٠٧، وبمثله قال الخطابي أيضاً، انظر أعلام الحديث: ٢/١٤٤٠--١٤٤١، وعمدة القاري: ١٥/٢٥، والتمهيد لابن عبدالبر: ٨/١٦٧.

بات تھی کہ اس زمین پر تقسیم کا اطلاق نہیں ہونا چاہیے، کہ کوئی یہ نہ کہے کہ آدھی تو دے دی عباس رضی اللہ عنہ کو اور آدھی دے دی علی رضی اللہ عنہ کو اور زمین تقسیم کردی، چونکہ اس پر تقسیم کا اطلاق ہوگا، لوگ کل کلاں یہ کہیں گے کہ وہ تو میراث میں تقسیم ہوئی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تقسیم کے لفظ کو سننے کے لیے بالکل تیار نہیں تھے، اسی لیے آپ رضی اللہ عنہ نے صاف انکار کردیا اور قسم کھائی کہ یہ نہیں ہوسکتا، اگر تم اس کی دیکھ بھال نہیں کرسکتے تو واپس کردو، ان معاملات کو میں دیکھ لوں گا، تم اپنے کام دیکھو(۱)۔

عمر بن شبہ کی روایت کے آخر میں یہ الفاظ آئے ہیں، "فأصلحا أمركما، وإلا لم يرجع -والله- إليكما، فقاما وتركا الخصومة، وأمضيت صدقة" (۲) کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "اپنے آپس کے معاملات کو درست کرو، ورنہ بخدا یہ تم دونوں کے حوالے نہیں ہوگی"۔ یہ سن کر وہ دونوں حضرات اٹھ گئے، لڑائی ختم کردی اور اس زمین کی صدقے والی حیثیت برقرار رہی۔

بعد کے ایام (۳) میں یہ زمین حضرت علی کے پاس آگئی تھی، ان کے بعد حسن، پھر حسین، پھر علی بن الحسین (زین العابدین)، پھر حسن بن حسن، پھر زید بن حسن کے تصرف میں رہی، اسی حیثیت کے ساتھ کہ یہ صدقے کی زمین ہے (۴)، معمر فرماتے ہیں کہ زید بن حسن کے بعد یہ زمین عبداللہ بن حسن کے تصرف میں

---

(۱) "قال أبوداود: "إنما سألاه أن يكون يصيّره بينهما نصفين، لا أنهما جهلا أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "لا نورث، ما تركنا صدقة"؛ فإنهما كانا لا يطلبان إلا الصواب، فقال عمر: "لا أوقع عليه اسم القسم، أدعه على ما هو عليه". انظر سننه، كتاب الخراج......، باب في صفايا رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (۲۹۶۳)، نیز دیکھئے: عمدة القاري: ۲۵/۱۵، وفتح الباري: ۲۰۷/٦، إرشاد الساري: ۱۹۵/٥، وتحفة الباري: ۵۳٤/۳.

(۲) فتح الباري: ۲۰۷/٦، وأخبار المدينة لابن شبة: ۱۳۰/۱، خصومة علي والعباس......، رقم (۵۷۱).

(۳) یہ خلافت عثمانی کی بات ہے، قاله إسماعيل القاضي، فتح الباري: ۲۰۷/٦.

(٤) "فكانت هذه الصدقة بيد علي، منعها علي عباسا، فغلبه عليها، ثم كان بيد حسن بن علي، ثم بيد حسين بن علي، ثم بيد علي بن حسين، وحسن بن حسن، كلاهما كانا يتداولانها، ثم بيد زيد بن حسن......". انظر صحيح بخاري، كتاب المغازي، باب حديث بني النضير......، رقم (٤۰۳٤).

رہی، یہاں تک کہ یہ لوگ یعنی بنوالعباس والی وامیر بن گئے تو انہوں نے اس پر قبضہ کرلیا(۱)۔

عمر بن شبہ رحمۃ اللہ علیہ کے بقول یہ زمین آج کل خلیفہ کے تصرف میں ہے، وہی اس کے لیے نگران مقرر کرتا ہے اور مدینہ منورہ کے حاجت مندوں میں اس کی پیداوار تقسیم کرواتا ہے، اس کام کے لیے الگ سے اس نے وکلاء مقرر کرر کھے ہیں(۲)۔

حافظ فرماتے ہیں کہ عمر بن شبہ جن دنوں کی بات کررہے ہیں وہ دوسری صدی ہجری کے آخری ایام ہیں، پھر معاملات خراب ہوگئے۔

"كان ذلك على رأس المائتين، ثم تغيرت الأمور، والله المستعان"(۳).

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت میں وہی تقریر ہے جو گذشتہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہم نے بیان کی کہ جن اراضی وصدقات میں یہ حضرات میراث کا مطالبہ کررہے تھے، اس میں خیبر کا خمس بھی شامل تھا، اس طرح ترجمۃ الباب کے ساتھ اس حدیث کی مناسبت بھی موجود ہے(۴)۔

ایک اہم فائدہ

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی روایت میں متفرد ہیں، ان کے علاوہ اور کسی سے یہ روایت منقول نہیں، علامہ ابوعلی کرابیسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ایک قوم نے اس روایت کا انکار کیا ہے، ان لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ روایت ابن شہاب کی مستنکر روایات میں سے ہے۔ تاہم یہ بات درست نہیں، چنانچہ یہاں دو صورتیں ہیں:

۱- ان معترضین کو اگر یہ بات معلوم ہے کہ زہری یہاں متفرد نہیں ہیں تو یہ ممکن نہیں (بلکہ انہیں خوب

---

(۱) مصنف عبدالرزاق: ۳۲۷/۵، كتاب المغازي، خصومة علي والعباس، رقم (۹۸۳۵)، وأخبار المدينة: ۱۳۰/۱، رقم (۱۷۲).

(۲) فتح الباري: ۲۰۷/٦، وكتاب أخبار المدينة: ۱۳۵/۱، رقم (۵۸۰).

(۳) فتح الباري: ۲۰۸/٦.

(٤) عمدة القاري: ۲۳/۱۵، وفتح الباري: ۲۰۸/٦، وشرح ابن بطال: ۲۵۲/۵.

معلوم ہے کہ متفرد نہیں ہیں)۔

۲-اگر انہیں معلوم نہیں ہے تو یہ جہل ہے، جاہل کے اعتراضات معتبر نہیں ہوا کرتے۔

پھر امام کرابیسی رحمۃ اللہ علیہ نے ان حضرات کے نام گنوائے، جو اس حدیث کو حضرت مالک بن اوس رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں، یعنی عکرمۃ بن خالد، ایوب بن خالد، محمد بن عمرو بن عطاء وغیرہ وغیرہ۔

اس لیے سرے سے روایت ہی کا انکار کر دینا اور امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کو نشانہ بنانا بالکل درست نہیں (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

حدیث سے مستنبط فوائد

۱-حدیث سے ایک بات یہ مستفاد ہوئی کہ کسی بھی قبیلے یا جماعت یا گروہ کے معاملات وغیرہ کی ذمے داری اس کے سرداروں یا صاحب حیثیت افراد کے حوالے کرنی چاہیے، کیونکہ وہ تمام ان افراد کو جانتے ہیں جو اُن کے ماتحت ہوتے ہیں، اس طرح ہر شخص کا کس قدر استحقاق ہے وہ ان کے علم میں ہوتا ہے۔

۲- نیز حدیث سے اس امر کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام اگر کسی کو کوئی ذمے داری سونپے تو نرم کلامی کے ساتھ اس ذمے داری سے اپنے کو الگ کرنے کی کوشش کرے، اس میں کوئی قباحت نہیں (بشرطیکہ اس ذمے داری کی اہلیت رکھنے والا اور کوئی شخص موجود ہو، ورنہ نہیں)۔

۳-آدمی اپنی تعریف وتوصیف بیان کر سکتا ہے، بشرطیکہ وہ سچی ہو۔

۴-یہ بھی مستفاد ہوا کہ آدمی اپنے اور اہل وعیال کے لیے غلہ وغیرہ ذخیرہ کر سکتا ہے، اگر چہ وہ سال بھر کے لیے ہو، یہ توکل کے منافی نہیں، ظاہر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اور کون متوکل ہو سکتا ہے!

اس میں ان جاہل صوفیاء کا رد آ گیا جو مذکورہ عمل کو توکل کے منافی قرار دیتے ہیں، علامہ ابن بطال فرماتے ہیں:

"وفيه جواز ادخار الرجل لنفسه وأهله قُوْت السنة، وأن ذلك كان من فعل الرسول حين فتح الله عليه من النضير وفدك وغيرهما، وهو خلاف

(۱) فتح الباري: ٦/٢٠٤.

قول جهلة الصوفية، المنكرة للادخار، الزاعمين: أن من ادخر فقد أساء الظن بربه، ولم يتوكل عليه حق توكله"(۱).

۵- حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی قضیہ ومعاملے میں حاکم پر اگر اس کی حقیقت واضح ہوجائے کہ حق یہ ہے تو اس کو اسی پر عمل کرنا چاہیے، اسی کے مقتضا کو دیکھنا چاہیے، کسی دوسرے سے اس معاملے میں رائے لینے کی ضرورت نہیں (۲)۔ واللہ اعلم بالصواب

٢ - باب: أَدَاءُ الْخُمُسِ مِنَ الدِّينِ.

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ فرما رہے ہیں کہ خمس کی ادائیگی دین کا ایک حصہ ہے اور اس کے شعبوں میں سے ایک اہم شعبہ ہے (۳)۔

تکرار ترجمہ کا اشکال اور اس کا جواب

مصنف علیہ الرحمۃ نے کتاب الإیمان میں ایک ترجمہ قائم کیا تھا، "باب أداء الخمس من الإیمان"(٤) اور یہاں ترجمہ "أداء الخمس من الدين" کا ہے، نیز یہ بات بھی کتاب الإیمان میں گزر چکی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایمان، اسلام اور دین وغیرہ کے ترادف کے قائل ہیں (۵)۔ اس لیے یہاں تکرار ترجمہ کا اشکال ہوتا ہے کہ ایمان اور دین ایک ہی چیز ہیں؟

اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہاں حیثیتوں کا فرق ہے، کتاب الایمان میں جو ترجمہ قائم کیا گیا تھا، اس کی غرض امورِ ایمان کا بیان تھا، وہاں ایمانیات کی بحث کے ضمن میں مذکورہ ترجمہ قائم کیا گیا تھا، یہاں کا ترجمہ مال

---

(١) شرح ابن بطال: ٥/٢٥٤، وعمدة القاري: ١٥/٢٦.

(٢) العمدة: ١٥/٢٦، والفتح: ٦/٢٠٨، وابن بطال: ٥/٢٥٤-٢٥٥، والتمهيد لابن عبدالبر: ٨/١٧٦.

(٣) عمدة القاري: ١٥/٢٦.

(٤) صحيح البخاري: ١/١٣، قديمی كتب خانه كراچی.

(٥) كشف الباري: ١/٦٠٩.

غنیمت کے احکام کو بیان کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم میں خمس نکالنا بھی شامل ہے اور یہ اہم معاملہ ہے، چناں چہ شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ولا يتوهم التكرار؛ لأن المقصود هناك بيان أمور الإيمان، والغرض ههنا بيان أداء الخمس؛ اهتماما له"(۱).

حیثیت چوں کہ بدلی ہوئی ہے، اس لیے تکرار کا اشکال نہیں رہا۔

۲۹۲۸ : حدثنا أَبُو النُّعْمَانِ : حَدَّثَنَا حَمَّادٌ ، عَنْ أَبِي حَمْزَةَ الضُّبَعِيِّ قالَ : سَمِعْتُ ٱبْنَ عَبَّاسٍ(۲) رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ : قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ ، فَقَالُوا : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، إِنَّا هٰذَا الحَيَّ مِنْ رَبِيعَةَ ، بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ كُفَّارُ مُضَرَ ، فَلَسْنَا نَصِلُ إِلَيْكَ إِلَّا فِي الشَّهْرِ الحَرَامِ ، فَمُرْنَا بِأَمْرٍ نَأْخُذُ بِهِ وَنَدْعُو إِلَيْهِ مَنْ وَرَاءَنَا ، قالَ : (آمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ ، وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ ، الْإِيمَانِ بِٱللهِ : شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ – وَعَقَدَ بِيَدِهِ – وَإِقَامِ الصَّلَاةِ ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ ، وَصِيَامِ رَمَضَانَ ، وَأَنْ تُؤَدُّوا لِلّٰهِ خُمُسَ ما غَنِمْتُمْ . وَأَنْهَاكُمْ عَنِ الدُّبَّاءِ ، وَالنَّقِيرِ ، وَالْحَنْتَمِ ، وَالْمُزَفَّتِ) . [ر : ۵۳]

تراجم رجال

۱ – ابوالنعمان

یہ ابوالنعمان محمد بن الفضل السدوسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: الدين النصيحة......" کے تحت گزر چکا ہے(۳)۔

۲ – حماد

یہ حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب ﴿وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا......﴾" کے تحت بیان کیے جا چکے(۴)۔

---

(۱) الأبواب والتراجم: ۱/۲۰۵.

(۲) قوله: "ابن عباس رضي الله عنهما": الحديث، مرّ تخريجه في الإيمان، كشف الباري: ۲/۶۹۶.

(۳) كشف الباري: ۲/۷۶۸.

(۴) كشف الباري: ۲/۲۱۹.

۳– ابو جمرہ

یہ ابو جمرہ نصر بن عمران ضبعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا ترجمہ کتاب الإیمان، "باب أداء الخمس من الإیمان" کے تحت آچکا ہے(۱)۔

٤– ابن عباس رضی اللّٰه عنه

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حالات "بدء الوحي" کے تحت آچکے ہیں (۲)۔

تنبیہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وفد عبدالقیس سے متعلقہ حدیثِ باب کی مکمل تشریح کتاب الایمان میں گزر چکی ہے(۳)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

حدیث کی ترجمہ کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے،"وأن تؤدوا لله خمس ما غنمتم"(٤).

۳ – باب : نَفَقَةِ نِسَاءِ النَّبِيِّ ﷺ بَعْدَ وَفاتِهِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی ازواج کے نفقے کا مسئلہ بیان کررہے ہیں(۵)۔تفصیل آگے آرہی ہے۔

۲۹۲۹ : حدَّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ : أَخْبَرَنَا مالِكٌ ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ ، عَنِ الْأَعْرَجِ ،

---

(۱) كشف الباري: ۷۰۱/۲.

(۲) كشف الباري: ٤۳٥/۱، و۲۰٥/۲.

(۳) كشف الباري: ۷۰٤/۲-۷۲۹.

(٤) عمدة القاري: ۲٦/۱٥.

(٥) عمدة القاري: ۲۷/۱٥

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ(۱): أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: (لَا يَقْتَسِمُ وَرَثَتِي دِينَارًا، ما تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِي وَمُؤُونَةِ عامِلِي فَهْوَ صَدَقَةٌ). [ر: ٢٦٢٤]

تراجمِ رجال

۱- عبداللّٰه بن يوسف

یہ عبداللہ بن یوسف تنیسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲- مالك

یہ امام دارالہجرۃ حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کا تذکرہ "بدء الوحی" کی پہلی حدیث کے تحت گزر چکا ہے(۲)۔

۳- ابوالزناد

یہ ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٤- الأعرج

یہ امام عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کے حالات كتاب الإيمان، "باب حب الرسول صلى اللّٰه عليه وسلم من الإيمان" کے تحت گزر چکے(۳)۔

٥- ابوهريره

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات كتاب الإيمان، "باب أمور الإيمان" کے تحت آچکے(۴)۔

أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا يقتسم ورثتي دينارا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے ورثہ

(١) قوله: "عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه": الحديث، مر تخريجه في الوصايا، باب نفقة القيم للوقف.

(٢) كشف الباري: ١/٢٨٩-٢٩٠، امام مالک کے لیے مزید دیکھیے: ٢/٨٠.

(٣) كشف الباري: ٢/١٠-١١.

(٤) كشف الباري: ١/٦٥٩.

کوئی دینار تقسیم نہیں کریں گے۔

مطلب یہ ہے کہ میرے متروکہ مال میں وراثت جاری نہیں ہوگی، جس طرح کہ عموماً دوسرے لوگوں کے انتقال پران کے متروکہ مال میں وراثت جاری ہوتی ہے۔

صحیحین کی یہ روایت جو مالک عن ابی الزناد کے طریق سے مروی ہے، اس میں صرف لفظ ''دینارا'' آیا ہے(۱)، جب کہ مسلم شریف کی ایک روایت جوابن عیینہ عن ابی الزناد کے طریق سے مروی ہے، اس میں ''دینارا ولا درهما'' ہے(۲)۔

مالک عن ابی الزناد والی روایت کے اعتبار سے حدیث کے معنی یہ ہوں گے کہ میرا مال متروکہ اگر ایک دینار بھی ہوگا تو بھی اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی، چہ جائیکہ اس سے زیادہ میں جاری ہو، چنانچہ یہ ''تنبيه بالأدنى على الأعلى'' کے قبیل سے ہے، اسی کے مثل یہ فرمان ربانی بھی ہے کہ ﴿ومنهم من إن تأمنه بدينار......﴾(۳) کہ ''ان یہود میں ایسے بد بخت بھی ہیں کہ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو ایک دینار بھی بطور امانت رکھوائیں تو وہ نہ لوٹائیں''۔ یہاں بھی تنبیہ بالادنی علی الاعلی (۴) ہے کہ جو شخص ایک دینار لوٹانے کو تیار نہ ہو، وہ اس سے زائد مال کیونکر واپس کرے گا؟!(۵)

جب کہ مسلم کی ابن عیینہ عن ابی الزناد والی روایت کے بارے میں حافظ صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

---

(۱) دیکھیے، صحيح بخاري، كتاب الوصايا، باب تفقة القيم للوقف، رقم (٢٧٧٦)، وكتاب الفرائض، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: لا نورث، رقم (٦٧٢٩)، ومسلم، كتاب الجهاد والسير، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: لا نورث ......، رقم (٤٥٨٣).

(٢) هذا ما قاله الحافظ رحمه الله، ولكني لم أجد هذا اللفظ عند مسلم. والله أعلم، ثم وجدته في التمهيد لابن عبدالبر: ١٧٣/٨.

(٣) آل عمران/ ٧٥.

(٤) شرح التلويح على التوضيح ٢٦٣، فصل: مفهوم المخالفة، والتقرير والتحبير: ١٤٨/١، انقسام المفهوم إلى مفهوم موافقة ......، ورفع الحاجب عن مختصر ابن الحاجب: ٤٩٢/٣، المطلق والمقيد.

(٥) فتح الباري: ٢٠٩/٦، وعمدة القاري: ٢٧/١٥، والأوجز للكاندهلوي: ٤٤٨/١٧، والتمهيد لابن عبدالبر: ١٧١/١٨، وشرح الكرماني: ٨١/١٣.

کہ یہ زیادتی حسن ہے(۱)۔ یہ أبلغ في النفي ہے کہ مال متروکہ، خواہ درہم ہو یا دینار، اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی۔ اور اس زیادتی کی متابعت بھی شمائل ترمذی میں موجود ہے(۲)۔

ما تركت بعد نفقة نسائي، ومؤنة عاملي، فهو صدقة

میری ازواج مطہرات اور میرے خلیفہ کے خرچ کے علاوہ جو مال میں چھوڑ جاؤں گا، وہ صدقہ ہوگا۔

نفقة نسائي کی توضیح

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے مال میں سے ازواج مطہرات کا نفقہ واجب تھا، اس کی وجہ کیا تھی، اس میں مختلف اقوال ہیں:

۱- اس لیے کہ ازواج مطہرات فی حق النبی محبوس تھیں، وہ معتدات کے حکم میں تھیں، ظاہر ہے کہ وہ نکاح تو اور نہیں کرسکتی تھیں(۳)، تو جو آدمی جس کے حق میں محبوس ہوتا ہے اس پر اس کا نفقہ واجب ہوا کرتا ہے۔

۲- نیز یہ بات بھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبرِ اطہر میں زندہ ہیں، "إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء، فنبي الله حي يرزق"(٤) تو اس بنا پر بھی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا نفقہ آپ کے ذمے واجب تھا(۵)۔

یہاں پھر یہ بات بھی سمجھیے کہ لفظ "نفقة" تمام حوائج ولوازمات زندگی کو شامل ہے، یہی وجہ تھی کہ نبی علیہ السلام کی وفات سے قبل ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن جن گھروں میں مقیم تھیں، بعد وفات بھی وہ ان کی

---

(۱) فتح الباري: ٢٠٩/٦.

(۲) حواله بالا، والشمائل المحمدية، باب ماجاء في ميراث رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (٤٠٤).

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا أن تنكحوا أزواجه من بعده أبدا، إن ذلكم كان عندالله عظيما﴾ الأحزاب/ ٥٣.

(٤) سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ذكر وفاته ودفنه ﷺ، من رواية أبي الدرداء رضي الله عنه، رقم (١٦٣٧)، والحديث صحيح، كما نبه عليه ابن حجر الإمام في التهذيب: ٣١٨/٣، ترجمة زيد بن أيمن.

(٥) الكرماني: ١٣/ ٨٢، والعمدة: ٢٧/١٥، والفتح: ٢٠٩/٦، والأوجز: ٥٤٨/١٧، والديباج على مسلم: ٧٢٤/٢، نیز دیکھیے، خصائل نبوی اردو: ٢٥٢.

ملکیت میں رہے(۱)۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عامل سے کیا مراد ہے؟

اس میں پانچ اقوال ہیں:

۱- اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ مراد ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، "وهذا هو المعتمد، وهو الذي يوافق ماتقدم في حديث عمر"(۲). کہ "یہی معتمد بات ہے، سابق میں جو حدیث گزری اس کے بھی یہ موافق ہے"۔

۲- اس سے عامل علی النخل مراد ہے، یعنی جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے باغاتِ کھجور کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ اس پر ابن بطال اور امام طبری رحمہما اللہ تعالیٰ نے جزم کیا ہے(۳)۔

۳- نبی علیہ السلام کی قبرِ اطہر کھودنے والا مراد ہے۔ اس احتمال کو حافظ علیہ الرحمۃ نے بعید قرار دیا ہے۔

۴- نبی علیہ السلام کا خادم مراد ہے، یہ ابن دحیہ کا قول ہے۔

۵- عامل علی الصدقات مراد ہے(۴)۔ واللہ اعلم۔

طاعات پر اجرت لینا درست ہے

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ فائدہ مستنبط ہوا کہ کوئی بھی شخص جو کسی نیک عمل میں مشغول ہو اور اس کے ذریعے دیگر بہت سے مسلمانوں کی مشقت وتکلیف میں خفت آرہی ہو، ان پر عائد ذمے داری کم ہو رہی ہو، تو اس پر اس کو معاوضہ اور اجر لینا جائز ہے، چنانچہ مؤذن کو اذان کی اجرت لینا اور معلم کو تعلیم کی اجرت لینا جائز ہے۔

---

(۱) قاله السبكي والحافظ، انظر فتح الباري: ۸/۱۰۲، مزید تفصیل باب ماجاء في بيوت أزواج النبي ...... کے تحت آرہی ہے۔

(۲) فتح الباري: ٦/۲۰۹، وعمدة القاري: ۱۵/۲۷، والأوجز: ۱۷/٥٤٩.

(۳) شرح ابن بطال: ٥/۲٥۹، اس قول کی نسبت حافظ طبری کی طرف حافظ علیہ الرحمۃ نے کی ہے، جب کہ شرح ابن بطال میں اس کے برخلاف (ولی الامر) کا قول حافظ طبری کی طرف منسوب ہے۔ واللہ اعلم۔

(٤) الفتح: ٦/۲۰۹، والعمدة: ۱۵/۲۷، والديباج على مسلم للسيوطي: ۲/۷۲٤، والكرماني: ۱۳/۸۲.

اس کے ساتھ ہی جولوگ ان اعمال پر اجرت لینے کو حرام کہتے ہیں ان کے قول کا بطلان بھی حدیث سے ثابت ہورہا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثِ باب میں اپنا مالِ متروک اس ولی امر کے حوالہ کرنے کا حکم فرمایا ہے، جو آپ علیہ السلام کے بعد مسلمانوں کے جملہ امور کا نگران ہوگا، یہی نگرانی اور مصروفیت اس کو اس مال متروک کا حق دار بناتی ہے، چنانچہ اب یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ ہر وہ شخص جو مسلمانوں کے کسی معاملے کا ذمہ دار ہو، جس کا نفع ان سب کو پہنچ رہا ہو، تو اس کے لیے بھی وہی راستہ اختیار کیا جائے گا، جو نبی علیہ السلام کے عامل (ولی الامر) کے لیے اختیار کیا گیا کہ اس کا وظیفہ وغیرہ بھی بیت المال سے ہوگا، جب تک کہ وہ اس ذمے داری کو ادا کرتا رہے، جیسے علماء، قضاۃ، امراءِ سلطنت اور دوسرے وہ بہت سے حضرات، جو عام مسلمانوں کے امور میں مشغول ہیں (۱)۔

اموال کو جمع کرنا جائز ہے

علاوہ ازیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیثِ باب میں اس امر کی بھی واضح دلالت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے اس قدر مال ومتاع کے رکھنے اور جمع کرنے کو حلال فرمایا ہے جو اُن کے اور ان کے اہلِ خانہ کے رزق وخوراک کے لیے کافی ہو، جس کے ذریعے وہ مختلف حوادث وآفات کا مقابلہ کر سکتے ہوں اور ان کی ضروریات سے زائد ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا فعل مبارک بھی یہی تھا کہ اپنے گھر والوں کی خوراک وغیرہ کے لیے وہ ایک سال کا خرچ جمع رکھتے تھے، ساتھ ہی اپنا نفقہ ومصارف بھی ......اور جو کچھ بچا رہتا اس کو مسلمانوں کے منافع میں استعمال کرتے، اسلحہ وغیرہ خریدتے، ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ مل کر مال ومتاع کا ایک بڑا مجموعہ ہے اور اس پر بلاشبہ "مال کثیر" کا اطلاق ہوسکتا ہے۔

اس ساری تفصیل سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ اموال کو جمع کرنا جائز ہے، لیکن نیت دوسرے لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے بچنے کی ہو، عزت نفس کو برقرار رکھتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کی ہو (۲)۔

---

(۱) شرح ابن بطال: ۲۵۹/۵.

(۲) شرح ابن بطال: ۲۵۹/۵-۲۶۰.

مال جمع کرنا فقر وفاقہ اختیار کرنے سے افضل ہے

حدیثِ باب سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مال ومتاع کا جمع کرنا فقر وفاقہ اختیار کرنے سے افضل ہے، بشرطیکہ بندہ مال میں، جو اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں، وہ بھی ادا کرے۔

اگر فقر وفاقہ افضل ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی مال ومتاع جمع نہ فرماتے، بلکہ اپنے پاس جو کچھ ہوتا اس کو اپنے اصحاب خصوصاً ضرورت مندوں میں تقسیم کردیتے، اپنی ملکیت میں کچھ بھی نہ رکھتے، جب کہ ثابت اس کے برخلاف ہے۔

چنانچہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وأن ذلك (أي اتخاذ الأموال واقتناؤها) أفضل من الفقر والفاقة إذا أدى حق الله منها، ولو كان الفقر أفضل لما كان الرسول يختار أخس المنزلتين عند الله على أرفعهما؛ بل كان يقسم أمواله وأصوله على أصحابه، ولا سيما بين ذوي الحاجة منهم"(۱).

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت واضح ہے(۲) کہ ترجمہ ازواج مطہرات کے نفقے کا تھا، حدیث میں بھی یہی مضمون ہے کہ نبی علیہ السلام کے مالِ متروک میں ازواج کا بھی حصہ بطور نفقہ ہوگا۔ واللہ اعلم

۲۹۳۰ : حدّثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ : حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ : حَدَّثَنَا هِشَامٌ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عائِشَةَ[۳] قَالَتْ : تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَما في بَيْتِي مِنْ شَيْءٍ يَأْكُلُهُ ذُو كَبِدٍ ، إِلَّا شَطْرُ شَعِيرٍ في رَفٍّ لِي . فَأَكَلْتُ مِنْهُ حَتَّى طَالَ عَلَيَّ ، فَكِلْتُهُ فَفَنِيَ . [٦٠٨٦]

---

(۲) شرح ابن بطال: ٥/٢٦٠.

(۲) عمدة القاري: ١٥/٢٧.

(۳) قوله: "عن عائشة رضي الله عنها": الحديث، أخرجه البخاري، كتاب الرقاق أيضا، باب فضل الفقر، رقم (٦٤٥١)، ومسلم، أوائل كتاب الزهد، رقم (٧٤٥١)، والترمذي، كتاب صفة القيامة، باب حديث عائشة: "توفي رسول الله ......"، رقم (٢٤٦٧)، وابن ماجه، الأطعمة، باب خبز الشعير، رقم (٣٣٤٥).

تراجمِ رجال

۱- عبداللہ بن ابی شیبہ

یہ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱)۔

۲- ابواسامہ

یہ ابواسامہ حماد بن اسامہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب فضل من علم وعلم" کے تحت آچکا ہے (۲)۔

۳- ھشام بن عروہ

یہ مشہور محدث حضرت ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٤- أبیه

اب سے مراد حضرت عروہ بن الزبیر بن العوام رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٥- عائشه

یہ عائشہ صدیقہ بنت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما ہیں۔ ان تینوں حضرات کا تذکرہ "بدء الوحي" کی "الحديث الأول" کے تحت گزر چکا ہے (۳)۔

قالت: توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم وما في بيتي من شيء يأكله ذو كبد، إلا شطر شعير في رف لي

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فوت ہوئے تو میرے گھر میں ایسا کچھ بھی نہیں تھا، جسے کوئی جاندار کھائے، سوائے تھوڑے سے جَو کے، جو میرے ایک طاقچے میں رکھے تھے۔

---

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب العمل في الصلاة، باب لا يرد السلام في الصلاة.

(۲) کشف الباري: ۳/٤۱٤.

(۳) کشف الباري: ۱/۲۹۱، ہشام اور عروۃ کے لیے مزید دیکھیے، کشف الباري: ۲/٤۳۲-٤٤۰.

"ذو کبد" سے مراد جاندار وذی روح ہے، خواہ انسان ہو یا اور کوئی جانور (۱)۔

"شطر" سے مراد حافظ ابن حجر کے بقول بعض ہے۔ البتہ اس کا اطلاق نصف یا جہتِ معینہ پر بھی ہوتا ہے، لیکن یہاں آخری دونوں معنی مراد نہیں (۲)۔

اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شطر کی تفسیر "نصف وسق" بیان کی ہے۔ اس کے علاوہ اس کلمے کی تفسیر میں اور بھی اقوال ہیں (۳)۔ ان سب کا حاصل یہی ہے کہ وہ جَو بہت تھوڑی مقدار میں تھے۔

"رف" دیوار کے اندر طاقچے کو کہتے ہیں۔ جب کہ دیوار سے لگے ہوئے تختہ وغیرہ کو بھی کہتے ہیں، جس پر گھر کا سامان رکھا جاتا ہے۔ حافظ فرماتے ہیں:

"قال الجوهري: "الرف: شبه الطاق في الحائط". وقال عياض: "الرف: خشب يرتفع عن الأرض في البيت، يوضع فيه ما يراد حفظه". قلت: والأول أقرب للمراد" (٤).

اس کی جمع رفوف ورفاف آتی ہے (۵)۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

کتاب الوصایا کی ایک حدیث جو حضرت عمرو بن الحارث مصطلقی رضی اللہ عنہ کی ہے (جس کا بعض حصہ بھی حدیثِ باب ہے)، اس میں آیا ہے:

"ما ترك رسول الله صلى الله عليه وسلم عند موته دينارا، ولا درهماً، ولا عبدا، ولا أمة، ولا شيئاً، إلا ......" (٦). کہ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی موت کے وقت کوئی دینار ترکہ میں

(١) فتح الباري: ١١/ ٢٨٠، وعمدة القاري: ١٥/ ٢٨.

(٢) فتح الباري: ١١/ ٢٨٠.

(٣) حواله بالا، وعمدة القاري: ١٥/ ٢٨، وإكمال المعلم للقاضي: ٨/ ٢٦٦، كتاب الزهد، رقم (٢٧).

(٣) فتح الباري: ١١/ ٢٨٠، والصحاح للجوهري: ٤١٩، مادة "رفف".

(٥) عمدة القاري: ١٥/ ٢٨.

(٦) صحيح البخاري، كتاب الوصايا، وقول النبي صلى الله عليه وسلم ......، رقم (٢٧٣٩).

چھوڑا نہ درہم، کوئی غلام چھوڑا نہ کوئی باندی، نہ ہی کوئی اور چیز، سوائے اپنی سفید خچری کے، اسلحہ کے اور زمین کے، جس کو آپ نے صدقہ میں جمع کروادیا تھا"۔

جب کہ حدیثِ باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ فرمارہی ہیں کہ انہوں نے کچھ جَو بھی چھوڑا تھا، چنانچہ اوپر "شيء" کی نفی تھی اور یہاں وجودِ شے کا اثبات ہے۔

اس سوال کا جواب بہت آسان ہے، وہ یہ کہ حضرت عمرو بن الحارث رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ان چیزوں کا ذکر ہے، جو آپ علیہ السلام کے ساتھ مختص تھیں کہ ان میں آپ نے کوئی شے نہیں چھوڑی، جب کہ حدیثِ عائشہ میں اس شے کا ذکر ہے، جو اُن کے نفقہ کا حصہ تھا اور ان کے ساتھ مختص تھا، چونکہ مورد الگ الگ ہیں، اس لیے اشکال کی کوئی وجہ نہیں (۱)۔

فأكلتُ منه حتى طال عليَّ

تو میں اس سے کھاتی رہی، یہاں تک کہ معاملہ مجھ پر طویل ہوگیا۔

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس جَو کو کھاتی رہیں، یہاں تک کہ اس پر عرصہ دراز گزر گیا، لیکن وہ ختم نہیں ہوئے۔

فكلته ففني

تو میں نے اس کا وزن کیا، چنانچہ وہ ختم ہوگئے۔

"كلتُه" بکسر الکاف (۲)، کال یکیل سے ماضی واحد متکلم کا صیغہ ہے۔

جَو ختم ہونے کی وجہ

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جو شعیر (جَو) تھے، وہ چونکہ غیر مکیل تھے، اس لیے ان میں برکت بھی تھی، کیونکہ انہیں ان کے وزن کا علم نہیں تھا، ان کی قلت کی طرف دیکھتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہر روز یہ گمان گزرتا تھا کہ یہ جَو عنقریب ختم ہوجائیں گے، اسی لیے ان

(۱) فتح الباري: ۱۱/۲۸۰.

(۲) حواله بالا.

کو معاملہ دراز معلوم ہونے لگا، لیکن جب انہوں نے ان کا وزن کرلیا تو مدتِ بقا معلوم ہوگئی، چنانچہ اس مدت کے پورا ہوتے ہوتے جَو بھی ختم ہوگئے (۱)۔ واللہ اعلم۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے "فأكلت منه حتى طال علي، فكلته ففني" اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ انہوں نے وہ جَو اپنے حصے سے لیے تھے، کیونکہ نفقہ میں ان کا استحقاق نہ ہوتا تو شعیر موجود بیت المال میں جمع کردیا جاتا یا ورثہ کے درمیان تقسیم کردیا جاتا، ورثہ میں سے وہ بھی تھیں اور ایسا ہوا نہیں، چنانچہ معلوم ہوا کہ یہ نفقہ ہی تھا، نہ کہ میراث۔

چنانچہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وجه مطابقة الترجمة لحديث عائشة، قولها: "فأكلت منه حتى طال علي، فكلته ففني" ولم تذكر أنها أخذته في نصيبها؛ إذ لو لم تكن لها النفقة لكان الشعير الموجود لبيت المال، أو مقسوما بين الورثة، وهي إحداهن"(٢).

٢٩٣١ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا يَحْيَى ، عَنْ سُفْيَانَ قالَ : حَدَّثَنِي أَبُو إِسْحٰقَ قالَ : سَمِعْتُ عَمْرَو بْنَ الحَارِثِ(٣) قالَ : ما تَرَكَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَّا سِلَاحَهُ ، وَبَغْلَتَهُ البَيْضَاءَ ، وَأَرْضًا تَرَكَهَا صَدَقَةً . [ر : ٢٥٨٨]

تراجمِ رجال

۱ — مسدد

یہ مسدد بن مسرہد بن مسربل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ كتاب الإيمان، "باب من الإيمان

(١) شرح ابن بطال: ٥/٢٦١.

(٢) المتواري: ١٨٥، وفتح الباري: ٦/٢٠٩، وعمدة القاري: ١٥/٢٧، وقال القاضي في إكمال المعلم (٨/٢٦٦): "وفي هذا أن البركة أكثر ما توجد في المجهولات والمبهمات، وأما ما حصر بالعدد أو بالكيل فمعرف قدره".

(٣) قوله: "عمرو بن الحارث رضي الله عنه": الحديث، مرّ تخريجه في كتاب الوصايا، باب الوصايا......

أن يحب لأخيه......" کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

۲- يحيى

امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کا تذکرہ بھی "كتاب الإيمان" کے مذکورہ باب کے تحت آچکا ہے(۲)۔

۳- سفيان

یہ امام المحدثین حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات كتاب الإيمان، "باب ظلم دون ظلم" کے تحت آچکے ہیں(۳)۔

٤- ابو اسحاق

یہ ابواسحاق عمرو بن عبید اللہ السبیعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات كتاب الإيمان، "باب الصلاة من الإيمان" کے ذیل میں گزر چکے(۴)۔

٥- عمرو بن الحارث

یہ نبی علیہ السلام کے برادرِ نسبتی حضرت عمرو بن الحارث خزاعی مصطلقی رضی اللہ عنہ ہیں(۵)۔

حدیث کا ترجمہ

یہ حدیث چونکہ ابھی قریب ہی میں کتاب الوصایا میں گزری ہے، اس لیے یہاں صرف ترجمہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت عمرو بن الحارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت ترکہ میں مندرجہ ذیل چیزیں چھوڑیں:-

---

(١) كشف الباري: ٢/٢.

(٢) حواله بالا.

(٣) كشف الباري: ٢٧٨/٢.

(٤) كشف الباري: ٣٧٠/٢.

(٥) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الزكاة، باب الزكاة على الزوج والأيتام......

اسلحہ، سفید خچری اور کچھ زمینیں جو آپ نے صدقات کے طور پر چھوڑی تھیں۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت بایں معنی ہیں کہ نبی علیہ السلام نے جو زمینیں بطورِ صدقات چھوڑی تھیں، ان سے ازواج مطہرات کا نفقہ دیا جاتا تھا۔ یہ روایت صراحۃً تو مصنف کے مدعی کو ثابت نہیں کرتی ہے، لیکن مصنف علیہ الرحمۃ کی عادت ہے کہ وہ ایسا کرتے ہیں کہ بعض ایسی روایات نقل کر دیتے ہیں جو صراحۃً مدعی کے لیے مفید ہوتی ہیں اور بعض روایات ایسی ہوتی ہیں کہ وہ خود تو مثبت مدعی نہیں ہوتیں، لیکن دوسری روایات کے ساتھ ملا کر اگر ان کو دیکھا جائے تو پھر اثبات مدعی ان سے ہو جاتا ہے، یہاں یوں ہی ہے، دوسری روایات کے ساتھ ملا کر اس سے اثبات مدعی ہو جائے گا۔

علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ووجه مطابقتها للحديث ...... قوله: "وأرضا تركها صدقة"؛ لأنها الأرض التي أنفق على نسائه منها بعد وفاته صلى الله عليه وسلم، على ما هو مشروح في الحديث"(۱).

اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مطابقته للترجمة تؤخذ من قوله: "وأرضا تركها صدقة" وذلك؛ لأن نفقة نسائه صلى الله عليه وسلم بعد موته كانت مما خصه الله به من الفيء، ومنه فدك، وسهمه من خيبر"(۲). واللہ اعلم بالصواب

سندِ حدیث سے متعلق ایک تنبیہ

امام قابسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو "حدثنا يحيى عن سفيان......" کے طریق سے نقل کیا ہے، اس طرح ان سے شیخِ بخاری حضرت مسدد کا نام رہ گیا ہے، جب کہ اس نام کے بغیر چارہ نہیں، کیونکہ یحییٰ بن

---

(۱) المتواري: ۱۸۵.

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۲۸، وبه قال القسطلاني، انظر إرشاد الساري: ۵/۱۹۷.

سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری کے شیخ نہیں ہیں، نہ ہی ان سے مصنف کا سماع ثابت ہے، امام جیانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر تنبیہ کی ہے۔

البتہ قابسی علیہ الرحمۃ کے کہے کو اگر درست قرار دیا بھی جائے تو یحییٰ سے مراد ابن موسیٰ یا ابن جعفر ہوں گے اور سفیان سے ابن عیینہ، چونکہ ابن موسیٰ اور ابن جعفر دونوں امام بخاری کے شیخ ہیں (۱)۔لیکن یہ احتمال کی حد تک ہے، درست بات وہی ہے جو جیانی علیہ الرحمۃ نے کہی۔ واللہ اعلم۔

٤ - باب : ما جاءَ في بُيُوتِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ : وَما نُسِبَ مِنَ الْبُيُوتِ إِلَيْهِنَّ .
وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى : «وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ» /الأحزاب : ٣٣/ . وَ : «لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ» /الأحزاب : ٥٣/ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ فرما رہے ہیں کہ جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے مال میں آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا نفقہ واجب تھا، اسی طرح سے آپ علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ کی ازواج کے لیے اسکان بھی آپ کے گھروں میں واجب تھا، کیونکہ یہ تمام ازواج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں محبوس تھیں، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مکانات کے اندر اپنی ازواج مطہرات کو رکھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی وہ انہی مکانات کے اندر قیام پذیر رہیں۔

اس طرح یہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن جیسے تاحیات نفقہ کی مستحق رہیں، اسی طرح وہ سکن (مکان) کی بھی مستحق رہیں (۲)۔

ازواجِ مطہرات کا قیام من حیث الاسکان تھا یا من حیث الملک؟

اصل مسئلے کی طرف جانے سے قبل یہ بات سمجھ لیجیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ترجمۃ الباب کے تحت دو آیتیں ذکر فرمائی ہیں، ایک ﴿وقرن في بيوتكن﴾ (۳) اور دوسری ﴿لا تدخلوا بيوت النبي إلا

(١) فتح الباري: ٦/٢١٠، وعمدة القاري: ١٥/٢٨.

(٢) المتواري: ١٨٦، وفتح الباري: ٦/٢١١، وعمدة القاري: ١٥/٢٩، وتعليقات اللامع: ٧/٢٩٤.

(٣) الأحزاب: ٣٣.

أن يؤذن لكم﴾(۱) ،پہلی آیت میں بیوت کی نسبت ازواجِ مطہرات، دوسری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے غالبًا اس کے ذریعے اسی اختلاف کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جس کا عنوان میں ذکر ہے کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا مذکورہ گھروں میں قیام من حیث الملک تھا یا من حیث الاسکان، یا یہ کہہ لیجیے کہ ان گھروں کا مالک ان کو بنایا گیا تھا یا صرف ان کو رہنے کے لیے یہ گھر دیے گئے تھے۔

مشہور مفسر قرآن علامہ جمل رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ ﴿لا تدخلوا بيوت النبي إلا أن يؤذن لكم﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس آیت میں اس امر کی دلیل ہے کہ گھر مرد کا ہوتا ہے اور اسی کے لیے اس کا فیصلہ کیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے خود بیت کی نسبت مرد (نبی) کی طرف کی ہے۔

لیکن اس پر اعتراض یہ ہے کہ ایک اور آیت ﴿واذكرن ما يتلى في بيوتكن﴾(۲) میں تو بیوت کی نسبت عورتوں (ازواجِ مطہرات) کی طرف کی گئی ہے، اس لیے یہ کہنا تو درست نہیں رہا کہ گھر مرد کا ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بیوت کی اضافت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف باعتبار ملک ہے اور ازواج مطہرات کی طرف باعتبار محل ہے کہ یہ ان کے رہنے اور سکن کی جگہیں ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آیت کریمہ میں اذنِ دخول نبی علیہ السلام کا فعل بتلایا گیا ہے اور اذن مالک ہی کا حق ہوتا ہے۔

پھر یہ سمجھیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیوت میں علماء کا اختلاف ہے اور ان کے اس مسئلے میں دو قول ہیں:

❶ ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ یہ گھر ازواجِ مطہرات کی ملکیت تھے، ان میں وہ من حیث الملک مقیم تھیں۔ اس کی دلیل ان حضرات کے بقول یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد بھی انہیں گھروں میں مقیم رہیں، یہاں تک کہ وفات پاگئیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی علیہ السلام نے یہ گھر اپنی حیات ہی میں ازواجِ مطہرات کو ہبہ کر دیے تھے۔

❷ جب کہ ایک اور جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ اسکان تھا، ہبہ نہیں تھا اور ازواجِ مطہرات تاحیات وہیں

(۱) الأحزاب: ۵۳.

(۲) الاحزاب: ۳٤.

رہیں، کیونکہ یہ اسی ''مؤنۃ'' کا حصہ تھا، جس کو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مستثنیٰ فرمایا، جیسا کہ ان کے نفقہ کو مستثنیٰ فرمایا تھا کہ "ما تركت بعد نفقة أهلي ومؤنة عاملي فهو صدقة" (۱) یہی اہلِ علم کا قول ہے اور اسی کو امام ابن عبدالبر (۲) اور ابن العربی رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ نے پسند فرمایا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن جن گھروں میں مقیم رہیں، ان کی وفات کے بعد وہ گھر ان کے ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوئے، چنانچہ یہ اس امر کی بین دلیل ہے کہ یہ گھر ان کی ملکیت میں نہیں تھے، صرف مسکن تھے، جب ان کا انتقال ہوگیا تو ان گھروں کو مسجد نبوی کا حصہ بنا دیا گیا اور ان کے ذریعے اس کی توسیع کردی گئی (۳)۔

امام بخاری اور گنگوہی رحمہما اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے بقول امام بخاری کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ ان بیوت کی ملکیت کے قائل تھے کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ان گھروں میں مالکانہ حیثیت کے ساتھ مقیم تھیں، چنانچہ مصنف علیہ الرحمۃ نے "وما نسب إليهن من البيوت" کہہ کر غالباً اس امر کی ترجیح کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:

"وقول البخاري في الترجمة: "وما نسب إليهن" لعله إشارة إلى ترجيح ملكهن" (٤).

اور یہی رائے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

---

(١) الحديث، مرّ تخريجه في الباب السابق عن أبي هريرة رضي الله عنه.

(٢) التمهيد لابن عبدالبر: ١٧٢/٨-١٧٤، وأحكام القرآن لابن العربي: ٦١٢/٣-٦١٣، المسألة الثالثة، سورة الأحزاب، الآية. ٥٣.

(٣) انتهى ماقاله سليمان الجمل رحمه الله مختصراء نقلا عن تعليقات اللامع: ٢٩٥/٧، والأبواب والتراجم للشيخ الكاندهلوي: ٢٠٥/١، وحاشية الجمل على الجلالين: ١٩٢/٦-١٩٣، سورة الأحزاب/٥٣، نیز دیکھیے، ابن بطال: ٢٦٣/٥، والديباج للسيوطي: ٧٢٤/٢.

(٤) تعليقات اللامع: ٢٩٥/٧، والأبواب والتراجم: ٢٠٥/١.

"يعني بذلك أن إضافتها إليهن تمليكية، وإليه صلى الله عليه وسلم لأدنى ملابسة، فكان قد ملكهن إياها قبل الموت، فلا يعترض على قوله: "لا نورث، ما تركناه صدقة"(۱).

جب کہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے برخلاف رائے اختیار کی اور فرمایا کہ امام بخاری یہاں یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ ان بیوت میں ازواجِ مطہرات کو رہائش کا اختیار تھا، مالکانہ اختیارات نہیں تھے، فرماتے ہیں:

"وساق البخاري الأحاديث التي تنسب إليهن البيوت فيها تنبيها على أن هذه النسبة تحقق دوام استحقاقهن للبيوت ما بقين"(۲).

ایک اہم تنبیہ

حافظ ابن حجر، علامہ قسطلانی اور شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے کتاب الوضوء (۳) میں اوپر ذکر کردہ احتمالِ اول کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات کو یہ گھر ہبہ کردیے تھے اور ان کو ان کا مالک بنا دیا تھا، کو ذکر کیا ہے اور اسی قول کو وہاں اختیار کیا ہے، جب کہ یہاں کتاب الخمس میں پہنچ کر ان حضرات نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مکانات ازواجِ مطہرات کو دیے تھے، وہ ان کی ملک نہیں تھے، بلکہ وہاں ان کا قیام بطور اسکان تھا، جیسے بیوی کو نفقہ دیا جاتا ہے اور مسکن کے طور پر رہنے کو مکان دیا جاتا ہے تو وہ اس کی مالک نہیں ہوتی اور انہیں حضرات نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ یہی وجہ ہے کہ ان کے ورثہ کی طرف وہ مکانات منتقل نہیں ہوئے (۴)۔

حافظ صاحب، علامہ قسطلانی اور شیخ زکریا انصاری رحمہم اللہ سب پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ وہاں کتاب الوضوء میں تو کچھ کہہ رہے تھے اور یہاں کتاب الخمس میں اور کچھ، لیکن یہ اشکال علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ (۵) پر نہیں

(۱) لامع الدراري: ۷/۲۹٤، والأبواب والتراجم: ۱/۲۰۵.

(۲) المتواري: ۱۸٦-۱۸۷.

(۳) فتح الباري للعسقلاني، كتاب الوضوء، باب من تبرز على لبنتين، رقم (۱٤٥)، وشرح القسطلاني: ۱/۲۰۸، باب التبرز في البيوت، وتحفة الباري: ۱/۱۵۸، باب التبرز في البيوت.

(٤) فتح الباري: ٦/۲۱۱، وتحفة الباري: ۳/۵۳۷، وشرح القسطلاني: ۵/۱۹۷.

(۵) عمدة القاري: ۲/۲۸٦، كتاب الوضوء، باب التبرز في البيوت.

ہوتا، کیونکہ انہوں نے یہ احتمال کتاب الوضوء میں ذکرنہیں کیا کہ ازواجِ مطہرات کا قیام وہاں مالکانہ حیثیت میں تھا(۱)۔

اس کے بعد یہ سمجھیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب کے تحت سات حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، پہلی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔

۲۹۳۲ : حدَّثنا حِبَّانُ بْنُ مُوسٰى وَمُحَمَّدٌ قالَا : أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ : أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ وَيُونُسُ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قالَ : أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ : أَنَّ عائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا(۲) زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قالَتْ : لَمَّا ثَقُلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ . اسْتَأْذَنَ أَزْوَاجَهُ أَنْ يُمَرَّضَ فِي بَيْتِي ، فَأَذِنَّ لَهُ . [ر : ۱۹۵]

تراجم رجال

۱– حبان بن موسیٰ

یہ امام بخاری کے شیخ حبان بن موسیٰ السلمی المروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

۲– محمد

محمد سے مراد ابن المقاتل مروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب ما یذکر في المناولة، وکتاب أهل العلم......" کے تحت بیان ہو چکا ہے (۴)۔

۳– عبداللّٰہ، ٤– معمر، ٥– یونس

عبداللہ سے ابن المبارک، معمر سے ابن راشد اور یونس سے ابن یزید ایلی رحمہم اللہ مراد ہیں۔ ان سب حضرات کا ترجمہ "بدء الوحی" کی "الحدیث الخامس" کے تحت نقل کیا جا چکا ہے (۵)۔

---

(۱) عمدة القاري: ۲۹/۱۵.

(۲) قوله: "عائشة رضي الله عنها......": مرّ تخريجه في الوضوء، باب الغسل والوضوء في المخضب......

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الأذان، باب يسلم حين يسلم الإمام.

(٤) كشف الباري: ۲۰٦/۳.

(٥) كشف الباري: ٤٦٢/١–٤٦٦، یونس بن یزید کے لیے مزید دیکھیے، كشف الباري: ۲۸۲/۳.

٦- الزهري

یہ امام محمد بن مسلم ابن شہاب الزہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات "بدء الوحي" کی "الحدیث الأول" کے تحت ذکر کیے جاچکے ہیں (۱)۔

۷- عبیداللّٰه بن عبداللّٰه بن عتبه بن مسعود

یہ مشہور فقیہ مدینہ منورہ حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات بھی "بدء الوحی" کی "الحدیث الخامس" کے ذیل میں گزر چکے ہیں (۲)۔

۸- عائشه

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات "بدء الوحي" کی پہلی حدیث کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

أن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم قالت: لما ثقل رسول الله......

حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت زیادہ ناساز ہوگئی تو آپ نے دیگر ازواج مطہرات سے اس امر کی اجازت لی کہ وہ اپنے بیماری کے دن میرے گھر میں رہیں، تو ازواجِ مطہرات نے اجازت دے دی۔

دوسری حدیث بھی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔

۲۹۳۳ : حَدَّثَنَا ٱبْنُ أَبِي مَرْيَمَ : حَدَّثَنَا نَافِعٌ : سَمِعْتُ ٱبْنَ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ : قَالَتْ عَائِشَةُ[٤] رَضِيَ ٱللهُ عَنْهَا : تُوُفِّيَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ فِي بَيْتِي ، وَفِي نَوْبَتِي ، وَبَيْنَ سَحْرِي وَنَحْرِي ، وَجَمَعَ ٱللهُ بَيْنَ رِيقِي وَرِيقِهِ . قَالَتْ : دَخَلَ عَبْدُ ٱلرَّحْمٰنِ بِسِوَاكٍ ، فَضَعُفَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ عَنْهُ ، فَأَخَذْتُهُ ، فَمَضَغْتُهُ ، ثُمَّ سَنَنْتُهُ بِهِ . [ر : ۸۵۰]

---

(۱) كشف الباري: ۱/۳۲٦.

(۲) كشف الباري: ۱/٤٦٦ و: ۳/۳۷۹.

(۳) كشف الباري: ۱/۲۹۱.

(٤) قوله: "قالت عائشة رضي الله عنها": الحديث، مرّ تخريجه في كتاب الجمعة، باب من تسنّن ....

تراجمِ رجال

۱— ابن ابی مریم

یہ ابومحمد سعید بن الحکم بن ابی مریم الجمحی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب من سمع شیئاً فراجع حتی یعرفه" کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

۲— نافع

یہ نافع بن یزید مصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۳— ابن ابی ملیکه

یہ عبیداللہ بن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب خوف المؤمن من أن یحبط عمله......" کے تحت آچکے ہیں (۳)۔

٤— عائشه

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ "بدء الوحي" میں گزر چکا ہے(۴)۔

قالت عائشة رضی الله عنها: توفي النبي صلى الله عليه وسلم في بيتي......

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال میرے گھر، میری باری والے دن، میرے سینے پر(کہ آپ کا سر مبارک میرے سینے پر رکھا تھا) ہوا اور اللہ تعالیٰ نے میرے لعاب اور آپ کے لعاب کو جمع فرمایا، وہ اس طرح کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر ایک مسواک لے کر اندر آئے، نبی علیہ السلام میں اتنی قوت نہ تھی کہ اسے چبا پاتے، چنانچہ میں نے مسواک لی، اسے چبا کر نرم کیا، پھر انہیں مسواک کروائی۔

---

(۱) کشف الباري: ٤/١٠٦.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الجنائز، باب الدخول علی المیت بعد الموت إذا......

(۳) کشف الباري: ٢/٥٤٨.

(٤) کشف الباري: ١/٢٩١.

اور حدیث کی مفصل شرح پیچھے کتاب الجمعہ میں گزر چکی ہے(۱)۔

باب کی تیسری حدیث ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔

٢٩٣٤ : حدَّثنا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قالَ : حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قالَ : حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خالِدٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ : أَنَّ صَفِيَّةَ(۲) زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهُ : أَنَّهَا جاءَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ تَزُورُهُ ، وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فِي الْمَسْجِدِ ، فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ ، ثُمَّ قامَتْ تَنْقَلِبُ ، فَقَامَ مَعَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ ، حَتَّى إِذَا بَلَغَ قَرِيبًا مِنْ بَابِ الْمَسْجِدِ ، عِنْدَ بَابِ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ ، مَرَّ بِهِمَا رَجُلَانِ مِنَ الْأَنْصَارِ ، فَسَلَّمَا عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ ثُمَّ نَفَذَا ، فَقَالَ لَهُمَا رَسُولُ اللهِ ﷺ : (عَلَى رِسْلِكُمَا) . قالَا : سُبْحَانَ اللهِ يَا رَسُولَ اللهِ ، وَكَبُرَ عَلَيْهِمَا ذٰلِكَ ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : (إِنَّ الشَّيْطَانَ يَبْلُغُ مِنَ الْإِنْسَانِ مَبْلَغَ الدَّمِ ، وَإِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَقْذِفَ فِي قُلُوبِكُمَا شَيْئًا) . [ر : ١٩٣٠].

تراجم رجال

۱ — سعید بن عفیر

یہ سعید بن کثیر بن عفیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا مفصل تذکرہ کتاب العلم، "باب من یرد اللہ بہ......" کے تحت گزر چکا ہے(۳)۔

۲ — اللیث

یہ مشہور محدث لیث بن سعد فہمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات "بدء الوحي" کی "الحدیث الأول" کے تحت گزر چکے ہیں(۴)۔

۳ — عبدالرحمن بن خالد

یہ عبدالرحمٰن بن خالد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا ترجمہ مفصلاً کتاب العلم، "باب السمر في العلم"

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب من تسوك......، رقم (۸۹۰).

(۲) قوله: "أن صفية ......": الحديث، مرّ تخريجه في الإعتكاف، باب هل يخرج المعتكف إلى......؟

(۳) كشف الباري: ۳/۲۷٤.

(٤) كشف الباري: ۱/۳۲٤.

کے ذیل میں بیان ہو چکا(۱)۔

٤— ابن شهاب

ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ کے مختصر حالات "بدء الوحي" کی "الحديث الأول" کے تحت آچکے(۲)۔

٥— علي بن حسين

یہ امام زین العابدین علی بن حسین بن علی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۳)۔

٦— صفيه

یہ ام المؤمنین حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا ہیں(۴)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے مسجد نبوی میں حاضر ہوئیں، جہاں نبی علیہ السلام رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں معتکف تھے، ملاقات کے بعد رخصت ہونے کے لیے کھڑی ہوئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ کھڑے ہوئے اور ساتھ چلے، یہاں تک کہ جب مسجد کے دروازے، جو باب ام سلمہ رضی اللہ عنہ کے متصل تھا، کے قریب پہنچے تو ان دونوں کے پاس سے دو انصاری صحابی گزرے، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، پھر آگے نکل گئے، تو نبی علیہ السلام نے ان دونوں سے فرمایا کہ آرام سے چلو (کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہے)۔ ان دونوں حضرات نے کہا، یارسول اللہ! سبحان اللہ! (یہ جملہ انہوں نے بطور تعجب کے کہا) اوران دونوں پر نبی علیہ السلام کی بات بڑی شاق گزری، چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک شیطان جسم انسانی میں اس طرح

(۱) كشف الباري: ٤/٤٠٥.

(۲) كشف الباري: ١/٣٢٦.

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الغسل، باب الغسل بالصاع ونحوه.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الحیض، باب المرأة تحيض بعد الإفاضة.

سرایت کرتا ہے جیسا کہ خون۔ اور مجھے یہ خدشہ لاحق ہوا کہ شیطان تم دونوں کے دل میں کسی قسم کی بدگمانی کے بیج نہ بودے۔

مختصر شرح

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ قیل کے ساتھ نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ دونوں حضرات اسید بن حضیر وعباد بن بشر رضی اللہ عنہما تھے(۱)۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام پر چونکہ بہتان باندھنے کا نتیجہ کفر کے سوا کچھ نہیں، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ یہ دونوں حضرات بھی مبادا کفر کا ارتکاب نہ کر بیٹھیں، لہٰذا نبی علیہ السلام نے پہل کرتے ہوئے انہیں اصل بات بتلا دی اور شیطان کو یہ موقع نہ دیا کہ ان دونوں کے دل میں کوئی وسوسہ، کوئی غلط تصور ڈالے، جس کی بنا پر یہ ہلاک وبرباد ہو جائیں۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قال إمامنا الشافعي (رحمه الله): خاف عليهما الكفر إن ظنا به تهمة، فبادر إلى إعلامهما نصيحةً لهما قبل أن يقذف الشيطان في قلوبهما شيئاً يهلكان به"(۲).

باب کی چوتھی حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے۔

۲۹۳۵ : حدّثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ : حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ ، عَنْ عُبَيْدِ ٱللهِ ، عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ ، عَنْ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا(۳) قَالَ : ٱرْتَقَيْتُ فَوْقَ بَيْتِ حَفْصَةَ ، فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْضِي حاجَتَهُ ، مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةِ ، مُسْتَقْبِلَ الشَّأْمِ .
[ر : ١٤٥]

---

(۱) شرح القسطلاني: ۱۹۸/۵، وفتح الباري: ۲۸۰/۴، الاعتكاف، وتهذيب تاريخ دمشق الكبير: ۴۲۹/۶، وشرح ابن ماجه، كتاب الصوم، باب المعتكف يزوره أهله في المسجد، رقم (۱۷۷۹).

(۲) شرح القسطلاني: ۱۹۸/۵.

(۳) قوله: "عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما": الحديث، مرّ تخريجه في الوضوء، باب التبرز في البيوت.

تراجمِ رجال

۱- ابراهیم بن المنذر

یہ ابراہیم بن المنذر القرشی الحزامی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب من سئل علما وهو......" کے تحت آچکا(۱)۔

۲- انس بن عیاض

یہ انس بن عیاض ابوضمرہ لیثی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳- عبیداللہ

یہ عبیداللہ بن عمر بن حفص بن عمر بن خطاب رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

٤- محمد بن یحییٰ بن حبان

یہ محمد بن یحییٰ بن حبان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٥- واسع بن حبان

یہ مذکورہ بالا راوی کے چچا واسع بن حبان رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

٦- عبداللہ بن عمر

مشہور صحابی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حالات کتاب الإیمان، "باب الإیمان، وقول النبي صلی اللہ علیہ وسلم ......" کے ذیل میں بیان کیے جاچکے (۴)۔

عن عبداللہ بن عمر رضي اللہ عنهما قال: ارتقیت فوق بیت......

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں اپنی ہمشیرہ حضرت حفصہ (رضی اللہ عنہم) کے گھر کی چھت پر چڑھا تو

(۱) کشف الباري: ۳/۵۸.

(۲) ان دونوں کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب التبرز في البیوت.

(۳) ان دونوں کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب من تبرز علی لبنتین.

(٤) کشف الباري: ۱/٦۳۷.

دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ کی طرف پیٹھ کیے ہوئے اور ملک شام کی طرف منہ کیے ہوئے اپنی حاجت پوری کررہے ہیں۔

کتاب الوضوء کی روایت میں "فوق ظهر بيت حفصة" (۱) ہے، مقصود دونوں روایتوں کا ایک ہی ہے، یعنی گھر کی چھت پر چڑھنا مراد ہے اور وہیں اس امر کی تصریح بھی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنی کسی ضرورت کے تحت چھت پر گئے تھے (۲)۔

پانچویں حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔

٢٩٣٦ : حدَّثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ : حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ ، عَنْ هِشَامٍ ، عَنْ أَبِيهِ : أَنَّ عائِشَةَ[۳] رَضِيَ ٱللهُ عَنْهَا قالَتْ : كانَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ لَمْ تَخْرُجْ مِنْ حُجْرَتِهَا . [ر : ٥١٩]

تراجم رجال

۱- ابراهيم بن المنذر، ۲-انس بن عياض

ان دونوں کے لیے سابقہ سند دیکھیے۔

۳- هشام

یہ مشہور محدث حضرت ہشام بن عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٤- ابيه

اب سے مراد حضرت عروہ بن زبیر بن العوام ہیں۔

٥- عائشة

یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان تینوں حضرات کا تذکرہ بدء الوحی کی "الحديث الأول"

---

(۱) کتاب الوضوء، باب التبرز في البيوت، رقم (١٤٨).

(۲) حدیث کی مزید شرح کے لیے دیکھیے (كشف الباري)، كتاب الوضوء، باب التبرز في البيوت، وباب من تبرز على لبنتين.

(۳) قوله: "أن عائشة رضي الله عنها": الحديث، مرّ تخريجه في مواقيت الصلاة، باب مواقيت الصلاة......

کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

أن عائشة رضي الله عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم......

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھا کرتے تھے اور اس وقت تک دھوپ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے سے نہیں نکل پاتی تھی۔

چھٹی حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے۔

۲۹۳۷ : حدّثنا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ : حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ[۲] رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : قامَ النَّبِيُّ ﷺ خَطِيبًا ، فَأَشَارَ نَحْوَ مَسْكَنِ عائِشَةَ ، فَقَالَ : (هُنَا الْفِتْنَةُ – ثَلَاثًا – مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ) . [۳۱۰۵ ، ۳۳۲۰ ، ٤٩٩٠ ، ٦٦٧٩ ، ٦٦٨٠ ، وانظر : ٩٩٠]

تراجمِ رجال

۱– موسیٰ بن إسماعيل

یہ موسیٰ بن اسماعیل تبوذکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ بدء الوحی کی "الحديث الرابع" کے تحت گزر چکا ہے(۳)۔

۲– جويريه

یہ جویریہ بن اسماء الضبعی البصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۴)۔

(۱) كشف الباري: ۲۹۱/۱، ہشام اور عروہ کے لیے مزید دیکھیے، كشف الباري: ٢/٤٣٢–٤٤٠.

(۲) قوله: "عن عبد الله رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري في كتاب بدء الخلق أيضاً، باب صفة إبليس وجنوده، رقم (٣٢٧٩)، وكتاب المناقب، باب بلا ترجمة، بعد باب نسبة اليمن إلى إسماعيل، رقم (٣٥١١)، وكتاب الطلاق، باب الإشارة في الطلاق والأمور، رقم (٥٢٩٦)، وكتاب الفتن، باب قول النبي ﷺ: (الفتنة من قبل المشرق)، رقم (٧٠٩٢–٧٠٩٣)، ومسلم في صحيحه، كتاب الفتن ......، باب الفتنة من المشرق من حيث......، رقم (٧٢٥٢–٧٢٥٧)، والترمذي في سننه، أبواب الفتن، باب في العمل في الفتن......، رقم (٢٢٦٨).

(۳) كشف الباري: ٤٣٣/١.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الغسل، باب الجنب يتوضأ ثم......

٣- نافع

یہ نافع مولیٰ ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات كتاب العلم، "باب ذكر العلم والفتيا في المسجد" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

٤- عبداللّٰه

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حالات كتاب الإيمان، "باب الإيمان، وقول النبي صلى الله عليه وسلم ......" کے تحت آ چکے(۲)۔

قال: قام النبي صلى الله عليه وسلم خطيبا، فأشار نحو مسكن عائشة، فقال: هنا الفتنة -ثلاثا- من حيث يطلع قرن الشيطان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ (تقریر) دینے کے لیے کھڑے ہوئے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مسکن کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا، یہاں فتنہ ہے، یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی، جہاں سے شیطان کا سینگ ظاہر ہوتا ہے۔

یہ تو ہوا حدیث کا ترجمہ، اس حدیث کے تحت کچھ مباحث بھی ہیں، جنہیں ذیل میں ہم ذکر کریں گے۔

نبی علیہ السلام نے یہ بات کہاں ارشاد فرمائی؟

اوپر یہ بات بیان کی گئی ہے کہ نبی علیہ السلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مذکورہ بالا بات ارشاد فرمائی، لیکن اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود کہاں موجود تھے، اس حوالے سے روایت میں کوئی صراحت نہیں ہے۔

اس سلسلے میں تین طرح کی روایات ہیں، مسلم کی ایک روایت (۳) میں "قام عند باب حفصة"

---

(۱) كشف الباري: ٤/٦٥١.

(۲) كشف الباري: ١/٦٣٧.

(۳) صحيح مسلم، كتاب الفتن، باب الفتنة من المشرق من حيث يطلع...... رقم (٧٢٥٣).

کے الفاظ ہیں اور دوسری (۱) میں "عند باب عائشة" جب کہ ایک اور روایت، جو جامع ترمذی (۲) کی ہے، میں "قام رسول الله صلى الله عليه وسلم على المنبر......" کے کلمات ہیں۔

امام زرقانی رحمۂ اللہ ان ساری روایات کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ نبی علیہ السلام مذکورہ دونوں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہما میں سے کسی کے دروازے سے نکلے ہوں اور ان دونوں کے دروازے قریب قریب تھے، چنانچہ ایک مرتبہ اشارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا، جب آپ ان دونوں دروازوں کے درمیان کھڑے تھے، جس کی تعبیر گاہے "باب حفصة" سے کی گئی، گاہے "باب عائشہ" سے، پھر منبر کی طرف چلے اور دوسری مرتبہ اشارہ فرمایا، پھر منبر پر کھڑے ہوئے اور تیسری مرتبہ اشارہ فرمایا (۳)۔

یہ ایک اچھی تطبیق ہے، اس کے علاوہ اور کوئی جمع و تطبیق کی صورت بظاہر نظر بھی نہیں آتی اور ان روایات کو تعدد قصہ پر بھی محمول نہیں کیا جا سکتا، کہ مخرج ایک ہی ہے، یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما، چنانچہ زرقانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"فإن ساغ هذا، وإلا فيطلب جمع غيره، ولا يجمع بتعدد القصة؛ لاتحاد المخرج، وهو ابن عمر......" (٤).

البتہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ امام زرقانی رحمہ اللہ سے اختلاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان روایات کو تعدد قصہ پر محمول کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے، کہ روایات کے سیاق وسباق میں بہت زیادہ اختلاف ہے، چنانچہ نبی علیہ السلام نے فتنہ سے متعلق مضمون کی طرف کئی مرتبہ تنبیہ کی تھی اور اس کو حضرت ابن عمر و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اپنے سماع کے مطابق روایت کیا ہے (۵)۔

---

(١) حواله بالا، رقم (٧٢٥٤).

(٢) جامع الترمذي، أبواب الفتن، باب في العمل في الفتن، رقم (٢٢٦٨).

(٣) شرح الزرقاني على المؤطا: ٣٨٤/٤، والأوجز: ٣٥٢/١٧، وفتح الباري: ٤٦/١٣.

(٤) شرح الزرقاني على المؤطا: ٣٨٤/٤-٣٨٥، ماجاء في المشرق، رقم (١٨٩٠)، والأوجز: ٣٥٢/١٧.

(٥) أوجز المسالك: ٣٥٤/١٧.

نبی علیہ السلام نے اشارہ کس طرف کیا تھا؟

حدیثِ باب میں تو یہ آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر اور مسکن کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا کہ فتنہ یہاں ہے، جب کہ اس روایت کے دیگر طرق میں لفظ ''مشرق'' آیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے مشرق کی طرف اشارہ کیا، ان تمام طرق کے پیشِ نظر یہی کہا جائے گا کہ مسکن عائشہ سے مشرق کی سمت مراد ہے اور ''ھنا'' کا مشار الیہ مشرق ہے(۱)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر ہرگز نہیں، جیسا کہ روافض خبیثہ کا خیال ہے، وہ اس حدیث کو بنیاد بنا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو طعن وتشنیع کا نشانہ بناتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ان کے گھر کو فتنوں کا منبع قرار دیا ہے۔العیاذ باللہ۔لیکن جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا اور آگے بھی بات آئے گی کہ یہاں ھنا سے مراد مشرقی سمت ہے۔

مشرق سے مراد کیا ہے؟

اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں:

اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ مشرق سے نجد مراد ہے، اس کی دلیل میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت پیش کی گئی ہے کہ:

"ذكر النبي صلى الله عليه وسلم: اللهم بارك لنا في شأمنا، اللهم بارك لنا في يمننا، قالوا: يا رسول الله، وفي نجدنا؟ قال: اللهم بارك لنا في شامنا، اللهم بارك لنا في يمننا، قالوا: يا رسول الله، وفي نجدنا؟ فأظنه قال في الثالثة: هناك الزلازل والفتن، وبها يطلع قرن الشيطان"(۲).

''نبی علیہ السلام نے ایک دن شام اور یمن کا ذکر کرتے ہوئے ان دونوں کے

---

(۱) حواله بالا.

(۲) الحديث، أخرجه البخاري، كتاب الفتن، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: الفتنة من قبل المشرق، رقم (۷۰۹٤)، وكتاب الاستسقاء، باب ماقيل في الزلازل ...... رقم (۱۰۳۷)، والترمذي، كتاب المناقب، باب في فضل الشام واليمن، رقم (۳۹۵۳).

لیے برکت کی دعا فرمائی، صحابہ نے درخواست کی کہ یہی دعا نجد کے لیے بھی کر دیجیے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی پہلی بات دوہرادی، صحابہ نے پھر گزارش کی کہ نجد کے لیے بھی دعائے برکت کر دیجیے، غالبا تیسری مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نجد میں تو زلزلے اور فتنے ہوں گے، وہیں سے شیطان کا سینگ ظاہر ہوگا"۔

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے بعض حضرات نے مشرق سے نجد مراد ہونے کو راجح قرار دیا ہے(۱)۔

جب کہ بعض دیگر علماء مشرق سے مراد عراق لیتے ہیں، ان کا استدلال حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی اِس روایت سے ہے، ابن فضیل اپنے والد سے نقل کرتے ہیں:

"سمعت سالم بن عبدالله بن عمر يقول: يا أهل العراق، ما أسألكم عن الصغيرة، وأركبكم للكبيرة؟! سمعت أبي عبدَالله بنَ عمر يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "إن الفتنة تجيء من ههنا" وأوما بيده نحو المشرق "من حيث يطلع قرنا الشيطان" وأنتم يضرب بعضكم رقاب بعض......"(۲).

کہ "حضرت سالم نے اہلِ عراق کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم کتنے عجیب لوگ ہو، صغائر کے بارے میں تو خوب استفسار کرتے ہو اور کبائر کے اجتناب سے باز نہیں آتے؟! میں نے اپنے والد عبداللہ کو اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ "فتنہ یہاں سے نمودار ہوگا" اور آپ علیہ السلام نے ہاتھ کے اشارے سے مشرق کی طرف اشارہ کیا "جہاں سے شیطان کے دونوں سینگ ظاہر ہوں گے" اور تم لوگ (اہلِ عراق) ایک دوسرے کی گردنیں مارتے ہو......"

چنانچہ اس حدیث میں مشرق سے عراق اور اہلِ مشرق سے اہلِ عراق مراد ہیں (۳)۔

---

(۱) تكملة فتح الملهم: ۶/۱۶۲، وفتح الباري: ۱۳/۴۷.

(۲) صحيح مسلم، كتاب الفتن، باب الفتنة من المشرق، من حيث يطلع ......، رقم (۷۲۵۷).

(۳) تكملة فتح الملهم: ۶/۱۶۲، وشرح الأبي على مسلم: ۱/

مؤطا مالک اور کنز العمال وغیرہ کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ عزم کیا کہ وہ تمام بلاد اسلامیہ کا دورہ کریں گے تو حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے اس عزم سے روکا اور فرمایا: "لا تأت العراق؛ فإن فيه تسعةَ أعشار الشر"(۱).

ان تمام روایات کے پیشِ نظر بہت سے علماء نے مشرق سے عراق مراد لیا ہے۔

دونوں اقوال کے درمیان تطبیق

اوپر جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا کہ بعض حضرات نے مشرق سے نجد اور بعض نے عراق مراد لیا ہے، لیکن ان دونوں کے درمیان کوئی منافات نہیں، ابھی نجد کے حوالے سے جو روایت گزری ہے، اس میں نجد سے کوئی مخصوص علاقہ مراد نہیں ہے، شراحِ حدیث نے یہاں نجد کو لغوی معنی پر محمول کرتے ہوئے عموم مراد لیا ہے۔ نجد کے لغوی معنی "ما ارتفع من الأرض" کے ہیں، یعنی وہ علاقہ جو سطح زمین سے بلند ہو، اس طرح اس حدیث کے تحت عراق بھی داخل ہو جائے گا، علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نجد مشرقی جہت میں ہے اور اہلِ مدینہ کا جو نجد ہے وہ عراق کے دیہات اور اس کے اطراف ہیں، یہی اہلِ مدینہ کا مشرق ہے، کیونکہ نجد کے لغوی معنی "ما ارتفع من الأرض" کے ہیں(۲)۔

"وقال الخطابي رحمه الله: نجد: ناحية المشرق، ومن كان بالمدينة كان نجده بادية العراق ونواحيها، وهي مشرق أهلها، وأصل النجد: ما ارتفع من الأرض......"(۳).

---

(۱) الموطأ: ۹۷۵/۲، كتاب الاستئذان، باب ماجاء في المشرق، رقم (۳۰)، وكنز العمال: ۱۷۳/۱٤، مسند عمر، رقم (۳۸۲۷۹)، والمصنف لابن أبي شيبة: ۱٦۸/۲۱، كتاب الفتن، من كره الخروج في الفتنة، رقم (۳۸۵٦۱).

(۲) قال الحموي: "نجد: بفتح أوله، وسكون ثانيه، قال النضر: النجد: قفاف الأرض وصلابها، وما غلظ منها وأشرف، والجماعة النجاد، ......". انظر معجم البلدان: ۲٦۱/۵.

(۳) شرح الخطابي، (أعلام الحديث): ۲۳۳۰/٤، وفتح الباري: ٤۷/۱۳، اس تعیین کی وجہ یہ ہے کہ اگر نجد سے مطلقاً کوئی مخصوص علاقہ مراد لیا جائے تو بڑی مشکل ہو جائے گی، چنانچہ نجد کا اطلاق عرب کے بہت سارے علاقوں پر ہوتا ہے۔ مثلاً: نجد تہامہ، نجد برق، نجد العتاب، نجد مریع اور نجد الیمن وغیرہ وغیرہ۔ دیکھیے، معجم البلدان: ۲٦۲/۵-۲٦۵.

فتنہ سے کیا مراد ہے؟

حدیثِ باب میں مشرق سے فتنہ کے ظہور کی پیشن گوئی ہے، ایک اور حدیث جو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، اس میں یہی پیشن گوئی مدینہ منورہ سے متعلق ہے کہ اس میں فتنہ کا ظہور ہوگا، نبی علیہ السلام فرماتے ہیں: "فإني لأرى الفتن تقع خلال بيوتكم كوقع القطر"(۱) کہ "میں تمہارے گھروں کے درمیان فتنوں کے آنے کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح کہ بارش آتی ہے"۔

نیز ایک حدیث جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں آیا ہے:

"ستكون فتن، القاعد فيها خير من القائم"(۲).

اس حدیث میں بہت سے فتنوں کے ظہور کی پیشن گوئی ہے، ان تمام احادیث کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ حدیثِ باب اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی حدیث میں فتنہ سے مراد قتل خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہے، جب کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت اور دیگر وہ تمام روایات، جن میں "فتن" صیغہ جمع کے ساتھ آیا ہے، میں قتل حضرت عثمان کے بعد رونما ہونے والے دیگر واقعات وحوادث ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ہی مام فتن وحوادث کی بنیاد تھا، جو مدینہ منورہ میں ہوا، اس کے بعد فتنہ دوسرے شہروں میں بھی رونما ہوا، صفین اور جمل کی جنگیں ہوئیں، نہروان میں جو جنگ ہوئی اس کا سبب صفین کا واقعہ بنا، اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ پہلی صدی ہجری میں جو فتنے رونما ہوئے، ان سب کے پیچھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادتِ مظلومانہ ہی تھی۔

حافظ فرماتے ہیں:

---

(۱) الحديث، أخرجه البخاري في كتاب الفتن، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم، ويل للعرب......، رقم (۷۰٦۰)، وانظر جامع الأصول وتعليقاته: ۱۰/۳۸، ومسند الحميدي: ۱/۲٤۸، أحاديث أسامة بن زيد، رضي الله عنهما، رقم (۲٥۲).

(۲) الحديث، أخرجه البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب علامات النبوة في الإسلام، رقم (۳٦۰۱)، وكتاب الفتن، باب تكون فتنة القاعد فيها خير من القائم، رقم (۷۰۸۱-۷۰۸۲)، ومسلم، كتاب الفتن، باب نزول الفتن كمواقع القطر، رقم (۷۲٤۷-۷۲٤۹).

"وإنما اختصت المدينة بذلك؛ لأن قتل عثمان رضي الله عنه كان بها، ثم انتشرت الفتن في البلاد بعد ذلك، فالقتال بالجمل والصفين كان بسبب قتل عثمان رضي الله عنه، والقتال بالنهروان كان بسبب التحكيم بصفين، وكل قتال وقع في ذلك العصر إنما تولد عن شيء من ذلك أو عن شيء تولد عنه"(۱).

یہ تفصیل مدینہ منورہ سے متعلق حدیث کی تھی۔

تاریخ میں اگر تھوڑا پیچھے چلا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سبب عراق تھا، چنانچہ خلیفۂ ثالث پر جو اعتراضات کیے گئے تھے، ان میں ایک ان کے امرائے بلاد و گورنرز تھے کہ انہوں نے مختلف علاقوں پر جو امراء مقرر کیے، ان میں سب سے پہلے عراق کے امیر پر اعتراض ہوا تھا، یہی بعد میں بڑے فتنہ کا سبب بنا۔ آخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سانحہ رونما ہوا اور عراق مشرقی جہت میں ہے(۲)۔

بعد میں اسلامی دنیا کو بڑے بڑے فتنوں اور حوادث کا سامنا رہا، تا قیامت یہ سلسلہ رہے گا۔ أعاذنا الله من جميع الفتن ظاهرها وباطنها.

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فالمراد عندي في هذه الأحاديث مبدأ الفتن، وهو قتل عثمان رضي الله عنه، ومبدؤه كان من العراق......"(۳). واللہ اعلم بالصواب

---

(۱) فتح الباري: ۱۳/۱۳، رقم (٦٦٥١)، وأيضاً انظر الاستذكار: ۵۲۹/۷، والأوجز: ۳۵٤/۱۷.

(۲) فتح الباري: ٤۷/۱۳، والأوجز: ۳۵٤/۱۷.

(۳) الأوجز: ۳۵٤/۱۷، قال الإمام أبوعمر ابن عبدالبر رحمه الله: "روينا عن حذيفة رضي الله عنه أنه قال: "أول الفتن قتل عثمان، وآخرها الدجال".

ومعلوم أن أكثر البدع إنما ظهرت وابتدأت من المشرق، وإن كان الذين اقتتلوا بالجمل وصفين منهم كثير من أهل الحجاز والشام، فإن الفتنة وقعت في ناحية المشرق، وكانت سببا إلى افتراق كلمة المسلمين ومذاهبهم، وفساد نيات كثير منهم إلى اليوم، وإلى أن تقوم الساعة، والله أعلم". الاستذكار: ۵۲۹/۷.

قرن کے معنی اور مراد

قرن بفتح القاف وسکون الراء سینگ کو کہتے ہیں۔

علامہ داودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیطان کے حقیقت میں سینگ ہوتے ہیں۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ قرن سے مراد شیطان کی قوت ہو اور وہ اشیاء جن کے ذریعے وہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہو۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے(۱)۔

اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اس امت مرحومہ میں جو بھی فتنہ اٹھا، اسی سمت سے اٹھا، سب سے پہلا فتنہ مالک بن اشتر کا خروج تھا کہ وہ اور اس کے ساتھی حضرت عثمان شہید کے خلاف کوفہ سے نکلے اور کوفہ مدینہ منورہ سے جانب مشرق ہے۔ دوسرا فتنہ عبید اللہ بن زیاد کا تھا، جو حضرت حسین کی شہادت کا باعث بنا۔ اس کے بعد مدعی نبوت مختار ثقفی کا فتنہ نمودار ہوا، پھر اکثر بدعات اور باطل عقائد انہی اطراف سے رونما ہوتے رہے، اس لیے ''روافض'' کا منبع بھی کوفہ ہے اور معتزلہ کی جائے پیدائش بصرہ ہے۔ واصل بن عطاء بصری ہے۔ قرامطہ کوفہ کے علاقے کی پیداوار ہیں۔ خوارج نہروان سے نکلے تو دجال اصفہان سے نکلے گا''۔

ملخص از: تحفہ اثنا عشریہ فارسی، مطاعن أم المؤمنین رضي الله عنها، طعن نهم، ص: ۳۳۷.

چوں کفر از کعبہ برخیزد......

مزید فرماتے ہیں:

''جو شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کو اس وقت جب انہیں بصرہ کا سفر پیش آیا، جائے فتنہ گمان کرے تو وہ بلا شک وشبہ کافر ہے، کیوں کہ یہ تو اہل ایمان کے سردار محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹھکانہ ہے۔ جن کا نام سن کر کفر وفتنہ دم دبا کر بھاگتے ہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حجرے سے حج کے ارادے پر مکہ روانہ ہوئی تھیں نہ کہ فتنہ انگیزی کے لیے، اگر عائشہ رضی اللہ عنہا کو فتنہ انگیز قرار دیا جائے تو پھر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ سے بصرہ کے لیے روانہ ہوئی تھیں، پھر تو عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کی بجائے مکہ کو جائے فتنہ کہنا چاہیے!

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی اور جب کعبہ سے کفر نکلے تو اسلام کہاں باقی رہے گا''۔

حوالہ بالا، نیز دیکھیے، أحکام القرآن لابن العربي: ۵۶۹/۳-۵۷۰، سورة الأحزاب: ۳۲-۳۳، الآية الثامنة، المسألة الخامسة.

(۱) وفيه أقوال أخر أيضاً، انظر فتح الباري: ۴۶/۱۳، وعمدة القاري: ۹۹/۲۴.

اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قرن الشیطان سے مراد اس کی جماعت اور مددگار ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اسی سے شیطان کے مددگار نکلتے ہیں (۱)۔

قرن الشیطان کا ظہور کب ہوگا؟

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک قرن الشیطان کے ظہور سے مراد خروج دجال ہے، کیونکہ خروج دجال امت محمدیہ کا فتنہ ہے اور ایسا فتنہ ہے کہ اس سے بڑا اور کوئی نہیں۔

مزید فرماتے ہیں کہ میرے اس قول کی تائید حضرت سالم بن عبداللہ کی اس روایت سے ہوتی ہے جو ابھی گزری، وہاں ترتیب یہ تھی کہ پہلے "الفتنة تجيء من ههنا" فرمایا گیا تھا، پھر "من حيث يطلع قرن الشيطان"۔ حدیث کا ظاہر سیاق اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ "مجيء الفتنة" الگ چیز ہے اور "طلوع القرن" الگ شے، نیز طلوع سے مراد خروج ہے، جیسا کہ ترمذی کی ایک روایت (۲) میں بھی "يطلع" کی بجائے "يخرج" وارد ہوا ہے (۳)۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ایک فائدہ

اکثر روایات میں قرن الشیطان آیا ہے، جب کہ بخاری (۴) کی ایک روایت میں شک کے ساتھ قرن الشيطان أو قرن الشمس مذکور ہے، نیز مسلم شریف (۵) کی ایک روایت میں قرن کا تثنیہ "قرنا الشیطان" وارد ہوا ہے، لیکن راجح صیغہ مفرد کے ساتھ بغیر شک کے قرن الشیطان ہے (۶)۔

باب کی ساتویں حدیث حضرت عمرۃ بنت عبدالرحمٰن رحمہما اللہ تعالیٰ کی ہے۔

۲۹۳۸ : حدَّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ : أَخْبَرَنَا مالِكٌ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ ، عَنْ

---

(۱) مرقاة المفاتيح: ۱۱/۴۰۴.

(۲) انظر الجامع للترمذي، أبواب المناقب، باب في فضل الشأم واليمن، رقم (۳۹۵۳).

(۳) أوجز المسالك: ۱۷/۳۵۵.

(٤) صحيح البخاري، كتاب الفتن، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: الفتنة من......، رقم (۷۰۹۲).

(۵) صحيح مسلم، كتاب الفتن، باب الفتنة من المشرق......، رقم (۷۲۹۷).

(٦) انظر فتح الباري: ٤/٢٤٠، والأوجز: ١٧/٣٥٣.

عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ : أَنَّ عائِشَةَ(١) زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهَا : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ كانَ عِنْدَهَا ، وَأَنَّهَا سَمِعَتْ صَوْتَ إِنْسَانٍ يَسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِ حَفْصَةَ ، فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، هٰذَا رَجُلٌ يَسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِكَ ، فَقَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (أُرَاهُ فُلَانًا - لِعَمِّ حَفْصَةَ مِنَ الرَّضَاعَةِ - الرَّضَاعَةُ تُحَرِّمُ ما تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ) . [ر : ٢٥٠٣]

تراجم رجال

١- عبدالله بن يوسف

یہ عبداللہ بن یوسف تنیسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٢- مالك

یہ امام دارالہجرۃ مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں کا تذکرہ "بدء الوحي" کی پہلی حدیث کے تحت آچکا ہے(۲)۔

٣- عبدالله بن ابی بکر

یہ عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

٤-عمرة

یہ عمرۃ بنت عبدالرحمٰن بن سعد رحمہما اللہ تعالیٰ ہیں (۴)۔

٥- عائشة

حضرت عائشہ کا تذکرہ "بدء الوحی" کی پہلی حدیث کے تحت گزر چکا ہے(۵)۔

---

(١) قولها: "أن عائشة......": الحديث، مرّ تخريجه في كتاب الشهادات، باب الشهادة على الأنساب......

(٢) كشف الباري: ١/٢٨٩-٢٩٠، نیز دیکھیے، كشف الباري: ٢/٨٠.

(٣) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب الوضوء مرتين مرتين.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الحيض، باب عرق الاستحاضة.

(٥) [illegible] شف الباري [illegible] ٢٩١.

حدیث کا ترجمہ

حضرت عمرہ فرماتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بتلایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تھے، کہ انہوں نے ایک آدمی کی آواز سنی، جو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کر رہا تھا، حضرت عائشہ فرماتی ہیں: تو میں نے کہا، یا رسول اللہ! یہ کوئی آدمی ہے، جو آپ کے گھر آنا چاہتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے خیال میں وہ فلاں ہیں۔ یہ حضرت حفصہ کے رضاعی چچا کے لیے فرمایا۔ رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو ولادت سے حرام ہوتے ہیں۔

اس حدیث کی شرح ابواب الرضاع میں آچکی ہے(۱)۔

احادیثِ باب کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

باب کی تمام احادیث ترجمۃ الباب کے ساتھ واضح مطابقت رکھتی ہیں، تفصیل حسبِ ذیل ہے:

❶ پہلی حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے: "في بيتي" کہ یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیت کی نسبت اپنی طرف کی ہے(۲)۔

❷ دوسری حدیث کی مناسبت بھی واضح اور ظاہر ہے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس جملے "توفي النبي صلى الله عليه وسلم في بيتي......" میں مطابقت موجود ہے(۳)۔

❸ تیسری حدیث، جو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی ہے، کی مطابقت ترجمہ کے ساتھ ان الفاظ میں ہے، "عند باب أم سلمة......" کیوں کہ دروازے کا ذکر گھر کو شامل و مستلزم ہے(۴)۔

❹ چوتھی حدیث، جو ابن عمر رضی اللہ عنہ کی تھی، کی مناسبت بھی ظاہر ہے، اس کے الفاظ "في بيت حفصة" میں مناسبت موجود ہے(۵)۔

---

(۱) كشف الباري، كتاب النكاح، أبواب الرضاع: ۱۸۷-۱۸۸.

(۲) عمدة القاري: ۲۹/۱۵، وإرشاد الساري: ۱۹۷/۵.

(۳) حوالہ جات بالا۔

(٤) عمدة القاري: ۲۹/۱۵، وفتح الباري: ۲۱۱/٦.

(٥) عمدة القاري: ۳۰/۱۵، وإرشاد الساري: ۱۹۸/۵.

❺ پانچویں حدیث کی مناسبت "من حجرتها" میں ہے، کہ حجرہ اور بیت ایک ہی چیز ہے(۱)۔

❻ چھٹی حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے: "فأشار نحو مسكن عائشة" کیونکہ حضرت عائشہ کا مسکن ان کا گھر ہی تھا(۲)۔

❼ آخری وساتویں حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت "في بيت حفصة" میں ہے(۳)۔

٥ - باب : ما ذُكِرَ مِنْ دِرْعِ النَّبِيِّ ﷺ وَعَصَاهُ وَسَيْفِهِ وَقَدَحِهِ وَخاتَمِهِ ، وَما اسْتَعْمَلَ الخُلَفَاءُ بَعْدَهُ مِنْ ذٰلِكَ مِمَّا لَمْ تُذْكَرْ قِسْمَتُهُ ، وَمِنْ شَعَرِهِ وَنَعْلِهِ وَآنِيَتِهِ مِمَّا يَتَبَرَّكُ بِهِ أَصْحَابُهُ وَغَيْرُهُمْ بَعْدَ وَفَاتِهِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکات کا تذکرہ فرمایا ہے، کیوں یہ تذکرہ فرمایا ہے؟ ان کی غرض اس سے کیا ہے؟

اس سلسلے میں دو باتیں کہی گئی ہیں:

❶ ایک تو بات یہ کہی گئی ہے کہ اصل میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ ولاۃ الامور (حکمرانوں) کو ان چیزوں کے اتخاذ واستعمال میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا اور اتباع کرنی چاہیے۔ اس کی طرف امام بخاری توجہ دلانا چاہ رہے ہیں۔

یہ قول علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے(۴)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے اندر نظر واشکال ہے اور یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ فرماتے ہیں:

---

(١) حواله جات بالا.

(٢) عمدة القاري: ١٥/٣٠، وفتح الباري: ٦/٢١١.

(٣) عمدة القاري: ١٥/٣١.

(٤) شرح ابن بطال: ٥/٢٦٥.

"وأما قول المهلب: إنه إنما ترجم بذلك؛ ليتأسى ...... ففيه نظر، وما تقدم أولى، وهو الأليق لدخوله في أبواب الخمس"(١).

حافظ علیہ الرحمۃ نے ترجمہ کی غرض خود یہ بیان کی ہے کہ امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکات کے اندر جو مال موجود تھا اور جو چیزیں موجود تھیں، ان میں وراثت جاری نہیں ہوئی، نہ ان کی بیع کی گئی، بلکہ ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چیزیں و متبرکات قرار دے کر باقی رکھا گیا، تاکہ لوگ ان سے تبرک حاصل کر سکیں، اسی رائے کو انہوں نے اولیٰ و الیق قرار دیا ہے(۲)۔

شیخ الاسلام زکریا انصاری، جو ابن حجر رحمہما اللہ کے شاگرد ہیں، نے حافظ کی اس غرض کے اندر تقلید کی ہے(۳)۔ اور یہی غرض واقعۃً مناسب و لائق بھی ہے۔ اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ترجمۃ الباب کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"يعني أن ما تركه النبي صلى الله عليه وسلم وقت موته كان حقا مشتركا بين المسلمين أجمعين؛ لكونه صدقة، إلا أن يكون ملكه أحداً من أصحابه قبل موته، وإذا ثبت فيه اشتراك الكل، فيد الصحابي الذي هو عنده يد تولية وحفظ، لا يد استبداد بالتصرف وتملك"(٤).

مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت جو اشیاء چھوڑیں ان میں سارے مسلمانوں کا مشترک حق تھا، کیونکہ وہ صدقات میں سے تھیں، (لہٰذا انہیں بیت المال میں داخل کر دیا گیا)، سوائے ان چیزوں کے جن کا وفات سے قبل ہی آپ نے کسی کو مالک بنا دیا تھا، جب کہ یہ ثابت ہو گیا کہ ان میں سب کا مشترک حق تھا تو کسی بھی صحابی کے پاس جو کچھ متروکہ اشیاء میں سے تھا، اس کے وہ مالک نہیں تھے، نہ

---

(١) فتح الباري: ٢١٣/٦.

(٢) حوالہ بالا، وتعليقات لامع الداري: ٢٩٦/٧.

(٣) قال الأنصاري رحمه الله: "قال شيخنا: الغرض من هذه الترجمة تثبيت أنه صلى الله عليه وسلم لم يورث، ولا بيع موجوده، ......". انظر تحفة الباري: ٥٣٩/٣، حافظ سے قبل یہی مقصد ابن المنیر اسکندرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بیان کیا ہے۔ انظر المتواري: ١٨٩. اور ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی، انظر شرح ابن بطال: ٢٦٥/٥.

(٤) لامع الدراري: ٢٩٦/٧.

اسے اس میں تصرف کا اختیار تھا، بلکہ یہ ید حفظ وتولیت تھا کہ ان کے گھر وتصرف میں وہ اشیاء محفوظ تھیں۔

غالباً مذکورہ بالا عبارت میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشکال کا جواب دیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متروکہ اشیاء جب صدقات میں داخل تھیں تو ان میں سے بعض اشیاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ملکیت میں کیوں تھیں؟ اس کا جواب بھی حضرت نے ترجمۃ الباب کے مقصد کے تحت ہی دیا کہ یہ تصرف مالکانہ نہیں تھا، بلکہ یہ ان کی تحویل وحفاظت میں تھا، آگے احادیث کی تشریح کے تحت اس کی مزید تفصیل آئے گی۔

اس کے بعد یہ سمجھیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب کے تحت چھے حدیثیں اور ایک تعلیق ذکر فرمائی ہے، ان سب کو ترتیب وار ہم ذیل میں بیان کریں گے۔

پہلی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۳۹ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ الْأَنْصَارِيُّ قالَ : حَدَّثَنِي أَبِي ، عَنْ ثُمَامَةَ ، عَنْ أَنَسٍ(۱): أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ لَمَّا ٱسْتُخْلِفَ بَعَثَهُ إِلَى الْبَحْرَيْنِ ، وَكَتَبَ لَهُ هٰذَا الْكِتَابَ وَخَتَمَهُ بِخَاتَمِ النَّبِيِّ ﷺ ، وَكانَ نَقْشُ الخَاتَمِ ثَلَاثَةَ أَسْطُرٍ : مُحَمَّدٌ سَطْرٌ ، وَرَسُولُ سَطْرٌ ، وَٱللهِ سَطْرٌ . [۵۵٤۰]

تراجم رجال

یہ حدیث بعینہ اسی سند کے ساتھ کتاب الزکاۃ (۲) میں گزر چکی ہے، وہیں دیکھ لیا جائے۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ چُنے گئے تو انہوں نے ان کو (یعنی حضرت انس کو) بحرین کی طرف بھیجا اور ان کو یہ کتاب لکھ کر دی اور اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی سے مہر ثبت کی، اس انگوٹھی کا جو مضمون تھا، وہ تین سطروں پر مشتمل تھا، لفظ محمد ایک سطر میں، لفظ رسول ایک سطر میں اور لفظ اللہ ایک سطر میں تھا۔

---

(۱) قوله: "أنس رضي الله عنه": الحديث، مرّ تخريجه في كتاب الزكاة، باب العرض في الزكاة.

(۲) صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب العرض في الزكاة، رقم (۱٤٤۸).

"هذا الكتاب" سے مراد وہ کتاب ہے، جس میں صدقات کی تفصیل تھی، اس کا مضمون کتاب الزکاۃ(۱) میں گزر چکا ہے، چونکہ یہ کتاب ان کے ہاں بہت مشہور تھی، اس لیے اسے مطلق بیان کیا اور اس کی طرف "هذا الكتاب" کہہ کر اشارہ کردیا(۲)۔

حدیثِ باب سے متعلق دیگر تفصیلات کتاب اللباس میں آچکی ہیں(۳)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقتِ حدیث

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت ترجمے کے ایک جزء "وخاتمه" کے ساتھ ہے(۴)۔

اور حافظ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں نبی علیہ السلام کی انگوٹھی کا ذکر ہے، جو حضرت ابوبکر وغیرہ کے زیرِ استعمال بھی رہی تو ترجمہ کے ساتھ مطابقت "وما استعمل الخلفاء بعده من ذلك" کے ساتھ ہے(۵)۔

باب کی دوسری حدیث بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے۔

٢٩٤٠ : حدّثني عَبْدُ ٱللهِ بْنُ محمَّدٍ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ الْأَسَدِيُّ : حَدَّثَنَا عِيسى ابْنُ طَهْمَانَ قالَ : أَخْرَجَ إِلَيْنَا أَنَسٌ(٦) نَعْلَيْنِ جَرْدَاوَيْنِ لَهُمَا قِبَالَانِ . فَحَدَّثَنِي ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ بَعْدُ عَنْ أَنَسٍ : أَنَّهُمَا نَعْلَا النَّبِيِّ ﷺ . [٥٥١٩ ، ٥٥٢٠]

---

(١) صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، رقم (١٤٥٤).

(٢) عمدة القاري: ٣١/١٥، وشرح القسطلاني: ١٩٩/٥.

(٣) كشف الباري، كتاب اللباس: ٢٣٥-٢٣٨.

(٤) عمدة القاري: ٣١/١٥.

(٥) فتح الباري: ٢١٣/٦.

(٦) قوله: "أنس": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في كتاب اللباس، باب قبالان في نعل......، رقم (٥٨٥٧-٥٨٥٨)، وأبوداود في سننه، أبواب اللباس، باب في الانتعال، رقم (٤١٣٤)، والترمذي في جامعه، أبواب اللباس، باب ماجاء في نعل النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (١٧٧٢-١٧٧٣)، وفي الشمائل المحمدية، باب ما جاء في نعل رسول الله......، رقم (٧٨)، والنسائي في سننه، كتاب الزينة، باب صفة نعل رسول الله......، رقم (٥٣٦٩).

تراجمِ رجال

۱- عبداللہ بن محمد

یہ عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱)۔

۲- محمد بن عبداللہ الاسدی

یہ ابواحمد محمد بن عبداللہ الاسدی الزبیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۳- عیسیٰ بن طهمان

یہ ابوبکر یا ابولیث عیسیٰ بن طہمان بن رامہ جُشَمی کوفی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

صغارِ تابعین میں سے تھے، اصلاً بصرہ کے ہیں، بعد میں کوفہ کی سکونت اختیار کی اور تادمِ آخر وہیں رہے (۴)۔

یہ حضرت انس بن مالک، ثابت البنانی، مساور مولیٰ ابی برزہ اور ابوصادق الازدی (رضي الله عن الجميع) وغیرہ سے روایتِ حدیث کرتے ہیں۔

ان سے روایت حدیث کرنے والوں میں عبداللہ بن مبارک، وکیع، ابواحمد زبیری، یحییٰ بن آدم، ابوقتیبۃ، ابوالنضر، خالد بن عبدالرحمٰن خراسانی، قبیصہ بن عقبہ، خلاد بن یحییٰ اور ابونعیم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ شامل ہیں (۵)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "شيخ، ثقة" (٦).

---

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب العمل في الصلاة، باب لا يرد السلام في الصلاة.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الأذان، باب المكث بين السجدتين.

(۳) تهذيب الكمال: ٢٢/٦١٧-٦١٨، وكتاب المجروحين لابن حبان: ٢/٩٨، وتاريخ بغداد: ١١/١٤٣، رقم (٥٨٤١)، وتاريخ الإسلام للذهبي: ٤/٢٦٣، رقم (٣٣٩٨).

(٤) هدي الساري، حرف العين: ٦٠٦، وتهذيب الكمال: ٢٢/٦١٨.

(٥) شیوخ وتلامذہ کے لیے دیکھیے، تهذيب الكمال: ٢٢/٦١٨.

(٦) الجرح والتعديل: ٦/٣٦٠، رقم (١٥٥٢/١٠٨٠٢)، وتهذيب الكمال: ٢٢/٦١٨.

نیز فرماتے ہیں: "ليس به بأس" (١).

یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "بصري، صار إلى الكوفة، ثقة......" (٢).

ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لا بأس به، يشبه حديثه حديث أهل الصدق، مابحديثه بأس" (٣).

ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "لا بأس به، أحاديثه مستقيمة" (٤).

ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة" (٥).

ان حضرات کے علاوہ دیگر بہت سے علمائے جرح وتعدیل نے بھی ان کی توثیق کی ہے (٦)۔

لیکن علامہ عقیلی اور ابن حبان نے ان پر کلام کیا ہے، بلکہ ابن حبان نے تو بہت سخت الفاظ استعمال کیے ہیں، چنانچہ عقیلی فرماتے ہیں: "ولا يتابع على حديثه" (٧). لیکن ساتھ ہی انہوں نے عیسیٰ بن طہمان کو اس الزام سے بری بھی قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان کی احادیث میں جو عدم متابعت کا الزام ہے، اس کی وجہ خالد بن عبدالرحمٰن ہیں، جو عیسیٰ سے روایت کرتے ہیں، یہی بات درست بھی ہے کہ یہاں عدم متابعت کا الزام عیسیٰ کے سر نہیں، بلکہ خالد بن عبدالرحمٰن کے ذمے ہے، حافظ (رحمہم اللہ) فرماتے ہیں:

"وقال العقيلي: "لا يتابع، ولعله أتي من خالد بن عبدالرحمن" يعني: الراوي عنه، وهو كما ظن العقيلي" (٨).

---

(١) تهذيب الكمال: ٢٢/٦١٨، وتاريخ بغداد: ١١/١٤٤.

(٢) تهذيب الكمال: ٢٢/٦١٩، وتاريخ بغداد: ١١/١٤٤، وتهذيب التهذيب: ٨/٢١٦.

(٣) الجرح والتعديل: ٦/٣٦٠، رقم (١٥٥٢/١٠٨٠٢)، وتهذيب الكمال: ٢٢/٦١٩.

(٤) تهذيب الكمال: ٢٢/٦١٩، وتهذيب التهذيب: ٨/٢١٦.

(٥) المغني في الضعفاء: ٢/١٦٧، رقم (٤٨٠٥).

(٦) مثلاً یعقوب بن سفیان، ابن حجر اور دارقطنی وغیرہ، دیکھیے، هدي الساري: ٦٠٦، وتهذيب الكمال وتعليقاته: ٢٢/٦١٩-٦٢٠، والمعرفة والتاريخ، الكنى والأسامي......: ٣/٢٧٠.

(٧) الضعفاء الكبير للعقيلي: ٣/٣٨٥، رقم (١٤٢٥)، وتعليقات تهذيب الكمال: ٢٢/٦١٩، وهدي الساري: ٦٠٦.

(٨) هدي الساري، حرف العين: ٦٠٦.

عیسیٰ بن طہمان کے بارے میں ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کا کلام یہ ہے:

"ينفرد بالمناكير عن أنس، ويأتي عنه بما لا يشبه حديثه، كأنه كان يدلس على أبان بن أبي عياش ويزيد الرقاشي عنه، لايجوز الاحتجاج بخبره، وإن اعتبر بما وافق الثقات من حديثه فلا ضير......"(١).

اس عبارت میں ان پر یہ جرحیں کی گئی ہیں کہ حضرت انس سے منکر روایات نقل کرتے ہیں اور ان سے ایسی روایات نقل کرتے ہیں جو اُن کی احادیث سے مشابہت نہیں رکھتیں، گویا کہ مدلس بھی ہیں، اس لیے ان کی مرویات سے استدلال درست نہیں، ہاں! اگر ثقات کی روایات کے موافق ہوں تو کوئی حرج نہیں۔

اور بطورِ دلیل ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث پیش کی ہے:

"......عن أنس بن مالك، قال: قال رسول الله ﷺ: ارحموا من الناس ثلاثة: عزيزَ قومٍ ذلَّ، وغنيَّ قومٍ افتقر، وعالما بين الجهال"(٢).

لیکن واضح رہے کہ عیسیٰ بن طہمان کے بارے میں ابن حبان کا مذکورہ کلام چنداں مضر نہیں۔

اولاً- اس لیے کہ ابن حبان کا کلام رواۃ کی جرح میں معتبر نہیں ہے، کیونکہ یہ متشددین میں سے ہیں (۳)۔

ثانیاً- حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ابن حبان نے اپنے دعویٰ "لا يجوز الاحتجاج به" کے لیے بطورِ دلیل ایک ہی روایت پیش کی ہے، اس میں بھی قصور عیسیٰ کا نہیں، بلکہ ان کے بعد کے اور کسی راوی کا ہے، لکھتے ہیں:

"ثم لم يسق له إلا حديثا واحدا، والآفة فيه ممن دونه"(٤).

---

(١) حواله بالا، وكتاب المجروحين: ٢/٩٨، وتعليقات تهذيب الكمال: ٢٢/٦١٩، وتهذيب التهذيب: ٨/٢١٦.

(٢) كتاب المجروحين: ٢/٩٨.

حدیث کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"آدمیوں میں تین قسم کے لوگوں پر رحم کھاؤ، ایک قوم کا معزز وسردار، جو ذلیل ہو گیا ہو، دوسرا قوم کا مال دار، جو محتاج ہو گیا ہو اور تیسرا عالم، جو جاہلوں کے درمیان ہو"۔

(٣) قواعد في علوم الحديث للعثماني، لايؤخذ بقول كل جارح ......: ١٧٨-١٧٩.

(٤) هدي الساري، حرف العين: ٦٠٦، وتهذيب التهذيب: ٨/٢١٦.

ثالثا- امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی صرف دو حدیثیں اپنی صحیح میں نقل کی ہیں، ایک تو حدیث باب، جس کا دوسرا طریق کتاب اللباس (۱) میں ہے، دوسری کتاب التوحید (۲) میں۔ اور دونوں جگہ انہوں نے سماع اور تحدیث کی صراحت کی ہے، اس لیے بخاری کی حد تک تدلیس کا الزام بھی درست نہیں (۳)۔

واللہ اعلم بالصواب

عیسیٰ بن طہمان رحمہ اللہ صحیح بخاری کے علاوہ ترمذی (في الشمائل) اور نسائی کے بھی راوی ہیں (۴)۔

حافظ ذہبی کے بقول ۱۶۰ہجری میں ان کا انتقال ہوا (۵)۔

یہ امام بخاری کی ایک ثلاثی روایت کے بھی راوی ہیں (۶)۔

٤- انس رضي الله عنه

حضرت انس کے حالات کتاب الإيمان، "باب من الإيمان أن يحب لأخيه......" کے تحت گزر چکے (۷)۔

٥- ثابت البنانی

حضرت ثابت بن اسلم البنانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کتاب العلم، "باب القراء ة والعرض على المحدث" کے ذیل میں آچکے (۸)۔

---

(١) صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب قبالان في نعل، رقم (٥٨٥٨).

(٢) صحيح البخاري، كتاب التوحيد، باب ﴿وكان عرشه على الماء﴾، رقم (٧٤٢١).

(٣) هدي الساري: ٦٠٦.

(٤) تهذيب الكمال: ٦٢٠/٢٢.

(٥) تهذيب التهذيب: ٢١٦/٨.

(٦) صحيح البخاري، كتاب التوحيد، باب ﴿وكان عرشه على الماء﴾، رقم (٧٤٢١)، وتاريخ الإسلام للذهبي: ٢٦٣/٤، الطبقة السادسة عشرة، رقم (٣٣٩٨).

(٧) كشف الباري: ٤/٢.

(٨) كشف الباري: ١٨٣/٣.

حدیث کا ترجمہ

عیسیٰ بن طہمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ہمیں دو جوتیاں نکال کر دکھلائیں، جن کے اوپر کے بال پرانے ہونے کی وجہ سے جھڑ گئے تھے، ان کے دو دو تسمے تھے۔

عیسیٰ بن طہمان کہتے ہیں، بعد میں ثابت البنانی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے بتلایا کہ وہ دونوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیاں ہیں۔

جرداوین کی تحقیق

جرداوین تثنیہ جرداء کا ہے، جو اجرد کا مؤنث ہے، اس کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں۔ ۱- جس پر بال نہ ہو، ۲- پرانی ہو۔ ہم نے اوپر جو ترجمہ کیا ہے وہ علامہ عینی کے کلام کے مطابق ہے۔ جب کہ حضرت شیخ الحدیث رحمہما اللہ نے پہلے معنی کو اختیار فرمایا ہے، دوسرے معنی کو قیل کے ساتھ بیان کیا ہے(۱) اور دونوں معنی صحیح ہیں۔

قبالان کے معنی

قبالان تثنیہ ہے قبال کا، جوتے کے اس تسمے کو کہتے ہیں جو اوپر سے جا کر پاؤں کے انگوٹھے اور اس سے متصل انگلی کے درمیان نیچے جوتے میں جڑا ہوتا ہے(۲)۔

فحدثني ثابت البناني بعد ...... کا مقصد

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کو جوتیاں نکال کر دکھائی تو تھیں، لیکن یہ جوتیاں تھیں کس کی؟ یہ معلوم نہ تھا، بعد میں حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی کہ یہ جوتیاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیں اور ظاہر ہے کہ حضرت ثابت نے بھی یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہی ہوگی، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی سنی ہوگی، قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وكأنه رأى النعلين مع أنس، ولم يعلم أنهما نعلا النبي عليه الصلاة

---

(۱) عمدہ القاري: ۱۵/۳۲، وخصائل نبوي شرح شمائل ترمذي مع عربی حواشی للكاندهلوي: ٤٧، وقال الخطابي رحمه الله: "جرداوين: يريد، خلقين، وثوب جرد، أي: خلق". أعلام الحديث: ۲/۱٤٤۲.

(۲) كشف الباري، كتاب اللباس: ۲۱۵، وعمدة القاري: ۱۵/۳۲.

والسلام، فحدثه بذلك ثابت عن أنس"(۱).

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس کے جزء "ونعلـه" کے ساتھ ہے کہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتی کا ذکر ہے(۲)۔

باب کی تیسری حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔

۲۹٤۱ : حدَّثني مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ : حَدَّثَنَا أَيُّوبُ ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ قالَ : أَخْرَجَتْ إِلَيْنَا عائِشَةُ(۳) رَضِيَ ٱللهُ عَنْهَا كِساءً مُلَبَّدًا ، وَقالَتْ : في هٰذَا نُزِعَ رُوحُ النَّبِيِّ ﷺ . وَزَادَ سُلَيْمانُ ، عَنْ حُمَيْدٍ ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ قالَ : أَخْرَجَتْ إِلَيْنَا عائِشَةُ إِزَارًا غَلِيظًا مِمَّا يُصْنَعُ بِالْيَمَنِ ، وَكِساءً مِنْ هٰذِهِ الَّتِي يَدْعُونَهَا الْمُلَبَّدَةَ . [٥٤٨٠]

تراجمِ رجال

۱– محمد بن بشار

یہ محمد بن بشار عبدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا مفصل تذکرہ کتاب العلم، "باب ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولهم......" کے تحت آچکا ہے(۴)۔

۲– عبدالوہاب

یہ عبدالوہاب بن عبدالمجید ثقفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الایمان، "باب حلاوة

---

(۱) شرح القسطلاني: ٥/٢٠٠، وأيضا انظر فتح الباري: ٦/٢١٤.

(۲) عمدة القاري: ١٥/٣٢.

(۳) قوله: "أخرجت إلينا عائشة ......": الحديث، أخرجه البخاري أيضا، كتاب اللباس، باب الأكسية والخمائص، رقم (٥٨١٨)، ومسلم، كتاب اللباس والزينة، باب التواضع في اللباس، رقم (٥٤٤٢– ٥٤٤٤)، وأبوداود، أبواب اللباس، باب لباس الغليظ، رقم (٤٠٣٦)، والترمذي، أبواب اللباس، باب ماجاء في لبس الصوف، رقم (١٧٣٣)، وابن ماجه، أبواب اللباس، باب لباس رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (٣٥٥١).

(٤) كشف الباري: ٣/٢٥٨.

الإيمان" کے تحت گزر چکا(۱)۔

۳- ایوب

ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ بھی کتاب الایمان کے مذکورہ بالا باب میں آچکا(۲)۔

٤- حميد بن هلال

یہ حمید بن ہلال عدوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۳)۔

٥- ابوبردہ

یہ ابوبردہ حارث بن ابی موسی اشعری ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب أي الإسلام أفضل؟" کے تحت گزر چکے ہیں(۴)۔

٦- عائشه

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات "بدء الوحي" میں بیان کیے جا چکے ہیں(۵)۔

قال: أخرجت إلينا عائشة رضي الله عنها كساء ملبدا

حضرت ابوبردہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہمیں ایک موٹی (غلیظ) چادر نکال کر دکھائی۔

کساءً ملبداً کے معنی

آج کل تو کساء مطلقاً چادر وغیرہ کو کہتے ہیں، لیکن پہلے اس کا اطلاق صرف اونی چادر پر ہوتا تھا، قال

(۱) كشف الباري: ٢/٢٦.

(٢) حواله بالا.

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الصلاة، باب يردُّ المصلي من مر بين يديه.

(٤) كشف الباري: ١/٦٩٠.

(٥) كشف الباري: ١/٢٩١.

العيني: "الكساء معروف، لكن الظاهر أنه لا يطلق إلا على ما كان من الصوف"(١).

اور ملبد اسم مفعول کا صیغہ ہے تلبید سے، اس کی اصل لبد یا لبدة ہے، لبدہ نمدہ کو کہتے ہیں، یعنی وہ کپڑا جو اون یا بالوں کو جما کر، پانی سے بھگو کر، بنایا جاتا ہے اور گھوڑے کی زین کے نیچے رکھا جاتا ہے، تاکہ پسینہ زین کو متاثر نہ کرے، اب کساءِ ملبد کے معنی یہ ہوئے کہ وہ چادر جس کا وسط سخت ہو، مختلف کپڑوں کو جما کر، ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر، اسے تیار کیا گیا ہو(۲)۔

نبی علیہ السلام یہ چادر کیوں استعمال فرماتے تھے؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کساءِ ملبد کیوں استعمال فرماتے تھے، اس سلسلے میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں:

۱-اس کا استعمال تواضع کے طور پر کرتے تھے۔

۲-اس سے اعلیٰ چادر چوں کہ آپ کے پاس موجود نہیں تھی، اس لیے اسی کو زیب تن کرتے تھے۔

۳-اتفاقاً بغیر کسی قصد وارادے کے استعمال فرماتے تھے، کہ جو ملا وہ پہن لیا۔

لیکن ان میں پہلا احتمال ہی راجح ہے۔علامہ نووی، عینی وغیرہ کا مختار یہی ہے(۳)۔

وقالت: في هذا نزع روح النبي صلى الله عليه وسلم

حضرت عائشہ نے مزید فرمایا کہ اسی چادر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح نکلی تھی۔

مطلب یہ ہے کہ انتقال کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی چادر اوڑھ رکھی تھی۔

وزاد سليمان عن حميد عن أبي بردة قال: أخرجت إلينا عائشة......

اور سلیمان بن مغیرہ نے حمید عن ابی بردہ کے طریق سے یہ زیادتی بھی بتلائی ہے کہ ابو بردہ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یمن کی بنی ہوئی ایک موٹی ازار (لنگی) اور ایک چادر، جسے تم لوگ ملبدہ کہتے ہو، ہمیں نکال کر دکھلائی۔

---

(١) عمدة القاري: ١٥/٣٢، والقاموس الوحيد، مادة "لبد".

(٢) حواله جات بالا، وشرح النووي على مسلم: ٢/١٩٤، والنهاية لابن الأثير: ٤/٢٢٤.

(٣) عمدة القاري: ١٥/٣٢، وشرح النووي: ٢/١٩٣.

سلیمان سے ابوسعید سلیمان بن مغیرہ قیسی بصری رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں (۱)۔

تعلیق مذکور کا مقصد

غالبًا اس تعلیق کا مقصد یہ ہے کہ ایوب عن حمید کی روایت میں اختصار ہے، جب کہ حمید سے حدیثِ باب کو روایت کرنے والے ایک اور راوی سلیمان بن مغیرہ کی روایت میں ازار کا ذکر بھی ہے، اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ وفات کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر دو کپڑے تھے، ایک ازار، جو یمن کی بنی ہوئی تھی، دوسرا کسائے ملبد۔ واللہ اعلم

تعلیقِ مذکور کی تخریج

اس تعلیق کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں "شيبان بن فروخ، عن سليمان بن المغيرة، عن حميد، عن أبي بردة" کے طریق سے موصولاً نقل کیا ہے، وہاں پوری روایت اس طرح ہے، حضرت ابو بردہ فرماتے ہیں:

"دخلتُ على عائشة، فأخرجتْ إلينا إزارا غليظا، مما يصنع باليمن، وكساء من التي تسمونها الملبدة، قال: فأقسمتُ بالله أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قبض في هذين الثوبين"(۲).

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

اس حدیث وتعلیق کی مناسبت بقول علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کے جزء "وما استعمل الخلفاء......" کے ساتھ ہے (۳)۔

---

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كشف الباري: ۱۸۱/۳، كتاب العلم، باب القراءة والعرض......

(۲) صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب التواضع في اللباس، والاقتصار ......، رقم (۵۴۴۲)، وتغليق التعليق: ۴۶۸/۳، وفتح الباري: ۲۱۴/۶، وعمدة القاري: ۳۲/۱۵.

(۳) عمدة القاري: ۳۲/۱۵.

باب کی چوتھی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے۔

٢٩٤٢ : حدّثنا عَبْدَانُ ، عَنْ أَبِي حَمْزَةَ ، عَنْ عاصِمٍ ، عَنِ ٱبْنِ سِيرِينَ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مالِكٍ[١] رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ : أَنَّ قَدَحَ النَّبِيِّ ﷺ ٱنْكَسَرَ ، فَٱتَّخَذَ مَكانَ الشَّعْبِ سِلْسِلَةً مِنْ فِضَّةٍ . قالَ عاصِمٌ : رَأَيْتُ ٱلْقَدَحَ وَشَرِبْتُ فِيهِ . [٥٣١٥]

تراجمِ رجال

١— عبدان

یہ عبداللہ بن عثمان بن جبلۃ الملقب بـ "عبدان" رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "بدء الوحي" میں گزر چکا ہے(٢)۔

٢— ابوحمزه

یہ ابوحمزہ محمد بن میمون سکری مروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (٣)۔

٣— عاصم

یہ عاصم بن سلیمان الاحول رحمۃ اللہ علیہ ہیں (٤)۔

٤— ابن سيرين

یہ مشہور محدث ومعبر محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب اتباع الجنائز من الإیمان" کے تحت آ چکے(٥)۔

---

(١) قوله: "أنس بن مالك": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب الأشربة، باب الشرب من قدح النبي صلى الله عليه وسلم وآنيته، رقم (٥٦٣٨)، ولم يخرجه غيره، انظر تحفة الأشراف: ١/٢٤٨ و: ١/٣٧٣.

(٢) كشف الباري: ١/٤٦١.

(٣) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الغسل، باب نفض اليدين من الغسل عن الجنابة.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان.

(٥) كشف الباري: ٢/٥٢٤.

٦– انس بن مالك

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب من الإیمان....." کے تحت گزر چکا(۱)۔

سند حدیث سے متعلق ایک اہم تنبیہ

اس حدیث کی سند میں اختلاف ہے۔ ابوحمزہ نے اسے عاصم عن ابن سیرین عن أنس کے طریق سے نقل کیا ہے۔ جب کہ شریک نے عاصم عن أنس کے طریق سے۔ یعنی انہوں نے ابن سیرین کا واسطہ ذکر نہیں کیا۔ یہی حدیث امام بزار رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امام بخاری رحمہ اللہ کے واسطہ سے اپنی مسند میں ذکر کی اور فرمایا کہ "لا نعلم من رواه عن عاصم هكذا إلا أبا حمزة" (۲)۔ اور امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، "والصحيح الأول" (۳) کہ ابوحمزہ والی سند ہی صحیح و درست ہے۔ تاہم علامہ جیانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں ایک سند کو درست، دوسری کو غلط قرار دینے کی کوئی ضرورت نہیں، اس سلسلے میں محقق بات میرے نزدیک یہ ہے کہ اس حدیث کا بعض حصہ عاصم نے انس کے واسطے سے اور بعض حصہ ابن سیرین عن انس کے طریق سے نقل کیا ہے۔ چناں چہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابوعوانہ کے طریق سے جو روایت کتاب الاشربہ میں ذکر کی ہے، وہ تفصیلی بھی ہے اور اس مسئلے میں واضح بھی۔ اس کے آخر میں عاصم فرماتے ہیں: "قال ابن سيرين: إنه كانت فيه حلقة من حديد...... فقال له أبو طلحة: لا تغيرن فيه شيئاً......" (٤) اس لیے ابوحمزہ اور شریک دونوں کی روایات صحیح و درست ہیں، ہر ایک نے حدیث کا بعض حصہ نقل کیا ہے اور ابوعوانہ کی روایت دونوں کو جامع ہے اور واضح بھی (۵)۔ واللہ اعلم بالصواب

أن قَدح النبي ﷺ انكسر، فاتخذ مكان الشعب سلسلة من فضة

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ ٹوٹ گیا تھا،

---

(۱) كشف الباري: ٢/٤.

(٢) مسند الإمام البزار: ١٣/٢٣٧، مسند أنس بن مالك، رقم (٦٧٣٩).

(٣) العلل للدارقطني، رقم السوال (٢٦٢٨).

(٤) صحيح البخاري، كتاب الأشربة، رقم (٥٦٣٨).

(٥) عمدة القاري: ١٥/٣٣، وفتح الباري: ٦/٢١٤، و: ١٠/١٠٠، كتاب الأشربة.

چنانچہ (بغرض اصلاح) متاثرہ جگہ چاندی کی ایک زنجیر انہوں نے لگادی۔

''شعب''، شین کے فتحہ اور عین کے سکون کے ساتھ، پھٹن کو کہتے ہیں، اسی طرح پھٹی ہوئی اور ٹوٹی ہوئی جگہ کی اصلاح کو بھی شعب کہا جاتا ہے(۱)۔

حدیثِ باب میں جس پیالے کا ذکر ہے، اس کے متعلق کتاب الأشربۃ (۲) کی روایت میں آیا ہے کہ وہ ایک خاص قسم کی لکڑی نُضار کا بنا ہوا تھا، نضار کی مختلف تفسیریں شراح نے بیان کی ہیں، مثلاً خالص عود، نبع وغیرہ، ابوحنیفہ دِینَوَرِی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ برتنوں کے لیے سب سے بہتر واعلیٰ لکڑی یہی ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں وہیں اس کے وصف میں ''عریض'' کا لفظ آیا ہے، یعنی چوڑا، اس کی چوڑائی کس قدر تھی، تحقیقاً تو معلوم نہیں، البتہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حجاج بن حسان تابعی رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاں تھے، انہوں نے ایک برتن منگوایا، اس کے تینوں دستے لوہے کے تھے، حلقہ بھی لوہے کا تھا، اس کو انہوں نے ایک سیاہ غلاف سے نکالا، تو اس کا وزن ایک ربع سے کم اور نصف ربع (۳) سے زیادہ تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس میں پانی ڈالا گیا، پھر اس کو ہمارے سامنے پیش کیا گیا، چنانچہ ہم نے وہ پانی پیا، اپنے سروں اور چہروں پر ڈالا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا (۴)۔

صلی اللہ علیہ وسلم

ہوسکتا ہے کہ اس حدیث میں اناء سے مراد وہی پیالہ ہو، جس کا ذکر حدیثِ باب میں ہے۔

پیالہ کس نے درست کروایا تھا؟

حدیثِ باب میں فاتخذ کا جو فعل ہے، اس کا فاعل کون ہے؟ اس میں دو آراء ہیں، ایک تو یہ ہے کہ فاتخذ کا فاعل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ آپ علیہ السلام نے ہی پیالہ درست کیا تھا۔ جب کہ دوسری رائے

---

(۱) عمدة القاري: ١٥/٣٣، وفتح الباري: ١٠/١٠٠.

(۲) صحيح البخاري، كتاب الأشربة، باب الشرب من قدح ......، رقم (٥٦٣٨).

(۳) ربع ایک پیمانہ ہے، جو جدید پیمائش کے حساب سے ۳ء۶۳ گیلن بنتے ہیں، یعنی ربع کی گنجائش اس قدر ہوتی تھی، اس کی جمع أرباع ہے۔ دیکھیے القاموس الوحيد، مادة "ربع".

(٤) مسند أحمد: ٣/١٨٧، مسند أنس بن مالك، رقم (١٢٩٧٩)، وعمدة القاري: ١٥/٣٣.

یہ ہے کہ فاعل حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں، حدیثِ باب کے ظاہر سے پہلی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے اور کتاب الاشربہ(۱) کی روایت کے ظاہر سے دوسری رائے درست لگتی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: "رأیت قدح النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم عند أنس بن مالك، وكان قد انصدع فسلسله بفضة......" لیکن حدیث باب کے اسی طریق کے جو الفاظ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ (۲) نے نقل کیے ہیں، اس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ فاعل حضرت انس ہی ہیں، اس میں ہے: "أن قدح النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم انصدع، فجعلت مكان الشعب سلسلة، يعني أن أنسا جعل مكان الشعب سلسلة". اس کے بعد امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حدیث اسی طرح مروی ہے، اب یہ معلوم نہیں کہ اس کا قائل کون راوی ہے، آیا وہ موسیٰ بن ہارون ہے یا کوئی اور؟(۳)

حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ بیہقی کی اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس روایت سے یہ معلوم نہیں ہوا کہ اس کا قائل کون ہے؟ اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ جعلتُ میں تاء کو متکلم کی قرار دیا جائے اور وہ مضموم ہو، اس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ فاعل ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ "جُعِلتْ" جیم مضمومہ کے ساتھ فعل مجہول ہو، یوں یہ حدیث، باب کی حدیث کے موافق ومساوی ہو جائے گی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فاعل ہونا متعین ہو جائے گا۔

وہ لکھتے ہیں:

"وجزم بعض الشراح بالثاني (أي الضمير لأنس)، واحتج برواية بلفظ "فجعلتُ مكان الشعب سلسلة" ولا حجة فيه؛ لاحتمال أن يكون فجعلتْ بضم الجيم على البناء للمجهول، فرجع إلى الاحتمال لإبهام الجاعل"(٤).

---

(١) البخاري، كتاب الأشربة، باب الشرب من قدح النبي صلى الله عليه وسلم ......، رقم (٥٦٣٨).

(٢) السنن الكبرى للبيهقي: ١/٣٠، كتاب الطهارة، باب النهي عن الإناء المفضض، رقم (١١٥).

(٣) حوالہ بالا.

(٤) فتح الباري: ٦/٢١٤، و: ١٠/١٠٠، وتحفة الباري: ٣/٥٣٩.

قال عاصم: رأيت القدح، وشربت فيه

حضرت عاصم الاحول فرماتے ہیں کہ میں نے وہ پیالہ دیکھا ہے اور اس سے پانی بھی پیا ہے۔

یہاں بطور تحدیث نعمت اور فخر، حضرت عاصم یہ فرما رہے ہیں کہ مجھے اس پیالے سے پانی پینے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

ان کے علاوہ بعد میں یہی شرف دیگر اور بہت سے حضرات کو بھی حاصل ہوا ہے، چنانچہ حافظ ابونعیم نے علی بن حسن بن شقیق عن ابی حمزہ کے طریق سے یہی حدیث نقل کی ہے، اس میں ہے، "قال علي بن الحسن: وأنا رأيت القدح، وشربت منه" (۱)۔

خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اس پیالہ سے پانی پینا منقول ہے، علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے "مختصر البخاری" میں لکھا ہے کہ انہوں نے صحیح بخاری کے بعض قدیم نسخوں میں یہ عبارت لکھی دیکھی کہ:

> "قال أبو عبدالله البخاري: رأيت هذا القدح بالبصرة، وشربت منه، وكان أُشتري من ميراث النضر بن أنس بثمان مائة ألف" (۲)۔
>
> یعنی: "امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس پیالے کو میں نے بصرہ میں دیکھا اور اس سے پیا ہے، اسے نضر بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی میراث سے آٹھ لاکھ میں خریدا گیا تھا"۔

سونے چاندی کا جوڑ اور کڑا لگانے کا حکم

حدیثِ باب سے چاندی کا بنا ہوا دستہ، زنجیر (کڑا) اور حلقہ وغیرہ کے استعمال اور اس سے کھانے پینے کا جواز ثابت ہو رہا ہے، لیکن یہ مسئلہ بھی مختلف فیہا ہے۔

امام ابوحنیفہ اس کو مطلقاً جائز قرار دیتے ہیں، البتہ صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی رحمہما اللہ نے اس حکم مطلق کو ایک شرط کے ساتھ مقید کیا ہے، وہ یہ کہ سونا چاندی کی جگہ منہ نہ لگائے، اس سے احتراز کرے (۳)۔

---

(۱) فتح الباري: ۱۰/۱۰۰.

(۲) حواله بالا

(۳) بدائع الصنائع: ۶/۵۲۴-۵۲۵، كتاب الاستحسان، وأما الإناء المضبب .....، والهداية مع البناية: ۱۲/۷۰-۷۲، كتاب الكراهية، ومؤطأ محمد: ۳۷۵، أبواب السير، باب الشرب في آنية الفضة.

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں طرح کے اقوال مروی ہیں، یعنی حلت وحرمت۔ بعد کے ائمہ مالکیہ مثلاً دردیر، دسوقی اور ابن الحاجب رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے حرمت کو راجح قرار دیا ہے (۱)۔

شوافع کا مذہب بقول امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ ہے کہ دستہ وغیرہ اگر بڑا ہو اور زینت کے لیے ہو تو حرام ہے اور اگر چھوٹا ہو اور ضرورت کے لیے ہو تو جائز ہے۔

ان کا دوسرا قول مطلق حرمت کا ہے کہ جائز نہیں (۲)۔

جب کہ حنابلہ ان اشیاء کے استعمال کو تین شرطوں کے ساتھ جائز قرار دیتے ہیں، یعنی تھوڑا ہو، چاندی ہی ہو اور ضرورت کے لیے ہو کہ اس میں کوئی فائدہ ہو۔ گویا ان کے نزدیک اس غرض سے سونا کا استعمال بالکل جائز نہیں اور چاندی کا استعمال مقید ہے (۳)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت اس جملے میں ہے: ”أن قدح النبي صلى الله عليه وسلم انكسر“ کہ اس میں نبی علیہ السلام کے پیالہ کا ذکر ہے، جو ترجمہ کے جزء ”قدحه“ کے ساتھ منطبق ہے (۴)۔

باب کی پانچویں حدیث حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۴۳ : حدّثنا سَعِيدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الجَرْمِيُّ : حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : حَدَّثَنَا أَبِي : أَنَّ الْوَلِيدَ بْنَ كَثِيرٍ حَدَّثَهُ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ الدُّؤَلِيِّ حَدَّثَهُ : أَنَّ ابْنَ شِهَابٍ حَدَّثَهُ : أَنَّ عَلِيَّ بْنَ حُسَيْنٍ حَدَّثَهُ : أَنَّهُمْ حِينَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ مِنْ عِنْدِ يَزِيدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ ، مَقْتَلَ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ ، لَقِيَهُ الْمِسْوَرُ بْنُ مَخْرَمَةَ [٥] ، فَقَالَ لَهُ : هَلْ لَكَ إِلَيَّ مِنْ حَاجَةٍ تَأْمُرُنِي بِهَا ؟ فَقُلْتُ لَهُ : لَا . فَقَالَ لَهُ : فَهَلْ أَنْتَ مُعْطِيَّ سَيْفَ رَسُولِ اللهِ ﷺ ، فَإِنِّي أَخَافُ

(١) حاشية الدسوقي مع الشرح الكبير: ١/١٠٩، باب أحكام الطهارة، فصل الطاهر.

(٢) المجموع شرح المهذب: ١/٢٥٤-٢٥٨، كتاب الطهارة، حكم الأواني المضببة......، وشرح النووي على مسلم: ٢/١٩٣.

(٣) المغني: ٩/١٤٧، كتاب الأشربة، رقم (٧٣٧٠)، والموسوعة الفقهية: ٣٢/١٦٥-١٦٦، مادة فضة.

(٤) عمدة القاري: ١٥/٣٣

(٥) قوله: "المسور بن مخرمة": الحديث، مرّ تخريجه في الجمعة، باب من قال في الخطبة بعد ......

أَنْ يَغْلِبَكَ الْقَوْمُ عَلَيْهِ ، وَايْمُ اللهِ لَئِنْ أَعْطَيْتَنِيهِ لَا يُخْلَص إِلَيْهِ أَبَدًا حَتَّى تُبْلَغَ نَفْسِي . إِنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ خَطَبَ ابْنَةَ أَبِي جَهْلٍ عَلَى فَاطِمَةَ رضي الله عنها، فَسَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَخْطُبُ النَّاسَ فِي ذٰلِكَ عَلَى مِنْبَرِهِ هٰذَا ، وَأَنَا يَوْمَئِذٍ مُحْتَلِمٌ ، فَقَالَ : (إِنَّ فَاطِمَةَ مِنِّي ، وَأَنَا أَتَخَوَّفُ أَنْ تُفْتَنَ فِي دِينِهَا) . ثُمَّ ذَكَرَ صِهْرًا لَهُ مِنْ بَنِي عَبْدِ شَمْسٍ ، فَأَثْنَى عَلَيْهِ فِي مُصَاهَرَتِهِ إِيَّاهُ . قَالَ : (حَدَّثَنِي فَصَدَقَنِي ، وَوَعَدَنِي فَوَفَى لِي ، وَإِنِّي لَسْتُ أُحَرِّمُ حَلَالًا ، وَلَا أُحِلُّ حَرَامًا ، وَلٰكِنْ وَاللهِ لَا تَجْتَمِعُ بِنْتُ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَبِنْتُ عَدُوِّ اللهِ أَبَدًا) . [ر : ۸۸٤]

تراجم رجال

۱- سعید بن محمد الجرمی

یہ سعید بن محمد بن سعید الجرمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الجهاد، "باب قتال الترك" کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

۲- یعقوب بن ابراهیم

یہ یعقوب بن ابراہیم قرشی زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا ترجمہ کتاب العلم، "باب ما ذكر في ذهاب موسى......" کے تحت گزر چکا(۲)۔

۳- أبي

اب سے مراد ابراہیم بن سعد قرشی زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإيمان، "باب من كره أن يعود في الكفر......" کے تحت آ چکے(۳)۔

٤- الولید بن کثیر

یہ الولید بن کثیر مخزومی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۴)۔

---

(۱) كشف الباري، كتاب الجهاد: ۷۰۳/۱.

(۲) كشف الباري: ۳۳۱/۳.

(۳) كشف الباري: ۱۲۰/۲.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الصلاة، باب الحلق والجلوس في المسجد.

٥- محمد بن عمرو بن حلحله الدؤلى

یہ محمد بن بن عمرو بن حلحلۃ الدؤلی - بضم الدال وفتح الھمزۃ - (۱) رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

٦- ابن شهاب

محمد بن مسلم ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ "بدء الوحي" کی پہلی حدیث کے تحت گزر چکا (۳)۔

٧- على بن حسين

یہ امام زین العابدین علی بن حسین بن علی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

أن علي بن حسين حدثه أنهم حين قدموا المدينة من عند يزيد بن معاوية مقتل حسين بن علي رضي الله عنه لقيه مسور بن مخرمة

ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہیں امام زین العابدین علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ نے بتلایا کہ یہ حضرات جب خلیفہ یزید بن معاویہ کے ہاں سے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ منورہ آئے تو ان سے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ ملے۔

حضرت مسور بن مخرمہ اور امام زین العابدین کی ملاقات کا یہ واقعہ ٦١ھ کا ہے، کیوں کہ اسی سال حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سانحہ رونما ہوا تھا (۵)۔

اوپر کی اس عبارت میں یزید بن معاویہ سے مراد مشہور اموی خلیفہ (٦)، حسین بن علی سے نواسۂ رسول (۷) اور

---

(١) عمدة القاري: ١٥/٣٣، وتحفة الباري: ٣/٥٣٩.

(٢) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الأذان، باب جهر الإمام بالتأمين.

(٣) كشف الباري: ١/٣٢٦.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الغسل، باب الغسل بالصاع ونحوه.

(٥) عمدة القاري: ١٥/٣٣.

(٦) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب التهجد، باب صلاة النوافل جماعة.

(٧) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب التهجد، باب تحريض النبي صلى الله عليه وسلم على صلاة......

مسور بن مخرمہ سے مشہور صحابی ہیں (۱)۔

فقال له: هل لك إلي من حاجة تأمرني بها؟ فقلت له: لا

حضرت مسور نے امام زین العابدین سے استفسار کیا کہ آپ کی کوئی ضرورت مجھ سے متعلق ہو تو آپ حکم دیں اور میں بجالاؤں؟ میں نے ان سے کہا نہیں۔

حضرت مسور رضی اللہ عنہ آگے جا کر جو بات اور گزارش امام زین العابدین کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے، اس کے لیے یہ تمہید تھی، جو اوپر گزری۔

فقال له: فهل أنت معطيَّ سيفَ رسول الله صلى الله عليه وسلم؟

تو مسور رضی اللہ عنہ نے زین العابدین علیہ الرحمۃ سے فرمایا کہ تو کیا آپ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار عنایت کریں گے؟

معطي یاء کی تشدید کے ساتھ ہے، دوسری یاء متکلم کی ہے (۲)۔

اور "سيف رسول الله" سے مراد بظاہر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور تلوار "ذوالفقار" ہے، یہ تلوار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے موقع پر بطور نفل کے لی تھی اور یہی وہ تلوار ہے جس کے بارے میں آپ علیہ السلام نے غزوۂ احد کے موقع پر خواب دیکھا تھا کہ آپ کی تلوار پر دندانے پڑے ہیں (۳)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کل دس تلواریں تھیں، جن میں کی ایک یہ "ذوالفقار" ہے (۴)۔

---

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب استعمال فضل وضوء الناس.

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۳۳، وإرشاد الساري: ۵/۲۰۰.

(۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ خواب درج ذیل ہیں، ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فلما سمع بهم رسول الله صلى الله عليه وسلم والمسلمون قد نزلوا حيث نزلوا، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم للمسلمين: "إني قد رأيت والله خيرا، رأيت بقرا، ورأيت في ذبابَ سيفي ثلما، ورأيت أني أدخلت يدي في درع حصينة، فأولتها المدينة".

انظر سيرة ابن هشام: ۳/۶۲، غزوة أحد، رؤيا رسول الله......، وأيضا الروض الأنف: ۲/۱۲۷.

(٤) قال العيني: "والظاهر أن هذا السيف هو ذوالفقار؛ لأن سبط ابن الجوزي ذكر في تاريخه: ولم يزل =

اب سوال یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کی یہ تلوار حضرت علی کے خاندان میں کیسے آئی؟

اس کے جواب میں علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے دو احتمال ذکر کیے ہیں:

۱- غالبًا یہ تلوار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر دی تھی، جو بعد میں ہوتے ہوتے حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچ گئی۔

۲- یا حضرت ابوبکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہما کو دی تھی، جو بعد میں ان کے خاندان کو منتقل ہوگئی (۱)۔

فإني أخاف أن يغلبك القوم عليه

کیونکہ مجھے خوف ہے کہ یہ قوم آپ سے بزورِ طاقت یہ تلوار چھین لے گی۔

یہاں قوم سے مراد بنوامیہ ہیں، چونکہ حضرات سادات کا اختلاف انہی سے تھا۔

وأيم الله؛ لأن أعطيتنيه لايخلص إليهم أبدا حتى تبلغ نفسي

بخدا! اگر آپ یہ تلوار مجھے عطا کریں تو بنوامیہ اس کو کبھی حاصل نہیں کرسکیں گے یا یہ کہ میری جان چلی جائے۔

مطلب یہ ہے کہ میں اس تلوار کی خاطر جان کی بازی لگادوں گا (۲)۔

ایک سوال اوراس کا جواب

حافظ علیہ الرحمۃ نے حدیثِ باب کی اساس پر بطور تعجب کے ایک سوال نقل کیا ہے، وہ یہ کہ حضرت مسور رضی اللہ عنہ یہ فرمارہے ہیں کہ میں اس تلوار کی حفاظت میں اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار ہوں، یہاں وہ صرف اور صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پوتے (زین العابدین) کا دل رکھنے کی خاطر اپنی خواہش ان کے سامنے رکھ رہے ہیں، لیکن دوسری طرف حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما جو حضرت فاطمہ کے صاحبزادے

= ذوالفقار عنده صلى الله عليه وسلم، حتى وهبه لعلي رضى الله عنه قبل موته، ثم انتقل إلى آله، وكانت له عشرة أسياف؛ منها: ذوالفقار، تنفَّله يوم بدر". انظر عمدة القاري: ۱۵/۳۳.

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۳۳، وفتح الباري: ٦/٢١٤، وإرشاد الساري: ٥/٢٠٠.

(۲) فتح الباري: ٦/٢١٤، وعمدة القاري: ١٥/٣٤، وشرح القسطلاني: ٥/٢٠١.

ہیں، ان کے لیے اپنی جان قربان نہیں کی، نہ اپنی ایسی کسی خواہش کا اظہار کیا، یہاں تک کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ ظالم حکمرانوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے اور یہ عظیم سانحہ رونما ہوا۔

اس کے جواب میں حضرت مسور رضی اللہ عنہ کی طرف سے بطورِ عذر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب عراق کے لیے روانہ ہوئے تو اہلِ حجاز بشمول حضرت مسور رضی اللہ عنہ، کے وہم وگمان میں بھی یہ نہیں تھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا معاملہ یہ رخ اختیار کرے گا اور وہاں وہ اپنے ساتھیوں سمیت مظلومانہ شہادت سے سرفراز ہوں گے(۱)۔ واللہ اعلم

إن علي بن ابي طالب خطب ابنة أبي جهل على فاطمة رضي الله عنها

تحقیق حضرت علی نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر سوکن لانے کے لئے ابوجہل ہشام بن مغیرہ کی بیٹی کو پیغام نکاح دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ -مفصلاً- كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم کے تحت گزر چکا ہے(۲)۔

ابنۃ ابی جہل سے کون مراد ہے؟

یہ مشہور دین دشمن شخص ابوجہل کی صاحبزادی حضرت جویریہ بنت ہشام بن مغیرہ مخزومیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ جمیلہ بھی ان کا نام بتلایا گیا ہے، لیکن بقول حافظ علیہ الرحمۃ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جن خاتون سے نکاح کرنا چاہا تھا، وہ جویریہ تھیں (۳)۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے نکاح نہ کر سکے تو عتاب بن اسید، جو نبی علیہ السلام کے عہد میں امیرِ مکہ تھے، نے ان سے نکاح کیا، ان کی ان سے اولاد

---

(۱) فتح الباري: ۹/۳۲۷.

(۲) كشف الباري، كتاب العلم: ۱۴۹/۴، نیز حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب غسل المرأة أباها الدم......

(۳) الإصابة: ۲۶۵/۴، وعمدة القاري: ۳۴/۱۵، ان کے نام میں اور بھی اقوال ہیں، دیکھیے، فتح الباري: ۸۶/۷، والطبراني في الكبير: ۲۱۰/۲۴.

بھی ہوئی، تاریخ نے ایک بیٹے کا نام محفوظ کیا ہے، جن کا نام عبدالرحمٰن تھا، یہ جنگ جمل میں شہید ہوئے (۱)۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایتِ حدیث بھی کرتی ہیں (۲)۔

فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر کے پاس سے گزرے اور پانی طلب فرمایا تو میں پیالہ لے کر آپ کے پاس آئی اور آپ کو پانی پیش کیا، اسی دوران ایک شخص نے جس پر دوزرد رنگ کی چادریں تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا، "تعبد الله، لاتشرك به شيئاً، وتقيم الصلاة، وتؤدي الزكاة، وتصل الرحم" پھر فرمایا، "خير أمتي قرني، ثم الذين يلونهم" (۳).

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خُطبہ کا سبب کیا تھا؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو خطبہ وتقریر حدیثِ باب میں نقل کی گئی ہے، اس کا سبب کیا تھا؟ اس میں دو اقوال ہیں:

۱- کتاب النکاح کی روایت، جو ابن ابی ملیکہ سے مروی ہے (۴)، سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی ہشام بن مغیرہ کا استیذان خطبہ کا سبب تھا، جب بنی ہشام بن مغیرہ نے اپنی خاتون کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کرنا چاہا اور اس کی اجازت نبی علیہ السلام سے چاہی تو آپ علیہ السلام نے خطبہ ارشاد فرمایا (۵)۔

۲- جب کہ امام زہری کا جو طریق ہے، اس میں ایک اور سبب بیان کیا گیا ہے، صحیح ابن حبان میں ہے:

"أن علیا خطب بنت أبي جهل، فبلغ ذلك فاطمة، فأتتْ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم، فقالت: إن الناس يزعمون أنك لاتغضب لبناتك، وهذا عليّ ناكح بنتَ أبي جهل!......" (٦).

---

(١) الإصابة: ٤/٢٦٥، وفتح الباري: ٧/٨٦، وعمدة القاري: ١٦/٢٣٠.

(٢) الإصابة: ٤/٢٦٢، ومعرفة الصحابة: ٥/٢٠٤، باب الجيم.

(٣) حواله جات بالا، والطبراني في الكبير: ٢٤/٢٥٨، رقم (٦٥٨)، باب الدال، درة بنت أبي لهب......

(٤) صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب ذب الرجل عن ابنته في الغيرة والإنصاف، رقم (٥٢٣٠).

(٥) فتح الباري: ٩/٣٢٨.

(٦) الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان، مناقب علي بن أبي طالب، ذكر البيان بأن علي بن أبي طالب......، =

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی کے لیے پیغامِ نکاح دیا، یہ خبر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پہنچی تو آپ نبی علیہ السلام کے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ اپنی صاحب زادیوں کی حمایت کے لیے برانگیختہ نہیں ہوتے، یہ علی کو دیکھیے کہ وہ ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنے والے ہیں!......''۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی یہ بات سن کر مسجدِ نبوی تشریف لائے اور خطبہ ارشاد فرمایا۔

اس روایت سے خطبۂ نبوی کا سبب یہی معلوم ہورہا ہے کہ اس کی وجہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں(۱)۔

دونوں اقوال کے درمیان تطبیق

اب دونوں اقوال کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر کے دونوں سبب ہوسکتے ہیں کہ بنی ہشام بن مغیرہ نے بھی اپنی خاتون کے سلسلے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رابطہ کیا کہ نکاح ہونا چاہیے یا نہیں؟ اور جب اس معاملے کی سن گن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ملی تو انہوں نے بھی اپنے والدِ مکرم سے شکایت کی کہ علی میری سوکن لانا چاہتے ہیں۔ بہرحال دونوں اسباب میں کوئی تنافی نہیں ہے۔

نکاح کی پیشکش کس طرف سے تھی؟

روایات کے تتبع سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابوجہل کی بیٹی سے نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا فیصلہ تھا، خود لڑکی والوں کی طرف سے اس میں کوئی تحریک نہیں تھی، اسی لیے اکثر روایات میں خِطبہ کی نسبت حضرت علی کی طرف ہے، خود حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے اوپر جو حدیث ابھی گزری، اس میں بھی ''ناکح'' کا لفظ حضرت فاطمہ نے استعمال کیا ہے، جب کہ اب تک نکاح نہیں ہوا تھا، اس کی وجہ ظاہر ہے، چوں کہ ارادہ حضرت علی کا تھا اور ارادہ پکا بھی تھا کہ اگر روک ٹوک نہ کی گئی تو نکاح آج نہیں تو کل ہو ہی جائے، اس

رقم (٦٩١٨)، وروى بعضَه البخاريُّ في صحيحه، كتاب فضائل الصحابة، باب ذكر أصهار النبي صلى الله عليه وسلم ، رقم (٣٧٢٩).

(١) فتح الباري: ٩/٣٢٨.

لیے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ''ناکح'' کے لفظ سے تعبیر کیا(۱)۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا تھا اور نکاح کی اجازت مانگی تھی، مستدرک حاکم میں حضرت سوید بن غفلہ مخضرمی کی روایت ہے، فرماتے ہیں:

"خطب علي ابنة أبي جهل إلى عمها الحارث بن هشام، فاستشار النبيَّ صلى الله عليه وسلم، فقال: أعن حسبها تسألني؟ قال علي: قد أعلم ما حسبها، ولكن أتأمرني بها؟ فقال: لا، فاطمة مضغة مني، ولا أحسب إلا وأنها تحزن وتجزع، فقال عليٌ: لا آتي شيئا تكرهه"(۲).

یعنی: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کے لیے اس کے چچا حارث بن ہشام کو پیغام بھیجا اور اس معاملے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا، آپ علیہ السلام نے فرمایا، کیا تم مجھ سے اس خاتون کا حسب نسب دریافت کرنا چاہتے ہو؟ تو حضرت علی نے کہا کہ اس کا حسب نسب مجھے بہ خوبی معلوم ہے، لیکن کیا آپ مجھے اس سے نکاح کا مشورہ دیں گے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا، نہیں! فاطمہ میرا ہی حصہ ہے اور میرا خیال یہ ہے کہ تمہارے نکاح سے وہ غم زدہ اور پریشان ہوگی۔ تو حضرت علی نے کہا کہ میں ایسا کوئی کام نہیں کروں گا جو آپ کو ناپسند ہو''۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غالباً حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ دینے کے بعد اجازت طلب کی تھی اور خود دورانِ خطبہ موجود نہیں تھے، اس لیے مشورہ بھی کیا، لیکن جب آپ علیہ السلام نے منع فرمادیا، تو حضرت علی اس معاملے سے پیچھے ہٹ گئے، چنانچہ ایک حدیث، جو ''شعیب عن الزہری'' کے طریق سے مروی ہے، میں یہ الفاظ آتے ہیں: "فترك علي الخطبة"(۳) اور ابوداؤد

(۱) حواله بالا.

(۲) المستدرك للحاكم: ۱۷۳/۳، كتاب معرفة الصحابة، ذكر مناقب فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (٤٧٤٩).

(۳) صحيح البخاري، كتاب فضائل الصحابة، باب ذكر أصهار النبي صلى الله عليه وسلم......، رقم (۳۷۲۹).

شریف(۱) کی روایت، جو "معمر عن الزهری عن عروة" سے ہے، میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: "فسكت علي عن ذلك النكاح"(۲). واللہ اعلم بالصواب۔

فسمعت رسول الله ﷺ يخطب الناس في ذلك على منبره هذا

تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا کہ وہ لوگوں سے اس معاملے میں خطاب کررہے تھے اپنے اس منبر پر۔

مطلب یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا کہ حضرت علی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کی سوکن لانا چاہتے اور ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں تو آپ علیہ السلام نے اپنے منبر سے آگے آنے والا خطبہ ارشاد فرمایا، تاکہ لوگ بھی اصل واقعہ کو جان لیں اور انہیں بھی علم ہوجائے کہ نبی کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی کا اجتماع نہیں ہوسکتا(۳)۔

وأنا يومئذ محتلم

اور میں ان دنوں بالغ تھا۔

اس جملے سے حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کا مقصود یہ ہے کہ آگے میں جو نبی علیہ السلام کے الفاظ نقل کروں گا، وہ خلافِ واقعہ نہیں ہیں، بلکہ مجھے خوب یاد ہے کہ میں اس وقت بالغ تھا اور واقعات کو پرکھنے کی صلاحیت رکھتا تھا(۴)۔

حضرت مسور کی عمر اس وقت کیا تھی؟

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ ابن سید الناس نے حدیث باب کے ان الفاظ "وأنا يومئذ محتلم" کو خلافِ حقیقت اور غلط کہا ہے اور فرمایا ہے کہ درست لفظ "كالمحتلم" ہے کہ بالغوں کی طرح تھا۔ یہ اسماعیلی کی روایت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت مسور رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ میں بالغ نہیں ہوئے تھے، کیوں

(۱) سنن أبي داود، كتاب النكاح، باب مايكره أن يجمع بينهن من النساء، رقم (۲۰۷۰).

(۲) فتح الباري: ۳۲۸/۹، نیز دیکھیے، شرح مشكل الآثار للإمام الطحاوي: ۵۱۱/۱۲-۵۱۹، باب بيان مشكل ما روي عن رسول الله ﷺ من قوله: "إن بني هشام بن المغيرة......"، الباب: (۷۸۸).

(۳) فتح الباري: ۸۶/۷.

(۴) فتح الباري: ۳۲۷/۹.

کہ یہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بعد پیدا ہوئے تھے، اس لیے حضرت مسور رضی اللہ عنہ کی عمر نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت آٹھ سال ہی ہوگی (۱)۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن سید الناس رحمۃ اللہ علیہ کی اس رائے سے اختلاف کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ابن سید الناس کی طرف سے حدیثِ باب کے الفاظ کی تغلیط درست نہیں، کیونکہ صحیح قول کے مطابق حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ولادت ہجرت کے پہلے سال ہوئی تھی، اس لیے ان کی عمر وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت نو سال ہوگی، لہٰذا یہ بات بالکل ممکن ہے کہ وہ بلوغت کی جو اقل مدت ہے، یعنی نو سال، اس میں بالغ ہو گئے ہوں، یا حضرت مسور رضی اللہ عنہ کے قول "محتلم" کو مبالغہ پر محمول کیا جائے گا، مراد اس سے تشبیہ ہوگی، اس طرح دونوں روایتیں یعنی "محتلم" اور "کالمحتلم" معنیً موافق ہو جائیں گی، ایک کو درست اور ایک کو غلط قرار دینے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

اس ساری تفصیل کی حاجت اس لیے محسوس ہوئی اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ آٹھ سالہ بچے کو کہیں بھی محتلم کہا جاتا ہے نہ کالمحتلم، الا یہ کہ تشبیہ مراد لی جائے اور یہ کہا جائے کہ فہم وحفظ اور اخذ کے معاملے میں حضرت مسور رضی اللہ عنہ بالغ کی طرح تھے (۲)۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فقال: إن فاطمة مني، وأنا أتخوف أن تفتن في دينها

سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، فاطمہ مجھ سے ہے اور مجھے یہ اندیشہ ہے کہ اس معاملے کی وجہ سے فاطمہ کا دین متاثر ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا طبعی غیرت کی وجہ سے صبر نہ کر سکیں گی اور اس سے ان کی ذاتی اور خانگی زندگی متاثر ہوگی (۳)۔

ثم ذكر صهرا له من بني عبدشمس، فأثنى عليه في مصاهرته إياه، قال:

---

(۱) حواله بالا.

(۲) حواله بالا.

(۳) عمدة القاري: ۱۵/۳٤.

حدثني فصدقني ووعدني فوفى لي

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبد شمس سے تعلق رکھنے والے اپنے ایک داماد (ابوالعاص بن الربیع) کا تذکرہ کیا، چنانچہ ان کی اپنے ساتھ دامادی کے تعلق ورشتے کی تعریف کی، فرمایا انہوں نے مجھ سے بات کی اور اسے سچ کر دکھلایا، مجھ سے وعدہ کیا اور اس کو پورا کیا۔

حضرت ابوالعاص بن الربیع رضی اللہ عنہ

یہ حضرت ابوالعاص بن الربیع بن عبدالعزی بن عبد مناف بن قصی بن کلاب قرشی عبشمی رضی اللہ عنہ ہیں (۱)۔

ان کی والدہ کا نام ہالہ بنت خویلد ہے، جو ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں، اس طرح ابوالعاص حضرت خدیجہ کے حقیقی بھانجے ہوئے (۲)۔

ان کا نام کیا تھا، اس میں علمائے سیر کا اختلاف ہے، بعض نے لقیط، بعض نے زبیر، بعض نے ہشیم، بعض نے مہشم اور بعض نے یاسر بتلایا ہے۔

بقول ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ لقیط کو اکثر حضرات نے اختیار کیا ہے (۳)۔

ان کا لقب جرو البطحاء تھا، نیز امین سے بھی پکارے جاتے تھے (۴)۔

غزوہ حدیبیہ سے پانچ مہینے قبل انہوں نے اسلام قبول کیا (۵)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ان کے عقد میں تھیں، بدر کے موقع پر مشرکین مکہ کے جو افراد قید ہوئے تھے، ان میں حضرت ابوالعاص بن الربیع رضی اللہ عنہ بھی

---

(۱) سير أعلام النبلاء: ۱/۳۳۰، والإصابة: ۱۲۱/٤، والاستيعاب: ٤۳۰/۲، باب العين من الكنى.

(۲) سير أعلام النبلاء: ۱/۳۳۱، والإصابة: ۱۲۱/٤، والاستيعاب: ٤۳۰/۲، والمستدرك للحاكم: ٦۳۸/۳، كتاب معرفة الصحابة، ذكر أبي العاص ......، رقم (٦٦۹۳).

(۳) الاستيعاب: ٤۳۰/۲.

(٤) حواله بالا، والإصابة: ۱۲۱/٤، وسير أعلام النبلاء: ۳۳۱/۱.

(٥) سير أعلام النبلاء: ۳۳۱/۱.

تھے، مسلمانوں نے جب ان افراد کے بدلے میں فدیہ وصول کرنے کا فیصلہ کیا تو قیدیوں کے متعلقین اور ورثاء نے مکہ سے فدیہ کی رقم بھجوائی، حضرت زینب رضی اللہ عنہا، جو اس وقت مکہ میں تھیں، نے بھی اپنے شریک حیات کی آزادی کے لیے فدیہ بھجوایا، جو چیز انہوں نے بھیجی اسے دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل نرم ہوگیا، وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ہار تھا(۱)، جو اُن دونوں کی شادی کے وقت حضرت خدیجہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو پہنایا تھا، ہار دیکھ کر نبی علیہ السلام نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا کہ اگر تم لوگ مناسب سمجھو تو زینب کا قیدی چھوڑ دو کہ وہ ان کے پاس لوٹ جائیں۔ صحابہ نے سرِ تسلیم خم کیا اور انہیں آزاد کر دیا۔

مکہ مکرمہ روانگی سے قبل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے وعدہ لیا کہ وہ واپس جا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نبی علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کر دیں گے اور نبی علیہ السلام نے ان سے یہ بات پوشیدہ و خفیہ رکھنے کا بھی کہا۔

دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ، جو آپ کے منہ بولے بیٹے تھے، ایک اور انصاری کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ تم دونوں بطن یأجج (۲) کو روانہ ہو جاؤ اور وہاں جا کر ٹھہرو، یہاں تک کہ زینب (رضی اللہ عنہم) تمہارے پاس آ جائیں اور تم دونوں ان کے شریکِ سفر ہو گے اور انہیں اپنے ساتھ لیتے آؤ۔ یہ بدر کے کچھ مہینوں بعد کا واقعہ ہے۔

حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ رہا ہو کر جب مکہ مکرمہ پہنچے تو انہوں نے حضرت زینب سے کہا کہ اپنے والدِ مکرم کے پاس جانے کی تیاری کرو۔ چنانچہ انہوں نے تیاری مکمل کی اور ان کے دیور کنانہ، جو اُن کے خالہ زاد بھی تھے، ایک اونٹ لے کر آئے، جس پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا سوار ہوئیں اور کنانہ بھی تیر کمان ساتھ لیے ان کو لے کر دن ہی میں روانہ ہو گئے، اس پر اہلِ مکہ بڑے برافروختہ ہوئے اور وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی

---

(۱) سير أعلام النبلاء: ۳۳۲/۱، والمستدرك: ۲۳٦/۳، كتاب معرفة الصحابة، ذكر مناقب أبي العاص……، رقم (٥٠٣٨)، والسيرة النبوية لابن هشام: ٦٥٣/٢، ومسند أحمد، مسند عائشة، رقم (٢٦٨٩٤)، وأبوداود، كتاب الجهاد، باب في فداء الأسير بالمال، رقم (٢٦٩٢)، من رواية عائشة رضي الله عنها، والإصابة: ١٢١/٤.

(٢) قوله: "يأجج": هو بفتح الياء، وبعدها همزة، وجيم مكسورة: موضع على ثمانية أميال من مكة. انظر تعليقات سير أعلام النبلاء: ٣٣٣/١، ومعجم البلدان: ٤٢٤/٥، باب الياء والألف وما يليهما.

تلاش میں نکلے، چنانچہ کنانہ نے ایک مقام ''ذوطوی'' میں اونٹ ٹھہرایا اور اپنے ترکش پھیلا دیے، ادھر ایک مشرک ہبار بن الاسود نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نیزہ دکھا کر ڈرایا، یہ معاملہ دیکھ کر کنانہ نے کہا کہ جو بھی قریب آیا میں اس کے جسم میں تیر اتار دوں گا۔

پیچھا کرنے والوں میں ابوسفیان بھی تھے، وہ کنانہ سے کہنے لگے، اے آدمی! یہ تیر ہم سے دور رکھو، ہم تم سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں تو کنانہ رک گئے اور ابوسفیان کی بات سننے لگے، جو کہہ رہے تھے کہ تم نے یہ اچھا نہیں کیا کہ علی رؤس الاشہاد تم اس خاتون کو لے کر نکل پڑے، جب کہ حال ہی میں بدر میں جس ذلت ورسوائی کا سامنا ہم نے کیا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جو تکلیف ہمیں پہنچی اس کا تمہیں بخوبی علم ہے، یہ جو تم دن دھاڑے اس خاتون کو لیے جا رہے ہو، لوگ یہی سمجھیں گے کہ یہ بھی بدر والی ذلت کا ایک حصہ ہے۔ بخدا! انہیں یہاں روکے رکھنے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں، اس لیے زینب کو لے کر اب تو واپس چلے جاؤ، حالات جب پرسکون ہو جائیں گے اور لوگوں میں یہ بات عام ہو جائے گی کہ ہم انہیں واپس لے آئے ہیں تو چپکے سے انہیں لے کر نکل جانا اور ان کے والد کے حوالے کر آنا۔

سو کنانہ نے ابوسفیان کی بات پر عمل کیا اور حضرت زینب کو لے کر وہ کچھ راتوں کے بعد دوبارہ نکلے اور انہیں حضرت زید بن حارثہ اور ان کے ساتھی کے حوالے کر دیا، یہ دونوں حضرت زینب (رضی اللہ عنہم) کو ساتھ لیے مدینہ منورہ آئے۔

فتح مکہ سے کچھ عرصے قبل کی بات ہے کہ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے تجارت کی غرض سے شام کا قصد کیا، ان کے ساتھ قریش کا بھی بہت سا مال تھا، واپسی میں مسلمانوں کے ایک لشکر سے ان کی مڈبھیڑ ہو گئی، مسلمانوں نے ان کا سارا مال لے لیا، لیکن ان کو نہ پکڑ سکے، وہ وہاں سے بھاگے، رات کو مدینہ منورہ آئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ کر پناہ کے طالب ہوئے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے انہیں پناہ دے دی اور رات انہوں نے وہیں گزاری۔

صبح کو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نماز سے فارغ ہوئے تو عورتوں کے مجمع میں سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بآواز بلند فرمایا: "أیها الناس! قد أجرت أبا العاص بن الربیع" کہ ''لوگو! ابوالعاص بن الربیع میری پناہ میں ہیں''۔

دوسری جانب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کو، جس نے ابوالعاص رضی اللہ عنہ کا مال لیا تھا، پیغام بھجوایا کہ:

"إن هذا الرجل منا حيث قد علمتم، وقد أصبتم له مالا، فإن تحسنوا وتردوه، فإنا نحب ذلك، وإن أبيتم، فهو فيء الله، فأنتم أحق به".

یعنی: "جیسا کہ تم جانتے بھی ہو کہ یہ ہمارے خاندان کا فرد ہے اور تم لوگوں نے ان کا مال لے لیا ہے، سو اگر تم ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرو اور ان کا مال واپس کر دو تو یہ ہمیں پسند ہے اور اگر تم انکار کرو تو یہ غنیمت ہے، جس کے تم زیادہ حق دار ہو"۔

اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا، وہ مال ہم انہیں واپس کر دیں گے، چنانچہ حسبِ وعدہ انہوں نے ان سے لیا گیا سارا مال لوٹا دیا۔

حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ اپنا سارا مالِ تجارت لیے مکہ مکرمہ کو روانہ ہو گئے، وہاں پہنچ کر جس کا جتنا مال تھا، وہ اس کے حوالے کیا، پھر فرمایا، اے اہل مکہ! کیا تم میں سے کسی کا کوئی حق میرے ذمے ہے؟ انہوں نے جواباً کہا، نہیں! اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔ اس پر حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا عبده ورسوله" بخدا! میں مدینہ منورہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی اسلام قبول کرنے سے اس لیے رُکا رہا کہ مبادا تم یہ نہ سمجھو کہ میں تمہارا مال ہڑپ کرنا چاہتا ہوں۔ اب جب کہ میں تمہارا سارا مال لوٹا چکا ہوں، مجھ پر کسی کا کوئی حق نہیں رہا، اس لیے میں قبولِ اسلام کا اعلان کرتا ہوں۔

بعد ازیں یہ مدینہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور آپ علیہ السلام نے حضرت ابوالعاص وزینب رضی اللہ عنہما کے نکاح کو برقرار رکھا، اس طرح تقریباً چھے سال کی فرقت وجدائی ان دونوں کے درمیان رہی (۱)۔

---

(۱) للاستزادة انظر: سير الذهبي: ۱/۳۳۲-۳۳٤، والإصابة: ٤/۱۲۲، والمعجم الكبير: ۲۲/٤۲٦-٤۳۱، ما أسندت أم سلمة رضي الله عنها، رقم (۱۰۵۰)، والسيرة النبوية لابن هشام: ۲/٦۵۱-٦۵۹، أسر أبي العاص بن الربيع رضي الله عنه......

حدیثِ باب کے الفاظ "حدثني فصدقني، ووعدني، فوفى لي" میں اسی مذکورہ بالا واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے باوصف اپنی اس شدید محبت کے، جواُن کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھی، انہیں واپس اپنے والد کی طرف روانہ کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا اپنا وعدہ نبھایا، اس میں نبی علیہ السلام نے ان کے اس فعل کی تعریف وتوصیف کی ہے(۱)۔

حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی اولاد کے ضمن میں تاریخ صرف ایک صاحب زادی کا ذکر کرتی ہے(۲)، امامۃ بنت ابوالعاص، جن کی والدہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔

یہ وہی امامہ ہیں جنہیں اٹھائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے، جس سے ان کی آپس کی محبت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے، صحیح بخاری وغیرہ کی روایت ہے، جو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي وهو حامل بنت زينب بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولأبي العاص بن الربيع، فإذا قام حملها، وإذا سجد وضعها؟......"(۳). (اللفظ للبخاري).

کہ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہما کو اٹھائے نماز پڑھا

---

(۱) سير أعلام النبلاء: ۱/۳۳۱.

(۲) یہ مشہور قول کے مطابق ہے۔ تاہم حاکم نے مستدرک (۳/۲۳۶) میں اور حافظ نے فتح الباری (۷/۸۵) اور عینی نے عمدہ القاری (۱۶/۲۳۰) میں ایک صاحب زادے کا بھی ذکر کیا ہے، جن کا نام علی تھا، یہ صغرسنی میں ہی انتقال کر گئے تھے، غالبًا اسی لیے ان کا ذکر عمومًا نہیں کیا جاتا، جب کہ حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کافی عرصہ زندہ رہیں، یہ اولاً حضرت علی بن ابی طالب کے نکاح میں تھیں، ان کی وفات کے بعد حضرت مغیرہ بن نوفل کے نکاح میں آئیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں ان کا انتقال ہوا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔(دیکھیے سير أعلام النبلاء: ۱/۳۳۵، والإصابة: ٤/۱۲۳).

(۳) الحديث أخرجه البخاري، أبواب سترة المصلي، باب إذا حمل جارية صغيرة على عنقه في الصلاة، رقم (۵۱٦)، وكتاب الأدب، باب رحمة الولد وتقبيله، رقم (۵۹۹٦)، ومسلم، كتاب المساجد، باب جواز حمل الصبيان......، رقم (۱۲۱۲-۱۲۱۵)، وأبوداود، كتاب الصلاة، باب العمل في الصلاة، رقم (۹۱۷-۹۲۰)، والنسائي، كتاب المساجد، باب إدخال الصبيان المساجد، رقم (۷۱۲)، وكتاب السهو، باب حمل الصبيان في الصلاة، ووضعهن في الصلاة، رقم (۱۲۰۵-۱۲۰٦).

کرتے، قیام کی حالت میں اٹھالیتے اور سجدے کے وقت زمین پر رکھ دیتے"(١)۔

حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے کتب ستہ میں کوئی حدیث منقول نہیں ہے(٢)۔

ان کا انتقال عہدِ صدیقی میں، ١٢ہجری، ماہِ ذوالحجہ میں ہوا(٣) رضي الله عنه وأرضاه.

وإني لست أحرم حلالا، ولا أحل حراما، ولكن والله، لاتجتمع بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم وبنت عدو الله أبدا

اور میں کسی حلال چیز کو حرام اور حرام کو حلال قرار نہیں دیتا، لیکن بخدا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں۔

حدیثِ باب کے الفاظ تو آپ نے ملاحظہ کیے، جب کہ کتاب النکاح میں یہ الفاظ آتے ہیں:

"فلا آذن، ثم لا آذن، ثم لا آذن، إلا أن يريد ابن أبي طالب أن يطلق ابنتي، وينكح ابنتهم"(٤).

کہ "میں اجازت نہیں دیتا، پھر نہیں دیتا، پھر نہیں دیتا، البتہ ایک صورت ہے، وہ یہ کہ علی ہماری صاحب زادی کو طلاق دے دیں اور ان کی لڑکی سے نکاح کرلیں"۔

اس روایت میں نبی اکرم ﷺ نے تین مرتبہ جو "لا آذن" فرمایا، وہ بطورِ تاکید تھا، نیز اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ ممانعت ہمیشہ کے لیے تھی، مبادا کوئی یہ سمجھ لے کہ یہ ممانعت عارضی ہے، کچھ دنوں کے لیے ہے، اس احتمال کو سرے سے ختم فرمانے کے لیے آپ ﷺ نے اپنی بات میں زور پیدا کیا اور تین مرتبہ مذکورہ بالا کلام ارشاد فرمایا(٥)۔

---

(١) سير أعلام النبلاء: ١/٣٣١.

(٢) علامہ نابلسی نے ان کی ایک روایت ذکر کی ہے، تاہم اس میں ان سے تسامح ہوا ہے، سنن نسائی کی جس روایت کا نابلسی رحمہ اللہ نے حوالہ دیا ہے وہ حضرت عثمان بن ابی العاص سے مروی ہے، نہ کہ ابوالعاص بن الربیع سے، دیکھیے ذخائر المواريث: ٣/٩٧، حرف العين، رقم (٧٣٤٧)، وسنن النسائي، كتاب الاستعاذة من الهرم، رقم (٥٤٨٩)، وتحفة الأشراف: ٧/٢٣٩ (٩٧٦٨)، عثمان بن أبي العاص رضي الله عنه.

(٣) الإصابة: ٤/١٢٣، وسير أعلام النبلاء: ١/٣٣٥، والطبقات الكبرى لابن سعد: ٢/١٨، ومنهم من أغرب في تاريخ وفاته (هو العلامة العيني)، وقال: إنه قتل يوم اليمامة.

(٤) صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب ذب الرجل عن ابنته في الغيرة والإنصاف، رقم (٥٢٣٠).

(٥) فتح الباري: ٩/٣٢٨.

اور جہاں تک نبی علیہ السلام کے ان الفاظ "إلا أن يريد ابن أبي طالب أن يطلق" کا تعلق ہے تو یہ غالباً اس امر پر محمول ہیں کہ کسی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چغلی لگائی ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کا عزمِ مصمم کر رکھا ہے، اس لیے فرمایا کہ فاطمہ کو طلاق دے کر ہی وہ یہ نکاح کر سکتے ہیں۔ ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے شخص سے یہ توقع کیونکر کی جاسکتی ہے کہ وہ نبی علیہ السلام کی ممانعت کے باوصف اس نکاح کا ارادہ رکھیں گے؟!(۱)

ممانعت کی وجہ کیا تھی؟

اوپر حدیث میں نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ نبی کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک شخص کے عقد میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ممانعت کی وجہ کیا تھی؟

ابن التین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کا صحیح ترین محمل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی اور ابوجہل کی بیٹی کے اجتماع کو حرام قرار دیا ہے، کیوں کہ آپ علیہ السلام نے خود اس کی علت بھی بیان فرمادی کہ اس سے مجھے اذیت اور تکلیف ہوگی، جب کہ یہ بات واضح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کے درپے ہونا بالاتفاق حرام ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک "لا أحرم حلالا" کے معنی یہ ہیں کہ ابوجہل کی بیٹی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے حلال ہے، وہ اس سے نکاح کر سکتے ہیں، لیکن فاطمہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں نہیں، کیونکہ ان دونوں خواتین کے درمیان جمع حضرت فاطمہ کی تکلیف کے سبب نبی علیہ السلام کی تکلیف کا سبب بنے گا۔ "ويؤذيني ما أذاها"(۲).

جب کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں شمار کیا ہے کہ کسی کے پاس آپ کی صاحب زادی کے ہوتے ہوئے وہ کسی دوسری خاتون سے نکاح نہیں کرسکتا۔

نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت ہو، حافظ فرماتے ہیں:

"والذي يظهر لي أنه لا يبعد أن يعد في خصائص النبي صلى الله عليه وسلم أن لايتزوج على بناته، ويحتمل أن يكون ذلك خاصا

---

(۱) حواله بالا.

(۲) حواله بالا، وعمدة القاري: ۱۵/۳۴، وشرح الكرماني: ۱۳/۸۸.

بفاطمة......"(١).

ایک سوال اوراس کا جواب

البتہ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اور داماد حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ بھی تھے، لیکن اپنی تقریر میں آپ علیہ السلام نے حضرت ابوالعاص بن الربیع کا ذکر کیا، ان کی تعریف وتوصیف فرمائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سمجھانے کے لیے انہیں کا حوالہ دیا اور حضرت عثمان کا تذکرہ نہیں کیا، اس کی کیا وجہ تھی؟

شراح نے اس کے مختلف جوابات ارشاد فرمائے ہیں:

۱- غالباً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوالعاص بن الربیع اور حضرت علی دونوں کے ساتھ یہ شرط ٹھہرائی تھی کہ وہ حضرت زینب وفاطمہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کریں گے، اول الذکر نے تو شرط کے موافق ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا، جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ اقدام کیا، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی تو تعریف وتوصیف فرمائی اور حضرت علی کو تنبیہ (۲)۔

۲- یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مذکورہ شرط بھول گئے ہوں، اس لیے یہ قدم اٹھایا ہو۔

۳- یا ایسی کوئی شرط تو نہیں تھی کہ اس کی تصریح کہیں نہیں ہے، لیکن اس کے باوصف مناسب یہی تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ اس امر کی رعایت رکھتے اور ایسا کوئی قدم نہ اٹھاتے جس سے حضرت فاطمہ اور نبی علیہ السلام کو تکلیف ہو، اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر عتاب بھی ہوا، جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت کم ہی کسی پر عتاب فرمایا کرتے تھے (۳)۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تخصیص ہی کیوں؟

لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس معاملے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تخصیص ہی کیوں کی گئی کہ ان کی موجودگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوسرے نکاح سے منع کر دیا گیا؟

---

(١) فتح الباري: ٣٢٩/٩، وتحفة الباري: ٥٤٠/٣، وإرشاد الساري: ٢٠١/٥.

(٢) فتح الباري: ٨٦/٧، وعمدة القاري: ٢٣١/١٦.

(٣) فتح الباري: ٨٦/٧.

اس کا جواب بھی حدیثِ باب میں موجود ہے، یعنی "وأنا اتخوف أن تفتن في دينها"، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت فاطمہ اپنی والدہ ماجدہ حضرت خدیجہ اور دیگر تینوں اخوات شقیقات زینب ورقیہ وام کلثوم رضی اللہ عنہن کے انتقال کر جانے کے بعد تنہا ہوگئی تھیں، ایسی کوئی ہستی ان کے لیے موجود نہیں تھی، جو انہیں تسلی دیتی، جس کے پاس جا کر یہ اپنا غم ہلکا کرتیں، کیونکہ یہ واضح بات ہے کہ سوکن کا وجود کوئی بھی خاتون برداشت نہیں کرسکتی، اس لیے اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو جاتی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے غیرت کی بنا پر کوئی ایسا فعل سرزد ہو جاتا جو حضرت علی کی ناراضگی کا سبب بنتا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ذاتی وگھریلو زندگی اور دینی امور بھی متاثر ہوتے، جب کہ کسی بھی خاتون کے لیے سب سے بڑی چیز اس کے خاوند کی رضامندی ہی ہوتی ہے، اس معاملے کی طرف چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر تھی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس نکاح سے روکا اور وہ بھی اطاعتِ نبوی میں رک گئے (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

ایک اشکال اور اس کے جوابات

یہاں ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خاطر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوسری شادی سے منع کیا کہ وہ غیرت میں آ کر کچھ بھی کرسکتی ہیں، لیکن اس اصول کو اپنے حوالے سے پیش نظر نہیں رکھا اور بہت سے نکاح کیے، وہ بھی بیک وقت، کہ ایک ہی وقت میں کئی امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن آپ علیہ السلام کے حرم میں موجود تھیں اور ان کے درمیان نوک جھونک کے واقعات بھی ہوتے رہتے تھے (۲)، لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان امہات المؤمنین کے حق میں اس امر کی رعایت نہیں رکھی، جس کی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے معاملے میں رکھی؟!

اس اشکال کے دو جوابات ہیں:

۱- جیسا کہ ابھی اوپر گزرا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حالت اس وقت یہ تھی کہ وہ ایسی کسی بھی ہستی سے محروم تھیں، جن کے سامنے وہ اپنا غم رکھتیں، ماں اور دیگر بہنیں انتقال کر چکی تھیں، اپنی ذات سے وحشت دور کرنے کا کوئی طریقہ نہیں تھا، برخلاف امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے، چنانچہ ان میں سے تقریباً ہر ایک کی

---

(۱) فتح الباري: ٩/٣٢٩، و: ٧/٨٦.

(۲) مثلاً سورہ تحریم میں بیان کردہ واقعۂ عسل، تفصیل کے لیے دیکھیے، كشف الباري، كتاب التفسير: ٦٨٤.

والدہ یا بہنیں موجود تھیں، جن کے سامنے کوئی واقعہ پیش آنے پر وہ اپنا غم ہلکا کر سکتی تھیں۔

۲- اس کے علاوہ ان کے شوہر وخاوند نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے، آپ ان کے ساتھ جس نرمی، تطبیب قلوب وغیرہ کا معاملہ رکھتے تھے وہ اور کسی کے بس کی بات نہیں، اسی لیے تمام ازواجِ مطہرات ان سے ہر حال میں راضی رہتی تھیں، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس حسنِ خلق اور ظاہری وباطنی خوب صورتی کا شاہ کار تھے، اس کی وجہ سے اگر کوئی واقعہ پیش آ بھی جاتا وہ آپ کی قربت کی وجہ سے زائل ہو جاتا تھا (۱)۔

اس پر سب سے واضح دلیل سورۃ احزاب میں بیان کردہ واقعہ ہے، جب آیات تخییر (۲) نازل ہوئیں اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو اختیار دیا گیا کہ یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کریں یا دنیا کی لذتوں کو تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا (۳)۔

دیکھیے! یہاں اختیار دیے جانے کے باوصف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی وفراق کو منتخب نہیں کر رہی ہیں، ظاہر ہے کہ وہ ان کے ساتھ ہر حال میں راضی تھیں، جب کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے معاملے میں وہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شکایت نبی علیہ السلام سے کر رہی ہیں۔ اسی لیے آپ نے منع فرمایا۔ واللہ اعلم بالصواب

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت واضح کرنے کے لیے تین مناسبتیں ذکر فرمائی ہیں:

۱- غالباً امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ترجمۃ الباب کے تحت اس حکایت ومکالمے کو اس لیے ذکر کر رہے ہیں

(۱) فتح الباري: ۳۲۹/۹.

(۲) آیات تخییر سے مراد یہ آیات ہیں:

﴿یا أیها النبي قل لأزواجك إن كنتن تردن الحیوة الدنیا وزینتها فتعالین أمتعكن وأسرحكن سراحا جمیلا، وإن كنتن تردن الله ورسوله والدار الآخرة فإن الله أعد للمحسنات منكن أجرا عظیما﴾.

[الأحزاب: ۲۸-۲۹]

(۳) تفصیلی واقعہ کے لیے دیکھیے، کشف الباري، كتاب النكاح، باب موعظة الرجل ابنته......: ۳۲۸-۳۳۸، كتاب التفسير: ۵۱۸-۵۱۹.

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس امر سے اجتناب واحتراز فرمایا کرتے تھے، جس کی وجہ سے رشتہ داروں کے درمیان کوئی رنجش وکدورت پیدا ہو۔ یہاں بھی حضرت مسور رضی اللہ عنہ، حضرت علی بن حسین سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ بھی اس سے احتراز واجتناب کریں اور یہ تلوار مجھے عنایت فرمائیں، تا کہ اس تلوار کی وجہ سے آپ کے اور آپ کے دیگر رشتہ داروں کے درمیان کوئی رنجش پیدا نہ ہو(۱)۔

۲-یا یہ مناسبت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح اپنے عبشمی بھائیوں کی رعایت رکھتے تھے، اسی طرح آپ بھی اپنے نوفلی بھائیوں کی رعایت رکھیں اور یہ تلوار مجھے عنایت فرمائیں، کیوں کہ حضرت مسور رضی اللہ عنہ نوفلی ہیں(۲)۔

لیکن علامہ کرمانی کی یہ آخری بات درست نہیں کہ وہ نوفلی ہیں، بلکہ وہ زہری ہیں(۳)۔

۳-یا یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دلجوئی کا خیال رکھتے تھے، اس کا اہتمام فرماتے تھے، اسی طرح میں بھی آپ کی دلجوئی کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ آپ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے ہیں، اس لیے آپ یہ تلوار مجھے دیجیے، کہ میں اس کی حفاظت کروں(۴)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی علامہ کرمانی کے حوالے سے ان تینوں مناسبات کو ذکر کیا ہے اور آخری مناسبت کو معتمد قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

"وهذا الأخير هو المعتمد، وما قبله ظاهر التكلف"(٥).

اور حافظ علیہ الرحمۃ نے خود بھی ترجمۃ الباب کے ساتھ اس حدیث کی مناسبت واضح کرنے کے لیے اسی تیسری مناسبت سے ملتا جلتا کلام ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں:

"والغرض منه ما دار بين المسور بن مخرمة وعلي بن الحسين في

---

(١) شرح الكرماني: ١٣/٨٨.

(٢) حواله بالا.

(٣) فتح الباري: ٦/٢١٤.

(٤) شرح الكرماني: ١٣/٨٨-٨٩.

(٥) فتح الباري: ٦/٢١٤.

أمر سيف النبي صلى الله عليه وسلم، وأراد المسور بذلك صيانة سيف النبي صلى الله غليه وسلم؛ لئلا يأخذه من لايعرف قدره"(۱).

لیکن یہاں دل کولگتی بات وہی ہے، جوعلامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس مختصر سے جملے میں کہی ہے:

"مطابقته لجزء الترجمة الذي هو قوله: وسيفه"(۲) کہ ترجمۃ الباب کے ساتھ اس حدیث کی مناسبت ترجمہ کے جزء "وسيفه" کے ساتھ ہے، اس حدیث میں بھی سیف النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے، جس میں وراثت جاری نہیں ہوئی تھی اور یہی قدر ترجمۃ الباب کے اثبات کے لیے کافی ہے۔

حدیث سے مستنبط فوائد

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں مختلف ومتنوع فوائد ونکات ہیں، جن کی طرف شراحِ حدیث نے نشان دہی کی ہے، ان میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

۱- اس حدیث سے ایک بات یہ مستفاد ہوئی کہ جس طرح نبی علیہ السلام کو تکلیف واذیت دینا حرام ہے، خواہ وہ اذیت قلیل ہو یا کثیر، اسی طرح ان لوگوں کی اذیت کے درپے ہونا بھی حرام ہے کہ جن کی تکلیف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تکلیف ہو، اس حدیث میں آپ نے جزماً فرمایا کہ جس چیز سے فاطمہ کو اذیت وتکلیف ہوگی اس سے مجھے بھی تکلیف واذیت ہوگی، "يؤذيني ما آذاها".

اب دیکھیے! اس حدیثِ صحیح کی رو سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ہر وہ شخص جس سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حق میں کوئی چیز صادر ہو اور اس سے ان کو تکلیف ہو تو اس سے نبی علیہ السلام کو بھی تکلیف ہوگی، پھر یہ سمجھیے کہ اس سے بڑی اور کیا اذیت وتکلیف دہی ہوگی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے کو قتل کر دیا جائے، اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس فعل سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے والد مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر تکلیف ہوئی ہوگی؟ اس کا نتیجہ بھی قاتلین حسین کو خوب ملا، دنیا میں تو وہ ذلیل ہوئے ہی، ولعذاب الآخرة أشد (وأبقى)(۳).

---

(۱) حواله بالا.

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۳۳.

(۳) فتح الباري: ۹/۳۲۹.

۲- فقہ کی ایک اصطلاح ہے، ''سد ذریعہ''، جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی فعل کے جائز ومباح ہوتے ہوئے بھی اس سے اس لیے روک دیا جائے کہ اس سے مستقبل میں کسی بڑے ضرر کا اندیشہ ہے۔ یہ حدیث ان لوگوں کی حجت ہے جو سد ذریعہ کے قائل ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک سے چار تک نکاح کرنا مرد کے لیے حلال وجائز ہے، اس سے زائد نہیں، اس کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوسرے نکاح سے منع کیا، کیونکہ اس کی وجہ سے مستقبل میں ضرر مرتب ہو رہا تھا، حافظ لکھتے ہیں:

"وفيه حجة لمن يقول بسد الذريعة؛ لأن تزويج ما زاد على الواحدة حلال للرجال مالم يجاوز الأربع، ومع ذلك فقد منع من ذلك في الحال؛ لما يترتب عليه من الضرر في المآل"(۱).

۳- اس حدیث سے یہ فائدہ بھی مستنبط ہوا کہ آباء واجداد کی عار وذلت ان کی پشتوں میں بھی منتقل ہوتی ہے، یا یہ کہیے کہ خون کا اثر بہر حال ہوتا ہے، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کی بیٹی کو "بنت عدو الله" فرمایا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو ممانعت فرمائی تھی، اس میں اس وصف کی بھی کوئی نہ کوئی تاثیر ضرور تھی، اگرچہ فی نفسہ وہ خاتون بہت اچھی مسلمان تھیں، لیکن "بنت عدو الله" ہونا ان کے لیے عار بن گیا(۲)۔

شریف مرتضیٰ اور حدیثِ مسور بن مخرمہ

مشہور شیعہ عالم شریف مرتضیٰ موسوی (۳) نے اپنی کتاب ''غرر'' میں حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ

---

(۱) حواله بالا، وفي الموسوعة: "ومعنى سد الذريعة: جسم مادة وسائل الفساد دفعا لها، إذا كان الفعل السالم من المفسدة وسيلة إلى مفسدة" (۲۷٦/۲٤) سد الذرائع.

(۲) حواله بالا.

(۳) یہ مشہور شیعی عالم ابو القاسم علی بن حسین بن موسیٰ بن محمد بن ابراہیم ہیں، ۳۵۵ھ میں ولادت ہوئی، نسلاً حسینی ہیں، شیعیت اور اعتزال دونوں کے قائل تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کتاب ''نہج البلاغہ'' کے جامع یہی ہیں، جو حقیقۃً ان کی اپنی تالیف ہے، لیکن اسے منسوب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف کر دیا گیا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

وهو المتهم بوضع كتاب نهج البلاغة......، ومن طالعه جزم بأنه مكذوب على أمير المؤمنين رضي الله عنه؛ ففيه: السب الصراح، والحط على السيدين: أبي بكر وعمر، رضي الله عنهما، وفيه من التناقض =

عنہ کی اس حدیث کو موضوع کہا ہے کہ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک قسم کی تنقیص ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت مسور رضی اللہ عنہ ہیں، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتے تھے، اسی لیے اپنے بغض کو ظاہر کرتے ہوئے انہوں نے یہ حدیث اور واقعہ اپنی طرف سے گھڑا ہے۔ نیز یہ روایت حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے (۱)۔ جو بغضِ علی میں مسور رضی اللہ عنہ سے بھی شدید تھے (۲)۔

لیکن ان کا یہ کلام باطل و مردود ہے، کیونکہ اصحاب صحاح اس حدیث کی تخریج پر بالاجماع متفق ہیں، اگر موضوع ہوتی تو یہ حضرات ہرگز اس کو اپنی ان کتابوں میں نقل نہ کرتے جن کی صحت پر امت کا اتفاق ہے (۳)۔

۲۹۴۴ : حدّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوقَةَ ، عَنْ مُنْذِرٍ ، عَنِ ٱبْنِ الحَنَفِيَّةِ[٤] قَالَ : لَوْ كانَ عَلِيٌّ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ ذَاكِرًا عُثْمانَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ ذَكَرَهُ يَوْمَ جاءَهُ نَاسٌ ، فَشَكَوْا سُعَاةَ عُثْمَانَ ، فَقَالَ لِي عَلِيٌّ : ٱذْهَبْ إِلَى عُثْمَانَ فَأَخْبِرْهُ : أَنَّهَا صَدَقَةُ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ : فَمُرْ سُعَاتَكَ يَعْمَلُونَ فِيهَا . فَأَتَيْتُهُ بِهَا : فَقَالَ : أَغْنِهَا عَنَّا ، فَأَتَيْتُ بِهَا عَلِيًّا فَأَخْبَرْتُهُ ، فَقَالَ : ضَعْهَا حَيْثُ أَخَذْتَهَا .

تراجمِ رجال

۱ – قتیبه بن سعید

یہ مشہور محدث قتیبہ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب إفشاء

= والأشياء الركيكة والعبارات التي من له معرفة بنفس القرشيين الصحابة وبنفس غيرهم ممن بعدهم من المتأخرين جزم بأن الكتاب أكثره باطل". ميزان الاعتدال: ۱۲٤/۲.

یہ بہت سی دیگر اور کتابوں کے مصنف بھی ہیں، ان کا انتقال ۴۳۶ھ میں ہوا۔

تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے، الأعلام للزركلي: ۲۷۸/٤، وميزان الاعتدال: ۱۲٤/۲، رقم (۵۸۲۷)، ولسان الميزان: ۵۲۹/۵، رقم (۵۳۷۵)، وتاريخ بغداد: ٤۰۲/۱۱.

(۱) انظر الجامع للترمذي، كتاب المناقب، باب ماجاء في فضل فاطمة رضي الله عنها، رقم (۳۸٦۹).

(۲) غرر القلائد و درر الفوائد نامی یہ کتاب تلاش بسیار کے باوجود ہمیں مل نہیں سکی۔

(۳) فتح الباري: ۸٦/۷، وعمدة القاري: ۲۳۱/۱٦.

(٤) قوله: "عن ابن الحنفية": الحديث، تفرد بتخريجه البخاري رحمه الله، وهو في هذا الباب فقط.

السلام......" کے تحت آچکا(۱)۔

۲- سفیان

یہ مشہور محدث حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا مختصر تذکرہ "بدء الوحي" کی پہلی حدیث کے تحت آچکا ہے(۲)۔

۳- محمد بن سوقه

یہ ابوبکر محمد بن سوقہ غنوی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۳)۔

٤- منذر

یہ ابویعلی منذر بن یعلی ثوری کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٥- ابن الحنفيه

یہ محمد بن علی بن ابی طالب ابن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تذکرہ کتاب العلم، "باب من استحيا فأمر غيره......" کے تحت گزر چکا ہے(۴)۔

٦- علی

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کتاب العلم، "باب کتابة العلم" میں آچکا(۵)۔

٧- عثمان

یہ حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ہیں(۶)۔

---

(١) كشف الباري: ١٨٩/٢.

(٢) كشف الباري: ٢٣٨/١، مفصل حالات کے لیے دیکھیے: ١٠٢/٣.

(٣) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب العیدین، باب مایکره من حمل السلاح في العيد والحرم.

(٤) كشف الباري: ٦٣٧/٤-٦٤٠.

(٥) كشف الباري: ١٤٩/٤.

(٦) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب الوضوء ثلاثاً ثلاثاً.

قال: لو كان علي رضي الله عنه ذاكرا عثمان رضي الله عنه ذكره يوم جاءه ناس فشكوا سعاة عثمان

محمد ابن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا تذکرہ نامناسب الفاظ میں کبھی کرتے تو اس دن ضرور کرتے جب کچھ لوگ ان کے پاس آئے اور ان کے سامنے حضرت عثمان کی طرف سے مقرر کردہ عاملین زکاۃ کی شکایت رکھی۔

حدیث کا پس منظر

امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مصنف میں اس روایت کو محمد بن سوقہ سے ایک اور طریق سے بھی نقل کیا ہے، اس میں آیا ہے، منذر بن یعلی فرماتے ہیں:

”كنا عند ابن الحنفية، فنال بعض القوم من عثمان، فقال: مه، فقلنا له: أكان أبوك يسبُّ عثمان؟ فقال: ما سبه، ولو سبه يوما لسبه يوم جئته......“(۱).

کہ ”ہم لوگ محمد ابن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے تھے کہ مجلس میں سے کسی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی نامناسب بات کہی۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ، تو ہم نے کہا کہ کیا آپ کے والد حضرت علی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کو برا بھلا کہتے تھے؟ محمد ابن الحنفیہ نے کہا میرے والد نے ان کو کبھی برا بھلا نہیں کہا، اگر وہ کبھی کہتے بھی تو اس دن کہتے جب میں ان کے پاس آیا......۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیثِ باب میں ذکر سے مراد ذکر بالسوء ہے، چنانچہ حدیث کے بعض طرق میں اس کا ذکر موجود ہے، یعنی ”ذاكرا عثمان بسوء......“(۱).

پھر یہ سمجھو کہ حدیث میں ناس اور سعاۃ مطلق ہیں، جس سے یہ تعیین نہیں ہوسکتی کہ شکایت کرنے والے

---

(۱) المصنف لابن أبي شيبة: ۳۲٦/۲۱، كتاب الفتن، باب ماذكر في عثمان ......، رقم (۳۸۸٦۲).

(۲) فتح الباري: ۲۱٤/٦، نیز دیکھیے، عمدة القاري: ۳٤/۱٥، وابن بطال: ۲٦۷/٥، والقسطلاني: ۲۰۱/٥، وكشف المشكل من حديث الصحيحين: ۱٤۰/۱، مسند أبي الحسن، ومسند الإمام أحمد: ۳۹٥/۱، رقم (۱۱۹٦) مسند علي......

کون لوگ تھے، نہ اس امر کو متعین کیا جا سکتا ہے کہ کس عامل کی شکایت کی گئی تھی، اسی لیے حافظ لکھتے ہیں:

"لم أقف على تعيين الشاكي، ولا المشكو"(١).

اور سُعاۃ جمع ہے ساعِ کی، عامل زکاۃ کو کہتے ہیں، جو مال داروں سے زکاۃ وصول کر کے امام وقت تک پہنچاتا ہے(۲)۔

فقال لي علي: اذهب إلى عثمان، فأخبره أنها صدقة رسول الله ﷺ، فمر سعاتك يعملون فيها

تو مجھ سے علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ، انہیں یہ بتلاؤ کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقات (کی کتاب) ہے، چنانچہ آپ اپنے عاملین کو یہ کہلا بھیجیے کہ اس پر عمل کریں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جو چیز بھجوائی تھی، وہ غالباً کوئی کتاب یا صحیفہ تھا، چنانچہ باب کی اگلی روایت میں "خذ هذا الكتاب" کے الفاظ بھی ہیں، نیز یہ بھی ہے "فإن فيه أمر النبي صلى الله عليه وسلم في الصدقة" اور ابن ابی شیبہ(۳) کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: "خذ كتاب السعاة، فاذهب به إلى عثمان"(٤).

فأتيته بها، فقال: أغنها عنا

تو وہ صحیفہ لے کر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انہوں نے فرمایا کہ اس کو مجھ سے دور رکھو۔

أغنها کی لغوی وصرفی تحقیق

یہ باب افعال سے امر حاضر معروف کا صیغہ ہے، ضمیر مفعول کی ہے، أغنى عن كذا کے معنی پھیرنے کے ہیں، کہا جاتا ہے أغن وجهك عني، أي: اصرفه. اسی کے مثل قول باری تعالی ہے: ﴿لكل امرئ

(١) فتح الباري: ٢١٥/٦.

(٢) حواله بالا، وعمدة القاري: ٣٤/١٥.

(٣) المصنف لابن أبي شيبة: ٣٢٦/٢١، كتاب الفتن، باب ما ذكر في عثمان ......، رقم (٣٨٨٦٢).

(٤) فتح الباري: ٢١٥/٦، وعمدة القاري: ٣٤/١٥، وأعلام الحديث للخطابي: ١٤٤٣/٢.

منهم يومئذ شان يغنيه﴾(١) أي: يصده ويصرفه عن غيره(٢).

اس کلمے کے ضبط میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مجرد کے باب سمع سے امرِ حاضر کا صیغہ ہے، اس کے معنی ترک واعراض اور بے نیاز ہونے کے ہیں۔ ابن الانباری نحوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی سے مشتق اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿وتولوا واستغنى الله﴾ المعنى تركهم. کیونکہ جب کوئی شخص کسی چیز سے استغنا ظاہر کرتا ہے تو اسے ترک کردیتا ہے۔

قال الخطابي رحمه الله: "وقوله: "أغنها عنا": كلمة معناها: الترك والإعراض.

قال ابن الأنباري: "ومن هذا قوله سبحانه: ﴿فكفروا وتولوا واستغنى الله﴾(٣) المعنى تركهم؛ لأن كل من استغنى عن شيء تركه"(٤).

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس صحیفہ سے اعراض کیوں فرمایا؟

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے محمد ابن الحنفیۃ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ کیوں فرمایا: "أغنها عنا" اور اس صحیفے یا کتاب صدقات سے اعراض کیوں کیا، جب کہ اوپر یہ تصریح آچکی ہے کہ وہ صحیفہ نبی علیہ السلام کا مرتب کردہ تھا؟

علامہ داوٗدی اور ابن بطال رحمہما اللہ اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ ان کے پاس اس کی نظیر موجود تھی۔ آپ اس سے ناواقف و بےخبر بھی نہ تھے، بلکہ اس کے مندرجات سے بخوبی واقف تھے، نیز اپنے عاملین سے اس پر عمل بھی کروایا کرتے تھے، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقصد ارسال کردہ صحیفے کو رد کرنا نہیں تھا، البتہ آپ یہ کہنا چاہتے تھے کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے اور یہ کوئی بعید از عقل بات بھی نہیں، دوسرا پہلو جو مراد لیا جارہا ہے، اس کی ان سے توقع کی ہی نہیں کی جاسکتی کہ آپ نے استخفافاً رد کردیا ہو۔

---

(١) عبس/٣٧.

(٢) فتح الباري: ٦/٢١٥، وعمدة القاري: ١٥/٣٤.

(٣) التغابن/٦.

(٤) أعلام الحديث: ٢/١٤٤٣-١٤٤٤، وعمدة القاري: ١٥/٣٤، وفتح الباري: ٦/٢١٥.

"وأما رد الصحيفة وقوله: "أغنها عنا" فذلك؛ لأنه كان عنده نظير منها، ولم يجهلها، لا أنه ردها، وليس عنده علم منها، ولأنه قد كان أمر بها سعاته، فلا يجوز على عثمان غير هذا"(۱).

یہی بات ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ان کے بعض شاگردوں نے نقل کی ہے(۲)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں مزید احتمالات بھی ذکر کیے ہیں:

۱- ہوسکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مذکورہ صحیفہ اس لیے رد فرمایا ہو کہ ان کے عاملین پر جو الزام لگایا گیا تھا وہ ان کے نزدیک ثابت ہی نہ ہوا ہو۔

۲- الزام تو ثابت ہو گیا تھا، لیکن تدبیر اس امر کی متقاضی ہوئی کہ کچھ تاخیر سے کارروائی کی جائے۔

۳- حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو اعتراض کیا تھا، ممکن ہے اس کا تعلق مستحبات سے ہو، نہ کہ واجبات سے، غالباً یہی وجہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عذر قبول فرمالیا اور ان کی شان میں کوئی نامناسب بات نہیں کی(۳)۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت شیخ الحدیث صاحب کی رائے

یہ تو ان حضرات کی رائے ہوئی، یعنی ابن عیینہ، ابن بطال، داوٗدی، عینی، ابن حجر، قسطلانی اور گنگوہی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ۔ لیکن شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب سے ہٹ کر ایک اور بات ارشاد فرمائی ہے۔ وہ یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صدقات کے سلسلے میں کتاب ابی بکر پر عمل کرتے تھے، اسی لیے آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کے صحیفے سے متعلق یہ فرمایا کہ اس کی ہمیں ضرورت نہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ صدقات کے

---

(۱) شرح ابن بطال: ۲٦٧/٥، وعمدة القاري: ٣٤/١٥، وشرح القسطلاني: ٢٠١/٥

(۲) الجمع بين الصحيحين للحميدي: ١٦٦/١، رقم (١٣٩)، أفراد البخاري ...... عن علي رضي الله عنه، وتاريخ مدينة دمشق: ٢٦٦/٣٩، ذكر من اسمه عثمان، وفتح الباري: ٢١٥/٦.

وقال الكنكوهي رحمه الله: "قوله: "أغنها عنا" لأنا إنما نعمل بها، لاغير".وقال الكاندهلوي رحمه الله: "يعني عملنا موافق لهذه الصحيفة، فلا حاجة لنا إليها". لامع الدراري وتعليقاته: ٢٩١/٧.

(۳) فتح الباري: ٢١٥/٦.

سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تین قسم کے صحیفے منقول ہیں: ۱-صحیفہ ابی بکر، ۲-صحیفہ عمر اور ۳-صحیفہ آل عمرو بن حزم رضی اللہ عنہم (۱)۔

علامہ زُرقانی رحمۃ اللہ علیہ شرح المواہب میں فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف شرائع واحکام سے متعلق کچھ صحیفے تیار کروائے تھے۔ ان میں سے ایک کتاب الصدقات تھی، جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس تھی، آپ نے جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بحرین کا والی بنا کر بھیجا تو اس کا ایک نسخہ ان کو بھی دیا...... (۲)۔ ان میں سے دوسرا صحیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا (۳)۔ واضح ہو کہ یہ وہ صحیفہ نہیں جو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انس رضی اللہ عنہ کو دیا، ان دونوں کتابوں کے درمیان جو الفاظ کی مغایرت ہے، اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں صحیفے ایک نہیں، بلکہ الگ الگ ہیں۔

جہاں تک ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب الصدقہ تیار کی، لیکن عمال حکومت کو وہ صحیفہ نہیں دکھایا اور اس کو اپنی تلوار سے باندھے رکھا، یہاں تک کہ آپ کا انتقال ہو گیا، آپ

---

(۱) قال ابن العربي في كتابه "المسالك شرح مؤطا مالك": "ثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم في الماشية ثلاث كتب: كتاب أبي بكر، وكتاب آل عمرو بن حزم، وكتاب عمر بن الخطاب، وعليه عول مالك......".
انظر الأوجز: ٦٥٢/٥، وتعليقات لامع الدراري: ٢٩٨/٧.

(٢) الحديث أخرجه البخاري في صحيحه، كتاب الزكاة، باب العرض في الزكاة، رقم (١٤٤٨)، وباب لا يجمع بين متفرق......، رقم (١٤٥٠)، وباب ما كان من خليطين......، رقم (١٤٥١)، وباب من بلغت عنده صدقة......، رقم (١٤٥٣)، وباب زكاة الغنم، رقم (١٤٥٤)، وباب لا تؤخذ في الصدقة هرمة......، رقم (١٤٥٥)، وكتاب الشركة، باب ما كان من خليطين......، رقم (٢٤٨٧)، وكتاب فرض الخمس، باب ما ذكر من درع النبي صلى الله عليه وسلم......، رقم (٣١٠٦)، وكتاب اللباس، باب هل يجعل نقش الخاتم......؟ رقم (٥٨٧٨)، وكتاب الحيل، باب في الزكاة......، رقم (٦٩٥٥)، وأبوداود في سننه، كتاب الزكاة، باب في زكاة السائمة، رقم (١٥٦٧)، والنسائي، كتاب الزكاة، باب زكاة الإبل، رقم (٢٤٤٩)، وابن ماجه، كتاب الزكاة، باب إذا أخذ المصدق سنا دون سن، رقم (١٨٠٠).

(٣) والحديث عند مالك في المؤطا، كتاب الزكاة، باب صدقة الماشية، رقم (٦٥٩/٢٣)، وأبي داود في سننه، كتاب الزكاة، باب زكاة السائمة، رقم (١٥٧٠)، والترمذي في جامعه، كتاب الزكاة، باب ماجاء في زكاة الإبل والغنم، رقم (٦٢١).

کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تامدت خلافت اس پر عمل جاری رکھا، ان کے بعد عمر رضی اللہ عنہ تاحیات اس پر عمل پیرا رہے"(۱)۔ تو اس روایت سے ان دونوں صحیفوں (صدیقی وعمری) کا ایک ہونا لازم نہیں آتا(۲)۔

لیکن شیخ الحدیث کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ زرقانی کے کلام کے آخری حصے کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صحیفہ ابی بکر وعمر دونوں کے بعض مقامات میں موجود اختلاف اس امر سے مانع نہیں کہ ان پر عمل ممکن نہ ہو۔ شاید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کے مطابق عمل اس لیے کرتے تھے کہ شیخین کا عمل بھی اس پر تھا اور ان کی یہ عادت معروف ہی ہے کہ وہ عمل شیخین کو ترجیح دیا کرتے اور ان کی رائے پر چلنا بہتر جانتے تھے(۳)۔

فأتيت بها عليا، فأخبرته، فقال: ضعها حيث أخذتها

تو میں اس کو لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لوٹ آیا اور انہیں تفصیل بتلائی تو انہوں نے فرمایا کہ یہ صحیفہ جہاں سے لیا تھا، وہیں رکھ دو۔

حدیث سے مستنبط ایک فائدہ

امام ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ مستفاد ہوا کہ امراء وولاۃ امور کو نصیحت کرتے رہنا چاہیے، ان کے ماتحت افراد میں اگر کسی قسم کا کوئی فساد ہو تو اس کو ان کے سامنے واضح کر دینا چاہیے اور امام وقت کو بھی ان سے متعلقہ شکایات کی تحقیق وتفتیش کروانی چاہیے(۴)۔

قَالَ الْحُمَيْدِيُّ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُوقَةَ قَالَ : سَمِعْتُ مُنْذِرًا الثَّوْرِيَّ ، عَنِ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ(۵) قَالَ : أَرْسَلَنِي أَبِي : خُذْ هٰذَا الْكِتَابَ فَاذْهَبْ بِهِ إِلَى عُثْمَانَ ، فَإِنَّ فِيهِ أَمْرَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الصَّدَقَةِ .

---

(۱) أخرجه الترمذي، كتاب الزكاة، باب في زكاة الإبل والغنم، رقم (٦٢١)، وأبوداود، كتاب الزكاة، باب زكاة السائمة، رقم (١٥٦٨-١٥٦٩)، وابن ماجه، كتاب الزكاة، باب صدقة الإبل، رقم (١٧٩٨).

(۲) شرح المواهب تعليقات لامع الدراري: ٢٩٨/٧.

(۳) تعليقات لامع الدراري: ٢٩٨/٧.

(٤) فتح الباري: ٢١٥/٦.

(۵) امام حمیدی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کشف الباری، بدء الوحي: (۲۳۷/۱)، میں گزر چکے ہیں۔ جب کہ دیگر حضرات رواۃ کے تراجم کی نشاندہی گذشتہ سند میں کر دی گئی ہے۔

مذکورہ تعلیق کا مقصد

امام حمیدی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ہیں، آپ نے فقہ وحدیث دونوں میں ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ہے، قتیبہ بن سعید کی روایت ذکر کرنے کے بعد انہوں نے تعلیقاً امام حمیدی کی روایت بھی نقل کی، اس کی وجہ ومقصد یہ ہے کہ حمیدی علیہ الرحمۃ کی روایت میں بہ نسبت قتیبہ کی روایت کے سفیان بن عیینہ تحدیث کی صراحت کررہے ہیں۔

اسی طرح اس میں محمد بن سوقہ بھی منذر بن یعلی سے سماع کی صراحت کررہے ہیں (۱)۔

تعلیق مذکور کی تخریج

امام حمیدی کی یہ تعلیق ان کی تالیف ''کتاب النوادر'' میں موصولاً اسی سند کے ساتھ موجود ہے (۲)۔

مذکورہ صحیفہ کا مضمون کیا تھا؟

حدیث باب کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دو طرق سے موصولاً وتعلیقاً نقل کیا ہے، لیکن اس میں مذکور صحیفے کا مضمون ذکر نہیں کیا کہ اس میں کیا لکھا تھا، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس حدیث کے کسی طریق میں صحیفے کا کیا مضمون تھا، اس کی اطلاع نہیں ہوسکی، البتہ امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے ''غریب الحدیث'' میں عطیہ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما کے طریق سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ:

"بعث علي إلى عثمان بصحيفة، فيها: لا تأخذوا الصدقة من الزخة، ولا من النخة" (۳).

یعنی: ''حضرت علی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کو ایک صحیفہ بھیجا، جس کا مضمون

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢١٥، وإرشاد الساري: ٥/٢٠١.

(۲) فتح الباري: ٦/٢١٥، وتغليق التعليق: ٣/٤٦٩.

(۳) غريب الحديث: ٢/١٧٦-١٧٧، حديث ابن عمر رضي الله عنه، وتلخيص الحبير: ٢/١٥٦، رقم (٨٢٠)، كتاب الزكاة، باب زكاة النعم، الشرط الثالث: الحول، ولسان العرب: ٣/٢١، مادة "زخخ"، وفيه عثمان بن حنيف غير عثمان بن عفان.

یہ تھا کہ زکاۃ میں بکری کے بچے اور اونٹ کے بچے نہ لینا''۔

اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے، لیکن اس مضمون کا احتمال ہوسکتا ہے(۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

اس حدیث کے دونوں طرق کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت اس جملے میں ہے: "فأخبره أنها صدقة رسول الله صلي الله عليه وسلم" وہ اس طرح کہ یہاں صدقہ رسول اللہ سے مراد وہ صحیفہ ہے، جس میں احکام صدقات تھے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں ایک جملہ "وما استعمل الخلفاء بعده" بھی ذکر کیا ہے، اس جملے کے ساتھ اس حدیث کی مناسبت ہوگی کہ اس صحیفے کو بعد کے خلفاء نے اپنے استعمال میں رکھا اور اس کے مندرجات پر عمل پیرا ہوئے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں:

"مطابقته للترجمة يمكن أن تؤخذ من قوله: "فأخبره أنها صدقة رسول اللهﷺ"، وأراد به الصحيفة التي كانت فيها أحكام الصدقات، ويكون هذا مطابقا لقوله في الترجمة: وما استعمل الخلفاء بعده"(۲).

ترجمۃ الباب کے ساتھ متعلق ایک بحث

امام بخاری رحمہ اللہ نے جو ترجمہ ذکر کیا، وہ نو اجزاء پر مشتمل ہے، یعنی درع، عصا، سیف، قدح، خاتم، وما استعمال الخلفاء بعدہ من ذلک، شعر، نعل اور آنیۃ۔ جب کہ ترجمہ کے تحت ذکر کردہ احادیث کی تعداد چھ ہے، پہلی میں خاتم کا، دوسری میں نعل کا، تیسری میں کسائے ملبد کا، چوتھی میں پیالے کا، پانچویں میں سیف کا اور چھٹی میں صحیفہ کا ذکر ہے۔ مذکورہ بالا چھ احادیث کی ترجمہ کے ساتھ مناسبت کیونکر ہے وہ پیچھے ہم بیان کرآئے ہیں۔

لیکن چار چیزوں یعنی درع، عصا، شعر اور آنیۃ کی مطابقت ترجمہ سے کیسے ہوگی، یہ مذکور نہیں، نہ ان سے متعلق کوئی حدیث مصنف نے ذکر کی۔ اس کے دو جواب ہیں:

---

(۱) فتح الباري: ۲۱۵/۶. یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت علی نے جو صحیفہ بھیجا تھا، اس کا مضمون صحیفہ صدیقی وعمری والا ہو، جو اُن کے پاس پہلے سے موجود تھا۔ کما مر عن شیخ الحدیث رحمه الله آنفاً.

(۲) عمدة القاري: ۳٤/۱۵.

۱- ان اشیاء سے متعلق حدیثیں تو ان کے پیش نظر تھیں، لیکن اتفاق سے باب کے تحت وہ ذکر نہیں کر پائے۔

۲- مصنف کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ وہ بعض اوقات ترجمہ میں کوئی چیز ذکر کرکے اس کے تحت متعلقہ حدیث نہیں لاتے، بلکہ اور کسی مقام کی طرف اشارہ فرما دیتے ہیں، جو اہلِ علم سے مخفی نہیں ہوتا تو یہاں بھی یہی معاملہ ہے۔

اب تفصیل سنیے!

❶ درع (ذرہ) سے متعلق حدیث انہوں نے بیوع وغیرہ میں ذکر کی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، "توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم ودرعه مرهونة عند يهودي"(۱).

کہ "نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت ان کی ذرہ ایک یہودی کے پاس بطور رہن رکھی تھی۔"

❷ عصا سے متعلق حدیث مصنف علیہ الرحمۃ نے کتاب الحج میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما نقل کی ہے، "طاف النبي صلى الله عليه وسلم في حجة الوداع على بعير، يستلم الركن بمحجن"(۲).

اسی طرح آگے کتاب التفسیر میں بھی ایک حدیث بروایت علی رضی اللہ عنہ ذکر فرمائی ہے(۳)، جس میں ایک مخصرہ (چھڑی) کا تذکرہ آیا ہے(۴)۔

❸ شعر سے متعلق حدیث وہ ہے جو کتاب الطہارہ میں گذری، ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "عندنا من شعر النبي صلى الله عليه وسلم، أصبناه من قبل أنس"(۵).

---

(۱) انظر صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، ماقيل في درع النبي ......، رقم (۲۹۱٦).

(۲) صحيح البخاري، كتاب الحج، باب استلام الركن بالمحجن، رقم (۱٦۰۷).

(۳) صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله: ﴿وكذب بالحسنى﴾، رقم (٤۹٤۸).

(٤) قال العيني في العمدة: (۱۵/۳۱): "وأما عصاه فقد ذكروا أنه كانت له مخصرة، تسمى العرجون، وهي كالقضيب، يستعملها الأشراف للتشاغل بها في أيديهم، ويحكون بها ما بعد من البدن عن اليد، وكان له قضيب من شوحط يسمى الممشوق، وكان له عسيب من جريد النخل".

(۵) صحيح البخاري، كتاب الطهارة، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان، رقم (۱۷۰).

④ جہاں تک آنیہ (برتن) کا تعلق ہے تو حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ قدح کے بعد اس کا ذکر عطف العام علی الخاص کے قبیل سے ہے اور باب کے تحت برتنوں میں سے انہوں نے صرف قدح کا ذکر کیا ہے اور یہی کافی ہے، کیوں کہ اس سے دوسرے برتنوں کی طرف بھی دلالت ہوتی ہے (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

٦ – باب: اَلدَّلِيلِ عَلَى أَنَّ الخُمُسَ لِنَوَائِبِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَالْمَسَاكِينِ: وَإِيثَارِ النَّبِيِّ ﷺ أَهْلَ الصُّفَّةِ وَالْأَرَامِلَ: حِينَ سَأَلَتْهُ فاطِمَةُ وَشَكَتْ إِلَيْهِ الطَّحْنَ وَالرَّحَى: أَنْ يُخْدِمَهَا مِنَ السَّبْيِ: فَوَكَلَهَا إِلَى اللّٰهِ.

ترجمۃ الباب کی نحوی تحلیل ومفہوم

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ کہا ہے کہ "هذا باب في بيان الدليل......" جس کا مقصد یہ ہے کہ یہاں مبتدا محذوف ہے، جو ہذا اسم اشارہ ہے، پھر المساکین اور ایثار النبی کا عطف نوائب پر ہے اور اہل الصفۃ والأرامل ایثار مصدر کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے حالت نصبی میں ہے، علاوہ ازیں حین..... ظرف ہے ایثار مصدر کے لیے اور جملہ "أن يخدمها" بتاویل مصدر مفعول ثانی ہے سألتہ فعل کے لیے (۲)۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ہذا محذوف مبتدا ہے اور باقی عبارت خبر۔

جب کہ علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ الدلیل..... مبتدا ہے اور حين سألته جملہ خبر ہے، جس کے لیے تقدیری عبارت نکالی جائے گی، یعنی مافعلہ (۳) باقی تفصیل حسب سابق ہے، ان کے مطابق عبارت یوں ہوگی، "الدليل على ...... مافعله حين سألته فاطمة......" اور ترجمۃ الباب کی عبارت کا مفہوم

(۱) فتح الباري: ٦/٢١٣. وقال العيني في العمدة (١٥/٣١):

"وأما آنيته فكثيرة، ذكرها أصحاب السير، منها: قدر من حجارة، يدعى المخضب، يتوضأ فيه، ومخضب آخر من شبه، يكون فيه الحناء والكتم، يضع على رأسه إذا وجد فيه حرا، وكان له مغسل من صفر، وكانت له ركوة، تسمى الصادرة، وكان له طست من نحاس، وقدح من زجاج، وكانت له جفنة عظيمة يطعم فيها الناس، يحملها أربعة رجال، تسمى الغداء......".

وكذا انظر مجمع الزوائد: ٥/٢٧٢، كتاب الجهاد، باب آلات الحرب......

(۲) عمدة القاري: ١٥/٣٥.

(۳) حاشية السندي على البخاري: ١/٤٣٩، وتعليقات اللامع: ٧/٢٩٨-٢٩٩.

یہ ہوگا:

خمس کا مصرف نوائب رسول اللہ، مساکین وغیرہ ہیں، اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے گھر کے کام کاج کے لیے خادم کا مطالبہ کیا تو آپ علیہ السلام نے ان پر اہلِ صفہ وغیرہ کو ترجیح دی اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیا۔

ترجمۃ الباب کی لغوی تحقیق

ترجمۃ الباب میں مذکور بعض الفاظ کی توضیح درج ذیل ہے:-

❶ نوائب: یہ نائبة کی جمع ہے،"وهي ما كانت تنوبه"، یعنی مختلف امور وحوادث جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آتے تھے۔

❷ الأرامل: یہ أرمل کی جمع ہے، اس آدمی کو کہتے ہیں جس کی بیوی نہ ہو اور أرملة اس عورت کو کہتے ہیں جس کا شوہر نہ ہو، یہاں أرامل سے مراد دونوں ہیں، جب کہ فقراء ہوں (۱)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خمس کا مصرف بتلایا ہے اور اس سلسلے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اختیار کیا ہے، جو اس امر کے قائل ہیں کہ خمس میں حاکم وقت کو اختیار ہے کہ خمس کو اپنی مرضی سے جہاں اور جتنا چاہے خرچ کرے۔ مسئلہ کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

خمس کن لوگوں کو دیا جائے گا؟

علمائے اسلام کا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ غنیمت کے پانچ حصے کیے جائیں گے، جن میں چار حصے غانمین کے ہوں گے، یعنی جو لوگ غزوہ میں شریک تھے۔ ایک حصہ جو خمس کہلاتا ہے، اس میں اختلاف ہے کہ اس کا مستحق کون لوگ ہوں گے اور اس کو کہاں خرچ کیا جائے گا۔ تفصیلِ مذاہب حسبِ ذیل ہے:

❶ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ خمس کے تین حصے کیے جائیں گے، ایک حصہ یتامیٰ کا ہوگا، ایک حصہ مساکین کا اور ایک ابن السبیل کا۔ البتہ ابن السبیل کے تحت فقرائے ذوی القربیٰ بھی داخل ہیں اور اس معاملے میں ان کو ترجیح

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۳۵، وشرح القسطلاني: ۵/۲۰۲.

دی جائے گی اور ذوی القربی میں جو اغنیاء ہوں گے ان کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ امام وقت اس تقسیم میں خود مختار ہوگا کہ کسی کو دے یا نہ دے۔

ذوی القربی میں قرابت سے مراد قرابتِ رسول ہے، یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار وغیرہ۔

یہ خلفائے راشدین کا مذہب بھی ہے(۱)۔

❷ شوافع وحنابلہ یہ کہتے ہیں کہ خمس کے پانچ حصے ہوں گے، جو اِن لوگوں پر تقسیم ہوں گے: یتامیٰ، مساکین، ابن السبیل، ذوی القربی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اب چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے تو ان کا حصہ مصالح مسلمین اور اسلحہ وغیرہ کی خریداری پر صَرف ہوگا۔

پھر ان حضرات کے ہاں ذوی القربی میں فقراء کی کوئی تخصیص نہیں، اغنیائے ذوی القربی بھی اسی سہم کے مستحق ہوں گے(۲)۔

ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ یہی مذہب عطاء، مجاہد، شعبی، نخعی، قتادہ اور ابن جریج رحمہم اللہ وغیرہ کا بھی ہے(۳)۔

❸ مالکیہ کے نزدیک خمس، جزیہ، فيء، عشور اور خراج وغیرہ سب کا محل بیت المال ہے، امام وقت اپنی صواب دید کے مطابق اس کو مسلمانوں کے مصالح پر خرچ کرے گا، لیکن اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان یعنی بنو ہاشم کو ترجیح دی جائے گی اور ان کو بہت وافر مقدار اس میں سے عطا کیا جائے گا، کہ وہ زکوۃ کا مال نہیں لے سکتے،

---

(۱) أحكام القرآن للرازي: ۸۲/۳، وإعلاء السنن: ۲۱۰/۱۲، والأوجز: ۲۸۲/۹، والدر المختار: ۲۵۸/۳، والهداية: ۲٤۰/٤، وفتح القدير لابن الهمام: ۲٤۳/٥، وروح المعاني: ۲۸۰/۱۰-۲۸۳، سورة الأنفال.

اس مسئلے میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ بھی احناف کے ہم نوا ہیں، انہوں نے اپنی سنن میں مختلف روایات نقل کرنے کے بعد یہ کلمات ارشاد فرمائے ہیں:

"وسهم لذي القربى، وهم بنو هاشم، وبنو المطلب، بينهم الغني منهم والفقير، وقد قيل: إنه للفقير منهم دون الغني، كاليتامى وابن السبيل، وهو أشبه القولين بالصواب عندي، والله أعلم".

راجع السنن الصغرى: أول كتاب قسم الفيء، تحت رقم (٤١٥٢)، والسنن الكبرى: ٤٨/٣، كتاب الخمس، تفريق الخمس......، قبل رقم (٤٤٥٠).

(۲) المغني لابن قدامة: ۳۱٤/٦، وكتاب الأم: ۱٤٧/٤/۲، قسم الفيء، سن تفريق القسم، رقم (۱۲۷۹۳).

(۳) المغني: ۳۱٤/٦، كتاب الزكاة، باب قسمة الفيء والغنيمة والصدقة، رقم (٥٠٧٩)، الفصل الرابع.

پھر عام مسلمانوں کے مختلف مصالح میں اس کو صَرف کیا جائے گا، جیسے مساجد، پلوں اور غزوات وغیرہ(۱)۔

ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فعند مالك الأمر مفوض إلى رأي الإمام، إن شاء قسم بينهم، وإن شاء أعطى بعضهم دون بعض، وإن شاء أعطى غيرهم، إن كان أمر غيرهم أهمَّ من أمرهم"(۲).

یہ تو ائمہ اربعہ کے مذاہب کا بیان تھا، اس مسئلے میں دیگر مذاہب بھی ہیں، جن کی تعداد حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے بقول سات (۳) اور حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق گیارہ ہے (۴)۔ جن میں بعض کی طرف آگے اشارہ بھی ہوگا۔

ماخذ مذاہب

اس مسئلے میں ائمہ کرام آیت کریمہ ﴿واعلموا أنما غنمتم من شيء فأن لله خمسه وللرسول ولذي القربى واليتمىٰ والمساكين وابن السبيل﴾(۵) کو بطور ماخذ کے لیتے ہیں، یہی آیت کریمہ اختلاف مذاہب کی اصل بھی ہے، اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسرین وفقہائے ملت کا اختلاف ہے، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

آیت کریمہ میں لفظ "اللہ" کے معنی

پہلا اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ آیتِ کریمہ میں لفظ "اللہ" کا کیا موقع ہے، اللہ تعالیٰ کو سہم دینے کی کیا صورت ہوگی؟

اس سلسلے میں پہلا قول ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، وہ یہ فرماتے ہیں کہ خمس کے چھ حصے کیے جائیں

---

(۱) الشرح الكبير مع حاشية الدسوقي: ۲/۵۰۱-۵۰۲، والأوجز: ۹/۲۸۵، والمغني: ۶/۳۱۵.

(۲) فتح القدير: ۵/۲۴۳.

(۳) فتح الباري: ۶/۲۳۸.

(۴) الأوجز: ۹/۲۷۷-۲۸۲.

(۵) الأنفال: ۴۱.

گے، کہ آیت کریمہ میں مصارف خمس چھے بیان کیے گئے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ذوو القربی، یتامی، مساکین اور ابن السبیل۔ اور اللہ تعالیٰ کو سہم خمس دینے کی یہ صورت ہوگی کہ اس کا چھٹا حصہ بیت اللہ (کعبہ مشرفہ) کے لیے استعمال ہوگا (۱)۔

بقولِ بیضاوی: انہوں نے ظاہر آیت سے استدلال کیا ہے (۲)۔ نیز ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے غنیمت کا مال پیش کیا جاتا تو آپ اس پر ہاتھ مارتے، جو کچھ ہاتھ میں آتا اسے کعبہ مشرفہ کے لیے مختص قرار دیتے، پھر بقیہ مال آیت میں ذکر کردہ مصارف خمسہ میں تقسیم فرماتے (۳)۔

جب کہ اکثر کی رائے یہ ہے کہ آیت کریمہ میں لفظ اللہ افتتاح کلام اور تبرک وتعظیم کے لیے ہے (۴)۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ، ابو العالیہ کے قول کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کے کوئی معنی نہیں، کیونکہ یہ بات اگر ثابت ہوتی تو خلفائے اربعہ دوسروں کے مقابلے میں اس پر عمل پیرا ہونے کے زیادہ لائق وسزاوار ہوتے، جب کہ یہ بات ثابت نہیں تو ابو العالیہ کا قول بھی ثابت نہیں۔

نیز اس کے کوئی معنی نہیں کہ سہم کعبہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کہا جائے، کیونکہ دیگر سہام مذکورہ بھی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے صَرف کیے جاتے ہیں، معلوم یہ ہوا کہ آیت میں ﴿فأن لله خمسه﴾ سہم کعبہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

اب جب کہ ابو العالیہ کے قول کا بطلان ثابت ہو گیا تو اس کے دو معنی اور وجوہ ہو سکتے ہیں۔

اولاً- یہ کہ لفظِ اللہ افتتاح کلام کے لیے ہو، جیسا کہ ہم نے سلف کی ایک جماعت (عطاء، شعبی اور قتادہ) کے حوالے سے بتلایا ہے اور مقصد ہماری تعلیم ہو کہ اللہ کے نام سے تبرک حاصل کیا جائے اور جملہ امور کو

---

(۱) الأوجز: ۲۷۷/۹، وتفسير البيضاوي مع حاشية الشهاب الخفاجي: ٤٧٦/٤، والتفسير الكبير: ۱٦٥/۱٥-١٦٦، وأحكام القرآن: ۷۹/۳.

(۲) تفسير البيضاوي مع الشهاب: ٤٧٦/٤، والأوجز: ۲۷۷/۹.

(۳) أحكام القرآن: ۷۹/۳، والأوجز: ۲۷۸/۹.

(٤) أحكام القرآن: ۷۹/۳-۸۰، والأوجز: ۲۸۱/۹، والتفسير الكبير: ١٦٦/١٥، والمغني: ٣١٤/٦-٣١٥، وتفسير البيضاوي: ٤٧٥/٤، وبذلك جزم صاحب الهداية: ٢٤٢/٤، طبع مكتبة البشرى، كراتشي، وشرح ابن بطال: ٢٧٤/٥.

اسی کے نام باعظمت سے شروع کیا جائے۔

ثانیاً- اس کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ خمس پورا کا پورا ان راستوں میں صَرف کیا جائے جو رضائے خداوندی اور اس کے تقرب کا سبب ہوں، اس لیے ابتداءً لفظ اللہ لائے، پھر ان وجوہ وراستوں کو بتلایا کہ وہ راستے یہ ہیں۔﴿وللرسول ولذي القربى......﴾ خلاصہ یہ ہوا کہ ابتداءً حکم خمس کو مجمل رکھا، پھر ان وجوہ مجملہ کی تفسیر وتوضیح ذکر فرمائی (۱)۔

لیکن اشکال یہ ہوتا ہے کہ اس صورت میں اس واو کے کیا معنی ہیں، جو﴿لله ولرسوله﴾ کے درمیان واقع ہے؟

اس کا جواب دیتے ہوئے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لغت کی رُو سے اس واو کا ادخال جائز ہے، لیکن مراد اس کا الغاء ہے کہ اس کا اعتبار نہیں ہے، جیسا کہ قول باری تعالیٰ ہے:﴿ولقد آتينا موسى وهارون الفرقان وضياء﴾(۲) اس میں واو ملغی وغیر معتبر ہے کہ فرقان ہی ضیاء ہے۔اسی طرح قرآن کریم میں ہے:﴿فلما أسلما وتله للجبين﴾(۳) اس کے معنی ہیں:"لما أسلما تله للجبين"، کیونکہ﴿فلما أسلما﴾ جواب کا مقتضی ہے اور اس کا جواب﴿تله للجبين﴾ ہے.....(۴)۔

سہم الرسول کے معنی اور اس میں اختلاف

اوپر کی بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آیت کریمہ میں لفظ "الجلالة" کے ذکر کا کیا مقصد ہے۔

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تک حیات رہے خمس کا ایک حصہ لیتے رہے، اس کے علاوہ صفی (۵) پر بھی آپ کا حق تھا، نیز غنیمت میں سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی عام لشکری کے مثل

---

(۱) أحكام القرآن للرازي: ۳/۸۰.

(۲) الأنبياء: ٤٨.

(۳) الصافات: ۱۰۲.

(٤) أحكام القرآن: ۳/۸۰-۸۱.

(٥) قال الموفق: "...... الصفي، وهو شيء يختاره من المغنم قبل القسمة، كالجارية، والعبد، والثوب والسيف ونحوه". المغني: ٦/٣١٦، وأيضاً انظر بذل المجهود: ١٣/٣١١.

سہم لیا کرتے تھے۔

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس سہم میں سلف کا اختلاف ہوگیا کہ اس کا حکم کیا ہے؟

اس سلسلے میں حنابلہ وشافعیہ کا مؤقف تو یہ ہے کہ یہ حصہ اب بھی باقی ہے اور خمس کی جب تقسیم ہوگی تو اس حصے کو بھی الگ سے شمار کیا جائے گا، البتہ اب اس کا مصرف یہ ہوگا کہ اس کو مصالح مسلمین میں صَرف کیا جائے گا کہ اس سے اسلحہ کی خریداری ہوگی اور سرحدوں کی پاسداری ہوگی وغیرہ، امام شافعی فرماتے ہیں:

"أختار أن يضعه الإمام في كل أمر حصن به الإسلام وأهله؛ من سد ثغر، وإعداد كراع أو سلاح، أو إعطائه أهل البلاء في الإسلام نفلاً......"(١).

جب کہ مالکیہ کا مسلک خمس کے حوالے سے ابھی سابق میں گزرا کہ وہ کسی تقسیم کے قائل نہیں ہیں اور یہ کہ پورا کا پورا خمس امام کے حوالے ہے کہ وہ اس کو مسلمانوں کے مصالح میں صَرف کرے (۲)۔

اور حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سہم ان کی وفات کے بعد ساقط ہوگیا ہے، کیونکہ یہ سہم آپ کو ایک خاص وصف یا صفت کی بنیاد پر ملتا تھا، یعنی رسالت، جس کا تصور آپ علیہ السلام کے بعد ممکن ہی نہیں (۳)۔

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"سهم النبي صلى الله عليه وسلم إنما كان له ما دام حيا، فلما توفي سقط سهمه كما سقط الصفي بموته، فرجع سهمه إلى جملة الغنيمة كما رجع إليها، ولم يعد للنوائب"(٤).

سہم ذی القربی اور اس میں اختلاف

آیت کریمہ میں تیسرا جو مصرف ذکر کیا گیا، وہ ذوی القربی ہیں، ان کے سہم میں بھی اختلاف ہے، امام

---

(١) المغني: ٦/٣١٥، والأم: ٢/٤/١٤٧، رقم (١٢٨٠٢)، والأوجز: ٩/٢٨٤.

(٢) الشرح الكبير للدردير: ٢/١٩٠، والأوجز: ٩/٢٨٥.

(٣) الدر المختار: ٣/٢٥٩، والهداية: ٤/٢٤٢، ومعالم السنن للخطابي: ٢/٢٩١، رقم (٧٧٦)، باب المن عن الأسير بغير فداء.

(٤) [illegible]كام القرآن: [illegible]/٨١.

ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سہم خمس میں سے خمس کا پانچواں حصہ ہے، یہ پانچواں حصہ اور جو کچھ بچے وہ ان طبقات میں تقسیم ہوگا جن کا ذکر آیت میں ہے، یعنی ذوی القربی، یتامی، مساکین اور ابن السبیل۔

جب کہ امام شافعی واحمد رحمہما اللہ کا مسلک پہلے گذرا کہ وہ ذوی القربیٰ کے مستقل سہم کے قائل ہیں، خواہ یہ لوگ مال دار ہوں یا حاجت مند۔ اوران ذوالقرابۃ میں تقسیم للذکر مثل حظ الانثیین کے اصل کے مطابق ہوگی اور حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ ذوالقربیٰ کا مستقل کوئی حصہ خمس میں نہیں ہے، تقسیم تین طبقات میں ہوگی، یتامیٰ، ابن السبیل اور مساکین، کما مر قبل۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حاکم وقت اپنی رائے واجتہاد کے موافق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرباء کو خمس میں سے دے گا، کما مر قبل. البتہ فقرائے ذوی القربی پر بھی اس سے صَرف کیا جائے گا، لیکن اس کی علت فقر ہوگی، قرابت رسول نہیں، اس طرح یہ ان تینوں طبقات میں داخل ہوجائیں گے(۱)۔

استحقاق خمس کی بنیاد کیا ہے؟

احناف وشوافع وغیرہ کے درمیان وجہِ اختلاف یہ امر ہے کہ وہ حضرات قرابت رسول کو وجہ استحقاق قرار دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ قرابتِ رسول ہی اس استحقاق کے لیے کافی ہے، جب کہ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ وجہ استحقاق دو چیزیں ہیں، قرابتِ رسول اور نصرت۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ لفظ ﴿ذوي القربى﴾ مجمل ہے، جو محتاجِ بیان ہے، ظاہر ہے کہ یہ لفظ قرابتِ رسول کے ساتھ خاص نہیں، دوسرے لوگوں کی بھی رشتے داریاں ہوتی ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہاں سارے لوگوں کی رشتے داریاں مراد نہیں، اس لیے اس لفظ کی وضاحت ضروری ہے۔

سلف کا اس امر میں اتفاق ہے کہ اس آیت میں قرابت سے قرابتِ رسول مراد ہے، اب ان میں بعض حضرات وہ ہیں، جو یہ کہتے ہیں، کہ ان اقرباء میں استحقاق خمس رکھنے والے وہ افراد ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت بھی کرتے تھے، اس لیے اس سہم کے استحقاق کی بنیاد دو چیزیں ہوئیں، قرابتِ رسول ونصرت اور وہ

---

(۱) أحكام القرآن: ۳/۸۱، و۸۲، وحاشية الدسوقي: ۲/۵۰۲، باب في الجهاد، والأوجز: ۹/۲۸۵، والأم: ۲/۴/۱۴۷، رقم (۱۲۷۹۳)، المغني: ۶/۳۱۴، والهداية: ۴/۲۴۰-۲۴۲.

اقرباء جو اس وصف نصرت سے متصف نہیں تھے کہ وہ بعد میں پیدا ہوئے یا اسلام بعد میں قبول کیا، وہ بھی اس کے مستحق رہے، لیکن اس کی بنیاد فقر تھی کہ ان میں کا اگر کوئی فقیر محتاج ہوتا تو اس کو اس سہم سے کچھ دیا جاتا، جس طرح دوسرے عام فقراء کو دیا جاتا، جو قرابتِ رسول سے متصف نہیں تھے۔

اس کی واضح دلیل حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، فرماتے ہیں:

”لما قسم رسول الله صلى الله عليه وسلم سهم ذوي القربى بين بني هاشم وبني المطلب أتيتُه أنا وعثمانُ، فقلنا: يا رسول الله، هؤلاء بنوهاشم، لا ننكر فضلهم بمكانك الذي وضعك الله فيهم، أرأيت بني المطلب أعطيتَهم ومنعتَنا، وإنما هم ونحن منك بمنزلة؟ فقال صلى الله عليه وسلم: إنهم لم يفارقوني في جاهلية ولا إسلام؟ وإنما بنوهاشم وبنو المطلب شيء واحد، وشبّك بين أصابعه“(۱).

اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعب ابی طالب کے واقعے کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جس میں قریش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے حمایتی قبائل بنو ہاشم و بنو المطلب کا مقاطعہ و بائیکاٹ کیا تھا، اس وقت پورا قریش آپ علیہ السلام کی مخالفت میں ایک طرف تھا، تو بنو ہاشم و بنو المطلب آپ علیہ السلام کی حمایت میں دوسری طرف۔

یہ حدیث دو وجوہ سے اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ استحقاقِ خمس کے لیے صرف قرابت کافی نہیں۔

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ بنو عبد شمس اور بنو مطلب دونوں قرابت نبی میں برابر ہیں، لیکن نبی علیہ السلام نے بنو المطلب کو تو خمس میں سے دیا اور بنو عبد شمس کو نہیں دیا، اگر استحقاق بالقرابت ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں میں برابری کرتے۔

---

(۱) الحديث، أخرجه البيهقي: ٦/٥٥٤-٥٥٥، كتاب قسم الفيء ......، باب سهم ذي القربى، رقم (١٢٩٥١-١٢٩٥٥)، و(١٢٩٥٨)، وابن أبي شيبة: ١٨/١٣٠، كتاب السير، باب سهم ذوي القربى......، رقم (٣٤١٣٣)، وكتاب المغازي، باب غزوة خيبر، رقم (٣٨٠٣٠)، نیز دیکھیے آگے باب (۱۷)، ومن الدليل على أن الخمس للإمام، وأنه يعطي ...... میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تخریج......۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آیتِ کریمہ میں ذکر کردہ لفظ ذوی القربی میں جو اجمال تھا، وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے مجمل نہیں رہا، اس کی وضاحت ہوگئی اور آپ کا فعل کہیں بیان اجمال کے لیے آئے وہ وجوب پر دلالت کرتا ہے، كما تقرر في الأصول(۱).

جب نبی علیہ السلام نے یہ بیان کردیا کہ قرابت مع النصرۃ ہے تو یہ معلوم ہوا کہ یہی اللہ تعالی کی مراد بھی ہے۔ان میں سے جو نصرت نبی سے متصف نہیں ہیں اگر وہ اس خمس میں سے لے رہے ہیں تو وہ فقر واحتیاج کی بنیاد پر، نہ کہ قرابت کی وجہ سے(۲)۔

خلفائے راشدین کا اجماع

علاوہ ازیں اس پر خلفاءِ اربعہ کا بھی اتفاق ہے کہ استحقاق خمس کا سبب فقر ہے، دلائل حسبِ ذیل ہیں:

❶ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تھے، تو انہوں نے سہم ذوی القربی کا کیا کیا تھا؟ محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس مسئلے میں انہوں نے وہی طریقہ اختیار کیا جو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا تھا اور انہوں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ ان پر ان دونوں (شیخین) کی رائے کے خلاف چلنے کا الزام دھرا جائے(۳)۔

امام ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے بھی اگر وہی نہ ہوتی جو شیخین کی تھی تو وہ اس کے مطابق فیصلہ نہ کرتے، کیوں کہ دوسری طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیگر کچھ مسائل میں شیخین کے ساتھ اختلاف کیا ہے، مثلاً میراث جد، کہ ان کی رائے اس مسئلے میں شیخین کی رائے سے مختلف ہے، ......، چنانچہ اب یہ بات پایہ تکمیل کو پہنچی کہ حضرت علی اور شیخین رضی اللہ عنہم کی اس مسئلے میں رائے ایک ہی ہے کہ سہم ذوی القربی میں ان کے فقراء ہی مستحق ہوں گے اور جب خلفائے اربعہ (حضرت عثمان کا عمل بھی اس مسئلے میں شیخین کے موافق تھا، جیسا کہ آگے حدیث آرہی ہے) کا اس مسئلے میں اجماع ہوگیا تو اس مسئلے کی حجیت ان کے

---

(۱) أحكام القرآن: ۸۲/۳.

(۲) حواله بالا وشرح معاني الآثار: ۱۵۳/۲، والهداية: ٤/۲٤۰-۲٤۲.

(۳) أحكام القرآن: ۸۲/۳، وشرح معاني الآثار: ۱۵۲/۲، والسنن الكبرى للبيهقي: ٦/۵۵۷-۵۵۸، كتاب قسم الفيء والغنيمة، باب سهم ذي القربى من الخمس، رقم (۱۲۹٦۰).

اجماع سے ثابت ہوگئی، کیوں کہ ارشادِ نبوی ہے، "عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين من بعدي"(١).

❷ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نجدۃ الحروری کے سہم ذی القربی سے متعلق سوال کے جواب میں فرمایا تھا:

"كنا نرى أنه لنا، فدعانا عمر إلى أن نزوج منه أيمنا، ونقضي منه عن مغرمنا، فأبينا أن لايسلمه لنا، وأبي ذلك علينا قومنا"(٢).

یعنی "ہمارا خیال یہ تھا کہ یہ حصہ ہمارا ہے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں اس امر کی طرف بلایا کہ ہم اس کے ذریعے اپنے رنڈووں اور بیواؤں کی شادی کریں اور ہم میں کا جو قرض دار ہو، اس کا قرض ادا کریں، تاہم اس پر ہم نے اصرار کیا وہ ہمیں ہی دیا جائے (کسی قسم کی کوئی قید نہ لگائی جائے)، لیکن اس پر ہماری قوم (یعنی خلفائے راشدین ودیگر صحابہ) راضی نہیں ہوئے"۔

اس روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہ خود اعتراف فرمارہے ہیں کہ ان کی قوم یعنی صحابہ کا خیال یہی تھا کہ اس میں ان کے فقراء کا تو حصہ ہے، لیکن اغنیاء کا نہیں۔

نیز ان کا یہ فرمانا کہ "كنا نرى أنه لنا" اس بات کی دلیل ہے کہ یہ محض ان کی رائے تھی، جس کی سنت اور اتفاق صحابہ کی موجودگی میں کوئی حیثیت نہیں۔ ایک رائے ہے(٣)۔

❸ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"وكان أبوبكر يقسم الخمس نحو قسم رسول الله صلى الله عليه وسلم، غير أنه لم يكن يعطي قربى رسول الله صلى الله عليه وسلم ما كان

---

(١) الحديث، أخرجه أبو داود، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، رقم (٤٦٠٧)، وأحمد في مسنده، مسند العرباض بن سارية، رقم (١٧٢٧٥)، وجامع المسانيد والسنن، مسند العرباض......، رقم (٦٤٧٣).

(٢) مسند الإمام أحمد، مسند عبدالله بن عباس، رضي الله عنهما، رقم (٢٨١٢) و(٢٩٤٣)، وسنن النسائي، أول كتاب قسم الفيء، رقم (٤١٣٨-٤١٣٩)، والمعجم الكبير للطبراني: ١٠/٣٣٦، يزيد بن هرمز عن ابن عباس، رقم (١٠٨٣٢).

(٣) أحكام القرآن للرازي: ٣/٨٣.

النبي صلى الله عليه وسلم يعطيهم، قال: فكان عمر بن الخطاب يعطيهم منه، وعثمانُ بعده"(١).

یعنی "حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تقسیم خمس کا طریقہ وہی تھا جو نبی علیہ السلام کا تھا، البتہ وہ نبی علیہ السلام کے اقرباء کو اس قدر نہیں دیا کرتے تھے، جس قدر آپ خود عطا فرماتے تھے، بعد میں حضرت عمر وعثمان رضی اللہ عنہ ان کو اس میں سے حصہ دیتے تھے"۔

اس حدیث میں صراحت ہے کہ خلیفہ اول ذوی القربی کو سہم نہیں دیا کرتے تھے، لیکن حضرت عمر وحضرت عثمان رضی اللہ عنہما دینے لگے، اس کی وجہ بھی گذشتہ احادیث میں گزر چکی کہ وہ احتیاج پر مبنی تھا، نہ کہ استحقاق پر(٢)۔

پھر اوپر کی حدیث جبیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق جو یہ فرمایا گیا کہ وہ سہم دیا کرتے تھے، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ پورا پورا حصہ ذوی القربی نکال کر ان کے حوالے کرتے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ دیگر سہام سے ان کی حاجت کے مطابق دیتے تھے، اس کی دلیل وہی نجدۃ الحروری کو لکھا گیا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مکتوب ہے، جس کے بعض طرق میں یہ الفاظ ہیں:

"وقد كان عمر عرض علينا من ذلك عرضا، رأيناه دون حقنا، فرددناه عليه، وأبينا أن نقبله"(٣).

اس حدیث کے تحت حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ولعل هذا مبني على أن عمر رآهم مصارف، وظن ابن عباس أنهم أهل استحقاق فيه، أفترى عمر ينقص حقهم أولاً، ثم إذا نقص فردوه؟ أفيظن به أنه يحرمهم منه أصلاً؟ فلم يكن إلا أنه رآهم مصارف، ورأى استغنائهم عنه، فلم يرد عليهم ثانيا"(٤).

---

(١) سنن أبي داود، كتاب الخراج ......، باب في بيان مواضع قسم الخمس، رقم (٢٩٧٨-٢٩٧٩).

(٢) تكملة فتح الملهم: ٣/٢٥٥-٢٥٦.

(٣) سنن أبي داود، كتاب الخراج ......، باب في بيان مواضع ......، رقم (٢٩٨٢).

(٤) بذل المجهود: ١٠/١٧١، كتاب الخراج...... ....

یعنی: ''شاید اس کی بنا یہ تھی کہ حضرت عمر کی رائے میں ذوی القربی مصرف تھے اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے خیال میں یہ حضرات اس کے مستحق تھے کہ ان ہی کو دینا ضروری تھا، ورنہ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اولاً تو ان کے حق میں کمی کردی تھی اور جب کمی کے بعد انہوں نے لوٹا دیا تو کیا یہ گمان ان کے بارے درست ہوسکتا ہے کہ وہ ان کو اس سے بالکل ہی محروم رکھیں گے؟! اس کی وجہ یہی تھی کہ ان کو مصرف سمجھتے تھے، جب انہوں نے ان کا استغناء دیکھا تو دوبارہ پیشکش نہیں کی''۔

مصرف اور استحقاق میں فرق

حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا عبارت سے مصرف اور استحقاق کے درمیان فرق بھی واضح ہوگیا، مصرف کا مطلب یہ ہے کہ اگر آیت کریمہ میں مذکورہ افراد میں خمس کو خرچ کیا جائے تو یہ خرچ برمحل ہوگا، کسی کو دیا جائے اور کسی کو نہ دیا جائے تو اس میں اعتراض کی کوئی بات نہیں اور استحقاق کا مطلب یہ ہے کہ ان مذکور افراد میں اس کو متعین طور پر خرچ کرنا ضروری ہے۔

یہ بھی ائمہ اربعہ کے درمیان ایک بنیادی اختلاف ہے کہ قرآن کریم میں جن لوگوں کا ذکر ہے، وہ مصرف ہیں یا مستحق، امام شافعی واحمد مؤخر الذکر کے قائل ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ سب کو پہنچانا ضروری ہے، امام مالک وابوحنیفہ اول الذکر کے قائل ہیں، وہ استحقاق کو مانتے نہیں۔

خلاصۂ بحث

اس پوری تفصیلی بحث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے:

❶ خمس کے اب تین حصے ہی ہوں گے، جو یتامیٰ، مساکین اور ابن السبیل کے ہوں گے۔

❷ علت استحقاق فقر واحتیاج ہے، اسی لیے اس پر تقریباً سبھی متفق ہیں کہ آیت کریمہ میں یتیم سے مراد وہ ہے جس کا مورث اس کے لیے کچھ نہ چھوڑ کر گیا ہو محتاج ہو، غنی ہونے کی صورت میں اس کو بھی نہیں ملے گا(۱)۔

= مزید دلائل احناف کے لیے دیکھیے، تكملة فتح الملهم: ۳/۲۵٤-۲۵۸، وأحكام القرآن للجصاص: ۳/۸۲-۸۳، وإعلاء السنن: ۱۲/۲۰۹-۲۵۱، باب أربعة أخماس الغنيمة ......

(۱) أحكام القرآن: ۳/۸۳ و۸۵، وفتح القدير: ٥/۲٤۳.

❸ اس پر خلفائے راشدین کا اجماع بھی ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

احناف کے مسلک پر یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر فقرائے ذوی القربی خمس کے مستحق ہیں، ان کے اغنیاء نہیں، تو ان کو الگ سے ذکر کرنے کی ضرورت کیا تھی، جب کہ وہ اس علت فقر کی وجہ سے جملہ مساکین میں داخل ہیں؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ جس طرح یتامیٰ اور ابن السبیل کو مخصص بالذکر کیا گیا، اسی طرح ذوی القربی کی بھی تخصیص کی گئی ہے، ورنہ یتامیٰ اور ابن السبیل بھی اس سہم کے مستحق تبھی ہوں گے، جب کہ وہ فقراء ہوں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين......﴾(۱) کہ صدقات کے مستحق تو فقراء اور مساکین ......وغیرہ ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، "إن الصدقة لا تحل لنا ......"(۲) جس سے یہ معلوم ہوا کہ صدقات آل محمد کے لیے حلال نہیں۔ اگر خمس کے مستحقین میں ان کا نام نہ ہوتا تو کوئی بھی شخص یہ کہہ سکتا تھا کہ خمس میں سے بھی ذوی القربیٰ کو دینا جائز نہیں، جس طرح کہ صدقات میں سے ان کو دینا جائز نہیں، چنانچہ اسی تو ہم کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتلانے کے لیے ان کا ذکر بھی کیا کہ خمس کے معاملے میں ان کا مسئلہ صدقات کے مسئلے سے مختلف ہے، ان کے لیے خمس میں سے لینا جائز ہے(۳)۔ واللہ اعلم۔

ایک اور اشکال اور اس کے جوابات

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو بھی خمس کے مال میں

---

(۱) التوبة: ٦٠.

(۲) وتمامه: "وإن موالي القوم من أنفسهم". اللفظ للترمذي، من رواية أبي رافع مولى رسول الله صلى الله عليه وسلم، كتاب الزكاة، باب ماجاء في كراهية الصدقة ...... (٦٥٧)، وكذا انظر سنن أبي داود، كتاب الزكاة، باب الصدقة على بني هاشم، رقم (١٦٥٠)، والنسائي، كتاب الزكاة، باب مولى القوم منهم، رقم (٢٦١٣)، والمصنف لابن أبي شيبة: ٧/ ٥٠، كتاب الزكاة، من قال: لا تحل الصدقة على بني هاشم، رقم (١٠٨١٠).

(۳) أحكام القرآن: ٣/ ٨٣، و٨٦.

سے عطا کیا تھا، جب کہ وہ غنی و مال دار تھے(۱)۔ اس سے تو یہی ثابت ہوا کہ اس میں ذوی القربیٰ کے اغنیاء وفقراء دونوں کا حصہ ہے۔

اس اعتراض کے دو جوابات ہیں:

❶ ان کو آپ علیہ السلام نے جو کچھ دیا اس کی وجہ قرابت ونصرت دونوں تھی، یہ علت خود آپ نے بھی بیان فرمائی کہ "إنهم لم يفارقوني في جاهلية ولا إسلام" تو اس میں غنی وفقیر دونوں مساوی ہیں، اس میں کوئی اختلاف نہیں، اختلاف تو نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد ہے کہ اب نصرت باقی نہیں رہی۔

❷ یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ مال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس لیے دیا ہو کہ وہ اسے فقرائے بنی ہاشم میں تقسیم فرما دیں، یعنی ان کی اپنی ذات کے لیے نہیں دیا تھا(۲)۔ واللہ اعلم۔

ذوی القربیٰ سے مراد کون لوگ ہیں؟

علمائے امت کا ذوی القربیٰ میں بھی اختلاف ہے کہ اس سے مراد کون ہیں، اس میں علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے تین اقوال ذکر فرمائے ہیں:

❶ پورا قبیلہ قریش ہے، یہ بعض سلف کا قول ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائے بعثت کے وقت جب کوہِ صفا پر چڑھے تو آپ نے یہ ندا دی "يا بني فلان، يا بني عبد مناف، يا بني

---

(۱) أحكام القرآن: ۳/۸٤، وفتح القدير: ٥/۲٤٥، روایات میں آیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بیس غلام تھے، جو اُن کو کما کر دیا کرتے تھے۔ نیز ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دو سال کی پیشگی زکاۃ وصول کی تھی، یہ بھی یسار وغنی کی دلیل ہے۔ دیکھیے شرح معاني الآثار: ۲/۱۸٤، كتاب وجوه الفيء وخمس الغنائم، نیز دیکھیے المستدرك للحاكم: ۳/۳٦٦، ذكر إسلام العباس، رقم (٥٤٠٩)، وسنن البيهقي الكبرى: ٦/٥٢٤، كتاب قسم الفيء ……، باب مفادلة الرجل منهم بالمال، رقم (١٢٨٤٩)، والمعجم الكبير للطبراني: ١١/١٧١، عطاء عن عباس، رقم (١١٣٩٨)، ومجمع الزوائد: ٧/٢٨، سورة الأنفال، والطبقات الكبرى لابن سعد: ٤/١٥، الطبقة الثانية من المهاجرين ……، ودلائل النبوة: ٣/١٤٢، غزوة بدر العظمى، باب ما فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم بالغنائم……، وفتح الباري: ٨/٣١٢، كتاب التفسير، رقم (٤٣٨٦)، وعمدة القاري: ١٣/٩٧، كتاب العتق، باب إذا أسر أخو الرجل أو عمه هل يفادى……؟

(۲) أحكام القرآن: ۳/۸٤.

عبدالمطلب، يا بني كعب بن مرة، يا بني عبدشمس، أنقذوا أنفسكم من النار......"(۱).

❷ بنو ہاشم و بنو عبد مناف ہیں، اس کے قائل امام شافعی، احمد، ابوثور، مجاہد، قتادہ، ابن جریج اور مسلم بن خالد رحمہم اللہ ہیں۔ دلیل پیچھے گزر چکی ہے کہ "إنهم لم يفارقوني في جاهلية......"(۲)۔

❸ صرف بنو ہاشم ہیں، یہ قول مجاہد (في رواية) حضرت عمر بن عبدالعزیز، زید بن ارقم اور علی بن الحسین (امام زین العابدین) کا ہے، نیز امام مالک، ثوری اور اوزاعی رحمہم اللہ وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں (۳)۔

یہی تیسرا قول احناف کا بھی ہے اور بنو ہاشم سے مراد آل علی، آل عباس، آل جعفر، آلِ عقیل اور اولاد حارث بن عبدالمطلب ہیں (۴)۔

اوپر ذکر کردہ تینوں طبقات قرابت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حامل ہیں، کیوں کہ جب آیت کریمہ ﴿وأنذر عشيرتك الأقربين﴾(۵) نازل ہوئی، تو آپ علیہ السلام نے ان سب کو کوہِ صفا پر جمع فرمایا تھا اور ان کو دین کی دعوت پہنچائی تھی، جس سے یہ ثابت ہوا کہ وصف قرابت ان تمام کو شامل ہے۔

ذوی القربی سے متعلق احکام

اب ذوی القربی سے متعلق احکام تین ہیں:

❶ حصہ خمس کا استحقاق، بقوله تعالى: ﴿وللرسول ولذي القربى﴾(۶) اور ذی القربی سے مراد ان کے فقراء ہیں، کما مرَّ قبل.

❷ ان پر صدقات حرام ہیں اور جن پر صدقات حرام ہیں وہ آلِ علی، وآلِ عباس، وآلِ جعفر، وآلِ عقیل اور اولادِ حارث بن عبدالمطلب ہیں، یہی لوگ اہلِ بیت ہیں، اس حکم میں بنوالمطلب داخل نہیں، کیوں کہ وہ اہل بیت میں سے نہیں ہیں۔ اگر یہ اہلِ بیت میں داخل ہوتے تو بنوامیہ بھی اہلِ بیت میں سے ہوتے، چوں کہ ان کا نسبی

(۱) الحديث أخرجه مسلم، كتاب الإيمان، من رواية أبي هريرة باختصار، رقم (۵۰۱).

(۲) سبق تخريجه آنفا.

(۳) الجامع لأحكام القرآن: ۸/۱۲، وفتح الباري: ۶/۲۴۵-۲۴۶.

(۴) أحكام القرآن للرازي: ۳/۸۴-۸۵.

(۵) الشعراء: ۲۱۴.

(۶) الأنفال: ۴۱.

تعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی ہے جو بنوالمطلب کا ہے اور علمائے امت کا اس بابت کوئی اختلاف نہیں کہ بنوامیہ اہلِ بیت میں داخل نہیں، اس لیے بنوالمطلب بھی اس میں داخل نہیں ہوں گے۔

❸ اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصی طور پر یہ حکم دینا کہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذابِ الٰہی سے ڈرائیں، یہ انداز قریش کی تمام شاخوں وقبائل کو شامل ہے کہ جب مذکورہ بالا آیت کریمہ ﴿وأنذر عشيرتك الأقربين﴾ نازل ہوئی تھی تو آپ علیہ السلام نے سب کو خطاب کر کے فریضۂ انذار انجام دیا تھا، كما ورد به الأثر (١).

اور قریبی رشتہ داروں کو انذار کے ساتھ مختص کرنے کی وجہ ایک تو یہ تھی کہ دعوت الی الدین کے سلسلے میں یہ فعل زیادہ بلیغ وحسن ہے۔ دوسری یہ کہ دعوت الی اللہ کے معاملے میں اپنی ذات سے مداہنت ومحابات (بے جا طرف داری) کی نفی کی قریب ترین صورت اور بہترین راستہ یہی تھا۔

وہ اس لیے کہ جب لوگوں کو یہ علم ہوتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قریبی رشتے داروں اور خاندان کے بارے میں بھی یہ برداشت نہیں کیا کہ وہ غیر اللہ کی عبادت کریں اور انہیں عذابِ الٰہی سے ڈرایا، غیر اللہ کی عبادت سے روکا تو نبی علیہ السلام اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ دوسروں کو بھی اس سے ڈرائیں اور روکیں، کیوں کہ اس معاملے میں مداہنت وطرف داری جائز ہوتی کسی کے بھی حق میں تو ان کے رشتے دار اس کے زیادہ مستحق وسزاوار تھے، کہ ان کو نہ چھیڑا جائے، لیکن اس کے برعکس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ دعوت دی، ان پر زیادہ توجہ مرکوز رکھی (۲)۔ واللہ اعلم بالصواب

اس کے بعد حدیثِ باب دیکھیے۔

(١) روى مسلم بسنده عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: لما نزلت هذه الآية: ﴿وأنذر عشيرتك الأقربين﴾ دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم قريشاً، فاجتمعوا، فعم وخص. فقال: يا بني كعب بن لؤي، أنقذوا أنفسكم من النار، يا بني مرة بن كعب، أنقذوا ......، يا بني عبد شمس، أنقذوا ...... يا بني عبد مناف أنقذوا ......، يا بني هاشم، أنقذوا ...... يا بني عبدالمطلب: أنقذوا ...... يا فاطمة، أنقذي نفسك من النار، فإني لا أملك لكم من الله شيئاً، غير أن لكم رحماً، سأبلها ببلالها". انظر صحيحه، كتاب الإيمان، باب في قوله تعالى: ﴿وأنذر عشيرتك ......﴾ رقم (٥٠١).

(٢) أحكام القرآن للرازي: ٨٥/٣.

۲۹٤٥ : حدّثنا بَدَلُ بْنُ الْمُحَبَّرِ : أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ قالَ : أَخْبَرَنِي الحَكَمُ قالَ : سَمِعْتُ ٱبْنَ أَبِي لَيْلَى : حَدَّثَنَا عَلِيٌّ[1] : أَنَّ فاطِمَةَ رضي الله عنها ٱشْتَكَتْ ما تَلْقَى مِنَ الرَّحَى مِمَّا تَطْحَنُ ، فَبَلَغَهَا أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ أُتِيَ بِسَبْيٍ ، فَأَتَتْهُ تَسْأَلُهُ خادِمًا فَلَمْ تُوافِقْهُ ، فَذَكَرَتْ لِعَائِشَةَ ، فَجاءَ النَّبِيُّ ﷺ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ عائِشَةُ لَهُ ، فَأَتَانَا وَقَدْ دَخَلْنَا مَضَاجِعَنَا ، فَذَهَبْنَا لِنَقُومَ ، فَقَالَ : (عَلَى مَكانِكُمَا) . حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَ قَدَمَيْهِ عَلَى صَدْرِي . فَقَالَ : (أَلَا أَدُلُّكُمَا عَلَى خَيْرٍ مِمَّا سَأَلْتُمَاهُ ، إِذَا أَخَذْتُمَا مَضاجِعَكُما فَكَبِّرَا ٱللهَ أَرْبَعًا وَثَلَاثِينَ ، وَٱحْمَدَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ ، وَسَبِّحَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ ، فَإِنَّ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَكُمَا مِمَّا سَأَلْتُمَاهُ) . [٣٥٠٢ ، ٥٠٤٦ ، ٥٠٤٧ ، ٥٩٥٩]

تراجمِ رجال

۱– بدل بن المحبر

یہ بدل بن المحبر -بتشدید الباء- رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۲– شعبه

یہ مشہور امام حدیث شعبہ بن الحجاج عتکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده" کے تحت آچکے (۳)۔

۳– الحكم

یہ الحکم بن عتیبہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب السمر في العلم" کے تحت

---

(۱) قوله: "علي": الحديث أخرجه البخاري أيضاً، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب مناقب علي……، رقم (۳۷۰۵)، وكتاب النفقات، باب عمل المرأة في بيت زوجها، رقم (۵۳٦۱)، وباب خادم المرأة، رقم (۵۳٦۲)، وكتاب الدعوات، باب التكبير والتسبيح……، رقم (٦۳۱۸)، ومسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب التسبيح أول النهار……، رقم (٦۹۱۵–٦۹۱۷)، والترمذي، كتاب الدعوات، باب ما جاء في التسبيح والتكبير……، رقم (۳٤۰۵)، وأبوداود، كتاب الخراج……، باب بيان مواضع قسم الخمس، رقم (۲۹۸۸–۲۹۸۸)، وكتاب الأدب، باب التسبيح عند النوم، رقم (۵۰٦۲–۵۰٦۳).

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الأذان، باب استواء الظهر في الركوع.

(۳) كشف الباري: ۱/٦۷۸.

گزر چکا ہے(۱)۔

٤– ابن ابی لیلی

یہ مشہور محدث عبدالرحمٰن بن ابی لیلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

٥– علی

خلیفہ رابع حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حالات "کتاب العلم، باب کتابة العلم" کے تحت گزر چکے (۳)۔

٦– فاطمه

یہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (۴)۔

حدیثِ باب کا ترجمہ

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمیں بتلایا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھوں (۵) پر چکی پیسنے کی وجہ سے نشان (چھالے) پڑ گئے تھے، سو انہیں خبر ملی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی لائے گئے ہیں تو وہ نبی علیہ السلام کے پاس آئیں کہ ان سے ایک خادم لیں، لیکن ان کی آپ علیہ السلام سے ملاقات نہیں ہوسکی، تو انہوں نے اپنی ضرورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کی، نبی کریم

---

(١) كشف الباري: ٤/٤١٤.

(٢) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الأذان، باب استواء الظّهر في الركوع.

ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ محدثین کے ہاں ابن ابی لیلیٰ سے مراد عبدالرحمٰن ہوتے ہیں اور فقہاء کے نزدیک اس سے مراد عبدالرحمٰن کے صاحبزادے محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہوتے ہیں۔ عمدة القاري: ١٥/٣٦.

(٣) كشف الباري: ٤/١٤٩.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب غسل المرأة أباها الدم......

(٥) مسلم شریف اور ابوداؤد کی روایت میں یہ یعنی ہاتھ کی تصریح ہے، کہ چکی پیسنے کی وجہ سے ہاتھ متاثر ہوئے تھے۔ صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب التسبيح أول النهار......، رقم (٦٩١٥-٦٩١٧)، وسنن أبي داود، كتاب الخراج......، باب في بيان مواضع قسم الخمس، رقم (٢٩٨٨).

صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے، حضرت عائشہ نے ان سے ذکر کیا کہ فاطمہ آئی تھیں اور اپنی ضرورت بیان کرگئی ہیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے، درانحالیکہ ہم اپنے اپنے بستروں میں جاچکے تھے، آپ کو دیکھ کر ہم نے اٹھنا چاہا تو آپ نے منع فرمادیا اور کہا دونوں اپنی جگہ رہو۔ یہاں تک کہ آپ کے قدموں کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے پر محسوس کی، سو فرمایا، میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتلاؤں جس کا تم دونوں نے مجھ سے تقاضا کیا ہے؟ جب تم دونوں اپنے اپنے بستر میں جاؤ تو چونتیس بار اللہ اکبر، تینتیس بار الحمد للہ اور تینتیس بار سبحان اللہ کہو، یہ عمل تم دونوں کے لیے اس سے بہتر ہے، جس کا تم نے تقاضا کیا ہے۔

حدیث کے بعض اجزاء کی شرح

سبی کے معنی چھیننے اور لوگوں کو پکڑنے کے ہیں اور اس کا اطلاق غلام و باندی دونوں پر ہوتا ہے، اس کی جمع سبایا ہے (۱)۔ اسی طرح خادم کا اطلاق بھی مرد و عورت دونوں پر ہوتا ہے (۲)۔

باب کی روایت میں فأتته تسأله آیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں۔ آیا ان کے ساتھ اور کوئی بھی تھا، اس کی یہاں تصریح نہیں۔ امام ابوداؤد نے ایک روایت نقل کی ہے، اس میں ام الحکم بنت الزبیر یا ضباعۃ بنت الزبیر رضی اللہ عنہما کا یہ بیان ہے:

"أصاب رسول الله صلى الله عليه وسلم سبيا، فذهبتُ أنا وأختي وفاطمةُ بنتُ رسول الله صلى الله عليه وسلم، فشكونا إليه ما نحن فيه، وسألناه أن يأمر لنا بشيء من السبي، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: سبقكنَّ يتامى بدر"(۳).

کہ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کچھ قیدی لگے، تو میں اور میری بہن اور فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور کے پاس گئے، ان سے جس تکلیف و مشقت کا ہم شکار تھے، اس کا ذکر کیا اور یہ درخواست کی کہ قیدیوں میں سے کچھ ہمیں بھی دیے جائیں (بطورِ خادم)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا کہ یتامیٰ بدر تم سے سبقت لے گئے ہیں"۔

---

(۱) عمدہ القاري: ۱۵/۳۶.

(۲) جامع الأصول للجزري: ۴/۲۵۶.

(۳) انظر سنن أبي داود، كتاب الخراج ......، باب في بيان مواضع قسم......، رقم (۲۹۸۷).

ابوداوٗد شریف کی روایت سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی دو صاحبزادیاں بھی تھیں، وہیں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ غزوۂ بدر کے بعد کا واقعہ ہے۔

پھر حدیثِ باب میں یہ آیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گھر میں غیر موجودگی کی وجہ سے اپنی حاجت کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کیا تھا، اکثر روایات میں اسی طرح ہے، البتہ دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "علل" میں ایک روایت نقل کی ہے، جس میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے۔

حافظ نے دونوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ دونوں ازواج مطہرات کے گھروں میں فاطمہ رضی اللہ عنہن آئی ہوں کہ پہلے تو حضرت عائشہ کے ہاں آئیں۔ آپ علیہ السلام وہاں نہیں ملے تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئیں (۱)۔

فأتانا وقد دخلنا مضاجعنا، فذهبنا لنقوم، فقال: على مكانكما، حتى وجدت برد قدميه على صدري

اس عبارت میں مختلف فوائد ہیں:

❶ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ان دونوں کے پاس تشریف لائے وہ رات کا وقت تھا، چنانچہ ایک روایت میں "أتانا النبي ﷺ ذات ليلة" (۲) کہ ایک رات نبی علیہ السلام ہمارے پاس آئے، کی صراحت ہے۔

❷ نیز جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس وقت یہ دونوں لحاف اوڑھ چکے تھے کہ سردی کے دن تھے، ان دونوں نے جب آپ علیہ السلام کو دیکھا تو کھڑے ہونے اور کپڑے زیب تن کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے روک دیا کہ اپنی حالت اور جگہ پر رہو، اٹھنے کی ضرورت نہیں، ایک روایت میں ہے، "وكانت ليلة باردة، وقد دخلت هي وعلي في اللحاف، فأرادا أن يلبسا الثياب......" (۳).

اس سے فقہاء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ باپ اپنی بیٹی کے ہاں اس وقت بھی جاسکتا ہے کہ جب وہ اپنے شوہر کے ساتھ لیٹی ہوئی ہو (۴)۔

---

(١) العلل للدارقطني: ٣/٢٨٢-٢٨٤، رقم السوال: (٤٠٦)، وفتح الباري: ١١/١٢٤.

(٢) مسند أحمد: ١/٤٤، مسند علي بن أبي طالب رضي الله عنهما، عن ابن أبي ليلى، رقم (١٢٢٩).

(٣) عمدة القاري: ١٥/٣٦.

(٤) شرح ابن بطال: ٥/٢٧٣.

۳ ابوداود شریف کی ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ نبی علیہ السلام ان دونوں کے سرہانے کی طرف سے تشریف لائے، جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد گرامی قدر صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو شرم وحیا سے اپنا چہرہ لحاف میں چھپالیا(۱)۔

۴ بخاری شریف ہی کی ایک روایت میں یہ زیادتی بھی ہے کہ نبی علیہ السلام ان دونوں کے درمیان آکر بیٹھ گئے، "فجاء، فقعد بيني وبينها" (۲).

اس سے فقہاء نے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ باپ اپنی بیٹی اور اس کے شوہر کے درمیان بیٹھ بھی سکتا ہے، جب کہ وہ لیٹے ہوئے ہوں، اگرچہ باپ کے جسم کا کوئی حصہ بیٹی کے جسم سے مس بھی ہو رہا ہو، جیسے روایتِ باب میں قدمین کی برودت کا ذکر حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمارہے ہیں (۳)۔

لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس کو جائز نہیں کہتے (۴)۔ احوط بھی یہی ہے کہ جائز نہ ہو، خصوصاً ہمارے اس زمانے میں، جب محارم کی پہچان ختم ہوتی جارہی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم تھے، ان کے بارے میں اس طرح سوچنا بھی درست نہیں۔

الأمر فوق الأدب

پھر حدیث میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام کو دیکھ کر حضرت علی وفاطمہ رضی اللہ عنہما نے ادباً قیام کا ارادہ کیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکماً فرمایا، "علی مكانكما" کہ اپنی جگہ رہو، اس کے بعد یہ دونوں کھڑے نہیں ہوئے، اپنی سابقہ حالت میں رہے، چنانچہ یہ "الأمر فوق الأدب" کے قبیل سے ہے کہ جب آپ کا حکم آگیا تو ادباً جو کھڑے ہونے کا ارادہ کیا تھا، اسے ترک کردیا (۵)۔

اس کے بعد یہ سمجھیے کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے "حتى وجدت برد قدميه" کے مجازی معنی

---

(۱) سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب التسبيح عند النوم، رقم (٥٠٦٣).

(۲) صحيح البخاري، كتاب النفقات، باب عمل المرأة في بيت زوجها، رقم (٥٣٦١).

(۳) شرح ابن بطال: ٢٧٣/٥.

(٤) حواله بالا.

(٥) لامع الدراري: ٣٠٢/٧.

مراد لیتے ہوئے اس کی تفسیر طمانینت اور سکینہ سے کی ہے، مطلب یہ ہے کہ میں نے ایک قسم کا اطمینان اور سکون محسوس کیا اور فرمایا ہے کہ اس سے بردِ حسی مراد نہیں ہے(١)۔

لیکن حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کے لائق تو یہی ہے کہ "بـــــرد قـدمیـه" سے طمانینت اور سکینہ مراد ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی شان ہر اعتبار سے راحت وسکون اور طمانینت تھی، تاہم روایات سے ظاہر یہی ہے کہ یہاں برودتِ حسی مراد ہے، چنانچہ طبری کی ایک روایت میں صراحۃً یہ الفاظ منقول ہیں: "قال علي: حتى وجدت برد قدميه على صدري فسخنتهما"(٢) کہ میں نے ان کے قدمین مبارکین کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی تو میں نے انہیں گرما دیا۔ اور ایک روایت جو پیچھے بھی گزری اس میں "وكانت ليلة باردة"(٣) ہے(٤)، ان سب میں برودتِ حسی کا ذکر ہے، علاوہ ازیں پیچھے ذکر کردہ روایت میں لفظ لحاف (٥) بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ دن سردیوں کے تھے، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے تشریف لائے تھے، اس لیے پاؤں ٹھنڈے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب

فقال: ألا أدلكما على خير مما سألتماني؟

سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتلاؤں جس کا تقاضا تم دونوں نے مجھ سے کیا ہے؟

اصل میں سائلہ حضرت فاطمہ تھیں، لیکن یہ طلب وتقاضا چوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہما کی رضامندی سے تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب کی نسبت دونوں کی طرف فرمائی اور کہا، "سألتماني"(٦).

بلکہ جامع ترمذی کی ایک روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود اپنی اہلیہ مکرمہ

---

(١) حواله بالا.

(٢) فتح الباري: ١١/١٢٠، رقم (٦٣١٨)، وعمدة القاري: ١٥/٣٦، طبرى.

(٣) لم أجده في متون الحديث، وإنما ذكره العيني في العمدة: ١٥/٣٦.

(٤) تعليقات اللامع: ٧/٣٠٢.

(٥) انظر سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب التسبيح عند النوم، رقم (٥٠٦٣).

(٦) عمدة القاري: ١٥/٣٦.

کو نبی علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا تھا کہ وہاں سے کوئی خادم دیکھ لو، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"شكتْ إلي فاطمةُ مجل يديها من الطحن، فقلت لها: لو أتيتِ أباكِ، فسألتِيه خادما؟......"(١).

تلقین کردہ کلمات کی حکمت وخاصیت

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خادم کا تقاضا کیا تھا، جواباً آپ علیہ السلام نے ان کلمات کی تلقین فرمائی، جن کا حدیث میں ذکر ہے، ان کلمات کو "تسبیحِ فاطمی" بھی کہا جاتا ہے، امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جو شخص سوتے وقت ان کلمات کی پابندی کرے گا اور ضرور بالضرور ان کا وِرد کرے گا تو اسے کبھی تھکاوٹ نہیں ہوگی، کیوں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے شکایت بھی اسی کی، کی تھی کہ کام کی زیادتی اور چکی وغیرہ پیسنے کی وجہ سے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں، اس لیے ایک خادم عنایت کردیجئے، لیکن آپ علیہ السلام نے بجائے خادم عطا کرنے کے ان کلمات کی تلقین فرمائی (۲)۔

تاہم حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کو اس میں تامل ہے، وہ یہ فرماتے ہیں کہ تھکاوٹ کا بالکل نہ ہونا متعین نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان کلمات کی پابندی کرے گا اسے کام کی زیادتی سے نقصان نہیں ہوگا، نہ ہی کام کاج اس کے لیے بھاری ثابت ہوگا، اگرچہ تھکاوٹ لاحق بھی ہو (۳)۔

ان کلمات کی تلقین کی حکمت بیان کرتے ہوئے علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جاریہ کے بدلے آپ علیہ السلام نے ان کو یہ کلمات تلقین فرمائے اور اسے خیر قرار دیا کہ ذکر کا فائدہ ثوابِ آخرت ہے اور جاریہ کا فائدہ خدمت وغیرہ ہے، جو دنیوی امر ہے، چنانچہ یہ امر مسلم ہے کہ "الثواب أكثر وأبقى، فهو خير"(٤).

---

(١) الجامع للترمذي، كتاب الدعوات، باب ماجاء في التسبيح والتكبير...... ، رقم (٣٤٠٥)، وأخرجه أبو داود أيضاً في سننه، كتاب الخراج ......، باب في بيان مواضع قسم الخمس، رقم (٢٩٨٨).

(٢) فتح الباري: ١١/١٢٤–١٢٥، كتاب الدعوات، رقم (٦٣١٩)، والوابل الصيب: ٢٠٦، ذكر الله وفوائده، الحادية والستون.

(٣) فتح الباري: ١١/١٢٥.

(٤) عمدة القاري: ١٥/٣٦، ومثله عند ابن بطال بزيادة: ٥/٢٧٣. حدیث باب کی مزید شرح کے لیے دیکھیے، كشف الباري، كتاب الدعوات: ٢٠٤.

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

ترجمہ کی حدیث کے ساتھ مطابقت واضح ہے، ترجمہ میں امام بخاری کا دعویٰ یہ تھا کہ امام وقت کو اموالِ خمس میں تصرف کا اختیارِ کلی ہے، جہاں چاہے صَرف کرے، اس میں کسی کی کوئی تخصیص نہیں۔ چنانچہ حدیثِ باب میں دیکھیے کہ آپ علیہ السلام نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے قریب ترین اور جگر گوشہ ہونے کے باوصف خادم عطا کرنے سے منع فرمادیا اور دیگر مستحقین کو ان پر ترجیح دی۔ قاله إسماعيل القاضي(١).

یہی بات امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمائی ہے، لکھتے ہیں:

”ولو كان قسما مفروضا لذوي القربى لأخدم ابنته، ولم يكن عليه السلام ليدع شيئا اختاره الله لهم وامتن به عليهم؛ لأن ذلك حيف على المسلمين، واعتراض لما أفاء الله عليهم، فأخدم منه ناسا، وتركه ابنته، ثم لم تدع فيه رضي الله عنها حقا لقرابة حين وكلها إلى التسبيح، ولو كان فرضا لبينه تعالىٰ كما بين فرائض المواريث“(٢).

اسی کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا اور مزید فرمایا:

”وأن أبابكر وعمر أخذا بذلك، وقسما جميع الخمس، ولم يجعلا لذوي القربى منه حقا مخصوصا به، بل بحسب مايرى الإمام، وكذلك فعل علي......“(٣).

ایک اہم تنبیہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں اہلِ صفہ اور ارامل کا ذکر بھی کیا تھا، لیکن ترجمہ کے تحت نقل کردہ حدیث میں ان کا ذکر نہیں ہے۔

اس کی توجیہ کرتے ہوئے حافظ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہما اللہ نے اپنی معروف عادت کے موافق

---

(١) فتح الباري: ٢١٦/٦، وشرح ابن بطال: ٢٧٠/٥.

(٢) شرح ابن بطال: ٢٧١/٥، وفتح الباري: ٢١٦/٦.

(٣) شرح معاني الآثار للطحاوي: ٢٠١/٢، وشرح ابن بطال: ٢٧١/٥، وفتح الباري: ٢١٦/٦.

یہاں ان روایات اور حدیث کے ان طرق کی طرف اشارہ پر اکتفا کیا ہے، جن میں ان کا ذکر ہے۔

چنانچہ مسند احمد(۱) کے ایک طریق میں حدیثِ باب کو مطولاً ذکر کیا گیا ہے، اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ کلمات بھی ہیں:

"والله لا أعطيكما وأدع أهل الصفة تطوي بطونهم من الجوع، لا أجد ما أنفق عليهم، ولكن أبيعهم وأنفق عليهم أثمانهم"(٢).

"بخدا! میں تمہیں نہیں دے سکتا، جب کہ اہلِ صفہ کے پیٹ بھوک کی وجہ سے لگے ہوئے ہیں، میرے پاس ایسی کوئی چیز بھی نہیں، جو ان پر خرچ کروں، اس لیے میں ان خادمین کو بیچ کر ان کی قیمت اہلِ صفہ پر خرچ کروں گا"۔

مسند احمد کی اس روایت سے یہ فائدہ مستنبط ہوا کہ طلبائے علوم دینیہ کو خمس غنائم وغیرہ میں مقدم کیا جائے گا، ان لوگوں کے مقابلے میں جن کا ذکر آیتِ کریمہ میں کیا گیا ہے(۳)۔

٧ – باب: قَوْلِ ٱللهِ تَعَالَى: «فَأَنَّ لِلهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ» /الأنفال: ٤١/.
يَعْنِي: لِلرَّسُولِ قَسْمَ ذٰلِكَ، قَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ: (إِنَّمَا أَنَا قاسِمٌ وَخازِنٌ، وَٱللهُ يُعْطِي).

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس امر کو راجح قرار دے رہے ہیں کہ خمس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حصہ نہیں تھا، آپ صرف تقسیم کے ذمے دار تھے، یہی کام آپ کو منجانب اللہ خمس کے معاملے میں مفوض کیا گیا تھا کہ اس کو اس کے مستحقین تک پہنچا دیا جائے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"أن إضافة الخمس إليه تبارك وتعالىٰ تبرك، وإلى النبي صلى الله

---

(١) مسند الإمام أحمد بن حنبل: ١/٣١٤، مسند علي بن أبي طالب، رضي الله عنه، رقم (٨٣٨).

(٢) فتح الباري: ٦/٢١٦، وعمدة القاري: ١٥/٣٦.

(٣) شرح ابن بطال: ٥/٢٧٢.

عليه وسلم باعتبار أنه يقسمه، وإنما هو لنوائب المسلمين"(١).

آیتِ کریمہ کی تفسیر میں اختلاف

ترجمۃ الباب کے تحت ذکر کردہ آیت کی تفسیر میں مفسرین رحمہم اللہ کا اختلاف ہے، اس کی کچھ تفاصیل پچھلے باب میں ذکر کی گئیں، یہاں باب سے متعلق جو مسئلہ ہے، وہ یہ کہ ﴿ولــلـرسـول﴾ میں جو لام ہے، یہ لام تملیک ہے یا اور کچھ؟

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری رائے کو راجح قرار دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سہم خمس کے مالک نہیں ہوا کرتے تھے، بلکہ آپ کو صرف تقسیمِ خمس کا فریضہ مفوض کیا گیا تھا کہ اس کے مصارف میں اس کو خرچ کریں۔اس مسئلے میں شافعیہ کے دو قول ہیں اور مشہور قول تملیک کا ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام جنگ میں حاضر ہوں یا نہ ہوں، ان کو ایک حصہ ضرور ملتا تھا اور آپ اس کے مالک ہوا کرتے تھے(۲)۔

مالکیہ کا مذہب اس سلسلے میں وہی ہے، جو امام بخاری کا ہے(۳)۔

امام اسماعیل قاضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"لا حـجة لـمـن ادعى أن الخمس يملكه النبي صلى الله عليه وسلم بـقـوله تعالىٰ: ﴿واعلموا أنما غنمتم من شيء فأن لله خمسه وللرسول﴾(٤)؛ لأنـه تـعـالـىٰ قـال: ﴿يسـألـونك عن الأنفال، قل الأنفال لله والرسول﴾(٥)، واتـفـقـوا عـلى أنه قبل فرض الخمس كان يعطي الغنيمة للغانمين بحسب ما يـؤدي إليه اجتهادُه، فلما فرض الخمس تبين للغانمين أربعة أخماس الغنيمة، لا يشـاركهم فيها أحد، وإنما خص النبي صلى الله عليه وسلم بنسبة الخمس

(١) لامع الدراري وتعليقاته: ٣٠٢/٧.

(٢) فتح الباري: ٢١٧/٦-٢١٨، وعمدة القاري: ٣٦/١٥.

(٣) بداية المجتهد: ٤٤٦/٣، كتاب الجهاد، الفصل الأول في حكم خمس الغنيمة.

(٤) الأنفال: ٤١.

(٥) الأنفال: ١.

إليه إشارة إلى أنه ليس للغانمين فيه حق؛ بل هو مفوض إلى رأيه، وكذلك إلى الإمام بعده......"(۱).

اس عبارت میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا جہاں رد ہے، وہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت خمس کی حکمت بھی ہے۔

چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ظاہر آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ یہاں لام تملیک کا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خمس کے مالک ہوا کرتے تھے۔لیکن یہ دلیل اس لیے درست نہیں کہ سورہ انفال کی پہلی آیت میں بھی ﴿الأنفال لله والرسول﴾ فرمایا گیا ہے، یہ آیت خمس کی فرضیت سے قبل کی ہے اور اس پر تقریباً سبھی کا اتفاق ہے کہ خمس کی فرضیت سے قبل بھی غنیمت کی تقسیم ہوئی ہے اور یہ تقسیم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صوابدید اور اجتہاد کے مطابق ہوئی تھی، چنانچہ جب فرضیت خمس کی ہوئی تو یہ بات واضح ہوگئی کہ غنیمت کے پانچ حصوں میں چار پر خود لشکر کا حصہ ہے، جن میں اور کوئی ان کے ساتھ شریک نہیں ہوسکتا (اور ایک حصہ جو خمس کہلاتا ہے، اس سے متعلق تفصیل گزشتہ باب میں گزرچکی)۔

﴿وللرسول﴾ کے تخصیص بالذکر کی وجہ

اب یہ سوال رہتا ہے کہ پھر آیت کریمہ میں ﴿وللرسول﴾ کے تخصیص بالذکر کی کیا وجہ ہے؟ اور خمس کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کیوں کی گئی؟

---

(۱) فتح الباري: ۲۱۸/٦، وقال ابن بطال رحمه الله في شرحه (٢٧٤/٥): "وغرض البخاري في هذا الباب أيضا الرد على من جعل للنبي خمس الخمس ملكاً؛ استدلالا بقوله تعالىٰ: ﴿واعلموا أنما غنمتم من شيء فأن لله خمسه وللرسول﴾، وهو قول الشافعي".

قال المهلب: "وإنما خص بنسبة الخمس إليه عليه السلام، لأن ليس للغانمين فيه دعوى، وإنما هو إلى إجتهاد الإمام، فإن رأى رفعه في بيت المال لما يخشى أن ينزل بالمسلمين رفعه، أو يجعله فيما يراه، وقد يقسم منه للغانمين، كما أنه يعطي من المغانم لغير الغانمين، كما قسم لجعفر وغيره ممن لم يشهد الوقعة، فالخمس وغيره إلى قسمته عليه السلام واجتهاده، وليس له في الخمس ملك، ولا يمتلك من الدنيا إلا قدر حاجته، وغير ذلك كله عائد على المسلمين، وهذا معنى تسميته بقاسم، وليست هذه التسمية بموجبه ألا تكون أثرة في اجتهاده لقوم دون قوم". (ابن بطال: ٢٧٤/٥-٢٧٥).

اس کا جواب بھی خود قاضی اسماعیل صاحب نے دیا ہے کہ آیتِ کریمہ میں نبی اکرم ﷺ کا ذکر یہ بتلانے کے لیے کیا گیا کہ اس خمس میں غانمین کا کوئی حق نہیں، ان کا حق صرف اربعہ اُخماس الغنیمہ سے متعلق ہے اور اس کا مصرف کیا ہوگا، اس کو کہاں خرچ کیا جائے گا؟ تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ نبی اکرم ﷺ کی رائے پر ہے، انہیں اختیار ہے کہ اسے جہاں مرضی خرچ کریں، یہی حکم بعد میں آنے والے ہر امام وقت کے لیے بھی ہے۔

قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (إِنَّمَا أَنَا قاسِمٌ وَخازِنٌ ، وَٱللهُ يُعْطِي) .

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: میں تو تقسیم کنندہ اور خازن ہوں اور دینے والی ذات اللہ کی ہے۔

تعلیق کا مقصد

یہ تعلیق ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے ذریعے اپنے بیان کردہ مؤقف پر استدلال کیا ہے کہ نبی علیہ السلام خمس کے اپنے حصے کے مالک نہیں تھے، بلکہ تقسیم کنندہ اور اس کی محافظت کے ذمے دار تھے اور ان حضرات پر رد کیا ہے، جو اس کی ملکیت کے قائل ہیں (۱)۔

مذکورہ تعلیق کی موصولاً تخریج

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری کی مذکورہ بالا تعلیق انہی الفاظ کے ساتھ اس سیاق واحد میں کہیں بھی نہیں آئی۔ درحقیقت یہ تعلیق دو مختلف حدیثوں سے لی گئی ہے۔ چنانچہ إنما أنا قاسم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث کا ٹکڑا ہے، جو آگے اسی باب (۲) میں موصولاً آرہی ہے۔ اسی طرح پیچھے کتاب العلم میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث گزری ہے، اس میں یہ الفاظ آئے ہیں: "إنما أنا قاسم، والله يعطي" (۳).

جہاں تک حدیث "إنما أنا خازن، والله يعطي" کا تعلق ہے تو یہ حدیث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے آگے كتاب الاعتصام...... (٤) میں موصولاً آرہی ہے (۵)۔

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/ ۳۷.

(۲) البخاري، رقم (۳۱۱۷).

(۳) صحيح البخاري، كتاب العلم، باب من يرد الله به خيراً يفقه في الدين، رقم (۷۱).

(٤) صحيح البخاري، كتاب الاعتصام، باب قول النبي ﷺ: "لا تزال طائفة ......"، رقم (۷۳۱۲).

(۵) تغليق التعليق: ۳/ ٤۷۱، وفتح الباري: ٦/ ۲۱۸.

اس سے ملتے جلتے الفاظ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے امام ابوداؤد نے بھی نقل کیے ہیں(۱)۔ان کی حدیث کے الفاظ امام بخاری کے مدعی پر زیادہ صراحت کے ساتھ دلالت کرتے ہیں، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"إن أنا إلا خازن، أضع حيث أمرت"(۲).

مذکورہ تعلیق کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا مدعی یہ بیان کیا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خمس الخمس کے مالک نہیں تھے، بلکہ منتظم ومتولی تھے، اس کے اثبات کے لیے انہوں نے مذکورہ بالا تعلیق نقل کی، جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کو قاسم کہا ہے اور خازن کہا ہے اور اللہ تعالیٰ کو دینے والا بتلایا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ آپ کسی چیز کے مالک نہیں ہوا کرتے تھے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"واستدل على مدعاه من حيث إنه صلى الله عليه وسلم سمى نفسه قاسما، والله المعطي؛ فعلم أنه لم يكن يملك شيئاً، والله أعلم"(۳).

اس کے بعد یہ سمجھیے کہ امام بخاری نے اپنے مدعی کے لیے چار موصول حدیثیں بھی ذکر کی ہیں، ان میں کی پہلی حدیث حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ہے، جو مؤلف نے مختلف طرق سے نقل کی ہے(۴)۔

۲۹٤٦/۲۹٤٧ : حدّثنا أَبُو الْوَلِيدِ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ سُلَيْمانَ وَمَنْصُورٍ وَقَتَادَةَ : سَمِعُوا سَالِمَ بْنَ أَبِي الجَعْدِ ، عَنْ جابِرِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا(٥) قالَ : وُلِدَ لِرَجُلٍ مِنَّا مِنَ الْأَنْصَارِ غُلَامٌ ، فَأَرَادَ أَنْ يُسَمِّيَهُ محمَّدًا . قالَ شُعْبَةُ : في حدِيثِ مَنْصُورٍ : إِنَّ الْأَنْصَارِيَّ قالَ : حَمَلْتُهُ عَلَى عُنُقِي فَأَتَيْتُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ . وَفي حَدِيثِ سُلَيْمانَ : وُلِدَ لَهُ غُلَامٌ ، فَأَرَادَ أَنْ يُسَمِّيَهُ مُحَمَّدًا ، قالَ : (سَمُّوا بِٱسْمِي وَلَا تكَنَّوْا بِكُنْيَتِي ، فَإِنِّي إِنَّمَا جُعِلْتُ قَاسِمًا أَقْسِمُ بَيْنَكُمْ) . وَقالَ حُصَيْنٌ :

(١) سنن أبي داود، كتاب الخراج ......، باب فيما يلزم الإمام من أمر الرعية...... رقم (٢٩٤٩).

(٢) عمدة القاري: ٣٧/١٥، وفتح الباري: ٢١٨/٦.

(٣) لامع الدراري: ٣٠٣/٧.

(٤) فتح الباري: ٢١٨/٦.

(٥) قوله: "جابر بن عبدالله رضي الله عنهما": الحديث، أخرجه البخاري في نفس هذا الباب، رقم (٣١١٥)، وكتاب الأنبياء، باب كنية النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (٣٥٣٨)، وكتاب الأدب، باب أحب=

(بُعِثْتُ قَاسِمًا أَقْسِمُ بَيْنَكُمْ) . قالَ عَمْرٌو : أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ قَتَادَةَ قالَ : سَمِعْتُ سَالِمًا ، عَنْ جابِرٍ : أَرَادَ أَنْ يُسَمِّيَهُ الْقَاسِمَ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (سَمُّوا بِاسْمِي ، وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي) .

تراجمِ رجال

۱– ابوالولید

یہ ابوالولید ہشام بن عبدالملک طیالسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب علامة الإيمان حب الأنصار" کے تحت آچکا(۱)۔

۲– شعبه

یہ امیر المؤمنین في الحدیث شعبۃ بن الحجاج بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب المسلم من سلم المسلمون من......" کے تحت گزر چکے(۲)۔

۳– سليمان

یہ سلیمان بن مہران المعروف بالأعمش رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب ظلم دون ظلم" کے تحت بیان کیے جاچکے ہیں(۳)۔

٤– منصور

یہ منصور بن معتمر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب من جعل لأهل العلم أياما

= الأسماء إلى الله عزوجل، رقم (٦١٨٦)، وباب قول النبي صلى الله عليه وسلم: "سموا باسمي......"، رقم (٦١٨٧)، و (٦١٨٩)، وباب من سمى بأسماء الأنبياء، رقم (٦١٩٦)، ومسلم، كتاب الأدب، باب النهي عن التكني بأبي القاسم، رقم (٥٥٨٨-٥٥٩٧)، والترمذي، كتاب الأدب، باب ماجاء في كراهة الجمع بين اسم......، رقم (٢٨٤٢)، وأبوداود، كتاب الأدب، باب من رأى أن لايجمع بينهما، رقم (٤٩٦٦)، وابن ماجه، كتاب الأدب، باب الجمع بين اسم النبي......، رقم (٣٧٣٦).

(١) كشف الباري: ٣٨/٢

(٢) كشف الباري: ٦٧٨/١

(٣) كشف الباري: ٢٥١/٢.

معلومة" کے تحت گزر چکا(۱)۔

٥– قتادہ

یہ قتادہ بن دعامہ سدوسی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب من الإیمان أن یحب لأخیه مایحب لنفسه" کے ذیل میں آچکے(۲)۔

٦– سالم بن ابی الجعد

یہ مشہور تابعی حضرت سالم بن ابی الجعد رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۳)۔

٧– جابر بن عبداللّٰہ رضي اللّٰہ عنهما

یہ مشہور صحابی حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہما ہیں(۴)۔

٨– حصین

یہ ابوالہذیل حصین بن عبدالرحمٰن کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۵)۔

٩– عمرو

یہ عمرو بن مرزوق رحمۃ اللہ علیہ ہیں(٦)۔

(٢٩٤٧) : حدَّثنا مُحمَّدُ بْنُ يُوسُفَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنِ الْأَعْمَشِ ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الجَعْدِ ، عَنْ جابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيِّ[7] قالَ : وُلِدَ لِرَجُلٍ مِنَّا غُلَامٌ فَسَمَّاهُ الْقَاسِمَ ، فَقالَتِ الْأَنْصَارُ : لَا نَكْنِيكَ أَبَا الْقَاسِمِ وَلَا نُنْعِمُكَ عَيْنًا ، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللهِ ، وُلِدَ

---

(١) كشف الباري: ٣/٢٧٠.

(٢) كشف الباري: ٢/٣.

(٣) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب التسمية على كل حال وعند الوقاع.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب من لم یر الوضوء إلا من المخرجين......

(٥) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب مواقیت الصلاة، باب الأذان بعد ذهاب الوقت.

(٦) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الغسل، باب إذا التقى الختانان.

(٧) قوله: "عن جابر بن عبدالله الأنصاري": الحديث، مر تخريجه في الحديث السابق.

لِي غُلَامٌ ، فَسَمَّيْتُهُ الْقَاسِمَ ، فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ : لَا نَكْنِيكَ أَبَا الْقَاسِمِ وَلَا نُنْعِمُكَ عَيْنًا ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (أَحْسَنَتِ الْأَنْصَارُ ، سَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكَنَّوْا بِكُنْيَتِي ، فَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ) .

[٣٣٤٥ ، ٥٨٣٢ ، ٥٨٣٣ ، ٥٨٣٥ ، ٥٨٤٣]

تراجمِ رجال

۱ — محمد بن يوسف

یہ محمد بن یوسف بیکندی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات كتاب العلم، "باب متى يصح سماع الصغير؟" کے تحت بیان کیے جاچکے(۱)۔

۲ — سفيان

یہ مشہور محدث سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ كتاب الإيمان، "باب ظلم دون ظلم" کے تحت گزرچکا ہے(۲)۔

روایت کو تین طرق سے لانے کا سبب

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو تین شیوخ سے نقل کیا ہے،ابوالولید ہشام بن عبدالملک طیالسی،عمرو بن مرزوق اور محمد بن یوسف بیکندی رحمہم اللہ تعالیٰ۔

ابوالولید اور عمرو بن مرزوق کے شیخ شعبہ ہیں اور محمد بن یوسف بیکندی کے سفیان ثوری۔

اب سوال یہ ہے کہ مؤلف ہمام نے اس روایت کو تین طرق سے کیوں نقل فرمایا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو مختلف شیوخ سے روایت کیا ہے اور ان شیوخ کے الفاظ میں اختلاف ہے۔اس اختلاف کو رفع کرنے اور امام ثوری کی روایت کو راجح قرار دینے کے لیے مؤلف نے یہ طریقہ اختیار کیا۔

چنانچہ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کی وہ روایت،جس میں امام بخاری کے شیخ ابوالولید ہیں،اس میں سلیمان ومنصور وقتادہ(هؤلاء شيوخ شعبة) تینوں اس پر متفق ہیں کہ انصاری جن کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تھا،وہ اپنے بیٹے کا نام محمد رکھنا چاہتے تھے۔

---

(۱) كشف الباري: ۳۸۷/۳

(۲) كشف الباري: ۲۷۸/۲

جب کہ عمرو بن مرزوق کی روایت، جو تعلیقاً امام بخاری نے نقل کی ہے، اس میں شعبہ قتادہ سے روایت کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ انصاری صحابی اپنے بیٹے کا نام قاسم رکھنا چاہتے تھے۔

اس طرح شعبہ کی روایت میں اختلاف آ گیا کہ مذکورہ انصاری اپنے بیٹے کا نام محمد رکھنا چاہتے تھے یا قاسم؟

اس اختلاف کو رفع کرنے کے لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام سفیان ثوری کی روایت بھی نقل کردی اور اس بات کی ترجیح کی طرف اشارہ فرمادیا کہ مذکورہ انصاری اپنے صاحبزادے کا نام قاسم رکھنا چاہتے تھے، نہ کہ محمد۔

معنوی اور عقلی اعتبار سے بھی امام ثوری کی روایت اس لیے راجح ہے کہ انصار نے مذکورہ انصاری صحابی پر جو نکیر کی تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر وہ اپنے بیٹے کا نام قاسم رکھتے تو ان کی کنیت ابو القاسم ہو جاتی، جو دیگر انصار کو گوارہ نہیں تھا، ممانعت بھی اسی کی آئی ہے، برخلاف محمد کے، کہ اس صورت میں وہ ابو محمد کہلاتے، اس میں کوئی حرج نہیں اور اس کی ممانعت بھی نہیں (۱)۔ واللہ اعلم۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

اس حدیث کی ترجمہ کے ساتھ مطابقت اس جملے میں ہے: "إنما جعلت قاسما أقسم بينكم" یہ جملہ امام بخاری کے مدعی پر واضح دلالت کر رہا ہے (۲)۔

دوسری حدیث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

٢٩٤٨ : حدّثنا حِبَّانُ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ ٱللهِ ، عَنْ يُونُسَ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ : أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ[۳] قَالَ : قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (مَنْ يُرِدِ ٱللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي ٱلدِّينِ ، وَٱللهُ الْمُعْطِي وَأَنَا الْقَاسِمُ ، وَلَا تَزَالُ هٰذِهِ الْأُمَّةُ ظَاهِرِينَ عَلَى مَنْ خالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ ٱللهِ وَهُمْ ظَاهِرُونَ) . [ر : ٧١]

---

(١) فتح الباري: ٢١٨/٦، وعمدة القاري: ٣٨/١٥، وشرح القسطلاني: ٢٠٣/٥.

(٢) عمدة القاري: ٣٨/١٥.

(٣) قوله: "معاوية رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب العلم، كشف الباري: ٢٧٤/٣.

تراجمِ رجال

۱- حبان

یہ ابومحمد حبان بن موسیٰ مروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱)۔

۲- عبداللہ

یہ مشہور محدث وامام عبداللہ بن مبارک مروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "بدء الوحي" کی "الحديث الخامس" کے تحت اجمالاً گزر چکا ہے (۲)۔

۳- یونس

یہ یونس بن یزید الأیلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "بدء الوحي" میں اجمالاً اور كتاب العلم، "باب من يرد الله به خيرا يفقهه......"، کے تحت تفصیلاً گزر چکے ہیں (۳)۔

٤- الزهری

یہ محمد بن مسلم ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "بدء الوحي" میں آچکا (۴)۔

٥- حميد بن عبدالرحمن

یہ حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات كتاب الإيمان، "باب تطوع قيام رمضان......" کے تحت گزر چکے ہیں (۵)۔

٦- معاويه

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا تذکرہ كتاب العلم، "باب من يرد الله به خيراً

---

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الأذان، باب يسلم حين يسلم الإمام.

(۲) كشف الباري: ۱/٤٦٢.

(۳) كشف الباري: ۱/٤٦٣، و۳/۲۸۲.

(٤) كشف الباري: ۱/۳۲٦، الحديث الأول.

(٥) كشف الباري: ۲/۳۱٦.

يفقهه......" کے تحت بیان کیا جاچکا (۱)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت حمید بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں، اسے دین کی سمجھ سے نوازتے ہیں اور دینے والی ذات اللہ کی ہے اور میں تقسیم کنندہ ہوں۔ اور یہ امت ہمیشہ اپنے مخالفین پر غالب رہے گی، یہاں تک کہ اللہ کا حکم (یعنی قیامت) آجائے اور یہ غالب ہی رہیں گے۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

یہ حدیث تین اجزا پر مشتمل ہے، اس کا پہلا جز "من يرد الله...... الدين" ہے، اس کی مفصل شرح کتاب العلم میں گزر چکی (۲)۔

دوسرا جز "والله المعطي وأنا القاسم" ہے، یہی حصہ ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا دعویٰ یہی تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اموالِ غنیمت کے تقسیم کنندہ ہیں، اسی کا اظہار اس جملے میں موجود ہے (۳)۔

تیسرا جز "ولا تزال هذه الأمة...... وهم ظاهرون" ہے، اس کی شرح بھی کتاب العلم میں گزر چکی ہے (۴)۔

تیسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹٤۹ : حدّثنا محمدُ بْنُ سِنَانٍ : حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ : حَدَّثَنَا هِلَالٌ : عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ:[٥] أَنَّ رَسُولَ ٱللّٰهِ ﷺ قالَ : (ما أُعْطِيكُمْ وَلَا أَمْنَعُكُمْ ، إِنَّمَا أَنَا قاسِمٌ أَضَعُ حَيْثُ أُمِرْتُ) .

---

(١) كشف الباري: ٢٨٥/٣.

(٢) كشف الباري: ٢٨٩/٣ و ٢٩٠.

(٣) فتح الباري: ٢١٨/٦، وعمدة القاري: ٤٠/١٥.

(٤) كشف الباري: ٢٩١/٣-٢٩٥.

(٥) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": الحديث، تفرد به البخاري رحمه الله، انظر تحفة الأشراف: ١٤٩/١٠، رقم (١٣٦٠٦).

تراجم رجال

۱- محمد بن سنان، ۲-فليح، ۳-هلال

فلیح سے عبدالملک بن سلیمان بن مغیرہ اور ہلال سے ابن علی الفہری مراد ہیں۔ ان تینوں حضرات کا تذکرہ تفصیلاً کتاب العلم، "باب من سئل علما وهو مشتغل......" کے تحت آچکا ہے(۱)۔

٤- عبدالرحمن بن ابي عمرة

یہ عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ الأنصاری النجاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

٥- ابوهريره رضى الله عنه

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات كتاب الإيمان، "باب أمور الإيمان" میں گزر چکے (۳)۔

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ما أعطيكم، ولا أمنعكم، أنا قاسم أضع حيث أمرت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دیتا ہوں نہ روکتا ہوں، میں تو صرف تقسیم کنندہ ہوں، جہاں حکم ہوتا ہے، وہیں صَرف کرتا ہوں۔

مسند احمد میں یہی روایت فلیح سے سریج بن نعمان نے روایت ہے، اس میں "ما أعطيكم......" سے پہلے اس جملے کا اضافہ بھی ہے، "والله المعطي" کہ دینے والی ذات اللہ کی ہے (۴)۔

اور مطلب حدیث کا یہ ہے کہ عطا کرنے والا اللہ ہے، میں محض اپنی رائے سے کسی کو کچھ دیتا ہوں نہ روکتا ہوں، اس لیے اگر کسی کو کچھ دیا تو وہ اللہ کے حکم سے، اگر کسی کو نہیں دیا اور منع کر دیا تو وہ بھی اللہ کے حکم سے، اس میں میری ذات کو کچھ دخل نہیں، میری حیثیت صرف ایک تقسیم کرنے والے کی ہے، جو موقع محل کے اعتبار سے دیتا یا روکتا ہے (۵)۔

---

(۱) كشف الباري: ۳/۵۳-۵۸، و: ۳/۶۲-۶۳.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب المساقاة، باب حلب الإبل على الماء.

(۳) كشف الباري: ۱/۶۵۹.

(٤) هذا ما ذكره الحافظ، ولكنني لم أجد هذه الرواية في مسند الإمام أحمد.

(٥) فتح الباري: ٦/٢١٨، وعمدة القاري: ١٥/٤٠، وبذل المجهود: ١٠/١٢٨.

اور ہمام عن ابی ہریرہ کے طریق سے جو روایت امام ابوداؤد نے نقل کی، اس میں "إن أنا إلا خازن" (۱) ہے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت بالکل واضح ہے، جو اس جملے میں ہے: "أنا قاسم......" (۲) اس سے امام بخاری علیہ الرحمۃ کا مدعیٰ واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے۔

چوتھی حدیث حضرت خولہ انصاریہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔

۲۹۵۰ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يَزِيدَ : حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ قالَ : حَدَّثَنِي أَبُو الْأَسْوَدِ ، عَنِ ٱبْنِ أَبِي عَيَّاشٍ ، وَٱسْمُهُ نُعْمَانُ ، عَنْ خَوْلَةَ الْأَنْصارِيَّةِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهَا (۳) قالَتْ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : (إِنَّ رِجالاً يَتَخَوَّضُونَ في مالِ ٱللهِ بِغَيْرِ حَقٍّ ، فَلَهُمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيامَةِ) .

تراجمِ رجال

۱- عبداللہ بن یزید

یہ ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن یزید المقری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

۲- سعید بن ابی ایوب

یہ سعید بن مقلاص ابو ایوب خزاعی مصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۵)۔

۳- ابو الاسود

یہ ابو الاسود محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل نوفلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۶)۔

---

(۱) سنن أبي داود، كتاب الخراج......، باب فيما يلزم الإمام من أمر الرعية، رقم (۲۹٤۸).

(۲) عمدة القاري: ۱۵/٤٠

(۳) قوله: "عن خولة الأنصارية......" الحديث، أخرجه الترمذي في كتاب الزهد، باب ماجاء في أخذ المال بحصة، رقم (۲۳۷۵).

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الأذان، باب بين كل أذانين صلاة لمن شاء.

(٥) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب التهجد، باب المداومة على ركعتي الفجر.

(٦) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الغسل، باب الجنب يتوضأ ثم ينام.

٤- ابن ابی عیاش النعمان

یہ نعمان بن ابی عیاش زید زرقی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الجهاد والسير، "باب فضل الصوم في سبيل الله" کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

٥- خوله الأنصاريه

یہ حضرت خولہ بنت قیس بن قہد بن قیس بن ثعلبہ النجاریہ الانصاریہ رضی اللہ عنہا ہیں (۲)۔

بعض حضرات نے ان کے والد کا نام ثامر بتلایا ہے، لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ ثامر ان کے والد کا لقب ہے، نام نہیں۔اس لیے کہیں ان کو بنت ثامر اور کہیں بنت قیس کہا گیا ہے، حقیقت میں یہ ایک ہی خاتون ہیں، ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "خولة بنت قيس هي خولة بنت ثامر"(۳).

بعض نے ان کا نام خویلہ -بالتصغیر- بھی نقل کیا ہے(۴)۔

ان کی کنیت ام محمد تھی۔ یہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب (عم الرسول) رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے ایک انصاری صحابی حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا۔ بعض نے ان کا نام نعمان بن عجلان بتلایا ہے، جن کا تعلق بنوزریق سے تھا(۵)۔

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں۔

اوران سے روایت کرنے والوں میں ابوالولید عبید سنوطا، معاذ بن رفاعۃ زرقی اور نعمان بن ابی عیاش زرقی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ شامل ہیں(٦)۔

---

(١) كشف الباري، كتاب الجهاد: ٣٠٧/١.

(٢) تهذيب الكمال: ١٦٤/٣٥، وعمدة القاري: ٤٠/١٥، والاستيعاب: ٥١٣/٢، و٥١٥، وتهذيب التهذيب: ٤١٥/١٢.

(٣) تهذيب المزي: ١٦٥/٣٥، والإصابة: ٢٨٩/٤، والعمدة: ٤٠/١٥ وتهذيب التهذيب: ٤١٥/١٢.

(٤) تهذيب الكمال: ١٦٥/٣٥آ، وعمدة القاري: ٤٠/١٥، وتهذيب التهذيب: ٤١٥/١٢.

(٥) تهذيب الكمال: ١٦٥/٣٥، وعمدة القاري: ٤٠/١٥، والاستيعاب: ٥١٥/٢.

(٦) تهذيب الكمال: ١٦٥/٣٥، وتهذيب التهذيب: ٤١٥/١٢.

ان سے بخاری اور ترمذی روایت کرتے ہیں(۱)۔

ان سے صرف ایک ہی حدیث (حدیثِ باب) مروی ہے(۲)۔رضی اللّٰہ عنها وأرضاها

قالت: سمعت النبي ﷺ یقول: إن رجالا یتخوضون في مال اللّٰه بغیر حق، فلهم النار یوم القیامة

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کچھ لوگ بغیر کسی حق کے اللہ کے مال میں تصرف کریں گے، سو ایسے لوگوں کے لیے قیامت والے دن جہنم کی آگ ہے۔

"یتخوضون" خوض سے مشتق ہے، جو اصل میں پانی میں چلنے اور اسے ہلانے، حرکت دینے کے معنی میں ہے، لیکن بعد میں کسی چیز میں گھسنے اور اس میں تصرف کرنے میں مستعمل ہونے لگا(۳)۔

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ یہی حدیث امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کی ہے، اس میں حدیث کے الفاظ میں کچھ اضافہ بھی ہے، ابو الولید عبید سنوطا فرماتے ہیں:

"سمعت خولة بنت قیس —وکانت تحت حمزة بن عبدالمطلب— تقول: سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول: إن هذا المال خضرة حلوة، من أصابه بحقه بورك له فیه، ورب متخوض فیما شاء ت نفسه من مال اللّٰه ورسوله لیس له یوم القیامة إلا النار"(٤).

اور ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کی جو روایت ہے، اس میں حدیث کا پس منظر بھی ہے کہ نبی علیہ السلام نے یہ مبارک کلمات کب ارشاد فرمائے تھے، اس میں ہے:

"أن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم تذاکر هو وحمزة بن عبدالمطلب

---

(١) حواله جات بالا.

(٢) معرفة الصحابة للأصبهاني: ٥/٢٢٠، وقال الخزرجي: "لها أحاديث، روي عنها في (خ) حديثا واحدا، وكذلك الترمذي ......". خلاصته لتذهيب تهذيب الكمال: ٤٩٠، حرف الخاء، من كتاب النساء.

(٣) عمدة القاري: ١٥/٤٠، وإرشاد الساري: ٥/٢٠٥.

(٤) جامع الترمذي، كتاب الزهد، باب (٤١) ماجاء في أخذ المال بحقه، رقم (٢٣٧٤).

الدنیا، فقال النبي صلی اللّٰه علیه وسلم ......"(۱).

دونوں روایات کا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے عم محترم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپس میں دنیا کے بارے مذاکرہ کر رہے تھے کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تحقیق! یہ دنیا راغب کرنے والی اور میٹھی ہے، نفوس اس کی طرف مائل ہوتے ہیں، خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتے ہیں، لیکن اس میں برکت اسی کو ہوگی، جو اپنے حصے وحق کے بقدر اس میں سے لے گا، کسی کا مال ناحق نہ کھائے گا۔ اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے مال میں اپنے نفس کی چاہت کے مطابق ناحق تصرف کرتے ہیں، چناں چہ ایسے لوگوں کے لیے قیامت والے دن صرف اور صرف جہنم کی آگ ہوگی، یہ اسی کے مستحق ہوں گے۔

اوپر حدیث میں مال کے لیے مؤنث خبر استعمال کی گئی ہے، کیونکہ یہاں مال، غنیمت کے معنی میں ہے، اس کی دلیل "من مال اللّٰه" کے الفاظ ہیں اور خضرة کے معنی مشتهاة کے ہیں کہ نفوس اس کی طرف مائل ہوتے ہیں(۲)۔

علاوہ ازیں حدیث میں "من مال اللّٰه" میں لفظ اللہ مظہر اُقیم مقام المضمر کے قبیل سے ہے، یعنی "من ماله" کہہ دینا کافی تھا، لیکن لفظ اللہ کو تاکیداً ظاہر کیا گیا اور اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ اللہ ورسول کے مال میں نفس کی چاہت پر تصرف کرنا انتہائی غیر مناسب فعل ہے(۳)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حافظ علیہ الرحمۃ تو یہ فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب کے ساتھ اس حدیث کی مناسبت "في مال اللّٰه بغیر حق" میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے مال میں باطل کے ساتھ تصرف کرتے ہیں اور وہ عام ہے کہ تقسیم کے ساتھ ہو یا بغیر تقسیم کے(۴)۔

---

(۱) الاستیعاب في أسماء الأصحاب: ۲/۵۱۵.

(۲) فتح الباري: ۶/۲۱۹.

(۳) حواله بالا.

(٤) حواله بالا.

اورعلامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی ترجمے کے ساتھ مناسبت خفی ہے، واضح اورصریح نہیں، البتہ یہ ممکن ہے کہ ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت کواس جملے سے اخذ کیا جائے، "يتخوضون في مال الله بغير حق" أي: بغير قسمة حق.

اگر چہ الفاظ میں یہاں عموم ہے، لیکن ہم نے تخصیص کردی قسمۃ کے ساتھ، تاکہ ترجمہ صراحۃ مفہوم ہوجائے (۱)۔

اسی دوسرے قول کو علامہ عینی، قسطلانی اور حافظ ابن حجر کے شاگرد رشید شیخ الاسلام زکریا انصاری نے بھی اختیار کیا ہے (۲)۔

اورعلامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو ترجمہ کے تحت ذکر کرنے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جو بھی شخص غنیمت وغیرہ سے رسول یا ان کے بعد کے حاکم کی تقسیم کے بغیر کچھ لے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے مال میں بغیر حق کے تصرف کرنے والا ہوگا اور قیامت والے دن جو خیانت اس نے کی تھی، اسے لے کروہ بارگاہِ خداوندی میں پیش ہوگا (۳)۔ واللہ اعلم بالصواب

حدیث سے مستنبط فائدے

اس حدیث سے ایک فائدہ تو یہ مستنبط ہوا کہ امام وقت کی تقسیم کے بغیر اگر کوئی غنیمت میں سے کچھ لے گا تو وہ گناہ گار ہوگا (۴)۔

دوسرا فائدہ اس حدیث میں یہ ہے کہ اس میں امرائے واعیان سلطنت کو اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ مالِ غنیمت یا بیت المال میں سے بغیر استحقاق کے کچھ نہ لیں، نیز اگر کوئی حق دار آتا ہے تو اسے منع نہ کریں، بلکہ اس کا حق اس کو پورا پورا دیں (۵)۔ واللہ اعلم بالصواب

---

(۱) حواله بالا، وشرح الكرماني: ۹۳/۱۳.

(۲) عمدة القاري: ۴۰/۱۵، وتحفة الباري للأنصاري: ۵۴۳/۳، وإرشاد الساري: ۲۰۵/۵.

(۳) شرح ابن بطال: ۲۷۵/۵.

(٤) فتح الباري: ۲۱۹/٦، قال ابن بطال رحمه الله: "...... من أخذ من المقاسم شيئاً بغير قسم الرسول أو الإمام بعده، فقد تخوض في مال الله بغير حق، ويأتي بما غل يوم القيمة". انظر شرحه: ۲۷۵/۵.

(٥) حواله جات بالا.

٨ – باب : قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ : (أُحِلَّتْ لَكُمُ الْغَنَائِمُ) .

وَقالَ اللّهُ تَعالَى : «وَعَدَكُمُ اللّهُ مَغانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَها فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهِ» /الفتح : ٢٠/ .

وَهْيَ لِلْعامَّةِ حَتَّى يُبَيِّنَهُ الرَّسُولُ ﷺ .

اختلاف نسخ

اکثر نسخوں میں "باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: احلت لكم الغنائم" ہے، البتہ ابن التین کے نسخے میں "أحلت لي......" آیا ہے۔ حافظ ابن حجر کا کہنا ہے کہ ابن التین کے الفاظ ہی زیادہ بہتر ہیں، کیوں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے خود بھی انہی الفاظ کے ساتھ اس باب میں حدیث ذکر کی ہے......(۱)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں ترجمۃ الباب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مغانم مسلمانوں کے لیے ہوتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیت کریمہ ﴿وعدكم الله......﴾ میں یہی وعدہ کیا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی اسی پر دال ہے کہ غنیمت مسلمانوں کی ہوتی ہے اور وہ ان کے لیے حلال ہے۔

یہ تو عام مسلمانوں سے متعلق بات تھی، خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیتِ مبارکہ کیا تھی، تو اس کو امام بخاری نے "وهي للعامة حتى يبينه الرسول" میں بتلایا کہ غنیمت تو دراصل مسلمانوں کی ہوگی، لیکن اس کے استحقاق کا فیصلہ نبی علیہ السلام کریں گے، کہ کس کو دینا ہے اور کس کو نہیں، کون غانم ومجاہد تھا اور کون نہیں، غنیمت میں سے کس کو حصہ ملے گا اور خمس میں سے کس کو؟ یہ سارے کام نبی علیہ السلام کے ہیں اور پھر ان کے بعد ان کے نائب وخلیفہ کے کہ وہ اس میں تقسیم کا اختیار رکھے گا۔ سو قرآن مجمل تھا، سنت سے اس کی تفسیر ہوگئی (۲)۔

اوپر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کے تحت جو آیت ذکر کی اس کے دو حصے ہیں، ایک تو ﴿وعدكم الله مغانم كثيرة تأخذونها﴾ ہے، اس میں قیامت تک حاصل ہونے والی غنیمت کا ذکر ہے، خواہ نبی علیہ السلام کی معیت میں حاصل ہوئی یا بعد کے خلفاء وامرائے جیوش کے ساتھ۔ دوسرا ﴿فعجل لكم هذه﴾ ہے،

---

(١) فتح الباري: ٦/٢٢٠.

(٢) حواله بالا، وإرشاد الساري: ٥/٢٠٥، وشرح ابن بطال: ٥/٢٧٧.

اس سے مراد غنائم خیبر ہیں(۱)۔

پھر اس باب میں امام بخاری نے چھ احادیث ذکر کی ہیں۔ پہلی حدیث حضرت عروہ البارقی رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۵۱ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا خالِدٌ : حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ ، عَنْ عامِرٍ ، عَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ (۲)، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (الخَيْلُ مَعْقُودٌ في نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ ، الْأَجْرُ وَالمَغْنَمُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ) . [ر : ۲٦۹٥]

تراجمِ رجال

۱- مسدد

یہ مسدد بن مسرہد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب من الإيمان أن يحب لأخيه......" کے تحت گزر چکا ہے(۳)۔

۲- خالد

یہ خالد بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن الطحان رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۴)۔

۳- حصین

یہ حصین بن عبدالرحمٰن سُلمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۵)۔

٤- عامر

یہ مشہور محدث عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات اجمالاً "کتاب الإيمان" اور تفصیلاً کتاب

---

(۱) حواله جات بالا، وعمدة القاري: ٤١/١٥، وتحفة الباري: ٥٤٤/٣.

(۲) قوله: "عروة البارقي": الحديث، مرّ تخريجه في كتاب الجهاد، كشف الباري، كتاب الجهاد: ٣٥٩/١.

(۳) كشف الباري: ٢/٢.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب من مضمض......

(٥) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب مواقيت الصلاة، باب الأذان بعد ذهاب الوقت.

العلم، "باب كتابة العلم" کے تحت آ چکے(۱)۔

۵- عروه البارقی

یہ حضرت عروہ بن ابی الجعد البارقی رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الجهاد، "باب الخيل معقود في نواصيها الخير......" کے تحت بیان کیا جاچکا ہے(۲)۔

حضرت عروہ البارقی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے کہ گھوڑوں کی پیشانیوں میں خیر بندھی ہوئی ہے، یعنی اجر وغنیمت قیامت تک کے لیے۔

اس حدیث کی مفصل شرح کتاب الجہاد میں ہم بیان کر چکے(۳)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔ جو اس کلمے میں ہے، "والمغنم"(٤).

دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۵۲ : حدّثنا أَبُو اليَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ : حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ ، عَنِ الْأَعْرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ(٥): أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قالَ : (إِذَا هَلَكَ كِسْرَى فَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ ، وَإِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتُنْفَقَنَّ كُنُوزُهُمَا فِي سَبِيلِ اللهِ) . [ر : ٢٨٦٤]

تراجمِ رجال

۱- ابوالیمان

یہ ابوالیمان حکم بن نافع رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

---

(١) كشف الباري: ١/٦٧٩، و: ٤/٢٢٩.

(٢) كشف الباري، كتاب الجهاد: ١/٣٦٠.

(٣) كشف الباري، كتاب الجهاد: ١/٣٥٤-٣٦٥، باب الخيل معقود في نواصيها الخير......

(٤) عمدة القاري: ١٥/٤١، وفتح الباري: ٦/٢٢٠.

(٥) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": الحديث، مرّ تخريجه في الجهاد والسير، باب الحرب خدعة.

۲– شعیب

یہ شعیب بن ابی حمزہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تذکرہ "بدء الوحي" کی "الحدیث السادس" کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

۳– ابو الزناد

یہ ابو الزناد عبداللہ بن ذکوان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٤– الأعرج

یہ عبدالرحمٰن بن ہرمز المعروف بالأعرج رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں کے حالات کتاب الإیمان، "باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الإیمان" کے تحت آچکے(۲)۔

۵– ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، "باب أمور الإیمان" کے ذیل میں بیان کیے جاچکے(۳)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کسری ہلاک ہوجائے گا تو اس کے بعد اور کوئی کسریٰ نہیں ہوگا۔ نیز قیصر ہلاک ہوجائے گا تو اس کے بعد بھی کوئی قیصر نہیں ہوگا۔ اور اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! تم لوگ ان دونوں کے خزانوں میں سے اللہ کے راستے میں خرچ کروگے۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

اس حدیث کی ترجمے کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے، "لتنفقن کنوزهما في سبیل

(۱) کشف الباري: ۱/٤۷۹–٤۸۰.

(۲) کشف الباري: ۲/۱۰–۱۱.

(۳) کشف الباري: ۱/٦٥۹.

اللّٰہ"(۱)۔ چناں چہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی کے مطابق کسریٰ وقیصر کے خزانے مسلمانوں کے ہاتھ مالِ غنیمت کی صورت میں آئے اورانہوں نے اس کو خرچ کیا۔ معلوم ہوا کہ غنیمت مسلمانوں کے لیے ہے اور یہ ان کی ضرورتوں میں صَرف ہوگا، البتہ تقسیم کرنے والا اللہ کا رسول اور ان کے بعد ان کا نائب اور خلیفہ ہوگا۔

اس حدیث کی مفصل شرح کتاب الجہاد میں گذر چکی ہے(۲)۔

تیسری حدیث حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۵۳ : حدّثنا إِسْحٰقُ : سَمِعَ جَرِيرًا ، عَنْ عَبْدِ المَلِكِ ، عَنْ جابِرِ بْنِ سَمُرَةَ(۳) رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ قالَ : قالَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ : (إِذَا هَلَكَ كِسْرَى فَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ ، وَإِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ، لَتُنْفَقَنَّ كُنُوزُهُمَا فِي سَبِيلِ ٱللّٰهِ) . [۳٤۲۳ ، ٦۲٥٤]

تراجمِ رجال

۱ – اسحاق

یہ اسحاق بن ابراہیم بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

ابوعلی جیانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ انہوں نے کسی بھی راوی کو ان کی نسبت ونسب ذکر کرتے نہیں دیکھا، (یعنی یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ اسحاق سے مراد کون ہیں؟) لیکن بعد میں یہ حدیث اسی سیاق ومضمون کے ساتھ ہمیں مسند اسحاق میں ملی تو ظنِ غالب یہی ہے کہ ابن راہویہ مراد ہیں(۴)۔

اسحاق بن راہویہ کا تذکرہ کتاب العلم، "باب فضل من علم وعلم" کے تحت گزر چکا(۵)۔

(۱) فتح الباري: ٦/٢٢١، وعمدة القاري: ١٥/٤١.

(۲) كشف الباري، كتاب الجهاد: ٢/٣٧٩-٣٨٥، باب الحرب خدعة.

(۳) قوله: "عن جابر بن سمرة رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري في كتاب الأنبياء أيضاً، باب علامات النبوة في الإسلام، رقم (٣٦١٩)، وكتاب الأيمان والنذور، باب كيف كانت يمين النبي صلى الله عليه وسلم؟ رقم (٦٦٢٩)، ومسلم، كتاب الفتن......، باب لاتقوم الساعة حتى يمر الرجل بقبر الرجل......، رقم (٧٣٢٧-٧٣٢٩).

(٤) فتح الباري: ٦/٢٢١، وشرح الكرماني: ١٣/٩٤، ومسند إسحاق.

(٥) كشف الباري: ٣/٤٢٨.

۲–جریر

یہ جریر بن عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات كتاب العلم، "باب من جعل لأهل العلم أياما معلومة" کے تحت بیان کیے جا چکے (۱)۔

۳– عبدالملك

یہ عبدالملک بن عمیر کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

٤– جابر بن سمره

یہ مشہور صحابی حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ ہیں (۳)۔

اس حدیث کا مضمون بعینہ وہی ہے جو گذشتہ حدیث کا تھا۔

چوتھی حدیث حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی ہے۔

٢٩٥٤ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ : حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ : أَخْبَرَنَا سَيَّارٌ : حَدَّثَنَا يَزِيدُ الْفَقِيرُ : حَدَّثَنَا جابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا(٤) قالَ : قالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : (أُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ) .

[ر : ٣٢٨]

تراجم رجال

۱– محمد بن سنان

یہ محمد بن سنان باہلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ كتاب العلم، "باب من سئل علما وهو......" کے تحت گزر چکا ہے (۵)۔

---

(۱) كشف الباري: ٣/٢٦٨.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الأذان، باب أهل العلم والفضل أحق بالإمامة.

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الأذان، باب وجوب القراءة للإمام......

(٤) قوله: "جابر بن عبدالله......": الحديث، مرّ تخريجه في كتاب التيمم.

(٥) كشف الباري: ٣/٥٣.

٢- هشيم

یہ ہشیم بن بشیر واسطی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٣- سيار

یہ سیار بن ابی سیار وردان واسطی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٤- يزيد الفقير

یہ یزید بن صہیب المعروف بالفقیر کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (١)۔

٥- جابر بن عبدالله

یہ مشہور انصاری صحابی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہیں (٢)۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا یہاں امام بخاری نے صرف ایک جملہ ذکر کیا ہے، یہ حدیث مکمل طور پر کتاب التیمم میں آئی ہے، جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ "أعطيت خمسا......" کہ مجھے بطور خاص پانچ چیزوں سے منجانب اللہ نوازا گیا ہے، جو مجھ سے قبل کسی اور کو نہیں دی گئیں، چنانچہ ایک مہینے کی مسافت سے میری رعب کے ذریعے نصرت کی گئی ہے اور پوری زمین میرے لیے جائے نماز اور ذریعہ طہارت قرار دی گئی ہے، سو میری امت کا کوئی بھی آدمی کہیں بھی نماز کا وقت پالے تو نماز پڑھ لے اور میرے لیے غنائم کو حلال قرار دیا گیا ہے، جب کہ مجھ سے قبل کسی کے لیے وہ حلال نہ تھیں اور مجھے شفاعت سے نوازا گیا اور مجھ سے قبل کے انبیاء کسی ایک قوم کے لیے خاص طور پر مبعوث کیے جاتے تھے، جب کہ میری بعثت تمام انسانیت کے لیے عمومی طور پر ہوئی ہے (٣)۔

غنیمت اور سابقہ امم

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ امم سابقہ میں لوگوں کی دو قسمیں ہوا کرتی تھیں، ایک تو وہ لوگ

---

(١) ہشیم، سیار اور یزید الفقیر کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب التيمم، باب التيمم.

(٢) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين......

(٣) دیکھیے، صحيح البخاري، كتاب التيمم، باب التيمم، رقم (٣٣٥).

جن کو جہاد وقتال میں شرکت کی اجازت نہیں دی جاتی تھی تو ان کی غنیمت بھی نہیں ہوتی تھی۔ دوسرے وہ لوگ جو قتال میں تو شریک ہوتے تھے، لیکن اگر وہ کہیں مالِ غنیمت حاصل کرتے تو اس کا کھانا ان کے لیے حلال نہیں ہوتا تھا، بلکہ ایک آسمانی آگ آتی جو اس سارے مالِ غنیمت کو جلا ڈالتی (۱)۔

غنیمت میں تصرف، اس کا کھانا صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کا خاصہ ہے (۲)۔ بلکہ قرآن کریم میں تو اسے حلالاً طیباً فرمایا گیا ہے (۳)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں آیا ہے، "أطيب كسب المسلم سهمه في سبيل الله" (٤) اس کی شرح میں علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"أي ما يكسبه من غنيمة وفي وسلب قتيل ونحوها؛ لأن ما حصل بسبب الحرص على نصرة دين الله ونيل درجة الشهادة لا شيء أطيب منه، فهو أفضل من البيع وغيره مماصر؛ لأنه كسب المصطفى ﷺ وحرفته، ألا ترى إلى قوله: "وجعل رزقي تحت ظل رمحي" فأفضل الكسب مطلقا سهم الغازي لما ذكر ......"(٥).

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

حدیث کی ترجمہ کے ساتھ مطابقت واضح ہے، جو اس جملے میں ہے، "أحلت لي الغنائم".

---

(١) فتح الباري: ١/٤٣٨، وأعلام الحديث للخطابي: ١/٣٣٤، كتاب التيمم، رقم (٣٣٥).

(٢) قال ابن رجب الحنبلي: "وأما إحلال الغنائم له ولأمته خاصة، فقد روي أن من كان قبلنا من الأنبياء كانوا يحرقون الغنائم، وفي حديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، عن النبي صلى الله عليه وسلم: ((وأحلت لي الغنائم أكلها، وكان من قبلي يعظمون أكلها، وكانوا يحرقونها))". فتح الباري لابن رجب: ١/٣١٥، تحت رقم (٣٣٥)، وحديث عمرو بن شعيب أخرجه أحمد في مسنده: ٢/٢٢٢، مسند عبدالله بن عمرو بن العاص، رضي الله عنهما، رقم (٧٠٦٨).

(٣) قال الله تعالىٰ: ﴿فكلوا مما غنمتم حلالا طيبا﴾ [الأنفال: ٦٩].

(٤) دیکھیے، التمهيد لابن عبد البر: ٣/١٣٤، حديث خامس لربيعة بن عبد الرحمن ...... وكنز العمال: ٤/٢٨٥، عن ابن عباس رضي الله عنهما، رقم (١٠٥١٦)، كتاب الجهاد، والجامع الصغير مع الفيض: ١/٦٩٩، رقم (١١٢٣).

(٥) فيض القدير شرح الجامع الصغير: ١/٦٩٩، حرف الهمزة.

پانچویں حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۵٥ : حدّثنا إسْماعِيلُ قالَ : حَدَّثَني مالِكٌ ، عَنْ أَبِي الزِّنادِ ، عَنِ الْأَعْرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ(۱): أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قالَ : (تَكَفَّلَ ٱللهُ لِمَنْ جاهَدَ في سَبِيلِهِ ، لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا الجِهَادُ في سَبِيلِهِ وَتَصْدِيقُ كَلِماتِهِ ، بِأَنْ يُدْخِلَهُ الجَنَّةَ ، أَوْ يَرْجِعَهُ إِلَى مَسْكَنِهِ الَّذِي خَرَجَ مِنْهُ مَعَ مَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ) . [ر : ٣٦]

تراجم رجال

۱— اسماعیل

یہ مشہور محدث اسماعیل بن ابی اویس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ كتاب الإيمان، "باب من كره أن يعود في الكفر كما يكره......" کے تحت گزر چکا (۲)۔

۲— مالك

یہ امام دار الہجرۃ حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات "بدء الوحي" کی "الحديث الثاني" کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

۳—ابو الزناد

یہ ابو الزناد عبداللہ بن ذکوان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٤— الأعرج

یہ عبدالرحمن بن ہرمز رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا ترجمہ كتاب الإيمان، "باب حب الرسول......" کے تحت آچکا (۴)۔

---

(١) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": الحديث، مرّ تخريجه في كتاب الإيمان، باب الجهاد من الإيمان، كشف الباري: ٢/ ٣٠١.

(٢) كشف الباري: ٢/ ١١٣.

(٣) كشف الباري: ١/ ٢٩٠، تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے، كشف الباري: ٢/ ٨٠.

(٤) كشف الباري: ٢/ ١٠-١١.

۵- ابوہریرہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، "باب أمور......" میں گزر چکے(۱)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی ضمانت لی ہے، جو اس کے راستے میں جہاد کرے، اس کو اپنے گھربار سے صرف جہاد فی سبیل اللہ اور اللہ تعالیٰ کے کلمات کی تصدیق نے نکالا ہو، کہ اسے شہادت کی صورت میں جنت میں داخل کرے گا یا غازی ہونے کی صورت میں اپنے اس مسکن کی طرف لوٹا دے گا، جہاں سے وہ نکلا تھا، اس اجر یا غنیمت کے ساتھ، جو اُس نے حاصل کی (یعنی بہر دو صورت وہ کامیاب ہے)۔

تنبیہ

اس حدیث کی مکمل شرح کتاب الإیمان اور کتاب الجهاد میں گذر چکی ہے(۲)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس کلمے میں ہے، "أو غنيمة"(۳).

چھٹی حدیث بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۵٦ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ : حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ ، عَنْ مَعْمَرٍ ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ(٤) قَالَ : قالَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ : (غَزَا نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ ، فَقَالَ لِقَوْمِهِ : لَا يَتْبَعْنِي رَجُلٌ مَلَكَ بُضْعَ ٱمْرَأَةٍ ، وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يَبْنِيَ بِهَا وَلَمَّا يَبْنِ بِهَا ، وَلَا أَحَدٌ بَنَى بُيُوتًا وَلَمْ يَرْفَعْ سُقُوفَهَا ، وَلَا أَحَدٌ ٱشْتَرَى غَنَمًا أَوْ خَلِفَاتٍ ، وَهُوَ يَنْتَظِرُ وِلَادَهَا ، فَغَزَا ، فَدَنَا مِنَ الْقَرْيَةِ صَلَاةَ الْعَصْرِ ، أَوْ قَرِيبًا مِنْ ذٰلِكَ ، فَقَالَ لِلشَّمْسِ : إِنَّكِ مَأْمُورَةٌ وَأَنَا مَأْمُورٌ ، اللّٰهُمَّ ٱحْبِسْهَا

---

(١) كشف الباري: ٦٥٩/١.

(٢) كشف الباري، كتاب الإيمان: ٣٠٥/٢-٣١٤، وكتاب الجهاد: ٦٨/١، و: ١١٢-١١٥.

(٣) عمدة القاري: ٤٢/١٥.

(٤) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": الحديث أخرجه البخاري، كتاب النكاح، باب من أحب البناء =

عَلَيْنَا ، فَحُبِسَتْ حَتَّى فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ ، فَجَمَعَ الْغَنَائِمَ فَجَاءَتْ - يَعْنِي النَّارَ - لِتَأْكُلَهَا فَلَمْ تَطْعَمْهَا ، فَقَالَ : إِنَّ فِيكُمْ غُلُولاً ، فَلْيُبَايِعْنِي مِنْ كُلِّ قَبِيلَةٍ رَجُلٌ ، فَلَزِقَتْ يَدُ رَجُلٍ بِيَدِهِ ، فَقَالَ : فِيكُمُ الْغُلُولُ ، فَلْتُبَايِعْنِي قَبِيلَتُكَ ، فَلَزِقَتْ يَدُ رَجُلَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ بِيَدِهِ ، فَقَالَ : فِيكُمُ الْغُلُولُ ، فَجَاؤُوا بِرَأْسٍ مِثْلِ رَأْسِ بَقَرَةٍ مِنَ الذَّهَبِ ، فَوَضَعُوهَا ، فَجَاءَتِ النَّارُ فَأَكَلَتْهَا ، ثُمَّ أَحَلَّ اللّٰهُ لَنَا الْغَنَائِمَ ، رَأَى ضَعْفَنَا وَعَجْزَنَا ، فَأَحَلَّهَا لَنَا) . [٤٨٦٢]

تراجمِ رجال

١- محمد بن العلاء

یہ محمد بن العلاء ہمدانی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب فضل من علم وعلّم" کے تحت آچکا(۱)۔

٢- ابن المبارك

یہ حضرت عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ اجمالی "بدء الوحي" کی "الحديث الخامس" کے تحت آچکا ہے(۲)۔

٣- معمر

یہ ابوعروہ معمر بن راشد ازدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ بھی "بدء الوحي" کی "الحديث الخامس" کے تحت گزر چکا(۳)۔

٤- همام بن منبه

یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے مشہور تلمیذ رشید حضرت ہمام بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے

= قبل الغزو، رقم (٥١٥٧)، ومسلم، كتاب الجهاد، باب تحليل الغنائم لهذه الأمة خاصة، رقم (٤٥٥٥).

(١) كشف الباري: ٣/٤١٣.

(٢) كشف الباري: ١/٤٦٢.

(٣) كشف الباري: ١/٤٦٥.

حالات کتاب الإیمان، "باب من حسن إسلام المرء......" کے ذیل میں گزر چکے(☆)۔

۵– ابوهريره رضى الله عنه

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب أمور الإيمان" میں گزر چکا(۱)۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: غزا نبي من الأنبياء

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیائے کرام میں سے ایک نے قتال کیا۔

غزا فعل ماضی ہے، لیکن مضارع کے معنی میں ہے، مطلب یہ ہے کہ غزوے اور قتال کا ارادہ کیا(۲)۔

یہ نبی کون تھے؟

قاضی عیاض، ابن اسحاق(۳)، امام حاکم(۴) وجمہور محدثین وعلماء کی رائے یہی ہے کہ یہ نبی حضرت یوشع بن نون علیہ السلام تھے، جو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کیے گئے تھے(۵)۔

اس کی تصدیق وتائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''مسند'' میں ہشام عن محمد بن سیرین عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے طریق سے نقل کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:"إن الشمس لم تحبس لبشر إلا ليوشع بن نون ليالي سار إلى بيت المقدس......"(٦).

(☆) كشف الباري: ٤٢٨/٢.

(١) كشف الباري: ٦٥٩/١.

(٢) فتح الباري: ٦ /٢٢١، وتحفة الباري: ٥٤٤/٣.

(٣) عمدة القاري: ٤٢/١٥، وطرح التثريب في شرح التقريب للعراقي: ١٩٧٦/٦، باب الغنيمة ......

(٤) فتح الباري: ٢٢١/٦، والمستدرك للحاكم: ١٣٩/٢–١٤٠، كتاب قسم الفيء، رقم (٢٦١٨).

(٥) فتح الباري: ٢٢١/٦، وعمدة القاري: ٤٢/١٥، وإرشاد الساري: ٢٠٦/٥، وشرح الأبي على مسلم: ٥٨/٢، وتحفة الباري: ٥٤٤/٣.

(٦) مسند أحمد: ٣٢٥/٢، مسند أبي هريرة، رقم (٨٢٩٨).

یہ حدیث مرفوع بھی ہے اور صحیح بھی (۱)۔

لیکن ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعے کو حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے اور حدیثِ باب کے الفاظ کی نسبت ان کی طرف کی ہے (۲)، حافظ کہتے ہیں کہ مجھے کسی مسند حدیث میں یہ بات نہیں ملی۔ البتہ خطیب بغدادی نے اپنی تالیف "ذم النجوم" میں ابوحذیفہ کے طریق سے اور امام بخاری نے "المبتدا" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام کی قوم نے ان سے یہ مطالبہ کیا کہ ہمیں مخلوقات کی ابتدا اور ہماری آجال (ہماری موت کے مقررہ وقت) کے بارے میں بتلائیں، انہوں نے قوم کا یہ مطالبہ پورا کردیا، اب ہر شخص کو اپنی موت کا وقت معلوم ہو چکا تھا، حالات اسی نہج پر چلتے رہے، یہاں تک کہ حضرت داؤد علیہ السلام مبعوث ہوئے اور انہوں نے ان کے ساتھ، درانحالیکہ یہ کافر ہو چکے تھے، قتال کا ارادہ کیا اور لشکر لے کر آئے، انہوں نے بھی حضرت داؤد علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے آدمی روانہ کیے، لیکن...... ان لوگوں کو روانہ کیا جن کی موت ابھی نہیں آنی تھی، اب جنگ کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے لشکری تو شہید ہوئے، لیکن ان میں سے کوئی بھی نہ مرا، حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے شکوہ کیا اور اس سے مدد مانگی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر سورج کو روک دیا، کہ غروب نہ ہو، اس طرح دن لمبا ہو گیا اور کفار پر دن و رات خلط ملط ہو گئے اور وہ اپنا حساب بھول گئے، اس طرح حضرت داؤد علیہ السلام نے ان پر قابو پایا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"وإسناده ضعيف جدا، وحديث أبي هريرة المشار إليه عند أحمد أولى؛

فإن رجال إسناده محتج بهم في الصحيح، فالمعتمد أنها لم تحبس إلا ليوشع"(۳).

کیا حبسِ شمس صرف حضرت یوشع علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے؟

اوپر کی تفصیل سے معلوم یہی ہوتا ہے کہ حبسِ شمس کا واقعہ صرف حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے

---

(۱) فتح الباري: ۲۲۱/٦.

(۲) شرح ابن بطال: ۱۳۵/۵، باب استئذان الرجل الإمام......

(۳) فتح الباري: ۲۲۱/٦.

لیے ہوا تھا، مسند احمد کی اوپر ذکر کردہ حدیث سے حصر معلوم ہوتا ہے، "إن الشمس لم تحبس لبشر إلا ليوشع بن نون......" لیکن کچھ اور واقعات جو صحیح اسانید سے مروی ہیں، سے یہ حصر باطل معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ ابن اسحٰق نے "المبتدا" میں یحییٰ بن عروۃ بن الزبیر عن ابیہ کے طریق سے نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے کوچ کرنے کا حکم دیا تو یہ حکم بھی دیا کہ اپنے ساتھ یوسف علیہ السلام کے تابوت کو بھی لیں۔ بتقاضائے حکم خداوندی آپ تابوت تلاش کرتے رہے، لیکن اس تک آپ علیہ السلام کی رسائی نہ ہوسکی، یہاں تک کہ صبح کا اجالا پھیلنے لگا، اس سے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سے یہ وعدہ کر چکے تھے کہ طلوعِ فجر پر روانہ ہوں گے، اس لیے انہوں نے باری تعالیٰ سے دعا کی کہ طلوع فجر کو اس وقت تک مؤخر کردیا جائے کہ وہ تابوت یوسف علیہ السلام سے متعلقہ ذمے داری سے فارغ ہوں، سو اللہ نے ان کی یہ دعا قبول کرلی (۱)۔

علاوہ ازیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مختلف علمائے سیر نے لکھا ہے کہ معراج والی صبح آپ علیہ السلام نے قریش مکہ کو بتلایا کہ آپ نے ان کے اس قافلے کو دیکھا ہے، جو اموال تجارت لے کر آرہا ہے اور وہ قافلہ دن چڑھنے کے بعد ظاہر ہوگا۔ لیکن قافلے کے پہنچنے سے قبل ہی سورج غروب ہونے لگا تو آپ علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں اپنی گزارش پیش کی کہ سورج کو روک دیا جائے، سو سورج رک گیا، یہاں تک کہ قافلہ پہنچ گیا، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے کلمات یہ ہیں: "أن النبي صلى الله عليه وسلم أمر الشمس، فتأخرت ساعة من نهار" (۲).

ان تمام واقعات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حبسِ شمس حضرت یوشع علیہ السلام کی خصوصیت نہیں ہے اور انہیں میں منحصر بھی نہیں، بلکہ اس طرح کے اور واقعات بھی ہیں۔

---

(۱) حواله بالا، وعمدة القاري: ۱۵/ ۴۳.

(۲) حواله جات بالا، وحديث جابر أخرجه الطبراني في "الأوسط": ۴/ ۲۲۴، باب من اسمه إبراهيم، رقم (۴۰۳۹)، بسند حسن -كما قال الحافظ في الفتح: ۶/ ۲۲۱-، وطرح التثريب: ۶/ ۱۹۷۸.

وأخرجه البيهقي في دلائل النبوة: ۲/ ۴۰۴، بسنده عن إسماعيل بن عبدالرحمن القرشي، تحت باب الإسراء برسول الله صلى الله عليه وسلم من المسجد......

حدیث حصر اور مذکورہ واقعات کے درمیان تطبیق

موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کو بنیاد بنا کر مسند احمد کی حصر والی حدیث پر اشکال درست نہیں، وہ اس لیے کہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے واقعے کا تعلق غروب شمس سے ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کا تعلق طلوع فجر سے، یعنی وہ شام کا واقعہ ہے اور یہ صبح کا، چناں چہ حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے حبس غروب شمس اس بات کے منافی نہیں کہ ان کے علاوہ کسی اور کے لیے حبسِ طلوع فجر نہ ہو(۱)۔

جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کی صبح کے قصے کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث حصر میں حصر کا تعلق انبیائے سابقین سے ہے، مطلب یہ ہے کہ ہمارے نبی مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل حبس شمس صرف حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے ہوا ہے، چناں چہ اس میں اس بات کی کوئی نفی نہیں ہے کہ حبس شمس ان کے بعد ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہیں ہو سکتا (۲)۔

امام سدی رحمۃ اللہ علیہ اس واقعے کے بارے میں فرماتے ہیں:

"إن الشمس كادت أن تغرب قبل أن يقدم ذلك العير، فدعا الله عزوجل، فحبسها حتى قدموا كما وصف لهم...... فلم تحبس الشمس على أحد إلا عليه ذلك اليوم، وعلى يوشع بن نون......"(۳).

رد الشمس کے واقعات

اوپر ذکر کردہ واقعات حبس شمس سے متعلق تھے، خواہ صبح ہو یا شام، ان کے علاوہ سیر و تاریخ کی کتابوں میں رد الشمس کے واقعات بھی ملتے ہیں، یعنی وہ قصے جن میں کسی شخصیت کے لیے سورج کو غروب کے بعد لوٹا دینے کا ذکر ملتا ہے، ذیل میں ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

❶ اس ضمن میں سب سے پہلا واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں مشہور ہے، قرآن کریم کی ان آیات میں اس کا ذکر۔بقول بعض مفسرین کے۔آیا ہے: ﴿إذ عرض عليه بالعشي الصافنات الجياد،

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٢١.

(۲) حوالہ بالا.

(۳) عمدة القاري: ١٥/٤٣، وشرح الأبي على مسلم: ٢/٥٨.

فقال إني أحببت حب الخير عن ذكر ربي حتى توارت بالحجاب، ردوها علي فطفق مسحا بالسوق والأعناق﴾(۱).

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شام حضرت سلیمان علیہ السلام کے معائنے کے لیے گھوڑے لائے گئے، آپ اس کام میں اس قدر مشغول ہوئے کہ عصر کی نماز رہ گئی اور سورج غروب ہوگیا، بعد میں تنبہ ہوا تو گھوڑوں کو دوبارہ لانے کا حکم دیا اور تلوار لے کر ان کی گردنیں اور پنڈلیاں کاٹنا شروع کیں (۲)۔

یہ خلاصہ مشہور تفسیر کے مطابق ہے اور اور اس میں ﴿ردوها﴾ کی ضمیر کا مرجع گھوڑے ہیں، لیکن بعض مفسرین (ثعلبی اور بغوی وغیرہ) (۳) نے اس ضمیر کا مرجع شمس کو قرار دے کر یہ کہا ہے کہ سورج کو لوٹانے کا سلیمان علیہ السلام نے کہا تھا، ان کی درخواست قبول کی گئی، سورج کو واپس لوٹا دیا گیا، اس طرح انہوں نے عصر کی نماز پڑھی (۴)۔

لیکن علمائے محققین کے نزدیک یہ واقعہ ثابت نہیں ہے اور جمہور مفسرین کی رائے یہی ہے کہ ﴿ردوها﴾ کی ضمیر مؤنث خیل کی طرف لوٹ رہی ہے، حافظ فرماتے ہیں:

"أورد هذا الأثر جماعة ساكتين عليه جازمين بقولهم: "قال ابن عباس: قلت لعلي؟" وهذا لا يثبت عن ابن عباس ولا عن غيره، والثابت عن جمهور أهل العلم بالتفسير من الصحابة ومن بعدهم أن الضمير المؤنث في قوله ﴿ردوها﴾ للخيل، والله أعلم"(٥).

البتہ بعض مفسرین نے مذکورہ واقعے کو درست قرار دیتے ہوئے اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ قرار دیا ہے، علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

---

(١) سورة ص: ٣١-٣٣.

(٢) ان آیات کی تفسیر کے لیے دیکھیے، كشف الباري، كتاب التفسير، ص: ٥٥٥.

(٣) فتح الباري: ٢٢٢/٦، وتفسير البغوي: ٦١/٤، وتفسير النسفي: ٣٩/٤.

(٤) فتح الباري: ٢٢٢/٦، وعمدة القاري: ٤٣/١٥.

(٥) فتح الباري: ٢٢٢/٦.

"قلت: ومن قال: إن الهاء في ﴿ردوها﴾ ترجع للشمس، فذلك من معجزاته"(۱).

❷ دوسرا واقعہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ خندق میں قتال میں مشغولیت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی عصر کی نماز رہ گئی تھی، یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ قدس میں اپنی درخواست پیش کی، جو قبول کی گئی اور سورج کو لوٹا دیا گیا۔ پھر سب نے عصر کی نماز پڑھی۔

اس واقعے کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے اور رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے(۲)۔

❸ تیسرا واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے، جس کی تخریج امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے دو طرق سے کی ہے اور دونوں طرق کو انہوں نے صحیح وثابت کہا ہے، حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوحى إليه، ورأسه في حجر علي، فلم يصل العصر حتى غربت الشمس، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "صليت يا علي؟" قال: لا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "اللهم، إنه كان في طاعتك وطاعة رسولك، فاردد عليه الشمس". قالت أسماء: فرأيتها غربت، ثم رأيتها طلعت، بعدما غربت"(۳).

مطلب یہ ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی تھی اور ان کا سر

---

(۱) الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۱۵/۱۹۷.

(۲) اس حدیث کی تخریج بقول قاضی عیاض امام طحاوی نے کی ہے، لیکن ہمیں یہ حدیث شرح مشکل الآثار میں تو نہیں ملی، حافظ ابن حجر کو بھی اس نسبت میں تامل ہے، لیکن نفس واقعہ پر انہوں نے کوئی نقد نہیں کیا، غالباً وہ قصے کو درست مانتے ہیں، یہی حال علامہ عینی کا بھی ہے، انہوں نے اس واقعے کو نقل کرنے کے بعد اس پر سکوت کیا ہے۔ انظر الفتح: ۶/۲۲۲، والعمدة: ۱۵/۴۳، جب کہ علامہ ذہبی (رحمہما اللہ...... نے اس کی تغلیط کی ہے، دیکھیے، تنزيه الشريعة المرفوعة: ۱/۳۷۹.

(۳) شرح مشكل الآثار: ۳/۹۲، باب: ۱۶۵، بيان مشكل ماروي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في مسألته الله عزوجل أن يرد الشمس ......، رقم (۱۰۶۷)، والمعجم الكبير للطبراني: ۲۴/۱۵۰-۱۵۲، رقم (۳۹۰-۳۹۱)، وروى أوّله ابنُ أبي عاصم في كتاب السنة: ۲۲۶، رقم (۱۳۲۳).

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز عصر ادا نہیں کی تھی اور سورج غروب ہو چکا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ اے علی! تم نے نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی کہ اے اللہ! یہ علی آپ کی اور آپ کے رسول کی اطاعت وخدمت میں مشغول تھے، سو ان کے لیے سورج کو دوبارہ لوٹا دیجئے۔ حضرت اسماء کہتی ہیں کہ میں نے سورج کو دیکھا تو وہ غروب ہو چکا تھا، پھر اسے دیکھا تو یہ مشاہدہ کیا کہ وہ غروب ہونے کے بعد طلوع ہو چکا ہے"۔

اس حدیث کے دوسرے طریق میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا یہ بھی فرماتی ہیں:

"ثم قام علي، فتوضأ وصلى العصر، ثم غابت، وذلك في الصهباء في غزوة خيبر"(١).

کہ "پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اٹھے، وضو کیا اور نماز عصر ادا کی، پھر سورج غروب ہو گیا، یہ موضع صہباء کا واقعہ ہے، دن غزوہ خیبر کے تھے"۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نقل کر کے کچھ صفحات بعد لکھتے ہیں:

"وكل هذه الأحاديث من علامات النبوة.

وقد حكى لي علي بن عبدالرحمن بن المغيرة، عن أحمد بن صالح، أنه كان يقول: لاينبغي لمن كان سبيلُهُ العلم التخلفَ عن حفظ حديث أسماء الذي رواه لنا عنه؛ لأنه من أجل علامات النبوة"(٢).

کہ "یہ ساری حدیثیں علامات نبوت میں سے ہیں اور مجھے علی بن عبدالرحمٰن نے احمد بن صالح کا قول نقل کرتے ہوئے بتلایا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی بھی عالم کے لیے

---

(١) شرح مشكل الآثار: ٩٢/٣، باب: ١٦٥، بيان مشكل ماروي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في مسألته الله عزوجل أن يرد الشمس ......، رقم (١٠٦٨).

(٢) حواله بالا، ص: ٩٧-٩٨.

یہ مناسب نہیں کہ وہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے تخلف واجتناب کرے، کیونکہ یہ نبوت کی عظیم علامات میں سے ہے"۔

علاوہ ازیں حافظ ابن حجر، علامہ عینی، امام قرطبی، امام ابوالفضل عراقی اور ان کے جلیل القدر صاحبزادے ابوزرعۃ عراقی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وغیرہ نے بھی اس حدیث کو صحیح اور قصے کو درست کہا ہے (۱)۔

لیکن دوسری طرف بعض محدثین نے اس حدیث کو موضوع اور باطل قرار دیا ہے، جن میں ابن الجوزی (۲)، ابن تیمیہ (۳)، ذہبی (۴)، ابن کثیر (۵)، ابن عساکر اور جوزقانی (۶) رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے ائمہ شامل ہیں (۷)۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس حدیث کو بنیاد بنا کر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کو بہت شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور کہا ہے کہ ان کو احادیث کے پرکھنے اور اسناد کی صحت وسقم کی شناخت میں زیادہ ادراک حاصل نہیں تھا (۸)۔

امام طحاوی اور حدیث رد الشمس لعلی

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے جہاں تک مناقب وصفات کا تعلق ہے تو ان کے بیان کا تو یہ موقع نہیں،

---

(۱) الفتح: ۶/۲۲۲، والعمدة: ۱۵/۴۳، وطرح التثريب في شرح التقريب: ۶/۱۹۷۸-۱۹۷۹، وتفسير القرطبي: ۱۵/۱۹۷، وأيضاً صحّحه القاضي عياض في الشفاء: ۱/۱۷۷، والخفاجي في شرحه نسيم الرياض للشفاء: ۳/۳۸۳-۳۸۶، القسم الأول، فصل انشقاق القمر وحبس الشمس.

(۲) كتاب الموضوعات: ۱/۲۶۶، باب في فضائل علي رضي الله عنه، الحديث الحادي عشر، في ردالشمس له.

(۳) منهاج السنة النبوية: ۴/۱۸۹، فصل، قال الرافضي ...... التاسع، رجوع الشمس له......

(۴) تنزيه الشريعة المرفوعة: ۱/۳۷۹، الفصل الثاني، رقم (۱۰۴).

(۵) البداية والنهاية لابن كثير: ۶/۸۱.

(۶) الأباطيل والمناكير: ۱/۱۵۸، بحواله تعليقات شرح مشكل الآثار: ۳/۹۳.

(۷) فتح الباري: ۶/۲۲۲، وتعليقات شرح مشكل الآثار: ۳/۹۳.

(۸) منهاج السنة لابن تيمية: ۴/۱۸۹.

رہی حدیث رد الشمس لعلي اور اس بنیاد پر امام طحاوی کو تنقید کا نشانہ بنانا، تو یہ بالکل درست نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کے ناقل صرف امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نہیں ہیں، بلکہ طبرانی (۱)، بیہقی (۲) اور امام حاکم (۳) ایسے محدثین بھی اس حدیث کو روایت کرتے ہیں (۴)۔ اس لیے سرے سے اس حدیث کو رد کرنا ممکن نہیں، یہی سبب تھا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر ناقدِ حدیث بھی اس کو معجزۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تسلیم کرتے ہوئے یہ فرما رہے ہیں:

"وقد أخطأ ابن الجوزي بإيراده له في "الموضوعات"، وكذا ابن تيمية في "كتاب الرد على الروافض" في زعم وضعه، والله أعلم"(٥).

جہاں تک ابن تیمیہ کا امام طحاوی پر تنقید کا مسئلہ ہے تو اس کا جواب علامہ کوثری مصری نے دیا ہے کہ اس الزام کی بنیاد امام طحاوی کا حدیث "ردالشمس لعلي" کو صحیح قرار دینا ہے، جو کہ ابن تیمیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نظریہ کے خلاف ہے، وہ اسے روافض کی شرارت سمجھتے ہیں۔ یہ سوائے عناد کے اور کچھ نہیں، اس لیے کہ اس حدیث کی بہت سارے محدثین نے تصحیح بھی کی ہے، چاہے ابن تیمیہ اس پر راضی ہوں یا ناراض (٦)۔

واللہ اعلم بالصواب۔

فقال لقومه: لا يتبعني رجل ملك بضع امرأة وهو يريد أن يبني بها، ولمّا يبن بها

تو حضرت یوشع علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا میرے ساتھ ایسا کوئی آدمی سفر نہ کرے جس نے حال

---

(١) المعجم الكبير للطبراني: ٢٤/١٥٠-١٥٢، حديث أسماء بنت عميس، رقم (٣٩٠-٣٩١)، وأيضاً أخرجه السيوطي في الخصائص الكبرى: ٢/٨٢، باب رد الشمس بعد غروبها.

(٢) لم أجده في مطبوعاته، والله أعلم بالصواب.

(٣) لم أجده في مطبوعاته، والله أعلم بالصواب.

(٤) فتح الباري: ٦/٢٢١

(٥) فتح الباري: ٦/٢٢٢

(٦) الحاوي في سيرة الإمام الطحاوي، ص: ١٣، اس بحث سے متعلق مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے، نسيم الرياض في شرح الشفاء للقاضي عياض: ٣/٣٨٣-٣٨٦، وتعليقات حمدي عبدالمجيد على المعجم الكبير: ٢٤/١٤٨-١٥١، رقم (٣٩٠-٣٩١).

ہی میں نکاح کیا ہو اور اپنی منکوحہ کے پاس جانا چاہتا ہو کہ وہ ابھی تک اس کے پاس نہیں گیا ہے۔

حضرت یوشع علیہ السلام نے سفرِ جہاد میں روانگی سے قبل ایک اعلان کروایا کہ اس اس قسم کے لوگ میرے ہم سفر نہ ہوں، جن میں کا پہلا وہ ہے کہ اس نے ابھی ابھی نکاح کیا ہے اور بیوی سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی ہے اور چاہتا ہے کہ ملاقات ضرور ہو۔

''بضع'' باء کے ضمہ کے ساتھ نکاح کے معنی میں ہے، اسی طرح اس کے معنی شرم گاہ (فرج) اور جماع کے بھی ہیں اور تینوں معنی یہاں درست ہیں، نیز اس کا اطلاق مہر اور طلاق پر بھی ہوتا ہے، جوہری نے ابن السکیت سے بضع کے معنی نکاح کے نقل کیے ہیں، یقال: "ملك فلان بضع فلانة"(۱).

"ولما يبن بها" میں "لما" جازمہ ''لم'' کے معنی میں ہے، لیکن لما کے ذریعے تعبیر کی گئی کہ وہ اس بات کی توقع بھی رکھتا ہے کہ اسے بناء اور زفاف کا موقع مل جائے گا، چنانچہ سعید بن المسیب عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے جو روایت امام نسائی وابوعوانہ اور ابن حبان (۲) نے نقل کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"لا يتبعني رجل بنى دارا لم يسكنها أو تزوج امرأة ولم يدخل بها"(۳).

پھر عدم دخول کی جو قید لگائی گئی ہے اس سے یہ مفہوم ہو رہا ہے دخول کے بعد معاملہ برعکس ہوگا اور ان دونوں کے درمیان جو فرق ہے وہ مخفی نہیں، اگرچہ دخول کے بعد بھی دل بعض اوقات گھر والوں میں اٹکا رہتا ہے، لیکن بہرحال وہ نوعیت نہیں ہوگی جو دخول سے قبل ہوگی کہ اس صورت میں ذہن پر خاتون ہی سوار ہوگی (۴)۔

واللہ اعلم

ولا أحد بنى بيوتا ولم يرفع سقوفها

نہ ہی ایسا شخص جس نے گھر بنایا ہو لیکن اس کی چھت نہ ڈالی ہو۔

---

(۱) الصحاح للجوهري: ۹۵، مادة "بضع"، فتح الباري: ۲۲۲/٦، وعمدة القاري: ۴۳/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۰٦/۵، وطرح التثريب: ۱۹۷٦/٦.

(۲) صحيح ابن حبان: ۱۴۹/۸، كتاب السير، باب الغنائم وقسمتها، ذكر تحليل الله......، رقم (۴۷۸۷).

(۳) فتح الباري: ۲۲۲/٦.

(۴) حواله بالا، وإرشاد الساري: ۲۰٦/۵

مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص بھی میرے ساتھ نہ چلے جو گھر کی تعمیر میں مشغول رہا ہو اور اس سے مکمل فارغ نہ ہوا ہو، تعمیراتی کام کچھ باقی ہو۔

مسلم شریف (۱) اور مسند احمد (۲) کی روایت میں سقوفها کی بجائے سُقُفها ہے، صیغے دونوں جمع کے ہیں، اس طرح شیخین اور مسند احمد کی روایتیں باہم معنیٰ موافق ہو جائیں گی، حافظ علیہ الرحمۃ نے سین کے فتحہ اور قاف کے سکون کے ساتھ ضبط کو وہم قرار دیا ہے (۳)۔ اس صورت میں لفظ مفرد ہوگا۔

ولا أحد اشترى غنما أو خلفات وهو ينتظر ولادها

نہ ہی ایسا شخص جس نے بکریاں یا حاملہ اونٹنیاں خریدی ہوں اور وہ ان کے بچہ جننے کا منتظر ہو۔

خلفات کی معنوی تحقیق

خلفات - بفتح الخاء المعجمة وكسر اللام وفتح الفاء - خلفة کی جمع ہے، حاملہ اونٹنی کو کہتے ہیں، البتہ بعض اوقات اونٹنی کے علاوہ دوسرے جانوروں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے (۴)۔

اور کلمہ "أو" جو غنماً أو خلفات کے درمیان ہے، یہ تنویع کے لیے ہے، پھر یہاں غنما کو مطلق ذکر کیا گیا ہے اور اس کی صفت حمل غالباً حذف کردی گئی ہے، اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ دوسرا کلمہ یعنی خلفات اس پر دلالت کر رہا ہے، اس صورت میں "غنما" کا ترجمہ بھی "حاملہ بکریاں" ہوگا۔ دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ غنم یہاں مطلق ہے، بغیر کسی وصف زائد، یعنی صرف بکریاں، اس صورت میں اس کو مطلق بیان کرنے کی توجیہ یہ ہوگی کہ بکری میں برداشت کا مادہ کم ہوتا ہے، وہ بہت جلد گھبرا جاتی ہے، اس طرح اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ رہتا ہے، برخلاف اونٹنی کے، یہاں تو اندیشہ حمل کی صورت میں ہوتا ہے کہ کہیں حمل ضائع نہ ہو جائے، کیوں کہ عرب میں جنس اونٹ کی اہمیت تھی (۵)۔

بعض شراح نے "أو" کو شک کے لیے قرار دیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب تحليل الغنائم لهذه الأمة خاصة، رقم (٤٥٥٥).

(۲) مسند الإمام أحمد: ٣١٨/٢، مسند أبي هريرة، رضي الله عنه، رقم (٨٢٢١).

(۳) فتح الباري: ٢٢٢/٦، وطرح التثريب: ١٩٧٧/٦.

(٤) فتح الباري: ٢٢٢/٦، وعمدة القاري: ٤٣/١٥.

(٥) فتح الباري: ٢٢٢/٦، وطرح التثريب: ١٩٧٧/٦.

صرف ایک احتمال کے درجے میں ہے، معتمد تنویع کے لیے ہونا ہے، کیونکہ ابویعلی (۱) کی محمد بن العلاء سے روایت کے الفاظ یہ ہیں، "ولا رجل له غنم أو بقر أو خلفات" یہاں تو تنویع پر صراحۃً دلالت ہے (۲)۔

اور وِلاد ولد یلد ولادۃ کا مصدر ہے، واو کے کسرہ کے ساتھ (۳)۔

ان افراد کو ممانعت کی حکمت

حضرت یوشع علیہ السلام نے، جیسا کہ آپ نے دیکھا، تین قسم کے افراد کو اپنے ساتھ نکلنے سے روکا اور فرمایا، "لا یتبعني ......" تو اس کی حکمت یہ تھی کہ جہاد میں ان کی توجہ بٹی ہوئی ہوتی، ذہن ان امور میں الجھا ہوتا۔

چناں چہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ دنیا کے فتنے انسان کو حواس باختہ اور بے صبرا بنادیتے ہیں، مثلاً وہ آدمی جو حال ہی میں رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوا ہو، اپنی بیوی کی قربت کا بھی متمنی ہو، اس کی دید کا مشتاق ہو تو ایسا آدمی اگر جہاد میں نکل بھی گیا تو اس کا دل واپسی کی فکر میں ہی ہوگا (۴)، شیطان اس کو اس عبادت وطاعت سے ہٹادے گا جس میں وہ مشغول ہے اور اس کے دل میں خوف ڈال دے گا۔ یہی حال دنیا کے دیگر ساز وسامان کا ہے (۵)۔

اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اہم امور کو ایسے افراد کے ذمے لگانا چاہیے جو متیقظ اور فارغ البال ہوں، ان کے لیے وقت دے سکیں، ایسے افراد کے ذمے نہیں لگانا چاہیے جن کا قلب ان کے علاوہ اور کسی معاملے میں مشغول ہو، کیوں کہ یہ اس کے عزم کو کمزور اور جس کوشش کو وہ صَرف کرے گا، اس میں نقص کا باعث ہوگا (۶)۔

---

(۱) لم أجده في مسند أبي يعلى، وإنما عزاه إليه الحافظ، رحمه الله، في الفتح: ۲۲۲/۶.

(۲) فتح الباري: ۲۲۲/۶.

(۳) حوالہ بالا، وطرح التثريب: ۱۹۷۷/۶.

(۴) وضاح بن اسماعیل نے اپنی محبوبہ کو خطاب کرتے ہوئے یہی مضمون ان ابیات میں بیان کیا ہے۔

ذريني مـا أمـن بنات نعش　　مـن الـطيف الـذي ينتـاب ليلا

ولـكـن إن أردت فهيـجينـا　　إذا رمـقـت بـأعينهـا سهيلا

(ديوان الحماسة: ۱۰۹)

(۵) شرح ابن بطال: ۲۷۷/۵، وفتح الباري: ۲۲۳/۶، وطرح التثريب: ۱۹۷۶/۶.

(۶) شرح النووي على مسلم: ۸۵/۲، ومثله في فتح الباري: ۲۲۳/۶-۲۲۴، وشرح الكرماني: ۹۶/۱۳.

اور علامہ ابی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ زیادہ واضح بات یہ ہے کہ یہ حدیث "لا يقضي القاضي وهو غضبان" کے قبیل سے ہے، چنانچہ یہ تنقیح مناط (۱) کے باب سے ہے......اور مطلب حدیث کا یہ ہے کہ میرے ساتھ ایسا کوئی بھی آدمی نہ آئے جس کا قلب اور کسی معاملے میں مشغول ہو (۲)۔

واضح ہو کہ مذکورہ حکم اس صورت میں ہے جب جہاد فرض کفایہ ہو۔ ورنہ فرض عین ہونے کی صورت میں، نفیر عام ہو جائے تو ہر شخص کا نکلنا ضروری ہے، تاہم امام وقت کسی مصلحت کی بناء پر کسی کو روک لے تو اور بات ہے۔

فغزا

سو وہ غزوہ کے لیے روانہ ہوئے۔

یعنی ان افراد کو ساتھ لے کر جہاد کے لیے روانہ ہوئے جو اُن امور کے ساتھ متصف نہ تھے، جن کا ذکر حضرت یوشع علیہ السلام نے کیا تھا (۳) کہ "لا يتبعني رجل......".

فدنا من القرية صلاة العصر أو قريبا من ذلك

چنانچہ وہ گاؤں کے قریب پہنچے عصر کے وقت یا اس کے قریب وقت۔

قریہ سے مراد اریحا (۴) شہر ہے، شہر کو یہاں قریہ سے تعبیر کیا گیا ہے، امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ (۵) نے

---

(۱) وتنقيح المناط عند الأصوليين: "هو النظر والاجتهاد في تعيين مادل النص على كونه علة من غير تعيين، بحذف ما لا مدخل له في الاعتبار مما اقترن به من الأوصاف، وذلك مثل قول النبي صلى الله عليه وسلم للأعرابي الذي قال: هلكت يا رسول الله – ما صنعت؟...... انظر الموسوعة الفقهية: ١٤/٧٧، مادة تنقيح المناط.

(۲) شرح الأبي على مسلم: ٥/٥٨، أحاديث إباحة الغنائم لهذه الأمة ......

(۳) فتح الباري: ٦/٢٢٢.

(٤) أريحا –بالفتح، ثم الكسر، وياء ساكنة، والحاء المهملة، والقصر– عبرانی زبان کا لفظ ہے، حضرت نوح علیہ السلام کی نسل کے ایک شخص اریحا بن مالک بن ارفخشذ بن سام بن نوح کی طرف یہ شہر منسوب ہو کر اریحا کہلاتا ہے، یہ شام کے شہر اُردن (آج کل مستقل مملکت!؟) کے نشیب میں واقع تھا، اس کے اور بیت المقدس کے درمیان ایک دن کی مشکل پہاڑی مسافت ہے، (یہ موسیٰ کے زمانے کی بات ہے) یہاں قوم جبارین آباد تھی، جن کا ذکر قرآن کریم میں بھی آیا ہے، ﴿قالوا يموسى إن فيها قوما جبارين......﴾ (المائدة: ٢٢) دیکھیے، معجم البلدان: ١/١٦٥، مادة "أريحا".

(٥) المستدرك للحاكم: ٢/١٤٠، كتاب قسم الفيء، رقم (٢٦١٨)، والمعجم الأوسط للطبراني:

جو روایت کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے، اس میں اس قریہ کا نام اریحا آیا ہے(۱)۔

مسلم شریف کی روایت میں "فأدنی للقرية"(۲) آیا ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے اپنے لشکر کو اریحا شہر کے قریب پہنچایا(۳)۔

حضرت یوشع علیہ السلام کا جبابرہ کے ساتھ جہاد

حدیث باب میں جس جہاد وقتال کا ذکر ہے، وہ جبابرہ یا قوم جبارین کے خلاف تھا، ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام انتقال کر گئے اور اس واقعے کو چالیس سال کا عرصہ گزر گیا تو حضرت یوشع بنی اسرائیل کے لیے بطور نبی مبعوث ہوئے اور انہوں نے بنی اسرائیل کو بتلایا کہ اب وہ اللہ کے نبی ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ نے جبارین کے خلاف قتال کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے ان کی تصدیق کی، ان پر ایمان لائے اور ان کے ہاتھ بیعت ہوئے۔ تو حضرت یوشع علیہ السلام بنی اسرائیل کو لیے اریحا شہر کی طرف چلے، ان کے ساتھ تابوت میثاق(۴) بھی تھا، وہاں پہنچ کر انہوں نے اریحا شہر کا محاصرہ کرلیا، جو چھ مہینے تک جاری رہا۔

ساتویں مہینے کی ابتدا میں حضرت یوشع کے ساتھیوں نے مل کر یکبارگی حملہ کر دیا، جس کی وجہ سے پوری قوم جبارین گھبرا گئی، ان میں افراتفری پھیل گئی اور شہر پناہ کی فصیل گر گئی، اس طرح یہ اندر داخل ہو گئے اور جبابرہ کو خوب قتل کیا، یہ جمعے کا دن تھا اور جبابرہ کے کچھ لوگ زندہ تھے اور لڑ رہے تھے، جب کہ سورج غروب ہو رہا تھا اور سبت (ہفتہ) کی رات داخل ہونے والی تھی، جس میں ان کے لیے قتال وشکار وغیرہ کی ممانعت تھی، صورت حال دیکھ کر حضرت یوشع علیہ السلام کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں یہ کمزور نہ پڑ جائیں اور لڑائی ہفتے کے دن سے

= ٦/٣٥٣، من اسمه محمد، رقم (٦٦٠٠).

(۱) فتح الباري: ٦/٢٢٢.

(۲) صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب تحليل الغنائم لهذه الأمة خاصة، رقم (٤٥٥٥).

(۳) فتح الباري: ٦/٢٢٢، وطرح التثريب: ٦/١٩٧٨.

(۴) تابوت میثاق سے مراد وہ تابوت ہے، جس میں سکینہ، عصائے موسیٰ وہارون اور ان تختیوں کے ٹکڑے تھے، جنہیں موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بچھڑے کی عبادت کرتے دیکھ کر غضب ناک ہو کر توڑ ڈالا تھا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ هناك أقوال أخرى أيضا، انظر تفسير القرطبي: ٣/٢٤٩.

آگے نہ نکل جائے، اس لیے انہوں نے بارگاہِ قدس میں دعا کی "اللهم اردد الشمس علي......"(۱).

فقال للشمس: إنكِ مأمورة، وأنا مأمور، اللهم احبسها علينا، فحسبت حتى فتح الله عليهم

سو حضرت یوشع علیہ السلام نے سورج کو خطاب کر کے کہا تو بھی مامور ہے اور میں بھی مامور ہوں۔ اے اللہ! اس کو ہمارے لیے روک دے۔ تو اس کو روک دیا گیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو (جبابرہ پر) فتح نصیب فرمائی۔

مطلب یہ ہے کہ جب یوشع النبی نے دیکھا کہ سورج غروب ہو رہا ہے اور دشمن اب تک سارے کے سارے تہہ تیغ نہیں ہوئے تو انہوں نے سورج کو خطاب کیا اور کہا کہ تو بھی مامور ہے اور میں بھی مامور ہوں، تجھے عام عادت کے موافق غروب ہونے کا حکم خداوندی ہے اور مجھے یہ حکم ہے کہ "سبت" کے دن قتال نہ کروں، چنانچہ حاکم کی روایت میں اس کا سبب بھی موجود ہے، حضرت کعب فرماتے ہیں:

"إنه وصل إلى القرية وقت عصر يوم الجمعة، فكادت الشمس أن تغرب ويدخل الليل"(۲).

وأنا مأمور کے یہی معنی ہیں اور دونوں مامورین کے درمیان یہی فرق ہے کہ جمادات کو امر، امرِ تسخیر ہے اور عقلاء کو امر، امر تکلیف ہے (۳)۔

سورج کو خطاب کی حقیقت

یہاں حضرت یوشع علیہ السلام نے سورج کو جو خطاب کیا وہ یا تو حقیقت پر محمول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ صلاحیت پیدا کر دی تھی کہ اس میں تمیز و ادراک آ گیا تھا اور وہ ان کی بات سمجھ رہا تھا۔

یا مجاز پر محمول ہے، چوں کہ ان کو یہ بات معلوم تھی کہ سورج کو اپنی عام عادت سے ہٹانا صرف خرق

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۴۳، وكتاب الأسماء المبهمة: ۵/۳۳۲.

(۲) لم أجدها في المستدرك، وإنما قاله الحافظ: ۶/۲۲۲.

(۳) فتح الباري: ۶/۲۲۳.

عادت کے طور پر ممکن ہے، اس لیے انہوں نے دل ہی دل میں یہ بات سوچی کہ تو بھی مامور ہے اور میں بھی مامور ہوں، اس کے بعد انہوں نے زبان سے یہ فرمایا کہ "اللهم احبسها علینا".

حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں (۱) کہ دوسرے احتمال کی تایید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، اس میں ہے:

"اللهم، إنها مأمورة، وإني مأمور؛ فاحبسها علي، حتى يقضى بيني وبينهم، فحبس الله عليه"(۲).

"اے اللہ! یہ بھی مامور ہے، میں بھی مامور ہوں تو اس کو تو غروب ہونے سے روک دے، یہاں تک میرے اور ان جبابرہ کے درمیان کوئی فیصلہ ہو جائے۔ سو اللہ تعالیٰ نے سورج کو غروب ہونے سے روک دیا"۔

اس روایت سے "وأنا مأمور" ارشاد کی وضاحت ہو جاتی ہے (۳)۔

بہر حال دونوں احتمال ممکن ہیں اور راجح دوسرا احتمال ہے۔ واللہ اعلم

باب کی روایت میں "اللهم احبسها علینا" آیا ہے جو کہ مطلق ہے، جب کہ امام احمد کی روایت میں تقیید ہے کہ "اللهم احبسها علي شيئاً" کہ اسے اس وقت تک غروب سے روکے رکھ کہ ہماری جو ضرورت ہے وہ پوری ہو جائے اور شہر فتح ہو جائے (۴)۔

کیفیت حبس میں اختلاف

جیسا کہ روایت میں آیا ہے کہ سورج کو غروب ہونے سے روک دیا گیا تھا، لیکن اس کی کیفیت کیا تھی، اس میں علمائے حدیث کا اختلاف ہے، اس سلسلے میں راجح قول وہ ہے جو ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا اختیار کردہ ہے کہ سورج کی حرکت آہستہ ہو گئی تھی، ہارون بن یوسف امادی کے ترجمہ میں آیا ہے کہ یہ واقعہ ماہ حزیران (غالباً جون) کی چودہ تاریخ کو رونما ہوا تھا، یہ دن بہت طویل ہوتا ہے (۵)۔ (انگریزی مہینوں میں جون کی ۲۲

(۱) حواله بالا، وانظر كذلك طرح التثريب: ۱۹۷۸/۶.

(۲) صحيح ابن حبان: ۱۴۹/۸، كتاب السير، باب الغنائم وقسمتها......، رقم (۴۷۸۷).

(۳) فتح الباري: ۲۲۳/۶.

(۴) حواله بالا، والمسند للإمام أحمد: ۳۱۸/۲، مسند أبي هريرة (۸۲۲۱).

(۵) فتح الباري: ۲۲۳/۶، وابن بطال: ۲۷۸/۵، والكرماني: ۹۶/۱۳، وطرح التثريب: ۱۹۷۸/۶.

ویں تاریخ کا دن سال کے تمام دنوں سے طویل ہوتا ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ یہی دن ہو)۔ واللہ اعلم

فجمع الغنائم، فجاء ت –يعني النار– لتأكلها، فلم تطعمها

چنانچہ آپ علیہ السلام نے غنائم کو جمع کیا تو وہ یعنی آگ آئی کہ اسے کھالے، لیکن اس نے غنائم کو چکھا تک نہیں۔

"يعني النار" جملہ تفسیر یہ ہے، جو کسی راوی کی طرف سے ہے، اس میں جاء ت کے فاعل کی وضاحت کی گئی ہے۔

پھر یہاں "فلم تطعمها" کہا گیا ہے اور لم تأكلها نہیں کہا گیا کہ لتأكلها کے ساتھ موافقت ہو جاتی، سو یہ مبالغہ ہے کیوں کہ طعم کے معنی چکھنے اور اکل کے معنی کھانے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ آنے والی آگ نے غنائم کو چکھا تک نہیں، چہ جائیکہ کھایا ہو، چنانچہ اس جملے "فلم تطعمها" کے معنی یہاں لم تذق طعمها کے ہیں، اس کی نظیر قرآن کریم میں بھی موجود ہے(۱)، ارشاد ہے: ﴿ومن لم يطعمه فإنه مني﴾(۲) کہ حضرت طالوت علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا کہ جو اس نہر کے پینے کو ہاتھ تک نہیں لگائے گا وہ میرا ساتھی ہے، جو اس کے برعکس کرے اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔

فقال: إن فيكم غلولا

تو حضرت یوشع نبی نے فرمایا کہ بے شک تم لوگوں میں غلول ہے۔

غلول مالِ غنیمت میں خیانت کرنے کو کہتے ہیں(۳)۔

فليبايعني من كل قبيلة رجل فلزقت يد رجل بيده فقال: فيكم الغلول، فليبايعني قبيلتك، فلزقت يد رجلين أو ثلاثة بيده، فقال: فيكم الغلول

چناں چہ ہر قبیلہ سے ایک آدمی میرے ہاتھ پر بیعت کرے، تو ایک آدمی کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر چپک

---

(۱) البقرة ۲۳۹.

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۴۳، وفتح الباري: ۶/۲۲۳، وشرح الكرماني: ۱۳/۹٦.

(۳) فتح الباري: ۶/۲۲۳، وعمدة القاري: ۱۵/۴۳.

گیا، فرمایا، خیانت تمہی لوگوں نے کی ہے، اس لیے اب تمہارا قبیلہ میرے ہاتھ بیعت کرے۔ تو دو یا تین آدمیوں کے ہاتھ چپک گئے، یوشع نے فرمایا خیانت تمہی لوگوں نے کی ہے۔

فلزقت سے قبل دونوں جگہ حذف ہے، چوں کہ سیاق کلام اس پر دلالت کررہا ہے، اس لیے اس جملے کو حذف کردیا گیا، یعنی فبایعوہ کہ انہوں نے بیعت کی...... تو یہ واقعہ پیش آیا (۱)۔

یہاں روایت میں "رجلین أو ثلاثة" ہے، ابویعلی (۲) کی روایت میں "رجل أورجلین" ہے۔ کتنے آدمیوں کا ہاتھ بیعت کے دوران چپکا اس میں شک ہے، تاہم سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں جزماً "رجلین" (۳) آیا ہے کہ دو آدمیوں کا ہاتھ پھسلا تھا (۴)۔

ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کے ہاں خیانت معلوم کرنے کا طریقہ یہی تھا (☆)، چنانچہ

---

(۱) فتح الباري: ۶/۲۲۳.

(۲) لم أجده في مسند أبي يعلى، وإنما قاله الحافظ في الفتح.

(۳) صحيح ابن حبان: ۸/۱۴۹، كتاب السير، باب الغنائم وقسمتها......، رقم (۴۷۸۷).

(۴) فتح الباري: ۶/۲۲۳.

(☆) ایک عجیب واقعہ

یہاں علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ ذکر کیا ہے، جو مستند اور ثقات سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک حمام تھا، جس میں عورتوں کو غسل دیا جاتا تھا، اس میں ایک دفعہ ایک خاتون لائی گئی، اس کو غسل دیا جارہا تھا کہ ایک دوسری عورت تخت کے پاس جاکر کھڑی ہوگئی اور مردہ خاتون کو یازانیہ کہہ کر پکارا اور اس خاتون کی سرین پر ہاتھ بھی مارا، جو...... اس جگہ پر چپک گیا، اس عورت نے و دیگر خواتین نے بڑا زور لگایا کہ کسی طرح ہاتھ الگ ہوجائے، لیکن ایسا نہیں ہوسکا۔ معاملہ والی مدینہ کے گوش گذار کیا گیا تو انہوں نے فقہائے مدینہ سے مشورہ کیا، چنانچہ ایک نے یہ رائے دی کہ ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ دوسرے نے کہا کہ مردہ خاتون کے اس جگہ کے گوشت کو کاٹ دیا جائے کہ بہرحال مردے کی مقابلے میں زندہ کی حرمت زیادہ ہے۔

والی نے کہا کہ میں جب تک ابوعبید (امام مالک) سے مشورہ نہ کرلوں کوئی حکم جاری نہیں کرسکتا، چنانچہ امام مالک کی طرف قاصد بھیجا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے نہ اس کا گوشت، میرا تو خیال یہ ہے کہ وہ مردہ خاتون حد میں سے اپنا حق مانگ رہی ہے۔ اس الزام لگانے والی عورت (قاذفہ) کو حد لگاؤ۔ چنانچہ اس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے والی مدینہ نے قاذفہ پر حد جاری کروائی، جب اناسی ۷۹ کوڑے لگائے جاچکے تو ہاتھ اسی طرح چپکا ہوا تھا، تاہم جونہی ۸۰ واں کوڑا لگایا گیا اور

جو خائن وغال ہوتا اس کا ہاتھ بیعت کے وقت چپک جاتا۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہوتا کہ اس ہاتھ پر کوئی حق ہے کسی دوسرے کا، جو اس سے لے لینا چاہیے، یا یہ کہ یہ ایسا ہاتھ ہے، جس کی وجہ سے اسے مارا جائے اور اس کے مالک (خائن) کو قید کر دیا جائے، یہاں تک کہ وہ مذکورہ حق کو امام وقت کے حوالے کر دے، یہ اسی جنس سے ہے جس کا ذکر روایات میں بھی آیا ہے کہ قیامت میں ہاتھ اپنے مالک کے خلاف گواہی دے گا (۱)۔

"فیکم الغلول" کے بعد سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ان دونوں کا اعترافِ جرم بھی مذکور ہے کہ ان دونوں نے کہا "فقالا: أجل، غللنا" (۲)۔

فجاؤا برأس مثل رأس بقرة من الذهب، فوضعوها، فجاء ت النار فأكلتها

تو وہ سونے کا ایک سر لے کر آئے، جو گائے کے سر کے برابر تھا، اسے رکھ دیا، آگ آئی اور اس نے غنیمت کو کھا لیا۔

مطلب یہ ہے کہ جب ان پر جرم ثابت ہو گیا تو وہ گائے کے سر برابر ایک سر لے کر آئے، جو سونے کا بنا ہوا تھا، اسے لا کر انہوں نے دوسری غنیمتوں کے ساتھ رکھ دیا، اب چونکہ غنیمت مکمل آ چکی تھی تو آنے والی آگ نے اس کو کھا لیا، جو قبولیت کی علامت تھی۔

جیسا کہ ماقبل میں گزرا کہ سابقہ امم اور انبیائے متقدمین کی خصوصیت میں سے یہ تھا کہ وہ مالِ غنیمت کو

= حدقذف کا نصاب پورا ہو گیا تو اس عورت کا بھی مردہ خاتون کے جسم سے الگ ہو گیا!!!

علامہ قسطلانی اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"فإما أن يكون مالك رحمه الله اطلع على هذا الحديث، فاستعمله بنور التوفيق في مكانه، وإما أن يكون وفق، فوافق.

وقد كان إلزاق يد الغال بيد يوشع تنبيها على أنها يد عليها حق يطلب أن يتخلص منه، أو دليلا على أنها يد ينبغي أن يضرب عليها، ويحبس صاحبها، حتى يؤدي الحق إلى الإمام، وهو من جنس شهادة اليد على صاحبها يوم القيامة". دیکھیے، إرشاد الساري: ۲۰۷/۵.

(۱) فتح الباري: ۲۲۳/٦، وبمثله قال ابن بطال، انظر شرحه: ۲۷۸/۵.

(۲) حواله جات بالا، وصحيح ابن حبان: ۱٤۹/۸، كتاب السير، باب الغنائم......، رقم (٤۷۸۷).

کسی کھلی جگہ مثلاً کھلیان وغیرہ میں جمع کردیتے تھے، آسمان سے یہ آگ آتی جو اسے جلا ڈالتی اور اگر اس میں کسی قسم کی کوئی خیانت ہوتی یا ایسی چیز، جو حلال نہ ہو، موجود ہوتی تو آگ اسے نہ جلاتی، جو عدم قبولیت کی دلیل سمجھی جاتی تھی۔

یہی حال ان کی قربانیوں کا بھی تھا، جانور کی قربانی کے بعد جو عنداللہ مقبولیت حاصل کرلیتی اسے آگ کھالیتی اور جو قبول نہ ہوتی وہ اپنے حال پر باقی رہتی اور آگ اسے چھوتی بھی نہیں تھی (۱)۔

ثم أحل اللّٰه لنا الغنائم، رأى ضَعفنا وعجزنا، فأحلها لنا

پھر اللہ تعالیٰ نے غنائم کو ہمارے لیے حلال کردیا، اس نے ہماری کمزوری وناتوانی کو دیکھا تو اسے ہمارے لیے حلال قرار دے دیا۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ سے شفقت کا معاملہ کرتے ہوئے اور حکم میں تخفیف کرتے ہوئے غنائم کو امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے لیے حلال کردیا، اب یہ امت اسے کھا سکتی ہے اور یہ اس امت کی خصوصیت ہے، نسائی (۲) کی روایت میں آیا ہے:

"فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم عند ذلك: إن الله أطعمنا الغنائم رحمة رحمنا بها، وتخفيفا وخفَّف عنا" (۳).

جملہ "رأى ضعفنا وعجزنا" جملۂ تعلیلیہ وسببیہ ہے، اس میں امتِ محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ کے لیے غنائم کو حلال کیوں قرار دیا گیا، اس کی علت بیان کی گئی ہے، سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کی روایت اس میں اور واضح ہے، اس میں ہے، "لما رأى من ضعفنا" (٤) اس جملہ میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

---

(١) عمدة القاري: ١٥/٤٣-٤٤، وشرح ابن بطال: ٥/٢٧٨، وطرح التثريب: ٦/١٩٧٩.

(٢) سنن النسائي الكبرى: ٦/٣٥٢، كتاب التفسير، الأنفال، قوله تعالىٰ: ﴿حلالا طيبا﴾، رقم (١١٢٠٩).

(٣) فتح الباري: ٦/٢٢٣، وعمدة القاري: ١٥/٤٤، وشرح الكرماني: ١٣/٩٦.

(٤) سنن النسائي: ٦/٣٥٢، كتاب التفسير، ......، قوله تعالىٰ: ﴿حلالا طيبا﴾، رقم (١١٢٠٩)، ومسند أحمد: ٣/٢٣٢، مسند أبي هريرة من رواية همام بن منبه، رقم (٨١٨٥) و: ٣/٢٣٨، رقم (٨٢٢١).

کے سامنے عاجزی کا اظہار فضل وانعام کا سبب بنتا ہے(۱)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے، "ثم أحل الله لنا الغنائم"(۲).

٩ - باب : الغَنِيمَةُ لِمَنْ شَهِدَ الْوَقْعَةَ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب ومقصد یہاں ائمہ ثلاثہ کے مذہب کو راجح قرار دینا ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ جو لوگ جہاد میں شریک ہوں گے انہی کو مالِ غنیمت میں سے حصہ ملے گا اور وہ لوگ جو شریک نہیں ہوں گے، ان کو حصہ نہیں ملے گا۔

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ جن الفاظ سے قائم کیا ہے، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک اثر کے الفاظ ہیں، جو انہوں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو ان کے استفسار پر بھیجا تھا۔ اسی سے ائمہ ثلاثہ اپنے مذہب پر استدلال کرتے ہیں(۳)۔

اس اثر کو موصولاً امام عبدالرزاق صنعانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مصنف میں نقل کیا ہے(۴)۔ علاوہ ازیں امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس اثر کو مختلف طرق سے ذکر کیا ہے اور اس کا پس منظر بیان کرتے ہوئے ایک واقعہ بھی لکھا ہے، چنانچہ طارق بن شہاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"إن أهل البصرة غزوا أهل نهاوند(٥)؛ فأمدوهم بأهل الكوفة، وعليهم عمار بن ياسر، فقدموا عليهم بعدما ظهروا على العدو، فطلب أهل الكوفة الغنيمةَ، وأراد أهل البصرة أن لايقسموا لأهل الكوفة من الغنيمة، فقال

(١) فتح الباري: ٦/٢٢٣.

(٢) عمدة القاري: ١٥/٤٤.

(٣) فتح الباري: ٦/٢٢٤.

(٤) مصنف عبدالرزاق: ٥/٣٠٢-٣٠٣، كتاب الجهاد، باب لمن الغنيمة؟ رقم (٩٦٨٩).

(٥) غزوہ نہاوند سے متعلق تفصیل كتاب الجزية، باب الجزية میں آئے گی۔

رجل من بني تميم لعمار بن ياسر: أيها الأجدع، تريد أن تشاركنا في غنائمنا؟ قال: وكانت أذن عمار جدعت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، فكتبوا إلى عمر بن الخطاب، رضي الله عنه، فكتب إليهم عمر: "إن الغنيمة لمن شهد الوقعة"(۱).

کہ "اہل بصرہ نے اہل نہاوند کے ساتھ جنگ لڑی، ان کی مدد کے لیے بطور کمک اہل کوفہ روانہ ہوئے اور ان کے امیر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما تھے، اہلِ کوفہ میدانِ جنگ میں اس وقت پہنچے جب اہلِ بصرہ دشمن پر غالب آچکے تھے، سو اہل کوفہ نے غنیمت میں اپنا حصہ مانگا، جب کہ اہلِ بصرہ کی چاہت یہ تھی کہ اہل کوفہ ان کے ساتھ غنیمت کی تقسیم میں شریک نہ ہوں، چنانچہ بنی تمیم میں سے ایک آدمی نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو خطاب کر کے کہا...... کیا آپ ہماری غنائم میں دوسروں کو شریک کرنا چاہتے ہیں......؟ تو ان لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو صورت حال لکھ بھیجی اور حل دریافت کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا کہ غنیمت کا حق دار وہی ہے جو جنگ میں شریک رہا ہو"۔

اصل مسئلے کی طرف جانے سے قبل یہ سمجھ لیجیے کہ غنیمت کے استحقاق کی چند شرائط ہیں، جو درج ذیل ہیں:

❶ مستحق صحیح وسالم ہو، بیمار نہ ہو، مطلب یہ ہے کہ قتال کی صلاحیت رکھتا ہو، لنگڑا، لولا اور نابینا وغیرہ نہ ہو۔

❷ دارالحرب میں اس کا داخلہ قتال کی نیت سے ہی ہوا ہو، خواہ بعد میں لڑائی میں حصہ لے یا نہ لے، کہ مقصد قتال یعنی ارہاب العدو حاصل ہو رہا ہے۔

❸ مرد ہو، عورتوں کا غنیمت میں کوئی حصہ نہیں، اگر چہ جنگ میں شریک ہوں۔

❹ مسلمان ہو، کافر کے لیے غنیمت نہیں، خواہ شریکِ جنگ ہو(۲)۔

---

(۱) السنن الكبرى للبيهقي: ۸٦/۹، كتاب السير، باب الغنيمة لمن شهد الوقعة، رقم (۱۷۹۵۳-۱۷۹۵٤)، وأيضاً عند ابن أبي شيبة: ٤۹/۱۸، كتاب السير، باب من قال: ليس له شيء إذا ......، رقم (۳۳۹۰۰).

(۲) الموسوعة الفقهية: ۳۱/۳۱۱-۳۱۲، وبدائع الصنائع: ۵۰۲/۹، كتاب السير، فصل في أحكام الغنائم وما يتصل بها، وحاشية الدسوقي: ۵۰٤/۲، باب في الجهاد، والمغني: ۲۰۸/۹-۲۰۹.

مسئلہ حدیثِ باب

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جس مسئلے کی شرح کے لیے یہ باب قائم کیا ہے، اس کا تعلق اوپر ذکر کردہ دوسری شرط سے ہے اور صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یا لشکر جنگ ختم ہونے کے بعد میدانِ جنگ پہنچے تو آیا اس کا غنیمت میں حصہ ہوگا کہ نہیں؟

تو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک اتفاقی ہے، دوسری اختلافی۔

اتفاقی صورت یہ ہے کہ مذکورہ شخص یا لشکر اس تک پہنچا جب جنگ ختم ہو چکی اور غنیمت کی تقسیم کا عمل بھی مکمل ہو گیا، تو ان کا غنیمت میں کوئی حصہ نہیں۔

اختلافی صورت یہ ہے کہ جنگ ختم ہونے اور غنیمت تقسیم ہونے سے قبل یہ لشکر یا شخص وہاں پہنچا تو حنفیہ کے نزدیک یہ غنیمت میں شریک ہوں گے، ان کو بھی اس میں سے حصہ ملے گا، جب کہ جمہور کے نزدیک ان کو غنیمت میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا(۱)۔

جمہور کی دلیل حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ ہے جو ابھی گزرا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خط میں "الغنيمة لمن شهد الوقعة" فرمایا تھا۔

اور ان کی دوسری دلیل بخاری وابوداؤد کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، "أن النبي صلى الله عليه وسلم بعث أبان بن سعيد بن العاصي في سرية قبل نجد، فقدم أبان بعد فتح خيبر، فلم يسهم له"(۲).

دلائل احناف

اس مسئلے میں احناف کے دلائل بہت زیادہ ہیں، جن میں سے چند کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:

❶ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت کیا

---

(۱) الموسوعة الفقهية: ۳۱/۳۱۱، غنيمة، شروط استحقاق الغنيمة.

(۲) الحديث، أخرجه البخاري في الجهاد، باب الكافر يقتل المسلم ......، رقم (۲۸۲۷)، والمغازي، باب غزوة خيبر، رقم (۴۲۳۷، و۴۲۳۹)، وأبوداود في سننه، كتاب الجهاد، باب فيمن جاء بعد الغنيمة لا سهم له، رقم (۲۷۲۳-۲۷۲۴).

ہے کہ انہوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ "قد أمددتك بقوم، فمن أتاك منهم قبل أن تفنى القتلى، فأشركه في الغنيمة"(۱) یعنی: ''میں ایک لشکر تمہاری طرف بطور کمک کے بھیج رہا ہوں، سو ان میں سے جو بھی تمہارے پاس مقتولین کے ختم ہونے سے پہلے پہنچ جائے تو اس کو غنیمت میں شریک کرو''۔

❷ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں پانچ سو افراد پر مشتمل ایک جماعت بطور کمک ابو امیہ اور زیاد بن لبید بیاضی کی مدد کے لیے روانہ کی، یہ جماعت ان تک اس وقت پہنچی جب وہ ''نجیر''(۲) فتح کر چکے تھے، تو انہوں نے آنے والی جماعت کو بھی اپنے ساتھ غنیمت میں شریک کیا(۳)۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات

ان کی پہلی دلیل الغنيمة لمن شهد الوقعة والا اثر تھا، اس سے استدلال چند وجوہ کی بنا پر درست نہیں، جو درج ذیل ہیں:

❶ اس اثر کے وقف اور رفع میں اختلاف ہے اور موقوف ہونا راجح ہے(۴)۔

❷ حنفیہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر سے استدلال کرتے ہیں، چوں کہ اب ان سے مروی روایات میں تعارض آ گیا ہے، اس لیے یہ حدیث احناف کے خلاف حجت نہیں ہو سکتی۔

❸ حنفیہ اس اثر کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ جنگ میں جو قتال کی نیت سے شریک ہوا ہو، اس کو غنیمت میں حصہ ملے گا، اب اس کی نیت قتال کی تھی یا نہیں اس کا پتہ کیسے چلے گا تو اس کے دو طریقے ہو سکتے ہیں کہ وہ جہاد یا

---

(۱) التلخيص الحبير: ۳/۱۰۸، والمغني: ۹/۲۱۰، وإعلاء السنن: ۱۲/۱۱۸.

(۲) قال الحموي: "النُّجَيْرُ: ...... حصن باليمن -قرب حضر موت- منيع، لجأ إليه أهل الردة مع الأشعث بن قيس في أيام أبي بكر، رضي الله عنه، فحاصره زياد بن لبيد البياضي، حتى افتتحه عنوة، وقتل من فيه، وأسر الأشعث بن قيس، وذلك في سنة ۱۲ للهجرة ......". انظر معجم البلدان: ۵/۲۷۲، باب النون والجيم.

(۳) التلخيص الحبير: ۳/۱۰۸، والسير الكبير: ۳/۱۱۲، مع شرحه للسرخسي، باب كيفية قسمة الغنيمة...... رقم الباب (۱۰۵)، وللاستزادة انظر إعلاء السنن: ۱۲/۱۱۸-۱۲۸.

(٤) إعلاء السنن: ۱۲/۱۲۰، كتاب السير، باب إذا لحق عسكرَ الإسلام مدد......، والهداية مع البناية: ۷/۱٤۳، كتاب السير، باب الغنائم وقسمتها.

قتال کے لیے نکلنے کا اظہار کرے، اس کی تیاری کرے اور اس کا عملی مظاہرہ بھی کرے کہ جہاد میں شریک ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا نکلنا تو کسی اور غرض سے تھا، لیکن وہاں جا کر وہ قتال میں بھی شریک ہوا، جیسے گھوڑوں کی دیکھ بھال وغیرہ پر مامور شخص، سو اس کو غنیمت میں اسی صورت میں شریک کیا جائے گا کہ قتال میں بھی شریک ہو، اس کا صرف میدانِ جنگ میں موجود ہونا حصول غنیمت کے لیے کافی نہیں ہوگا (۱)۔

ائمہ ثلاثہ کی دوسری دلیل حضرت ابان بن سعید بن العاصی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، اس واقعے سے ان حضرات کا استدلال اس لیے درست نہیں کہ یہ خیبر کا واقعہ ہے، جو فتح کے ساتھ ہی دارالاسلام میں تبدیل ہو چکا تھا، جب کہ مسئلۂ باب کا تعلق دارالحرب سے ہے، دارالاسلام میں اس طرح کے کسی کمک کے پہنچنے پر غنیمت میں آنے والوں کو بالاتفاق شریک نہیں کیا جاتا (۲)۔

دوسری طرف اسی خیبر سے متعلق ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، جو آگے آرہا ہے (۳)، اس میں یہ آیا ہے کہ جب وہ اپنی قوم کے لوگوں، جن کی تعداد پچاس سے اوپر تھی اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں، جو نجاشی کے ہاں مقیم تھے، کے ہمراہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو یہ عین وہی وقت تھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی فتح سے فارغ ہوئے تھے، چنانچہ نبی علیہ السلام نے ان کو بھی شریکِ غنیمت کیا اور ان حضرات کے علاوہ اور کسی کو، جو موقع سے غائب تھا، اس غنیمت میں شریک نہیں کیا۔

ایک طرف یہ حدیث ہے، دوسری طرف حضرت ابان رضی اللہ عنہ کا واقعہ، ان دونوں میں چوں کہ ظاہری تعارض ہے، اس لیے جمع بین الروایات کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے احناف یہی کہتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کا واقعہ غنیمت کی تقسیم سے پہلے کا ہے اور حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہما کے واقعے کا تعلق تقسیم غنیمت کے بعد کا ہے، جس پر اس حدیث کے یہ الفاظ واضح دلالت کرتے ہیں کہ "فقدم أبان بعد فتح خيبر......" (٤)

---

(١) إعلاء السنن: ١٢/١٢١، وفتح القدير: ٥/٢٢٦-٢٢٧، كتاب السير، باب الغنائم وقسمتها.

(٢) إعلاء السنن: ١٢/١٢١.

(٣) الحديث، أخرجه البخاري في فرض الخمس، باب ومن الدليل على أن الخمس لنوائب المسلمين ما سأل هوازن ......، رقم (٣١٣٦).

(٤) الحديث أخرجه البخاري، وأبوداود، مر تخريجه آنفاً.

جب کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے الفاظ تو یہ ہیں، "فوافيناه حين افتتح خيبر......"(۱) اسی لیے احناف تفریق کے قائل ہیں اور ان کے مذہب پر دونوں واقعات پر عمل بھی ہو جاتا ہے(۲)۔ واللہ اعلم بالصواب
اس کے بعد حدیث باب دیکھیے۔

۲۹٥۷ : حدّثنا صَدَقَةُ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ، عَنْ مالِكٍ ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ، عَنْ أَبِيهِ قالَ : قالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ(۳): لَوْلَا آخِرُ الْمُسْلِمِينَ ، ما فَتَحْتُ قَرْيَةً إِلَّا قَسَمْتُهَا بَيْنَ أَهْلِهَا ، كما قَسَمَ النَّبِيُّ ﷺ خَيْبَرَ . [ر : ۲۲۰۹]

تراجمِ رجال

۱– صدقه

یہ ابوالفضیل صدقہ بن الفضل مروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ كتاب العلم، "باب العلم والعظة بالليل" کے تحت گزر چکا ہے(۴)۔

۲– عبدالرحمن

یہ عبدالرحمٰن بن مہدی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۵)۔

۳– مالك

یہ امام دارالہجرۃ مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات "بدء الوحي" میں آچکے ہیں(٦)۔

---

(۱) صحيح بخاري، كتاب فرض الخمس، باب ومن الدليل على أن الخمس......، رقم (۳۱۳٦).

(۲) إعلاء السنن: ۱۲/۱۲۲، نیز دیکھیے، كشف الباري، كتاب المغازي: ٤٤٧–٤٤٨.

(۳) قوله: "قال عمر رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب الحرث والمزارعة، باب أوقاف أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وأرض الخراج......

(٤) كشف الباري: ٤/۳۸۸.

(٥) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الصلاة، باب فضل استقبال القبلة.

(٦) كشف الباري: ۱/۲۹۰، الحديث الثاني، تفصیلی کے لیے دیکھیے، كشف الباري: ۲/۸۰.

٤- زيد بن أسلم

یہ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا ترجمہ كتاب الإيمان، "باب كفر ان العشير ......" کے تحت آچکا ہے(۱)۔

٥- اسلم

یہ ابو خالد اسلم مولی عمر بن الخطاب رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

٦- عمر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حالات بدء الوحي کی "الحديث الأول" کے ذیل میں گزر چکے (۳)۔

قال عمر رضي الله عنه: لو لا آخر المسلمين ما فتحت قرية إلا قسمتها بين أهلها، كما قسم النبي صلى الله عليه وسلم خيبر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر آئندہ آنے والے مسلمانوں کا خیال نہ ہوتا تو کوئی بھی گاؤں (یا شہر) فتح کرنے کے بعد میں اسے اس کے باشندوں میں تقسیم کر دیتا، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کے ساتھ کیا تھا۔

بخاری شریف کی روایت میں یہ اثر بہت اختصار کے ساتھ وارد ہوا ہے، ابن ابی شیبہ کی روایت میں مزید تفصیل ہے۔اسلم فرماتے ہیں:

> "سمعت عمر يقول: "والذي نفس عمر بيده، لو لا أن يترك آخر الناس لا شيء لهم، ما افتتح على المسلمين قرية من قرى الكفار إلا قسمتها سهمانا كما قسم رسول الله ﷺ خيبر سهمانا، ولكني أردت أن تكون جزية

---

(۱) كشف الباري: ٢/٢٠٣.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الزكاة، باب هل يشتري صدقته؟

(۳) كشف الباري: ١/٢٣٩.

تجري عليهم، وكرهت أن يترك آخر الناس لا شيء لهم"(١).

اس حدیث سے متعلق تفصیلات کا ذکر کتاب الحرث والمزارعۃ میں آئے گا۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ترجمہ اور حدیثِ باب میں مناسبت نہیں ہے، وہ اس طرح کہ ترجمہ الغنیمۃ لمن شھد الوقعۃ کا ہے اور باب کے تحت جو حدیث ذکر کی گئی اس کا مضمون ترجمہ کے خلاف ہے، اس میں تو غنیمت کو عام مسلمانوں کے لیے وقف بنا دینے کا ذکر ہے کہ یہ غانمین میں تقسیم نہیں ہوگی، بلکہ آئندہ آنے والے مسلمانوں کے مصالح کے لیے وقف کردی جائے گی اور آپ تو کہہ رہے تھے کہ غنیمت صرف غانمین کے لیے ہوتی ہے، اس میں باہر والوں کا حصہ نہیں، یہاں تو الٹ ہوگیا؟!

اس اشکال کا جواب بھی ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ ترجمہ کے ساتھ حدیث کے اس جملے کی مطابقت ہے، "كما قسم رسول الله صلى الله عليه وسلم خيبر".

اس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے غنیمت کی فوری تقسیم کی ترجیح کی طرف اشارہ کیا ہے کہ غنیمت فوراً تقسیم کردی جائے، جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ چنانچہ نبی علیہ السلام کا یہ فعل اس بات کی دلیل ہے کہ موقع پر غیر موجود شخص کو غنیمتِ حاضرہ میں کوئی استحقاق نہیں ہوگا، اسی لیے تو فوری تقسیم کا عمل اختیار کیا جارہا ہے۔ اب جو شخص سرے سے شریکِ جنگ ہی نہیں، اس کو تو بطریقِ اولیٰ غنیمت میں حصہ نہیں ملنا چاہیے(۲)۔ واللہ اعلم

یہ امام بخاری اور ائمہ ثلاثہ کی رائے ہے، پیچھے تفصیل گزر چکی ہے، دلائل دونوں طرف ہیں، البتہ مذہب احناف میں اس سلسلے میں کچھ توسع ہے، جو ماقبل کی تفصیلات سے واضح ہے۔

١٠ – باب : مَنْ قَاتَلَ لِلْمَغْنَمِ ، هَلْ يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِهِ ؟

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہاں یہ بیان کرنا ہے کہ اگر ایک شخص غنیمت کی نیت سے قتال کرتا ہے تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ اس کو قتال پر اجر ملے گا یا نہیں؟ اگر ملے گا تو کتنا؟ کامل یا ناقص؟

---

(١) المصنف لابن أبي شيبة: ١٧/٥١٠، كتاب السير، في قسمة ما يفتح ......، رقم (٣٣٦٤٨).

(٢) فتح الباري: ٦/٢٢٥.

اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے، ایک رائے جمہور کی ہے اور ایک مؤقف بعض حضرات کا ہے۔

ظاہراً تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کا اجر کم ہو جائے گا، لیکن جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، دیکھیے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب یہ پوچھا گیا کہ ایک آدمی قتال کرتا ہے غنیمت کے لیے، دوسرا شجاعت کے لیے، تیسرا دکھلاوے کے لیے تو ان میں فی سبیل اللہ کون ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر اس کی نیت غنیمت کی ہوگی تو وہ فی سبیل اللہ میں داخل نہیں ہے۔

اب ایک آدمی اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے قتال کرتا ہے اور ساتھ ساتھ وہ مالِ غنیمت کا بھی خیال دل میں لیے ہوئے ہے تو وہ کامل اجر کا مستحق ہوگا اور اس کے اجر میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور علمائے امت سے یہی نقل کیا ہے(۱)، نیز علامہ قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی احکام القرآن میں اسی کی تصریح کی ہے(۲)۔

ان حضرات کی دلیل وہ روایت ہے جو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "سنن" میں نقل کی ہے، حضرت عبداللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"بعثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم لنغنم على أقدامنا، فرجعنا، فلم نغنم شيئا، وعرف الجهد في وجوهنا، فقام فينا، فقال: اللهم، لا تكلهم إلي فأضعف عنهم، ولا تكلهم إلى أنفسهم فيعجزوا عنها، ولا تكلهم إلى الناس فيستأثروا عليهم"(۳).

کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پیدل لشکر میں غنیمت کے وصول کے لیے بھیجا، لیکن ہم لوٹ آئے اور ہمیں کوئی غنیمت نہیں ملی (یعنی مقصد میں کامیاب نہیں ہوئے)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے چہروں سے ہماری مشقت اور تکلیف بھانپ

---

(۱) فتح الباري: ۲۸/٦، وهو قول ابن المنير كذلك، انظر فتح الباري: ۲۲٦/٦.

(۲) أحكام القرآن لابن العربي: ۳۸۳/۲، سورة الأنفال، الآية: ۷، المسألة الثالثة.

(۳) سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في الرجل يغزو: يلتمس الأجر والغنيمة، رقم (۲٥۳٥).

لی، سو آپ خطبہ دینے کھڑے ہوئے (تسلی کے طور پر)، اس میں فرمایا، اے اللہ! ان کو میرے سپرد نہ کر، کہ میں ان کی مدد واعانت سے قاصر رہوں، نہ ان کو ان کی ذات کے حوالے کر، کہ وہ ان کی اعانت ونصرت سے عاجز رہیں اور نہ ہی ان کو لوگوں کے سپرد کر، کہ وہ لوگ اپنے کو ان پر ترجیح دینے لگیں"۔

اس حدیث میں صراحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو مالِ غنیمت کے حصول کے لیے بھیجا تھا، اس لیے معلوم ہوا کہ اعلائے کلمۃ اللہ کے ساتھ اگر مالِ غنیمت کی نیت بھی ہو تو اس سے اجر میں کمی واقع نہیں ہوگی (۱)۔

۲۹۵۸ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ : حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ عَمْرٍو قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ(۲) قَالَ : قَالَ أَعْرَابِيٌّ لِلنَّبِيِّ ﷺ : الرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ ، وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِيُذْكَرَ ، وَيُقَاتِلُ لِيُرَى مَكَانُهُ ، مَنْ فِي سَبِيلِ ٱللهِ ؟ فَقَالَ : (مَنْ قَاتَلَ ، لِتَكُونَ كَلِمَةُ ٱللهِ هِيَ الْعُلْيَا ، فَهْوَ فِي سَبِيلِ ٱللهِ) . [ر : ۱۲۳]

تراجمِ رجال

۱– محمد بن بشار

یہ محمد بن بشار رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولهم......" کے تحت گزر چکا ہے (۳)۔

۲– غندر

یہ محمد بن جعفر المعروف بہ "غندر" رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب ظلم

---

(۱) فتح الباري: ۶/۲۹.

(۲) قوله: أبو موسى الأشعري رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب العلم، باب من سأل وهو قائم عالما جالسا، كشف الباري: ۴/۵۱۰.

(۳) كشف الباري: ۳/۲۵۸.

دون ظلم" کے ذیل میں آچکے (☆)۔

٣– شعبه

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبۃ بن الحجاج بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب المسلم من سلم المسلمون......" کے تحت آچکا ہے (١)۔

٤– عمرو

یہ عمرو بن مرہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں (٢)۔

٥– ابو وائل

یہ تابعی شہیر ابو وائل شقیق بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب خوف المؤمن من أن یحبط عمله......" کے تحت بیان کیے جا چکے ہیں (٣)۔

٦– ابوموسیٰ اشعری

حضرت ابوموسیٰ اشعری (عبداللہ بن قیس) رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، "باب أي الإسلام أفضل؟" کے ذیل میں آچکے (٤)۔

تنبیہ

حدیثِ باب کی شرح پیچھے کتاب العلم (٥) اور کتاب الجہاد (٦) میں گزر چکی ہے۔

(☆) كشف الباري: ٢/ ٢٥٠.

(١) كشف الباري: ١/ ٦٧٨.

(٢) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الأذان، باب تسوية الصفوف عند الإقامة وبعدها.

(٣) كشف الباري: ٢/ ٥٥٩.

(٤) كشف الباري: ١/ ٦٩٠.

(٥) كشف الباري: ٤/ ٥١١–٥١٥.

(٦) كشف الباري، كتاب الجهاد: ١/ ١٧٣–١٧٥، باب من قاتل لتكون كلمة الله......

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

یہاں ترجمہ کی باب کے ساتھ مناسبت بقول علامہ عینی "الرجل يقاتل للمغنم" میں ہے(☆)۔

١١ – باب : قِسْمَةِ الْإِمَامِ ما يَقْدَمُ عَلَيْهِ ، وَيَخْبَأُ لِمَنْ لَمْ يَحْضُرْهُ أَوْ غابَ عَنْهُ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگوں میں یہ جو مشہور ہو گیا ہے کہ "الهدية لمن حضر" کہ ہدیہ صرف ان لوگوں کو ملے گا جو شرکائے مجلس ہوں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان کی تردید کر رہے ہیں اور یہ فرما رہے ہیں کہ جو لوگ موجود نہیں، امام ان کے لیے ہدیہ چھپا کر رکھے تو اس میں کوئی حرج نہیں(۱)۔

لیکن ابن المنیر کی یہ رائے بے محل ہے، وہ اس لیے کہ یہاں ہدیہ کا مسئلہ تھوڑا ہی بیان کیا جا رہا ہے، یہاں تو غنائم کے ابواب چل رہے ہیں۔ لہٰذا یہ کہا جائے گا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ امام المسلمین کے پاس جو مال کفار سے حاصل ہوتا ہے، جیسے غنیمت ہے، فیء ہے اور جزیہ ہے، امام اس میں مختار کل ہے، جہاں مناسب سمجھے وہاں ان کو خرچ کر سکتا ہے، حاضرین کو تقسیم کرنا چاہے تو حاضرین کو دے اور حاضرین کے علاوہ غائبین کو تقسیم کرنا چاہے تو ان کو دے، جس کو چاہے وہ دے۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حاصل المعنى يقسم مايقدم عليه بين الحاضرين والغائبين، بأن يعطي شيئاً للحاضرين، ويخبأ شيئاً للغائبين"(۲).

٢٩٥٩ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ : حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ(۳): أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُهْدِيَتْ لَهُ أَقْبِيَةٌ مِنْ دِيبَاجٍ ، مُزَرَّرَةٌ بِالذَّهَبِ ، فَقَسَمَهَا فِي نَاسٍ مِنْ أَصْحَابِهِ ، وَعَزَلَ مِنْهَا وَاحِدًا لِمَخْرَمَةَ بْنِ نَوْفَلٍ ، فَجَاءَ وَمَعَهُ ٱبْنُهُ الْمِسْوَرُ بْنُ مَخْرَمَةَ ، فَقَامَ عَلَى الْبَابِ فَقَالَ : ٱدْعُهُ لِي ، فَسَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ صَوْتَهُ ، فَأَخَذَ قَبَاءً فَتَلَقَّاهُ بِهِ ، وَٱسْتَقْبَلَهُ

(☆) عمدة القاري: ١٥/ ٤٥.

(۱) فتح الباري: ٦/ ٢٢٦، والمتواري على تراجم أبواب البخاري: ١٩١.

(۲) عمدة القاري: ١٥/ ٤٥، نیز دیکھیے فتح الباري: ٦/ ٢٢٦، وإرشاد الساري: ٥/ ٢٠٩.

(۳) قوله: "عن عبدالله......": الحديث، مر تخريجه في كتاب الهبة، باب كيف يقبض العبد والمتاع؟

بِأَزْرَارِهِ ، فَقَالَ : (يَا أَبَا الْمِسْوَرِ خَبَأْتُ هٰذَا لَكَ ، يَا أَبَا الْمِسْوَرِ خَبَأْتُ هٰذَا لَكَ) . وَكَانَ فِي خُلُقِهِ شِدَّةٌ .

تراجم رجال

۱- عبداللّٰه بن عبدالوهاب

یہ ابومحمد عبداللہ بن عبدالوہاب حجبی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب ليبلغ الشاهد الغائب" کے ذیل میں گزر چکا(۱)۔

۲- حماد

یہ حماد بن زید بن درہم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإيمان، "باب المعاصي من أمر الجاهلية" کے تحت گزر چکے(۲)۔

۳- ایوب

یہ ایوب بن ابی تمیمہ کیسان سختیانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإيمان، "باب حلاوة الإيمان" کے تحت آچکا(۳)۔

٤- عبداللّٰه بن ابی ملیکه

یہ قاضی عبداللہ بن ابی ملیکہ تیمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإيمان، "باب خوف المؤمن من أن يحبط......" کے تحت بیان کیے جا چکے(۴)۔

حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ قبائیں ہدیۃً آئیں، جو دیباج کی تھیں اوران پر سونے کا کام ہوا تھا،تو وہ سب آپ علیہ السلام نے بعض صحابہ میں

(۱) كشف الباري: ٤/١٣٨.

(۲) كشف الباري: ٢/٢١٩.

(۳) كشف الباري: ٢/٢٦.

(٤) كشف الباري: ٢/٥٤٨.

تقسیم کردیں اوران میں سے ایک قباء الگ کرکے مخرمہ بن نوفل (۱) کے لیے رکھ دی، حضرت مخرمہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، ساتھ ان کے بیٹے مسور (۲) بھی تھے، وہ آکر دروازے پر کھڑے ہوگئے اور بیٹے سے کہا انہیں بلاؤ (یعنی نبی علیہ السلام کو)، نبی علیہ السلام نے ان کی آواز سن لی تو وہ قباء لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملے اور اس کے بٹن ان کے سامنے کیے اور فرمایا اے ابوالمسور! میں نے یہ قباء تمہارے لیے چھپا رکھی تھی...... اور ان کی طبیعت میں کچھ شدت تھی۔

أن النبي صلى الله عليه وسلم أهديت له أقبية من ديباج مزردة بالذهب

اکثر نسخوں میں اسی طرح "مزرَّدة بالذهب" آیا ہے، جس کے معنی اوپر ہم نے سونے کا کام کے بیان کیے ہیں، اصل میں تزرید کہتے ہیں زرہ کے حلقوں کا باہم ملا ہوا ہونا، متداخل ہونا (۳)، البتہ ابوذر کی مستملی سے جو روایت ہے، اس میں مزررة ہے، یعنی تزریر سے ہے، اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اس قباء پر سونے کے بٹن لگے ہوئے تھے، کہ تزریر کے معنی بٹن لگانے کے ہیں (۴)۔

ادعه لي

یہ حضرت مخرمہ کا کلام ہے، جس کے مخاطب ان کے بیٹے مسور رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے اپنے بیٹے سے یہ کہا کہ نبی علیہ السلام کو جا کر بتلاؤ کہ میں آگیا ہوں۔ ایک روایت میں ہے، مسور کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات نامناسب لگی اور میں نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح بلانا اچھی بات نہیں۔ تو ان کے والد مخرمہ نے کہا اے بیٹے! اس میں برا ماننے کی کوئی بات نہیں، آپ علیہ السلام اس سے ناراض نہیں ہوں گے کہ آپ جبار نہیں ہیں (۵)۔

---

(۱) مخرمہ بن نوفل رضی اللہ عنہ کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الهبة، باب كيف يقبض العبد والمتاع؟

(۲) مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب استعمال فضل وضوء الناس.

(۳) مجمع بحار الأنوار: ٤٢٢/٢، باب الزاي مع الراء، مادة "زرر"، والقاموس الوحيد، مادة "زرد".

(٤) مجمع بحار الأنوار: ٤٢٢/٢، باب الزاي مع الراء، مادة "زرر"، والقاموس الوحيد، مادة "زرر"، وإرشاد الساري: ٢٠٩/٥، وعمدة القاري: ٤٥/١٥.

(٥) إرشاد الساري: ٢٠٩/٥، وعمدة القاري: ٤٥/١٥.

اس حدیث کے متن سے متعلقہ دیگر ابحاث کتاب اللباس وکتاب الادب میں آچکے ہیں (۱)۔

وَرَوَاهُ ابْنُ عُلَيَّةَ ، عَنْ أَيُّوبَ . قَالَ حَاتِمُ بْنُ وَرْدَانَ : حَدَّثَنَا أَيُّوبُ ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ ، عَنِ الْمِسْوَرِ : قَدِمَتْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ أَقْبِيَةٌ .

اور اسی طرح اسماعیل ابن علیہ (۲) نے بھی ایوب سے روایت کیا ہے۔ جب کہ حاتم بن وردان (۳) نے سند بیان کرتے ہوئے عن المسور ...... کا اضافہ کیا ہے۔

مذکورہ تعلیقات کا مقصد

اس عبارت کو سمجھنے سے قبل یہ جان لیجیے کہ حدیثِ باب کو ایوب سختیانی سے روایت کرنے والے تین حضرات ہیں، حماد بن زید، اسماعیل ابن علیہ اور حاتم بن وردان اور ان تینوں کی روایت میں ارسال اور وصل کا اختلاف ہے، چنانچہ حدیثِ باب میں "أیوب عن ابن أبي ملیکة أن النبي صلی اللہ علیه وسلم ......" آیا ہے اور یہ حدیث مرسل ہے کہ ابن ابی ملیکہ تابعی ہیں، علاوہ ازیں اسماعیل ابن علیہ کی جو روایت ہے وہ بھی مرسل ہے، اس طرح یہ دونوں حضرات روایت کے مرسل ہونے پر متفق ہوئے، ان دونوں کی روایات ایک جیسی ہیں، جب کہ حاتم بن وردان رحمۃ اللہ علیہ کی جو روایت ہے، اس میں "ابن أبي ملیکة عن المسور بن مخرمة ......" ہے، اس طرح یہ روایت موصول ہوئی۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی ارسال ووصل کے اختلاف کو واضح کرنے کے لیے یہ تعلیقات ذکر کی ہیں۔

مذکورہ تعلیقات کی تخریج

اوپر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دو تعلیقات ذکر کیں، پہلی ابن علیہ کی اور دوسری حاتم بن وردان کی۔

اسماعیل ابن علیہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیق کو مصنف نے موصولاً کتاب الأدب میں ذکر کیا ہے (۴)۔

---

(۱) کشف الباري، کتاب اللباس: ١٦٤، وکتاب الأدب: ٥٢٦-٥٢٨.

(۲) اسماعیل بن ابراہیم بن مسلم ابن علیہ کے حالات کشف الباري: ٢/١٢، کتاب الإیمان میں گزر چکے ہیں۔

(۳) حاتم بن وردان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الشهادات، باب شهادة الأعمی وأمره ......

(٤) صحیح بخاري، کتاب الأدب، باب المداراة مع الناس، رقم (٦١٣٢).

اور حاتم بن وردان رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیق موصولاً کتاب الشہادات میں گزر چکی ہے(☆)۔

تَابَعَهُ اللَّيْثُ ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ . [ر : ٢٤٥٩]

حضرت لیث بن سعد(۱) نے ابن ابی ملیکہ سے روایت کرتے ہوئے ایوب رحمہم اللہ کی متابعت کی ہے۔

مذکورہ متابعت کا مقصد

اوپر تعلیقات کے ضمن میں جو کچھ ہم نے بیان کیا اس کو آپ نے ملاحظہ کیا، اب سوال یہ ہے کہ یہ روایت مرسل ہے، جیسے ابن علیہ اور حماد بن زید کی روایت ہے، یا موصول، جیسے حاتم بن وردان کی روایت اور راجح کیا ہے؟

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ متابعت اسی ترجیح ورجحان کو بتلانے کے لیے ذکر کی ہے کہ لیث بن سعد احفظ ہیں اور روایت کا موصول ہونا ہی راجح ہے، ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"واعتمد البخاري الموصول لحفظ من وصله"(۲).

مذکورہ متابعت کی تخریج

امام بخاری نے حضرت لیث رحمہما اللہ کی مذکورہ بالا متابعت کو موصولاً کتاب الہبۃ میں نقل کیا ہے(۳)۔

اصیلی کا ایک وہم

اس پوری تفصیل سے ایک بات یہ بھی واضح ہوئی کہ اصیلی کے نسخے میں جو عن ابن أبي مليكة عن المسور مذکور ہے وہ وہم ہے، درست اور معتمد بات یہی ہے کہ "حماد بن زيد عن أيوب عن ابن أبي مليكة" والا طریق مرسل ہے(۴)۔

(☆) صحيح بخاري، كتاب الشهادات، باب شهادة الأعمى......، رقم (٢٦٥٧).

(۱) حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کے لیے دیکھیے، كشف الباري: ٣٢٤/١، بدء الوحي.

(٢) فتح الباري: ٢٢٦/٦.

(٣) صحيح بخاري، كتاب الهبة، باب كيف يقبض العبد والمتاع؟ رقم (٢٥٩٩).

(٤) فتح الباري: ٢٢٦/٦.

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے، "خبـأت هذا لك" (۱) اس سے امام بخاری کا مدعیٰ ثابت ہو رہا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور امام ان امور میں مختار ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۱۲ - باب: كَيْفَ قَسَمَ النَّبِيُّ ﷺ قُرَيْظَةَ وَالنَّضِيرَ، وَمَا أَعْطَى مِنْ ذٰلِكَ فِي نَوَائِبِهِ.

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ استفساراً یہ فرما رہے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوقریظہ اور بنونضیر سے حاصل شدہ اموال غنیمت کو کس طرح تقسیم کیا تھا؟ اب انہوں نے کیفیت تقسیم تو بیان نہیں کی، جو کہ ترجمہ ہے اور باب کے تحت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کر دی، جس سے معلوم ہوا کہ وہ اموال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوائب اور حاجات کے اندر خرچ کیے، اس کے ذریعے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بتلایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تصرفات میں کلی اختیار حاصل تھا، آپ جہاں مناسبت سمجھتے، وہاں خرچ کرتے تھے (۲)۔

۲۹٦۰: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ (۳): كَانَ الرَّجُلُ يَجْعَلُ لِلنَّبِيِّ ﷺ النَّخَلَاتِ، حَتَّى افْتَتَحَ قُرَيْظَةَ وَالنَّضِيرَ، فَكَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ يَرُدُّ عَلَيْهِمْ. [۳۸۰٦: ۳۸۹٤]

تراجم رجال

۱- عبداللّٰه بن ابی الاسود

یہ عبداللہ بن حمید ابو الاسود بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

(۱) فتح الباري: ٦/٢٢٧.

(۲) عمدة القاري: ١٥/٤٦، وشرح الكرماني: ١٣/٩٩.

(۳) قوله: "سمعت أنس......" الحديث، مر تخريجه في الهبة، باب فضل المنيحة.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الأذان، باب بلا ترجمة، رقم (٧٩٨).

۲– معتمر

یہ معتمر بن سلیمان بن طرخان تیمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳– ابیه

اب سے مراد حضرت سلیمان بن طرخان تیمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دوحضرات کا تذکرہ كتاب العلم، "باب من خص بالعلم قوما دون قوم......" کے تحت آچکا ہے(۱)۔

٤– انس بن مالك

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حالات كتاب الإيمان، "باب من الإيمان أن يحب لأخيه......" کے تحت گزر چکے(۲)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھجور کے درخت مختص کردیا کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنوقریظہ اور بنونضیر پر فتح حاصل ہوئی، بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان درختوں کو واپس کردیا۔

حدیث کی مختصر شرح

اس حدیث میں "الرجل" سے انصار مراد ہیں اور "افتتح" کا تعلق بنوقریظہ سے ہے، کیونکہ بنی نضیر کو تو جلاوطن کیا گیا تھا، لیکن مآلا ومجازاً اسے بھی فتح سے تعبیر کیا گیا ہے(۳)۔

مدینہ منورہ میں جب مہاجرین کا ورود ہوا، وہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر آگئے تو انصار نے ان کو حوصلہ دیا، ان کی ہر طرح سے مدد کی، کھیت وغیرہ حوالے کردیے، جن کی دو بیویاں تھیں ان میں سے ایک کو طلاق دے کر اپنے مہاجری بھائی کے نکاح میں دے دی اور قربانی وایثار کی عظیم مثالیں پیش کیں۔

---

(۱) كشف الباري: ٤/٥٩٠-٥٩٥.

(۲) كشف الباري: ۲/٤.

(۳) عمدة القاري: ١٥/٤٦.

یہ انفرادی امور کا معاملہ تھا، اجتماعی امور کے لیے ان انصار کے جو باغات تھے، ان میں سے کچھ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مختص کردیے، ان کی آمدنی مصارف ومصالح مسلمین اور اہل بیت پر خرچ ہوتی، یہ اختصاص بطور ہدیہ کے تھا، کیوں کہ صدقہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کے لیے حرام ہے۔

یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ نبی علیہ السلام اور مسلمانوں کو یہود مدینہ پر فتح ہوئی تو نبی علیہ السلام نے وہ درخت انصار کو واپس کردیے(۱)۔

ان امور کی تفصیلات کتاب المغازی میں بیان ہوچکی ہیں(۲)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث کی ترجمہ کے ساتھ مطابقت بایں معنی ہے کہ ترجمہ میں تقسیم کی کیفیت کے متعلق استفسار تھا، اس کا جواب حدیث میں موجود ہے کہ تقسیم اموال بنی قریظہ کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا گیا، کہ نبی علیہ السلام نے ان میں اپنی صوابدید کے مطابقت تصرف کیا اور انہیں مصالح مسلمین پر خرچ کیا گیا(۳)۔

۱۳ - باب : بَرَكَةِ الْغَازِي فِي مالِهِ حَيًّا وَمَيِّتًا ، مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَوُلَاةِ الْأَمْرِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں یہ فرما رہے ہیں کہ غازی کا مال جو غنیمت وغیرہ سے حاصل ہوا ہو، اس میں اس کی زندگی میں بھی برکت ہوتی ہے اور اس کے مرنے کے بعد بھی، چاہے اس نے جہاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں کیا ہو یا آپ کے بعد آپ کے نائبین اور خلفاء کے ہمراہ(۴)۔ شہادت ودلیل کے طور پر اس

---

(۱) حواله بالا، وإرشاد الساري: ٥/٢١٠، وشرح ابن بطال: ٥/٢٨٦.

(۲) كشف الباري، كتاب المغازي: ١٨٣، و:٣٠٢.

(۳) عمدة القاري: ١٥/٤٦، وفتح الباري: ٦/٢٢٧، وإرشاد الساري: ٥/٢١٠.

(٤) هذا ما قاله الشيخ الكاندهلوي رحمه الله، واختاره شيخنا المبجّل حفظه الله، انظر الأبواب والتراجم للكاندهلوي: ١/٢٠٦. وقال القسطلاني رحمه الله: "والظاهر أن الغرض ذكر الكثرة التي نشأت عن البركة في تركة الزبير؛ إذ خلف ديناً كثيراً، ولم يخلف إلا العقار المذكور، ومع ذلك فبورك فيه، حتى تحصّل منه هذا المال العظيم". شرح القسطلاني: ٥/٢١٣.

کے لیے امام علیہ الرحمۃ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا قصہ پیش کیا ہے، جس کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

ایک تنبیہ

ترجمۃ الباب میں لفظ برکہ بائے موحدہ کے ساتھ ہے، بعض حضرات نے اس میں تصحیف کرتے ہوئے تائے مثناۃ کے ساتھ ترکہ پڑھا ہے، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لفظ ترکہ اگرچہ محتمل ہے کہ اس قصے میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ترکہ کا ذکر ہے، لیکن آگے جو عبارت آرہی ہے، "حيا وميتا مع النبي صلى الله عليه وسلم وولاة الأمر" یہ اس امر پر دلالت کررہی ہے کہ درست جمہور ہی کی روایت ہے، یعنی بائے موحدہ کے ساتھ (۱)۔

۲۹۶۱ : حدّثنا إسْحٰقُ بْنُ إبْرَاهِيمَ : قالَ : قُلْتُ لِأَبِي أُسَامَةَ : أَحَدَّثَكُمْ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَبْدِ ٱللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ(۲) قالَ : لَمَّا وَقَفَ الزُّبَيْرُ يَوْمَ الجَمَلِ ، دَعَانِي فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ ، فَقَالَ : يَا بُنَيِّ إِنَّهُ لَا يُقْتَلُ الْيَوْمَ إِلَّا ظَالِمٌ أَوْ مَظْلُومٌ ، وَإِنِّي لَا أُرَانِي إِلَّا سَأُقْتَلُ الْيَوْمَ مَظْلُومًا ، وَإِنَّ مِنْ أَكْبَرِ هَمِّي لَدَيْنِي ، أَفَتُرَى يُبْقِي دَيْنُنَا مِنْ مالِنَا شَيْئًا ؟ فَقَالَ : يَا بُنَيِّ بِعْ مالَنَا فَاقْضِ دَيْنِي ، وَأَوْصَى بِالثُّلُثِ ، وَثُلُثِهِ لِبَنِيهِ - يَعْنِي بَنِي عَبْدِ ٱللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ - يَقُولُ : ثُلُثُ الثُّلُثِ ، فَإِنْ فَضَلَ مِنْ مالِنَا فَضْلٌ بَعْدَ قَضَاءِ ٱلدَّيْنِ فَثُلُثُهُ لِوَلَدِكَ . قالَ هِشَامٌ : وَكانَ بَعْضُ وَلَدِ عَبْدِ ٱللّٰهِ قَدْ وَازَى بَعْضَ بَنِي الزُّبَيْرِ ، خُبَيْبٌ وَعَبَّادٌ ، وَلَهُ يَوْمَئِذٍ تِسْعَةُ بَنِينَ وَتِسْعُ بَنَاتٍ . قالَ عَبْدُ ٱللّٰهِ : فَجَعَلَ يُوصِينِي بِدَيْنِهِ وَيَقُولُ : يَا بُنَيِّ إِنْ عَجَزْتَ عَنْهُ فِي شَيْءٍ فَاسْتَعِنْ عَلَيْهِ مَوْلَايَ . قالَ : فَوَٱللّٰهِ ما دَرَيْتُ ما أَرَادَ حَتَّى قُلْتُ : يَا أَبَتِ مَنْ مَوْلَاكَ ؟ قالَ : ٱللّٰهُ ، قالَ : فَوَٱللّٰهِ ما وَقَعْتُ فِي كُرْبَةٍ مِنْ دَيْنِهِ إِلَّا قُلْتُ : يَا مَوْلَى الزُّبَيْرِ ٱقْضِ عَنْهُ دَيْنَهُ فَيَقْضِيهِ ، فَقُتِلَ الزُّبَيْرُ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ وَلَمْ يَدَعْ دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا إِلَّا أَرَضِينَ ، مِنْهَا الْغَابَةُ وَإِحْدَى عَشْرَةَ دَارًا بِالْمَدِينَةِ ، وَدَارَيْنِ بِالْبَصْرَةِ ، وَدَارًا بِالْكُوفَةِ ، وَدَارًا بِمِصْرَ ، قالَ : إِنَّمَا كانَ دَيْنُهُ الَّذِي عَلَيْهِ أَنَّ الرَّجُلَ كانَ يَأْتِيهِ بِالْمَالِ فَيَسْتَوْدِعُهُ إِيَّاهُ ، فَيَقُولُ الزُّبَيْرُ : لَا ، وَلٰكِنَّهُ سَلَفٌ ، فَإِنِّي أَخْشَى عَلَيْهِ الضَّيْعَةَ ، وَما وَلِيَ إِمَارَةً قَطُّ ، وَلَا جِبَايَةَ خَرَاجٍ ، وَلَا شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَكُونَ فِي غَزْوَةٍ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ، أَوْ مَعَ أَبِي بَكْرٍ

---

(۱) فتح الباري: ۲۲۸/٦، وعمدة القاري: ۴۷/۱۵، وشرح القسطلاني: ۲۱۰/۵.

(۲) قوله: "عن عبدالله": الحديث، تفرد به البخاري، ولم يخرجه غيره، انظر تحفة الأشراف: ۱۷۹/۳، رقم (۳٦۲٦)، ومن مسند الزبير......

وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُمْ ، قَالَ عَبْدُ ٱللّٰهِ بْنُ الزُّبَيْرِ : فَحَسَبْتُ مَا عَلَيْهِ مِنَ ٱلدَّيْنِ فَوَجَدْتُهُ أَلْفَيْ أَلْفٍ وَمِائَتَيْ أَلْفٍ ، قَالَ : فَلَقِيَ حَكِيمُ بْنُ حِزَامٍ عَبْدَ ٱللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ فَقَالَ : يَا ٱبْنَ أَخِي ، كَمْ عَلَى أَخِي مِنَ ٱلدَّيْنِ ؟ فَكَتَمَهُ ، فَقَالَ : مِائَةُ أَلْفٍ ، فَقَالَ حَكِيمٌ : وَٱللّٰهِ مَا أُرَى أَمْوَالَكُمْ تَسَعُ لِهٰذِهِ ، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ ٱللّٰهِ : أَفَرَأَيْتَكَ إِنْ كَانَتْ أَلْفَيْ أَلْفٍ وَمِائَتَيْ أَلْفٍ ؟ قَالَ : مَا أُرَاكُمْ تُطِيقُونَ هٰذَا ، فَإِنْ عَجَزْتُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ فَٱسْتَعِينُوا بِي ، قَالَ : وَكَانَ الزُّبَيْرُ ٱشْتَرَى الْغَابَةَ بِسَبْعِينَ وَمِائَةِ أَلْفٍ ، فَبَاعَهَا عَبْدُ ٱللّٰهِ بِأَلْفِ أَلْفٍ وَسِتِّمِائَةِ أَلْفٍ ، ثُمَّ قَامَ فَقَالَ : مَنْ كَانَ لَهُ عَلَى الزُّبَيْرِ حَقٌّ فَلْيُوافِنَا بِالْغَابَةِ ، فَأَتَاهُ عَبْدُ ٱللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ ، وَكَانَ لَهُ عَلَى الزُّبَيْرِ أَرْبَعُمِائَةِ أَلْفٍ ، فَقَالَ لِعَبْدِ ٱللّٰهِ : إِنْ شِئْتُمْ تَرَكْتُهَا لَكُمْ ، قَالَ عَبْدُ ٱللّٰهِ : لَا ، قَالَ : فَإِنْ شِئْتُمْ جَعَلْتُمُوهَا فِيمَا تُؤَخِّرُونَ إِنْ أَخَّرْتُمْ ، فَقَالَ عَبْدُ ٱللّٰهِ : لَا ، قَالَ : قَالَ : فَٱقْطَعُوا لِي قِطْعَةً ، فَقَالَ عَبْدُ ٱللّٰهِ : لَكَ مِنْ هَا هُنَا إِلَى هَا هُنَا ، قَالَ : فَبَاعَ مِنْهَا فَقَضَى دَيْنَهُ فَأَوْفَاهُ ، وَبَقِيَ مِنْهَا أَرْبَعَةُ أَسْهُمٍ وَنِصْفٌ ، فَقَدِمَ عَلَى مُعَاوِيَةَ وَعِنْدَهُ عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ وَالْمُنْذِرُ بْنُ الزُّبَيْرِ وَٱبْنُ زَمْعَةَ ، فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ : كَمْ قُوِّمَتِ الْغَابَةُ ؟ قَالَ : كُلُّ سَهْمٍ مِائَةَ أَلْفٍ ، قَالَ : كَمْ بَقِيَ ، قَالَ : أَرْبَعَةُ أَسْهُمٍ وَنِصْفٌ ، قَالَ الْمُنْذِرُ بْنُ الزُّبَيْرِ : قَدْ أَخَذْتُ سَهْمًا بِمِائَةِ أَلْفٍ ، قَالَ عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ : قَدْ أَخَذْتُ سَهْمًا بِمِائَةِ أَلْفٍ ، وَقَالَ ٱبْنُ زَمْعَةَ : قَدْ أَخَذْتُ سَهْمًا بِمِائَةِ أَلْفٍ ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ : كَمْ بَقِيَ ؟ فَقَالَ : سَهْمٌ وَنِصْفٌ ، قَالَ : أَخَذْتُهُ بِخَمْسِينَ وَمِائَةِ أَلْفٍ ، قَالَ : وَبَاعَ عَبْدُ ٱللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ نَصِيبَهُ مِنْ مُعَاوِيَةَ بِسِتِّمِائَةِ أَلْفٍ ، فَلَمَّا فَرَغَ ٱبْنُ الزُّبَيْرِ مِنْ قَضَاءِ دَيْنِهِ ، قَالَ بَنُو الزُّبَيْرِ : ٱقْسِمْ بَيْنَنَا مِيرَاثَنَا ، قَالَ : لَا وَٱللّٰهِ لَا أَقْسِمُ بَيْنَكُمْ حَتَّى أُنَادِيَ بِالْمَوْسِمِ أَرْبَعَ سِنِينَ : أَلَا مَنْ كَانَ لَهُ عَلَى الزُّبَيْرِ دَيْنٌ فَلْيَأْتِنَا فَلْنَقْضِهِ ، قَالَ : فَجَعَلَ كُلَّ سَنَةٍ يُنَادِي بِالْمَوْسِمِ ، فَلَمَّا مَضَى أَرْبَعُ سِنِينَ قَسَمَ بَيْنَهُمْ ، قَالَ : فَكَانَ لِلزُّبَيْرِ أَرْبَعُ نِسْوَةٍ ، وَرَفَعَ الثُّلُثَ ، فَأَصَابَ كُلَّ ٱمْرَأَةٍ أَلْفُ أَلْفٍ وَمِائَتَا أَلْفٍ ، فَجَمِيعُ مَالِهِ خَمْسُونَ أَلْفَ أَلْفٍ ، وَمِائَتَا أَلْفٍ .

تراجم رجال

۱— اسحاق بن ابراهیم

یہ اسحاق بن ابراہیم بن راہویہ حنظلی مروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲–أبو اسامه

یہ ابو اسامہ حماد بن اسامہ لیثی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تذکرہ تفصیلاً کتاب العلم، "باب فضل من علم وعلم" کے تحت گزر چکا(۱)۔

۳– هشام بن عروة

یہ ہشام بن عروۃ بن زبیر قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں

٤– عروه بن زبیر

یہ عروہ بن زبیر بن العوام قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کے حالات "بدء الوحي" کی "الحدیث الثانی" کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

٥– عبدالله بن زبیر ٦– زبیر بن العوام رضي الله عنهما

ان دونوں حضرات کے مفصل حالات کتاب العلم، "باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم" کے تحت آچکے ہیں(۳)۔

قال: لما وقف الزبير يوم الجمل دعاني فقمت إلى جنبه

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جمل والے دن جب میرے والد زبیر رضی اللہ عنہ قتال کے لیے کھڑے ہوئے تو انہوں نے مجھے بلایا، تو میں ان کے پہلو میں جا کر کھڑا ہوگیا۔

یوم الجمل (جنگ جمل)

واقعہ جمل تاریخ اسلام کے ان دردناک واقعات میں سے ہے، جس میں دونوں طرف جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے اور دونوں طرف کے لوگ حق پر بھی تھے، یہی اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے، اس واقعے سے متعلق تفصیلات تو ان شاء اللہ کتاب الفتن میں آئیں گی، ہم ذیل میں اس کا خلاصہ ذکر کیے دیتے ہیں۔

---

(۱) كشف الباري: ٣/٤١٤–٤١٧، و٤٢٨–٤٣١.

(۲) كشف الباري: ١/٢٩١، نیز دیکھیے، كشف الباري: ٢/٤٣٢–٤٤٠.

(۳) كشف الباري: ٤/١٦٤–١٧٤.

یہ ۳۶ھ مطابق ۶۵۶ء، جمادی الاولیٰ یا جمادی الثانیہ کا اور خلافتِ علی کا واقعہ ہے، یہ جنگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حامیوں کے مابین تھی، مسئلہ حضرت عثمان کے قصاص کا تھا اور موضع حرب بصرہ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے حامیوں کے ہمراہ مکہ سے بصرہ کے لیے روانہ ہوئیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے ہی سے بصرہ کے قریبی شہر کوفہ میں موجود تھے، جب انہوں نے اس لشکر کے بصرہ پہنچنے کا سنا تو وہ بھی کوفہ سے لشکر لے کر نکلے، یہاں تک کہ دونوں لشکر آمنے سامنے ہو گئے اور فریقین کے درمیان کئی بار مذاکرات بھی ہوئے، قریب تھا کہ یہ مذاکرات کامیابی سے ہم کنار ہوتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دلائل کی رو سے فریق ثانی کو قائل کر لیتے، لیکن ناس ہو ابن سبا یہودی اور اس کے چیلوں کا، یہ چوں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ذمے دار تھے، اس لیے ان کو اندیشہ لاحق ہوا کہ اگر یہ دونوں فریق باہم مل گئے تو ہماری گردنیں ضرور قصاصاً ماری جائیں گی، چناں چہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رفاقت کا دم بھرا اور موقع پاتے ہی اہل جمل یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر پر حملہ کر دیا، جب کہ اس کی خبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہیں تھی، انہیں پتہ چلا تو پوچھا کہ یہ کس قسم کا شور ہے؟ تو سبائیوں میں کچھ افراد نے غلط بیانی کرتے ہوئے انہیں یہ بتلایا کہ فریق ثانی نے اچانک بے خبری میں ہم پر حملہ کر دیا ہے، یہی حال دوسری طرف بھی ہوا اور یہ حضرات نہ چاہتے ہوئے بھی جنگ کی آگ میں کود پڑے اور سبائی اپنی سازش میں کامیاب ہو گے، لعنهم الله و خذلهم.

فریقین کے درمیان گھمسان کا رن پڑا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت میدانِ جنگ میں موجود نہیں تھیں اور انہیں لڑائی شروع ہونے کا بھی علم نہیں تھا، اتنے میں کعب بن مسور تابعی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور احوال واقعی سے انہیں باخبر کیا اور کہا کہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اونٹ پر سوار ہو جائیں اور میدانِ قتال کی طرف چلیں، شاید صلح کی کوئی صورت پیدا ہو جائے، یہ سن کر اماں عائشہ رضی اللہ عنہا اونٹ پر سوار ہو کر نکلیں، مگر توقع کے خلاف آپ رضی اللہ عنہا کی سواری دیکھ کر لوگ اور مشتعل ہو گئے، کیوں کہ وہ یہ سمجھے تھے کہ آپ بحیثیت سپہ سالار میدان میں تشریف لائی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب دیکھا کہ لوگ کسی طرح لڑائی روکنے پر آمادہ نہیں اور مسلسل مرنے مارنے پر تلے ہوئے ہیں تو انہوں نے کعب بن مسور کو حکم دیا کہ تم اونٹ کی مہار چھوڑ کر، قرآن مجید بلند کر کے

آگے بڑھو اور لوگوں کو قرآن مجید کے محاکمہ کی طرف بلاؤ اور کہو کہ ہمیں قرآن کا فیصلہ منظور ہے، تم بھی اس کے فیصلے کو مان لو۔

کعب نے آگے بڑھ کر اعلان کیا، عبداللہ بن سبا کے لوگوں نے یکبارگی ان پر تیروں کی بارش کر کے ان کو شہید کر دیا، اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حامی اور مشتعل ہو گئے، وہ برابر قتل ہوتے رہے، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ تک کسی حریف کو رسائی نہیں دی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کیفیت کو دیکھ کر بھانپ لیا کہ جب تک یہ اونٹ میدانِ جنگ میں نظر آتا رہے گا، لڑائی کے شعلے کبھی فرو نہیں ہوں گے، چناں چہ آپ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ کسی طرح اونٹ کو ختم کرو، کہ اس کے گرتے ہی لڑائی ختم ہو جائے گی۔ یہ سن کر وہ اس کوشش میں لگ گئے کہ کسی طرح اس کو گرایا جائے، لیکن دوسری طرف اہل جمل بھی غافل نہیں تھے، انہوں نے فریقِ ثانی کے ہر وار کو روکا، اونٹ کی مہار پکڑ کر لڑتے رہے، اس طرح سینکڑوں آدمی اونٹ کی مہار پر شہید ہو گئے، آخر کار کافی دیر بعد ایک آدمی نے موقع پا کر اونٹ کے پاؤں میں تلوار ماری اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں، اس طرح اونٹ سینے کے بل بیٹھ گیا۔

اونٹ کے گرتے ہی اہل جمل منتشر ہو گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر نے اس کا محاصرہ کر لیا اور انہوں نے محمد بن ابی بکر کو، جو اُن کے ساتھ تھے، حکم دیا کہ جا کر اپنی بہن کی حفاظت کرو، ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے، اس طرح یہ جنگ اپنے انجام کو پہنچی۔

یہ پہلی جنگ تھی جس میں فریقین مسلمان تھے، اس کے بعد فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔

جنگ ختم ہونے کے کئی دنوں بعد، امور خلافت کو از سرِ نو مرتب کر کے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ سفر کی تیاری کریں۔ چناں چہ یکم رجب ۳۶ھ کو سفر کی مکمل تیاری کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو روسائے بصرہ کی چالیس عورتوں اور محمد بن ابی بکر کے ہمراہ بصرہ سے روانہ کیا، کئی کوس تک خود بھی قافلے کے ساتھ چلے، بعد میں حضرات حسنین کو حفاظت کی غرض سے قافلے کے ساتھ کر دیا، آپ رضی اللہ عنہا پہلے مکہ مکرمہ گئیں، وہاں سے حج ادا کر کے محرم ۳۷ھ کو مدینہ منورہ تشریف لے گئیں۔

اس جنگ میں فریقین کے ہزاروں افراد قتل ہوئے، جن کی تعداد میں اختلاف ہے، مقتولین میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ بھی تھے، جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما بھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں، "وددت أني مت قبل هذا اليوم بعشرين سنة" کہ ''اے کاش! آج کے دن سے بیس سال قبل ہی میں وفات پاچکی ہوتی کہ یہ دن نہ دیکھنا پڑتا''۔

اس جنگ کو جمل سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس جنگ میں ایک بڑی جسامت کے اونٹ پر سوار تھیں، جس کا نام عسکر تھا، اسے حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ نے قبیلہ عرینہ کے ایک آدمی سے دوسو دینار میں خریدا تھا اور یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سواری کے لیے مخصوص تھا (۱)۔

أعاذنا الله من الفتن، ماظهر منها ومابطن.

فقال: يا بني، لا يقتل اليوم إلا ظالم أو مظلوم

تو میرے والد زبیر نے مجھ سے کہا، اے بیٹے! آج کے دن قتل ہونے والا ظالم ہوگا یا مظلوم۔

اس جملے کے مختلف مطالب

اس جملے کے کئی مطالب ومعانی بیان کیے گئے ہیں:

❶ علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اگر وہ قتل ہوگئے تو اپنے خیال میں مظلوم ہوں گے، لیکن فریقِ ثانی (خصم) انہیں ظالم تصور کرتا ہوگا، کیوں کہ ہر فریق اپنے کو حق پر، دوسرے کو ناحق پر سمجھتا تھا اور اس میں وہ تاویل کرتا تھا۔

اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا مقصد اس کلام سے یہ ہے کہ صحابہ، جو امت کے بہترین اور عمدہ لوگ ہیں، کا آپس میں قتال ومحاربہ ان لوگوں کا سانہیں جو عصبیت کی بنیاد پر قتل کرتے ہیں یا اہل بغی ہیں، جن کے قاتل ومقتول دونوں ظالم ہوں گے، ان کے بارے میں تو صریح ارشاد نبوی ہے، "إذا التقى المسلمان بسيفيهما، فالقاتل والمقتول في النار" (۲) کیوں کہ یہاں تو تاویل کی گنجائش ہی نہیں کہ اس کی وجہ سے عند اللہ یہ معذور

---

(۱) جنگ جمل کی تفصیلات، اسباب اور نتائج کے لیے دیکھیے، عمدة القاري: ۱۵/۴۹-۵۰، وفتح الباري: ۶/۲۲۹، والبداية والنهاية: ۴/۷/۲۲۲-۲۴۱، سنة ۳۶ھ، والكامل لابن الأثير: ۳/۹۹-۱۴۹، وقعة الجمل، وشرح القسطلاني: ۵/۲۱۰، تاریخ اسلام (اردو) از اکبر شاہ نجیب آبادی: ۱/۴۳۰-۴۴۶، طبع مكتبة العلم کراچی، وتاريخ الإسلام للذهبي: ۲/۱۷۱، سنة ست وثلاثين، وقعة الجمل، الطبقة الرابعة.

(۲) الحديث أخرجه البخاري، كتاب الإيمان، باب ﴿وإن طائفتان من المؤمنين......﴾ رقم (۳۱)، والديات،=

سمجھے جائیں......۔

جہاں تک حضرت زبیر وطلحہ اور جماعت صحابہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ نکلے تھے، ان کا مطالبہ تو یہ تھا قاتلین عثمان کا پیچھا کیا جائے اور ان کو گرفتار کر کے ان پر حد جاری کی جائے، ظاہر ہے کہ یہ ایک شرعی مطالبہ ہے اور یہ لوگ ہرگز ہرگز حضرت علی سے قتال کے لیے نہیں نکلے تھے، کیوں کہ اس میں تو دو رائے نہیں تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہما اپنے زمانے کے لوگوں میں احق بالخلافہ تھے، وہی امامت کبریٰ کے مستحق تھے۔

البتہ ہوا یہ تھا کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں پناہ لے رکھی تھی، وہ ان کی حمایت کا دم بھرتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا خیال یہ تھا کہ جب تک امت کے حالات پرسکون نہیں ہو جاتے ان قاتلین کو جلاد کے حوالے کرنا مناسب نہیں، ہاں! جب حالات پرسکون ہو جائیں گے تو یہ کام بھی کر لیا جائے گا۔

ظاہر ہے کہ دونوں فریق اپنی اپنی جگہ درست ہیں اس لیے دونوں کے مقتول مظلوم ہی ہوں گے، نہ کہ ظالم، **یہی مذہب اہل سنت ہے**، والقاتل منهم والمقتول في الجنة إن شاء الله(۱).

❷ علامہ ابن التین السفاقسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ لڑنے والے دو طرح کے لوگ ہوں گے: صحابی وغیر صحابی، چناں چہ صحابی تو متاول ہے، اس لیے وہ مظلوم ہے اور غیر صحابی جو دنیا کے لیے لڑنے والا ہوگا، وہ ظالم ہوگا۔

"معناه: أنهم إما صحابي متأول فهو مظلوم، وإما غير صحابي قاتل لأجل الدنيا فهو ظالم"(۲).

= باب قول الله تعالى: ﴿ومن أحياها﴾، رقم (٦٨٧٥)، والفتن، باب إذا التقى المسلمان ......، رقم (٧٠٨٣)، ومسلم في الفتن، باب إذا تواجه المسلمان......، رقم (٧٢٥٢-٧٢٥٥)، وأبوداود، الفتن، باب النهي عن القتال في الفتنة، رقم (٤٢٦٨)، والنسائي، تحريم الدم، باب تحريم القتل، رقم (٤١٢١-٤١٢٢)، و(٤١٢٥-٤١٢٨).

(۱) شرح ابن بطال: ٥/٢٩٠، وعمدة القاري: ١٥/٥١.

(۲) شرح القسطلاني: ٥/٢١٠، وعمدة القاري: ١٥/٥١، وفتح الباري: ٦/٢٢٩.

وإني لا أراني إلا سأقتل اليوم مظلوما

اور میرا اپنے بارے میں یہی خیال ہے کہ میں آج ظلماً شہید کیا جاؤں گا۔

أرانـــي ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ بمعنی أظن کے ہے، یعنی میرا خیال وگمان یہ ہے اور بفتح الہمزہ بھی پڑھا جاسکتا ہے جو أعتقد کے معنی میں ہوگا، یعنی میرا یقین واعتقاد یہ ہے کہ آج میں مارا جاؤں گا (۱)۔

ان کا یہ گمان یا یقین پورا ہوا اور عمرو بن جرموز نامی ایک شخص نے ان پر اچانک حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا، جب کہ وہ میدانِ جنگ سے نکل چکے تھے (۲)، جس کی تفصیل کتاب العلم میں گزر چکی ہے (۳)۔

وإن من أكبر همي لديني، أفترى يبقي ديننا من مالنا شيئاً؟

اور میری سب سے بڑی پریشانی اور فکر میرا قرض ہے، تمہارا کیا خیال ہے، ہمارا یہ قرض ہمارے مال میں سے کچھ چھوڑے گا؟

مطلب یہ ہے کہ اتنا قرض، جو میں نے لوگوں سے لیے، ان کی ادائیگی میں ہی سارا مملوکہ مال خرچ ہوجائے گا، شاید ہی اس میں سے کچھ بچے۔

لديني میں لام تاکید کا ہے اور مفتوح ہے اور أفتُرى میں ہمزہ استفہامیہ ہے اور فعل مجہول ہے، أفتظن کے معنی میں ہے اور يبقي إبقاء سے ہے (افعال سے)، نہ کہ بقاء سے (۴)۔

فقال: يا بني، بع مالنا، فاقض ديني، وأوصى بالثلث، وثلثه لبنيه —يعني بني عبدالله بن الزبير، يقول: ثلث الثلث— فإن فضل من مالنا فضلٌ بعد قضاء الدين فثلثه لولدك

پھر کہا اے بیٹے! ہمارے مال کو بیچنا، میرا دین ادا کرنا۔ اور ثلث کی وصیت کی اور ثلث میں سے ثلث

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۵۱، وفتح الباري: ٦/۲۲۹.

(۲) حواله جات بالا.

(۳) كشف الباري: ٤/۱۷۳.

(٤) عمدة القاري: ۱۵/۵۲، وشرح القسطلاني: ٥/۲۱۱.

ان کے یعنی عبداللہ بن زبیر (مخاطب) کے بیٹوں کے لیے ہوگا، کہنے لگے کہ ثلث کو تین حصوں میں تقسیم کرنا اور اس کا ایک ثلث اپنے بیٹوں کو دینا۔ اگر ہمارے مال سے دین ادا کرنے کے بعد کچھ بچ جائے تو اس کا ثلث تمہارے بیٹوں کا ہوگا۔

اوپر ذکر کردہ عبارت مختلف حضرات کے کلام پر مشتمل ہے، جس کی توضیح یہ ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا کلام یہ ہے، "يا بني، بع مالنا، فاقض ديني، فإن فضل من مالنا فضل بعد قضاء الدين فثلثه لولدك" جس کا مطلب یہ ہے کہ بیٹے! میرے مال کو فروخت کر کے میرا دین ادا کرنا اور دین کی ادائیگی کے بعد بھی اگر مال بچا رہا تو اس کا ایک ثلث فقراء ومساکین کے لیے ہو، لیکن اس ثلث کا ثلث تمہاری اولاد کے لیے ہوگا۔ اور "وأوصى بالثلث وثلثه لبنيه" یہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا کلام ہے۔ اور "يعني بني عبدالله بن الزبير يقول: ثلث الثلث" یہ کسی راوی کا تفسیری وتوضیحی جملہ ہے، جس میں اس نے "ثلثه لبنيه" کی وضاحت کی ہے۔ اگر اس تفصیل کو مدنظر نہ رکھا جائے تو اس عبارت کو سمجھنا مشکل ہے۔

چنانچہ اس عبارت میں فثلثه کی جو ضمیر مجرور ہے، وہ مطلقاً ثلث کی طرف راجع ہے، یعنی ثلث کا ثلث کہ وصیت تو مطلقاً ثلث مال میں جاری ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف امام مہلب رحمۃ اللہ علیہ نے اس ضمیر مجرور کو فضل کی طرف راجع مانا ہے، لیکن وہ اشکال سے خالی نہیں (۱)۔

بعض حضرات نے فثلثه کو لام کی تشدید کے ساتھ ثلّثه پڑھا ہے، یعنی اسم کی جگہ فعل امر قرار دیا ہے کہ اس ثلث مطلق کے تین حصے کرنا، اس کو حافظ نے اقرب کہا ہے (۲)۔

قال هشام: وكان بعض ولد عبدالله قد وازى بعض بني الزبير —خبيب وعباد—

ہشام کہتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر کے بعض بیٹے حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے بعض بیٹوں کے ہم عمر تھے۔ یعنی خبیب اور عباد۔

ہشام بن عروہ کا یہ قول سند سابق کے ساتھ موصول ہے (۳)۔

---

(۱) فتح الباري: ۶/۲۳۰، عمدة القاري: ۱۵/۵۲، وإرشاد الساري: ۵/۲۱۱، والكوثر الجاري: ۶/۱۱۱.

(۲) فتح الباري: ۶/۲۳۰، وعمدة القاري: ۱۵/۵۲، وإرشاد الساري: ۵/۲۱۱.

(۳) فتح الباري: ۶/۲۳۰، وإرشاد الساري: ۵/۲۱۱.

علامہ جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے وازی کو واو کے ساتھ لکھنا خلافِ قیاس اور غلط قرار دیا ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ اسے ہمزہ کے ساتھ آزی لکھنا چاہیے، حدیثِ باب کے یہ الفاظ ان پر رد ہیں، کہ یہاں وازی واء کے ساتھ ہے۔اس کے معنی ساوی کے ہیں، یعنی برابر ہونا (۱)۔

اس جملے کا مطلب

❶ علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ حضرت عبداللہ کے بیٹے حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے بیٹوں یعنی اپنے اعمام کے عمر میں مساوی اور برابر ہوگئے تھے۔

❷ اور یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ حضرت عبداللہ کے صاحبزادگان نصیب میراث میں اپنے اعمام یعنی حضرت زبیر کے صاحبزادگان کے برابر و مساوی ہوگئے تھے کہ ان کو بھی اتنا ہی ملا، جتنا کہ ان کے اعمام کو ملا۔

اس احتمالِ ثانی کو مہلب رحمۃ اللہ علیہ نے اولیٰ قرار دیا ہے اور فرمایا کہ دوسری صورت میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی اولاد کی کثرت کو بیان کرنے کے کوئی معنی نہیں۔

لیکن دوسرے شراح نے پہلے احتمال کو راجح اور دوسرے کو مرجوح قرار دیا ہے (۲)۔

چنانچہ حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہ احتمال نظر و اشکال سے خالی نہیں، کیوں کہ اس وقت تک تو میراث تقسیم ہی نہیں ہوئی تھی، مال موروث کا کوئی معلوم و معین اندازہ تھا، نہ موصی بہ یعنی ثلث کا۔

علاوہ ازیں یہ کہنا "وإلا لم يكن لذكر كثرة أولاد الزبير معنى في الموازاة في السن" (۳) بھی درست نہیں، کیوں کہ مراد یہ ہے کہ حضرت زبیر نے حضرت عبداللہ کی اولاد کو خصوصیت کے ساتھ بیان کیا اور دوسرے پوتوں کے مقابلے میں انہیں زیادہ اہمیت دی، اس کی وجہ واضح ہے، کہ حضرت عبداللہ کے صاحبزادگان بڑی عمر کے اور گھر بار والے ہوگئے تھے، یہاں تک کہ اس معاملے میں اپنے اعمام کے برابر ہوگئے، چناں چہ

---

(۱) حوالہ جات بالا: والصحاح للجوهري: ۴۰، مادة "أزا" حرف الألف، والعمدة: ۵۲/۱۵، والكوثر الجاري: ۱۱۲/۶.

(۲) فتح الباري: ۲۳۰/۶، وإرشاد الساري: ۲۱۱/۵، وشرح ابن بطال: ۲۹۱/۵، والكوثر الجاري: ۱۱۲/۶، وشرح الكرماني: ۱۰۰/۱۳.

(۳) قاله ابن بطال: ۲۹۱/۵.

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی وصیت کے ذریعے مال کی کچھ مقدار اپنے پوتوں کے لیے بھی مقرر کردی، تاکہ ان کے والد عبداللہ رضی اللہ عنہ کا حصہ وافر وزیادہ ہو جائے، اس طرح وہ مالی معاملات میں اپنے والد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے معاون بن سکیں (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

''خبیب وعباد'' بر بنائے بدلیت یا بیان از بعض مرفوع ہے اور یہ بعض کی تفسیر ہے، بطور مثال صرف ان دو کے نام پر اکتفا کیا گیا، ورنہ حضرت عبداللہ کی اولاد میں دوسرے اور بھی تھے، جو عمر میں اپنے اعمام کے مساوی تھے (۲)۔

حافظ نے یہاں یہ بھی کہا ہے کہ ''خبیب وعباد'' کو مجرور بھی پڑھ سکتے ہیں کہ وہ لفظ ''بعض'' کا بیان ہو۔

لیکن یہاں حافظ سے سہو ہوا ہے، علامہ عینی کہتے ہیں کہ لفظ ''بعض'' حدیث میں دو جگہ آیا ہے، ان میں ایک مرفوع ہے، دوسرا منصوب۔ یہ تیسری صورت کہاں سے آگئی؟ یہی بات قسطلانی نے بھی کہی۔ درست بات یہ ہے کہ مجرور بھی ان دونوں ناموں کو پڑھا جاسکتا ہے، لیکن باعتبار ولد کے، جو "بعض ولدِ عبداللہ......" میں آیا ہے، نہ کہ باعتبار بعض کے (۳)۔

خبیب

یہ خبیب بن عبداللہ بن الزبیر بن العوام القرشی الاسدی المدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کی والدہ تماضر بنت منظور بن زبان الفزاریہ ہیں (۴)۔

یہ اپنے والد عبداللہ بن زبیر اور حضرت عائشہ وکعب الاحبار رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں، ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے صاحبزادے زبیر بن خبیب، یحییٰ بن عبداللہ بن مالک، زہری اور سلیمان بن عطاء وغیرہ شامل ہیں (۵)۔

---

(۱) فتح الباري: ٦/ ٢٣٠، وإرشاد الساري: ٥/ ٢١١، وكذا انظر الكوثر الجاري: ٦/ ١١٢.

(۲) عمدة القاري: ١٥/ ٥٢، وفتح الباري: ٦/ ٢٣٠، وإرشاد الساري: ٥/ ٢١١.

(۳) حواله جات بالا.

(٤) تهذيب الكمال: ٨/ ٢٢٣، تاہم ابن حبان (٤/ ٢١١) نے ان کی والدہ کا نام حنتمہ بنت عبدالرحمٰن لکھا ہے، جو مشہور قول کے خلاف ہے۔

(٥) تهذيب الكمال: ٨/ ٢٢٣، وتهذيب التهذيب: ٣/ ١٣٥.

یہ اہل علم وورع میں سے تھے، ان کے بھائی مصعب بن عبداللہ کہتے ہیں:

"كان خبيب قد لقي كعب الأحبار، ولقي العلماء، وقرأ الكتب، وكان من النساك"(۱).

ابن حبان نے ان کا کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے(۲)۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "ناسك، صدوق، معني بالعلم"(۳).

علامہ مزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "وكان ...... عالما بقريش، وكان طويل الصلاة، قليل الكلام"(٤).

بنی امیہ کے خلیفہ ولید بن عبدالملک نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی طرف ایک مکتوب روانہ کیا، جب عمر والی مدینہ تھے کہ انہیں سو کوڑے لگاؤ اور قید میں ڈال دو۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حکم کی تعمیل کی، انہیں سو کوڑے لگوائے اور ایک مٹکے میں پانی ٹھنڈا کر کے موسم سرما کی ایک صبح وہ پانی ان پر انڈیل دیا گیا، جس کی وجہ سے ان کا جسم سکڑ گیا اور کپکپی طاری ہوگئی، یہی فعل بعد میں ان کی موت کا سبب بنا۔

جیل میں جب ان کی تکلیف بڑھی تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ان کو جیل سے نکالا اور اپنے کیے پر بہت شرمندہ ہوئے، جب کہ خبیب کے خاندان نے ان کو عمر بن مصعب بن زبیر کے گھر منتقل کر دیا، اسی اثناء میں جب کہ خبیب کا خاندان ان کے آس پاس بیٹھا ہوا تھا، ماجشون ملاقات کی غرض سے آئے، یہ صاحب حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ساتھیوں میں سے تھے، جب وہ والی مدینہ تھے، جب یہ اندر داخل ہوئے تو عروہ بن عبداللہ بن زبیر نے کہا، شاید تمہارے ساتھی (عمر بن عبدالعزیز) کو اب تک ان کی موت میں شک ہے۔ اور قریب بیٹھے لوگوں سے عروہ نے کہا، چادر ہٹاؤ اور انہیں خبیب کی حالت دکھلاؤ۔ جب ماجشون نے ان کی حالت دیکھی، اس وقت تک خبیب انتقال کر چکے تھے، تو وہ سیدھے حضرت عمر کے مسکن "دار مروان" گئے۔

---

(۱) تهذيب الكمال: ٨/٢٢٤، وتهذيب التهذيب: ٣/١٣٥، وخلاصة الخزرجي: ١٠٤، من اسمه خبيب.

(۲) الثقات لابن حبان: ٤/٢١١.

(۳) الكاشف: ١/٣٧١، رقم (١٣٧٦).

(٤) تهذيب الكمال: ٨/٢٢٥.

ماجشون کہتے ہیں کہ وہاں پہنچ کر میں نے دروازہ پر دستک دی، پھر اندر داخل ہوا، داخل ہونے کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو اس حال میں پایا کہ وہ دردزہ میں مبتلا عورت کی طرح کبھی کھڑے ہوتے اور کبھی بیٹھتے، مجھے دیکھ کر انہوں نے فرمایا، کیا خبر لائے ہو؟ میں نے کہا بندہ (خبیب) تو مر گیا۔ تو وہ زمین پر گر گئے، پھر سر اٹھا کر إنا لله وإنا إليه راجعون کہا۔ اس حادثے کا اثر حضرت عمر بن عبدالعزیز پر تا حیات رہا، اس کے بعد انہوں نے ولایت مدینہ سے استعفیٰ دے دیا اور گورنری وغیرہ قبول کرنے سے مانع ہو گئے۔ اس کے بعد اگر کبھی انہیں کسی نیک حکم پر جو انہوں نے جاری کیا ہوتا، مبارک دی جاتی تو فرماتے "فكيف بخبيب؟!" کہ ''تمہاری یہ بات تو ٹھیک ہے، تاہم میں خبیب کا کیا کروں؟!''

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جب خلیفہ بنے تو انہوں نے آلِ زبیر بن عوام کو خصوصی طور پر عطایا و ہدایا سے نوازا تو لوگ یہی کہتے تھے کہ یہ خبیب کی دیت ہے (۱)۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کے بقول حضرت خبیب کا انتقال ۹۳ھ میں ہوا (۲)، یہی رائے ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے اور زبیر بن بکار کی بھی (۳)۔

اصحاب ستہ میں سے صرف امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے سنن کبریٰ میں ان کے واسطے سے ایک روایت لی ہے (۴)۔ رحمه الله تعالى رحمة واسعة.

اور حضرت عباد بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کے حالات پیچھے گزر چکے ہیں (۵)۔

وله يومئذ تسعة بنين وتسع بنات

ان دنوں ان کے نو بیٹے اور نو بیٹیاں تھیں۔

---

(۱) تهذيب الكمال: ۸/۲۲۵-۲۲٦، وتهذيب التهذيب: ۳/۱۳۵-۱۳٦.

(۲) الثقات: ٤/۲۱۱.

(۳) الكاشف: ۱/۳۷۱، والكامل في التاريخ: ٤/۲۷۸، سنة ثلاث وتسعين، ذكر عدة حوادث.

(٤) السنن الكبرى، أبواب الزينة (۹/۷۸)، كذا في تحفة الأشراف: ۱۱/۳۹۳، رقم (۱٦۰٦٦)، وتهذيب الكمال: ۸/۲۲٦-۲۲۷.

(۵) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الزکاۃ، باب الصدقة فيما استطاع.

لـــه کی جوضمیر مجرور ہے، وہ زبیر کی طرف راجع ہے، امام کرمانی سے یہاں ایک عجیب تسامح ہوا کہ انہوں نے اس ضمیر کو عبداللہ کی طرف راجع کہا ہے(۱)، جو بداہۃً غلط ہے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی اس وقت جوموجود اولاد تھی، وہ خبیب، عباد، ہاشم، ثابت اور حمزہ ہیں (۲)۔ ان کی بقیہ اولاد کی ولادت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہوئی (۳)۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی نرینہ اولاد جو کل نو ہیں، ان کے نام درج ذیل ہیں:

عبداللہ، عروہ اور منذر، ان کی والدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہم ہیں۔ عمرو اور خالد، ان کی والدہ ام خالد بنت خالد بن حسین ہیں۔ مصعب اور حمزہ، ان کی والدہ رباب بنت انیف ہیں۔ عبیدہ اور جعفر، ان دونوں کی والدہ کا نام زینب بنت بشر ہے۔

ان نو کے علاوہ جو نرینہ اولاد تھی، وہ حضرت زبیر کی شہادت سے قبل ہی وفات پا گئے تھے۔

اور نو صاحبزادیوں کے نام یہ تھے:

خدیجہ الکبریٰ، ام الحسن اور عائشہ، یہ تینوں حضرت اسماء بنت ابی بکر کے بطن سے تھیں۔ حبیبہ، سودہ اور ہند، ان کی والدہ ام خالد ہیں۔ رملہ کی والدہ رباب، حفصہ کی زینب اور زینب کی ام کلثوم بنت عقبہ تھیں (۴)۔
رضی اللہ عنہم وعنہن اجمعین

قال عبدالله: فجعل يوصيني بدينه، ويقول: إن عجزت عن شيء منه فاستعن عليه مولاي، قال: فوالله، ما دريتُ ما أراد، حتى قلت: يا أبة، من مولاك؟ قال: الله. قال: فوالله، ما وقعت في كربة من دَينه إلا قلت: يا مولى الزبير، اقض عنه دَينه، فيقضيه.

حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ میرے والد مجھے اپنے دَین کے بارے میں وصیت کرتے رہے اور کہتے رہے، اے بیٹے! اگر تم دَین کے کسی بھی حصے کی ادائیگی سے عاجز آ جاؤ تو میرے مولا سے مدد لے لینا۔ عبداللہ

---

(۱) شرح الكرماني: ۱۳/۱۰۰، وفتح الباري: ٦/۲۳۰.

(۲) حمزہ کا نام تهذيب الكمال: ۸/۲۲٤ میں آیا ہے، حافظ وعینی وقسطلانی نے اول الذکر چار نام ہی ذکر کیے ہیں۔

(۳) فتح الباري: ٦/۲۳۰، وعمدة القاري: ۱۵/۵۲، وإرشاد الساري: ۵/۲۱۱.

(٤) حواله جات بالا.

کہتے ہیں کہ بخدا! میں سمجھا نہیں کہ (یہ کیا کہہ رہے ہیں اور مولیٰ سے) ان کی مراد کیا ہے؟ یہاں تک کہ میں نے کہا، ابا جان! آپ کا مولا کون ہے؟ فرمایا: اللہ...... حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! ان کے دَین کی ادائیگی میں مجھے کوئی بھی پریشانی لاحق ہوتی تو میں عرض کرتا، اے زبیر کے مولا! زبیر کی طرف سے ان کا قرضہ ادا کرا دیجیے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کی سبیل نکال دیتے۔

حضرت عبداللہ کی تشویش کی وجہ

مولی عرب میں اس شخص کو کہتے ہیں جس نے کسی غلام کو آزاد کیا ہو۔ ظاہر ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تو حرالاصل تھے، ان کا مولیٰ کون ہوتا، یعنی ان کا معتِق کون ہوتا؟ اسی لیے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو تشویش لاحق ہوئی کہ یہ مولیٰ سے کیا مراد لے رہے ہیں؟ اسی لیے استفساراً فرمایا، "یا أبة، من مولاك؟" تو جواباً فرمایا، "اللّٰہ" چناں چہ جب حضرت عبداللہ کو دَین کے سلسلے میں کوئی مشکل پیش آتی تو اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے، اللہ تعالیٰ ان کی درخواست منظور کرتے، نتیجہ یہ کہ سارا دَین ادا ہو گیا۔

ان حضرات کا یہ یقین کامل ہی تھا اور وہ توکل کے اس درجے پر فائز تھے کہ اپنا ہر مسئلہ، ہر مشکل، ہر پریشانی اسی رب تعالیٰ کے دربار میں پیش کرتے تھے، جو سب کو دیتا ہے، کافر و مسلم، امیر و غریب کی تفریق اس کے ہاں نہیں۔ ایک ہم ہیں کہ ہر چیز میں اسباب کو مدنظر رکھتے ہیں، رب الاسباب کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، سو جو امت کا حشر ہے وہ بھی سب کے سامنے ہے۔

فقتل الزبير رضي الله عنه، ولم يدع ديناراً ولا درهماً، إلا أرضين منها: الغابة، وإحدى عشرة دارا بالمدينة، ودارين بالبصرة، ودارا بالكوفة، ودارا بمصر

بعد ازیں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، ترکہ میں انہوں نے دینار چھوڑا نہ درہم، مگر کچھ زمینیں تھیں، جن میں سے ایک غابہ ہے اور گیارہ گھر مدینے میں، دو گھر بصرے میں، ایک گھر کوفے میں اور ایک گھر مصر میں چھوڑا۔

"أرضين" صیغہ جمع ہے اور حالت نصبی میں ہے، أرض اس کا مفرد ہے، جس کا ترجمہ اوپر "کچھ زمینیں" سے کیا گیا ہے، تاہم حافظ علیہ الرحمۃ سے یہاں غالباً تسامح ہوا ہے کہ انہوں نے اس کو تثنیہ سمجھا اور فرمایا

کہ "منھا" کی بجائے "منھما" تثنیہ کے ساتھ ہونا چاہیے(۱)۔

الغابة

یہ لفظ غین معجمہ اور بائے موحدہ خفیفہ کے ساتھ ہے۔ بعض حضرات نے اسے الغابہ یاء کے ساتھ پڑھا ہے، جو کہ تصحیف اور فحش غلطی ہے(۲)۔

یہ مدینہ منورہ کے اطراف ومضافات، جنہیں "عوالی المدینۃ" کہا جاتا ہے، کے ایک مشہور علاقے کا نام ہے، اس کے اور مدینہ منورہ کے درمیان چار میل کا فاصلہ تھا اور یہ شام کے راستے پر آتا تھا(۳)۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ زمین، كما في حديث الباب، ایک لاکھ ستر ہزار میں خریدی تھی، جو بعد میں سولہ لاکھ میں فروخت کی گئی۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حدیث باب میں مذکور گھروں کے علاوہ ایک گھر مکہ مکرمہ میں بھی تھا، اس کا ذکر ابونعیم نے مستخرج میں کیا ہے، اس کے راوی بھی ہشام بن عروہ ہیں(۴)۔

قال: وإنما كان دينه الذي عليه أن الرجل كان يأتيه بالمال فيستودعه إياه، فيقول الزبير: لا، ولكنه سلف؛ فإني أخشى عليه الضيعة

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ جو قرضہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے اوپر واجب تھا، اس کی شکل یہ ہوئی تھی کہ آدمی ان کے پاس مال لے کر حاضر ہوتا، کہ وہ اسے ان کے پاس امانت رکھوائے، تاہم زبیر رضی اللہ عنہ اس سے کہتے کہ امانتاً تو نہیں، لیکن بطور قرض چھوڑ جاؤ، کیوں کہ مجھے اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔

اس عبارت میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد مکرم پر جو خطیر رقم بطور قرض واجب تھی، اس کی وجہ بیان کی ہے کہ اتنے بڑے قرض کا سبب کیا بنا تھا۔

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٣٠.

(۲) حوالہ بالا، وعمدة القاري: ١٥/٥٢، وإرشاد الساري: ٥/٢١١.

(۳) حوالہ جات بالا، والكوثر الجاري: ٦/١١٢، ومعجم البلدان: ٤/١٨٢، باب الغين مع الألف......

(٤) فتح الباري: ٦/٢٣١-٢٣٢.

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا کمال احتیاط وتقویٰ

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی آدمی امانتاً اگر کچھ رکھوانے آتا تو آپ اس چیز کو امانتاً قبول نہ کرتے، بلکہ فرماتے کہ بطور قرض چھوڑ جاؤ۔ اس طرح صاحب مال کا مال بھی محفوظ رہتا، اس کا اعتماد بھی بحال رہتا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی اس الزام سے بچے رہتے کہ مال انہوں نے جان بوجھ کر، عمداً ضائع کیا ہے، چوں کہ امانت کی تلف وضیاع کی صورت میں ضمان نہیں ہوتا، جب کہ قرض تو بہرحال لوٹانا ہے، اس لیے وہ ذمے داری اپنے کندھے پر لے لیتے، اسی کی طرف حدیث میں بھی اشارہ ہے، "فإني أخشى الضيعة" اور اگر اس مال میں تجارت بھی کرتے تو اس کا منافع ان کے لیے طیب اور حلال ہو جاتا۔

اس سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ احتیاط وتقویٰ کے کس درجے پر فائز تھے، اس کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے۔ علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ انہیں وجوہات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وأما قول الزبير للذين كانوا يستودعونه "لا، ولكنه سلف" إنما يفعل ذلك خشية أن يضيع المال، فيظن به ظن سوء فيه، أو تقصيرا في حفظه، فيرى أن هذا أبقى لمروء ته، وأوثق لصاحب الأموال؛ لأنه كان صاحب ذمة وافرة، وعقارات كثيرة، فرأى أن يجعل أموال الناس مضمونة عليه، ولا يبقيها تحت شيء من جواز التلف، ولتطيب نفس صاحب الوديعة على ذمته، وتطيب نفسه هو على ربح هذا المال"(۱).

کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اپنے مالی معاملات کی دیکھ بھال سپرد کر رکھی تھی، آپ ان کے مالی امور کی نگرانی فرماتے، چناں چہ زبیر بن بکار نے ہشام بن عروہ کے طریق سے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف، مطیع بن الاسود، ابوالعاص بن الربیع، عبداللہ بن مسعود اور مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہم وغیرہ ایسے صحابہ نے اپنے مالی معاملات کا انتظام وانصرام حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے سپرد کر رکھا تھا (۲)۔

---

(۱) شرح ابن بطال: ۲۹۱/۵، وعمدة القاري: ۵۲/۱۵، وفتح الباري: ۲۳۰/۶.

(۲) فتح الباري: ۲۳۰/۶.

وما ولي إمارة قط، ولا جباية خراج، ولا شيئاً إلا أن يكون في غزوة مع النبي صلى الله عليه وسلم، أو مع أبي بكر وعمر وعثمان رضي الله عنهم

کبھی وہ کہیں کے حاکم نہیں بنے، کبھی انہوں نے خراج وصول کرنے کی ذمے داری نہیں اٹھائی اور نہ کوئی اور چیز تھی کہ جس کے اندر کوئی عہدہ سنبھالا ہو، بس غزوہ کیا کرتے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یا حضرت ابوبکر وعمر یا عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ (۱)۔

اس جملے میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک وہم کا دفعیہ کیا ہے کہ زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس اتنے وافر مقدار میں مال کہاں سے آیا، جب کہ وہ کبھی والی رہے نہ جابی (ٹیکس وصول کنندہ)؟ تو اس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ یہ سارا مال مختلف غزوات کی برکت ہے، حضرت زبیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء ابوبکر، عمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ غزوات میں شرکت فرماتے، جو غنیمت ملتی اس کو کاروبار وغیرہ میں لگاتے، اس لیے کوئی برا گمان نہیں رکھنا چاہیے، اللہ تعالیٰ نے ان کو ان اموال میں بڑی برکت دی تھی، انہیں ان میں بڑے فوائد حاصل ہوئے کہ وہ لاکھوں کروڑوں سے تجاوز کر گئے۔ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وقوله: "وما ولي إمارة قط، ولا جباية خراج" فيكثر ماله من هذا الوجه، فيكون عليه فيه ظن سوء ومغمز لظن عمر والمسلمين بالعمال، حتى قاسمهم، بل كان كسبه من الجهاد وسهمانه من الغنائم مع رسول الله وخليفتيه بعده، فبارك الله في ماله؛ لطيب أصله، وربح أرباحا بلغت ألوف الألوف" (۲).

علاوہ ازیں زبیر بن بکار نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی ملکیت میں سو غلام تھے، جو انہیں خراج ادا کیا کرتے تھے۔ چناں چہ ان وجوہات پر یہ خیال کرنا کہ انہوں نے یہ اموال غلط طریقوں سے حاصل کیے، بالکل غلط ہے (۳)۔

---

(۱) حضرت ابوبکر کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب من لم يتوضأ من لحم الشاة والسويق.

(۲) شرح ابن بطال: ۵/۲۹۱، وعمدة القاري: ۱۵/۵۲، وفتح الباري: ٦/۲۳۰.

(۳) فتح الباري: ٦/۲۳۰.

قال عبداللّٰه بن الزبير: فَحَسَبْتُ ما عليه من الدين، فوجدته ألفي ألف، ومائتي ألف

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان پر جو قرضہ تھا، اس کا میں نے حساب لگایا، وہ بائیس لاکھ نکلا (دوملین، دولاکھ)۔

یہ قول بھی سند سابق کے ساتھ موصول ہے(۱)۔

اور حسبت باب نصر سے ماضی متکلم ہے، اس کے معنی گننے اور شمار کرنے کے ہیں، حساباً وحسبانا -بالضم- وغیرہ اس کے مصادر ہیں۔ دوسرا ایک لفظ ہے جو باب حسِبَ بالکسر سے ہے، مصدر اس کا حِسباناً -بالکسر- وغیرہ ہے، اس کے معنی ظن وتخمین کے ہیں(۲)۔

قال: فلقي حكيمُ بنُ حزام عبدَاللّٰه بنَ الزبير، فقال: يا ابن أخي، كم على أخي من الدين؟

فرماتے ہیں کہ حضرت حکیم بن حزام(۳) عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے ملے اور فرمایا: بھتیجے! میرے بھائی کا قرضہ کتنا ہے؟

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی تھے، اسی بنا پر انہوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو "یا ابن اخی" (بھتیجے) کہہ کر پکارا(۴)۔

فكتمه، فقال: مائة ألف

حضرت عبداللہ نے اصل مقدارِ دین مخفی رکھی اور فرمایا ایک لاکھ۔

کیا یہ جھوٹ اور غلط بیانی نہیں؟

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پر واجب دین کی مقدار بائیس لاکھ تھی، لیکن حضرت حکیم بن حزام کے استفسار

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٣٠، وعمدة القاري: ١٥/٥٢.

(۲) حواله جات بالا.

(۳) حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الزكاة، باب لا صدقة إلا عن ظهر غني.

(٤) عمدة القاري: ١٥/٥٣، وشرح الكرماني: ١٣/١٠١، وفتح الباري: ٦/٢٣١.

پر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اصل مقدارِ دین ان سے چھپائی اور صرف ایک لاکھ دین کا انہیں بتلایا اور باقی اکیس لاکھ حذف کر گئے، کیا یہ غلط بیانی کے زمرے میں نہیں آتا؟

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشکال کا جواب یہ ارشاد فرمایا کہ یہ کذب اور غلط بیانی نہیں، کیونکہ انہوں نے کچھ بتلایا اور کچھ مخفی رکھا، کیوں کہ ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ جب اس سے کسی چیز کے بارے پوچھا جائے تو سائل کو جتنا چاہے بتلائے، اسی طرح اُسے یہ حق بھی حاصل ہے کہ کچھ بھی نہ بتلائے، یہاں انہوں نے حضرت حکیم کے استفسار پر یہی حق اختیار کیا(۱)۔

اصل دَین کی مقدار چھپانے کی وجہ

اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت حکیم حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے بارے میں کوئی غلط گمانی اور قلت احتیاط کی رائے نہ اختیار کرلیں کہ اتنا بڑا قرضہ کیسے ان پر چڑھ گیا، جس کی ادائیگی میں ورثاء پریشان ہوں؟

علاوہ ازیں حضرت عبداللہ کے پیش نظر یہ بھی تھا کہ حضرت حکیم ان کی بابت یہ خیال نہ کرلیں کہ یہ کسی مدد کے محتاج ہیں، جس کے نتیجے میں وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کو اپنا محتاج سمجھنے لگیں (۲)۔

کتمانِ حقیقت کا خلاصہ دو باتیں ہوئیں:

1. حضرت زبیر کے متعلق حضرت حکیم بن حزام کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔
2. حضرت عبداللہ کی خودداری کو ٹھیس نہ پہنچے کہ حکیم بن حزام انہیں اپنی مدد کا محتاج جانیں۔

فقال حكيم: والله، ما أرى أموالكم تَسَعُ لهذه، فقال له عبدالله: أرأيتك إن كانت ألفي ألف ومائتي ألف؟ قال: ما أراكم تطيقون هذا، فإن عجزتم عن شيء منه فاستعينوا بي

حضرت حکیم نے فرمایا، بخدا! میرا نہیں خیال کہ تمہارے اموال اس قدر قرض کے لیے کافی ہوں گے تو حضرت عبداللہ نے ان سے کہا، اگر قرضہ بائیس لاکھ کا ہوا تو آپ کا کیا خیال ہوگا؟ تو حکیم (رضی اللہ عنہما) نے

---

(۱) شرح ابن بطال: ۲۹۲/۵، وفتح الباري: ۲۳۱/٦، وعمدة القاري: ۵۳/۱۵.

(۲) حواله جات بالا.

فرمایا میرے خیال میں تم اس کی ادائیگی کی قدرت نہیں رکھتے، سواگر تم کہیں اس کی ادائیگی سے عاجز آجاؤ تو مجھ سے تعاون لے لینا۔

ابتداءً حضرت عبداللہ نے قرض کی مقدار کم بتلائی، جس کی وجہ ابھی گزر چکی، جب دیکھا کہ حضرت حکیم ایک لاکھ کو بھی بہت بڑی رقم سمجھ رہے ہیں تو حضرت عبداللہ نے یہ ضروری سمجھا کہ دَین کی پوری مقدار ان کے علم میں لائی جائے اور انہیں یہ بھی باور کرادیا جائے کہ وہ اتنی بڑی رقم (بائیس لاکھ) کی ادائیگی پر بھی قادر ہیں، ایک لاکھ تو بہت معمولی رقم ہے(۱)۔

وكان الزبير اشترى الغابة بسبعين ومائة ألف، فباعها عبدالله بألف ألف وستمائة ألف

اور حضرت زبیر نے غابہ ایک لاکھ ستر ہزار کا خریدا تھا، اسے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما نے سولہ لاکھ (1600000) میں فروخت کیا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے غابہ کی زمین کے سولہ حصے کیے اور ہر حصہ کی قیمت ایک لاکھ مقرر کی کہ جو لینا چاہے تو فی حصہ ایک لاکھ کا ہوگا، اس طرح پوری زمین سولہ لاکھ کی ہوئی (۲)۔

ثم قام، فقال: من كان له على الزبير حق فليوافنا بالغابة

پھر حضرت عبداللہ (اعلان کرنے کے لیے) کھڑے ہوئے، فرمایا کہ زبیر پر کسی کا حق ہو تو وہ آکر ہم سے غابہ میں ملے۔

فليوافنا موافاة (مفاعلة) سے ہے، اس کے معنی آنے کے ہیں، أي فليأتنا(۳).

فأتاه عبدالله بن جعفر –وكان له على الزبير أربعمائة ألف– فقال لعبد الله: إن شئتم تركتُها لكم. قال عبدالله: لا، قال: فإن شئتم جعلتموها فيما

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٣١، وعمدة القاري: ١٥/٥٣.

(۲) فتح الباري: ٦/٢٣١.

(۳) عمدة القاري: ١٥/٥٣، والقاموس الوحيد للكيرانوي، مادة: "وفي".

تؤخرون إن أخرتم. فقال عبدالله: لا، قال: قال: فاقطعوا لي قطعة. قال عبدالله: لك من هاهنا إلى هاهنا

چنانچہ عبداللہ بن جعفر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم (کا اعلان سن کر ان) کے پاس آئے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے اوپر ان کے چار لاکھ تھے۔ اور ابن الزبیر سے کہا کہ اگر آپ لوگ چاہیں تو میں اپنی رقم آپ لوگوں کے لیے چھوڑ دوں (دست بردار ہو جاؤں)۔ ابن الزبیر نے فرمایا نہیں، یہ نہیں ہوسکتا۔ تو ابن جعفر نے کہا، اگر آپ چاہیں تو اس معاملے کو مؤخر کر دیں دیگر مؤخر شدہ معاملات کی طرح۔ ابن الزبیر نے کہا کہ نہیں، یہ بھی نہیں ہوگا۔ ابن الزبیر کہتے ہیں کہ ابن جعفر نے کہا تو میرے لیے ایک حصہ زمین کا الگ کر دو۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم نے کہا کہ آپ کے لیے یہاں سے یہاں تک زمین ہے۔

حضرت زبیر حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم کے چار لاکھ کے مقروض تھے، جب عبداللہ بن زبیر نے اعلان کیا تو مذکورہ اعلان سن کر عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم ان کے پاس آئے اور دو پیشکشیں کیں، ایک تو یہ کہ میں اپنے حق سے دست بردار ہو جاتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ معاملہ کو دیگر معاملات کی طرح فی الحال مؤخر کر دو، میں اپنے حق کا ابھی مطالبہ نہیں کرتا، جب چاہے دے دینا۔ حدیث باب کا مضمون یہی ہے۔

تاریخ یعقوب بن سفیان میں مزید تفصیل یہ ہے کہ اس موقع پر حضرت حکیم بن حزام اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم بھی حاضر تھے اور یہ بات چیت حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے گھر میں ہوئی تھی، چناں چہ یہ سب حضرات جب ان کے گھر میں داخل ہوئے تو ابن جعفر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کیا تم ان حضرات کو میرے پاس سفارش کے لیے لائے ہو، چلو میں اپنا حق تمہارے لیے چھوڑ تا ہوں۔ تو ابن الزبیر نے کہا، میں یہ نہیں چاہتا، تو انہوں نے کہا، چلو اس دَین کے بدلے تم مجھے اپنی دونوں جوتیاں دے دو۔ ابن الزبیر نے کہا، میں یہ بھی نہیں چاہتا۔ حضرت عبداللہ بن جعفر حیران ہو کر کہنے لگے کیا تم معاملہ قیامت کے دن کے لیے چھوڑنا چاہتے ہو، کہ وہیں فیصلہ ہو؟ ابن الزبیر نے کہا، ایسا بھی نہیں چاہتا۔ ابن جعفر نے کہا معاملہ میں تم پر چھوڑتا ہوں، تم جو فیصلہ کرو، مجھے قبول ہوگا۔ تو ابن الزبیر نے کہا کہ میں دَین کے بدلے آپ کو جائیداد دوں گا، تو انہوں نے کہا ٹھیک ہے(۱)۔

---

(۱) المعرفة والتاريخ للفسوي: ۲/ ۲۳۹، مكحول، رقم (۲٤۰)، وفتح الباري: ٦/ ۲۳۱.

قال: فباع منها، فقضى دينه، فأوفاه، وبقي منها أربعة أسهم ونصف.

فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ترکہ میں سے کچھ حصہ فروخت کردیا اور دَین کی ادائیگی مکمل طور پر کردی۔ اور زمین کے ساڑھے چار حصے (دَین کی ادائیگی کے بعد) بچ گئے۔

"منها" سے مراد "من الغابة والدور" ہے، فقط "من الغابة" نہیں، وہ اس لیے کہ دَین بائیس لاکھ تھا، اوپر گزر چکا ہے کہ زمین کی قیمت سولہ لاکھ تھی (۱)، ظاہر ہے کہ سولہ لاکھ کے ساتھ بائیس لاکھ کی ادائیگی کیسے ہوسکتی ہے؟ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے زمین بھی فروخت کی اور کچھ گھر بھی فروخت کیے، اس طرح دَین کی ادائیگی کی اور زمین کے ساڑھے چار حصے بچ گئے۔

فقدم على معاوية —وعنده عمرو بن عثمان، والمنذر بن الزبير، وابن زمعة

بعد ازیں حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت معاویہ کے پاس آئے، اس وقت ان کے ہاں عمرو بن عثمان (۲)، منذر بن زبیر اور عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔

المنذر بن الزبير

یہ بطل جلیل ابوعثمان منذر بن زبیر بن عوام بن خویلد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما ان کی والدہ ہیں (۳) اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بھائی ہیں۔

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں پیدا ہوئے (۴)۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ کے محاذ کے لیے اپنے بیٹے یزید کی سرکردگی میں جو لشکر ترتیب دیا تھا، اس میں یہ بھی تھے اور اس غزوے میں شریک رہے (۵)۔

---

(۱) فتح الباري: ۲۳۱/٦.

(۲) حضرت عمرو بن عثمان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الجنائز، باب قول النبي ﷺ: يعذب الميت......

(۳) سير أعلام النبلاء: ۳۸۱/۳، والطبقات الكبرى لابن سعد: ۱۸۲/۵.

(٤) سير أعلام النبلاء: ۳۸۱/۳، والبداية والنهاية: ۲٤٦/۸.

(۵) حوالہ جات بالا۔

زبیر بن بکار کہتے ہیں کہ ان کی ان کے بھائی حضرت عبداللہ سے کچھ ناراضگی ہوگئی تو یہ ان کو چھوڑ کر کوفہ حضرت امیر معاویہ کی خدمت میں آگئے، جنہوں نے ان کا بہت اکرام کیا اور دس لاکھ درہم (☆) عطا کئے، لیکن ان کی وصولی سے قبل ہی حضرت معاویہ کا انتقال ہوگیا۔

حضرت معاویہ نے اپنی وصیت میں کہا تھا کہ میری قبر میں منذر اتریں گے (۱)، جس سے ان دونوں کے تعلق کی مضبوطی کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔

ان کے بھائی عبداللہ بن زبیر اور یزید بن معاویہ کے درمیان جب بیعت کے معاملے پر اختلاف ہوا، بات بہت بڑھ گئی اور ان کو اطلاع ملی تو یہ کوفہ سے چلے اور آٹھ راتوں میں مکہ کی مسافت طے کرکے وہاں پہنچے، اہل شام نے جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا محاصرہ کیا تو اس محاصرہ میں یہ بھی آگئے تھے، اسی دوران ۶۴ھ میں ان کا انتقال ہوا، کل عمر چالیس سال تھی (۲)۔

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ اور عثمان بن عبداللہ بن حکیم دن میں اہل شام کے خلاف لڑتے اور رات کو انہی کو کھانا کھلاتے (۳)۔

ان کی صاحبزادی فاطمہ بنت المنذر مشہور محدثہ تھیں اور ہشام بن عروۃ بن زبیر کے نکاح میں تھیں (۴)۔ رحمه الله تعالىٰ رحمة واسعة.

ابن زمعة

یہ صحابی رسول عبداللہ بن زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد قرشی اسدی مدنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ قریبۃ الکبری ان کی والدہ ہیں، جو ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہن ہیں، اس طرح ابن زمعہ رضی اللہ عنہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہوئے (۵)۔

(☆) ابن کثیر کے مطابق یہ رقم ایک لاکھ تھی اور ساتھ کچھ جائیداد بھی تھی۔ البداية والنهاية: ٢٤٦/٨

(١) البداية والنهاية: ٢٤٦/٨، وسير أعلام النبلاء: ٣٨١/٣.

(٢) حواله جات بالا، وتاريخ الذهبي: ٣٧٦/٢.

(٣) البداية والنهاية: ٢٤٦/٨.

(٤) سير أعلام النبلاء: ٣٨١/٣.

(٥) تهذيب الكمال: ٥٢٥/١٤، وتهذيب التهذيب: ٢١٨/٥، والاستيعاب: ٥٤٤/١، والجرح والتعديل: ٦٩/٥، =

حضرت ام سلمہ کی صاحبزادی زینب بنت ابوسلمۃ ابن زمعہ رضی اللہ عنہم کے نکاح میں تھیں (۱)۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی خالہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت حدیث کرنے والوں میں ان کے صاحبزادے ابوعبیدہ، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبۃ، عروہ بن الزبیر اور ابوبکر بن عبد الرحمٰن بن الحارث رحمہم اللہ تعالی وغیرہ شامل ہیں (۲)۔

یہ اشراف قریش میں سے ہیں، تاہم محدثین کے ہاں ان کا شمار اہل مدینہ میں ہوتا ہے (۳)۔

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر اپنی خالہ کے ہاں آیا جایا کرتے تھے، آپ علیہ السلام کے مرض الوفات میں یہی پیغام لے کر آئے تھے کہ ابوبکر کو کہو کہ وہ نماز پڑھائیں، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ موقع پر موجود نہیں تھے تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا کہا (۴)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر پندرہ برس تھی (۵)۔

یہ بقول زیادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ۳۵ ہجری میں شہید ہوئے، جب کہ ابن الکلبی کا کہنا یہ ہے کہ مسلم بن عقبہ نے ''یوم الحرۃ'' کو انہیں ظلماً شہید کیا تھا، لیکن ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یوم الحرہ تو ان کے صاحبزادے یزید شہید ہوئے تھے، نہ کہ ابن زمعۃ (۶)۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ کو ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا بھائی قرار دیا ہے (۷)۔ غالباً انہی کی تقلید میں علامہ عینی نے بھی یہی لکھا ہے، تاہم یہ درست نہیں، ان سے

= باب العين، رقم (٢٧٢).

(١) تهذيب التهذيب: ٥/٢١٨، وتهذيب الكمال: ١٤/٥٢٦.

(٢) تهذيب التهذيب: ٥/٢١٩، وتهذيب الكمال: ١٤/٥٢٦.

(٣) الاستيعاب: ١/٥٤٤، وإكمال مغلطاي: ٧/٣٥٩، وتهذيب الكمال: ١٤/٥٢٦.

(٤) تهذيب الكمال: ١٤/٥٢٦، والاستيعاب: ١/٥٤٤، وتهذيب التهذيب: ٥/٢١٨-٢١٩، وسنن أبي داود، كتاب السنة، باب في استخلاف أبي بكر، رضي الله عنه، رقم (٤٦٦٠).

(٥) تهذيب الكمال: ١٤/٥٢٥.

(٦) تهذيب التهذيب: ٥/٢١٩، والاستيعاب: ١/٥٤٥، والإكمال للمغلطاي: ٧/٣٥٩.

(٧) الكاشف للذهبي: ١/٥٥٣، رقم (٢٧٢٦)، وعمدة القاري: ١٥/٥٣.

یہاں تسامح ہوا ہے، دونوں کے نسب میں غور کرنے سے اس کا غلط ہونا واضح ہوجاتا ہے(۱)۔

اصحاب اصول ستہ نے ان کی روایات نقل کی ہیں(۲)۔

ان سے کل چار احادیث مروی ہیں، جن میں ایک حدیث ایسی ہے جو تین احکام پر مشتمل ہے، چنانچہ بعض رواۃ نے تو ان تینوں کو ملا کر ایک حدیث کا مجموعہ قرار دیا اور بعض نے ہر حکم پر مشتمل حدیث کو مستقل بالذات حدیث، جیسا کہ علامہ خزرجی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کیا ہے اور فرمایا ہے کہ "وله حديث متفق عليه"(۳) اس اعتبار سے مجموعی روایات دو ہوں گی، اسی کو علامہ نابلسی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کرتے ہوئے ان کی صرف دو حدیثیں ذکر کی ہیں(۴)۔رضی الله عنه وأرضاه.

حدیث میں عبداللہ بن زبیر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے پاس آنے کا جو ذکر ہے، وہ دمشق کا ہے کہ آپ وہیں تھے کہ حضرت عبداللہ ملاقات کے لیے آئے، وہاں اس وقت دیگر حضرات بھی تشریف فرما تھے(۵)۔کمامر.

فقال له معاوية: كم قومت الغابة؟ قال: كل سهم مائة ألف. قال: كم بقي؟ قال: أربعة أسهم ونصف. فقال المنذر بن الزبير: قد أخذت سهما بمائة ألف. وقال عمرو بن عثمان: قد أخذت سهما بمائة ألف. وقال ابن زمعة:

---

(۱) تهذيب التهذيب: ٥/٢١٩، ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا نسب یوں ہے: سودۃ بنت زمعہ بن قیس بن عبدشمس بن عبدود بن نصر......قرشیہ عامریہ، رضي الله عنها. (تهذيب الكمال: ٣٥/٢٠٠، النساء) جب کہ حضرت عبداللہ بن زمعہ کا نسب اس طرح ہے: عبداللہ بن زمعہ بن الأسود بن المطلب بن أسد بن عبدالعزی......قرشی اسدی، رضی اللہ عنہ. (تهذيب الكمال: ١٤/٥٢٥).

چنانچہ دونوں کے نسب میں واضح فرق ہے کہ حضرت سودہ کے دادا قیس بن عبدشمس ہیں، جب کہ عبداللہ بن زمعہ کے الاسود بن المطلب۔نیز حضرت سودہ عامریہ ہیں کہ بنو عامر سے ان کا تعلق ہے اور عبداللہ بن زمعہ کا تعلق بنو اسد سے ہے۔رضي الله عنهما.

(٢) تهذيب الكمال: ١٤/٥٢٦، والكاشف: ١/٥٥٣، وتهذيب التهذيب: ٥/٢١٨.

(٣) خلاصة الخزرجي: ١٩٨، نیز دیکھیے الإصابة: ٢/٣١١، والاستيعاب: ١/٥٤٤.

(٤) ذخائر المواريث في الدلالة على مواضع: ٢/٢٦، رقم (٢٦٩٠-٢٦٩١).

(٥) عمدة القاري: ١٥/٥٣.

قـد أخـذت سهـمـا بمائة ألف. فقال معاوية: كم بقي؟ فقال: سهم ونصف. قال: أخذته بخمسين ومائة ألف.

چنانچہ حضرت معاویہ نے کہا غابہ کی کیا قیمت لگی؟ عبداللہ نے کہا ہر حصہ ایک لاکھ کا۔ فرمایا کتنے حصے رہ گئے ہیں؟ فرمایا ساڑھے چار حصے، تو منذر بن زبیر نے کہا کہ ایک حصہ ایک لاکھ میں، میں لیتا ہوں۔ اور عمرو بن عثمان نے کہا ایک حصہ ایک لاکھ کا میں نے لیا اور عبداللہ بن زمعہ نے کہا کہ ایک حصہ ایک لاکھ کا میں نے لیا۔ پھر معاویہ نے کہا کتنا رہ گیا؟ عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ ڈیڑھ حصے، تو معاویہ (رضی اللہ عنہم) نے کہا کہ اسے میں نے ایک لاکھ پچاس ہزار میں لیا۔

حضرت عبداللہ کے قول "کـل سهـم مـائة ألف" میں لفظ مائۃ منصوب بنزع الخافض ہے، اصل عبارت یوں ہوگی، "كل سهم بمائة ألف" (۱)۔

قال: وباع عبدالله بن جعفر نصيبه من معاوية بستمائة ألف

فرماتے ہیں: اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے بھی اپنا حصہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ چھے لاکھ میں فروخت کر دیا۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو اپنے قرض کے بدلے جو حصہ غابہ میں سے ملا تھا، وہ انہوں نے حضرت معاویہ کو فروخت کر ڈالا، چار لاکھ کا حصہ تھا اسے انہوں نے چھے لاکھ میں فروخت کیا، اس طرح انہیں دو لاکھ کا نفع ہوا (۲)۔

فـلـمـا فـرغ ابن الزبير من قضاء دينه قال بنو الزبير: اقسم بيننا ميراثنا. قال: لا والله، لا أقسـم بيـنـكم حتى أنادي بالموسِم أربع سنين: ألا من كان له على الزبير دين، فليأتنا، فلنقضه

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جب دَین کی ادائیگی سے فارغ ہو گئے تو بنوالزبیر نے مطالبہ کیا کہ

(۱) حوالہ بالا، وإرشاد الساري: ۲۱۲/۵.

(۲) فتح الباري: ۲۳۲/٦، وإرشاد الساري: ۲۱۳/۵.

ہماری میراث ہمارے درمیان تقسیم کرو۔ انہوں نے فرمایا میں بخدا تقسیم نہیں کروں گا۔ اس وقت تک تقسیم نہیں کروں گا کہ حج کے موقع پر چار سال منادی نہ کرادوں کہ زبیر پر جس کسی کا حق ہو وہ ہمارے پاس آئے کہ ہم اس کا حق ادا کریں۔

حضرت عبداللہ کا قول "لا واللّٰه" بحذف فعل ہے، تقدیر یوں ہے، "لا أقسم واللّٰه" اس کے بعد کا جملہ ماقبل کی تفسیر ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ چوں کہ وصی تھے اور ابناء الزبیر میں سب سے بڑے بھی تھے، اس لیے انہوں نے تقسیم میراث سے انکار کیا، اس گمان کی بنیاد پر کہ شاید کسی کا حق رہ گیا ہو اور اس تک اطلاع نہ پہنچی ہو، ظاہر ہے کہ جب تک دَین وغیرہ کی مکمل ادائیگی نہ ہو جائے میراث تقسیم تو نہیں ہو سکتی تھی، اس لیے فرمایا کہ کچھ صبر کرو، میں چار سال تک حج کے موقع اعلان کرتا ہوں، اس کے بعد تقسیم کردوں گا۔ بہر حال ان کا مقصد ہرگز حق دار کو حق کی وصول یابی سے روکنا نہیں تھا، کہ اس کو اس کا حصہ نہ دیا جائے (۱)۔

الموسم –بکسر السین– سے مراد ایام حج ہے، یہ وسمہ بمعنی علامت سے مشتق ہے، چوں کہ یہ دن لوگوں کے مکہ مکرمہ میں اجتماع کے لیے علامت ہوتے ہیں، اس لیے انہیں موسم سے موسوم کیا گیا (۲)۔

اور چار سال کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت اور بعد کے زمانے میں بھی مکہ مکرمہ اور اقطار عالم کے درمیان دو سال کی مسافت تھی، ان کا مقصد یہ تھا کہ اقطار عالم تک ان کا پیغام پہنچ جائے، یہ دو سال ہوئے، پھر اس کا جواب آجائے، یہ دو سال ہوئے، اس طرح کل چار سال ہوئے (۳)۔

قال: فجعل كل سنة ينادي بالموسم. فلما مضى أربع سنين قسم بينهم

فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہر سال ایام حج میں منادی کرنے لگے، جب چار سال گزر گئے تو ورثاء میں میراث تقسیم فرمادی۔

قال: وكان للزبير أربع نسوة

فرماتے ہیں اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی چار بیویاں تھیں۔

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۵۳، وشرح الكرماني: ۱۳/۱۰۲.

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۵۳، وشرح الكرماني: ۱۳/۱۰۳، والقاموس الوحيد، مادة "وسم".

(۳) العمدة: ۱۵/۵۳، والكرماني: ۱۳/۱۰۲، وإرشاد الساري: ۵/۲۱۳، والكوثر الجاري: ۶/۱۱۳.

یہ وقت شہادت کا ذکر ہے کہ شہادت کے وقت ان کے عقد میں چار بیویاں تھیں، ان کے نام یہ ہیں، ام خالد، رباب، زینب اور عاتکہ بنت زید (یہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ، جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، کی ہمشیرہ ہیں)۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے چھے نکاح کیے تھے، جن میں سے وہ حضرت اسماء بنت ابی بکر اور ام کلثوم کو طلاق دے چکے تھے، طلاق انہوں نے حضرت عاتکہ کو بھی دی تھی، لیکن ان کی شہادت کے وقت یہ عدت میں تھیں اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے مال کی ایک مخصوص مقدار پر اُن کے ساتھ صلح کر لی تھی (۱)۔ كما رواه الحاكم(٢).

ورفع الثلث

اور ثلث کو الگ کر دیا۔

یعنی جس ثلث مال کی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ وصیت کر گئے تھے، اس کو الگ کر دیا (۳)۔

فأصاب كل امرأة ألف ألف ومائتا ألف

چنانچہ ہر بیوی کے حصے میں بارہ لاکھ آئے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ثمنِ میراث 48 لاکھ تھا، بارہ کو چار سے ضرب دینے سے یہی عدد بنتا ہے (۴)۔

فجميع ماله خمسون ألف ألف ومائتا ألف

ان کے سارے مال کی مقدار ۵ کروڑ دو لاکھ تھی۔

یہاں شراح حدیث نے تفصیلی مباحث بیان کیے ہیں، جن کو سمجھنا آسان نہیں، تاہم ذیل میں ہم مشہور اقوال نقل کریں گے اور ان پر نقد و تبصرہ بھی ہوگا۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ دَین ادا کرنے کے بعد اگر کچھ مال بچ جائے تو اس کے ثلث میں وصیت جاری کی جائے اور بقیہ مال ورثہ میں تقسیم کر دیا جائے۔ تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔

---

(١) فتح الباري: ٢٣٢/٦، وعمدة القاري: ٥٣/١٥.

(٢) المستدرك: ٤١٥/٣، كتاب معرفة الصحابة، ذكر مقتل الزبير بن العوام، رقم (٥٥٨٢).

(٣) فتح الباري: ٢٣٢/٦، وعمدة القاري: ٥٣/١٥، وإرشاد الساري: ٢١٣/٥.

(٤) فتح الباري: ٢٣٢/٦.

اب حساب سمجھیے!

دَین 22 لاکھ ہے اور ہر بیوی کو بارہ لاکھ دیا گیا، بیویاں چار ہیں، تو ان کا کل حصہ 48 لاکھ بنتا ہے، یہ 48 لاکھ مابقی بعد الدین والوصیۃ کا ثمن ہے تو 48 لاکھ کو 8 سے ضرب دیا جائے تو مابقی بعد الدین والوصیۃ کی کل مقدار معلوم ہوجائے گی (38400000=8×4800000) اس طرح یہ رقم 3 کروڑ 84 لاکھ ہوجائے گی۔ اس کے ساتھ ثلث وصیت کو ملایا جائے، جو ایک کروڑ 92 لاکھ ہے، حاصل جمع (57600000) پانچ کروڑ چھہتر لاکھ ہوا۔

ثلث وصیت نکالنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ 5 کروڑ 76 لاکھ کو 3 پر تقسیم کیا جائے تو ثلث نکل آئے گا، یعنی 19200000=3/57600000۔

پھر اس حاصل جمع یعنی 5 کروڑ 76 لاکھ میں 22 لاکھ دَین کو شامل کیا جائے، یعنی 59800000=2200000+57600000، تو کل مال 5 کروڑ 98 لاکھ ہوگا۔ یہ سادہ سا حساب ہے اور اس میں مابقی بعد الدین والوصیۃ، ثلث وصیت اور دَین سب آگئے (۱)۔

اشکال اور اس کے جوابات

تفصیل آپ نے ملاحظہ کی، اب اشکال یہ ہے کہ روایت کے آخر میں ہے، "فجميع ماله خمسون ألف ألف ومائتا ألف" یعنی کل مال 5 کروڑ دو لاکھ تھا اور تفصیلی حساب سے کل مال 5 کروڑ 98 لاکھ بنتا ہے۔

---

(۱) کل مال 5 کروڑ 98 لاکھ ہے، جس کی تفصیل باعتبار اجزاء حسب ذیل ہے:

ثمن	4800000	(4 ازواج کا حصہ) (اڑتالیس لاکھ)
	x8	
ثمن کو آٹھ سے ضرب دیا	38400000	(جو مابقی بعد الدین والوصیۃ کا مجموعہ ہے۔) (تین کروڑ چوراسی لاکھ)
ثلث وصیۃ	+19200000	(ایک کروڑ بانوے لاکھ)
حاصل جمع	57600000	(پانچ کروڑ چھہتر لاکھ)
دَین (قرض)	2200000	(بائیس لاکھ)
کل مال	59800000	(پانچ کروڑ، اٹھانوے لاکھ)

تفصیل کے لیے دیکھیے، فتح الباري: ۲۳۲/٦.

چنانچہ اجمال اور تفصیل میں مطابقت نہیں ہے؟ اسی نے شراح بخاری کو حیران و پریشان کر رکھا ہے۔

جواب نمبرا

حافظ شرف الدین دمیاطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ بیویوں کے سہام میں بعض رواۃ کو وہم ہوا ہے، اصل میں ہر بیوی کا حصہ الف الف یعنی دس لاکھ تھا، دَین میں جو الفی اُلف و مائتی الف تھا، اس میں سے مائتی الف (2 لاکھ) کو بیویوں کے الف الف میں شامل کر کے الف الف و مائتا الف بنا دیا گیا، اگر بیویوں کا نصف الف الف (10 لاکھ) ہو تو چار بیویوں کا حصہ 40 لاکھ ہوگا، پھر چالیس لاکھ کو، جو ثمن ہے، 8 سے ضرب دیں گے، 32000000=8×40000000، حاصل ضرب تین کروڑ بیس لاکھ ہوا، جو مابقی بعدالدین والوصیۃ ہے، اس میں ثلث وصیت، جو ایک کروڑ 60 لاکھ ہوگا، ملایا جائے، یعنی 48000000=16000000+32000000 تو حاصل جمع 4 کروڑ 80 لاکھ ہو جائے گا، پھر اسکے ساتھ 22 لاکھ دَین ملایا جائے، یعنی:

50200000=2200000+48000000 تو حاصل جمع 5 کروڑ دو لاکھ ہو جائے گا۔ اور اجمال اور تفصیل میں مطابقت ہو جائے گی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس جواب کو حسن کہا ہے(۱)۔

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٣٣، اسی قول کو علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کیا ہے، لیکن اس قول کی نسبت ذکر نہیں کی۔ دیکھیے عمدة القاري: ١٥/٤٩.

اس قول کا خلاصہ درج ذیل ہے:

ثمن	4000000	(چار ازواج کا حصہ، چالیس لاکھ)
ثمن کو ضرب دیا	8× سے	
حاصل ضرب	32000000	(تین کروڑ بیس لاکھ، جو مابقی بعدالدین والوصیۃ ہے)
ثلث وصیۃ	16000000	(ایک کروڑ ساٹھ لاکھ)
حاصل جمع	48000000	(چار کروڑ اسی لاکھ)
دَین	2200000	(بائیس لاکھ)
کل مال	50200000	(پانچ کروڑ دو لاکھ)

جواب نمبر۲

حافظ شرف الدین نے دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے جو چار سال میراث کو مؤخر کیا تھا، اس زمانے میں یہ مال بڑھ کر 5 کروڑ 98 لاکھ ہوگیا، ورنہ ابتداءً 5 کروڑ 2 لاکھ ہی تھا(۱)۔ گویا چھیانوے لاکھ کی بڑھوتری ہوئی۔

حافظ صاحب نے اس جواب کو جوابِ اول سے بھی اچھا قرار دیا ہے اور ترجمہ میں برکۃ الغازی کے ساتھ حیا ومیتا کی جو قید ہے اس کے ساتھ بھی اس کی مطابقت ہے اور یہ جواب بے تکلف بھی ہے(۲)۔ اسی جواب کو علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کیا ہے(۳)۔

جواب نمبر۳

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "جميع ماله خمسون" یہ مبتدا اور خبر ہیں، اس کے معنی ہیں، "جميع ماله خمسون سهما" یعنی کل مال کے پچاس حصے تھے اور اس کے بعد "ألف ألف ومائتا ألف" ہے، یہ ہر سہم کی قیمت ہے کہ ہر حصہ 12 لاکھ کا تھا، اب 12 لاکھ کو 50 سے ضرب دیا جائے، یعنی 60000000=50×1200000، تو چھ کروڑ بن جائے گا، مجموعۂ مال کا۔ اور 5 کروڑ 98 لاکھ میں صرف 2 لاکھ کا فرق رہے گا، چنانچہ تفصیل میں تو 5 کروڑ 98 لاکھ بنتا ہے اور اجمال میں تقریبی طور پر اس کو 6 کروڑ کہہ دیا گیا اور محاورات میں اس طرح کے اطلاقات ہوتے رہتے ہیں(۴)۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ جواب تقریبی ہوگا، تحقیقی نہیں ہوگا۔

جواب نمبر۴

بعض علماء نے ایک اور جواب دیا ہے کہ دَین ایک زوجہ کے حصے یعنی 12 لاکھ کا دوگنا یعنی 24 لاکھ۔ اس صورت میں مجموعہ چھے کروڑ ہوگا، 5 کروڑ 98 لاکھ نہیں ہوگا، اس صورت میں اجمال اور تفصیل میں پوری مطابقت ہوگی، اس جواب میں ایک بیوی کے حصے کو دوگنا کرکے دَین کی مقدار متعین کی گئی ہے۔

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٣٣.

(۲) فتح الباري: ٦/٢٣٤.

(۳) حواله بالا، وشرح الكرماني: ١٣/١٠٣، وعمدة القاري: ١٥/٥٣.

(٤) فيض الباري: قصة شهادة الزبير

یہاں دَین کومن قبیل تثنیة المرکب معتبر مانا گیا ہے، ایک بیوی کا حصہ، جو 12 لاکھ ہے، وہ مرکب ہے، اس کے دوگنے کو دین قرار دیا گیا ہے۔ پھر جمیع ماله مبتدا اور خمسون خبر ہے، اس سے مراد خمسون سهما ہے اور الف الف ومائتا الف ہر سہم کی قیمت ہے، تو پچاس سہام کی قیمت 12 لاکھ کے حساب سے 6 کروڑ بنتی ہے، اس طرح اجمال وتفصیل میں فرق نہیں رہے گا (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

اوپر جو صورتیں بیان کی گئیں وہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو روایت نقل کی ہے اس کے مطابق ہیں، ورنہ ابن سعد نے طبقات میں، علاوہ ازیں دیگر حضرات محدثین نے جو روایات نقل کی ہیں، ان کے اعتبار سے دوسری شکلیں بنتی ہیں (۲)۔

متن حدیث سے متعلق ایک وضاحت

حدیثِ باب کا شمار ان احادیث میں ہے، جن میں امام بخاری متفرد ہیں کہ اصحاب ستہ میں سے کسی

(۱) البدر الساري إلى فيض الباري: ۳/٤٦٥-٤٦٦.   اس قول کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

حصہ ازواج	4800000	(اڑتالیس لاکھ)
۸ سے ضرب دیا گیا	8×	
حاصل ضرب	38400000	(تین کروڑ چوراسی لاکھ، یہ ماقبی بعد الدین والوصیة ہے)
ثلث وصیة	19200000	(ایک کروڑ بانوے لاکھ)
حاصل جمع	57600000	(پانچ کروڑ چھہتر لاکھ)
دَین کی مقدار	2400000	(چوبیس لاکھ، یہ من قبیل تثنیة المرکب ہے)
کل مال	60000000	(چھ کروڑ)

(۲) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے کی تقریباً تمام روایات وطرق بیان کیے ہیں (فتح الباري: ٦/٢٣٢-٢٣٤)، ان سب میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے مال کے بارے میں شدید اختلاف ہے، کوئی کچھ کہتا ہے تو دوسرا کچھ۔ تاہم حافظ علیہ الرحمۃ نے ان تمام روایات میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہاں مقصود مال کی کمیت میں اختلاف بیان کرنا نہیں ہے، بلکہ یہ بتلانا ہے کہ ان کے ترکہ میں کس قدر کثرت وزیادتی ہوئی کہ شہادت کے وقت انہوں نے پسماندگان کے لیے کچھ جائیدادیں چھوڑیں اور ساتھ ہی بہت بڑا قرض۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں برکت دی اور مال کا اتنا بڑا مجموعہ حاصل ہوا، لکھتے ہیں:

"وكأن القوم أتوا من عدم إلقاء البال على تحرير الحساب؛ إذ الغرض فيه ذكر الكثرة التي نشأت عن البركة في تركة الزبير؛ إذ خلف دينا كثيرا، ولم يخلف إلا العقار المذكور، ومع ذلك فبورك فيه حتى تحصّل منه هذا المال العظيم". فتح الباري: ٦/٢٣٣.

نے ان کے علاوہ یہ حدیث ذکر نہیں کی۔

اصحاب الاطراف نے یہ حدیث مسند زبیر میں ذکر کی ہے، جب کہ اس کا شمار مسند عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما میں ہونا چاہیے اور یہ حدیث پوری کی پوری موقوف ہے، سوائے اس جملے کے، جس میں عبداللہ فرما رہے ہیں کہ:

"وما ولي إمارة قط، ولا جباية خراج، ولا شيئاً؛ إلا أن يكون في غزوة مع النبي صلى الله عليه وسلم".

چنانچہ صرف یہ حصہ مرفوع ہے۔ اس کے علاوہ حدیث کا اکثر حصہ موقوف علی عبداللہ ہے، اس لیے اس کو مسند عبداللہ میں ذکر کرنا چاہیے تھا(۱)۔

جواب استفہام کا ذکر

یہاں سند حدیث میں آیا ہے، "قلت لأبي أسامة: أحدثكم هشام بن عُروة......؟" کہ استفہام وسوال تو مذکور ہے، لیکن اس میں جواب وتصدیق مذکور نہیں کہ ابواسامہ نے اسحاق بن ابراہیم کے استفسار پر "نعم" وغیرہ نہیں کہا، لیکن یہی حدیث اسی سند کے ساتھ مسند اسحق بن راہویہ میں موجود ہے، اس میں کلمہ ایجاب پایا جاتا ہے کہ انہوں نے تحدیث کے سوال پر فرمایا کہ ہاں! ہشام بن عروہ نے مجھے یہ حدیث سنائی ہے(۲)۔

واللہ اعلم

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیثِ باب کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت بایں معنی ہے کہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے اپنے ترکے میں کچھ گھر چھوڑے تھے، ساتھ ہی بھاری قرض بھی، لیکن جو مال حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے ثلاثہ ابوبکر، عمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ غزوات میں شرکت سے حاصل ہوا، اس مال

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۴۸، وفتح الباري: ۶/۲۲۸-۲۲۹.

(۲) فتح الباري: ۶/۲۲۹، وشرح القسطلاني: ۵/۲۱۳. یہ حافظ اور ان کی اتباع میں قسطلانی کا ارشاد ہے، تاہم یہ روایت ہمیں تلاش بسیار کے باوجود مسند اسحاق میں نہیں مل سکی، بلکہ یہاں حافظ سے تسامح ہوا ہے کہ امام ابن راہویہ نے اسی سند کے ساتھ حدیث اِفک بھی نقل کی ہے، جس کے آخر میں واقعی کلمہ ایجاب موجود ہے، فأقر به أبو أسامة، وقال: نعم". مسند اسحاق بن راهويه، حديث رقم (۱۱۷۷).

میں اللہ تعالیٰ نے ان کی حیات میں بھی برکت دی اور شہادت کے بعد بھی (۱)۔ جیسا کہ آپ نے حدیث میں ملاحظہ کیا۔ یہی مقصود ترجمہ بھی تھا کہ غازی کے مال میں اس کی زندگی اور بعد الموت برکت ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

١٤ – باب : إِذَا بَعَثَ الْإِمَامُ رَسُولاً فِي حَاجَةٍ ، أَوْ أَمَرَهُ بِالْمُقَامِ ، هَلْ يُسْهَمُ لَهُ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ فرما رہے ہیں کہ امام وقت نے اگر کسی آدمی کو دارالاسلام ہی میں کسی ضرورت کی بنا پر چھوڑ دیا ہو، یا کسی ضرورت کی وجہ سے کسی کو قاصد و پیامبر بنا کر کہیں بھیجا ہو تو اس کو مالِ غنیمت میں سے حصہ ملے گا یا نہیں؟ (۲)

یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، ائمہ ثلاثہ، نیز اوزاعی، ابوثور، نخعی اور لیث بن سعد رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ اس صورت میں وہ آدمی جو رسول ہو یا مامور بالاقامہ اس کو غنیمت سے حصہ نہیں ملے گا، اسی سے ملتا جلتا مسئلہ باب [۹] الغنيمة لمن شهد الوقعة کے تحت گزرا ہے۔

جب کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا کہنا یہ ہے کہ ان لوگوں کو غنیمت میں حصہ ملے گا۔ یہ شریک غنیمت ہوں گے (۳)۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل

اس سلسلے میں جمہور کی دلیل مشہور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر ہے کہ "الغنيمة لمن شهد الوقعة" کہ غنیمت میں اسی کا حصہ ہوگا جو شریک جنگ بھی رہا ہو (۴)۔

باب الغنيمة لمن شهد الوقعة والے مسئلے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ائمہ ثلاثہ وغیرہ کے ہم مسلک تھے، جب کہ زیر نظر مسئلے میں وہ حضرات حنفیہ کے ہم مشرب معلوم ہوتے ہیں۔

---

(١) فتح الباري: ٦/٢٣٣، وشرح القسطلاني: ٥/٢١٣، وعمدة القاري: ١٥/٤٨.

(٢) عمدة القاري: ١٥/٥٤.

(٣) شرح ابن بطال: ٥/٢٩٣، والكوثر الجاري: ٦/١١٤.

(٤) إرشاد الساري: ٥/٢١٤.

احناف کی دلیل

حضرات حنفیہ کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں آیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر میں باوجود عدم شرکت کے غنیمت میں سے حصہ دیا تھا، کیوں کہ ان کی عدم شرکت کی وجہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت تھی کہ آپ یہاں اپنی زوجہ کی نگہداشت کریں (۱)۔

اسی طرح اہل سیر نے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعید بن زید وطلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما کو شام جانے والے راستے کی طرف بھیجا تھا، مقصد جاسوسی تھا، یہ دونوں حضرات غزوہ بدر ختم ہونے کے بعد پہنچے تو آپ علیہ السلام نے ان دونوں حضرات کو غنیمت میں حصہ دیا، دونوں نے کہا، حضرت! اجر سے تو محرومی رہی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اجر بھی ملے گا (۲)۔

---

(۱) شرح ابن بطال: ۲۹۳/۵، والكوثر الجاري: ۱۱٤/٦، وعمدة القاري: ٥٤/١٥.

(۲) حواله جات بالا. علامہ عینی نے ابن اسحاق کے حوالے سے اور ابن عبد البر رحمہم اللہ نے ان صحابہ کرام کے نام گنوائے ہیں، جو غزوہ بدر میں مختلف وجوہات کی بنا پر شریک غزوہ نہیں رہے، لیکن ان کو سہم دیا گیا، ان کی تعداد تقریباً دس ہے، جو حسبِ ذیل ہیں:

❶ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔ عدم شرکت کی وجہ حدیث باب میں مذکور ہے۔

❷❸ طلحہ بن عبید اللہ وسعید بن زید بن نفیل۔ جاسوسی کے لیے شام کی طرف بھیجے گئے تھے۔

❹ ابولبابہ بشیر بن عبد المنذر۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کی مکہ سے روانگی کا علم ہوا تو انہیں مقامِ روحاء سے واپس کر دیا اور بحیثیت عاملِ مدینہ مقرر فرمایا۔

❺ حارث بن حاطب بن عبید، انہیں بھی راستے سے واپس کر دیا گیا تھا۔

❻ حارث بن صمہ۔ انہیں مقامِ روحاء میں چوٹ وغیرہ آئی تھی، اس لیے واپس ہو گئے۔

❼ خوات بن جبیر۔ غزوہ میں شریک نہیں تھے۔

❽ ابوالضیاح بن ثابت بن نعمان۔ راستے میں ان کی ایک پنڈلی پتھر لگنے کی وجہ سے شدید زخمی ہو گئی تھی، اس لیے لوٹ گئے۔

❾ عاصم بن عدی بن الجد بن العجلان۔ یہ بھی غزوہ میں شرکت کے لیے نکلے تھے، تاہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واپس کر دیا۔

❿ سعد بن مالک بن خالد الساعدی۔ انہوں نے غزوہ کے لیے پوری تیاری کر لی تھی کہ انتقال ہو گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ مقام روحاء میں ان کی وفات ہوئی۔ یہ مشہور صحابی حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما کے والد ہیں۔ .... =

جمہور کی طرف سے جواب

جمہور نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جواب یہ دیا کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔

یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خمس میں سے دیا تھا (۱)۔

احناف کی طرف سے جمہور کو جواب

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملے کو خصوص پر محمول کرنا اس لیے درست نہیں کہ خصوص کے لیے دلیل کا پایا جانا ضروری ہے، جو یہاں موجود نہیں۔

اور یہ کہنا کہ نبی علیہ السلام نے ان کو خمس غنیمت میں سے دیا تھا، تو یہ غزوہ حنین کا واقعہ ہے، بدر کا نہیں (۲)، غزوہ بدر میں سہم ہی دیا گیا تھا، جس پر حدیث باب کے یہ الفاظ واضح دلالت کررہے ہیں، "فقال له النبي صلى الله عليه وسلم: "إن لك أجرَ رجل ممن شهد بدرا وسهمه".

بہر حال دلائل کی رو سے یہاں احناف کا مذہب ہی راجح معلوم ہو رہا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

٢٩٦٢ : حدّثنا مُوسى : حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ : حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ مَوْهَبٍ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ[۳] رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُمَا قالَ : إِنَّمَا تَغَيَّبَ عُثْمَانُ عَنْ بَدْرٍ ، فَإِنَّهُ كانَتْ تَحْتَهُ بِنْتُ رَسُولِ ٱللّٰهِ ﷺ وَكانَتْ مَرِيضَةً ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ : (إِنَّ لَكَ أَجْرَ رَجُلٍ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا وَسَهْمَهُ) .
[٣٤٩٥ ، ٣٨٣٩]

= چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو مال غنیمت سے حصہ دیا اور اجر کی خوش خبری بھی۔

دیکھیے عمدة القاري: ١٥/٥٤، والسيرة النبوية لابن هشام: ٢/٦٧٨-٧٠٦، باب: من حضر بدرا من المسلمين، والاستيعاب: ١/٣٦١، باب سعد، رقم (٩٥٢) والله أعلم.

(١) عمدة القاري: ١٥/٥٥، والكوثر الجاري: ٦/١١٤.

(٢) العمدة: ١٥/٥٥، اس مسئلے سے متعلق کچھ تفصیلات پیچھے باب الغنيمة لمن شهد الوقعة میں گزر چکی ہیں۔

(٣) قوله: "عن ابن عمر رضي الله عنهما": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب فضائل أصحاب ......، باب مناقب عثمان بن عفان، رضي الله عنه ......، رقم (٣٦٩٨)، وباب مناقب علي بن أبي طالب...... ، رقم (٣٧٠٤)، وكتاب المغازي، باب قول الله تعالىٰ: ﴿إن الذين تولّوا منكم يوم التقى الجمعان......﴾، رقم =

تراجم رجال

۱– موسیٰ

یہ موسیٰ بن اسماعیل تبوذکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲– ابوعوانہ

یہ ابوعوانہ وضاح بن عبداللہ الیشکری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کا تذکرہ اجمالاً "بدء الوحي" کی "الحدیث الرابع" کے تحت آچکا ہے(۱)۔

۳– عثمان بن موهب

یہ عثمان بن عبداللہ بن موہب الاعرج تمیمی قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

تنبیہ

ابوعلی جیانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اصیلی کے نسخے میں عثمان بن موہب کی بجائے عمرو بن عبداللہ مذکور ہے، جو غلط ہے، درست عثمان بن موہب ہے (۳)۔

٤– ابن عمر

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، "باب قول النبي صلی اللّٰه علیه وسلم: "بني الإسلام علی خمس" کے تحت آچکے ہیں (۴)۔

= (٤٠٦٦)، وكتاب التفسير، باب ﴿وقاتلوهم حتى لاتكون فتنة ويكون......﴾، رقم (٤٥١٣-٤٥١٤)، وباب ﴿وقاتلوهم حتى لاتكون فتنة﴾، رقم (٤٦٥٠-٤٦٥١)، وكتاب الفتن، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: الفتنة من قبل المشرق، رقم (٧٠٩٥)، والترمذي، كتاب المناقب، باب مناقب عثمان بن عفان رضي الله عنه، رقم (٣٧٠٩).

(١) كشف الباري: ١/٤٣٣-٤٣٤.

(٢) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الزكاة، باب وجوب الزكاة.

(٣) عمدة القاري: ١٥/٥٤.

(٤) كشف الباري: ١/٦٣٧.

قال: إنما تغيب عثمان عن بدر؛ فإنه كانت تحته بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانت مريضة، فقال له النبي صلى الله عليه وسلم: إن لك أجرَ رجل ممن شهد بدرا وسهمه

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر سے غائب رہے تھے، کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی محترمہ ان کے عقد میں تھیں اور وہ بیمار تھیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ آپ کے لیے بدری صحابی کا سا اجر اور غنیمت میں حصہ ہے۔

حدیثِ باب کا پس منظر

اس حدیث کا تعلق دراصل فضائل سے ہے، تاہم امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا مدعیٰ ثابت کرنے کے لیے اسے یہاں نقل کیا ہے، وہ بھی اختصار کے ساتھ، تفصیلی روایت مولف علیہ الرحمۃ نے فضائل اصحاب النبی اور مغازی وغیرہ (۱) میں نقل کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

ایک مصری شخص، جو حج کے لیے آیا ہوا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالفین میں سے تھا، اس نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تین اعتراضات کیے، آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو ٹٹولنے کے لیے اولاً تو اس کی تائید فرمائی اور پھر اس کے تینوں اعتراضات کے جوابات دیے تھے۔

اس کا پہلا اعتراض یہ تھا کہ حضرت عثمان غزوہ احد کے دن بھاگ گئے تھے، اس کی ابن عمر رضی اللہ عنہم نے تصدیق کی، پھر وضاحت فرمائی کہ اس مسئلے کی منجانب اللہ معافی تلافی ہو چکی، اس لیے ہما شما کو اس پر بات کرنے کا حق نہیں، ارشاد خداوندی ہے: ﴿ولقد عفا الله عنهم﴾ (۲) سو یہ معاملہ اب ختم۔

دوسرا اعتراض اس کا یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جنگ بدر سے بھی غائب رہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں اور بدر کے موقع پر وہ بیمار تھیں، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی اہلیہ محترمہ رضی اللہ عنہا کی

---

(۱) دیکھیے، صحیح بخاري، كتاب فضائل أصحاب، رقم (٣٦٩٨)، وكتاب المغازي، رقم (٤٠٦٦).

(۲) آل عمران: ١٥٥.

تیمارداری کے لیے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ آپ کو وہی اجر اور غنیمت میں وہی حصہ ملے گا، جو شریکِ قتال کو ملتا ہے۔ سو وہ حکماً بدری ہی ہیں۔

اس شخص کا تیسرا اعتراض یہ تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ بیعت رضوان سے پیچھے رہ گئے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مکہ کی وادی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ معزز اور کوئی ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کو بھیجتے (چوں کہ آپ سب سے زیادہ معزز تھے، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا انتخاب فرمایا)۔ جب آپ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ پہنچے تو بیعت رضوان کا واقعہ پیش آیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چوں کہ موقع پر خود موجود نہیں تھے، اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داہنے ہاتھ کو اٹھا کر فرمایا کہ "یہ عثمان کا ہاتھ ہے"۔ پھر اس کو دوسرے ہاتھ پر مار کر فرمایا کہ "یہ عثمان کی بیعت ہے"۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس شخص کے تینوں اعتراضات کا جواب دینے کے بعد کہا کہ "اب اپنے ساتھ اس تفصیل کو لے کر جاؤ"۔

حدیث باب کے بعض اجزاء کی شرح

تغیب باب تفعل سے ہے، یہ تکلف کے معنی کو متضمن ہے، مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ کی تیمارداری کی غرض سے غزوہ بدر سے غائب رہے، عمداً غائب نہیں ہوئے (۱)۔

بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا

یہ جگر گوشۂ رسول حضرت ام عبداللہ رقیہ بنت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم محمد بن عبداللہ الہاشمیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں (۲)۔

مشہور قول کے مطابق یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی منجھلی صاحبزادی ہیں، ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں، تاہم رقیہ، فاطمہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہن کے بارے میں اختلاف ہے، اکثر کا قول یہی

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۵٤.

(۲) الإصابة: ٤/۳۰٤، وسير أعلام النبلاء: ۲/۲۵۰.

ہے کہ رقیہ منجھلی، فاطمہ ان سے چھوٹی اور ام کلثوم رضی اللہ عنہن سب سے چھوٹی ہیں (۱)۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اولا ابولہب کے بیٹے عتبہ کے نکاح میں تھیں، یہ ہجرت سے قبل کی بات ہے، تاہم جب سورۂ اللہب نازل ہوئی تو ابولہب سخت ناراض ہوا اور اپنے بیٹے سے کہا کہ اگر تم نے ان کی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی) بیٹی کو طلاق نہ دی تو میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ تو عتبہ نے ان کو دخول سے قبل طلاق دے دی، پھر یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں آئیں، ان سے ان کے ایک بیٹے عبداللہ پیدا ہوئے، انہی کی طرف کنیت کرتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابوعبداللہ کہلاتے تھے (۲)۔

ان کو اپنے شوہر عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ کی طرف کی جانے والی دونوں ہجرتوں میں معیت کا شرف حاصل ہے (۳)۔

حبشہ ہی میں ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کا انتقال ہوا، اس وقت صاحبزادے کی عمر چھے سال تھی (۴)۔

پھر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد مدینہ منورہ ہجرت کی، وہاں بدر سے کچھ پہلے ان کو خسرہ کی بیماری لگ گئی، چناں چہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آپ علیہ السلام نے ان کی تیمارداری کے لیے مدینہ منورہ میں رکنے کا حکم دیا، اسی مرض میں ان کا انتقال ہوا، جب کہ مسلمان اس وقت بدر میں تھے (۵)۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جس وقت ان کی تدفین میں مشغول تھے، اتفاق سے اسی اثناء میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ پہنچے، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بھی تدفین کے عمل میں شریک تھے، ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

---

(۱) الاستيعاب بهامش الإصابة: ٢٩٩/٤، والإصابة: ٣٠٤/٤.

(۲) حواله جات بالا، وسير أعلام النبلاء: ٢٥١/٢.

(۳) حواله جات بالا.

(٤) الاستيعاب بهامش الإصابة: ٣٠٠/٤، والإصابة: ٣٠٤/٤، وسير أعلام النبلاء: ٢٥١/٢.

(٥) الإصابة: ٣٠٤/٤-٣٠٥، وسير أعلام النبلاء: ٢٥١/٢، وطبقات ابن سعد: ٣٦/٨، والاستيعاب بهامش الإصابة: ٣٠١/٤.

"تخلف عثمان وأسامة بن زيد عن بدر، فبيناهم يدفنون رقية سمع عثمان تكبيرا، فقال: يا أسامة، ماهذا؟ فنظروا، فإذا زيد بن حارثة على ناقة رسول اللهﷺ الجدعاء، بشيرا بقتل المشركين يوم بدر"(۱).

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۰۲ ہجری میں ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاول ۰۳ ہجری کو اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں دے دیا اور فرمایا کہ "اگر میری دس بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں سب کو عثمان کے نکاح میں دے دیتا"(۲)۔ اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ذوالنورین کہلائے۔ رضی اللہ عنہم وأرضاہم۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے جزءِ ثانی کے ساتھ مناسبت تو واضح ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر اپنی اہلیہ کی تیمارداری کی وجہ سے غزوہ سے رہ گئے، اس کے باوصف آپ کو غنیمت اور اجر دونوں ملا۔ اس کا تعلق ترجمہ کے الفاظ "أو أمره بالمقام" کے ساتھ ہے(۳)۔

لیکن ترجمہ کے جزءِ اول یعنی "بعث الإمام رسولاً في حاجة" کے اثبات کے لیے مؤلف علیہ الرحمۃ نے کوئی حدیث وغیرہ ذکر نہیں کی؟

اس کے دو جواب ہیں:

ایک تو یہ کہ انہوں نے اس مسئلے کو اقامت والے مسئلے پر قیاس کیا ہے(۴) کہ وہاں جس طرح حکم حاکم موجود ہے، اسی طرح ارسال رسل بھی حاکم وقت کے ذریعے ہورہا ہے، اس لیے قاعدہ یہ ہوگا کہ امام وقت اگر کسی

(۱) الإصابة: ٣٠٥/٤، والاستيعاب بهامش الإصابة: ٣٠٢/٤، وكذا انظر المعجم الكبير: ٤٣٥/٢٢، رقية بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (١٠٥٨).

(٢) الطبقات الكبرى: ٣٨/٨، وسير أعلام النبلاء: ٢٥٢/٢-٢٥٣، ومجمع الزوائد: ٢١٧/٩، والمعجم الكبير: ٤٣٦/٢٢، رقم (١٠٦١).

(٣) عمدة القاري: ٥٤/١٥، والكوثر الجاري: ١١٤/٦.

(٤) الكوثر الجاري: ١١٤/٦.

بھی شخص کو کسی بھی غرض سے غزوہ میں شرکت سے روک دے اور دوسرا کوئی کام تفویض کر دے تو اس کا بھی غنیمت میں حصہ ہوگا۔

دوسرا یہ کہ حدیث تو موجود تھی، لیکن امام بخاری کی شرط پر پوری نہیں اترتی تھی، اس لیے آپ علیہ الرحمۃ نے ارسال رسل کے تحت کوئی حدیث ذکر نہیں کی۔

اور وہ حدیث وہی ہے جو ابھی ماقبل میں گزری کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو شام جانے والے راستے کی طرف جاسوسی کے لیے روانہ فرمایا تھا، یوں یہ دونوں حضرات غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو غنیمت دی اور اجر کی خوش خبری بھی (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

۱۵ – باب : وَمِنَ الدَّلِيلِ عَلَى أَنَّ الْخُمُسَ لِنَوَائِبِ الْمُسْلِمِينَ :

ما سَأَلَ هَوَازِنُ النَّبِيَّ ﷺ بِرَضَاعِهِ فِيهِمْ فَتَحَلَّلَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ، وَما كانَ النَّبِيُّ ﷺ يَعِدُ النَّاسَ أَنْ يُعْطِيَهُمْ مِنَ الْفَيْءِ وَالْأَنْفَالِ مِنَ الْخُمُسِ ، وَما أَعْطَى الْأَنْصَارَ ، وَما أَعْطَى جابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ تَمْرَ خَيْبَرَ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہ باب اس امر کے بیان میں ہے کہ خمس کو عام مسلمانوں کی ضروریات میں خرچ کیا جائے گا، اس کی دلیل قبیلہ ہوازن کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کرنا ہے کہ ان سے لی گئی غنیمت لوٹا دی جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا (ہوازن کا) رضاعی تعلق ہے، چنانچہ آپ علیہ السلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا کہ وہ اپنے اپنے حق غنیمت سے دست بردار ہو جائیں (اور غنیمت واپس کر دیں)۔ نیز اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مختلف صحابہ کرام سے یہ وعدہ فرمایا کرتے تھے کہ آپ انہیں فيء اور انفال، جو خمس سے حاصل ہوگی، میں سے دیں گے۔ علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو جو دیا اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو جو خیبر کی کھجوریں دیں یہ بھی اس امر کی دلیل ہیں کہ خمس کا مصرف عام مسلمانوں کی ضروریات بھی ہیں۔

---

(۱) حوالہ بالا، والاستیعاب لابن عبدالبر بهامش الإصابة: ۱/۴۵۹ - ۴۶۰، باب طلحة، رقم (۱۲۷۹)

ترجمۃ الباب کی نحوی تحلیل

باب مرفوع ہے اور منون ہے، بنا بر خبریت، اس کی مبتدا محذوف یعنی ہذا ہے(۱)۔

ومن الدليل– المسلمين تک خبر مقدم ہے، ما موصولہ اور معطوف علیہا ہے اور "وما كان ...... وما أعطى الأنصار، وما أعطى جابر بن......" یہ سب معطوف ہیں، پھر مبتدا(۲)۔

ما سأل هوازنُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم میں ہوازن فاعلیت کی بنا پر مرفوع اور النبي مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے(۳)۔

ہوازن سے مراد قبیلہ ہے، لیکن یہاں اس کے بعض افراد پر اس کا اطلاق مجازاً کیا گیا ہے اور برضاعه میں باء سببیہ ہے، یعنی بسبب رضاعه(٤).

واوِ عاطفہ یا استئنافیہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پیچھے آٹھ ابواب قبل ایک باب "ومن الدليل على أن الخمس لنوائب رسول الله صلى الله عليه وسلم ......" قائم کیا تھا، اس کے بعد دوسرا باب یہ قائم کیا ہے، "ومن الدليل على أن الخمس لنوائب المسلمين......"، تیسرا ایک باب آگے آ رہا ہے "ومن الدليل على أن الخمس للإمام، وأنه يعطي......" یہ تین ابواب ہیں۔

اب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے تو یہ ہے کہ "ومن الدليل" میں واو عاطفہ ہے، اس کا معطوف علیہ وہی گزشتہ باب ہے جو آٹھ ابواب پیشتر مذکور ہے، اور یہ باب معطوف ہے اور ایک معطوف آگے آ رہا ہے(۵)۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بلا دلیل کے ایک دعویٰ ہے، یہ بھی کوئی بات ہے کہ معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان اس قدر فصل ہو، اتنے سارے ابواب احادیث سمیت فاصل بن جائیں؟

---

(۱) عمدة القاري: ١٥/٥٥، وفتح الباري: ٦/٢٣٨، وإرشاد الساري: ٥/٢١٤.

(۲) عمدة القاري: ١٥/٥٥، وإرشاد الساري: ٥/٢١٤.

(۳) حواله جات بالا، وفتح الباري: ٦/٢٣٨.

(٤) حواله جات بالا.

(٥) فتح الباري: ٦/٢٣٨.

اگر ان کی بات تسلیم بھی کرلی جائے کہ یہاں واوٗ آیا ہوا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واو عاطفہ نہیں ہے، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ واو کا استعمال کرلیا جاتا ہے اور وہ کسی چیز پر عطف نہیں ہوتا، اس لیے یہ کہا جائے گا کہ یہ واو استفتاح ہے، یہی بات کبار اساتذہ سے سنی گئی ہے(۱)۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلے میں علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کی موافقت کرتے ہیں(۲)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

اصل بات یہاں یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک ہی بات بیان کررہے ہیں کہ خمس نوائبِ مسلمین میں صرف ہوگا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قسمت کے ذمے دار ہوں گے، جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ضروریات میں بھی بقدر کفایت خرچ کرسکتے ہیں اور آپ کے بعد جو امام ہوگا وہ آپ کا نائب ہوگا، وہ بھی اپنی ضرورت کے مطابق اس میں سے لے سکتا ہے، اس کے علاوہ وہ خمس کو مسلمانوں کی ضروریات وحاجات میں صَرف کرے گا(۳)۔

تعلیقات کا مقصد

پھر یہ سمجھیے کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنی بات ثابت کرنے کے لیے باب کے تحت احادیث کے علاوہ ترجمۃ الباب کا جز بناکر چار تعلیقات بھی ذکر کی ہیں، ان سب سے ان کا مدعیٰ ثابت ہورہا ہے کہ خمس عامۃ المسلمین کی ضروریات وغیرہ میں خرچ ہوگا۔

تعلیقات کی موصولاً تخریج

پہلی تعلیق کا تعلق قصہ ہوازن سے ہے، جس کو مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اسی باب میں مسنداً ذکر کیا ہے، اس کے علاوہ کتاب الھبۃ ...... وغیرہ میں(۴)۔

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۵۵.

(۲) شرح القسطلاني: ٥/۲۱٤.

(۳) فتح الباري: ٦/۲۳۸.

(٤) امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث باب ہذا کے علاوہ مختلف مقامات پر موصولاً نقل کی ہے، دیکھیے، کتاب الوكالة، رقم (۲۳۰۷، ۲۳۰۸)، وكتاب العتق، رقم (۲۵۳۹، ۲٥۰٤)، وكتاب الهبة، رقم (۲۵۸۳، ۲۵۸٤)، ورقم =

دوسری تعلیق مواعید سے متعلق ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مختلف اوقات میں یہ وعدہ کیا تھا کہ آپ انہیں مال فیء وانفال وغیرہ سے نوازیں گے، اس بارے میں بھی احادیث بابِ ہذا میں موجود ہیں (۱)۔

تیسری تعلیق کا تعلق حضراتِ انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مختلف مواقع پر مال وغیرہ سے نوازا تھا، ان میں سے ایک واقعہ کی تخریج حضرت مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الہبہ وغیرہ (۲) میں کی ہے (۳)۔

اور چوتھی تعلیق حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو خیبر کی کھجوریں عطا کرنے سے متعلق ہے۔ اس واقعے کو موصولاً امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے، جس میں واقعے کی پوری تفصیل ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے زیرِ نظر باب میں جو چھٹی حدیث ذکر کی ہے، وہ اُس حدیث کا ایک حصہ ہے (۴)۔

تعلیقات مذکورہ کی ترجمہ کے ساتھ مناسبت

مذکورہ بالا چاروں تعلیقات کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت بالکل واضح ہے، کہ دعویٰ اس امر کا تھا کہ خمس کا مصرف نوائب المسلمین وغیرہ ہے اور ان تعلیقات میں اس دعوے کی دلیل ہے کہ خمس کو مسلمانوں کی ضروریات وغیرہ میں صَرف کیا جائے گا، موقع محل کو پیش نظر رکھتے ہوئے۔

= (۲٦۰۷، ۲٦۰۸)، وکتاب المغازي، رقم (٤۳۱۸، ٤۳۱۹).

ان کے علاوہ امام ابوداوٗد نے بھی یہ حدیث موصولاً اپنی سنن میں روایت کی ہے، دیکھیے، کتاب الجهاد، باب في فداء الأسير بالمال، رقم (۲٦۹۳).

(۱) في کے لیے دیکھیے، بابِ ہذا کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث، رقم (۳۱۳۷)، وکتاب الجزية، رقم (۳۱٦٤). اور انفال سے متعلق حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے، جو باب میں مذکور ہے۔

(۲) هو من حديث أنس بن مالك، انظر كتاب الهبة، باب فضل المنيحة، رقم (۲٦۳۰)، نیز دیکھیے، كتاب الخمس، باب كيف قسم النبي ﷺ قريظة والنضير......، رقم (۳۱۲۸)، وكتاب المغازي، باب حديث بني النضير، رقم (٤۰۳۰)، وباب مرجع النبي ﷺ من الأحزاب......، رقم (٤۱۲۰).

(۳) تغليق التعليق وتعليقاته: ۳/٤۷٦.

(٤) حواله بالا: ۳/٤۷٦-٤۷۷، وسنن أبي داود، كتاب الأقضية، باب في الوكالة، رقم (۳٦۳۲).

باب کی پہلی حدیث

پھر یہ جانیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں کل سات حدیثیں ذکر کی ہیں، جن میں کی پہلی حدیث حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ اور مروان بن حکم سے مروی ہے۔

٢٩٦٣ : حدّثنا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قالَ : حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قالَ : حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قالَ : وَزَعَمَ عُرْوَةُ : أَنَّ مَرْوَانَ بْنَ الحَكَمِ وَمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَاهُ(١) : أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قالَ ، حِينَ جاءَهُ وَفْدُ هَوَازِنَ مُسْلِمِينَ ، فَسَأَلُوهُ أَنْ يَرُدَّ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَسَبْيَهُمْ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ : (أَحَبُّ الحَدِيثِ إِلَيَّ أَصْدَقُهُ ، فَاخْتَارُوا إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ : إِمَّا السَّبْيَ ، وَإِمَّا المَالَ ، وَقَدْ كُنْتُ اسْتَأْنَيْتُ بِهِمْ) . وَقَدْ كانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ انْتَظَرَ آخِرَهُمْ بِضْعَ عَشْرَةَ لَيْلَةً حِينَ قَفَلَ مِنَ الطَّائِفِ ، فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ غَيْرُ رَادٍّ إِلَيْهِمْ إِلَّا إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ ، قالوا : فَإِنَّا نَخْتَارُ سَبْيَنَا ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ في المُسْلِمِينَ ، فَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ، ثُمَّ قالَ : (أَمَّا بَعْدُ ، فَإِنَّ إِخْوَانَكُمْ هٰؤُلَاءِ قَدْ جاؤُونَا تَائِبِينَ ، وَإِنِّي قَدْ رَأَيْتُ أَنْ أَرُدَّ إِلَيْهِمْ سَبْيَهُمْ ، مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُطَيِّبَ فَلْيَفْعَلْ ، وَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يَكُونَ عَلَى حَظِّهِ ، حَتَّى نُعْطِيَهُ إِيَّاهُ مِنْ أَوَّلِ ما يُفِيءُ اللهُ عَلَيْنَا فَلْيَفْعَلْ) . فَقَالَ النَّاسُ : قَدْ طَيَّبْنَا ذٰلِكَ يَا رَسُولَ اللهِ لَهُمْ . فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ : (إِنَّا لَا نَدْرِي مَنْ أَذِنَ مِنْكُمْ في ذٰلِكَ مِمَّنْ لَمْ يَأْذَنْ ، فَارْجِعُوا حَتَّى يَرْفَعَ إِلَيْنَا عُرَفَاؤُكُمْ أَمْرَكُمْ) . فَرَجَعَ النَّاسُ فَكَلَّمَهُمْ عُرَفَاؤُهُمْ ، ثُمَّ رَجَعُوا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَأَخْبَرُوهُ أَنَّهُمْ قَدْ طَيَّبُوا فَأَذِنُوا . فَهٰذَا الَّذِي بَلَغَنَا عَنْ سَبْيِ هَوَازِنَ . [ر : ٢١٨٤]

تراجم رجال

١- سعید بن عفیر

یہ سعید بن کثیر بن عفیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب من یرد اللّٰہ بہ خیراً......" کے تحت گزر چکا(٢)۔

(١) قوله: "أن مروان ...... ومسور ......": الحديث، مر تخريجه في الوكالة، باب إذا وهب شيئاً لوكيل أو......

(٢) كشف الباري: ٣/٢٧٤.

۲- الليث

یہ مشہور محدث لیث بن سعد فہمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳- عقيل

یہ عقیل بن خالد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٤- ابن شهاب

یہ محمد بن مسلم بن عبید اللہ ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان تینوں کا تذکرہ "بدء الوحي" کی "الحديث الثالث" کے تحت بیان کیا جاچکا ہے (☆)۔

٥- عروة

یہ مشہور تابعی حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات مختصراً "بدء الوحي" کی "الحديث الثاني" کے تحت گزر چکے (۱)۔

٦- مروان بن الحكم

یہ مروان بن حکم اموی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

٧- المسور بن مخرمه

یہ مشہور صحابی ابن صحابی حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ ہیں (۳)۔

تنبیہ

اس حدیث کی شرح مغازی میں غزوہ حنین کے تحت بیان کی جاچکی ہے (۴)۔

(☆) كشف الباري: ۱/۳۲٤-۳۲٦.

(۱) كشف الباري: ۱/۲۹۱، نیز دیکھیے: ۲/٤۳٦.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب البزاق والمخاط ونحوه في الثوب.

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب استعمال فضل وضوء الناس.

(٤) كشف الباري، كتاب المغازي: ٥۳٦-٥۳۸.

ترجمۃ الباب اور حدیث باب

یہ حدیث اپنے مطلب میں بالکل واضح ہے، تاہم ترجمۃ الباب میں مذکور ایک اہم جزئیہ کا اس میں ذکر نہیں، وہ یہ کہ ترجمہ میں مؤلف علیہ الرحمۃ نے یہ فرمایا تھا کہ قبیلہ بنو ہوازن نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت کو سبب بنا کر اپنی درخواست پیش کی تھی، جب کہ حدیث میں اس رضاعت کا کوئی ذکر نہیں۔

اس کا جواب ملاحظہ کرنے سے قبل یہ سمجھ لیجیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضعہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا تعلق بنوسعد سے تھا، جو ہوازن کی ایک شاخ ہے(۱)۔

سو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے رضاعت کا ذکر یہاں تو نہیں کیا، لیکن اپنی تاریخ میں اس کا تفصیلی ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ دیگر ائمہ سیر نے بھی اس کا ذکر کیا ہے(۲)۔

چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت سے متعلق یہ حدیث ابن اسحاق نے مغازی میں عمرو بن شعیب عن ابیہ (شعیب) عن جدہ (عبداللہ بن عمرو بن العاص) رضی اللہ عنہما کے طریق سے نقل کی ہے اور اس کا دوسرا طریق زہیر بن صرد الجشمی رضی اللہ عنہ کا ہے، جو طبرانی میں مذکور ہے۔

ان دو طرق کا خلاصہ یہ ہے کہ ہوازن کا وفد جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مقام جعرانہ میں آیا، درآنحالیکہ یہ قبیلہ مسلمان ہو چکا تھا، کہنے لگے کہ ہم ایک قوم اور قبیلہ ہیں، ہم پر وہ مصیبت آپڑی ہے جو آپ سے مخفی نہیں، آپ ہم پر احسان کیجیے، اللہ آپ کو اس احسان کا بدلہ دیں گے۔ پھر ان میں کا ایک آدمی، جس کا نام زہیر (۳) تھا، کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول! ہماری عورتیں آپ کی پھوپھیاں، خالائیں اور پرورش کنندہ ہیں، جنہوں نے صغرسنی میں آپ کی دیکھ بھال کی۔

اگر حارث بن ابی شمر (بادشاہِ شام) اور نعمان بن المنذر (بادشاہِ عراق) کو ہم نے دودھ پلایا ہوتا اور ہم پر یہ مصیبت ان کی طرف سے آئی ہوتی جو آپ کی طرف سے آئی، تو اس معاملے میں ان دونوں کی مہربانی اور

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٣٨، وعمدة القاري: ١٥/٥٦، والكوثر الجاري: ٦/١١٤.

(۲) تاريخ البخاري الصغير: ١/٥.

(۳) علامہ واقدی رحمہ اللہ کی روایت میں اس آدمی کا نام ابو برقان السعدی مذکور ہے، جس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ خطیب کوئی اور تھا، شاعر کوئی اور۔ تاہم ان میں تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ ابو برقان کنیت تھی اور زہیر نام۔ شرح القسطلاني: ٥/٢١٤.

بھلائی کے بھی ہم امیدوار ہوتے، جب کہ آپ تو ان سب سے بہترین ہیں (تو آپ کی خیر خواہی اور بھلائی کے امیدوار کیسے نہ ہوں؟) پھر زہیر نامی اس آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ اشعار پیش کیے(۱)۔ جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ داری وغیرہ کا ذکر تھا(۲)۔

اس شخص کی اس گفتگو سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت متاثر ہوئے، اس کے بعد کی تفصیل حدیثِ باب میں موجود ہے۔

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ابتدائی حصے "ومن الدليل على أن الخمس لنوائب المسلمين ما سأل هوازن النبي صلى الله عليه وسلم ...... فتحلل من المسلمين" کے ساتھ مطابقت ہے(۳)۔

باب کی دوسری حدیث ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ہے۔

٢٩٦٤ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ : حَدَّثَنَا حَمَّادٌ : حَدَّثَنَا أَيُّوبُ ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قالَ : وَحَدَّثَنِي الْقَاسِمُ بْنُ عاصِمٍ الْكُلَيْبِيُّ ، وَأَنَا لِحَدِيثِ الْقَاسِمِ أَحْفَظُ ، عَنْ زَهْدَمٍ قالَ : كُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَىٰ(٤) ، فَأُتِيَ - وَذَكَرَ دَجاجَةً - وَعِنْدَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَيْمِ ٱللهِ أَحْمَرُ كَأَنَّهُ مِنَ الْمَوَالِي ، فَدَعاهُ لِلطَّعَامِ ، فَقَالَ : إِنِّي رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ شَيْئًا فَقَذِرْتُهُ ، فَحَلَفْتُ لَا آكُلُ ، فَقَالَ : هَلُمَّ فَلْأُحَدِّثْكُمْ

---

(۱) ان میں سے کچھ اشعار درج ذیل ہیں۔

إنــا لــنشكــر لــلنعــمــاء إذ كــفــرت ... وعــنــدنــا بــعــد هــذا اليوم مــدخــر

فــألبــس الــعــفــو من قــد كــنت تُرضعه ... مــن أمهــاتــك إن الــعــفــو مشتهــر

يــا خير مــن مــرحــتْ كــمــتُ الجياد بــه ... عــنــد الهيــاج إذا مــا استوقــد الشــرر

إنــا نــؤمــل عــفــواً مــنك تــلبســه ... هــدي البــرية إذ تــعــفــو وتــنتــصــر

فــاعف عــفــا الله عــمــا أنت راهبــه ... يــوم الــقيــامة إذ يهــدى لك ظــفــر

تغليق التعليق: ٣/٤٧٥.

(٢) القسطلاني: ٥/٢١٤، والفتح: ٦/٢٣٨، ومجمع الزوائد: ٦/١٨٧، وتغليق التعليق: ٣/٤٧٣-٤٧٥.

(٣) عمدة القاري: ١٥/٥٧.

(٤) قوله: "كنا عند أبي موسى......": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، المغازي، باب قدوم الأشعريين......، =

عَنْ ذَاكَ ، إِنِّي أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي نَفَرٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ نَسْتَحْمِلُهُ ، فَقَالَ : (وَاللّٰهِ لَا أَحْمِلُكُمْ ، وَمَا عِنْدِي مَا أَحْمِلُكُمْ) . وَأُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِنَهْبِ إِبِلٍ ، فَسَأَلَ عَنَّا فَقَالَ : (أَيْنَ النَّفَرُ الْأَشْعَرِيُّونَ) . فَأَمَرَ لَنَا بِخَمْسِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرَى ، فَلَمَّا انْطَلَقْنَا قُلْنَا : مَا صَنَعْنَا ؟ لَا يُبَارَكُ لَنَا ، فَرَجَعْنَا إِلَيْهِ ، فَقُلْنَا : إِنَّا سَأَلْنَاكَ أَنْ تَحْمِلَنَا ، فَحَلَفْتَ أَنْ لَا تَحْمِلَنَا ، أَفَنَسِيتَ ؟ قَالَ : (لَسْتُ أَنَا حَمَلْتُكُمْ ، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَمَلَكُمْ ، وَإِنِّي وَاللّٰهِ - إِنْ شَاءَ اللّٰهُ - لَا أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ ، فَأَرَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا ، إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ ، وَتَحَلَّلْتُهَا) .

[٤١٢٤ ، ٤١٥٣ ، ٥١٩٨ ، ٥١٩٩ ، ٦٢٤٩ ، ٦٢٧٣ ، ٦٣٠٠ ، ٦٣٠٢ ، ٦٣٤٠ ، ٦٣٤٢ ، ٧١١٦]

تراجم رجال

۱- عبداللہ بن عبدالوهاب

یہ ابومحمد عبداللہ بن عبدالوہاب حجبی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب العلم، "باب لیبلغ العلم الشاهد الغائب" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

۲- حماد

یہ حماد بن زید بن درہم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب المعاصي من أمر

= رقم (٤٣٨٥)، وباب غزوة تبوك ......، رقم (٤٤١٥)، والأطعمة، باب الدجاج، رقم (٥٥١٧ -٥٥١٨)، والأيمان والنذور، باب قول الله تعالىٰ: ﴿لا يؤاخذكم الله......﴾، رقم (٦٦٢٣)، وباب: لاتحلفوا بآبائكم، رقم (٦٦٤٩)، وباب اليمين فيما لا يملك، ......، رقم (٦٦٧٨ و ٦٦٨٠)، وباب الاستثناء في الأيمان، رقم (٦٧١٨-٦٧١٩)، وباب الكفارة قبل الحنث وبعده، رقم (٦٧٢١)، والتوحيد، باب قول الله تعالىٰ: ﴿والله خلقكم وما تعملون﴾......، رقم (٧٥٥٥)، ومسلم، الأيمان، باب ندب من حلف يمينا، فرأى غيرها خيرا منها، ......، رقم (٤٢٦٣-٤٢٨٠)، والنسائي، الأيمان، باب الكفارة قبل الحنث، رقم (٣٨١١)، والصيد والذبائح، باب أكل لحوم الدجاج، رقم (٤٣٥١-٤٣٥٢)، وأبوداود، الأيمان، باب الرجل يكفر قبل أن يحنث، رقم (٣٢٧٦)، وابن ماجه، الكفارات، باب من حلف على يمين ......، رقم (٢١٠٧).

(۱) كشف الباري: ٣٨/٣.

الجاهلية......" کے تحت آچکا ہے(۱)۔

۳- ایوب

یہ ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٤- ابوقلابه

یہ ابوقلابہ عبداللہ بن زید جرمی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کے حالات کتاب الإيمان، "باب حلاوة الإيمان" کے تحت گزر چکے(۲)۔

٥- قاسم بن عاصم الكليبي

یہ مشہور محدث وتابعی حضرت قاسم بن عاصم کلیبی تمیمی لیثی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

بعض نے ان کی نسبت کلینی (۳) بھی لکھی ہے(۴)۔

یہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اور زہدم بن مضرب جرمی، سعید بن المسیب اور عطاء الخراسانی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایتِ حدیث کرنے والوں میں ایوب سختیانی، حمید الطّویل اور خالد الحذاء رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ شامل ہیں(۵)۔

---

(۱) كشف الباري: ۲۱۹/۲.

(۲) كشف الباري: ۲٦/۲.

(۳) حافظ مزی اور ابن حجر وغیرہ رحمہم اللہ نے ان کی نسبت کلینی (نون کے ساتھ) ذکر کی ہے، لیکن یہ بظاہر درست نہیں، درست کلیبی بائے موحدہ کے ساتھ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا اصل تعلق بنوتمیم سے ہے، جس کی ایک شاخ کلیب بن یربوع بھی ہے، اسی کی طرف منسوب ہوکر یہ کلیبی بھی کہلاتے ہیں، دیکھیے، الأنساب: ٤٦٥/١٠، وتعليقات تحرير تقريب التهذيب: ۱۷۰/۳.

اور كلين -بضم الكاف وفتح اللام- مصغراً أو كسرها بالإمالة. عراق کا ایک گاؤں ہے، دیکھیے، الأنساب: ٤٦٣/١٠، والإكمال للمغلطاي: ۱۸٦/۷، وتوضيح المشتبه للذهبي: ٥٦/٥، والله أعلم.

(٤) تهذيب الكمال: ۳۷۱/۲۳، وتهذيب التهذيب: ۳۱۹/۸.

(٥) حواله جات بالا.

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنی کتاب ''الثقات'' میں ذکر کیا ہے(۱)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "مقبول"(۲).

امام ابوداود نے ان سے ''مراسیل'' میں، امام ترمذی نے ''شمائل'' میں اور دیگر محدثین بخاری ومسلم اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان کی روایات لی ہیں۔ البتہ ابن ماجہ میں ان کی کوئی روایت نہیں ہے(۳)۔

رحمه الله تعالىٰ رحمة واسعة.

٦- زهدم

یہ زہدم بن مضرب جرمی ازدی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۴)۔

٧- ابوموسى

حضرت ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإيمان، "باب أي الإسلام أفضل؟" کے تحت آچکے(۵)۔

اس سند کے تمام رواۃ بصری ہیں، اس طرح یہ سند بصری ہوئی۔

قال: وحدثني القاسم بن عاصم الكليبي، وأنا لحديث القاسم أحفظ عن زهدم

یہاں قائل ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۶) اور اس عبارت کی توضیح یہ ہے کہ ایوب اس روایت کو دو حضرات یعنی ابوقلابہ اور قاسم بن عاصم سے روایت کرتے ہیں اور یہ دونوں حضرات زہدم بن مضرب جرمی سے۔ چنانچہ امام بخاری نے کتاب الأيمان والنذور میں جو روایت نقل کی، اس کی سند یوں ہے: "حدثنا قتيبة، حدثنا عبدالوهاب عن أيوب، عن أبي قلابة والقاسم التميمي، عن زهدم......"(۷) اس میں

(١) الثقات لابن حبان: ٥/٣٠٣.

(٢) تقريب التهذيب: ٢/١٩، رقم (٥٤٦٥)

(٣) حواله بالا، وتهذيب الكمال: ٢٣/٣٧٢، وتهذيب ابن حجر: ٨/٣١٩، وخلاصة الخزرجي ٣١٢.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الشهادات، باب لايشهد على شهادة زور......

(٥) كشف الباري: ١/٦٩٠.

(٦) فتح الباري: ٦/٢٣٩، وعمدة القاري: ١٥/٥٧، وإرشاد الساري: ٥/٢١٥.

(٧) صحيح بخاري، كتاب الأيمان والنذور، باب: لا تحلفوا بآبائكم، رقم (٦٦٤٩).

دونوں کا ذکر ایک ساتھ ہے۔ اب ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرما رہے ہیں کہ قاسم کی روایت بنسبت ابوقلابہ کی روایت کے مجھے زیادہ یاد ہے۔

تنبیہ

اس حدیث کی تشریح مغازی واطعمہ وغیرہ مختلف مقامات پر آچکی ہے(۱)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے،"وأتي رسول الله صلى الله عليه وسلم بنهب إبل ...... فأمر لنا بخمس ذود غر الذرى" کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اونچی کوہان والے پانچ سفید اونٹ عنایت فرمائے۔ یہ اونٹ خمس کے تھے، اس طرح اس حدیث کی ترجمے کے جزء"وما كان النبي ﷺ يعد الناس أن...... من الخمس" کے ساتھ مناسبت واضح ہے(۲)۔

باب کی تیسری حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۶۵ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ : أَخْبَرَنَا مالِكٌ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا(۳): أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ بَعَثَ سَرِيَّةً فِيهَا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ عُمَرَ قِبَلَ نَجْدٍ ، فَغَنِمُوا إِبِلاً كَثِيرَةً ، فَكَانَتْ سِهَامُهُمُ ٱثْنَيْ عَشَرَ بَعِيرًا ، أَوْ أَحَدَ عَشَرَ بَعِيرًا ، وَنُفِّلُوا بَعِيرًا بَعِيرًا . [۴۰۸۳]

تراجم رجال

۱- عبداللہ بن یوسف

یہ عبداللہ بن یوسف تنیسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

---

(۱) كشف الباري، كتاب المَغازي: ۶۰۸، و:۶۳۳، وكتاب الأطعمة: ۲۸۷-۲۹۰.

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۵۷.

(۳) قوله: "عن ابن عمر رضي الله عنهما": الحديث، أخرجه البخاري في المغازي، باب السرية التي قبل نجد، رقم (۴۳۳۸)، ومسلم، في الجهاد والسير، باب الأنفال ،رقم (۴۵۲۱-۴۵۲۵)، وأبوداود، في الجهاد، باب في النفل في السرية......، رقم (۲۷۴۱-۲۷۴۶).

٢- مالك

یہ امام دارالہجرۃ حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کا تذکرہ بدء الوحي کی "الحدیث الثاني" کے تحت آچکا(١)۔

٣- نافع

یہ نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کے مفصل حالات کتاب العلم، "باب ذکر العلم والفتیا في المسجد" کے تحت گزرچکے ہیں(٢)۔

٤- ابن عمر

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حالات کتاب الإیمان، "باب الإیمان......" میں آچکے(٣)۔

عن ابن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث سرية، فيها عبدالله بن عمر، قبل نجد، فغنموا إبلا كثيرة

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ روانہ فرمایا، جس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما خود بھی موجود تھے، یہ سریہ نجد کی طرف بھیجا گیا تھا، اس میں بہت سارے اونٹ انہوں نے غنیمت میں حاصل کیے۔

اوپر حدیث میں جس سریہ کا ذکر ہے، وہ "سرية أبي قتادة بن ربعي الأنصاري" سے موسوم ہے، اس کے امیر حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ تھے، یہ سریہ فتح مکہ سے قبل روانہ کیا گیا تھا، ابن سعد کی تحقیق کے مطابق یہ واقعہ ۸ھ کا ہے(۴)۔

یہاں نجد کو مطلقاً ذکر کیا گیا ہے، جو بہت بڑا علاقہ ہے، اس کی تحقیق پیچھے کسی مقام پر گزرچکی ہے(۵)،

---

(١) كشف الباري: ١/٢٨٩-١٩٠.

(٢) كشف الباري: ٤/٦٥١.

(٣) كشف الباري: ١/٦٣٧.

(٤) طبقات ابن سعد: ٢/١٣٢.

(٥) دیکھیے، باب ماجاء في بيوت أزواج النبي ... کی چھٹی حدیث، حديث ابن عمر.

تاہم حدیث باب میں نجد سے مراد ایک خاص علاقہ ''ارض محارب'' ہے، جہاں قبیلہ غطفان کی رہائش تھی، یہ سریہ اسی قبیلہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا گیا تھا(۱)۔

اس سریہ میں مشہور قول کے مطابق پندرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، مال غنیمت میں دوسو اونٹ، دو ہزار بکریاں اور بہت سے قیدی ہاتھ آئے۔ یہ سریہ صرف پندرہ دن پر مشتمل تھا(۲)۔

اس حدیث میں نفل کا ذکر آیا ہے، ذیل میں ہم اس سے متعلق ابحاث اختصاراً پیش کریں گے، کیوں کہ یہ حدیث نفل کے باب میں اصل کی حیثیت رکھتی ہے۔

نفل کی لغوی واصطلاحی تعریف

نفل نون اور فاء کے فتحہ کے ساتھ ہے، کبھی فاء کو ساکن بھی پڑھتے ہیں، اس کی جمع انفال ہے۔ اس کے معنی زیادتی کے ہیں (۳)۔

اصطلاح شرع میں نفل اس انعام اور زیادتی کو کہتے ہیں جو مجاہد و مقاتل کو غنیمت کے علاوہ ملتی ہے، تاہم اس کا اطلاق اکثر روایات میں غنیمت مطلقہ پر بھی کیا گیا ہے، علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف تعبیر کا ہے، چنانچہ بایں اعتبار کہ غازی کو یہ انعام ملا ہے تو اس کو غنیمت کہہ دیتے ہیں اور اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے یہ ایک انعام ملا، جو ضروری نہیں تھا تو اسے نفل کہہ دیا جاتا ہے، ان دونوں میں اور بھی فرق بیان کیے گئے ہیں، جن کی یہاں ضرورت نہیں (۴)۔

نفل کی مشروعیت

نفل کی مشروعیت پر جمہور علماء وفقہاء کا اتفاق ہے، جب کہ صرف ایک فقیہ عمرو بن شعیب اس کی عدم

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۲/۱۳۲-۱۳۳.

(۲) حواله بالا، والأوجز: ۹/۱۱۸.

(۳) شرح الزرقاني: ۳/۱۵، كتاب الجهاد، جامع النفل في الغزو، باب رقم (۳۰۲)، والأوجز: ۹/۱۱۶.

(٤) المفردات في غريب القرآن: ٥٠٤، كتاب النون، مادة "نفل"، والأوجز: ۹/۱۱٦، والبدائع: ٦/٤٥٩، وفي الموسوعة الفقهية (١٤/٧٤): "وهو ...... زيادة مال على سهم الغنيمة، يشترطه الإمام أو أمير الجيش لمن يقوم بما فيه نكاية زائدة على العدو".

مشروعیت کے قائل ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کی گنجائش نہیں۔ لیکن یہ قول مرجوح ہے(۱)۔

پھر ائمہ ثلاثہ میں امام شافعی و مالک رحمہما اللہ اس کو ضرورت کے ساتھ مشروط و مقید کرتے ہیں کہ جب تک شدید ضرورت نہ ہو، مثلاً مسلمان تعداد میں کم اور کفار زیادہ ہوں تو جائز ہے، ورنہ نہیں۔

جب کہ حنفیہ اس کے مطلق جواز کے قائل ہیں، کیوں کہ یہ بھی تحریض وترغیب کی ایک قسم ہے، اسی کا حکم خداوندی بھی ہے کہ ﴿یا أیها النبي حرض المؤمنین علی القتال﴾(۲) کہ "اے نبی! مسلمانوں کو قتال پر ابھارو"۔ یہ حکم مطلق ہے(۳)۔

تاہم احناف - کثر اللہ سوادہم - یہ بھی فرماتے ہیں - کما في البدائع - کہ امام وقت کے لیے یہ مناسب نہیں کہ سارا مالِ غنیمت ہی کسی کو نفلاً دے دے، کیوں کہ اس میں دوسرے مقاتلین کا حق مارا جائے گا، لیکن اگر ایسا کرے تو جائز ہے(۴)۔

نفل کی صورتیں

تنفیل کی پھر تین صورتیں ہیں:

❶ امام وقت بڑے لشکر سے پہلے کوئی چھوٹا لشکر (سریہ) بھیجے، جو دشمن پر حملہ آور ہو، اس لشکر کو جو غنیمت ملے اس کا ایک مقرر حصہ، مثلاً ربع یا ثلث ان کے لیے مختص کر دے۔

❷ امام وقت یا امیر لشکر کچھ متعین افراد کے لیے کوئی انعام مقرر کر دے اور وہ اس لیے کہ انہوں نے قتال کے دوران شجاعت کا مظاہرہ یا اقدام کیا ہو یا اور کوئی ایسا مفید کام سرانجام دیا ہو جو دوسرے نہ دے سکے اور یہ معاملہ مشروط نہ ہو، یعنی پہلے سے طے نہ کیا گیا ہو، بلکہ غنیمت کی تقسیم کے وقت یہ انعام دیا جائے کہ فلاں شخص کے

---

(۱) الموسوعة الفقهية: ۱۴/۷۵، (مادة تنفیل)، وفتح الباري: ۶/۲۴۰، والأوجز: ۹/۱۲۱.

(۲) الأنفال: ۶۵.

(۳) الموسوعة الفقهية: ۱۴/۷۵، وشرح الزرقاني: ۳/۱۶.

(۴) بدائع الصنائع: ۹/۴۵۹-۴۶۰، وانظر أیضاً فتح القدیر: ۵/۲۴۹، والفتاویٰ الشامیة لابن عابدین: ۳/۲۶۰، وکتاب السیر الکبیر للشیباني: ۱/۲/۱۲۱، أبواب الأنفال.

اس کارنامے کی وجہ سے اس کے مقرر حصے سے زائد یہ مال بطور انعام اسے دیا جا رہا ہے۔

۳- امام وقت یہ کہے جو شخص فلانی دیوار توڑے گا یا اس میں نقب لگائے گا (ونحو ذلك) تو اس کو یہ چیز یا اس قدر مال بطور انعام دیا جائے گا (۱)۔

یہ تین صورتیں ہوئیں، یہ صور ثلاثہ جمہور فقہاء کے نزدیک درست ہیں، تاہم امام مالک اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ تیسری صورت کو مکروہ گردانتے ہیں، وہ یہ فرماتے ہیں کہ اس سے مقاتل کا اخلاص متاثر ہوگا اور اس کا قتال دنیا کے لیے ہوگا، نہ کہ آخرت کے لیے، نیز اس میں اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا بھی پایا جاتا ہے، جو جائز نہیں (۲)۔

جمہور کی دلیل اس سلسلے میں حضرت حبیب بن مسلمہ فہری کی وہ روایت ہے، جو ابوداؤد شریف (۳) میں مذکور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں ربع اور لوٹتے وقت ثلث بطور نفل کے دیا، جس سے ثابت ہوا کہ ابتداءً بھی یہ فعل درست ہے (۴)۔

محل تنفیل

نفل کی ادائیگی بیت المال سے بھی جائز ہے، لیکن اس صورت میں نفل کی نوع اور مقدار کا معلوم ہونا ضروری ہے۔

اسی طرح دشمن سے عنقریب جو غنیمت حاصل ہوگی، اس میں بھی تنفیل جائز ہے، اس میں اگرچہ جہالت پائی جاتی ہے کہ کیا معلوم غنیمت حاصل ہوگی بھی یا نہیں؟ لیکن یہ جہالت مضر نہیں کہ اس کی ضرورت ہے (۵)۔

پھر فقہائے امت کا اس امر میں اختلاف ہے کہ نفل اگر غنیمت سے ہو تو کس چیز سے ہوگی؟

حنابلہ اور شوافع کے نزدیک نفل خمس غنیمت کے ربع سے دیا جائے گا، یہی قول حضرت انس رضی اللہ عنہ

(۱) الموسوعة: ۷۵/۱٤، والمغني: ۱۸۵/۹، وحاشية ابن عابدين: ۲٦۲/۳، وفتح القدير: ۲٤۹/۵.

(۲) حاشية الزرقاني: ۱٦/۳، والأوجز: ۱۲۵/۹.

(۳) سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب فيمن قال: الخمس قبل النفل، رقم (۲۷٤۸--۲۷۵۰).

(٤) المغني: ۱۸٤/۹، والأوجز: ۱۲۵/۹.

(۵) المغني: ۱۸٦/۹، والموسوعة: ۷۵/۱٤.

کا بھی ہے، دلیل یہ حدیث ہے، "لا نفل إلا بعد الخمس" (☆).

حنفیہ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے:

اگر جنگ کے دوران امام تنفیل کرے تو غنیمت کے خمس کا ربع ہوگا۔

اگر مال غنیمت کے احراز کے بعد کرے، یعنی جنگ ختم ہونے کے بعد تقسیم غنیمت کا عمل شروع ہو جائے اور اس وقت نفل دینے کا اعلان کرے تو وہ خمس سے ہوگا (۱)۔

جب کہ مالکیہ کے نزدیک تنفیل خمس غنیمت سے ہوگی (۲)۔

نفل کی مقدار

فقہاء کے نزدیک نفل کی دو مقداریں ہیں، ادنیٰ اور اعلیٰ۔

ادنیٰ تو یہ ہے کہ ثلث یا ربع یا اس سے بھی کم ہو یا بالکل نہ ہو، امام وقت کو ان سب چیزوں میں اختیار ہے کہ نفل میں ثلث دے یا ربع یا اس سے بھی کم یا بالکل نہ دے۔ اس میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے (۳)۔

تاہم حد اعلیٰ میں ان کا اختلاف ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ثلث سے زائد مقدار نفلاً نہیں دی جاسکتی (۴)۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں نفل کی کوئی حد اعلیٰ نہیں ہے، بلکہ یہ امام وقت کی رائے پر منحصر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ثلث دیا ہے تو کبھی ربع، جو اس بات کی دلیل ہے کہ "ليس للنفل حدّ" (۵).

(☆) المغني: ۹/۱۸۷، یہ موفق کی تصریح کے مطابق ہے، ورنہ شوافع کی کتابوں میں ان کا مذہب یہ لکھا ہے کہ نفل خمس الخمس سے ہوگا، یعنی غنیمت کے پانچویں حصے کا پانچواں بطور نفل ہوگا، یہی اصح ہے۔ دیکھیے، نووي: ۲/۸۶، وفتح الباري: ۶/۲٤۰. وحديث أنس أخرجه أبوداود من حديث معن بن يزيد، كتاب الجهاد، باب في النفل من الذهب والفضة......، رقم (۲۷۵۳).

(۱) حاشية ابن عابدين: ۳/۲٦٤، وفتح القدير: ٥/۲٥۰، والأوجز: ۹/۱۲۷.

(۲) شرح الزرقاني: ۳/۱٦، وبداية المجتهد: ۱/۳۹٦، الفصل الثالث في حكم الأنفال.

(۳) الموسوعة: ۱٤/۷٦، (مادة تنفيل).

(٤) حواله بالا، والمغني: ۹/۱۸٤، والأوجز: ۹/۱۲٥.

(٥) الأوجز: ۹/۱۲٥، والموسوعة: ۱٤/۷٦.

جب کہ حنفیہ کے نزدیک بھی نفل کی کوئی اعلیٰ مقدار متعین نہیں ہے، امام وقت چاہے تو ساری غنیمت بھی سریہ کو دے سکتا ہے، لیکن وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ فعل مناسب نہیں ہے، کیوں کہ اس صورت میں دوسرے غانمین کا حق مارا جائے گا (۱)۔

یہ تو نفل سے متعلق فقہی ابحاث تھیں، جو ہم نے مختصراً یہاں پیش کیں۔

اب ایک نظر حدیثِ باب پر ڈالتے ہیں۔

فكانت سهمانهم اثني عشر بعيرا أو أحد عشر بعيرا

سو شرکائے سریہ میں سے ہر ایک کو بارہ بارہ یا گیارہ گیارہ اونٹ ملے۔

"سُهمان" سین کے ضمہ اور ہاء کے سکون کے ساتھ، سہم کی جمع ہے، یعنی حصے (۲)۔

مطلب یہ ہے کہ ہر شریک کو مذکورہ بالا تعداد میں اونٹ بطور غنیمت ملے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اس کے معنی یہ بیان کیے کہ تمام شرکاء کا حصہ بارہ اونٹ تھے، لیکن یہ بداہۃً غلط ہے، کیونکہ ابوداؤد رحمہ اللہ وغیرہ (۳) کی روایت میں تصریح آئی ہے کہ ہر شریک کا حصہ بارہ بارہ اونٹ تھے (۴)۔

شرکاء کے حصے میں کتنے کتنے اونٹ آئے؟

حدیثِ باب میں شک کے ساتھ "اثني عشر بعيرا أو أحد عشر بعيراً" آیا ہے، یہ شک امام

(۱) حاشية ابن عابدين: ۳/۲٦۳، والبدائع: ۹/٤٦٠، فصل في أحكام الغنائم......، والأوجز: ۹/۱۲٦-۱۲۷.

نفل سے متعلق مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے، الأوجز: ۹/۱۱٦-۱۲۸، والموسوعة الفقهية: ۱٤/۷٤-۷۷، والاستذكار لابن عبدالبر: ٤/٤۱-٤٦، وفتح الباري: ٦/۲۳۹-۲٤۱، وعمدة القاري: ۱٥/٥٥-٦٠.

(۲) أوجز: ۹/۱۱۹، وشرح الزرقاني: ۳/۱٥.

(۳) سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في النفل في السرية ......، رقم (۲۷٤۱).

(٤) الأوجز: ۹/۱۱۹، والنووي على مسلم: ۲/۸٦، وفتح الباري: ٦/۲۳۹.

مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے آیا ہے، جب کہ حضرت نافع کے دوسرے تمام تلامذہ اس کو بغیر شک کے "اثني عشر بعیراً" نقل کرتے ہیں۔ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے یہی فرمایا ہے(۱)۔

اثني عشر بعيراً کی مراد

پیچھے یہ بات گزر چکی کہ اس سریہ میں، جس کا ذکر حدیثِ باب میں ہے، جو غنیمت حاصل ہوئی وہ دوسو اونٹ، دو ہزار بکریاں اور کچھ قیدی تھے اور یہ بھی بیان ہو چکا کہ اہل سیر کا مشہور قول یہ ہے کہ اس میں پندرہ افراد شریک تھے، اب دوسو اونٹوں کو پندرہ پر بارہ کے حساب سے تقسیم کیا جائے تو جواب 180 آتا ہے اور دوسو کا خمس چالیس ہے، ایک سو اسی اور چالیس تو 220 ہوئے، چنانچہ یہاں حساب درست نہیں آرہا کہ یا تو دوسو کا عدد غلط ہے یا دوسو بیس کا؟

اس تضاد کا جواب شراح حدیث نے یہ دیا ہے کہ اونٹ اور بکریاں ساتھ دی گئی تھیں اور دس بکریاں ایک اونٹ کے برابر تھیں، چنانچہ دو ہزار بکریاں اس حساب سے دوسو اونٹوں کے برابر ہوئیں، دوسو اونٹ پہلے ہی تھے، اس طرح مجموعہ چار سو ہوا۔ اسی عدل کو پیش نظر رکھ کر اثني عشر بعيرا کہا گیا ہے اور نفل میں بھی اسی کا لحاظ ہے۔ یہی توجیہ سب سے بہتر ہے(۲)۔

ایک اعتراض اور اس کے جوابات

تاہم اس پوری تفصیل پر ایک اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ اونٹ عدل کے بعد چار سو ہوئے، اس کا خمس اسّی ہے، جس سے نفل دیا گیا، پندرہ افراد کو 12,12 کے حساب سے ایک سو اسی اونٹ دیے گئے، حاصل جمع 260 (دوسو ساٹھ) ہوا۔ اب سوال یہ ہے کہ بقیہ ایک سو چالیس اونٹ کہاں گئے؟

اس اعتراض سے خلاصی کے لیے حافظ علیہ الرحمۃ نے تو یہ کہہ دیا کہ شرکائے سریہ پندرہ نہیں، بلکہ پچیس تھے(۳)، پچیس کو بارہ پر ضرب دیں گے تو حاصل 300 (تین سو) ہوگا، اسّی خمس ہے، ان دونوں اعداد کو جمع کیا

---

(۱) الاستذكار: ٤١/٤، والتمهيد: ٣٦/١٤، حديث رابع عشر لنافع عن ابن عمر، وفتح الباري: ٢٣٩/٦، والأوجز: ١١٩/٩.

(۲) طبقات ابن سعد: ١٣٢/٢-١٣٣، سرية أبي قتادة ربعي......، والأوجز: ١١٩/٩.

(۱) فتح الباري: ٥٦/٨، والأوجز: ١١٩/٩.

جائے تو حاصل 380 (تین سواسی) آتا ہے۔ جو چار سو کے عدد کے کچھ قریب ہے۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جواب بعض وجوہ کی بنا پر معتمد نہیں۔

ایک وجہ تو یہ ہے کہ اکثر اہل سیر نے شرکاء کی تعداد پندرہ ہی بتلائی ہے، مثلاً ابن سعد، قسطلانی، وصاحب السیرۃ الحلبیۃ وغیرہ وغیرہ (۱)۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض حضرات نے شرکاء کی تعداد دس (۲) اور بعض نے سولہ (۳) اور بعض نے چار ہزار بھی بتلائی ہے (۴)، اس صورت میں آپ کیا کریں گے؟

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی تمام روایات کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ فرمایا تھا، رخ اس کا نجد کی طرف تھا، وہاں پہنچنے کے بعد لشکر کا ایک حصہ الگ ہو کر بنوغطفان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا، جہاں یہ فتح یاب ہوئے اور غنیمت سے سرفراز بھی، امیر سریہ نے اپنے ہر ایک ساتھی کو ایک ایک اونٹ نفلاً دیا، باقی غنیمت لے کر لشکر میں واپس آ گئے۔ جب یہ لشکر میں واپس آئے تو بقیہ غنیمت بھی تقسیم ہوئی اور لشکر کے ہر ہر فرد کو بارہ بارہ اونٹ ملے کہ لشکر کی اپنی بھی غنیمت تھی، ان سب کو جمع کیا گیا تو ہر ایک کے حصے میں بارہ بارہ اونٹ آئے اور اہل سریہ کے ہاتھ تیرہ تیرہ اونٹ کہ ایک اونٹ نفل کا تھا۔

اس کی دلیل دو الگ الگ روایات ہیں، پہلی ابن اسحاق سے مروی ہے اور دوسری شعیب بن ابی حمزہ سے، ان دونوں روایات کا حاصل وہی ہے جو اوپر ذکر ہوا، ہم یہاں صرف شعیب بن ابی حمزہ کی روایت کے الفاظ نقل کرتے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"بعثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم في جيش، قبل نجد، وانبعث سرية من الجيش، فكان سهمان الجيش اثني عشر بعيرا، اثني عشر بعيرا،

---

(۱) دیکھیے، طبقات ابن سعد: ۱۳۲/۲، والسيرة الحلبية: ۲۰٤/۳، والأوجز: ۱۱۹/۹.

(۲) یہ ابن التین رحمہ اللہ کی رائے ہے۔ دیکھیے، عمدة القاري: ۳۱۲/۱۷.

(۳) حكاه ابن الأثير في الكامل: ۱۵۷/۲.

(٤) یہ ابن عبدالبر کا قول ہے۔ اس قول کو حضرت سہارنپوری رحمہما اللہ نے بذل میں خلاف حقیقت اور بے اصل قرار دیا ہے۔ دیکھیے، بذل: ۳۵۳/۱۲

ونفل أهل السرية بعيرا بعيرا، فكانت سهمانهم ثلاثة عشر"(١).

اس روایت پر اگر چہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے شدید رد کیا ہے کہ یہ روایت نافع رحمہ اللہ کے دیگر تلامذہ کی بیان کردہ روایات کے خلاف ہے، جو شعیب کے مقابلے میں ثقات بھی ہیں اور اَثبات بھی (۲)۔

تاہم ابن عبدالبر رحمہ اللہ کے اس رد سے کوئی فرق نہیں پڑتا، وہ اس لیے کہ ابن عبدالبر خود بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ شعیب کے بیان کردہ معنی بھی صحیح ہیں، کیوں کہ علمائے امت وفقہائے ملت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کسی لشکر کا کوئی حصہ سریہ کے لیے روانہ ہو تو جو غنیمت ملے گی، اس میں لشکر بھی شریک ہوگا، اہل سریہ کا امتیاز اس طرح ہوگا کہ انہیں نفل دیا جائے گا (۳)۔ چناں چہ اس واقعے میں بھی یہی ہوا ہے، جیسا کہ شعیب بن ابی حمزہ اور ابن اسحاق کی تصریح موجود ہے۔ اس لیے ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا یہ اعتراض اپنے محل پر نہیں۔ واللہ اعلم

فائدہ

حدیثِ باب میں جس نفل کا تذکرہ ہے، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ یہ کس چیز سے دیا گیا تھا، مشہور قول تین ہیں:

❶ امام اوزاعی، احمد اور ابوثور اور احناف رحمہم اللہ وغیرہ اس بات کے قائل ہیں کہ یہ نفل اصل غنیمت سے تھا۔ دلیل ابو اسحاق کی روایت ہے، جس کا ذکر ابھی ابوداؤد کے حوالے سے گزرا۔

❷ امام مالک، قاسم بن سلام، سعید بن المسیب اور امام بخاری رحمہم اللہ وغیرہم کی رائے یہ ہے کہ یہ غنیمت کے خمس سے تھا، ان کی دلیل بقول ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کے حدیث باب ہے کہ حضرت نافع کے اکثر تلامذہ کی روایات اس پر دلالت کرتی ہیں، سوائے روایت ابن اسحاق کے۔

❸ امام شافعی وغیرہ رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اس میں نفل خمس الخمس سے تھا، ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ باوجودیکہ مالکی المذہب ہیں، اسی رائے کو ترجیح دیتے ہیں (۴)۔ واللہ اعلم

---

(١) سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في النفل في السرية ......، رقم (٢٧٤١)، ورواية ابن إسحاق انظرها في نفس هذا الباب، برقم (٢٧٤٣).

(٢) الاستذكار: ٤/٤٢.

(٣) حواله بالا، والفتح: ٦/٢٤٠، والنووي على مسلم: ٢/٨٦، والمغني: ٩/١٨٣–١٨٤، والأوجز: ٩/١٣٠.

(٤) وللاستزادة انظر: الاستذكار: ٤/٤٣–٤٦، والفتح: ٦/٢٤٠، والأوجز: ٩/١٢٨، وإعلاء السنن: ١٢/٢٦٠–٢٧٤.

ونفلوا بعيرا بعيرا

اور اہل سریہ میں سے سب کو ایک ایک اونٹ نفلاً دیا گیا۔

اس روایت میں مُنَفِّل کی تعیین نہیں ہے کہ نفل کس نے دیا تھا، یہاں منفل مجہول ہیں، جب کہ مسلم کی روایت (۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ منفل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور ابوداوٗد کی روایت (۲) اس کے بالکل مخالف ہے، جس میں ابواسحاق یہ فرماتے ہیں کہ منفل امیر سریہ حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے؟

پھر قسم غنیمت میں بھی اختلاف ہے کہ غنیمت کس نے تقسیم کی تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ تنفیل امیر سریہ کی طرف سے تھی اور تقسیم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تنفیل کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا، چنانچہ یہ "تقریر" کی نوع سے ہوا، جو سنت کی ایک قسم ہے۔

اس پر لیث عن نافع وغیرہ کی روایت دلالت کرتی ہے، جس میں آیا ہے کہ "ولم يغيره رسول الله صلى الله عليه وسلم"(۳).

یا دونوں کام امیر سریہ کے ذریعے انجام پائے تھے، یہ بھی تقریر پر محمول ہے کہ نبی علیہ السلام نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور امیر لشکر کا فیصلہ برقرار رکھا (۴)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

اس حدیث کی مطابقت ترجمۃ الباب کے جزء "الأنفال من الخمس" کے ساتھ ہے، حدیث میں "ونفلوا بعيرا بعيرا" جو آیا ہے وہ خمس ہی سے تھا، یہی امام بخاری کی رائے ہے (۵)، كما مر آنفاً مفصلاً.

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب الأنفال، رقم (٤٥٢٣).

(۲) ابوداود شریف، کتاب الجهاد، باب في النفل في السرية......، رقم (۲۷۴۳).

(۳) صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب الأنفال، رقم (٤٥٢٢).

(٤) شرح النووي على مسلم: ٨٦/٢، وفتح الباري: ٢٤٠/٦، والأوجز: ١٢١/٩.

(٥) الكوثر الجاري: ١١٧/٦.

ایک فائدہ

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر روایات میں اثنا عشر آیا ہے اور بعض میں اثني عشر -کما في حديث الباب- یہ لفظ تو واضح ہے کہ حالت نصبی میں ہے اور مشہور قاعدے کے مطابقت ہے۔

پہلا اعراب بھی ان حضرات کے نزدیک صحیح ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ مثنی کا اعراب تینوں حالات (رفع، نصب وجر) میں الف کے ساتھ ہی ہوگا، یہ عرب کے چار قبائل کی لغت ہے اور اس کی مثالیں بھی کلام عرب میں بکثرت پائی جاتی ہیں......(۱)۔

باب کی چوتھی حدیث بھی ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے۔

٢٩٦٦ : أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ : أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ ، عَنْ عُقَيْلٍ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنْ سَالِمٍ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا(٢): أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ كانَ يُنَفِّلُ بَعْضَ مَنْ يَبْعَثُ مِنَ السَّرَايَا لِأَنْفُسِهِمْ خاصَّةً ، سِوَى قَسْمِ عامَّةِ الجَيْشِ .

تراجم رجال

۱- يحيىٰ بن بكير

یہ یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر مخزومی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲- الليث

یہ لیث بن سعد فہمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

---

(١) شرح النووي على صحيح مسلم: ٨٦/٢، وتعليقات جامع الأصول: ٦٨١/٢.

(٢) قوله: "عن ابن عمر رضي الله عنهما": الحديث، أخرجه مسلم، كتاب الجهاد ......، باب الأنفال، رقم (٤٥٢٦-٤٥٢٨)، وأبوداود، كتاب الجهاد، باب في النفل في السرية ......، رقم (٢٧٤٦).

یہ تخریج عام اصحاب تخریج کے مطابق ہے، کہ انہوں نے اس کو مستقل حدیث شمار کیا ہے۔ ورنہ علامہ ابن الاثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ باب کی سابقہ روایت اور یہ روایت دونوں ایک ہی حدیث ہیں۔ لہٰذا دونوں کو الگ شمار کرنا درست نہیں۔ دیکھیے، جامع الأصول: ٦٨١/٢-٦٨٢.

۳- عقیل

یہ عُقیل بن خالد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٤- ابن شهاب

یہ محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ المعروف بابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان چاروں حضرات کا تذکرہ "بدء الوحي" کی "الحديث الأول" کے تحت گزر چکا(۱)۔

٥- سالم

یہ مشہور تابعی سالم بن عبد اللہ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب الحياء من الإيمان" کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

٦- ابن عمر

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کتاب الإيمان، "باب الإيمان......" میں آچکا(۳)۔

عن ابن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان ينفل بعض من يبعث من السرايا لأنفسهم خاصة، سوى قسم عامة الجيش

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرایا میں جن لوگوں کو بھیجتے تھے، ان میں سے بعض کو نفل دیتے تھے، جو اُن کے ساتھ خاص ہوتا، عام لشکریوں کی غنیمت کے علاوہ۔

حافظ کا حدیثِ باب سے استدلال

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ نفل میں ایک ہی سریہ کے بعض افراد کو محروم رکھنا اور بعض کو دینا جائز ہے (۴)۔

---

(۱) كشف الباري: ۱/۳۲۳-۳۲٦.

(۲) كشف الباري: ۲/۱۲۸.

(۳) كشف الباري: ۱/٦۳۷.

(٤) فتح الباري: ٦/٢٤١.

جب کہ جمہور کے نزدیک یہ جائز نہیں، سریہ کے تمام شرکاء کو نفل دینا ضروری ہے(۱)۔

ہمارے نزدیک اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مختلف سرایا روانہ فرماتے تھے، جن میں بعض سرایا کو نفل دیتے اور بعض کو نہ دیتے۔ اوپر ہم نے ترجمہ شافعیہ کے مسلک کے مطابق کیا ہے(۲)۔

حافظ کے مذکورہ استدلال کی وجہ

شوافع چونکہ اس بات کے قائل ہیں کہ نفل خمس الخمس سے دیا جائے گا، اس لیے وہ ایک ہی سریہ میں "تخصیص البعض دون البعض في النفل" کو جائز کہتے ہیں، اگر وہ اس کو جائز نہ کہیں تو ان کا خمس الخمس والا قول درست نہیں رہے۔

حافظ کے پیشرو علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی تشریح پچھلی حدیث کے جملے "ونفلوا بعیرا بعیرا" کی کی تھی اور فرمایا تھا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ سریہ میں جو مستحق نفل تھے، ان میں سے ہر ایک کو، ایک ایک اونٹ بطور نفل ملا، یہ مطلب نہیں کہ اہل سریہ میں سے ہر ایک کو نفل ملا(۳)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام نووی (اور حافظ) کو اس تاویل کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ اپنے مذہب راجح کے لیے کوئی موید تلاش کریں، کیوں کہ یہ حضرات نفل کے خمس الخمس سے ہونے کے قائل ہیں، چناں چہ اس حدیث میں خمس الخمس کی جو مقدار بن رہی ہے، وہ پورے کے پورے سریہ پر تقسیم نہیں ہوسکتی، اسی لیے انہوں نے مذکورہ تاویل کی۔

تاہم یہ تاویل چل نہیں سکتی، کیوں کہ اسی حدیث کے ایک طریق میں صراحۃً یہ الفاظ آئے ہیں، "نفلنا أمیرنا بعیراً بعیرا لکل إنسان"(۴) جس سے بداہۃً یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام شرکائے سریہ نفل کے مستحق ٹھہرے تھے(۵)۔ واللہ اعلم

---

(۱) یہ بحث گذشتہ باب میں گذر چکی ہے۔

(۲) التلخیص الحبیر: ۲/۲۷۳، وإعلاء السنن: ۱۲/۲۷٦، نقلاً عن الترمذي ببلاغ مالك بن أنس.

(۳) شرح النووي علی مسلم: ۲/۸٦.

(٤) سنن أبي داود، کتاب الجهاد، باب في النفل في السریة ......، رقم (۲۷٤۳).

(٥) الأوجز: ۹/۱۲۰.

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت بالکل واضح ہے، کہ ترجمہ میں ایک جزء الأنفال من الخمس تھا، اس حدیث میں بھی نفل کا ذکر ہے، جو خمس ہی سے نکالا جاتا ہے-کما هو مذهب البخاري- اس لیے مطابقت پائی گئی۔ واللہ اعلم بالصواب

باب کی پانچویں حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ہے۔

٢٩٦٧ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ : حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ : حَدَّثَنَا بُرَيْدُ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ ، عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ[1] قَالَ : بَلَغَنَا مَخْرَجُ النَّبِيِّ ﷺ وَنَحْنُ بِالْيَمَنِ ، فَخَرَجْنَا مُهَاجِرِينَ إِلَيْهِ ، أَنَا وَأَخَوَانِ لِي أَنَا أَصْغَرُهُمْ ، أَحَدُهُما أَبُو بُرْدَةَ وَالآخَرُ أَبُو رُهْمٍ ، إِمَّا قالَ : فِي بِضْعٍ ، وَإِمَّا قالَ : فِي ثَلَاثَةٍ وَخَمْسِينَ ، أَوِ ٱثْنَيْنِ وَخَمْسِينَ رَجُلاً مِنْ قَوْمِي ، فَرَكِبْنَا سَفِينَةً ، فَأَلْقَتْنَا سَفِينَتُنَا إِلَى النَّجَاشِيِّ بِالحَبَشَةِ ، وَوَافَقْنَا جَعْفَرَ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَأَصْحَابَهُ عِنْدَهُ ، فَقَالَ جَعْفَرٌ : إِنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ بَعَثَنَا هَا هُنَا ، وَأَمَرَنَا بِالإِقَامَةِ ، فَأَقِيمُوا مَعَنَا ، فَأَقَمْنَا مَعَهُ حَتَّى قَدِمْنَا جَمِيعًا ، فَوَافَقْنَا النَّبِيَّ ﷺ حِينَ ٱفْتَتَحَ خَيْبَرَ ، فَأَسْهَمَ لَنَا ، أَوْ قالَ : فَأَعْطَانَا مِنْهَا ، وَما قَسَمَ لِأَحَدٍ غابَ عَنْ فَتْحِ خَيْبَرَ مِنْهَا شَيْئًا ، إِلَّا لِمَنْ شَهِدَ مَعَهُ ، إِلَّا أَصْحَابَ سَفِينَتِنَا مَعَ جَعْفَرٍ وَأَصْحَابِهِ ، قَسَمَ لَهُمْ مَعَهُمْ . [٣٦٦٣ ، ٣٩٩٠ - ٣٩٩٢]

تراجم رجال

١- محمد بن العلاء

یہ ابوالعلاء محمد بن العلاء ہمدانی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٢- ابواسامه

یہ ابواسامہ حماد بن اسامہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تذکرہ كتاب العلم، "باب فضل

(١) قوله: "عن أبي موسى رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة الحبشة، رقم (٣٨٧٦)، وكتاب المغازي، باب غزوة خيبر، رقم (٤٢٣٠و٤٢٣٣)، ومسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل جعفر......، وأهل سفينتهم، رضي الله عنهم، رقم (٦٤١٠)، وأبوداود، في كتاب الجهاد، باب فيمن جاء بعد الغنيمة......، رقم (٢٧٢٥).

من علم وعلم" کے تحت آچکا (۱)۔

٣- بريد بن عبدالله

یہ ابو بردہ برید بن عبداللہ بن عامر کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٤- ابو بردہ

یہ ابو بردہ عامر بن ابی موسیٰ اشعری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٥- ابوموسى

یہ حضرت ابو موسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان تینوں حضرات کا تذکرہ کتاب الإيمان، "باب أي الإسلام أفضل؟" کے ضمن میں بیان ہو چکا (۲)۔

عن أبي موسىٰ رضي الله عنه قال: بلغنا مخرجُ النبي صلى الله عليه وسلم ونحن باليمن

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں نبی اکرم ﷺ کے خروج کی خبر ملی، درآنحالیکہ ہم یمن میں تھے۔

"مخرج" مصدر میمی ہے، خروج کے معنی میں ہے اور فاعل ہونے کی بنا پر مرفوع ہے (۳)۔

مخرج سے کیا مراد ہے؟

مخرج سے دو چیزیں مراد ہو سکتی ہیں:

❶ بعثت: اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ بظاہر ان حضرات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت وخروج کا علم ہجرت کے بعد طویل مدت گزرنے پر ہوا، چناں چہ جب انہیں علم ہوا تو یہ زیارت کی غرض سے یمن سے نکلے۔

---

(۱) كشف الباري: ٤١٣/٣-٤١٧.

(۲) كشف الباري: ٦٩٠/١.

(۳) عمدة القاري: ٦٠/١٥

❷ ہجرت: اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں انہیں علم تو پہلے ہی ہوگیا تھا، اسلام بھی یہ حضرات قبول کر چکے تھے، لیکن اپنے وطن ہی میں مقیم رہے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا علم ہوا تو انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ حضرات اس طویل عرصے کہاں رہے اور ہجرت کیوں نہیں کی؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ غالباً انہیں صحیح حالات کا علم نہیں ہو پا رہا تھا، جب حالات کی مکمل اطلاع ہوئی تو انہوں نے بھی ہجرت کر ڈالی اور اپنا وطن چھوڑ دیا(۱)۔

فخرجنا مهاجرين إليه، أنا وأخوان لي، أنا أصغرهم، أحدهما: أبو بردة، والآخر أبورهم

سو ہم ان کی طرف ہجرت کی نیت سے نکلے، میں اور میرے دو بھائی، میں ان میں کا سب سے چھوٹا تھا، ایک ابو بردہ تھے، دوسرے ابورہم۔

لفظ مہاجرین حالیت کی بنا پر منصوب ہے(۲)۔

ابو بردہ

یہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بھائی ابو بردہ بن قیس بن سلیم بن حضار بن حرب رضی اللہ عنہ ہیں(۳)۔

ان کا نام عامر ہے، لیکن اپنے بھائی کی طرح یہ بھی اپنی کنیت سے ہی مشہور ہیں(۴)۔

اخیر میں کوفہ کو اپنا مسکن بنایا، تادم آخری وہیں رہے(۵)۔

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

---

(۱) فتح الباري: ۷/۴۸۵.

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۶۰.

(۳) الإصابة مع الاستيعاب: ۴/۱۸، وفتح الباري: ۷/۴۸۵، وعمدة القاري: ۱۵/۶۰.

(۴) حواله جات بالا.

(۵) الإصابة: ۴/۱۸.

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اللهم اجعل فناء أمتي قتلا في سبيلك بالطعن والطاعون"(١). رضي الله عنه وأرضاه.

تنبیہ

ابو بردہ ان کے ایک بھتیجے کی بھی کنیت ہے، جو حدیث باب کے راوی بھی ہیں، ان کا نام بھی عامر ہے، تاہم یہ صحابی ہیں اوران سے صرف یہی ایک روایتِ مذکورہ بالا ہے، جب ان بھتیجے ابو بردہ مشہور تابعی فقیہ ہیں اور اپنے والد ابو موسیٰ اشعری ودیگر صحابہ کرام سے کثرت سے روایت کرتے ہیں۔

أبو رُهم

یہ بھی ابو موسیٰ اشعری کے بھائی ہیں، رضی اللہ عنہما، ان کا نام کیا تھا، اس میں اقوال مختلف ہیں، ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ تو یہ فرماتے ہیں کہ ان کا نام مَجدِیَ تھا، جب کہ ابن حبان جزماً ان کا نام محمد بتلاتے ہیں، لیکن حافظ نے اس پر رد کیا ہے۔ابن قانع رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ ان کا نام مجید تھا(۲)۔

ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ یہ طبیعت کے ذرا تیز تھے، جس پر اُن کے بھائی ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ انہیں ٹوکا کرتے (۳)۔رضی اللہ عنہ وأرضاہ

إما قال في بضع، وإما قال في ثلاثة وخمسين أو اثنين وخمسين رجلاً من قومي

یا یہ فرمایا کچھ، یا فرمایا کہ ترپین یا باون آدمیوں کے ساتھ، جو میری قوم کے تھے۔

یہ حضرات کل کتنے تھے؟

یہاں روایتِ باب میں، نیز کتاب المغازی کی روایت میں عبارت اسی طرح شک کے ساتھ ہے،

---

(١) الحديث رواه أحمد في مسنده: ٤٣٧/٣، مسند أبي بردة......، رقم (١٥٦٩٣)، و: ٢٣٨/٤، حديث أبي بردة ......، رقم (١٨٢٤٨)، والحاكم في مستدركه: ٩٣/٢، كتاب الجهاد، رقم (٢٤٦٢)، وقال: هذا حديث صحيح الإسناد، وقال الذهبي في تلخيصه: صحيح.

(٢) الإصابة: ٧١/٤، والاستيعاب بهامش الإصابة: ٦٩/٤، وفتح الباري: ٤٨٥/٧، وعمدة القاري: ٦٠/١٥، وابن قانع في معجم الصحابة: ٣٩/٣، باب الميم، رقم (١١٠٦).

(٣) الاصابة: ٧١/٤.

بضع کا اطلاق تین سے نو تک ہوتا ہے، اس لیے یہ ترپن سے انسٹھ تک کسی بھی عدد کو محتمل ہے، جب کہ ترپن بھی مروی ہے اور باون بھی۔

تاہم ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور طریق سے نقل کیا ہے کہ اشعریین کی تعداد پچاس تھی (۱)، پچاس سے زائد جو لوگ ہیں شاید وہ حضرت ابوموسیٰ اور ان کے دیگر بھائی تھے، تو جس روایت میں باون ہے وہ ان کے دونوں بھائیوں ابو بردہ اور ابورہم کو ملا کر ہے، جن کا ذکر حدیث باب میں ہے، جو ترپن یا اس سے زائد کہتے ہیں تو ان کی مراد اس اختلاف کی طرف اشارہ ہے جو اُن کے بھائیوں کی تعداد میں ہے، ابن عبدالبر نے ان سب بھائیوں کی تعداد چار بتلائی ہے اور ابن مندہ کی روایت میں پانچ کا ذکر ہے۔ اس روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ چھے آدمی قبیلہ عک کے بھی تھے، لیکن وہ یہاں مراد نہیں، کیوں کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے من قومي کی تصریح بھی تو کی ہے۔ ان کی تعداد میں اور بھی اقوال ہیں (۲)۔

فركبنا سفينة، فألقتنا سفينتنا إلى النجاشي بالحبشة، ووافقنا جعفر بن أبي طالب وأصحابه عنده، فقال جعفر: إن رسول الله ﷺ بعثنا ههنا، وأمرنا بالإقامة، فأقيموا معنا

تو ہم ایک کشتی پر سوار ہوئے، اس کشتی نے ہمیں بادشاہ حبشہ حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کے ہاں پھینک دیا، ان کے ہاں ہماری ملاقات جعفر بن ابی طالب اور ان کے ساتھیوں (رضی اللہ عنہم) سے ہوئی، چناں چہ حضرت جعفر نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہاں بھیجا ہے اور یہیں ٹھہرنے کا حکم بھی دیا ہے، سو تم بھی یہیں اقامت اختیار کرو۔

فأقمنا معه، حتى قدمنا جميعا

سو ہم ان کے ساتھ وہیں مقیم رہے، یہاں تک کہ سب ایک ساتھ (خدمت اقدس میں) آئے۔

ابن اسحاق نے مغازی میں لکھا ہے کہ نبی علیہ السلام نے حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کو نجاشی کی

---

(۱) فتح الباري: ۷/۴۸۵، وابن منده.

(۲) فتح الباري: ۷/۴۸۵-۴۸۶، والاستيعاب بهامش الإصابة: ۴/۶۹.

طرف یہ پیغام دے کر بھیجا کہ حضرت جعفراوران کے ساتھیوں کو تیار کر کے روانہ کر دیں تو انہوں نے ان کو اوران کے ساتھیوں کو تجہیز واکرام کے ساتھ روانہ کیا، چنانچہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ ان حضرات کو لے کر خیبر پہنچے (۱)۔

ابن اسحاق نے ان حضرات کی تعداد سولہ بتلائی ہے (۲)۔ یہ اشعریین کے علاوہ ہیں۔

فوافقنا النبي ﷺ حين افتتح خيبر، فأسهم لنا أو قال: فأعطانا منها، وما قسم لأحد غاب عن فتح خيبر منها شيئا، إلا لمن شهد معه، إلا أصحاب سفينتنا مع جعفر وأصحابه، قسم لهم معهم.

ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت پہنچے جب آپ علیہ السلام خیبر فتح کر چکے تھے، چناں چہ آپ علیہ السلام نے ہمیں بھی غنیمت دی، ہمارے علاوہ جو بھی فتح خیبر سے غائب رہے ان کو آپ علیہ السلام نے اس کی غنیمت میں سے کچھ بھی نہیں دیا، وہ صرف انہی کو ملی جو آپ کے ساتھ شریک غزوہ تھے اور ہم کشتی والے ساتھیوں کو جعفر رضی اللہ عنہ اوران کے ساتھیوں کے ساتھ، ان سب کو بھی شرکائے غزوہ کے ساتھ تقسیم غنیمت میں شریک کیا۔

یہ شرکت کس مد سے تھی؟

اس حدیث میں ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے غنائم میں ہمیں شرکائے غزوہ کے ساتھ شریک فرمایا۔ تاہم سوال یہ ہے کہ یہ شرکت کس بنیاد پر تھی، کیوں کہ غنیمت تو اُن لوگوں کو ملتی ہے، جو شریک وسہیم فی الغزوہ ہوں، جب کہ یہاں انہوں نے خود ہی تصریح کر دی کہ وہ شریک نہیں تھے، بلکہ فتح کے بعد حاضر ہوئے تھے؟

اس اشکال کے جوابات پیچھے ہم ذکر کر آئے ہیں اور مغازی میں اس پر بحث آچکی ہے، البتہ اختصاراً ان جوابات کو دوبارہ ہم یہاں ذکر کیے دیتے ہیں:

❶ موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ اصل غانمین کی اجازت سے آپ علیہ السلام نے ان حضرات کو غنیمت

---

(۱) سيرة ابن هشام: ۲/۴/۳٦۲، ذكر قدوم جعفر ...... (عدة من حملهم مع عمرو بن أمية).

(۲) حواله بالا، وفتح الباري: ۷/٤۸٦.

میں شریک کیا تھا، چوں کہ مستحقین راضی تھے، اس لیے کوئی بات نہیں۔

۲ مال فیء میں سے دیا تھا، جو بغیر قتال کے حاصل ہوا تھا۔

۳ خمس میں سے ان کو عطا فرمایا تھا۔ خمس میں امام کو اختیار ہوتا ہے، جہاں مرضی صَرف کرے، اسی طرف بقول علامہ کرمانی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا میلان ہے(۱)۔

۴ تحقیقی جواب یہ ہے کہ غنیمت میں اصل یہ ہے کہ تقسیم سے قبل کچھ اور افراد جو قتال میں شریک نہیں ہوئے تھے، پہنچ جائیں تو وہ بھی شریک فی القسمة ہوتے ہیں، تقسیم کے بعد پہنچیں تو غنیمت کے مستحق نہیں ہوتے، یہاں بھی یہی ہوا ہے کہ یہ حضرات فتح کے بعد تقسیم غنیمت سے قبل پہنچ گئے تھے، اس لیے شریک فی القسمة ہوئے (۲)۔ حافظ نے بھی مختلف احتمالات ذکر کرنے کے بعد اسی آخری احتمال کو راجح قرار دیا ہے(۳)۔

اس مسئلے میں تفصیل پیچھے باب الغنيمة لمن شهد الوقعة وغیرہ میں آ چکی ہے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

اس حدیث کی مناسبت ترجمۃ الباب کے ساتھ اس دعوے کی بنیاد پر ہے کہ اشعریین وغیرہ کو جو کچھ عطا کیا گیا تھا، وہ خمس میں سے تھا، اسی پر ابوعبید نے بھی کتاب الاموال میں جزم کیا ہے۔ چناں چہ ترجمہ کے لفظ "من الخمس" کے ساتھ اس کی مناسبت ہوگی (۴)۔

باب کی چھٹی حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہے۔

٢٩٦٨ : حدّثنا عَلِيٌّ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ : سَمِعَ جَابِرًا(٥) رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ قالَ : قالَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ : (لَوْ قَدْ جاءَنِي مالُ الْبَحْرَيْنِ لَقَدْ أَعْطَيْتُكَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا) . فَلَمْ يَجِئْ حَتَّى قُبِضَ النَّبِيُّ ﷺ ، فَلَمَّا جاءَ مالُ الْبَحْرَيْنِ ، أَمَرَ أَبُو بَكْرٍ مُنَادِيًا فَنَادَى :

---

(١) عمدة القاري: ١٥/٦٠، وشرح الكرماني: ١٣/١٠٨.

(٢) إعلاء السنن: ١٢/١٢٢.

(٣) فتح الباري: ٦/٢٤١-٢٤٢.

(٤) فتح الباري: ٦/٢٤١.

(٥) قوله: "سمع جابرا رضي الله عنه": الحديث، مرّ تخريجه في الكفالة، باب من تكفل عن ميت دينا......

مَنْ كانَ لَهُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ دَيْنٌ أَوْ عِدَةٌ فَلْيَأْتِنَا ، فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ : إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قالَ لِي كَذَا وَكَذَا ، فَحَثَا لِي ثَلاثًا . وَجعَلَ سُفْيَانُ يَحْثُو بِكَفَّيْهِ جَمِيعًا ، ثُمَّ قالَ لَنَا : هٰكَذَا قالَ ٱبْنُ الْمُنْكَدِرِ .

وَقالَ مَرَّةً : فَأَتَيْتُ أَبَا بَكْرٍ فَسأَلْتُ فَلَمْ يُعْطِنِي ، ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَلَمْ يُعْطِنِي ، ثُمَّ أَتَيْتُهُ الثَّالِثَةَ ، فَقُلْتُ : سَأَلْتُكَ فَلَمْ تُعْطِنِي ، ثُمَّ سَأَلْتُكَ فَلَمْ تُعْطِنِي ، ثُمَّ سَأَلْتُكَ فَلَمْ تُعْطِنِي ، فَإِمَّا أَنْ تُعْطِيَنِي ، وَإِمَّا أَنْ تَبْخَلَ عَنِّي ، قالَ : قُلْتَ تَبْخَلُ عَنِّي ؟ ما مَنَعْتُكَ مِنْ مَرَّةٍ إِلَّا وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أُعْطِيَكَ .

تراجم رجال

١- علی

یہ مشہور محدث حضرت علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب الفهم في العلم" کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

٢- سفیان

یہ ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات اجمالاً بدء الوحي کی "الحديث الأول" اور تفصیلاً کتاب العلم، "باب قول المحدث......" کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

٣- محمد بن المنكدر

یہ محمد بن المنکدر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

٤- جابر

یہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما ہیں (۴)۔

---

(۱) كشف الباري: ٣/٢٥٦.

(۲) كشف الباري: ١/٢٣٨، و: ٣/١٠٢.

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب صب النبي صلى الله عليه وسلم وضوءه.......

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب من لم یر الوضوء إلا من المخرجين.......

قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لو قد جاء نا مال البحرين لقد أعطيتُك هكذا وهكذا وهكذا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اگر ہمارے پاس بحرین کا مال آیا تو ہم تمہیں تین لپ بھر کر دیں گے۔

حدیث میں جس مال کا ذکر ہے وہ جزیہ کا تھا، آگے کتاب الجزیہ کی حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کی تصریح آرہی ہے (۱) اور یہ مال حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا (۲)۔

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ فرمایا ہے کہ غالباً یہ مال خمس یا مال فيء تھا (۳)، لیکن مذکورہ صراحت کی موجودگی میں اس تاویل کی کوئی ضرورت نہیں (۴)۔

فلم يجئ حتى قبض النبي صلى الله عليه وسلم

تاہم وہ مال نہیں آیا، یہاں تک کہ نبی علیہ السلام دنیا سے پردہ فرماگئے

یعنی اس مال موعود کی آمد سے قبل ہی آپ علیہ السلام کا انتقال ہوگیا۔

فلما جاء مال البحرين أمر أبوبكر مناديا، فنادى: من كان له عند رسول الله صلى الله عليه وسلم دين أو عِدة فليأتنا

جب بحرین سے مال آیا تو خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک منادی کو حکم دیا کہ وہ اعلان کریں تو انہوں نے اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جس کسی کا قرض یا وعدہ ہو تو وہ ہمارے پاس آئے (کہ ہم اس کو ادا کریں گے یا وعدہ ایفاء کریں گے)۔

اس منادی کا نام بقول حافظ مجھے معلوم نہیں ہوسکا، تاہم غالباً یہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے (۵)۔

---

(۱) انظر صحيح البخاري، كتاب الجزية والموادعة، باب الجزية والموادعة......، رقم (۳۱۵۸).

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۶۱.

(۳) شرح ابن بطال: ۵/۳۰۱.

(٤) فتح الباري: ٦/٢٤٢.

(٥) فتح الباري: ٦/٢٤٢، وأيضاً عمدة القاري: ١٥/٦١.

فأتيتُه، فقلت: إن رسول الله ﷺ قال لی كذا وكذا، فحثا لي ثلاثا

سو میں ان کے پاس آیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے تین لپ بھر کر دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔تو انہوں نے مجھے تین حثیہ مال دیا۔

ثلاثا سے مراد ثلاث حثیات ہے، جو حثیہ کی جمع ہے، یہ ضرب ونصر دونوں سے مستعمل ہے، ایک مٹھی کی مقدار کو کہتے ہیں اور ایک لفظ الحفنۃ ہے، اس کے معنی دو مٹھیوں کے مقدار کے ہیں، تاہم ابوعبید نے دونوں کو ہم معنی قرار دیا ہے(۱)، حدیثِ باب میں دو مٹھیوں کی مقدار، یعنی دونوں ہتھیلیاں برابر مال مراد ہے، جیسا کہ حضرت سفیان نے آگے تصریح کردی ہے(۲)۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے تین مرتبہ دونوں ہاتھ بھر کر مال دیا، یہی وعدہ نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا، أعطيتك هكذا وهكذا وهكذا.

وجعل سفيان يحثو بكفيه جميعا، ثم قال لنا: هكذا قال لنا ابن المنكدر

اور حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ ہمیں دونوں ہتھیلیاں بھر بھر کے دکھانے لگے، پھر فرمایا کہ ابن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں اسی طرح کہا تھا۔

یہ جملہ حضرت ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، اس سے محدثین کے کمال ضبط کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس طرح ایک ایک جزیے کو محفوظ وضبط فرمالیا کرتے تھے۔

وقال مرة: فأتيت أبابكر، فسألت، فلم يعطني، ثم أتيته، فلم يعطني، ثم أتيته الثالثة، فقلت: سألتك، فلم تعطني، ثم سألتك، فلم تعطني، ثم سألتك، فلم تعطني! فإما أن تعطيني، وإما أن تبخل عني

اور ایک مرتبہ فرمایا، میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے مال طلب کیا، تاہم انہوں نے نہیں

---

(۱) حوالہ جات بالا.

(۲) فتح الباري: ۲٤۲/٦.

دیا، پھر آیا، پھر نہیں دیا، تیسری مرتبہ آیا اور کہا کہ میں نے آپ سے طلب کیا، لیکن آپ نے نہیں دیا، پھر طلب کیا، مگر آپ نے نہیں دیا، پھر تیسری بار درخواست کی، تب بھی آپ نے نہیں دیا۔ اب یا تو آپ مجھے عطا کریں یا میرے معاملے میں بخل سے کام لیں۔

یہاں قائل حضرت سفیان ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱)۔

قال : قلتَ تبخل عليَّ، ما منعتك من مرة إلا وأنا اريد أن أعطيك

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (استعجابا) فرمایا تم یہ کہتے ہو کہ میں نے تمہارے ساتھ بخل کا معاملہ کیا ہے (تو ایسی کوئی بات نہیں)؟ میں نے تو تمہیں جب بھی دینے سے انکار کیا، تو مقصد یہی تھا کہ میں تمہیں ضرور دوں گا۔

یہاں قال کے قائل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور مخاطب حضرت جابر اور قلت جملہ استفہامیہ استعجابیہ ہے، یہاں ہمزہ استفہام حذف ہو گیا ہے، مغازی میں یہی لفظ ہمزہ کے ساتھ أقلت آیا ہے (۲)۔

ممانعت کی وجہ کیا تھی؟

یہاں سوال یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب جابر رضی اللہ عنہ کا تقاضا پورا کرنا ہی تھا تو بار بار خالی ہاتھ واپس کیوں لوٹا رہے تھے؟

اس کے مختلف جوابات ہو سکتے ہیں:

1. حالاً منع کر رہے تھے، مآلاً نہیں، یعنی ابھی نہیں دے سکتا، بعد میں آنا۔
2. اس معاملے سے اہم معاملات درپیش تھے۔
3. ان کو دیتا دیکھ کر دوسرے لوگ بھی نہ آجائیں، اس لیے منع فرمایا۔

بہر حال ممانعت کلی نہیں تھی (۳)۔ كما ذكر أبوبكر بنفسه.

---

(۱) حواله بالا.

(۲) صحيح بخاري، كتاب المغازي، باب قصة عمان والبحرين، رقم (٤٣٨٣).

(۳) عمدة القاري: ١٥/٦١، وفتح الباري: ٦/٢٤٢.

قال سُفْيانُ : وَحَدَّثَنا عَمْرٌو ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ ، عَنْ جابِرٍ : فَحَثا لِي حَثْيَةً وَقالَ : عُدَّها ، فَوَجَدْتُها خَمْسَمِائَةٍ ، قالَ : فَخُذْ مِثْلَها مَرَّتَيْنِ . وَقالَ : يَعْنِي ٱبْنَ الْمُنْكَدِرِ : وَأَيُّ دَاءٍ أَدْوَأُ مِنَ الْبُخْلِ . [ر : ٢١٧٤]

یہ سند مذکور کے ساتھ متصل ہے اور عمرو سے مراد ابن دینار (۱) اور محمد بن علی (۲) سے مراد حضرت حسین کے پوتے اور حضرت علی کے پڑپوتے ہیں (۳)۔

حضرت جابر فرمارہے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہما نے دونوں ہاتھ بھر کے ایک بار دیا اور فرمایا کہ جو دیا ہے اس کو گنو، تو دیکھا کہ وہ پانچ سو درہم تھے، فرمایا اس کے مثل دوبار اور لےلو۔

اس روایت کو ذکر کرنے کا مقصد اس زیادتی کی طرف اشارہ ہے، جو عمرو عن محمد بن علی کے طریق میں تو پائی جاتی ہے، لیکن محمد بن المنکدر کے طریق نہیں۔

ابن المنکدر کی روایت تعداد کے اعتبار سے مبہم تھی، تاہم اوپر کے طریق سے وہ ابہام دور ہوگیا اور یہ معلوم ہوگیا کہ جابر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہونے والے دراہم پندرہ سو تھے اور ثلاثا کے معنی بھی متعین ہوگئے (۴)۔

وقال -يعني ابن المنكدر-: وأي داء أدوى من البخل؟!

اور فرمایا یعنی ابن المنکدر نے کہ اور کون سا مرض بخل سے زیادہ سنگین ہوسکتا ہے!

لفظ "وقال" کے قائل حضرت سفیان ہیں اور یعني کے قائل ابن المدینی ہیں (۵)، مطلب یہ ہے کہ حضرت سفیان نے وقال فرمایا، اس کی توضیح ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی کہ سفیان کی مراد وقال سے ابن المنکدر ہیں کہ ابن المنکدر فرماتے تھے کہ بخل سے بڑھ کر اور کون سا مرض سنگین اور خطرناک ہوسکتا ہے؟!

---

(۱) ان کے حالات کشف الباری، کتاب العلم میں آچکے ہیں، دیکھیے: ٤/٣٠٩.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب من لم یر الوضوء إلا من المخرجین......

(۳) فتح الباري: ٦/٢٤٢، وعمدة القاري: ١٥/٦١.

(٤) فتح الباري: ٦/٢٤٢، تاہم ابن عساکر کی ایک روایت میں "أعطاني ألفا وألفا وألفا" آیا ہے، یعنی دراہم کی مقدار تین ہزار تھی۔ تاریخ مدینة دمشق: ٣٠/٣٢٣، حرف العین.

(٥) فتح الباري: ٦/٢٤٢

یہ جملہ کس کا ہے؟

حدیثِ باب کے ظاہر سے معلوم یہی ہوتا ہے کہ "وأي داء أدوی من البخل" والا جملہ ابن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ چناں چہ علامہ ابو یوسف یعقوب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی الخیر الجاری میں اسی کو اختیار کیا ہے (۱)۔

تاہم یہ صحیح نہیں، بلکہ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے، مغازی میں اس کی تصریح وارد ہوئی ہے، وہاں یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر نے یہ جملہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا (۲)۔

اسی طرح مسند حمیدی میں بھی اس کی صراحت آئی ہے، انہوں نے سفیان سے روایت کرتے ہوئے اس حدیث میں فرمایا ہے، "وقال ابن المنكدر في حديثه" (۳). جس سے اس جملے کی نسبت حضرت ابوبکر کی طرف ہونا واضح ہو رہا ہے (۴)۔

لفظ اُدوی کی تحقیق

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محدثین اس لفظ کو غیر مہموز نقل کرتے ہیں، یعنی دوی یدوی دوی سے، جس کے معنی پیٹ کے مرض میں مبتلا ہونے کے ہیں، لیکن درست أدوأ ہمزہ کے ساتھ ہے، کیوں کہ یہ داء سے ہے، نہ کہ دوی سے (۵)۔

تاہم حافظ علیہ الرحمۃ محدثین کے نقل کردہ لفظ میں تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شاید انہوں نے ہمزہ میں تسہیل کا قاعدہ جاری کر دیا ہو (۶)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت میں علامہ عینی رحمہ اللہ نے تو یہ فرمایا ہے کہ ترجمہ کے

---

(۱) الخير الجاري ...... لم أطلع على هذا الكتاب!

(۲) صحيح بخاري، كتاب المغازي، باب قصة عمان والبحرين، رقم (۴۳۸۳).

(۳) مسند الحميدي: ۵۱۸/۲، أحاديث جابر بن عبدالله......، رقم (۱۲۳۳)، وفتح الباري: ۲۴۲/۶.

(۴) فتح الباري: ۲۴۲/۶، وأيضاً انظر لامع الدراري وتعليقاته: ۳۱۰/۷.

(۵) حواله جات بالا، وعمدة القاري: ۶۱/۱۵.

(۶) فتح الباري: ۲۴۲/۶.

جزء "وما كان النبي ﷺ يعد الناس أن يعطيهم من الفيء والأنفال من الخمس" اورحدیث کے جملے "من كان له عند رسول الله ﷺ دين أو عدة" کی آپس میں مناسبت ہے(۱)۔

علامہ احمد الکورانی الحنفی نے ترجمۃ الباب کے جزء "من الفيء" کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت بیان کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ مال جو بحرین سے آیا تھا وہ فيء کا تھا، لہذا مناست پائی گئی (۲)۔

اور ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مال خمس قرار دیا تھا، كما مر قبل. اس اعتبار سے مناسبت لفظ الخمس سے ہوگی (۳)۔

جب کہ حافظ علیہ الرحمۃ کی رائے یہ ہے کہ ظاہراً حدیث کی مناسبت ترجمہ کے ساتھ واضح نہیں ہے، تاہم یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ امام بخاری کے نزدیک خمس اور جزیہ کے مصارف چوں کہ ایک ہی ہیں، اس مناسبت سے انہوں نے جزیہ سے متعلق حدیث، خمس کے ترجمہ کے تحت نقل کردی (۴)۔

باب کی ساتویں حدیث بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہے۔

٢٩٦٩ : حدّثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : حَدَّثَنَا قُرَّةُ : حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ ، عَنْ جابِرِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا(٥) قالَ : بَيْنَا رَسُولُ ٱللهِ ﷺ يَقْسِمُ غَنِيمَةً بِٱلْجِعْرَانَةِ ، إِذْ قالَ لَهُ رَجُلٌ : ٱعْدِلْ ، فَقَالَ لَهُ : (لَقَدْ شَقِيتُ إِنْ لَمْ أَعْدِلْ) .

تراجم رجال

۱- مسلم بن ابراهيم

یہ مسلم بن ابراہیم فراہیدی، ازدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإيمان، "باب أحب

---

(١) عمدة القاري: ٦١/١٥.

(٢) الكوثر الجاري: ١١٩/٦.

(٣) شرح ابن بطال: ٣٠١/٥.

(٤) فتح الباري: ٢٤٢/٦.

(٥) قوله: "عن جابر ......": الحديث، أخرجه مسلم، كتاب الزكاة، باب ذكر الخوارج وصفاتهم، رقم (٢٤٤٩-٢٤٥٠)، وابن ماجه، كتاب السنة، باب في ذكر الخوارج، رقم (١٧٢).

الدين إلى الله أدومه" کے تحت گزر چکا(۱)۔

۲- قرة بن خالد

یہ ابومحمد قرۃ بن خالد سدوسی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۳- عمرو بن دينار

یہ مشہور تابعی حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب كتابة العلم" کے تحت بیان کیا جاچکا (۳)۔

٤- جابر بن عبدالله رضي الله عنهما

یہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما ہیں (۴)۔

قال: بينما رسول الله صلى الله عليه وسلم يقسم غنيمة بالجعرانة

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دوران کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقام جعرانہ میں غنیمت تقسیم فرمارہے تھے۔

یہ واقعہ کب کا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حنین کے غزوہ سے فارغ ہوئے تو مقام جعرانہ تشریف لائے، یہاں آکر آپ نے غنائم حنین کو تقسیم فرمایا، یہ ۵ ذوالقعدہ ۸ ہجری کا واقعہ ہے (۵)۔

مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی چادر سے چاندی نکال نکال کر لوگوں کو تقسیم کررہے تھے اور مٹھی بھر بھر کے دے رہے تھے (٦)۔

---

(١) كشف الباري: ٢/٤٥٥.

(٢) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب مواقيت الصلاة، باب السمر في الفقه......

(٣) كشف الباري: ٤/٣٠٩.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين......

(٥) فتح الباري: ٨/٢٨، و: ١٢/٢٩١، وكشف الباري، كتاب المغازي: ٥٥٣.

(٦) صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب ذكر الخوارج وصفاتهم، رقم (٢٤٤٩).

إذ قال له رجل: اعدل

تو ایک آدمی نے آپ علیہ السلام کو خطاب کر کے کہا کہ عدل کرو۔

یہ آدمی کون تھا؟

یہاں رجل مبہم ہے، اسی طرح مسلم شریف کی روایت میں بھی "رجل" مبہم ہے(۱)۔

تاہم شراح نے دیگر روایات کو سامنے رکھ کر اس کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے، چناں چہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہاں دو واقعات ہیں، ایک تو حدیثِ باب کا واقعہ، جس میں چاندی کی تقسیم کا ذکر ہے، دوسرا واقعہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، یہ واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرنے کے بعد کا ہے، جو ۹ ہجری کو پیش آیا، اس میں سونا تقسیم کیا گیا تھا، وہ بھی صرف چار افراد کے درمیان۔

اب یہ دو قصے ہوئے، دونوں میں ایک شخص نے نبی علیہ السلام کی تقسیم پر اعتراض کیا، تاہم ابوسعید خدری کی روایت میں معترض کے نام کی صراحت کی گئی ہے کہ وہ ذوالخویصرہ تمیمی تھا(۲) اور حضرت جابر کی روایت میں معترض کے نام کی تصریح نہیں کی گئی۔

اس ابہام کو رفع کرنے کے لیے بعض حضرات نے تو یہ کہہ دیا کہ حدیثِ باب میں بھی رجل مبہم سے مراد ذوالخویصرہ تمیمی ہے، لیکن بنیاد یہ قائم کی کہ دونوں روایات میں ایک ہی قصہ ہے، لیکن اس کو حافظ نے وہم قرار دیا ہے۔

پھر حافظ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت جابر کی حدیث کا ایک شاہد بھی مل گیا، اس میں بھی رجل مبہم ہے،

---

(۱) حواله بالا، وسنن سعيد بن منصور: ۳۲۲/۲، كتاب الجهاد، باب جامع الشهادة، رقم (۲۹۰۲).

(۲) صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، رقم (۳۶۱۰)، وكتاب الأدب، باب ماجاء في قول الرجل: ويلك، رقم (۶۱۶۳)، وكتاب استتابة المرتدين، باب من ترك قتال الخوارج للتألف......، رقم (۶۹۳۳). حضرت ابوسعید کی یہ روایت بخاری میں کئی مقامات پر آئی ہے، لیکن ہم نے صرف ان مقامات کی تخریج کی ہے، جن میں ذوالخویصرہ کے نام کی تصریح آئی ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کی شرح کے لیے دیکھیے، كشف الباري، كتاب المغازي، باب بعث النبي ......: ۵۷۱-۵۷۴، وكتاب الأدب، باب ماجاء في قول الرجل: ويلك: ۵۸۱-۵۸۲.

چناں چہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام کے پاس غزوہ حنین کے موقع پر ایک آدمی آیا، جب کہ آپ علیہ السلام کچھ تقسیم فرمارہے تھے، تو اس آدمی نے کہا، "یا محمد، اعدل".

تاہم حضرت عبداللہ بن عمرو کی اس حدیث کے ابہام کو محمد بن اسحاق نے سند حسن کے ساتھ رفع کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ذوالخویصرہ تھا(۱)، اس روایت کی تخریج امام احمد وطبری نے بھی کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"أتى ذوالخويصرة التميميُّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم، وهو يقسم الغنائم بحنين، فقال: يا محمد......"(۲).

چناں چہ ان روایات کے ذریعے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے رجل مبہم کی تعیین ہوگئی ہے، کہ وہ ذوالخویصرہ تھا، دونوں واقعات میں تطبیق کے لیے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ معترض ہر دو جگہ یہی شخص تھا، حنین کی جب غنیمتیں تقسیم ہورہی تھیں اس وقت بھی ذوالخویصرہ نے اعتراض کیا اور حضرت علی کے بھیجے ہوئے سونے (ذہب) کی تقسیم کے وقت بھی اسی نے اعتراض کیا(۳)۔ واللہ اعلم بالصواب

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حدیثِ باب میں رجل مبہم کو ذوالخویصرہ کہا ہے اور اسی کو ترجیح بھی دی ہے(۴)۔

علامہ ذہبی وغیرہ نے ذوالخویصرہ کا نام حرقوص بن زہیر نقل کیا ہے(۵)۔

قال: لقد شقيتُ إن لم أعدل

نبی علیہ السلام نے فرمایا میں شقی ہوجاؤں گا اگر عدل نہ کروں۔

---

(۱) سيرة ابن هشام: ٤/٤٩٦، أمر أموال هوازن ......، اعتراض ذي الخويصرة التميمي.

(۲) مسند أحمد: ٢/٢١٩، مسند عبدالله بن عمرو......، رقم (٧٠٣٨)، وتاريخ الأمم والملوك للطبري: ٢/١٧٦، سنة ٨هـ.

(۳) فتح الباري: ١٢/٢٩١، وفتح الملهم، كتاب الزكاة، باب ذكر الخوارج ......: ٥/١٤٨، رقم (٢٤٢٤).

(٤) عمدة القاري: ١٥/٦٢، ورجّحه ابن الجوزي أيضاً في كشف المشكل: ١/٧١١، وقال: "هذا الرجل يقال له: ذوالخويصرة، كذلك ذكره أبوسعيد الخدري في مسنده".

(٥) عمدة القاري: ١٥/٦٢، ومثله عند الحافظ في الفتح: ١٢/٢٩٢، كتاب استتابة المرتدين، رقم (٦٩٣٣).

شقیت کے معنی

لفظ شقیت میں دو احتمال ہیں، متکلم کا صیغہ ہو یا مخاطب کا۔ تاہم اکثر حضرات نے تائے مضمومہ کے ساتھ، متکلم کا صیغہ نقل کیا ہے، اس کے معنی واضح ہیں کہ اگر عدل سے کام نہ لوں تو میں شقی ہو جاؤں گا۔

یہاں یہ واضح رہے کہ شرط کے ساتھ یہ لازم نہیں کہ وہ واقع بھی ہو، کیونکہ نبی علیہ السلام ان میں سے ہرگز ہرگز نہیں، جو عدل نہ کریں کہ ان کو شقاوت لازم ہو، بلکہ آپ تو عادل ہیں، اس لیے شقی نہیں ہو سکتے (۱)۔

دوسری طرف قاضی عیاض تاء کو مفتوح یعنی خطاب کا صیغہ کہتے ہیں، اسی کو علامہ نووی اور ابن الجوزی ترجیح دیتے ہیں، نیز اسماعیلی نے اپنی ایک روایت، جو وہ اپنے شیخ المنیعی سے نقل کرتے ہیں، میں عثمان بن عمر عن قرۃ (رحمہم اللہ) کے طریق سے مفتوح ہی نقل کیا ہے (۲)۔

اس صورت ثانیہ میں اس جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ تم تو گمراہ ہو گئے کہ ایسے شخص کی اقتدا (اپنے زعم میں) کر رہے ہو جو عادل نہیں ہے، ظاہر ہے کہ ظالم کا مقتدی و متبع بھی ظالم ہی ہوتا ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہوگا کہ تم تو گمراہ و بدبخت ہو گئے کہ اپنے نبی کے بارے میں تم اس قسم کا اعتقاد رکھتے ہو، جو کوئی مسلمان نہیں رکھ سکتا۔ تم تو اسلام سے نکل گئے، ظاہر ہے کہ جو اس سے نکل گیا وہ شقی و بدبخت ہی ہوا (۳)۔ واللہ اعلم

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ بظاہر کوئی مطابقت نہیں ہے، تاہم یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ فيء، انفال، غنائم، اور اخماس میں نبی علیہ السلام کو تصرف کا حق حاصل تھا اور حدیث میں تقسیم غنائم کا ذکر ہے، جب کہ ترجمۃ الباب میں اس پر دلالت موجود ہے، اس طرح مطابقت کچھ کچھ تو ہو جائے گی، لیکن یہ تکلف

(۱) فتح الباري: ۲۴۳/۶، وعمدة القاري: ۶۲/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۱۸/۵، وكشف المشكل من حديث الصحيحين: ۷۱۱/۱.

(۲) حواله جات بالا، وانظر أخبار مكة للفاكهي: ۶۳/۵، رقم (۲۸۴۳)، ذكر مسجد الجعرانة وما جاء فيه.

(۳) حواله جات بالا، غير أخبار مكة......، والكوثر الجاري: ۱۱۹/۶.

وتعسف سے خالی نہیں۔هذا ماقاله العيني(١).

علامہ کورانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ترجمہ کے ساتھ حدیث کی مطابقت اس آدمی کے قول "اعدل" میں ہے، کیوں کہ جب ذوالخویصرہ نے دیکھا کہ آپ مولفۃ القلوب کو بہت زیادہ مال دے رہے ہیں تو اس کو اعتراض ہوا اور مؤلفۃ القلوب کو دیا جانے والا مال خمس سے تھا(٢)۔ترجمہ میں تو خمس کا ذکر صراحۃً موجود ہے، تو مطابقت پائی گئی۔ واللہ اعلم بالصواب

١٦ - باب : ما مَنَّ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى الْأُسَارَى مِنْ غَيْرِ أَنْ يُخَمَّسَ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی وہی بات دہرا رہے ہیں کہ امام وقت کو غنیمت میں کلی اختیار حاصل ہے، وہ غنیمت میں ہر طرح کا تصرف کرسکتا ہے، اگر تخمیس سے پہلے دے تو بھی ٹھیک ہے اور تخمیس کے بعد دے تو بھی درست ہے(٣)۔ كيفما رأت مصلحته.

وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی علیہ السلام قیدیوں پر کبھی تو اصل غنیمت کے ذریعے احسان کرتے تھے اور کبھی خمس کے ساتھ، جس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ آپ علیہ السلام کو اصل غنیمت میں بھی اختیار کلی حاصل تھا، ترجمۃ الباب میں "من غير أن يخمس" سے مراد اصل غنیمت ہے اور تخمیس کا بغیر احسان کرنے کے معنی ہیں بلا فدیہ لیے چھوڑ دینا(٤)، کیوں کہ اس وقت تک خمس کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، خمس کا حکم بدر کے بعد آیا ہے، حسب القول المشهور.

---

(١) عمدة القاري: ٦١/١٥.

(٢) الكوثر الجاري: ١١٩/٦، ومثله قال السهارنفوري رحمه الله في "الأبواب والتراجم": فيقول: "والأوجه عند هذا العبد الضعيف أن النبي صلى الله عليه وسلم لما أعطى بعضهم أزيد من بعض، حمله المعترض على خلاف العدل، كما عند مسلم (رقم ٢٤٤٩)؛ فإنه أخرج الحديث أتم مما في البخاري، وكان تصرفه صلى الله عليه وسلم ذلك من الخمس، فطابق الحديث الترجمة". الأبواب والتراجم: ٢٠٧/١.

(٣) عمدة القاري: ٦٢/١٥، وفتح الباري: ٢٤٣/٦.

(٤) حواله جات بالا.

جب کہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی السلام کے لیے یہ بات بالکل درست نہیں کہ کسی ایسے امر یا ایسی چیز کی بابت کچھ بتلائیں جو اگر حقیقۃً واقع ہو جائے تو جائز نہ ہو، یعنی جائز فعل کے بارے میں ہی آپ بتلائیں گے، ایسا نہیں ہو سکتا کہ نبی علیہ السلام کی بیان کردہ کوئی چیز وقوع سے پہلے تو جائز ہو اور وقوع کے بعد ناجائز، اس سے ثابت ہوا کہ امام کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ قیدیوں کو فدیہ لیے بغیر چھوڑ دے(۱)۔ یہ فعل اگر جائز نہ ہوتا تو آپ علیہ السلام ہرگز مطعم بن عدی کی حیات کی تمنا نہ کرتے، جائز تھا اسی لیے تو تمنا کی کہ اگر وہ سفارش کرتا تو میں ان کو فدیہ لیے بغیر چھوڑ دیتا۔

غانمین غنیمت کے مالک کب ہوتے ہیں؟

اسی حدیث سے یہ مسئلہ بھی مستنبط ہوا کہ غانمین غنیمت کے مالک اس وقت ہوتے ہیں جب مال تقسیم کے بعد ان کے ہاتھ میں آ جائے۔ یہی مالکیہ اور حنفیہ کا مذہب ہے۔ جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ نفس غنیمت کے حصول سے ہی وہ مالک بن جاتے ہیں (۲)۔

۲۹۷۰ : حدّثنا إسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ : أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرٍ ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ(۳): أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قالَ في أُسَارَى بَدْرٍ : (لَوْ كانَ الْمُطْعِمُ بْنُ عَدِيٍّ حَيًّا ، ثُمَّ كَلَّمَنِي في هٰؤُلَاءِ النَّتْنَى ، لَتَرَكْتُهُمْ لَهُ) . [۳۷۹۹]

تراجم رجال

۱- إسحاق بن منصور

یہ ابو یعقوب اسحاق بن منصور کوسج رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲- عبدالرزاق

یہ صاحب مصنّف، امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں کے حالات کتاب

---

(۱) شرح ابن بطال: ۳۰۴/۵، وفتح الباري: ۲۴۳/۶.

(۲) فتح الباري: ۲۴۳/۶، وعمدة القاري: ۶۲/۱۵-۶۳.

(۳) قوله: "عن أبيه رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب المغازي، باب (بلا ترجمة) بعد باب شهود ......، رقم (۴۰۲۴)، وأبوداود، كتاب الجهاد، باب في المن على الأسير بغير فداء، رقم (۲۶۸۹).

الإيمان، "باب حسن إسلام المرء......" کے تحت گزر چکے(۱)۔

٣- معمر

یہ معمر بن راشد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ بدء الوحي کی "الحدیث الخامس" کے تحت آچکا ہے(۲)۔

٤- الزهري

یہ ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات اجمالاً "بدء الوحي" کے تحت بیان کیے جا چکے(۳)۔

٥- محمد بن جبير

یہ محمد بن جبیر بن مطعم بن عدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۴)۔

٦- أبيه

یہ مشہور صحابی حضرت جبیر بن مطعم قرشی رضی اللہ عنہ ہیں(۵)۔

أن النبي ﷺ قال في أسارى بدر: لو كان المطعم بن عدي حيا، ثم كلمني في هؤلاء النتنى لتركتهم له

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کے متعلق یہ فرمایا کہ اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا، پھر میرے سامنے ان بدبودار لوگوں کی سفارش کرتا تو میں اس کی خاطر ان سب کو چھوڑ دیتا۔

---

(١) كشف الباري: ٢/٤٢٠-٤٢١.

(٢) كشف الباري: ١/٤٦٥.

(٣) كشف الباري: ١/٣٢٦، الحديث الثالث.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الأذان، باب الجهر في المغرب.

(٥) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الغسل، باب من أفاض على رأسه ثلاثاً.

مطعم بن عدی کی تخصیص کی وجہ

یہ صاحب مکہ کے روساء میں سے تھے اور حالتِ شرک میں ہی ان کا انتقال ہوا تھا، لیکن ان کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دو احسانات تھے، ایک تو یہ کہ نبی علیہ السلام جب طائف دعوت کے لیے گئے اور واپس آئے تو اس وقت مطعم ہی نے آپ کو پناہ دی تھی۔

دوسرا احسان یہ تھا کہ مشرکینِ مکہ نے جب بنو ہاشم و بنو مطلب کا مقاطعہ کیا تھا تو اس مقاطعے کو ختم کروانے میں ان کا بڑا کردار تھا (۱)۔

انہی احسانات کو سامنے رکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا جملہ ارشاد فرمایا۔

النتنی یہ جمع ہے، اس کا مفرد نَتِنٌ ونَتِيْنٌ ہے، جیسا کہ زَمِنٌ کی جمع زَمْنیٰ اور جَرِيْحٌ کی جمع جَرْحیٰ ہے، یہ بدبودار کے معنی میں ہے اور اسارائے بدر مراد ہیں (۲)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت بایں معنی ہے کہ نبی علیہ السلام اس خواہش کا اظہار کررہے ہیں کہ اگر ایسا ہوتا تو میں ایسا کرتا، ظاہر ہے کہ وہ مذکورہ خواہش اگر جائز نہ ہوتی تو اس کا اظہار کیوں کیا جاتا؟ معلوم ہوا کہ امام غنائم میں تصرف کلی رکھتا ہے، خمس نکالے بغیر بھی غنیمت میں تصرف کرسکتا ہے (۳)۔

واللہ اعلم بالصواب
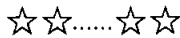
☆☆......☆☆

---

(۱) عمدة القاري: ١٥/٦٢، وكشف الباري، كتاب المغازي: ١٧٢.

(٢) العمدة: ١٥/٦٢، والفتح الباري: ٦/٢٤٤، وأعلام الحديث للخطابي: ٢/١٤٥٥، والكوثر الجاري: ٦/١٢٠.

(٣) عمدة القاري: ١٥/٦٢، وشرح ابن بطال: ٥/٣٠٤.

قال الكوراني رحمه الله (الكوثر الجاري: ٦/١٢٠): "فإن قلت: ليس في الباب دلالة على أنه منَّ على أحد من غير أن يخمس؟

قلت: قوله: "لو كان مطعم حيا، وكلمني فيهم لتركتهم له" كاف في الدلالة".

١٧ – باب : وَمِنَ ٱلدَّلِيلِ عَلَى أَنَّ الخُمُسَ لِلْإِمامِ ، وَأَنَّهُ يُعْطِي بَعْضَ قَرَابَتِهِ دُونَ بَعْضٍ : ما قَسَمَ النَّبِيُّ ﷺ لِبَنِي المُطَّلِبِ وَبَنِي هَاشِمٍ مِنْ خُمُسِ خَيْبَرَ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہ ایک اور باب ہے، سابق میں اس طرح کے کئی ابواب گزر چکے ہیں، یہاں بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ فرمارہے ہیں کہ امام وحاکم خمس کے معاملے میں تصرف کلی رکھتے ہیں، جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں، اپنے بعض رشتے داروں کو دیں اور بعض کو محروم رکھیں (۱)۔

پیچھے باب "ومن الدليل على أن الخمس لنوائب رسول الله، صلى الله عليه وسلم......" میں مذاہب کی تفصیل گزر چکی ہے، اس میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ احناف کے نزدیک ذوی القربی کا حق اب ساقط ہوگیا ہے۔ جب کہ امام مالک ان کو مصرف خمس تو مانتے ہیں، تاہم مستحق خمس نہیں۔ وہیں یہ بھی ذکر کیا گیا تھا کہ امام بخاری ان مسائل میں امام مالک کے ہم نوا ہیں، زیر نظر باب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، چناں چہ مصنف کی رائے کے مطابق ذوی القربی مستحق نہیں ہیں، صرف مصرف ہیں، دیگر مصارف خمس کی طرح، امام کو اختیار ہے جہاں چاہے خرچ کرے، ذوی القربی کو دے یا نہ دے، گویا یہ باب ذوی القربی سے متعلق ہے۔ مزید تفصیل کے لیے محولہ باب دوبارہ دیکھ لیا جائے۔

یہ تو امام بخاری کا دعویٰ ہے اور دلیل میں انہوں نے ایک تو حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قول نقل کیا ہے، دوسری حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے۔

ترجمۃ الباب کے الفاظ میں تقدیم وتاخیر ہے، چنانچہ "ومن الدليل ...... دون بعض" تک خبر مقدم ہے اور "ما قسم النبي إلى آخره" مبتدائے موخر ہے (۲)۔

بنی المطلب سے مراد المطلب بن عبد مناف ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے چچا ہیں، یہ چار بھائی تھے، مطلب، ہاشم، نوفل اور عبد شمس، ان سب کے والد عبد مناف ہیں (۳)۔

---

(١) عمدة القاري: ٦٣/١٥، والكوثر الجاري: ١٢١/٦، والأبواب والتراجم: ٢٠٧/١.

(٢) عمدة القاري: ٦٣/١٥.

(٣) حواله بالا، وسيرة ابن هشام: ١٠٦/١، أولاد عبد مناف وأمهاتهم، مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

قالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ : لَمْ يَعُمَّهُمْ بِذٰلِكَ ، وَلَمْ يَخُصَّ قَرِيبًا دُونَ مَنْ هُوَ أَحْوَجُ إِلَيْهِ ، وَإِنْ كانَ الَّذِي أَعْطَى لِمَا يَشْكُو إِلَيْهِ مِنَ الحَاجَةِ ، وَلِمَا مَسَّهُمْ في جَنْبِهِ ، مِنْ قَوْمِهِمْ وَحُلَفَائِهِمْ .

تعلیق مذکور کی لغوی ونحوی تحلیل

اس تعلیق کو سمجھنے سے قبل اس کی لغوی ونحوی تحلیل دیکھ لیجیے۔

لم يعم میں ضمیر فاعل نبی علیہ السلام اور ضمیر مفعول "هم" قریش کی طرف لوٹ رہی ہے، جو آپ علیہ السلام کے اقارب ہیں۔

بذلك سے مراد بما قسمه یعنی تقسیم غنیمت ہے، یا إعطاء الخمس ہے، ثانی الذکر راجح ہے، کیوں کہ بحث خمس کی چل رہی ہے۔

دون من أحوج إليه میں موصول کا عائد یعنی "هو" محذوف ہے، اصل عبارت یوں ہونی چاہیے تھی: "دون من هو أحوج إليه" ابن مالک کہتے ہیں کہ ایسا بہت قلیل ہوتا ہے کہ موصول کا عائد محذوف ہو، چنانچہ آیت قرآنی ﴿تماما على الذي أحسن﴾(۱) میں ایک قرات یحییٰ بن یعمر کی ہے، وہ اَحْسَنُ کو بضم النون روایت کرتے ہیں، اس کو ضعیف اسی بنیاد پر قرار دیا گیا ہے کہ اس میں حذف العائد پایا جاتا ہے، یعنی اصل عبارت یہ ہے: "تماما على الذي هو أحسن".

مزید فرماتے ہیں کہ اگر کلام طویل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس کی دلیل آیت قرآنی: ﴿وهو الذی في السماء إله وفي الأرض إله﴾(۲) ہے، اس میں بھی حذف عائد پایا جاتا ہے کہ اصل عبارت یہ ہونی چاہیے: "وفي الأرض هو إله" تاہم یہ مضر نہیں کہ کلام طویل ہے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض نسخوں میں "دون من هو أحوج إليه" مذکور ہے، اس صورت میں اس سارے تکلف کی ضرورت نہیں۔

اور "أحوج" أحوجه إليه غيره سے ہے، احتاج یعنی محتاج ہونے کے معنی میں ہے۔

أعطى کو اکثر حضرات نے معروف قرار دیا ہے، اس صورت میں ضمیر نبی علیہ السلام کی طرف راجع

---

(۱) الأنعام: ۱٥٤.

(۲) الزخرف: ۸٤.

ہوگی۔ جب کہ علامہ عینی اسے مجہول قرار دیتے ہیں اور اس کے معنی یہ بیان کرتے ہیں: "وإن كان الذي أُعْطِيَ أبعد قرابة ممن لم يعطَ" یہاں خبر کان محذوف ہے، یعنی ممن لم يعط.

"لِمَا يشكو......" جملہ تعلیل ہے، کہ دور کے رشتے دار کو دینے کی علت بیان ہو رہی ہے۔

"ولِمَا مستهم" یہ پہلے والے لما پر عطف ہے اور دونوں جگہ لما لام مکسورہ کے ساتھ ہے، یہ لما، میم مشددہ کے ساتھ نہیں ہے۔

"جنبہ" یہ جانب کے معنی میں ہے، یعنی طرف اور جہت۔

"حُلفاء هم" حاء مہملہ کے ساتھ حلیف کی جمع ہے۔ اور اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قریش مکہ اور ان کے حلیفوں کی طرف سے جو اذیتیں وغیرہ دی گئی تھیں ان کی طرف اشارہ ہے(۱)۔

تعلیق مذکور کا مطلب

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اس تعلیق کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوی القربی (قریش) میں سے سب کو نہیں دیا، نہ ہی یہ کیا کہ جو زیادہ محتاج ہے اس کی احتیاج کو نظر انداز کر کے قریب کو دیا، بلکہ اس کے برعکس کیا کہ ایک قریب ہے، زیادہ محتاج نہیں، دوسرا بعید ہے، لیکن زیادہ محتاج ہے تو جو زیادہ محتاج ہے اور قریب وہ نہیں اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا اور قریب غیر محتاج کو نہیں دیا۔

اور اس دینے میں دو چیزوں کی رعایت رکھی، جن کا بیان "لما يشكو...... إلى آخره" میں ہے، ایک احتیاج وضرورت، دوسری چیز حمایت ونصرت کہ ابتدائے اسلام میں جب مسلمانوں پر غموں کے پہاڑ توڑے جارہے تھے، اس وقت یہ لوگ ظلم وستم کے مقابلے میں ڈٹے رہے اور اللہ اور اس کے رسول کی نصرت واعانت کرتے رہے(۲)۔

تعلیق مذکور کا مقصد

اس تعلیق کا مقصد اوپر کی تقریر سے واضح ہو چکا ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ مال خمس کو جہاں مرضی صَرف کرے، اس میں کسی کی تخصیص نہیں ہے، یہی امام مالک کا مذہب ہے، جس کو امام بخاری نے اختیار کیا ہے۔

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۶۳، وفتح الباري: ۶/۲۴۴، وإرشاد الساري: ۵/۲۱۹، وشرح ابن بطال: ۵/۳۰۶.

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۶۳، وفتح الباري: ۶/۲۴۴، وشرح القسطلاني: ۵/۲۱۹.

تعلیق کی ترجمہ سے مناسبت

اس تعلیق کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اب بالکل واضح ہوگئی ہے، امام بخاری نے تصرف کلی کا جو دعویٰ کیا تھا، اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا ارشاد واضح طور پر دلالت کررہا ہے۔

اس تعلیق سے ضمناً احناف کا مذہب بھی ثابت ہورہا ہے، وہ یہ فرماتے ہیں کہ ذوی القربیٰ سہم کے مستحق احتیاج ونصرت کی بنا پر ہوں گے، انہی دونوں کو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے "لما يشكو...... إلى آخره" میں بیان کیا ہے۔ تفصیل سابق میں گزرچکی ہے(۱)۔

تعلیق مذکور کی تخریج

اس تعلیق کو ابوزید عمر بن شبہ نے اپنی کتاب اخبار المدینہ میں موصولاً ومطولاً نقل کیا ہے، اس میں یہ ایک خط کی شکل میں ہے، جو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قریشی کو لکھا تھا، اس کے ابتدائی جملے یہ تھے:

"أما بعد! فإن الله تبارك وتعالىٰ أنزل القرآن على محمد، هدى وبصائر لقوم يؤمنون......"(۲).

۲۹۷۱ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ ، عَنْ عُقَيْلٍ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنِ ٱبْنِ الْمُسَيَّبِ ، عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ[۳] قالَ : مَشَيْتُ أَنَا وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ إِلَى رَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، فَقُلْنَا : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، أَعْطَيْتَ بَنِي الْمُطَّلِبِ وَتَرَكْتَنَا ، وَنَحْنُ وَهُمْ مِنْكَ بِمَنْزِلَةٍ وَاحِدَةٍ ؟ فَقَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (إِنَّمَا بَنُو الْمُطَّلِبِ وَبَنُو هَاشِمٍ شَيْءٌ وَاحِدٌ) .

---

(۱) دیکھیے، باب ومن الدليل على أن الخمس لنوائب رسول الله صلى الله عليه وسلم ......، باب رقم (٦).

(۲) تغليق التعليق: ٣/٤٧٨، وكتاب أخبار المدينة: ١/١٣٢، خصومة علي والعباس إلى عمر -رضي الله عنهم-، رقم (٥٧٧).

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے حالات کے لیے دیکھیے، كشف الباري: ١/٦٢٣.

(۳) قوله: "عن جبير......" الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب المناقب، باب مناقب قريش، رقم (٣٥٠٢)، وكتاب المغازي، باب غزوة خيبر، رقم (٤٢٢٩)، وأبوداود، كتاب الخراج والإمارة......، باب بيان مواضع قسم الخمس، ...... رقم (٢٩٧٨-٢٩٨٠)، والنسائي، كتاب قسم الفيء، رقم (٤١٤١-٤١٤٢)، وابن ماجه، كتاب الجهاد، باب قسمة الخمس، رقم (٢٨٨١).

تراجم رجال

۱- عبدالله بن يوسف

یہ عبداللہ بن یوسف تنیسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات اجمالاً بدء الوحي کی "الحديث الثاني" کے تحت گزر چکے(۱)۔

۲- الليث، ۳-عقيل، ٤-ابن شهاب

ان تینوں حضرات کے حالات "بدء الوحي" کی "الحديث الثالث" کے تحت آچکے(۲)۔

٥- ابن المسيب

یہ مشہور تابعی محدث حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإيمان، "باب من قال: إن الإيمان هو العمل" کے ضمن میں گزر چکا ہے(۳)۔

٦- جبير بن مطعم

یہ حضرت جبیر بن مطعم بن عدی رضی اللہ عنہ ہیں(۴)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے بنو المطلب کو تو نوازا، لیکن ہمیں محروم رکھا، جب کہ ہم اور وہ ایک منزلت کے حامل ہیں؟ جواباً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنو المطلب اور بنو ہاشم تو ایک ہی چیز ہیں۔

---

(۱) كشف الباري: ۱/۲۸۹.

(۲) كشف الباري: ۱/۳۲٤-۳۲٦.

(۳) كشف الباري: ۲/۱٥۹.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الغسل، باب من أفاض على رأسه ثلاثاً.

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقتِ حدیث

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت پیچھے جو تفصیل گزری، اس کی روشنی میں بالکل واضح اور ظاہر ہے۔

تنبیہ

اس حدیث کی شرح پیچھے کتاب الخمس ہی میں "باب ومن الدليل على أن الخمس لنوائب رسول الله......" اور کتاب المغازی (۱) میں گزر چکی ہے، تاہم یہاں ہم بعض فوائد کو ذکر کریں گے۔

شيء واحد میں نسخوں اور روایات کا اختلاف

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث ہم سے حسن بن صالح نے روایت کی ہے اور انہوں نے ابن المنذر سے، اس میں "سِيء واحد" آیا ہے، یعنی سین مہملہ کے کسرہ اور یاء کی تشدید کے ساتھ، جس کے معنی مثل کے ہیں (۲)۔

حافظ فرماتے ہیں کہ میرے پاس بخاری کا جو اصل نسخہ ہے، اس میں کشمیہنی کی روایت میں حدیثِ باب، مغازی میں مستملی کی روایت اور مناقب قریش میں مستملی اور حموی کی روایت میں سي -بكسر السين المهملة وتشديد التحتانية- ہی ہے، ابن معین رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی طرح سین مہملہ کے ساتھ روایت کرتے تھے اور خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی روایت کو اجود کہا ہے (۳)۔

تاہم اکثر حضرات نے اس لفظ کو شین معجمہ کے ساتھ نقل کیا ہے، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بخاری شریف میں تو ہم تک یہی روایت بغیر کسی اختلاف کے پہنچی ہے، لیکن بخاری کے علاوہ میں سی والی روایت ہے اور اکثر کی نقل کردہ روایت ہی درست اور صواب ہے، اس کی واضح دلیل حدیث کے یہ الفاظ ہیں،

---

(۱) كشف الباري، كتاب المغازي: ٤٤٤.

(۲) تلخيص الحبير، كتاب قسم الفيء والغنيمة: ۳/۱۰۱، رقم (۱۳۸۷)، وكشف المشكل: ٤/٤٧، من مسند جبير بن مطعم، رقم (٢٨٥٦).

(۳) فتح الباري: ٦/٢٤٥، وعمدة القاري: ١٥/٦٤.

"وشبك بين أصابعه"(۱) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشبیک بین الأصابع کی ہے، کہ جس طرح یہ انگلیاں آپس میں باہم ملی ہوئی ہیں، اسی طرح بنو ہاشم اور بنوالمطلب بھی آپس میں ایک ہیں۔ چوں کہ یہاں مقصود مساوات کا بیان کرنا ہے، مماثلت کا نہیں اور نبی علیہ السلام یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہم اور بنوالمطلب ایک ہی ہیں اور مساوی ہیں (۲)۔

واحد یا أحد

پھر یہ سمجھئے کہ اکثر روایات میں واحد ہے، مگر ابوزید مروزی کی روایت میں شيء أحد آیا ہے، تو بعض نے کہا کہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں (۳)۔

قَالَ اللَّيْثُ : حَدَّثَنِي يُونُسُ ، وَزَادَ : قَالَ جُبَيْرٌ : وَلَمْ يَقْسِمِ النَّبِيُّ ﷺ لِبَنِي عَبْدِ شَمْسٍ وَلَا لِبَنِي نَوْفَلٍ . وَقَالَ ٱبْنُ إِسْحٰقَ : عَبْدُ شَمْسٍ وَهَاشِمٌ وَالْمُطَّلِبُ إِخْوَةٌ لِأُمٍّ . وَأُمُّهُمْ عَاتِكَةُ بِنْتُ مُرَّةَ . وَكَانَ نَوْفَلٌ أَخَاهُمْ لِأَبِيهِمْ . [۳۳۱۱ ، ۳۹۸۹]

لیث بن سعد کہتے ہیں کہ یہی حدیث مجھے یونس بن یزید ایلی نے بھی روایت کی ہے، انہوں نے اپنی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے بنوعبد شمس اور بنونوفل کو خمس میں سے نہیں دیا تھا......۔

تعلیق مذکور کی تخریج

اس تعلیق کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے موصولاً ومسنداً کتاب المغازی (۴) میں ذکر کیا ہے، یحییٰ بن بکیر کے طریق سے (۵)۔

تاہم حافظ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن یوسف عن اللیث کے طریق سے بھی یہ روایت میرے پاس ہے،

---

(۱) یہ الفاظ ابوداوٗد کی روایت کے ہیں، دیکھیے، كتاب الخراج ......، باب بيان مواضع قسم الخمس، رقم (۲۹۸۰)

(۲) فتح الباري: ٦/٢٤٥، وعمدة القاري: ١٥/٦٤.

(۳) حواله جات بالا.

(٤) كتاب المغازي، باب غروة خيبر، رقم (٤٢٢٩).

(٥) فتح الباري: ٦/٢٤٥، وعمدة القاري: ١٥/٦٤، وإرشاد الساري: ٥/٣١٩.

اس طرح یہ روایت موصول ہوگی، معلق نہیں(۱)، لیکن معلق ہونا زیادہ راجح ہے، کیوں کہ حافظ نے خود بھی اس روایت کو اپنی کتاب تغلیق التعلیق میں تعلیقات میں شمار کیا ہے(۲)۔

تعلیق مذکور کا مقصد

اس کا مقصد واضح ہے، جو لفظ ''وزاد'' میں موجود ہے، کہ لیث نے یونس بن یزید(۳) سے بھی یہ روایت لی ہے، اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ حضرت جبیر بن مطعم (ان کا تعلق بنونوفل سے تھا) وحضرت عثمان بن عفان (ان کا تعلق بنوعبد شمس سے تھا) رضی اللہ عنہما دونوں کی گزارش کے باوجود انہیں کچھ بھی نہیں دیا، جیسا کہ مغازی کی روایت میں ''شیئاً'' کے الفاظ بھی ہیں۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ تعلیق کی مناسبت

یہاں مناسبت واضح ہے کہ ان دونوں حضرات کی گزارش کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خمس میں سے کچھ بھی نہیں دیا، جو یہ بات ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ ان امور میں اصل تصرف امام ہے، وہ جس طرح اور جہاں چاہے صَرف کرے، اس پر کوئی قدغن نہیں۔ واللہ اعلم

وقال ابن اسحاق: عبد شمس وهاشم والمطلب إخوة لأم، وأمهم عاتكة بنت مرة، وكان نوفل أخاهم لأبيهم

اور ابن اسحاق کہتے ہیں کہ عبدشمس، ہاشم اور مطلب ماں شریک بھائی تھے، ان کی والدہ عاتکہ بنت مرہ ہیں۔ اور نوفل ان سب کے باپ شریک بھائی تھے، یعنی ان کی ماں دوسری تھی۔

عبد مناف کی دو بیویوں سے چار نرینہ اولاد تھیں، جن میں سے تین کی ماں تو عاتکہ بنت مرۃ بن ہلال تھیں، ان کا تعلق بنوسلیم سے تھا۔

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٤٥.

(۲) تغليق التعليق: ٣/٤٧٩.

(۳) یونس بن یزید ایلی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات اجمالاً بدء الوحي: (١/٤٦٣) اور مفصلاً كتاب العلم، "باب من يرد الله به خيرا......" (٣/٢٨٢) کے تحت گزر چکے ہیں۔

جب کہ نوفل کی والدہ واقدہ بنت عمرو ہیں (۱)۔ ان کا تعلق بنو مازن سے تھا (۲)۔

امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ ہاشم اور عبد شمس دونوں جڑواں تھے، ولادت کے وقت ہاشم پہلے پیدا ہوئے، لیکن ان کی ایک ٹانگ عبد شمس کے سر کے ساتھ جڑی رہی، الگ کرنے کی کوشش میں دونوں اعضاء (پاؤں اور سر) سے خون بہہ پڑا، اسی وقت لوگوں نے یہ بدشگونی لی کہ ان دونوں کی اولاد میں جنگیں ہوں گی، آگے جا کر ہوا بھی یہی، چنانچہ ایک سو تینتیس/۱۳۳ ہجری میں بنو العباس اور بنو امیہ بن عبد شمس کے درمیان کئی معرکے ہوئے (۳)۔

علاوہ ازیں زبیر بن بکار نے ''نسب'' میں لکھا ہے کہ لوگ ہاشم ومطلب کو ان کی خوب صورتی وجمال کی وجہ سے بدران اور عبد شمس ونوفل کو ابہران کہتے تھے۔ اس میں اس بات کی دلالت ہے کہ ان دونوں میں ایک خاص قسم کا تعلق ومحبت تھی، جو بعد میں ان کی اولاد میں بھی جاری وساری رہی، اسی لیے جب قبائل قریش نے متفق ہو کر بنو ہاشم کا مقاطعہ کیا اور شعب ابی طالب میں انہیں پناہ لینی پڑی تو اس وقت بنو المطلب بھی بنو ہاشم کے ساتھ شعب ابی طالب میں داخل ہوئے، جب کہ بنو عبد شمس اور بنو نوفل قریش کے ساتھ ان کا مقاطعہ کرنے والوں میں شامل رہے اور گھاٹی میں داخل نہیں ہوئے (۴)۔

اس گھاٹی میں دونوں قبائل کے جو لوگ داخل ہوئے، ان میں دونوں قسم کے لوگ تھے، مسلمان اور مشرک۔ مسلمان تو اس لیے داخل ہوئے کہ ان کا جینا مرنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو اللہ ورسول کی اطاعت میں یہ حضرات وہاں محصور رہے۔ اور کفار قبائلی حمیت وغیرت اور ابو طالب کی اطاعت میں وہاں محصور رہے۔

اسی پر ابو طالب نے ایک مشہور قصیدہ کہا ہے، جو ''لامیہ'' سے معروف ہے، اس میں انہوں نے بنو نوفل وبنو عبد شمس کی مذمت بیان کی ہے، یہ قصیدہ ایک سو دس ابیات پر مشتمل ہے، جن میں سے صرف چار ابیات ذیل

---

(۱) سيرة ابن هشام: ۱/۱۰٦، أولاد عبد مناف وأمهاتهم.

(۲) حواله بالا، وفتح الباري: ٦/٢٤٥، وعمدة القاري: ١٥/٦٤.

(۳) عمدة القاري: ١٥/٦٤، وتاريخ ابن جرير: ١/٥٠٤، ذكر نسب رسول الله ﷺ، ابن هاشم.

(٤) فتح الباري: ٦/٢٤٥، والكامل في التاريخ: ١/٥٥٤، نسب رسول الله ﷺ وذكر أخبار آبائه......

میں ہم درج کرتے ہیں:

جـزى الله عنـا عبد شمـس ونوفلا عـقـوبة شـر عـاجـل غيـر آجـل

بـميـزان قسـط لا يـفيـض شعيـرة لـه شـاهـد من نفسـه حق عـادل

لـقـد سـفهـت أخـلاق قـوم تبـدلـوا بـنـي خـلف قيـضاً بنـا والـغيـاطـل

ونـحـن الـصميم من ذؤابة هـاشـم وآل قـصـي فـي الـخـطوب الأوائل(١)

تعلیق کا مقصد

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا یہ سب نسب میں بالکل برابر ہیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ کو عطا فرمایا اور کچھ کو عطا نہیں فرمایا، جو اس بات کی دلیل ہے، کہ علت إعطاء قرابت نہیں ہے، اسی پر تنبیہ کے لیے امام بخاری نے یہ تعلیق ذکر کی ہے(☆)۔

تعلیق مذکور کی تخریج

امام محمد بن اسحاق، صاحب المغازی کی اس تعلیق کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ کبیر وصغیر دونوں میں اسماعیل بن ابی اویس کے طریق سے موصولاً نقل کیا ہے(۲)۔

علاوہ ازیں ابن جریر اور زبیر بن بکار نے بھی اس تعلیق کو ذکر کیا ہے(۳)۔

---

(١) عمدة القاري: ١٥/٦٥، وذكر أوله في زاد المعاد: ٣/٣٠، فصل (إسلام حمزة......)، وكامله في سيرة ابن هشام: ١/٢٧٢-٢٨٠، شعر أبي طالب في استعطاف قريش، والروض الأنف: ١/١٧٤-١٧٩، فصل في ذكر قصيدة لامية أبي طالب......

ترجمہ ابیات

1. اللہ ہماری طرف سے عبد شمس اور نوفل کو برا بدلہ دے، جو جلد ہو اور غیر موخر ہو۔
2. ایسی میزان عدل کے ساتھ، جو ایک جو برابر مقدار بھی نہ چھوڑے، اس پر اسی میں سے کوئی حق گو شاہد عدل ہو۔
3. اس قوم کے اخلاق خراب ہوگئے، جنھوں نے ہمیں چھوڑ کر بنو خلف بن جمح اور غیاطل (بنو سہم) کو اپنایا۔
4. ہم ہاشم وآل قصی کی نسل کے خالص النسب لوگ ہیں، پچھلے زمانوں کے حوادث میں۔

(☆) لامع الدراري: ٧/٣١١.

(٢) فتح الباري: ٦/٢٤٥، وتغليق التعليق: ٣/٤٧٩، والتاريخ الكبير: ١/٤، والتاريخ الصغير: ١/٦.

(٣) عمدة القاري: ١٥/٦٤، وتاريخ ابن جرير: ١/٥٠٤.

١٨ - باب : مَنْ لَمْ يُخَمِّسِ الْأَسْلَابَ ، وَمَنْ قَتَلَ قَتِيلاً فَلَهُ سَلَبُهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُخَمِّسَ . وَحُكْمِ الْإِمَامِ فِيهِ .

اسلاب لغوی واصطلاحی

اسلاب جمع ہے سلب کی، سلب سین اور لام مفتوحہ کے ساتھ مصدر بمعنی مسلوب ہے، اس میں ایک لغت بسکون اللام بھی ہے، اس کے معنی ہیں، زبردستی چھینا ہوا کہ سلبہ کے معنی چھیننے کے ہیں (۱)۔

اصطلاحاً: مایوجد مع المحارب من ملبوس وغیرہ، عند الجمهور (۲) کہ مقاتل کے ساتھ جو لباس ہتھیار وغیرہ ہوتا ہے، اس پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

احکام سلب میں بہت سی تفصیلات ہیں، جن کو ترتیب وار ہم ذکر کریں گے۔

حکم تکلیفی (مشروعیتِ سلب)

جمہور فقہائے امت کا موقف یہ ہے کہ کوئی مسلم جنگ جو دورانِ معرکہ کسی مشرک کو آگے بڑھ کر قتل کرے تو جو کچھ مال واسباب اس مشرک کے پاس ہوتا ہے، اس کا یہ مقاتل مسلم مستحق ہوتا ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

تاہم اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا اس کے لیے امام کی اجازت بھی ضروری ہے یا نہیں؟

تو حنفیہ کے علاوہ دوسرے تمام حضرات، سوائے امام مالک کے، یہ کہتے ہیں کہ اس کے لیے امام کی اجازت کی کوئی ضرورت نہیں، امام سلب کی تصریح کرے یا نہ کرے، مقاتل بہرحال اس کا مستحق ہوگا۔

جب کہ حضرات حنفیہ - كثّر الله سوادهم - اس کے لیے امام کی اجازت کو شرط قرار دیتے ہیں، مثلاً یہ کہے کہ غنیمت جمع ہونے سے قبل جو کسی کو قتل کرے گا فلہ سلبہ، بصورت دیگر سلب بھی غنیمت کا حصہ ہوگا، جو غانمین کے درمیان تقسیم ہوگا (۳)۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "أمر السلب موكول للإمام فيرى فيه رأيه......" (٤).

---

(١) فتح الباري: ٢٤٧/٦، وعمدة القاري: ٦٥/١٥، والأوجز: ١٨٥/٩، والموسوعة: ١٧٦/٢٥.

(٢) حوالہ جات بالا، ولسان العرب: ٣١٧/٦، باب السين، مادة: "سلب".

(٣) عمدة القاري: ٦٥/١٥، وحاشية ابن عابدين: ٢٦٠/٣، مطلب في التنفيل، وفتح الباري: ٢٤٨/٦.

(٤) شرح معاني الآثار: ١٤٦/٢-١٥٠، باب الرجل يقتل قتيلا في دار الحرب ......

مالکیہ کا مذہب بھی احناف کے قریب قریب ہے، لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ امام کے لیے یہ مناسب نہیں کہ ابتداءً اس طرح کی کوئی بات یا شرط لگائے، ہاں! جنگ ختم ہونے کے بعد ایسی بات کہی جاسکتی ہے، تاکہ نیت مقاتل میں فساد نہ آئے۔

دراصل مالکیہ سلب کو نفل ہی کا حصہ قرار دیتے ہیں، چناں چہ جو مذہب نفل کے سلسلے میں ان کا گذرا، وہی مذہب ان کا سلب میں بھی ہے(۱)۔

دلائل ائمہ

جمہور کی دلیل اس سلسلے میں ایک تو حدیث معروف ہے کہ "من قتل قتيلا، له عليه بينة، فله سلبه"(۲) اور دوسری دلیل حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا قول ہے، "اللهم ارزقني رجلا شديدا...... حتى أقتله وآخذ سلبه"(۳).

وجہ استدلال یہ ہے کہ یہ احادیث مطلق اور عام ہیں، ان میں کسی قسم کی تقیید نہیں (۴)۔

دلائل احناف

احناف کی ایک دلیل حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، فرماتے ہیں:

---

(۱) المنتقى: ۱۹۱/۳، والأوجز: ۱۹٤/۹، والشرح الكبير للدردير: ۱۹۰/۲.

(۲) رواه البخاري في الباب، وأخرجه الجماعة -غير النسائي- من حديث أبي قتادة رضي الله عنه، انظر جامع الأصول وتعليقاته: ۶۸۷/۲-۶۸۸، وابن ماجه، كتاب الجهاد، باب المبارزة والسلب، رقم (۲۸۳۷).

(۳) هو بعض حديث سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه، أخرجه الحاكم، وكامله:

"...... أن عبدالله بن جحش قال يوم أحد: ألا تأتي ندعو الله؟ فخلوا في ناحية، فدعا سعد، فقال: يا رب، إذا لقينا القوم غدا فلقيني رجلا شديداً بأسه، شديدا حرده، فأقاتله فيك، ويقاتلني، ثم ارزقني عليه الظفر، حتى أقتله وآخذ سلبه. فقام عبدالله بن جحش، ثم قال: اللهم ارزقني غدا رجلا شديدا حرده، شديدا بأسه، أقاتله فيك ويقاتلني، ثم يأخذني؛ فيجدع أنفي وأذني، فإذا لقيتك غدا قلتَ: يا عبدالله، فيم جدع أنفُك وأذنُك؟ فأقول: فيك، وفي رسولك، فيقول: صدقت. قال سعد بن أبي وقاص: يا بني، كانت دعوة عبدالله بن جحش خيرا من دعوتي، لقد رأيته آخر النهار وأن أذنه وأنفه لمعلقان في خيط". انظر: المستدرك: ۸۶/۲، كتاب الجهاد، رقم (۲٤۰۹)، وأخرجه البيهقي أيضاً في الكبرى: ۵۰۲/۶، كتاب قسم الفيء والغنيمة، باب السلب للقاتل، رقم (۱۲۷۶۹).

(٤) المغني: ۱۸۹/۹.

"أن مـدديـا(١) اتبـعهم فقتل علجا، فأخذ خالد بعض سلبه، وأعطاه بعضه، فذكر ذلك لرسول اللهﷺ، فقال: لا ترده عليه يا خالد"(٢).

''ایک مددی بھی ان کے ساتھ ساتھ چلا گیا اور اس نے ایک بہادر کافر کو قتل کیا، تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے سلب کا بعض حصہ خود رکھ لیا اور اور بقیہ حصہ اس آدمی کو دیا۔ اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا تو آپ نے فرمایا، اے خالد! جو کچھ تم نے لیا ہے وہ اس آدمی کو واپس نہ کرو''۔

دوسری دلیل حدیثِ باب ہے، جس میں ابوجہل لعین کے قتل کا قصہ مذکور ہے۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلب معاذ بن جموح رضی اللہ عنہ کو دیا تھا (۳)۔

تیسری دلیل شبر بن علقمہ کا واقعہ ہے، فرماتے ہیں:

"بـارزتُ رجـلا يوم القادسية فقتلتُه، وأخذتُ سلبه، فأتيتُ به سعدا، فـخـطـب سـعـد أصحابه، ثم قال: إن هذا سلب شبر، لهو خير من اثني عشر ألفا، وإنا قد نفلناه إياه"(٤).

وجہ استدلال

یہاں وجہ استدلال واضح ہے، چناں چہ پہلی حدیث میں نبی علیہ السلام نے ان دونوں حضرات کے درمیان فیصلہ فرمایا اور سلب کو دونوں میں تقسیم کیا، اگر اذن امام شرط ہوتا یا قاتل ہی مستحق ہوتا تو اس فیصلے کی ضرورت ہی کیوں پیش آتی؟

---

(۱) جنگ موتہ میں جو لشکر بطور کمک کے آیا تھا، اس کا ایک فرد مراد ہے، مددی بمعنی معین۔ مسلم شریف وغیرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آدمی کا تعلق بنوحمیر سے تھا۔ دیکھیے، مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب استحقاق القاتل سلبَ القتيل، رقم (٤٥٧٠)، وسنن سعيد بن منصور: ٢/٢٦٠، رقم (٢٦٩٧).

(٢) هـذا مـلخص من حديث طويل، رواه أبوداود في كتاب الجهاد، باب في الإمام يمنع القاتل السلب، رقم (٢٧١٩)، وسعيد بن منصور في سننه: ٢/٢٦٠، كتاب الجهاد، باب النفل والسلب ......، رقم (٢٦٩٧).

(۳) دیکھیے، حديث باب، رقم (٣١٤١)، اس دلیل سے متعلق تنبیہ آگے حدیث کی شرح میں آئے گی۔

(٤) رواه سعيد في سننه: ٢/٢٥٨، في كتاب الجهاد، باب النفل والسلب في الغزو......، رقم (٢٦٩٢).

دوسری دلیل میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلب معاذ بن الجموح کو دیا، جب کہ یہ بھی فرمایا کہ "کلا کما قتله" اس طرح تو سلب سب کو ملنا چاہیے تھا، لیکن اس کے برخلاف سلب صرف معاذ بن الجموح کو دیا گیا، ظاہر ہے کہ نبی علیہ السلام نے اپنا اختیار استعمال کیا ہے۔

تیسری دلیل میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ یہ فرما رہے ہیں کہ "وإنا قد نفلناه إياه" جب کہ وہ سلب شبر کا حق ہے تو اس قول کی ضرورت کیوں پڑی کہ ہم نے اس سلب کو اسے بطور نفل کے دے دیا ہے؟(۱)

سلب کا مستحق کون ہوتا ہے؟

اس جزء میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے، چنانچہ جمہور (امام اعظم ابوحنیفہ، شافعی واحمد رحمہم اللہ) کے نزدیک سلب کا مستحق ہر وہ شخص ہوسکتا ہے جو سہم کا مستحق ہو یا رضخ کا مستحق ہو، جیسے غلام، عورت، بچہ، تاجر اور ذمی۔ کیوں کہ حدیث میں عموم ہے "من قتل قتيلاً، له عليه بينة، فله سلبه"(۲).

تاہم شوافع کے نزدیک اس حکم سے ذمی مستثنیٰ ہے، ان کے نزدیک ذمی اگرچہ امام کے اذن سے شریک قتال ہوا ہو، سلب کا مستحق نہیں ہوتا، اجازت کے بغیر تو سب کا اتفاق ہے کہ وہ سلب کا استحقاق نہیں رکھتا (۳)۔

جب کہ مالکیہ کا مذہب استحقاق سلب میں یہ ہے کہ اس کا مستحق وہی ہوتا ہے، جو صرف سہم کا مستحق ہو، چناں چہ ان کے نزدیک صبی، امرأۃ اور ذمی اس استحقاق سلب میں شامل نہیں، تاہم اگر امام ان کو اجازت دے دے یا ان پر جہاد فرض عین ہو جائے تو یہ بھی مستحق ہوں گے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جو سہم کا مستحق نہ ہو اور رضخ کا بھی تو وہ بالاتفاق اس حکم میں داخل نہیں (۴)۔

اپنی جان خطرے میں ڈالے

استحقاق سلب کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ قاتل اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر مقتول کو قتل کرے اور

---

(۱) المغني: ۹/۱۹۲، وأيضاً انظر البناية شرح الهداية: ۷/۱۸۱-۱۸٤، وإعلاء السنن: ۱۲/۲۸۲.

(۲) دیکھیے، حدیث باب، رقم (۳۱٤۲)، ومسلم، كتاب الجهاد، باب استحقاق القاتل......، رقم (٤٥٦۸).

(۳) حاشية ابن عابدين: ۳/۲٦۱، والمغني: ۹/۱۸۹، وفتح القدير: ٥/۲٥۰، فصل في التنفيل، وسبل السلام شرح بلوغ المرام: ٤/٥۲-٥۳.

(٤) المغني: ۹/۱۹۱، والأوجز: ۹/۱۸٥، والموسوعة: ۲٥/۱۷۸، وعمدة القاري: ۱٥/٦۹.

موت کا سامنا کرے، بصورت دیگر مستحق نہیں ہوگا، مثلاً صف سے تیر پھینکے اور وہ کسی کافر کو جا لگے یا کافر قلعہ بند ہو اور کسی کا تیر اس کو قلعے کے اندر جا کر قتل کر دے (۱)۔

مقتول کے قتل کی شرعی اجازت ہو

ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس کافر کو قتل کیا جا رہا ہے، اس کا قتل شرعاً جائز ہو، اس لیے عورت، بچہ، شیخ فانی، پاگل اور راہب وغیرہ کے قتل سے سلب کا مستحق نہیں ہوگا، کیوں کہ ان کے قتل کی شرعاً ممانعت ہے۔ ہاں! اگر ان میں سے کوئی شخص شریک فی القتال ہو تو ایسے شخص کے قتل سے مستحق سلب ہوگا کہ ان کا قتل اب جائز ہو گیا (۲)۔

قتل کر دے یا......

ایک شرط یہ بھی ہے کہ مقتول کو قتل کر دے یا مقتول کے حکم میں کر دے کہ اس کا اس قدر خون بہا دے کہ مسلمان اس کے شر سے محفوظ ہو جائیں اور اس کو بالکل بے دست و پا کر دے، مثلاً اس کی آنکھیں پھوڑ دے، یا اس کی بینائی ختم کر دے یا اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دے (۳)۔

دورانِ قتال قتل کرے

علاوہ ازیں ایک شرط یہ بھی ہے کہ قتل اس وقت کرے جب جنگ جاری ہو اور مقتول مصروف قتال ہو۔ اگر جنگ ختم ہو جائے اور مشرکین کو ہزیمت ہو جائے، پھر کوئی مسلم کفار کا تعاقب کرے ان میں سے کسی کو قتل کرے تو سلب کا مستحق نہیں ہوگا، کیوں کہ مشرکین کی ہزیمت کے ساتھ ہی ان کا شر بھی مرتفع ہو گیا ہے۔

اسی میں اسیر کافر، نائم وغیرہ بھی داخل ہیں، کیوں کہ اس صورت میں قاتل اپنی جان کو خطرے میں نہیں ڈال رہا (۴)۔

یہ جمہور کا مسلک ہے، تاہم شافعیہ میں سے ابوثور اور ابن المنذر وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ کافر کو قتل

---

(۱) المغني: ۹/۱۹۰، والأوجز: ۹/۱۸۷، وللاستزادة انظر الموسوعة: ۲۵/۱۷۸-۱۷۹، وكتاب السير الكبير للشيباني: ۲/۱۲۱، أبواب الأنفال، مع شرحه للسرخسي.

(۲) الموسوعة: ۲۵/۱۷۹، والمغني: ۹/۱۹۰، والأوجز: ۹/۱۸۶، والدر المختار: ۳/۲۶۱.

(۳) الموسوعة: ۲۵/۱۷۹، والمغني: ۹/۱۹۰، والأوجز: ۹/۱۸۷.

(٤) الموسوعة: ۲۵/۱۸۱، والمغني: ۹/۱۹۱، والأوجز: ۹/۲۰۳.

کرنے والا ہر صورت میں مستحق سلب ہوتا ہے، کیوں کہ "من قتل قتیلا فله سلبه" حدیث عام ہے(۱)۔

کیا استحقاق سلب کے لیے بینہ ضروری ہے؟

اس باب میں مشہور اختلافی مسائل میں سے ایک یہ مسئلہ ہے، جمہور فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ استحقاق سلب کے لیے بینہ پیش کرنا ضروری ہے، جب تک قاتل بینہ پیش نہیں کرے گا کہ قتل اسی نے کیا ہے، اس کا دعویٰ استحقاق سلب میں مقبول نہیں ہوگا۔ کیونکہ بعض روایات صحیحہ میں "لـه عليـه بينـة" کے الفاظ کی تصریح ہے(۲)۔

دوسری طرف امام مالک اور امام اوزاعی رحمہما اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اس کے لیے بینہ کی کوئی ضرورت نہیں، قاتل کا اتنا کہنا کافی ہے: أنا قتلتُه.

ان کی دلیل حضرت ابوقتادہ اور معاذ بن الجموح رضی اللہ عنہما کی حدیثیں ہیں (ذكرهما الإمام في هذا الباب) کہ ان میں نبی علیہ السلام نے ان دونوں سے کوئی بینہ اور قسم وغیرہ نہیں مانگی۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے گواہی نہ مانگنے کا دعویٰ اس لیے درست نہیں کہ واقدی کی مغازی (۳) میں آیا ہے کہ اوس بن خولی رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر گواہی دی تھی۔

اور اگر بالفرض یہ صحیح نہ بھی ہو تو ممکن ہے کہ نبی علیہ السلام کو کسی اور ذریعے سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ قاتل ابوقتادہ ہی ہیں (۴)۔

---

(۱) حواله جات بالا، وفتح الباري: ٦/٢٤٩.

(۲) فتح الباري: ٦/٢٤٩، والموسوعة: ٢٥/١٨٢، وشرح الأبي على مسلم: ٥/٦٣، باب استحقاق القاتل سلب القتيل، والمغني: ٥/١٩٤-١٩٥، كتاب الجهاد، فصل: لا تقبل دعوى القتل إلا ببينة، رقم (٧٤٧٦).

(۳) علامہ واقدی کی مغازی میں حضرت ابوقتادہ کے حق میں شہادت دینے والوں میں دو حضرات کا نام آیا ہے، عبداللہ بن اُنیس اور الاسود بن الخزاعی رضي الله عنهما، اس میں حضرت اوس رضی اللہ عنہ کا نام ہمیں نہیں ملا، دیکھیے، كتاب المغازي للواقدي: ٣/٩٠٨، غزوة حنين.

غالباً یہاں حافظ سے تسامح ہوا ہے، کیوں کہ اصابة میں انہوں نے خود واقدی کے حوالے سے حضرت الاسود بن الخزاعی کے بارے میں یہ لکھا ہے "شهد لأبي قتادة بسلب قتيله يوم حنين" والله أعلم. الإصابة: ١/٤٣، القسم الأول، رقم (١٥٣).

(٤) فتح الباري: ٦/٢٤٩، نیز دیکھیے، الموسوعة: ٢٥/١٨٢.

بینہ سے کیا مراد ہے؟

پھران حضرات کا، جو بینہ تو ضروری قرار دیتے ہیں، اس امر میں اختلاف ہے کہ بینہ سے کیا مراد ہے؟ چنانچہ بعض حضرات تو شہادۃ رجلین کو شرط قرار دیتے ہیں، یہ امام احمد کا مذہب بھی ہے۔ بعض دیگر حضرات کہتے ہیں کہ شهادة رجل وامرأتين أو رجل ويمين بھی کافی ہے، کیوں کہ دعویٰ مال میں ہے۔

جب کہ بعض حضرات اس معاملے میں شهادة رجل واحد کو بھی کافی قرار دیتے ہیں، کیونکہ نبی علیہ السلام نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے معاملے میں ایک شاہد کی شہادت بھی قبول کرلی تھی اور ان سے قسم بھی نہیں لی گئی۔ ابن العطیہ کہتے ہیں کہ اس باب میں اکثر فقہاء کا یہی قول ہے(۱)۔

سلب میں تخمیس جاری ہوگی یا نہیں؟

یہ ایک اور مشہور اختلافی مسئلہ ہے، شافعیہ (في المشهور عندهم)، حنابلہ، ابن المنذر اور ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ سلب میں تخمیس جاری نہیں ہوگی، مطلب یہ ہے کہ سلب قاتل کے حوالہ کردیا جائے گا اور اس میں سے خمس نہیں لیا جائے گا۔

ان کی ایک دلیل حضرت عوف بن مالک اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ، "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قضى بالسلب للقاتل، ولم يخمس السلب"(۲) کہ "آپ علیہ السلام نے سلب قاتل کو دینے کا حکم جاری کیا اور اس میں خمس نہیں لیا"۔

اور دوسری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے، "إنا كنا لانخمس السلب"(۳) کہ "ہم سلب میں تخمیس نہیں کرتے تھے"۔

---

(۱) حواله جات بالا، والمغني: ۹/۱۹۵، وإكمال الأبي: ۵/۶۳، ومكمل إكمال المعلم المطبوع مع إكمال الأبي: ۵/۶۳، وسبل السلام: ۴/۵۳، كتاب الجهاد، رقم (۲۲)، والأوجز: ۹/۲۰۵.

(۲) صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب استحقاق القاتل سلب القاتل، رقم (۴۵۷۱)، وسنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في السلب لايخمس، رقم (۲۷۲۱).

(۳) التمهيد: ۲۳/۲۴۷، حديث ثامن وعشرون ليحيى بن سعيد، والمصنف لابن أبي شيبة: ۱۷/۵۵۸، كتاب السير، من جعل السلب للقاتل، رقم (۳۳۷۶۱).

اس مسئلے میں دوسرا مذہب امام اوزاعی اور مکحول رحمہما اللہ کا ہے کہ سلب کا بھی خمس نکالا جائے گا۔ ان حضرات کی دلیل آیت قرآنی ﴿واعلموا أنما غنمتم من شيء فأن لله خمسه وللرسول﴾(۱) ہے، کہ یہ آیت عام ہے، چنانچہ غنائم میں مطلقاً تخمیس کا عمل جاری ہوگا۔ یہی مذہب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی ہے(۲)۔

تیسرا مذہب اس مسئلے میں اسحاق بن راہویہ کا ہے، وہ فرماتے ہیں: "إن استکثر الإمام السلب خمَّسه، وذلك إليه" کہ "امام اگر یہ دیکھے کہ سلب کی مقدار بہت زیادہ ہے تو اس کی تخمیس کرے گا اور اس کا اختیار امام کو ہوگا"(۳)۔

ان کی دلیل ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے مروی حدیث ہے کہ حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ نے ایک مرزبان (اہل فارس کا فقیہ و مذہبی پیشوا) کے ساتھ بحرین میں مبارزت کی، حضرت براء رضی اللہ عنہ نے اس کو نیزہ مارا، جس نے اس مرزبان کی کمر توڑ دی، آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے دونوں کنگن لے لیے اور دوسرا سامان بھی، نماز ظہر کے بعد یہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور پورا واقعہ سنایا، تو حضرت ابوطلحہ نے فرمایا کہ ہم پہلے سلب میں سے خمس نہیں لیا کرتے تھے، تاہم براء کا جو سلب ہے وہ معتد بہ مال ہے، اس لیے میں اس کا خمس لوں گا۔ چناں چہ یہ پہلا سلب تھا جس میں تخمیس ہوئی، اس سلب کی مقدار تیس ہزار تھی(۴)۔

اس مسئلے میں چوتھا مذہب حنفیہ اور مالکیہ کا ہے، ان حضرات کے نزدیک سلب مقتول دوسرے غنائم کی طرح ہے، یہ قاتل کے ساتھ مختص نہیں، بلکہ قاتل و غیر قاتل سب اس میں برابر ہیں، سلب کو امام نفل کے طور پر دے گا۔

اب احناف کے ہاں محل التنفیل غنائم کو دارالاسلام منتقل کرنے سے قبل تو اربعہ الاخماس ہے اور

---

(۱) الأنفال: ٤١.

(٢) الموسوعة: ١٨٣/٢٥، وعمدة القاري: ٦٥/١٥، وفتح الباري: ٢٤٧/٦.

(٣) حواله جات بالا، والمغني: ١٩٢/٩، والأوجز: ١٨٨/٩.

(٤) رواه سعيد في السنن: ٢٦٣/٢-٢٦٤، كتاب الجهاد، باب مايخمس في النفل، رقم (٢٧٠٨)، وابن عبد البر في التمهيد: ٢٤٧/٢٣، حديث ثامن وعشرون ليحيى بن سعيد، وعبدالرزاق في مصنفه. ١٥٨/١٠، كتاب الجهاد، باب السلب والمبارزة، رقم (٩٥٣١).

دارالاسلام منتقل کرنے کے بعد خمس ہے۔

اور مالکیہ کے نزدیک ہر حال میں خمس ہے اور امام کی رائے پر موقوف ہے، وہ اگر مناسب سمجھے گا تو قاتل کو دے گا، ورنہ نہیں (۱)، كما مر تفصيله فيما قبل.

سلب میں کون سی چیزیں ملیں گی؟

فقہاء کا اس امر میں اتفاق ہے کہ قاتل کو مقتول کا جو سلب ملے گا، اس میں وہ مندرجہ ذیل اشیاء کا مستحق ہوگا:

کپڑے، ٹوپی، پگڑی، موزے اور چادر وغیرہ، یعنی استعمال کی چیزیں۔

اسی طرح اسلحہ اور آلات حرب، مثلاً ڈھال، خود، نیزہ، چھری، تلوار، کمان اور تیر۔

نیز مقتول کی سواری کی زین، لگام وغیرہ (۲)۔

ان اشیاء کے علاوہ مقتول کی دیگر چیزوں میں ائمہ کا اختلاف ہے، چناں چہ مقتول کی سواری ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سلب میں داخل ہے، امام اوزاعی اور امام مکحول کا مذہب بھی یہی ہے، ان کی دلیل وہی حدیث مددی ہے، جو پیچھے گزری، اس میں آیا ہے، "أنه قتل علجا، فحاز فرسه وسلاحه".

جب کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سواری کو خارج از سلب کہتے ہیں، یہی قول ابوبکر کا بھی ہے (۳)۔

یہ بحث اس سواری کے بارے میں ہے جو مقتول کے زیر استعمال تھی، چناں چہ وہ سواری جو اس کے خیمے میں ہو یا بھاگ گئی ہو تو وہ سلب میں بالاتفاق داخل نہیں (۴)۔

علاوہ ازیں مقتول کا تاج، کنگن، انگوٹھی، طوق، پٹکا، اگر چہ سونے کا ہو یا کسی اور چیز کا، اسی طرح ہمیان

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۶۵، والموسوعة: ۲۵/۱۸۳؛ لیکن احناف کا تحقیقی مذہب وہ ہے، جو فتاویٰ ہندیہ میں المحیط کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ اگر امام یوں کہے من قتل قتيلا فله السلب بعد الخمس تو اس صورت میں سلب میں تخمیس ہوگی اور اگر مطلقاً من قتل قتيلا کہے تو تخمیس نہیں ہوگی۔ الفتاوى الهندية: ۲/۲۱۸، الفصل الثالث في التنفيل، من كتاب السير.

(۲) البناية مع الهداية: ۷/۱۸٤، وفتح القدير: ۵/۲۵۳، وحاشية ابن عابدين: ۳/۲٦٤، والمغني: ۹/۱۹۳، والأوجز: ۹/۱۹۰.

(۳) المغني: ۹/۱۹۳، والأوجز: ۹/۱۹۰، والدر المختار: ۳/۲٦٤، والموسوعة: ۲۵/۱۸٤.

(٤) حواله جات بالا.

(رقم کی وہ تھیلی جو کمر سے باندھی جاتی ہے) اور اس میں موجود رقم، یہ ساری چیزیں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سلب میں داخل ہیں، کیوں کہ یہ ساری چیزیں عموم حدیث میں داخل ہیں، یعنی "من قتل قتيلا فله سلبه". نیز حدیث براء بن مالک، جو ابھی گزری، میں بھی کنگن اور پٹکے کا ذکر آیا ہے۔

جب کہ مالکیہ کا مذہب ان اشیاء میں یہ ہے کہ یہ چیزیں سلب میں داخل نہیں، کیوں کہ ان اشیاء کے ذریعے کوئی اعانت ومدد جنگ میں حاصل نہیں ہوتی (۱)۔

پھر امام احمد کے نزدیک مقتول کو بالکل بےلباس کر دینا بھی جائز ہے، یہی قول امام اوزاعی کا بھی ہے، جب کہ ابن منذر اور سفیان ثوری رحمہم اللہ اس کو ناپسندیدہ قرار دیتے ہیں، کیوں کہ اس میں کشف العورة پایا جاتا ہے۔

اور امام احمد وغیرہ کی دلیل حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نبی علیہ السلام کا یہ جملہ ہے، "له سلبه أجمع" (۲) نیز حدیث "من قتل قتيلا فله سلبه" بھی جمہور کے مذہب کے لیے دلیل ہے، کیوں کہ اس میں سب کچھ داخل ہو جاتا ہے، "وهذا يتناول جميعه" (۳). والله أعلم بالصواب.

سلب سے متعلق ان ساری تفصیلات کے بعد اب باب سے متعلقہ ابحاث کو دیکھیے۔

ترجمة الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمة الباب کو قائم کر کے اس مشہور اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے، جو سلب کی تخمیس میں ہے کہ اس کا خمس نکالا جائے گا یا نہیں؟ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلے میں جمہور کے ہم نوا ہیں، انہیں کے مذہب کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے یہ باب قائم کیا (۴)۔

---

(۱) المغني: ۹/۱۹۳، والمنتقى: ۳/۱۹۱، والأوجز: ۹/۱۹۵، والموسوعة: ۲۵/۱۸٤.

(۲) حديث سلمة أخرجه البخاري في كتاب الجهاد، رقم(۳۰۵۱)، وانظر لتخريجه الكامل كشف الباري، كتاب الجهاد: ۲/٤۵۸.

(۳) المغني: ۹/۱۹۵، وعمدة القاري: ۱۵/٦۹، والأوجز: ۹/۲۰٦.

تنبیہ: سلب سے متعلق مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے، أوجز المسالك: ۹/۱۸۳-۲۰٦، كتاب الجهاد، باب ماجاء في السلب في النفل، والموسوعة الفقهية: ۲۵/۱۷٦-۱۸٤، وإعلاء السنن: ۱۲/۲۷۵-۳۰۰، وأحكام القرآن للرازي: ۳/٦۹-۷۲، مطلب في سلب القتيل، وفتح الباري: ٦/۲٤۷-۲٤۹.

(٤) عمدة القاري: ۱۵/٦۵، وفتح الباري: ٦/۲٤۷.

ومن قتل قتيلا فله سلبه

اور جو کسی کو قتل کرے گا تو اس مقتول کا سلب قاتل کا ہوگا۔

یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث کا ٹکڑا ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

"أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يوم حنين: من قتل قتيلاً فله سلبه. فقتل أبوطلحة يومئذ عشرين رجلا، فأخذ أسلابهم"(١).

کہ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کے موقع پر ارشاد فرمایا کہ جو کسی کو قتل کرے گا تو اس کا سلب قاتل کو ملے گا۔ چناں چہ اس دن حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے بیس آدمیوں کو قتل کیا اور ان سب کا سلب لیا"۔

من غير أن يخمس

سلب کی تخمیس کیے بغیر۔

یہ جملہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے تفقہ میں سے ہے(٢)۔

غالباً انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث ذکر کر کے اس کے عموم سے استدلال کیا ہے کہ اس میں سلب کی تخمیس وغیرہ کی کوئی بات نہیں ہے، یہ حدیث چوں کہ مطلق ہے، اس لیے سلب میں تخمیس کا عمل نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم

وحكم الإمام فيه

اور اس میں امام کا حکم۔

یہ ترجمہ کا آخری جز ہے، حکم کو مرفوع اور مجرور دونوں طرح پڑھا گیا ہے، مرفوع ہونے کی صورت میں

---

(١) رواه أبوداود، كتاب الجهاد، باب في السلب يعطى القاتل، رقم(٢٧١٨)، والحاكم في المستدرك: ٣٩٧/٣، كتاب معرفة الصحابة، مناقب أبي طلحة ......، رقم (٥٥٠٥)، وابن أبي شيبة في مصنفه: ٥٣٢/٢٠، كتاب المغازي، غزوة حنين وماجاء فيها، رقم (٣٨١٥٤)، و: ٥٢٣/٢٠، رقم (٣٨١٤٣).

(٢) فتح الباري: ٢٤٧/٦، وقال العيني (٦٥/١٥): "من غير أن يخمس" ليس من لفظ الحديث، وأراد به أن السلب لايخمس".

مطلب یہ ہوگا کہ سلب میں امام کی رائے چلے گی، وہ جیسا چاہے گا، ویسا حکم لگائے گا، اس پر کوئی اعتراض نہیں کرسکتا۔

اس صورت میں یہ مذہب احناف وموالک کی تائید ہو جائے گی کہ امام کے حکم اور اس کی اجازت کے بغیر سلب کا مستحق نہیں ہوگا۔ گویا امام بخاری ان حضرات کے ساتھ اس مسئلے میں ہم نوا ہیں۔

اور مجرور پڑھنے کی صورت میں اس کے معنی ومطلب یہ ہوگا کہ امام کے فیصلے کے بغیر بھی قاتل سلب کا مستحق ہوگا، اس صورت میں مؤلف علیہ الرحمہ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے ہم خیال ہو جائیں گے۔

مسئلے سے متعلق تفصیل باب کے شروع میں آچکی ہے۔

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب کے تحت دو حدیثیں نقل کی ہیں:

۲۹۷۲ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ المَاجِشُونِ ، عَنْ صَالِحِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ[1] قَالَ : بَيْنَا أَنَا وَاقِفٌ فِي الصَّفِّ يَوْمَ بَدْرٍ ، فَنَظَرْتُ عَنْ يَمِينِي وَشِمَالِي ، فَإِذَا أَنَا بِغُلَامَيْنِ مِنَ الْأَنْصَارِ ، حَدِيثَةٍ أَسْنَانُهُمَا ، تَمَنَّيْتُ أَنْ أَكُونَ بَيْنَ أَضْلَعَ مِنْهُمَا ، فَغَمَزَنِي أَحَدُهُمَا فَقَالَ : يَا عَمِّ هَلْ تَعْرِفُ أَبَا جَهْلٍ ؟ قُلْتُ : نَعَمْ ، ما حاجَتُكَ إِلَيْهِ يَا ابْنَ أَخِي ؟ قَالَ : أُخْبِرْتُ أَنَّهُ يَسُبُّ رَسُولَ اللهِ ﷺ ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ، لَئِنْ رَأَيْتُهُ لَا يُفَارِقُ سَوَادِي سَوَادَهُ حَتَّى يَمُوتَ الْأَعْجَلُ مِنَّا ، فَتَعَجَّبْتُ لِذٰلِكَ ، فَغَمَزَنِي الآخَرُ ، فَقَالَ لِي مِثْلَهَا ، فَلَمْ أَنْشَبْ أَنْ نَظَرْتُ إِلَى أَبِي جَهْلٍ يَجُولُ فِي النَّاسِ ، قُلْتُ : أَلَا ، إِنَّ هٰذَا صَاحِبُكُمَا الَّذِي سَأَلْتُمَانِي ، فَابْتَدَرَاهُ بِسَيْفَيْهِمَا ، فَضَرَبَاهُ حَتَّى قَتَلَاهُ ، ثُمَّ انْصَرَفَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَأَخْبَرَاهُ ، فَقَالَ : (أَيُّكُمَا قَتَلَهُ) . قَالَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا : أَنَا قَتَلْتُهُ ، فَقَالَ : (هَلْ مَسَحْتُمَا سَيْفَيْكُمَا) . قَالَا : لَا ، فَنَظَرَ فِي السَّيْفَيْنِ ، فَقَالَ : (كِلَاكُمَا قَتَلَهُ ، سَلَبُهُ لِمُعَاذِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوحِ) . وَكَانَا مُعَاذَ بْنَ عَفْرَاءَ وَمُعَاذَ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوحِ .

تراجم رجال

۱ — مسدد

یہ مسدد بن مسرہد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب من الإيمان أن يحب

(۱) قوله: "عن جده": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب المغازي، باب قتل أبي جهل، رقم (۳۹٦٤)، وباب (بلا ترجمة)، بعد باب فضل من شهد بدراً، رقم (۳۹۸۸)، ومسلم، كتاب الجهاد والسير،=

لأخيه......" کے تحت گزر چکا(۱)۔

۲– يوسف بن الماجشون

یہ یوسف بن یعقوب الماجشون بن عبداللہ بن ابی سلمہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳– صالح بن ابراهيم بن عبدالرحمن بن عوف

یہ مشہور صحابی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے پوتے صالح بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

٤– أبيه

اس سے مراد ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٥– جده

جدہ سے مراد مشہور صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں (۳)۔

قال بينا أنا واقف في الصف يوم بدر......

اس حدیث میں ابوجہل لعین کے قتل کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے، جو بدر میں پیش آیا، اس کی تفصیل چوں کہ مغازی میں آچکی ہے، اس لیے اس کو یہاں دوبارہ ذکر کرنے کی چنداں حاجت نہیں ہے (۴)، تاہم یہاں ہم حدیث کے کچھ الفاظ وجملوں کی وضاحت ضرور کریں گے۔

فإذا أنا بغلامين من الأنصار حديثة أسنانهما

تو میں نے دیکھا کہ میں دو انصاری لڑکوں کے درمیان میں ہوں، جو نوعمر تھے۔

"حديثة أسنانهما" یہ شبہ جملہ صفت ہے، "غلامين" کی، اسی لیے مجرور بھی ہے، جب کہ

= باب استحقاق القاتل سلب القتيل، رقم (٤٥٦٩).

(١) كشف الباري: ٢/٢.

(٢) ان دونوں کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوكالة، باب إذا وكل المسلم حربيا في دار الحرب......

(٣) ان دونوں کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الجنائز، باب الكفن من جميع المال.

(٤) كشف الباري، كتاب المغازي: ١٠٣-١٠٨.

أسنانهما مرفوع ہے، کیوں کہ وہ حدیثة کا فاعل ہے(۱) اور اس کے معنی نوعمر کے ہیں۔

تمنيت أن أكون بين أضلع منهما

میں نے تمنا کی کہ کاش! میں ان دونوں کے علاوہ کسی طاقت ور آدمی کے پہلو میں ہوتا (جس سے مجھے کچھ سہارا ہوتا)۔

أضلع کی لغوی وصرفی تحقیق

أضلع –بفتح الهمزة، وسكون الضاد، وفتح اللام– صیغہ اسم تفضیل ہے، اس کے معنی اقوی کے ہیں، مصدر اس کا الضلاعة ہے، جس کے معنی قوت کے ہیں۔ یہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ہے(۲)۔

جب کہ حافظ علیہ الرحمۃ نے اس کو –بضم اللام– ضلع کا جمع قرار دیا ہے، جس کے معنی پسلی کے ہیں۔ علاوہ ازیں حافظ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ اکثر کی روایت ہے اور علامہ عینی کی ذکر کردہ تحقیق کو ورُوِیَ کہہ کر ضعیف قرار دینے کی کوشش کی ہے(۳)۔

لیکن راجح یہاں علامہ عینی کی تحقیق ہی ہے، اسی کو امام نووی نے بھی ذکر کیا ہے(۴) اور علامہ ابن الاثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے(۵)۔ علاوہ ازیں یہ اقرب الی الفہم بھی ہے۔

أضلع میں نسخوں کا اختلاف

پھر یہ سمجھیے کہ اکثر رواۃ صحیح بخاری نے اس لفظ کو ضاد معجمہ کے ساتھ أضلع نقل کیا ہے، تاہم حموی کے نسخے میں أصلح –بالصاد المهملة والحاء المهملة– آیا ہے(۶)۔

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف مسدد شیخ بخاری کی طرف سے ہے، ورنہ یہی

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/٦٦، وفتح الباري: ٦/٢٤٨.

(۲) عمدة القاري: ۱۵/٦٦.

(۳) فتح الباري: ٦/٢٤٨، تاہم مقدمۃ میں انہوں نے عینی کی تحقیق ہی کو اختیار کیا ہے۔ هدي الساري: ۲۲۷، فصل ض، ل، حرف الضاد المعجمة، الفصل الخامس.

(٤) شرح النووي على مسلم: ۲/۸۷، كتاب الجهاد، باب استحقاق القاتل سلب القتيل.

(٥) جامع الأصول: ۸/۱۹٥، والنهاية في غريب الحديث والأثر: ۳/۹۷، باب الضاد مع اللام.

(٦) عمدة القاري: ۱۵/٦٦، وفتح الباري: ٦/٢٤٨.

روایت یوسف بن الماجشون سے ابراہیم بن حمزہ نے طحاوی میں (۱)، موسیٰ بن اسماعیل نے ابن سنجر میں اور عفان نے ابن ابی شیبہ (۲) میں بھی روایت کی ہے، ان سب میں أضلع ہے (۳)۔

اور راجح روایت بھی یہی اضلع والی ہے، کیونکہ تین حفاظ راویوں کے مقابلے میں ایک حافظ راوی کی روایت ظاہر ہے، مرجوح ہوگی (۴)۔

علامہ قرطبی اور قاضی عیاض رحمہما اللہ نے بھی أضلع والی روایت کو راجح قرار دیا ہے (۵)۔

لا يفارق سوادي سواده

میری ذات اس کی ذات کو نہیں چھوڑے گی۔

یہ کلام ان نوعمر لڑکوں میں سے ایک کا ہے، سواد۔ بفتح السین۔ شخص کو کہتے ہیں، چوں کہ آدمی کی شبیہ دور سے دیکھنے پر کالی (سیاہ) نظر آتی ہے، اس لیے شخص کو سواد بھی کہتے ہیں (۶)۔

حتى يموت الأعجل منا

یہاں تک کہ ہم میں سے جس کی موت زیادہ قریب ہوگی، وہ مر جائے۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ الأعجل تحریف ہے، اصل میں یہ الأعجز تھا، لیکن حافظ فرماتے ہیں کہ روایت میں مذکور لفظ ہی صواب ہے (۷)۔

علاوہ ازیں یہ جملہ ملازمت سے کنایہ ہے اور اس معنی میں کثیر الاستعمال بھی ہے، مطلب یہ ہے کہ جب تک میں اس کی جان نہ لے لوں، اس کو چھوڑوں گا نہیں۔

---

(۱) شرح معاني الآثار: ۱٤٧/٢، كتاب السير، باب الرجل يقتل قتيلا......

(۲) المصنف، لم أجده فيه رغم تتبعي، وإنما أشار إليه الحافظان ابن حجر وابن بطال.

(۳) ابن بطال: ٣١٥/٥، والعمدة: ٦٦/١٥، والفتح: ٢٤٨/٦، والنووي على مسلم: ٨٧/٢-٨٨.

(٤) حواله جات بالا.

(٥) عمدة القاري: ٦٦/١٥، المفهم للقرطبي: ٧٥/١١، باب استحقاق القاتل سلب ......، ومشارق الأنوار: ٥٩/٢، (ض ل ع).

(٦) عمدة القاري: ٦٦/١٥، وفتح الباري: ٢٤٩/٦.

(٧) فتح الباري: ٢٤٩/٦.

اب اس نوعمر صحابی کی عقل کا کمال دیکھیے کہ جنگ کی حالت میں، جہاں بڑوں بڑوں کا پتہ پانی ہو جاتا ہے، وہاں بھی عقل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور یہ محتاط جملہ ارشاد فرمایا، جب کہ شدت غضب کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ فرماتے "حتی أقتله" لیکن عاقبت چوں کہ مجہول تھی، اس لیے حتی یموت الأعجل منا فرمایا(۱)۔

فلم أنشَب أن نظرت إلى أبي جهل يجول في الناس

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ میں نے ابوجہل کو دیکھا، وہ لوگوں میں چکر لگا رہا تھا۔

نشب نشوبا ونشبا باب سمع سے چمٹ جانے اور اٹک جانے کے معنی میں ہے اور لم أنشب کے معنی ہیں: لم ألبث ولم أتعلق بشيء غیرہ(۲)۔

روایتِ باب میں "یجول" آیا ہے، جب کہ مسلم شریف میں "یزول" آیا ہے(۳)، دونوں لفظ ہم معنی ہیں، مطلب یہ ہے کہ ابوجہل انتہائی مضطرب تھا اور ادھر ادھر گھوم پھر رہا تھا اور ایک جگہ ٹھہرتا نہ تھا(۴)۔

فابتدراه بسيفيهما

تو ان دونوں نے ابوجہل کی طرف اپنی اپنی تلوار لے کر جلدی کی۔

ابتـدر وبـادر ایک معنی میں ہیں، مطلب سبقت اور جلدی کرنا ہے(۵)۔ مغازی کی روایت میں "فشدا علیہ مثل الصقرین" کے الفاظ ہیں(۶)، کہ "یہ دونوں لڑکے ابوجہل پر شکرے کی طرح حملہ آور ہوئے"۔

فنظر في السيفين، فقال: كلا كما قتله

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں تلواروں کو بغور دیکھا، پھر فرمایا: تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے۔

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۶۶.

(۲) حواله بالا، وشرح النووي على مسلم: ۲/۸۸.

(۳) صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب استحقاق القاتل سلب ....، رقم (۴۵۶۹).

(٤) عمدة القاري: ۱۵/۶۶.

(۵) حواله بالا.

(٦) صحيح بخاري، كتاب المغازي، باب (بلا ترجمة)، رقم (۳۹۸۸).

یہاں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں تلواروں کو بغور دیکھا اور اس سے قبل یہ بھی پوچھ لیا کہ کہیں تم نے تلواریں صاف تو نہیں کرڈالیں، پھر فرمایا کہ تم دونوں نے قتل کیا ہے۔ اس ساری کارروائی کا مقصد کیا تھا؟

علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا مقصد یہ بتلانا تھا کہ سلب کے استحقاق کے لیے اثخان شرط ہے اور اثخان کو ایک قسم کا اس باب میں امتیاز حاصل ہے، وہ اس طرح کہ آپ علیہ السلام نے ان دونوں کی تلواروں کا معائنہ کیا کہ تلواروں کی دونوں طرف خون کس قدر لگا ہوا ہے اور ابوجہل کے جسم میں کون سی تلوار کس قدر گھسی ہے، اسی لیے یہ سوال بھی کیا کہ تلواریں کہیں صاف تو نہیں کیں؟ کیوں کہ صاف کرنے کی صورت میں دخول کی مقدار تبدیل ہو جاتی (۱)۔

پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ "کلا کما قتله" کیوں کہ آپ علیہ السلام نے دیکھ لیا تھا کہ اثخان ایک کا فعل ہے، جب کہ دوسرے صحابی نے صرف مشارکت فی القتل کی ہے، لیکن آپ علیہ السلام نے ان کا دل رکھنے کے لیے اور بطور تسلی یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ "کلا کما قتله" (۲).

سلبه لمعاذ بن عمرو بن الجموح

لیکن اس کا سلب معاذ بن عمرو بن الجموح کا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ دونوں لڑکے اگرچہ مشارك في القتل ہیں، مگر اثخان چوں کہ معاذ بن عمرو کی جانب سے ہے، اس لیے سلب بھی انہی کا حق ہے، یہاں تک تو بات واضح ہے، اس کے بعد ان جملوں سے احناف و مالکیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ قتلِ قتیل سے قاتل سلب کا مستحق نہیں ہوتا، بلکہ اعطائے امام سے اس کا مستحق ہوتا ہے، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلب ان دونوں کے درمیان تقسیم فرماتے، ایک کو محروم رکھ کر دوسرے کو نہ دیتے، اس سے واضح ہوا کہ ان معاملات کا اختیار امام کو ہے۔ قاله الطحاوي رحمه الله (۳).

لیکن یہ استدلال ضعیف ہے، کیوں کہ یہ بات تو سب کو تسلیم ہے کہ سلب کا مستحق مُثخِن ہوتا ہے اور نبی

---

(۱) حوالہ بالا، شرح ابن بطال: ۳۱۲/۵، وفتح الباري: ۲۴۸/۶، وعمدة القاري: ۶۶/۱۵.

(۲) شرح ابن بطال: ۳۱۲/۵، وعمدة القاري: ۶۶/۱۵-۶۷.

(۳) شرح ابن بطال: ۳۱۲/۵، وشرح معاني الآثار: ۱۴۷/۲-۱۴۸، كتاب السير، باب [illegible] يقتل.....

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتلواروں کا معائنہ کیا تھا، اس کا مقصد بھی یہی تھا کہ یہ دیکھا جائے کہ اثخان کس کی تلوار سے ہوا ہے، اسی بنیاد پر سلب معاذ بن عمرو کو دیا گیا۔

اس جز سے متعلق دلائل احناف باب کی ابتدا میں آچکے ہیں۔

تاہم اس حدیث کے ایک اور طریق، جس کو امام ابوداوٗد (۱) وامام احمد (۲) وغیرہ نے نقل کیا ہے، اس سے مذکورہ جز پر استدلال ہوسکتا ہے، اس طریق میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کی تلوار حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی تھی۔ جب کہ وہ مثخن بھی نہیں تھے، اصل استحقاق معاذ بن عمرو کا تھا کہ مثخن وہی تھے، چناں چہ ابوجہل کی تلوار حضرت عبداللہ کو عطا فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ سلب حق شرعی (۳) نہیں ہے، بلکہ قاتل اس کا مستحق نفل (انعام) کے طور پر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

وكانا معاذَ بن عفراء، ومعاذَ بن عمرو بن الجموح

اور وہ دونوں نوعمر لڑکے معاذ بن عفراء اور معاذ بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہم تھے۔

کلمہ معاذ دونوں جگہ منصوب ہے، کیوں کہ یہ کانا کی خبر ہے۔

معاذ بن عفراء

یہ حضرت معاذ بن الحارث بن رفاعہ بن سواد الانصاری رضی اللہ عنہ ہیں (۴)۔

یہ اپنی والدہ عفراء- بفتح العین وسکون الفاء- بنت عبید بن ثعلبہ کے حوالے سے معروف ہیں (۵)۔

بدر واحد اور دیگر تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے (۶)۔

---

(۱) سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب من أجاز على جريح مثخن……، رقم (۲۷۲۲).

(۲) في مسنده: ۱/٤٤٤، مسند عبدالله بن مسعود، رقم (٤٢٤٦)، وابن أبي شيبة في مصنفه: ۱۷/٥٦٠، كتاب السير، باب من جعل السلب للقاتل، رقم (۳۳۷٦٥)، و: ۲۰/۳۲٤، رقم (۳۷۸٥۲)، كتاب المغازي، غزوة بدر الكبرى……

(۳) سلب حق شرع ہے یا حق امام؟ اس پر بحث باب کے آخر میں آئے گی۔ انشاء اللہ۔

(٤) ان کے نسب میں اور بھی اقوال ہیں، دیکھیے، تهذيب الكمال: ۲۸/۱۱٥.

(٥) حواله بالا، وعمدة القاري: ۱٥/٦٧، والإصابة: ۳/٤٢٨.

(٦) حواله جات بالا.

حضرت معاذ کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ آپ ان انصار میں سے ہیں، جنہوں نے بیعت عقبہ اولیٰ کے دوران مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کیا، راجح قول کے مطابق یہ چھے انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم تھے(۱)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن عفراء اور حضرت معمر بن الحارث رضی اللہ عنہما کے درمیان مواخاۃ قائم فرمائی تھی(۲)۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی ایک روایت "لا صلاة بعد العصر حتى تغرب الشمس......" ذکر کی ہے(۳)۔ باقی ائمہ خمسہ کے ہاں ان کی کوئی روایت نہیں ہے۔

ان کی وفات میں اختلاف ہے کہ کہاں اور کب ہوئی۔ راجح قول کے مطابق ان کا انتقال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہوا(۴)۔ رضي الله عنه وأرضاه.

معاذ بن عمرو بن الجموح

یہ معاذ بن عمرو بن الجموح بن زید بن حرام انصاری خزرجی سلمی رضی اللہ عنہ ہیں(۵)۔

یہ بھی بیعت عقبہ میں شریک رہے ہیں۔ بدری صحابی ہیں(۶)، كما في حديثِ الباب.

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، جب کہ ان سے روایت کرنے والے صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں(۷)۔

---

(۱) تهذيب الكمال: ۲۸/۱۱٦، والإصابة: ۳/٤۲۸.

(۲) تهذيب الكمال: ۲۸/۱۱٦، والاستيعاب بهامش الإصابة: ۳/۳٦٤.

(۳) سنن النسائي الكبرى: ۱/۱۵۵، كتاب الصلاة الأولىٰ، باب النهي عن الصلاة بعد العصر، رقم (۳۷۱)، والحديث أخرجه أيضاً ابن أبي عاصم في الآحاد والمثاني: ۳۹۱، رقم (۵۵۵)، وابن أبي شيبة، رقم (۷۳۹۹)، وأبوداود الطيالسي، رقم (۱۲۲٦)، وغيرهم من الأئمة، انظر للاستزادة تعليقات الشيخ محمد عوامة على المصنف لابن أبي شيبة: ۵/۱۰۸، رقم (۷۳۹۹).

(٤) تهذيب الكمال: ۲۸/۱۱۵–۱۱٦، والعمدة: ۱۵/٦۷، والإصابة: ۳/٤۲۸، وتهذيب التهذيب: ۱۰/۱۸۸.

(۵) عمدة القاري: ۱۵/٦۷، والإصابة: ۳/٤۲۹، والاستيعاب بهامش الإصابة: ۳/۳٦۱.

(٦) حواله جات بالا، وسير أعلام النبلاء: ۱/۲٤۹.

(۷) سير أعلام النبلاء: ۱/۲۵۰.

علامہ ذہبی کے مطابق ان کا انتقال خلافت فاروقی میں ہوا۔ جب کہ ابن اسحاق کے مطابق خلافت عثمانی میں ان کا انتقال ہوا(۱)۔ واللہ اعلم۔ رضي الله عنه وأرضاه.

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

حدیث عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی مطابقت ترجمۃ الباب کے ساتھ بایں معنی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کے سلب کی تخمیس نہیں کی تھی (۲)۔

قَالَ مُحَمَّدٌ : سَمِعَ يُوسُفُ صَالِحًا ، وَإِبْرَاهِيمُ أَبَاهُ . [۳۷٤٦ ، ۳۷٦٦]

محمد کہتے ہیں: یوسف کا سماع صالح سے ثابت ہے اور ان کے والد ابراہیم کا سماع بھی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔

مذکورہ جملے کا مطلب

محمد سے مراد امام بخاری خود ہیں اور یوسف سے مراد ابن ماجشون، صالح سے مراد ابن ابراہیم اور ابراہیم سے مراد ابن عبدالرحمٰن بن عوف رحمہم اللہ اور اب سے مراد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں اور ان سب کا سماع بالترتیب ثابت ہے۔ علاوہ ازیں یہ جملہ صرف ابوذر اور ابوالوقت کے نسخے میں پایا جاتا ہے (۳)۔

مذکورہ جملے کا مقصد

بعض حضرات نے حدیث باب کو منقطع کہا ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ یوسف بن ماجشون اور صالح بن ابراہیم کے درمیان ایک راوی عبدالواحد بن ابی عون ساقط ہے، جب کہ ان کا ذکر ضروری ہے، اس لیے روایت منقطع ہے، متصل نہیں۔

دراصل یہی روایت امام بزار نے بھی اپنی مسند میں ذکر کی ہے اور سند یہی بخاری والی ہے، لیکن اُس میں عبدالواحد بن ابی عون بھی ہیں، جو ثقہ راوی ہیں، پوری سند ملاحظہ کیجیے، بات آسان ہو جائے گی۔ امام بزار

(۱) سير أعلام النبلاء: ۱/ ۲۵۰-۲۵۱، والاستيعاب بهامش الإصابة: ۳/ ۳٦۳.

(۲) عمدة القاري: ۱۵/ ٦٦.

(۳) عمدة القاري: ۱۵/ ٦۸.

اپنی روایت میں فرماتے ہیں:

"حدثنا محمد بن عبدالملك القرشي وعلي بن مسلم قالا: حدثنا يوسف بن أبي سلمة……، حدثنا عبدالوحد بن أبي عون، حدثني صالح بن إبراهيم……، قال: بينا……".

اس روایت کونقل کرنے کے بعدامام بزار نے یہ بھی فرمادیا:

"وهذا الحديث لا نعلمه يروى عن عبدالرحمن بن عوف، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا من هذا الوجه بهذا الإسناد……".

ظاہر ہے کہ اب بات پیچیدہ ہوگئی کہ بزار تو کچھ کہہ رہے ہیں اورامام بخاری کچھ۔

اس اشکال اور پیچیدگی کو دور فرمانے کے لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا جملہ ارشاد فرمایا کہ عبدالواحد بن ابی عون اگرچہ میری سند میں نہیں ہیں، لیکن اس سے حدیث کے اتصال پر کوئی فرق نہیں پڑتا، اس کی وجہ یہی ہے کہ یوسف کا سماع صالح سے ثابت ہے اور ابراہیم کا سماع بھی اپنے والد عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے، اس لیے اس میں کوئی حرج نہیں اور حدیث متصل ہی ہے۔ منقطع نہیں (۱)۔ واللہ اعلم

دوسری حدیث حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۷۳ : حدَّثَنَا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ ، عَنْ مالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، عَنِ ٱبْنِ أَفْلَحَ ، عَنْ أَبِي مُحَمَّدٍ مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ(۲) قالَ : خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ عامَ حُنَيْنٍ ، فَلَمَّا ٱلْتَقَيْنَا ، كانَتْ لِلْمُسْلِمِينَ جَوْلَةٌ ، فَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنَ الْمُشْرِكِينَ عَلَا رَجُلاً مِنَ المسْلِمِينَ ، فَٱسْتَدَرْتُ حَتَّى أَتَيْتُهُ مِنْ وَرَائِهِ حَتَّى ضَرَبْتُهُ بِالسَّيْفِ عَلَى حَبْلِ عاتِقِهِ ، فَأَقْبَلَ عَلَيَّ فَضَمَّنِي ضَمَّةً وَجَدْتُ مِنْهَا رِيحَ المَوْتِ ، ثُمَّ أَدْرَكَهُ المَوْتُ فَأَرْسَلَنِي ، فَلَحِقْتُ عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ فَقُلْتُ : ما بَالُ النَّاسِ ؟ قالَ : أَمْرُ ٱللهِ ، ثُمَّ إِنَّ النَّاسَ رَجَعُوا ، وَجَلَسَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ : (مَنْ قَتَلَ قَتِيلاً لَهُ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ فَلَهُ سَلَبُهُ) . فَقُمْتُ فَقُلْتُ : مَنْ يَشْهَدُ لِي ، ثُمَّ جَلَسْتُ ، ثمَّ قالَ :

---

(۱) مسند الإمام البزار: ۲۲۵/۳، باب ماروى سعد بن إبراهيم…… رقم (۱۰۱۳)، وعمدة القاري: ۶۸/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۲۱/۵، نیز دیکھیے، فتح الباري: ۲۴۹/۶.

(۲) قوله: "عن أبي قتادة ……": الحديث، مرّ تخريجه في كتاب البيوع، باب بيع السلاح في الفتنة …….

(مَنْ قَتَلَ قَتِيلاً لَهُ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ فَلَهُ سَلَبُهُ) . فَقُمْتُ ، فَقُلْتُ : مَنْ يَشْهَدُ لِي ، ثُمَّ جَلَسْتُ ، ثُمَّ قالَ الثَّالِثَةَ مِثْلَهُ ، فَقُمْتُ ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : (مَا لَكَ يَا أَبَا قَتَادَةَ) . فَاقْتَصَصْتُ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ ، فَقَالَ رَجُلٌ : صَدَقَ يَا رَسُولَ اللهِ ، وَسَلَبُهُ عِنْدِي فَأَرْضِهِ عَنِّي ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ : لَا هَا اللهِ ، إِذًا لَا يَعْمِدُ إِلَى أَسَدٍ مِنْ أُسْدِ اللهِ ، يُقَاتِلُ عَنِ اللهِ وَرَسُولِهِ ﷺ ، يُعْطِيكَ سَلَبَهُ . فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (صَدَقَ) . فَأَعْطَاهُ ، فَبِعْتُ الدِّرْعَ ، فَابْتَعْتُ بِهِ مَخْرَفًا فِي بَنِي سَلِمَةَ ، فَإِنَّهُ لَأَوَّلُ مالٍ تَأَثَّلْتُهُ فِي الْإِسْلَامِ . [ر : ١٩٩٤]

تراجم رجال

١- عبدالله بن مسلمه

یہ عبداللہ بن مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات كتاب الإيمان، "باب من الدين الفرار من الفتن" کے تحت گزر چکے (۱)۔

٢- مالك

یہ امام دارالہجرۃ مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ بدء الوحي کی "الحديث الثاني" کے تحت آچکا (۲)۔

٣- يحيى بن سعيد

یہ یحییٰ بن سعید انصاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات بدء الوحي کی "الحديث الأول" کے تحت بیان ہو چکے ہیں (۳)۔

٤- ابن افلح

یہ عمر بن کثیر بن افلح —منسوب إلى جده— رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

---

(١) كشف الباري: ٢/ ٨٠.

(٢) كشف الباري: ١/ ٢٩٠، و: ٢/ ٨٠.

(٣) كشف الباري: ١/ ٢٣٨، و: ٢/ ٣٢١، باب صوم رمضان احتسابا......

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب البيوع، باب بيع السلاح في الفتنة وغيرها.

۵- أبي محمد

یہ ابومحمد نافع مولی ابی قتادہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱)۔

٦- أبوقتادة

یہ مشہور صحابی حضرت ابوقتادہ الحارث بن ربعی الأنصاری رضی اللہ عنہ ہیں (۲)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حنین والے سال (۸ھ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین کی طرف نکلے، جب ہمارا دشمن سے آمنا سامنا ہوا تو مسلمانوں کو (شروع میں) ناکامی ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک مشرک ایک مسلمان پر غالب آگیا ہے تو میں گھوما اور اس کی گردن کی رگ پر تلوار ماری تو وہ میری طرف متوجہ ہوگیا اور مجھے اس زور سے دبایا کہ مجھے موت کی بو محسوس ہونے لگی، پھر وہ مر گیا اور مجھے بھی چھوڑ دیا!

اس کے بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملا (اور ان سے پوچھا کہ) لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ یہی فیصلہ خداوندی تھا (جو پورا ہوا)۔ اس کے بعد مسلمان دوبارہ پلٹے (اور فتح حاصل کی)، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے اور اعلان کیا کہ "من قتل قتیلا، له علیه بینة، فله سلبه"۔

(یہ اعلان سن کر) میں کھڑا ہوا اور کہا کہ میرے لیے کون گواہی دے گا؟ پھر بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اعلان کیا تو میں پھر کھڑا ہوا...... تیسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا تو ایک آدمی بول اٹھا، یا رسول اللہ! یہ سچ کہہ رہے ہیں اور ان کا سلب میرے پاس ہے، لیکن آپ ان کو میرے حق میں راضی کروائیں (کہ اسے میرے پاس ہی رہنے دیں)۔

(اس آدمی کی یہ بات سن کر) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، نہیں، خدا کی قسم! اللہ کے شیروں میں ایک شیر جو اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے قتال کرتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز یہ نہیں

---

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب جزاء الصید، باب لایعین المحرمُ الحلالَ......

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب النهي عن الاستنجاء بالیمین.

چاہیں گے کہ اس کا سلب آپ کو دے دیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تصدیق کی اور سلب ابوقتادہ کو دے دیا۔

ابوقتادہ کہتے ہیں کہ میں نے اس سلب سے (جو زرہ تھی) قبیلہ بنی سلمہ میں ایک باغ خریدا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد یہ سب سے پہلا مال تھا، جو میں نے ذخیرہ کیا۔

اس حدیث کی شرح کتاب المغازی میں غزوہ حنین کے تحت آچکی ہے(۱)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

اس حدیث کی ترجمہ کے ساتھ مطابقت بایں معنی ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو جو سلب دیا گیا اس کی تخمیس نہیں ہوئی تھی (۲)۔

سلب حق شرعی ہے یا حق امامت؟

باب کے شروع میں یہ مسئلہ گزر چکا ہے کہ قاتل سلب قتیل کا مستحق ہوتا ہے اور یہ کہ اس کے لیے اذن امام شرط ہے یا نہیں؟

اس مسئلے کو مزید واضح کرنے کے لیے ہم ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا خلاصہ نقل کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ غزوہ حنین میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ بھی ارشاد فرمایا، "من قتل قتیلا، له علیه بینة، فله سلبه" اب فقہاء کا اختلاف ہوگیا کہ استحقاق سلب کی بنیاد شرع ہے یا شرط (یعنی امام شرط لگائے اور اجازت دے)؟ شافعی واحمد تو حق شرع کے قائل ہوئے، جب مالک وابوحنیفہ شرط کے۔

اب ماخذ نزاع کیا ہے اور اختلاف فقہاء کی بنیاد کس پر ہے؟

ماخذ وبنیاد یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کی مختلف حیثیتیں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم امام بھی ہیں اور حاکم بھی، مفتی بھی اور رسول بھی۔

اب آپ علیہ السلام کوئی بات منصب رسالت کے تحت ارشاد فرماتے ہیں تو وہ عام شریعت بن جاتی ہے اور اس کا اطلاق سب پر ہوتا ہے۔ کوئی بات منصب افتاء کے تحت ارشاد فرماتے ہیں، اس کی واضح مثال

---

(۱) کشف الباري، كتاب المغازي: ۵۴۰-۵۴۱.

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۶۸.

حضرت ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان رضی اللہ عنہما کا مسئلہ ہے، یہ خاتون آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور اپنے شوہر کے بخل کی اور نان ونفقہ میں تنگی کی شکایت کی، تو آپ نے فرمایا، "خذي ما يكفيكِ، وولدكِ بالمعروف" یہ فتویٰ ہے، حکم اور فیصلہ نہیں، ورنہ آپ مدعیٰ علیہ کو بھی طلب کرتے، جواب دعویٰ دائر کرنے کا حکم دیتے اور آپ ہند رضی اللہ عنہا سے بینہ بھی طلب کرتے۔

کبھی کوئی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم منصب امامت کے تحت فرمایا کرتے تھے، جس میں امت کی اس وقت، اس جگہ اور اس کیفیت اور حالت کے تقاضے اور مصلحت کو پیش نظر رکھا جاتا تھا، پھر بعد کے ائمہ بھی اس کی رعایت کیا کرتے تھے، اس مصلحت کے پیش نظر، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی زماناً، مکاناً یا حالاً چلے تھے، یہیں سے فقہاء کا اختلاف ہوجاتا ہے، اس کی بہت سی مثالیں ہیں، جن میں ایک مثال "من قتل قتيلا......" ہے۔

اب یہ ارشاد کس قسم کے تحت داخل ہے، اس میں فقہائے امت کا اختلاف رائے ہوگیا، چنانچہ وہ حضرات جو اس بات کے قائل ہیں کہ یہ ارشاد منصب امامت کے تحت تھا تو ان کے نزدیک یہ حکم ائمہ سے متعلق ہے اور ان کی اذن سے مشروط۔ اور جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ یہ ارشاد منصب رسالت ونبوت کے تحت تھا تو ان کے نزدیک یہ حکم شرع عام ہے کہ جو بھی قاتل ہوگا وہ سلب قتیل کا مستحق ہوگا، اذن امام ہو یا نہ ہو۔

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وفي هذه الغزوة أنه قال: "مَن قتل قتيلا، له عليه بينة، فله سلبه"(١). وقاله في غزوة أخرى قبلها، فاختلف الفقهاء، هل هذا السلب مستحق بالشرع أو بالشرط؟ على قولين، هما روايتان عن أحمد.

أحدهما: أنه له بالشرع، شرطه الإمام أو لم يشرطه، وهو قول الشافعي.

والثاني: أنه لا يستحق إلا بشرط الإمام، وهو قول أبي حنيفة.

وقال مالك رحمه الله: لا يستحق إلا بشرط الإمام بعد القتال. فلو نصَّ قبله، لم يجز، قال مالك: ولم يبلغني أن النبي صلى الله عليه وسلم قال ذلك إلا يوم حُنين، وإنما نفل النبي صلى الله عليه وسلم بعد أن برد القتال.

---

(١) متفق عليه، مر تخريجه سابقاً.

ومأخذ النزاع أن النبي صلى الله عليه وسلم كان هو الإمام، والحاكم، والمفتي، وهو الرسول، فقد يقول الحكم بمنصب الرسالة، فيكون شرعاً عاماً إلى يوم القيامة، كقوله: "من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد"(١) وقوله: "من زرع في أرض قوم بغير إذنهم فليس له من الزرع شيء وله نفقته"(٢)، وكحكمه "بالشاهد، واليمين"(٣) "وبالشفعة فيما لم يقسم"(٤).

وقد يقول بمنصب الفتوى، كقوله لهند بنت عتبة امرأة أبي سفيان -وقد شكتْ إليه شحَّ زوجها، وأنه لا يعطيها ما يكفيها-: "خذي ما يكفيكِ وولدكِ بالمعروف"(٥)، فهذه فتيا لا حكم؛ إذ لم يدع بأبي سفيان، ولم يسأله عن جواب الدعوى، ولا سألها البينةَ.

وقد يقوله بمنصب الإمامة، فيكون مصلحة للأمة في ذلك الوقت، وذلك المكان، وعلى تلك الحال، فيلزم من بعده من الأئمة مراعاة ذلك على حسب المصلحة التي راعاها النبي صلى الله عليه وسلم زماناً ومكاناً وحالاً،

---

(١) أخرجه البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور......، رقم (٢٦٩٧)، ومسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة......، رقم (٤٤٩٢) (١٨)، من حديث عائشة رضي الله عنها.

(٢) أخرجه أحمد: ٣/٤٦٥، ٤/١٤١، رقم (١٥٩١٥)، وأبوداود (٣٤٠٣)، وابن ماجه (٣٤٦٦)، من حديث رافع بن خديج.

(٣) أخرجه مسلم (٤٤٧٢)، في الأقضية: باب القضاء باليمين والشاهد، من حديث ابن عباس.

(٤) أخرجه البخاري، كتاب البيوع، باب بيع الشريك ......، رقم (٢٢١٣)، وكتاب الشفعة، باب الشفعة فيما لم يقسم ...... رقم (٢٢٥٧)، وفي مواضع أخرى، ومسلم، كتاب المساقاة، باب الشفعة، رقم (٤١٢٨)، وأبوداود (٣٥١٤)، من حديث جابر بن عبدالله.

(٥) أخرجه البخاري، كتاب البيوع، باب من أجرى أمر أمصار ......،رقم (٢٢١١)، والنفقات: باب إذا لم ينفق الرجل، فللمرأة أن تأخذ بغير علمه، رقم (٥٣٦٤)، ومسلم (٤٤٧٧)، في الأقضية: باب قضية هند.

ومن هاهنا تختلف الأئمة في كثير من المواضع التي فيها أثر عنه صلى الله عليه وسلم، كقوله صلى الله عليه وسلم: "من قتل قتيلا فله سلبه" هل قاله بمنصب الإمامة، فيكون حكمه متعلقاً بالأئمة، أو بمنصب الرسالة والنبوة، فيكون شرعاً عاماً؟ وكذلك قوله: "من أحيا أرضاً ميتة فهي له"(١) هل هو شرع عام لكل أحد، أذن فيه الإمام، أو لم يأذن أو هو راجع إلى الأئمة، فلا يملك بالإحياء إلا بإذن الإمام؟ على القولين، فالأول: للشافعي وأحمد في ظاهر مذهبهما.

والثاني: لأبي حنيفة، وفرّق مالك بين الفلوات الواسعة، وما لا يتشاح فيه الناس، وبين مايقع فيه التشاح، فاعتبر إذن الإمام في الثاني، دون الأول"(٢).

١٩ - باب : ما كانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعْطِي الْمُؤَلَّفَةَ قُلُوبُهُمْ وَغَيْرَهُمْ مِنَ الخُمُسِ وَنَحْوِهِ .

ترجمة الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری مؤلفۃ القلوب کا مسئلہ بیان کررہے ہیں، نیز یہ کہ نبی علیہ السلام خمس میں سے مؤلفۃ القلوب وغیرہ کو دیا کرتے تھے، تو بات وہی آ گئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غنائم کے معاملے میں مکمل اختیار حاصل تھا، جہاں آپ مناسب سمجھتے تھے، خرچ کرتے، جس میں مؤلفۃ القلوب بھی داخل ہیں۔ قاضی اسماعیل فرماتے ہیں:

"في إعطاء النبي صلى الله عليه وسلم للمؤلفة من الخمس دلالة على أن الخمس إلى الإمام؛ يفعل فيه ما يرى من المصلحة"(٣).

---

(١) رواه البخاري، في المزارعة: باب من أحيا أرضاً مواتاً، تعليقا، ومالك في المؤطأ موصولا: ٧٤٤/٢، في الأقضية، باب القضاء في عمارة الموات، رقم (١٤٢٥)، عن ابن عمر رضي الله عنهما، ورواه غير واحد من الصحابة، انظر جامع الأصول: ٣٤٧/١-٣٥١، الكتاب السادس......

(٢) زاد المعاد: ٤٨٩/٣-٤٩١، فصل في أن من قتل قتيلا فله سلبه.

(٣) فتح الباري: ٢٥٢/٦.

مؤلفۃ القلوب کن کو کہا جاتا ہے؟

مؤلفۃ القلوب کی مختلف قسمیں ہیں:

❶ وہ لوگ جو مسلمان تو ہو چکے تھے، لیکن اسلام ان کے دلوں میں رچا نہیں تھا، راسخ نہیں ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو دیا کرتے تھے، تاکہ اسلام ان کے دلوں میں راسخ ہو جائے، قاعدہ ہے: "الإنسان عبد الإحسان" (۱).

❷ وہ لوگ جو تھے تو کافر، تاہم ان کے بارے میں یہ توقع کی جاتی تھی کہ ان کو قریب لایا گیا تو یہ مسلمان ہو جائیں گے۔ ان لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تالیف قلب کے طور پر دیا کرتے تھے۔

❸ وہ کفار جن کے بارے میں یہ خطرہ رہتا تھا کہ وہ اپنے پڑوسی مسلمانوں کو تکلیف پہنچائیں گے، مصلحتاً ان جیسوں کی تالیف بھی کی جاتی تھی۔

ترجمۃ الباب میں "المؤلفة قلوبهم" سے پہلی دو قسمیں اور "وغيرهم" سے آخری قسم مراد ہے (۲)۔

یہ رائے کہ وغیرہم سے مؤلفۃ القلوب کی تیسری قسم مراد ہے، عام شراح بخاری کی ہے، تاہم مولف علیہ الرحمۃ نے ترجمۃ الباب کے تحت جو احادیث ذکر کی ہیں، ان میں حضرت عمر اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما کا ذکر بھی آیا ہے، ان کو تیسری قسم میں شامل کرنا ممکن ہی نہیں ہے، ان کی ایمانی کیفیت ظاہر و باہر ہے، چہ جائیکہ ان کو کفار میں داخل مانا جائے، اس لیے یہ کہا جائے گا کہ لفظ وغیرہم عام ہے، اس میں مؤلفۃ القلوب کے علاوہ سبھی داخل ہیں، تیسری قسم کے کفار اور سارے مسلمان اور یہ کہا جائے گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار کلی کو یہاں بیان کیا جا رہا ہے۔ واللہ اعلم

"ونحوه" میں ضمیر مجرور الخمس کی طرف راجع ہے، "أي ونحو الخمس" اس سے مراد مال خراج، جزیہ اور فيء ہے (۲)۔

(۱) دیکھیے، الإعجاز والإيجاز للثعالبي: ۱/۹۲، والتمثيل والمحاضرة له: ☆، ما يتمثل به من ذكر الإنسان ......، وفوات الوفيات: ۳/۱۵۳، ترجمة السراج الوراق، رقم (۳۷۹).

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۶۹، وفتح الباري: ۶/۲۵۲، وأحكام القرآن للرازي: ۳/۱۵۹، البتہ ابن قدامہ نے مؤلفۃ القلوب کی چھ قسمیں بیان کی ہیں، دو کفار کی اور چار مسلمانوں کی۔ دیکھیے، المغني: ۶/۳۲۸-۳۲۹، باب قسمة الفيء......، =

مؤلفۃ القلوب کا حصہ اب باقی ہے یا نہیں؟

اب سوال یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ باقی ہے یا نہیں؟

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک معتمد قول کے مطابق مؤلفۃ القلوب کا حصہ اب بھی کسی نہ کسی صورت میں باقی ہے، وہ ساقط نہیں ہوا۔

ان حضرات کا ایک قول مقید بالاحتیاج والضرورۃ بھی ہے، یعنی ان کا سہم ساقط ہوگیا ہے کہ اسلام کو اب شوکت ومنعۃ حاصل ہوگیا ہے، لیکن اگر کسی وقت ان کے استئلاف کی ضرورت پائی گئی تو ان کو سہم دیا جائے گا (۱)۔

حنفیہ کا قول یہ ہے کہ مولفۃ القلوب کو حصہ نہیں ملے گا کہ ان کے سہم کے ساقط ہونے پر صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے (۲)۔ حنفیہ کی دلیل اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن کا واقعہ ہے۔

چنانچہ امام بیہقی وغیرہ نے روایت نقل کی ہے کہ یہ دونوں حضرات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے انہوں نے تقاضا کیا، زمین مانگی اور ایک تحریر لکھوالی، پھر یہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے کہ وہ بھی اس تحریر پر اپنی گواہی ثبت کردیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس تحریر کو لیا، اس پر تھوک دیا اور تھوک کر اس کو مٹا دیا، مٹا کر پھر پھاڑ دیا۔ یہ لوگ غصے میں حضرت صدیق اکبر کے پاس آئے اور کہنے لگے: "ما ندري، الخليفة أنت أم عمر؟!" صدیق نے فرمایا: "هو إن شاء الله"، کتنا عجیب جواب دیا!!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا تھا کہ اسلام اس زمانے میں ذلیل تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری تالیف کیا کرتے تھے، اب اللہ نے اسلام کو عزت دے دی ہے، جاؤ! جو مرضی آئے کرو، اسلام اب تم سے مستغنی ہے، اس لیے اسلام پر قائم رہو، ورنہ تمہارے اور ہمارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی (۳)۔ یہ شان تھی عمر کی!!!

= المؤلفة قلوبهم ......، فصل، رقم (۵۱۰۷).

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۶۹، وفتح الباري: ۶/۲۵۲.

(۱) المؤطا مع الأوجز: ۶/۹۰، كتاب الزكاة، باب أخذ الصدقة ومن يجوز له أخذها، رقم (۲۹/۶۶۵).

(۲) فتح القدير: ۲/۲۰۱، وأحكام القرآن للرازي: ۳/۱۶۱، وفتح الملهم: ۵/۱۳۳.

(۳) سنن البيهقي الكبرى: ۷/۳۲، كتاب قسم التصرفات، باب سقوط سهم المؤلفة قلوبهم ......، رقم (۱۳۱۸۹)، وأحكام القرآن للرازي: ۳/۱۶۰-۱۶۱.

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اس مسئلے میں عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت کی اور صحابہ میں سے کسی نے اس پر نکیر نہیں کی، گویا کہ ایک قسم کا اجماع صحابہ منعقد ہوگیا(۱)۔

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ یہ حکم معلول بالعلۃ تھا، علت ختم ہوگئی تو حکم بھی مرتفع ہوگیا، مگر اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ اگر علت عود کرآئے گی تو حکم پھر کیا ہوگا؟ تو اس میں مختلف اقوال ہیں:

بعض احناف فرماتے ہیں کہ یہ انتہاء الحکم بانتہاء علتہ کے قبیل سے ہے، جیسا کہ رمضان کے ختم ہونے سے اس کا حکم یعنی صوم بھی ختم ہوجاتا ہے، اسی طرح ذل الاسلام بھی ہے، یعنی علتِ اعطاء ختم ہوجانے کی وجہ سے اعطاء المؤلفہ بھی ختم ہوگیا ہے، ورنہ اسلام کا دوبارہ ذلیل ہونا لازم آئے گا، وذا لا یجوز.

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں اجماع صحابہ ہوچکا ہے، شیخین کی موافقت ہوچکی ہے اور یہ اجماع ناسخ ہے۔ جب کہ مذکورہ حکم منسوخ (۲)۔

تنبیہ

ابن رشد نے بدایۃ المجتہد میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ مؤلفۃ القلوب کو حصہ دیا جاسکتا ہے، اگر امام کی اس پر رائے ہو (۳)۔

لیکن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس نقل کو غریب قرار دیا ہے اور فرمایا ہے:

"لم أجد هذا النقل عن أبي حنيفة، رحمه الله، في كتبنا إلى الآن، وليته ثبت!"(٤).

بہر حال اس مسئلے میں احناف کا جو مسلک ہے وہ غیر مؤید بالدلیل نہیں ہے (۵)۔

---

(١) أحكام القرآن: ٣/١٦١، وفتح الملهم: ٥/١٣٤، وشرح النقاية: ١/٣٨٥، الزكاة، مصارف الزكاة.

(٢) شرح النقاية: ١/٣٨٥، وفتح الملهم: ٥/١٣٤.

(٣) بداية المجتهد: ١/٢٧٥، كتاب الزكاة، الفصل الأول في عدد الأصناف ......، المسألة الثانية.

(٤) فتح الملهم: ٥/١٣٤.

(٥) اس مسئلے کی مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے، أحكام القرآن: ٣/١٦٠-١٦١، مطلب: في المؤلفة القلوب. وفتح الملهم: ٥/١٣٣-١٣٥، والموسوعة الفقهية: ٢٣/٣١٩، و: ٣٦/١٣.

مؤلفة القلوب کو کہاں سے دیا جاتا تھا؟

اس کے بعد اس میں بھی ائمہ کا اختلاف ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مؤلفة القلوب کو کہاں سے دیا کرتے تھے؟ چناں چہ امام مالک اور ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ ان کو خمس میں سے دیا کرتے تھے۔ امام شافعی اور ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ ان لوگوں کو خمس الخمس میں سے دیتے تھے(۱)۔

امام بخاری کی اپنی رائے بھی امام مالک کی رائے کے موافق ہے۔ کما مر.

رَوَاهُ عَبْدُ ٱللهِ بْنُ زَيْدٍ ، عَنِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ . [ر : ٤٠٧٥]

اس بات کو عبداللہ بن زید نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

عبداللہ بن زید بن عاصم انصاری، مازنی، مدنی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں(۲)۔

تعلیق مذکور کا مقصد

اس تعلیق کا مقصد مؤلف علیہ الرحمۃ نے ترجمة الباب میں اپنا جو دعویٰ ذکر کیا ہے، اس کی تقویت ہے کہ یہی چیز عبداللہ بن زید سے بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مؤلفة القلوب وغیرہ کو خمس وغیرہ میں سے دیا کرتے تھے۔

تعلیق مذکور کی تخریج

اس تعلیق میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی اس طویل حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے، جو مؤلف نے مغازی(۳) میں قصہ حنین کے تحت موصولاً ذکر کی ہے(۴)۔ امام بخاری کے علاوہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کتاب الزکاۃ میں اس حدیث کو موصولاً ذکر کیا ہے(۵)۔

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٥٢، نیز دیکھیے، کشف الباري، کتاب المغازي: ٥٥٣-٥٥٤.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب لا يتوضأ من الشك......

(۳) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الطائف، رقم (٤٣٣٠).

(٤) فتح الباري: ٦/٢٥٢، وعمدة القاري: ١٥/٧٠.

(٥) صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم على الإسلام، رقم (٢٤٤٦).

تعلیق کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ابتدائی جملے یہ ہیں:

"لـمـا أفـاء الله عـلـى رسوله صلى الله عليه وسلم يوم حنين، قسم في الناس في المؤلفة قلوبهم".

انہی الفاظ میں ترجمۃ الباب کے ساتھ تعلیق کی مطابقت ہے کہ ان میں مؤلفۃ القلوب کو عطایا دیے جانے کا ذکر ہے(۱)۔

اس تعلیق کے علاوہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب کے تحت دس احادیث ذکر کی ہیں، ان میں کی پہلی حدیث حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی ہے۔

٢٩٧٤ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ : حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ ، وَعُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ : أَنَّ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ(٢) قَالَ : سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَأَعْطَانِي ، ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِي ، ثُمَّ قَالَ لِي : (يَا حَكِيمُ ، إِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرٌ حُلْوٌ ، فَمَنْ أَخَذَهُ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُورِكَ لَهُ فِيهِ ، وَمَنْ أَخَذَهُ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيهِ ، وَكَانَ كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ ، وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى) . قَالَ حَكِيمٌ : فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللهِ ، وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ ، لَا أَرْزَأُ أَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتَّى أُفَارِقَ الدُّنْيَا . فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يَدْعُو حَكِيمًا لِيُعْطِيَهُ الْعَطَاءَ فَيَأْبَى أَنْ يَقْبَلَ مِنْهُ شَيْئًا ، ثُمَّ إِنَّ عُمَرَ دَعَاهُ لِيُعْطِيَهُ فَأَبَى أَنْ يَقْبَلَ مِنْهُ ، فَقَالَ : يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ ، إِنِّي أَعْرِضُ عَلَيْهِ حَقَّهُ الَّذِي قَسَمَ اللهُ لَهُ مِنْ هٰذَا الْفَيْءِ فَيَأْبَى أَنْ يَأْخُذَهُ . فَلَمْ يَرْزَأْ حَكِيمٌ أَحَدًا مِنَ النَّاسِ شَيْئًا بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ حَتَّى تُوُفِّيَ . [ر : ١٣٦١]

تراجم رجال

١ـ محمد بن یوسف

یہ محمد بن یوسف فریابی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب ماكان النبي صلى الله

(١) فتح الباري: ٢٥٢/٦.

(٢) قولهما: "أن حكيم بن ......" الحديث، مر تخريجه في كتاب الزكاة، باب الاستعفاف عن المسألة.

عليه وسلم يتخولهم......" کے تحت آچکا ہے(۱)۔

۲- الأوزاعي

یہ مشہور محدث عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے مفصل حالات کتاب العلم، "باب الخروج في طلب العلم" میں گزر چکے(۲)۔

۳- الزهري

محمد بن مسلم ابن شہاب الزہری رحمۃ اللہ علیہ کا اجمالی تذکرہ "بدء الوحي" میں گزر چکا ہے(۳)۔

٤- سعيد بن المسيب

یہ مشہور محدث حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب من قال: إن الإيمان......" کے ضمن میں بیان کیے جا چکے ہیں(۴)۔

٥- عروه بن الزبير

مشہور تابعی حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ اجمالاً "بدء الوحي" میں گزر چکا(۵)۔

٦- حكيم بن حزام

یہ صحابی رسول، حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ ہیں(٦)۔

ترجمہ حدیث

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگا، آپ صلی

(١) كشف الباري: ٢١٦/٣.

(٢) كشف الباري: ٣٥٣/٣.

(٣) كشف الباري: ٣٢٦/١، الحديث الثالث.

(٤) كشف الباري: ١٥٩/٢.

(٥) كشف الباري: ٢٩١/١، تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے، كشف الباري: ٤٣٦/٢.

(٦) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الزكاة، باب لا صدقة إلا عن ظهر غِنىً.

اللہ علیہ وسلم نے مجھے عطا فرمایا، میں نے پھر مانگا، آپ علیہ السلام نے پھر عطا کیا، پھر فرمایا، اے حکیم! یہ مال سرسبز وخوش گوار ہے، سو جو شخص اسے نیک نیتی سے لیتا ہے تو اس کے مال میں برکت ہوتی ہے اور جو لالچ وحرص (اشراف نفس) کے ساتھ لیتا ہے تو اس کے مال میں برکت نہیں ہوتی، بلکہ وہ اس جیسا ہو جاتا ہے جو کھاتا جاتا ہے، لیکن......اس کا پیٹ نہیں بھرتا اور اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔

حضرت حکیم فرماتے ہیں، میں نے کہا اے اللہ کے رسول! قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! میں آپ کے بعد کسی سے کچھ بھی نہیں لوں گا، یہاں تک کہ دنیا چھوڑ دوں۔

چناں چہ حضرت ابوبکر، حضرت حکیم کو بلایا کرتے کہ انہیں عطا فرمائیں، لیکن وہ ان سے کچھ بھی لینے سے انکاری رہے۔ پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہم نے انہیں طلب کیا کہ انہیں عطا کریں، ان سے بھی انہوں نے کچھ لینے سے انکار کیا۔

(یہ صورت حال دیکھ کر) عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے مسلمانوں کی جماعت! میں حکیم پر ان کا وہ حق پیش کر رہا ہوں، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس مال فيء میں رکھا ہے، لیکن وہ اس کے قبول سے انکار کر رہے ہیں۔

اس طرح حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تا حیات لوگوں میں سے کسی سے کچھ بھی نہیں لیا۔ اللہ اکبر!

تنبیہ

اس حدیث کا تعلق چونکہ کتاب الزکاۃ سے ہے، اس لیے اس کی شرح وہاں ذکر ہوگی (۱)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ مؤلفۃ القلوب میں سے تھے (۲)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی بنیاد پر مختلف مواقع پر انہیں مال وغیرہ عطا فرمایا کرتے تھے، جس کا ذکر "سألت فأعطاني" میں ہے، سو مطابقت پائی گئی (۳)۔

---

(۱) اس حدیث کی بعض تشریحات، كشف الباري، كتاب الرقاق: ۲۹۷-۲۹۸ میں آچکیں۔

(۲) مؤلفۃ القلوب کے ناموں کے لیے دیکھیے، كشف الباري، كتاب المغازي: ٥٥٤، مع حواله جات.

(۳) عمدة القاري: ۱٥/۷۰، والكوثر الجاري: ۱۲٥/٦.

باب کی دوسری حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۷۵ : حدّثنا أَبُو النُّعْمَانِ : حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ عُمَرَ ٱبْنَ الخَطَّابِ[1] رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ قالَ : يَا رَسُولَ ٱللَّهِ ، إِنَّهُ كانَ عَلَيَّ ٱعْتِكَافُ يَوْمٍ فِي الجَاهِلِيَّةِ ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَفِيَ بِهِ ، قالَ : وَأَصابَ عُمَرُ جارِيَتَيْنِ مِنْ سَبْيِ حُنَيْنٍ ، فَوَضَعَهُمَا فِي بَعْضِ بُيُوتِ مَكَّةَ ، قالَ : فَمَنَّ رَسُولُ ٱللَّهِ ﷺ عَلَى سَبْيِ حُنَيْنٍ ، فَجَعَلُوا يَسْعَوْنَ فِي السِّكَكِ ، فَقَالَ عُمَرُ : يَا عَبْدَ ٱللَّهِ ، ٱنْظُرْ ما هٰذَا؟ فَقَالَ : مَنَّ رَسُولُ ٱللَّهِ ﷺ عَلَى السَّبْيِ ، قالَ : ٱذْهَبْ فَأَرْسِلِ الجَارِيَتَيْنِ .

قالَ نَافِعٌ : وَلَمْ يَعْتَمِرْ رَسُولُ ٱللَّهِ ﷺ مِنَ الجِعْرَانَةِ ، وَلَوِ ٱعْتَمَرَ لَمْ يَخْفَ عَلَى عَبْدِ ٱللَّهِ .

تراجم رجال

۱— ابوالنعمان

یہ ابوالنعمان محمد بن الفضل سدوسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ كتاب الإيمان، "باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: الدين النصيحة......" کے تحت بیان ہو چکا(۲)۔

۲— حماد بن زید

یہ حماد بن زید بن درہم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات كتاب الإيمان، "باب المعاصي من أمر الجاهلية......" کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

۳— ایوب

یہ ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ كتاب الإيمان، "باب حلاوة الإيمان" کے تحت آچکا(۴)۔

---

(۱) قوله: "أن عمر......" الحديث، مر تخريجه في الاعتكاف، باب الاعتكاف ليلا.

(۲) كشف الباري: ۷٦٨/۲.

(۳) كشف الباري: ۲۱۹/۲.

(٤) كشف الباري: ٢٦/٢.

٤- نافع

یہ نافع مولی ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب ذكر العلم والفتيا في المسجد" کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

٥- عمر بن الخطاب

ثانی الخلفاء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اجمالی تذکرہ "بدء الوحي" میں بیان ہو چکا ہے(۲)۔

أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال: يا رسول الله

ایک حدیث اور تین احکام

یہ حدیث دراصل تین مختلف حکموں پر مشتمل ہے، یا یوں کہیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تین احادیث کو ایک حدیث میں جمع کر دیا ہے، کیوں کہ راوی بہرحال سب کے نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔

پہلا حکم اعتکاف سے متعلق ہے(۳)، جس کی شرح اسی کے ذیل میں آئے گی۔

دوسرا حکم غزوہ حنین کے قیدیوں سے متعلق ہے، جس کی شرح یہاں مطلوب ہے، یہ دوسرا حکم وأصاب عمر جاريتين سے قال: اذهب فأرسل الجاريتين تک ہے۔

تیسرا حکم عمرے سے متعلق ہے، جو "قال نافع: ولم يعتمر......" سے آخر حدیث تک ہے۔ اس کی شرح کتاب العمرہ میں آئے گی(۴)۔

وأصاب عمر جاريتين من سبي حنين، فوضعهما في بعض بيوت مكة......

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حنین کے قیدیوں میں سے دو باندیاں حاصل ہوئیں، جنہیں آپ رضی اللہ عنہ

---

(۱) كشف الباري: ٣/٦٥١.

(۲) كشف الباري: ١/١٣٩.

حدیث باب کے ارسال اور اتصال میں رواۃ کا اختلاف ہے، بحث کے لیے دیکھیے كشف الباري، كتاب المغازي: ٥٣٨-٥٣٩.

(۳) صحيح بخاري، كتاب الاعتكاف (الصوم)، باب الاعتكاف ليلا، رقم (٢٠٣٢).

(٤) كتاب الحج (العمرة)، باب كم اعتمر النبي صلى الله عليه وسلم؟

نے مکہ کے کسی گھر میں ٹھہرایا۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قیدیوں پر احسان کیا، چنانچہ یہ قیدی مکہ مکرمہ کی گلیوں میں بھاگنے دوڑنے لگے، تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے عبداللہ! دیکھو! کیا بات ہے؟ انہوں نے جواباً فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کو آزاد کر دیا ہے، عمر نے فرمایا، جاؤ! دونوں باندیوں کو آزاد کر دو۔

اس حدیث میں بنو ہوازن کے قیدیوں کے قصے کا ذکر ہے، قصے کی تفصیل گزشتہ ابواب میں اور کتاب المغازی میں گزر چکی ہے(۱)۔

یہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہوازن کے قیدیوں کو غانمین میں تقسیم کیا گیا تو دو باندیاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حصے میں بھی آئیں، جب ہوازن کے قیدیوں نے اسلام قبول کر لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کرنے کا حکم دیا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے حصے کی دونوں باندیاں آزاد کر دیں۔

باندیاں دو تھیں یا ایک؟

پھر یہ سمجھیے کہ حدیث میں جاریتین کا ذکر ہے کہ باندیاں دو تھیں، جب کہ مسلم شریف (۲) کی روایت میں ایک ہی باندی کا ذکر ہے۔

ان دونوں روایات میں تطبیق یوں ہے کہ باندیاں اصل میں دو ہی تھیں، لیکن ان میں سے ایک باندی انہوں نے اپنے صاحبزادے عبداللہ کو ہبہ کر دی تھی، اس موہوبہ باندی کا نام قلابہ تھا۔ اور دوسری باندی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے پاس رکھ لی۔ چنانچہ ابن اسحاق نے نافع عن ابن عمر کے طریق سے ایک روایت نقل کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"قال: بعثتُ جاريتي إلى أخوالي في بني جمح؛ ليصلحوا لي منها، حتى أطوف بالبيت، ثم أتيتهم، فخرجت من المسجد، فإذا الناس يشتدون، قلت: ما شأنكم؟ قالوا: رد علينا رسول الله ﷺ نساء نا وأبناء نا. فقلت: دونكم صاحبتكم، فهي في بني جمح، فانطلقوا، فأخذوها" (اللفظ للحافظ)(۳).

---

(۱) كشف الباري، كتاب المغازي: ۵۳۲، باب قول الله تعالىٰ: ﴿ويوم حنين......﴾.

(۲) صحيح مسلم، كتاب الأيمان، باب نذر الكافر، وما يفعل فيه إذا أسلم، رقم (۴۲۹۴).

(۳) سيرة ابن هشام: ۱۳۳/۴، أمر أموال هوازن ......، وفتح الباري: ۳۶/۸.

''ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی باندی قبیلہ جمح میں اپنے ماموؤں کی طرف بھیج دی، تا کہ اس کو وہ لوگ میرے لیے تیار کریں، یہاں تک کہ میں طواف بیت اللہ سے فارغ ہو جاؤں، پھر ان کے پاس آیا اور مسجد سے نکلا تو دیکھا کہ لوگ دوڑ رہے ہیں! میں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ (یہ افراتفری کیوں؟) تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری عورتیں اور بچے ہمیں واپس کر دیے ہیں۔ میں نے کہا کہ اپنی خاتون کے پاس جاؤ، وہ بنی جمح میں ہے۔ چنانچہ یہ لوگ وہاں گئے اور اسے اپنے ساتھ لے آئے''۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ایک باندی ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دی گئی تھی (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

وَزَادَ جَرِيرُ بْنُ حازِمٍ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قالَ : مِنَ الخُمُسِ .

اور جریر نے اپنے طریق میں "من الخمس" کا اضافہ نقل کیا ہے۔

تعلیق مذکور کا مقصد

اس تعلیق کے دو مقصد ہیں:

ایک تو حماد بن زید کی اوپر ذکر کردہ روایت مرسل تھی، کیونکہ نافع کا عمر رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں، بلکہ رویت بھی ثابت نہیں ہے۔ جب کہ جریر بن حازم (۲) کی روایت مسند ہے کہ اس میں وہ ابن عمر سے نقل کر رہے ہیں۔

تاہم امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جریر کی روایت اگرچہ موصول ومسند ہے اور حماد بن زید کی مرسل، لیکن راجح حماد بن زید کی روایت ہے، کیونکہ وہ ایوب سختیانی کی روایات میں جریر سے اثبت وقوی ہیں (۱)۔

دوسرا مقصد یہ بتلانا ہے کہ حضرت عمر کے حصے میں دو باندیاں جو آئی تھیں، وہ خمس کی تھیں (۲)۔

---

(۱) فتح الباري: ۸/۳٦.

(۲) جریر کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الصلاة، باب الخوخة والممر في المسجد.

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۷۱، وفتح الباري: ٦/۲۵۳، وشرح القسطلاني: ۵/۲۲٤، وشرح علل الترمذي لابن رجب، ترجمة حماد بن زيد بن درهم: ۱/٤٦۳.

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۷۱، وشرح القسطلاني: ۵/۲۲٤، والكوثر الجاري: ٦/۱۲۵-۱۲٦.

تعلیق مذکور کی تخریج

اس تعلیق کی موصولاً ومسنداً تخریج امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الأیمان (۱) میں کی ہے (۲)۔

وَرَوَاهُ مَعْمَرٌ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ فِي النَّذْرِ ، وَلَمْ يَقُلْ : يَوْمٍ . [ر : ١٩٢٧]

اور اعتکاف والی حدیث کو معمر نے ایوب عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ کے طریق سے حدیثِ نذر میں نقل کیا ہے اور اس میں یوم کا اضافہ نہیں ہے۔

تعلیق مذکور کا مقصد

اس تعلیق کا مقصد یہ ہے کہ اعتکاف والی حدیث معمر کے طریق سے بھی مروی ہے، لیکن اس میں یوم کا ذکر نہیں ہے، بلکہ مطلق نذر کا ذکر ہے۔

تخریجِ تعلیق

اس تعلیق کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے موصولاً کتاب المغازی (۳) میں ذکر کیا ہے (۴)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث کے ابتدائی حصے "وأصاب عمر جاريتين من سبي حنين" میں ہے، کیونکہ یہ باندیاں خمس میں سے تھیں، جو غیر المؤلفہ یعنی عمر رضی اللہ عنہ کو دی گئیں۔ یہی بات جریر کی تعلیق میں بھی آئی ہے (۵)۔ واللہ اعلم بالصواب

تیسری حدیث حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ کی ہے۔

٢٩٧٦ : حدّثنا مُوسٰى بن إِسْماعِيلَ : حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حازِمٍ : حَدَّثَنَا الحَسَنُ قالَ :

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الأيمان، باب نذر الكافر ،……، رقم (٤٢٩٤).

(۲) تغليق التعليق: ٣/ ٤٨٠.

(۳) صحيح بخاري، كتاب المغازي، باب قول الله تعالىٰ: ﴿ويوم حنين ……﴾، رقم (٤٣٢٠).

(٤) تغليق التعليق: ٣/ ٤٨٠، وفتح الباري: ٦/ ٢٥٣.

(٥) عمدة القاري: ١٥/ ٧٠، وفتح الباري: ٦/ ٢٥٢، والكوثر الجاري: ٦/ ١٢٥-١٢٦، واللامع: ٧/ ٣١٢.

حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ (☆) قَالَ: أَعْطَى رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ قَوْمًا وَمَنَعَ آخَرِينَ، فَكَأَنَّهُمْ عَتَبُوا عَلَيْهِ، فَقَالَ: (إِنِّي أُعْطِي قَوْمًا أَخَافُ ظَلَعَهُمْ وَجَزَعَهُمْ، وَأَكِلُ أَقْوَامًا إِلَى مَا جَعَلَ ٱللّٰهُ فِي قُلُوبِهِمْ مِنَ الْخَيْرِ وَالْغِنَاءِ، مِنْهُمْ عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ). فَقَالَ عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ: مَا أُحِبُّ أَنَّ لِي بِكَلِمَةِ رَسُولِ ٱللّٰهِ ﷺ حُمْرَ النَّعَمِ.

تراجم رجال

۱– موسیٰ بن اسماعیل

یہ موسیٰ بن اسماعیل تبوذکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا تذکرہ اجمالاً بدء الوحي کی "الحدیث الرابع" کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

۲– جریر بن حازم

یہ جریر بن حازم –بالحاء المهملة والزاي– رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۲)۔

۳– حسن

یہ مشہور تابعی بزرگ حضرت الإمام حسن البصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب المعاصي من أمر الجاهلية......" کے تحت آچکے(۳)۔

٤– عمرو بن تغلب

یہ صحابی رسول، حضرت عمرو بن تغلب نمری رضی اللہ عنہ ہیں(۴)۔

قال: أعطى رسول الله صلى الله عليه وسلم قوما، ومنع آخرين، فكأنهم عتبوا عليه

حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو دیا اور کچھ

(☆) قوله: "حدثني عمرو......": الحديث، مر تخريجه في كتاب الجمعة، باب من قال في الخطبة......

(۱) كشف الباري: ۱/۴۳۳.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الصلاة، باب الخوخة والممر في المسجد.

(۳) كشف الباري: ۲/۲۲۰.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الجمعة، باب من قال في الخطبة بعد الثناء: أما بعد.

لوگوں کو نہیں دیا، گویا کہ محروم رہ جانے والے آپ پر ناراض ہوئے۔

خلیل فرماتے ہیں کہ عتاب اس شکوہ اور اظہارِ ناراضگی کو کہتے ہیں، جو بطور ناز کے ہو(۱)۔

فقال: إني أعطي قوما أخاف ظلعهم وجزعهم

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان لوگوں کو دیتا ہوں، جن کے متعلق مرض قلب وضعف یقین اور جزع وفزع کا اندیشہ ہوتا ہے۔

ظلعهم ظاء اور لام کے ساتھ اعوجاج اور ٹیڑھے پن کے معنی میں ہے، یہاں اس سے مراد ضعف ایمان اور مرض قلب ہے(۲)۔

اس جملے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو مال دینے کی علت بیان فرمائی ہے کہ ان کا ضعف ایمان دیکھ کر میں انہیں نوازتا ہوں، کہ کہیں یہ بدک نہ جائیں۔

وأكل أقواما إلى ما جعل الله في قلوبهم من الخير والغنى

اور کچھ اقوام کو جو خیر اور استغنا ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے اس کے حوالے کر دیتا ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ پہلی صنف کے مقابلے میں ایک دوسری صنف بھی ہے، جو مال وغیرہ سے مستغنی ہے، ان کے دل خیر وبھلائی سے پُر ہیں، یہ لوگ مال کے بغیر بھی اپنے ایمان وایقان پر مضبوط ہیں اور رہیں گے، تو ایسوں کا معاملہ کچھ دشوار نہیں، نہ ہی ان سے کوئی خطرہ واندیشہ ہے۔

علاوہ ازیں صنف اول کے لوگ کم ہی ہوتے ہیں، جب کہ قرن اول سے آج تک ایسے لوگوں کی کثرت رہی ہے، جو بکتے ہیں، نہ دین بدلتے ہیں، غالباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی میں بھی اسی نکتے کی طرف اشارہ ہے کہ پہلی صنف کے لیے ''قوم'' کا اور دوسری صنف کے لیے اقوام کا لفظ ارشاد فرمایا ہے، جو جمع کا صیغہ ہے اور کثرت پر دال ہے۔

غنیٰ بکسور اور مقصور ہے، جو فقر کی ضد ہے(۳)۔

---

(۱) عمدة القاري: ۷۱/۱۵، والقسطلاني: ۲۲٤/٥، وكتاب العين: ۷٥/۲، باب العين والتاء والياء......

(۲) عمدة القاري: ۷۱/۱٥، وإرشاد الساري: ۲۲٥/٥، وفتح الباري: ۲٥۳/٦.

(۳) حواله جات بالا.

منهم عمرو بن تغلب

جن میں سے عمرو بن تغلب بھی ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی دوسری صنف والوں میں رکھا ہے، یہ مال وغیرہ سے مستغنی اور خیر و بھلائی سے پُر ہیں، ان کو اگر مال نہ بھی دیا جائے تو کوئی اندیشہ نہیں۔

فقال عمرو بن تغلب: ما أحب أن لي بكلمة رسول الله صلى الله عليه وسلم حمرَ النعم

تو عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ ارشاد کے عوض میں سرخ اونٹ بھی پسند نہیں۔

بکلمة میں باء بدلیت وعوض کے لیے ہے اور نعم نون کے فتحہ کے ساتھ بقول جوہری کے الانعام کا واحد ہے، اس کا عمومی اطلاق اونٹ پر ہوتا ہے۔ اور حمر حاء کے ضمہ اور میم کے سکون کے ساتھ ہے (۱)۔

پھر یہ واضح ہو کہ حمر منصوب ہے، کیونکہ یہ اَن کا اسم مؤخر ہے۔

اس جملے کے دو مطلب

حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا جملے کے دو مطلب ہیں:

❶ بكلمة رسول الله...... سے مراد وہ کلام ہے، جو آپ علیہ السلام نے حضرت عمرو کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ یہ بھی اہل خیر و غنی میں سے ہیں اور ان میں داخل ہیں۔

تو اس جملے سے ان کو اس قدر خوشی و مسرت ہوئی کہ بقول ان کے اس کے بدلے اگر سرخ اونٹ بھی حاصل ہوتے تو اس قدر خوشی نہ ہوتی۔

❷ کلمہ سے مراد وہ جملہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صنف اول (ضعفاء الإيمان ومرضى القلوب) کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ مجھے ان کے ساتھ شامل نہ کرنے پر بے

---

(۱) الصحاح للجوهري: ۱۰۵٤، مادة "نعم"، وعمدة القاري: ۷۱/۱٥، وإرشاد الساري: ۲۲٥/٥.

حد و بے حساب خوشی و مسرت ہے کہ سرخ اونٹوں کے حصول پر بھی اس قدر خوشی نہ ہوتی (۱)۔

حمر النعم کی تخصیص کی وجہ واضح ہے کہ سرخ اونٹ عربوں کے ہاں سب سے قیمتی مال ہوا کرتا تھا۔

واللہ اعلم بالصواب

وَزَادَ أَبُو عاصِمٍ ، عَنْ جَرِيرٍ قالَ : سَمِعْتُ الحَسَنَ يَقُولُ : حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ : أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أُتِيَ بِمالٍ أَوْ بِسَبْيٍ فَقَسَمَهُ ، بِهٰذَا . [ر : ۸۸۱]

ابو عاصم سے مراد ضحاک ہیں، جو النبیل سے معروف تھے (۲)۔

تعلیق مذکور کا مقصد

اس تعلیق کا مقصد واضح ہے، وہ یہ ہے کہ حدیث باب میں اختصار ہے، نیز اس میں جس چیز کے دینے اور نہ دینے کا ذکر ہے، اس سے مراد مال یا قیدی ہیں، جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم فرما رہے تھے۔ چنانچہ ابو عاصم کی روایت حدیث باب کی بنسبت اوضح ہے۔

کشمیہنی کی روایت میں سبی کی بجائے شيء یعنی شین کے ساتھ ہے اور یہی روایت زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ یہ تمام اشیاء کو شامل و عام ہے (۳)۔

تعلیق مذکور کی تخریج

اس تعلیق کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے موصولاً کتاب الجمعہ (۴) میں نقل کیا ہے (۵)۔

ترجمۃ الباب سے حدیث کی مطابقت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت حدیث کے ابتدائی حصے میں ہے، یعنی "أعطى رسول الله صلى الله عليه وسلم قوما ومنع آخرين" کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو تو عطا فرمایا اور

(۱) فتح الباري: ۲۵۳/٦، وعمدة القاري: ۷۱/۱٥، وإرشاد الساري: ۲۲٥/٥.

(۲) ان کے حالات کشف الباري، باب القراءة والعرض ......: ۱۲۹/۳ میں آچکے۔

(۳) فتح الباري: ۲۵۳/٦، وعمدة القاري: ۷۱/۱٥، وإرشاد الساري: ۲۲٥/٥.

(٤) صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب من قال في الخطبة بعد الثناء...... ، رقم (۹۲۳).

(٥) عمدة القاري: ۷۱/۱٥، وفتح الباري: ۲٥٤/٦، وتغليق التعليق: ٤۸۱/۳، وشرح القسطلاني: ۲۲٥/٥.

دوسروں کو منع کردیا"۔ اس سے جہاں یہ ثابت ہورہا ہے کہ امام کو ان امور میں مطلق اختیار ہے، اسی طرح یہ بھی ثابت ہورہا ہے کہ آپ مؤلفۃ القلوب کو عطا فرماتے تھے۔

چوتھی حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۷۸/۲۹۷۷ : حدّثنا أَبُو الْوَلِيدِ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ قَتَادَةَ ، عَنْ أَنَسٍ[1] رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (إِنِّي أُعْطِي قُرَيْشًا أَتَأَلَّفُهُمْ ، لِأَنَّهُمْ حَدِيثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ) .

تراجم رجال

۱- ابوالولید

یہ ابوالولید ہشام بن عبدالملک طیالسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب علامة الإيمان حب الأنصار" کے تحت گزر چکے(۲)۔

۲- شعبہ

یہ امیر المؤمنین في الحدیث شعبہ بن الحجاج عتکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب المسلم عن سلم المسلمون من......" کے تحت گزر چکا ہے(۳)۔

---

(۱) قوله: "عن أنس......": الحديث أخرجه البخاري أيضاً، نفس هذا الباب، رقم (۳۱٤۷)، وكتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب ابن أخت القوم منهم......، رقم (۳۵۲۸)، وكتاب مناقب الأنصار، باب مناقب الأنصار، رقم (۳۷۷۸)، وباب قول النبي صلى الله عليه وسلم للأنصار: ......، رقم (۳۷۹۳)، وكتاب المغازي، باب غزوة الطائف، رقم (٤۳۳۱-٤۳۳٤، و٤۳۳۷)، وكتاب اللباس، باب القبة الحمراء من أدم، رقم (۵۸٦۰)، وكتاب الفرائض، باب مولى القوم من أنفسهم، ...... رقم (٦۷٦۲)، وكتاب التوحيد، باب قول الله تعالىٰ: ﴿وجوه يومئذ ناضرة......﴾، رقم (۷٤٤۱)، ومسلم، كتاب الزكاة، باب إعطاء المؤلفة ......، رقم (۲٤۳٦-۲٤٤۲)، والترمذي، كتاب المناقب، باب فضل الأنصار وقريش، رقم (۳۹۰۱).

(۲) كشف الباري: ۳۸/۲.

(۳) كشف الباري: ٦۷۸/۱.

٣– قتاده

یہ قتادہ بن دعامہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٤– انس

یہ صحابی رسول، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ان دونوں حضرات کا تذکرہ كتاب الإيمان، "باب من الإيمان أن يحب لأخيه......" کے تحت بیان کیا جا چکا ہے(۱)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں قریش کو دیتا ہوں، ان کو اپنے سے مانوس کرنے کے لیے، کیوں کہ یہ زمانہ جاہلیت سے قریب ہیں۔

پانچویں حدیث بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے۔

(٢٩٧٨) : حدّثنا أَبُو الْيَمانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ : حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ قالَ : أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مالِكٍ[٢] : أَنَّ نَاسًا مِنَ الْأَنْصارِ قالُوا لِرَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، حِينَ أَفاءَ ٱللهُ عَلَى رَسُولِهِ ﷺ مِنْ أَمْوالِ هَوَازِنَ ما أَفاءَ ، فَطَفِقَ يُعْطِي رِجالاً مِنْ قُرَيْشٍ الْمِائَةَ مِنَ الْإِبِلِ ، فَقالُوا : يَغْفِرُ ٱللهُ لِرَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، يُعْطِي قُرَيْشًا وَيَدَعُنَا ، وَسُيُوفُنَا تَقْطُرُ مِنْ دِمائِهِمْ . قَالَ أَنَسٌ : فَحُدِّثَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ بِمَقالَتِهِمْ ، فَأَرْسَلَ إِلَى الْأَنْصارِ فَجَمَعَهُمْ فِي قُبَّةٍ مِنْ أَدَمٍ ، وَلَمْ يَدْعُ مَعَهُمْ أَحَدًا غَيْرَهُمْ ، فَلَمَّا ٱجْتَمَعُوا جاءَهُمْ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ فَقالَ : (ما كَانَ حَدِيثٌ بَلَغَنِي عَنْكُمْ) . قالَ لَهُ فُقَهاؤُهُمْ : أَمَّا ذَوُو آرائِنَا يَا رَسُولَ ٱللهِ فَلَمْ يَقُولُوا شَيْئًا ، وَأَمَّا أُناسٌ مِنَّا حَدِيثَةٌ أَسْنانُهُمْ ، فَقالُوا : يَغْفِرُ ٱللهُ لِرَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، يُعْطِي قُرَيْشًا ، وَيَتْرُكُ الْأَنْصارَ ، وَسُيُوفُنَا تَقْطُرُ مِنْ دِمائِهِمْ . فَقالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (إِنِّي أُعْطِي رِجالاً حَدِيثٌ عَهْدُهُمْ بِكُفْرٍ ، أَما تَرْضَوْنَ أَنْ يَذْهَبَ النَّاسُ بِالْأَمْوالِ ، وَتَرْجِعُوا إِلَى رِحالِكُمْ بِرَسُولِ ٱللهِ ﷺ ؛ فَوَٱللهِ ما تَنْقَلِبُونَ بِهِ خَيْرٌ مِمَّا يَنْقَلِبُونَ بِهِ) . قالُوا : بَلَى يَا رَسُولَ ٱللهِ قَدْ رَضِينَا ، فَقالَ لَهُمْ : (إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً شَدِيدَةً فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوُا ٱللهَ تَعالَى وَرَسُولَهُ ﷺ عَلَى الْحَوْضِ) . قالَ أَنَسٌ : فَلَمْ نَصْبِرْ .

[٣٣٢٧ ، ٣٥٦٧ ، ٣٥٨٢ ، ٤٠٧٦ – ٤٠٧٩ ، ٤٠٨٢ ، ٥٥٢٢ ، ٦٣٨١ ، ٧٠٠٣]

---

(١) كشف الباري: ٢/٣–٤.

(٢) قوله: "أخبرني أنس......" الحديث، مرّ تخريجه في الحديث السابق آنفاً.

تراجم رجال

۱- ابوالیمان

یہ ابوالیمان حکم بن نافع رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲- شعیب

یہ شعیب بن ابی حمزہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کے حالات اجمالاً بدء الوحي کی "الحديث السادس" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

۳- زهری

یہ محمد بن مسلم ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات بھی بدء الوحي کی "الحديث الثالث" کے ضمن میں بیان ہو چکے(۲)۔

٤- أنس

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کتاب الإيمان، "باب من الإيمان......" میں گزر چکا(۳)۔

تنبیہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب کے تحت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیثِ مشہور کو اجمالاً وتفصیلاً دونوں طرح نقل کیا ہے، اس کی شرح مغازی میں آچکی ہے(۴)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

انس رضی اللہ عنہ کی باب کی گزشتہ اور موجودہ دونوں احادیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت بالکل واضح ہے، پہلی کی مطابقت تو اس جملے میں ہے، "انی أعطي قريشا أتألفهم" جب کہ دوسری کی مطابقت "فطفق يعطي رجالا من قريش......" میں ہے۔چناں چہ یہاں بھی مؤلفۃ القلوب کو دینے کا ذکر ہے۔

---

(۱) كشف الباري: ۱/۴۷۹-۴۸۰.

(۲) كشف الباري: ۱/۳۲٦.

(۳) كشف الباري: ۲/٤.

(٤) كشف الباري، كتاب المغازي: ۵۵۲-۵۵۹.

باب کی چھٹی حدیث حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۷۹ : حدّثنا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأُوَيْسِيُّ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ ، عَنْ صَالِحٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ : أَخْبَرَنِي عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مُطْعِمٍ : أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جُبَيْرٍ قَالَ : أَخْبَرَنِي جُبَيْرُ بْنُ مُطْعِمٍ(۱) : أَنَّهُ بَيْنَا هُوَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَمَعَهُ النَّاسُ ، مُقْبِلاً مِنْ حُنَيْنٍ ، عَلِقَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ الْأَعْرَابُ يَسْأَلُونَهُ ، حَتَّى اضْطَرُّوهُ إِلَى سَمُرَةٍ فَخَطِفَتْ رِدَاءَهُ ، فَوَقَفَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ : (أَعْطُونِي رِدَائِي ، فَلَوْ كَانَ عَدَدُ هٰذِهِ الْعِضَاهِ نَعَمًا لَقَسَمْتُهُ بَيْنَكُمْ ، ثُمَّ لَا تَجِدُونِي بَخِيلاً ، وَلَا كَذُوبًا ، وَلَا جَبَانًا) . [ر : ٢٦٦٦]

تراجم رجال

۱– عبدالعزيز بن عبدالله الأويسي

یہ عبدالعزیز بن عبداللہ اویسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ كتاب العلم، "باب الحرص على الحديث" کے تحت گزر چکا ہے(۲)۔

۲– ابراهيم بن سعد

یہ ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳– صالح

یہ صالح بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کا ترجمہ كتاب الإيمان، "باب من كره أن يعود في الكفر......" کے تحت بیان کیا جا چکا(۳)۔

٤– ابن شهاب

یہ محمد بن مسلم ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "بدء الوحي" میں گزر چکا(۴)۔

---

(١) قوله: "أخبرني جبير ......": مر تخريجه في الجهاد، انظر كشف الباري، كتاب الجهاد: ٢٢٢/١.

(٢) كشف الباري: ٣٤/٣.

(٣) كشف الباري: ١٢٠/٢-١٢١.

(٤) كشف الباري: ٣٢٦/١، الحديث الثالث.

٥– عمر بن محمد بن جبير بن مطعم

یہ حضرت جبیر بن مطعم کے پوتے عمر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الجهاد، "باب الشجاعة في الحرب والجبن" میں گزر چکے(۱)۔

٦– محمد بن جبير

یہ محمد بن جبیر بن مطعم نوفلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

٧– جبير بن مطعم

یہ ابو محمد جبیر بن مطعم نوفلی رضی اللہ عنہ ہیں (۳)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حنین سے لوٹتے ہوئے جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ کے ساتھ دوسرے لوگ بھی تھے، بدوی لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چمٹ گئے، وہ آپ سے مانگ رہے تھے، یہاں تک کہ انہوں نے آپ علیہ السلام کو کیکر کے ایک درخت کے پاس پناہ لینے پر مجبور کر دیا تو کیکر نے آپ علیہ السلام کی چادر مبارک اچک لی، چناں چہ آپ نے توقف کیا اور کہا، میری چادر مجھے دو۔اگر میرے پاس ان کانٹے دار درختوں کے برابر بھی چوپائے ہوتے تو سب کو میں تم لوگوں میں تقسیم کر دیتا، پھر تم مجھے بخیل پاؤ گے، نہ جھوٹا اور نہ ہی بزدل۔

اس حدیث کی مفصل شرح چوں کہ کتاب الجہاد (۴) میں آچکی ہے، اس لیے یہاں ہم نے صرف ترجمہ پر اکتفا کیا ہے۔

---

(١) كشف الباري، كتاب الجهاد: ١/٢٢٣.

(٢) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الأذان، باب الجهر في المغرب.

(٣) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الغسل، باب من أفاض على رأسه ثلاثاً.

(٤) كشف الباري، كتاب الجهاد: ١/٢٢٤-٢٢٨.

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت اس جملے میں ہے، "لقسمته بينكم" (۱) کہ "مال تمہارے درمیان تقسیم کردیتا" کیوں کہ یہ اعراب بھی مؤلفۃ القلوب میں سے ہیں۔ چناں چہ یہ جملہ آپ علیہ السلام نے ان کی تالیف وتسلی کے لیے فرمایا ہے۔

ساتویں حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۸۰ : حدّثنا يَحْيىٰ بْنُ بُكَيْرٍ : حَدَّثَنَا مالِكٌ ، عَنْ إِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ ، عَنْ أَنَسِ ابْنِ مالِكٍ (۲) رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : كُنْتُ أَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَعَلَيْهِ بُرْدٌ نَجْرَانِيٌّ غَلِيظُ الحَاشِيَةِ ، فَأَدْرَكَهُ أَعْرَابِيٌّ فَجَذَبَهُ جَذْبَةً شَدِيدَةً ، حَتَّى نَظَرْتُ إِلَى صَفْحَةِ عاتِقِ النَّبِيِّ ﷺ قَدْ أَثَّرَتْ بِهِ حاشِيَةُ الرِّدَاءِ مِنْ شِدَّةِ جَذْبَتِهِ ، ثُمَّ قالَ : مُرْ لِي مِنْ مالِ ٱللهِ الَّذِي عِنْدَكَ ، فَٱلْتَفَتَ إِلَيْهِ فَضَحِكَ ، ثُمَّ أَمَرَ لَهُ بِعَطَاءٍ . [۵۴۷۲ ، ۵۷۳۸]

تراجم رجال

۱- يحيىٰ بن بكير

یہ یحیٰ بن عبداللہ بن بکیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات بدء الوحي میں "الحديث الثالث" کے تحت آچکے (۳)۔

۲- مالك

یہ امام دارالہجرۃ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات بدء الوحيؒ میں "الحديث

---

(۱) عمدة القاري: ۷۳/۱۵، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "لقسمته بينكم" فيه الترجمة: حيث لم يكن هؤلاء كملا في إيمانهم، وإلا لما فعلوا ما فعلوا". لامع الدراري: ۳۱۳/۷.

(۲) قوله: "عن أنس......" الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب اللباس، باب البرود والحبرة والشملة، رقم (۵۸۰۹)، وكتاب الأدب، باب التبسم والضحك، رقم (۶۰۸۸)، ومسلم، كتاب الزكاة، باب إعطاء من سأل بفحش وغلظة، رقم (۲۴۲۹-۲۴۳۰)، وابن ماجه، كتاب اللباس، باب لباس رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (۳۵۵۳).

(۳) كشف الباري: ۳۲۳/۱.

الثاني" کے تحت آچکے(۱)۔

٣– اسحاق بن عبداللّٰہ

یہ مشہور تابعی ابویحییٰ اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب من قعد حيث ينتهي به المجلس" کے تحت گزر چکا ہے(۲)۔

٤– انس بن مالك

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا تذکرہ كتاب الإيمان، "باب من الإيمان أن يحب......" میں گزر چکا(۳)۔

قال: كنت أمشي مع النبي صلى الله عليه وسلم، وعليه برد نجراني غليظ الحاشية

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا، آپ کے بدن مبارک پر ایک نجران کی بنی ہوئی چادر تھی، جس کے کنارے موٹے تھے۔

نجران یمن کے ایک شہر کا نام ہے، جس کی چادریں مشہور ہوا کرتی تھیں اور برد اس چادر کا نام ہے، جس کی جمع برود اور ابراد ہے(۴)۔

فأدركه أعرابي، فجذبه جذبة شديدة، حتى نظرتُ إلى صفحة عاتق النبي صلى الله عليه وسلم، قد أثرت به حاشية الرداء، من شدة جذبته

تو ایک اعرابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ لیا اور بہت شدت سے آپ کی چادر کو کھینچا، تو میں نے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک کے کنارے پر اس کے کھینچنے کی وجہ سے نشان پڑ گئے ہیں۔

یہاں کی روایت میں جذبہ آیا ہے، جب کہ مسلم شریف کی روایت میں جبذہ ہے(۵)، تاہم معنی

---

(١) كشف الباري: ١/٢٩٠، والإيمان: ٢/٨٠.

(٢) كشف الباري: ٣/١٨٢.

(٣) كشف الباري: ٢/٤.

(٤) عمدة القاري: ١٥/٧٣، وفتح الباري: ١٠/٥٠٦، وشرح القسطلاني: ٥/٢٢٦.

(٥) مسلم شريف، كتاب الزكاة، باب إعطاء من سأل بفحش وغلظة، رقم (٢٤٢٩-٢٤٣٠).

دونوں کے ایک ہی، یعنی کھینچنے کے ہیں۔

عاتق تو گردن کو کہتے ہیں اور صفحہ کے معنی کنارے اور ناحیۃ کے ہیں، یعنی گردن کا کنارہ (۱)۔

ثم قال: مر لي من مال الله الذي عندك

پھر اس نے کہا کہ تمہارے پاس جو مال اللہ کا دیا ہوا ہے، اس میں سے مجھے دینے کا حکم دو۔

مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے بیت المال کے ذمے داروں کو کہیے کہ اللہ کے مال میں سے مجھے بھی کچھ دیں، آپ کے اپنے مال میں سے نہیں، نہ ہی آپ کے والد کی کمائی سے، بلکہ اس مال سے جو آپ کی اپنی محنت سے حاصل نہیں ہوا۔ چناں چہ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: "لا من مالك، ولا من مال أبيك" (۲) اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس سے مراد مال زکوۃ ہے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی میں سے مؤلفۃ القلوب پر خرچ کیا کرتے تھے (۳)۔

فالتفت إليه، فضحك، ثم أمر له بعطاء

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف مڑے، پھر ہنس پڑے، پھر اس کو کچھ دینے کا حکم دیا۔

مطلب یہ ہے کہ پہلے تو تعجباً اس کی طرف مڑے، پھر تلطفاً ہنس پڑے (۴)۔ اس حدیث سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال حلم و برداشت کا خوب اظہار ہو رہا ہے کہ آپ لوگوں کی تکالیف اور نادانیوں پر کس قدر صبر سے کام لیا کرتے تھے (۵)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

حدیث کی ترجمۃ کے ساتھ مطابقت آخری جملہ میں ہے، "ثم أمر له بعطاء" کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۷۳، وشرح القسطلاني: ۵/۲۲٦، وفتح الملهم: ۵/۱۳۵.

(۲) فتح الباري: ۱۰/۵۰٦، وفتح الملهم: ۵/۱۳٦.

(۳) حواله جات بالا.

(٤) فتح الملهم: ۵/۱۳٦، والكوثر الجاري: ٦/۱۲۸.

(۵) حواله جات بالا، وفتح الباري: ۱۰/۵۰٦، وعمدة القاري: ۱۵/۷۳.

نے اس بدوی کے عجیب وغریب انداز سوال کے باوجود اس کو مال دینے کا حکم دیا، یہی تو تالیف قلب ہے(۱)۔

ایک اہم فائدہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صرف امام مالک کے طریق سے نقل کی ہے، جو اسحاق بن عبداللہ سے روایت کررہے ہیں، یہی حدیث امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کی ہے، انہوں نے اس کو امام مالک کے علاوہ امام اوزاعی، ہمام بن منبہ اور عکرمۃ بن عمار کے طریق سے بھی نقل کیا ہے، لیکن وہاں بھی اصل روایت مالک کی ہے، جب کہ دیگر حضرات کے طرق کو بعض اضافی فوائد کے بیان کے لیے نقل کیا گیا ہے(۲)۔

پھر یہ سمجھیے کہ یہ حدیث موطا کے مشہور نسخوں میں نہیں ہے، امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”لم أر هذا الحديث عند أحد من رواة المؤطأ، إلا عند يحيى بن بكير ومعن بن عيسىٰ، ورواه جماعة من رواة المؤطأ عن مالك، لكن خارج المؤطأ“(۳).

کہ ”مؤطا کے جو رواۃ ہیں ان میں سے کسی کے نسخے میں، میں نے یہ روایت نہیں دیکھی، سوائے یحییٰ بن بکیر اور معن بن عیسیٰ کے نسخے کے اور مؤطا کے راویوں کی ایک جماعت نے اس حدیث کو امام مالک سے نقل کیا ہے، لیکن مؤطا کے علاوہ“۔

جب کہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ موطا کے دو اور راویوں مصعب بن عبداللہ زبیری اور سلیمان بن صرد نے بھی اپنے اپنے نسخوں میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے(۴)۔

تاہم ہمارے برصغیر کے نسخوں میں یہ حدیث نہیں پائی جاتی۔ واللہ اعلم بالصواب

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۷۳، وفتح الباري: ٦/٢٥٤، ولامع الدراري: ٧/٣١٣.

(۲) فتح الباري: ۱۰/٥٠٦. اور صحیحین میں مواضع حدیث کی نشاندہی پیچھے تخریج حدیث میں کردی گئی ہے۔

(۳) فتح الباري: ۱۰/٥٠٦.

(٤) حواله بالا. اس حدیث کی مزید شرح کے لیے دیکھیے، کشف الباري، كتاب الأدب، باب التبسم والضحك. ٤٨٧-٤٩١.

باب کی آٹھویں حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۸۱ : حدّثنا عُثْمانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ، عَنْ مَنْصُورٍ ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ[1] قالَ : لَمَّا كانَ يَوْمُ حُنَيْنٍ ، آثَرَ النَّبِيُّ ﷺ أُناسًا في الْقِسْمَةِ ، فَأَعْطَى الْأَقْرَعَ بْنَ حابِسٍ مِائَةً مِنَ الْإِبِلِ ، وَأَعْطَى عُيَيْنَةَ مِثْلَ ذٰلِكَ ، وَأَعْطَى أُناسًا مِنْ أَشْرافِ الْعَرَبِ ، فَآثَرَهُمْ يَوْمَئِذٍ في الْقِسْمَةِ ، قالَ رَجُلٌ : وَٱللهِ إِنَّ هٰذِهِ الْقِسْمَةَ ما عُدِلَ فِيهَا ، وَما أُرِيدَ بِهَا وَجْهُ ٱللهِ . فَقُلْتُ : وَٱللهِ لَأُخْبِرَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ، فَأَتَيْتُهُ فَأَخْبَرْتُهُ ، فَقَالَ : (فَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ يَعْدِلِ ٱللهُ وَرَسُولُهُ ، رَحِمَ ٱللهُ مُوسٰى ، قَدْ أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ) .

[٣٢٢٤ ، ٤٠٨٠ ، ٤٠٨١ ، ٥٧١٢ ، ٥٧٤٩ ، ٥٩٣٣ ، ٥٩٧٧]

تراجم رجال

۱- عثمان بن ابی شیبه

یہ عثمان بن محمد بن ابی شیبہ کوفی عبسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲- جریر

یہ جریر بن عبدالحمید ضبی رازی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳- منصور

یہ منصور بن معتمر سَلمی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان تینوں حضرات محدثین کا تذکرہ کتاب العلم، "باب من جعل لأهل العلم......" کے تحت تفصیلاً گزر چکا ہے (۲)۔

---

(١) قوله: "عن عبدالله (رضي الله عنه)": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب أحاديث الأنبياء، باب (بلا ترجمة) بعد باب حديث الخضر ......، رقم (٣٤٠٥)، وكتاب المغازي، باب غزوة الطائف، رقم (٤٣٣٥-٤٣٣٦)، وكتاب الأدب، باب من أخبر صاحبه بما يقال فيه، رقم (٦٠٥٩)، وباب الصبر على الأذى، رقم (٦١٠٠)، وكتاب الاستئذان، باب إذا كانوا أكثر من ثلاثة ...... رقم (٦٢٩١)، وكتاب الدعوات، باب قول الله تعالىٰ: ﴿وصل عليهم﴾ ......، رقم (٦٣٣٦)، ومسلم، كتاب الزكاة، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم......، رقم (٢٤٤٧-٢٤٤٨).

(٢) كشف الباري: ٣/٢٦٦-٢٧٢.

٤– ابووائل

یہ ابووائل شقیق بن سلمہ اسدی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب خوف المؤمن من أن یحبط......" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

٥– عبداللہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، "باب ظلم دون ظلم" میں آچکے(۲)۔

قال: لما كان يوم حنين، آثر النبي صلى الله عليه وسلم أناسا في القسمة، فأعطى الأقرع بن حابس مئة من الإبل، وأعطى عيينة مثل ذلك

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ حنین کے موقع پر تقسیم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کو ترجیح دی، چنانچہ اقرع بن حابس کو سو اونٹ عطا کیے، اسی قدر عیینہ بن حصن کو بھی دیے۔

اس عبارت میں في القسمة سے مراد قسمة الخمس ہے، نہ کہ قسمة الغنيمة، کیوں کہ غنیمت میں تو حصہ متعین ہوتا ہے، جو غانمین کا ہوتا ہے(۳)۔

اقرع بن حابس

یہ اقرع بن حابس بن عقال بن محمد بن سفیان تمیمی دارمی رضی اللہ عنہ ہیں(۴)۔ یہ مؤلفۃ القلوب میں سے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فتح مکہ، غزوہ حنین اور طائف میں شریک رہے(۵)۔

ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان کا اصل نام فراش تھا، جب کہ اقرع لقب ہے، جو نام پر غالب آگیا، یہ

---

(١) كشف الباري: ٢/٥٥٩.

(٢) كشف الباري: ٢/٢٥٧.

(٣) الكوثر الجاري: ٦/١٢٩.

(٤) عمدة القاري: ١٥/٧٤، والاستيعاب: ١/٧٠، باب أقرع، رقم (٦٩).

(٥) عمدة القاري: ١٥/٧٤.

اشرافِ عرب میں سے تھے، حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک لشکر کا امیر بنا کر خراسان کی طرف بھیجا تھا، جہاں یہ زخمی ہو گئے، بالآخر زخموں کی تاب نہ لا کر وہیں انتقال کر گئے (۱)۔ رضي الله عنه وأرضاه.

عیینه

یہ عیینۃ ۔بضم العین، مصغر العین۔ بن حصن بن حذیفۃ بن بدر الفزاری ہیں۔ یہ بھی مؤلفۃ القلوب میں سے تھے (۲)۔

امام ذہبی کہتے ہیں کہ یہ بھی اپنی قوم میں سید اور مطاع تھے، لیکن طبیعت میں گنوار پن اور تیزی تھی (۳)۔ رضي الله عنه وأرضاه.

اس حدیث کی مفصل شرح کتاب المغازی وکتاب الادب وغیرہ میں آگئی ہے (۴)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی مطابقت بالباب بالکل واضح ہے، اس میں تقسیمِ خمس کا ذکر بھی ہے اور اقرع وعیینہ، رضی اللہ عنہما کا بھی، جو مؤلفۃ القلوب میں سے تھے۔

باب کی نویں حدیث حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی ہے۔

٢٩٨٢ : حدّثنا مَحمودُ بْنُ غَيْلَانَ : حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ : حَدَّثَنَا هِشَامٌ قالَ : أَخْبَرَنِي أَبِي ، عَنْ أَسْماءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ (٥) رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قالَتْ : كُنْتُ أَنْقُلُ النَّوَى مِنْ أَرْضِ الزُّبَيْرِ الَّتِي أَقْطَعَهُ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ عَلَى رَأْسِي ، وَهْيَ مِنِّي عَلَى ثُلُثَيْ فَرْسَخٍ . وَقالَ أَبُو ضَمْرَةَ ، عَنْ هِشَامٍ ، عَنْ أَبِيهِ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَقْطَعَ الزُّبَيْرَ أَرْضًا مِنْ أَمْوَالِ بَنِي النَّضِيرِ . [٤٩٢٦]

---

(١) حواله بالا.

(٢) حواله بالا، والكوثر الجاري: ١٢٩/٦، والاستيعاب: ١٣٥/٢، رقم (٢٠٦٦).

(٣) عمدة القاري: ٧٤/١٥، وأيضاً انظر الاستيعاب: ١٣٥/٢.

(٤) كشف الباري، كتاب المغازي: ٥٥٧، نیز دیکھیے، كتاب الأدب: ٤٤٦.

(٥) قوله: "عن أسماء......": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب النكاح، باب الغيرة، رقم (٥٢٢٤)، ومسلم، كتاب السلام، باب جواز إرداف المرأة الأجنبية ......، رقم (٥٦٩٢-٥٦٩٣).

تراجم رجال

۱– محمود بن غیلان

یہ محمود بن غیلان –بفتح المعجمة وسکون المثناة تحت– رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۱)۔

۲– ابو اسامه

یہ ابو اسامہ حماد بن اسامہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب فضل من علم وعلم" کے تحت گزر چکا ہے(۲)۔

۳– هشام

یہ ہشام بن عروۃ بن زبیر قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٤– أبي

اس سے مراد حضرت عروۃ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تذکرہ بدء الوحي کی "الحديث الثاني" کے تحت آ چکا ہے(۳)۔

٥– اسماء بنت ابی بکر

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے حالات تفصیلاً کتاب العلم، "باب من أجاب الفتيا بإشارة اليد......" کے تحت گزر چکے ہیں(۴)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں کہ میں اس زمین سے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بطور جائیداد دی تھی، اپنے سر پر گٹھلیاں منتقل کیا کرتی تھی اور میرے گھر اور اس

---

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب مواقيت الصلاة، باب النوم قبل العشاء لمن غلب.

(۲) كشف الباري: ٣/٤١٤.

(۳) كشف الباري: ١/٢٩١، نیز دیکھیے، ٢/٤٣٢–٤٤٠.

(٤) كشف الباري: ٣/٤٨٧.

زمین کی درمیانی مسافت دوثلث فرسخ تھا۔

النوى نواة کی جمع ہے، گٹھلی کو کہتے ہیں۔اور أقطعه: إقطاع الأرض سے ہے، جس کے معنی جائیداد عطا کرنے کے ہیں۔اور على رأسي جار مجرور أنقل کے ساتھ متعلق ہے، جب کہ بعض حضرات نے اس کو حال قرار دیا ہے...... حال كونها على رأسي......(۱).

"فرسخ" تین میل کی مسافت کو کہتے ہیں(۲)، تو ثلثي فرسخ کے معنی دو میل کے ہوئے۔

وقال أبو ضمرة عن هشام عن أبيه أن النبي صلى الله عليه وسلم أقطع الزبير أرضا من أموال بني النضير

اور ابوضمرہ ہشام عن ابیہ کے طریق سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر کی اراضی میں سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو زمین دی تھی۔

ابوضمرہ-بفتح الضاد وسكون الميم- سے مراد انس بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۳)۔

تعلیق مذکور کا مقصد

اس تعلیق کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دو فائدے بیان کرنے کے لیے نقل کیا ہے۔

❶ ابواسامہ نے اس حدیث کو موصولاً نقل کیا ہے، جب کہ ابوضمرہ نے ان کی اس معاملے میں مخالفت کر دی اور اس کو مرسل نقل کیا ہے۔

❷ اس تعلیق میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو دی گئی زمین کی تعیین کر دی گئی ہے کہ وہ یہود کی تھی اور مال فيء میں سے تھی۔

اس وضاحت کے ساتھ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ کا اشکال بھی مرتفع ہو گیا، جو یہ کہتے ہیں کہ معلوم نہیں کہ نبی علیہ السلام نے مدینہ منورہ، جس کے باشندے برضا ورغبت اسلام میں داخل ہوئے تھے، کی زمین کیسے جائیداد کے طور پر دے دی؟ یہ زمین تو انصار کی تھی، اس میں نبی علیہ السلام نے تصرف کیسے کیا؟

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۷۵، وشرح القسطلاني: ۵/۲۲۷.

(۲) القاموس الوحيد، مادة "فرسخ".

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب التبرز في البيوت.

یہ اشکال نقل کرنے کے بعد علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ایک احتمالی جواب بھی دیا کہ شاید یہ زمین ان اراضی میں سے تھی، جو انصار نے نبی علیہ السلام کے حوالے کردی تھیں کہ ہم میں ان کے احیاء وسیرابی کی سکت نہیں، پانی وغیرہ کا وہاں کوئی انتظام نہیں، لہٰذا ان زمینوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رائے کے مطابق تصرف کریں۔ چناں چہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو دی گئی زمین انہی زمینوں میں تھی۔ هذا رأي الخطابي(۱).

لیکن اس اشکال کا جواب وہی ہے جو تعلیق میں مذکور ہوا کہ یہ زمین انصار کی نہیں، بلکہ یہود مدینہ کی تھی اور مال فيء میں سے تھی (۲)۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں روایت باب میں اقطاع ارض کا ذکر ہے، جب کہ ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أقطع الزبير نخلا"(۳) کہ جاگیر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کا باغ عطا فرمایا تھا۔

اس میں اشکال یہ ہوتا ہے کہ جاگیر دینے کا دستور یہ ہے کہ امام ارض بیضاء (خالی زمین) جاگیر میں دیا کرتا ہے، تاکہ جاگیردار اس کا احیاء کرے اور اس کو آباد کرے، باغ تو پہلے ہی آباد ہوتا ہے، اسے کیوں آپ علیہ السلام نے جاگیر میں دیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ابوعبید قاسم بن سلام نے ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ زمین ایک آدمی کو عطا فرمائی تھی، اس نے اس کا احیاء کیا اور وہ ہرے بھرے نخلستان میں تبدیل ہوگیا، اس کے بعد اس آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس زمین کی مشغولی کی وجہ سے میں آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو پاتا، اس لیے یہ زمین آپ مجھ سے واپس لے لیجیے (۴)۔

---

(۱) أعلام الحديث: ۲/۱۴۵۸-۱۴۵۹، وفتح الباري: ۶/۲۵۴، وعمدة القاري: ۱۵/۷۵.

(۲) فتح الباري: ۶/۲۵۴، وعمدة القاري: ۱۵/۷۵، نیز دیکھیے بذل: ۱۰/۳۱۳، وشرح السنة: ۴/۴۱۳، كتاب البيوع، رقم (۲۱۸۶).

(۳) أبوداود مع البذل: ۱۰/۳۱۳، كتاب الخراج ......، باب في إقطاع الأرضين، رقم (۳۰۶۹).

(۴) كتاب الأموال، رقم (۶۷۶)، بحواله تعليقات مصنف ابن أبي شيبة، محمد عوامة: ۱۷/۵۲۷، رقم(۳۳۶۹۵).

چناں چہ ہوسکتا ہے کہ وہی زمین آپ علیہ السلام نے حضرت زبیر کودی ہو۔ واللہ اعلم

تعلیق مذکور کی تخریج

اس تعلیق کے متعلق حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ہدی الساری میں یہ فرمایا ہے کہ "ورواية أبي ضمرة بإرسالها لم أجدها"(۱).

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

ترجمۃ الباب میں دولفظ ہیں، "وغیرهم" اور "نحوه" اس حدیث کی مناسبت ترجمہ کے لفظ وغیرہم کے ساتھ بھی ہوسکتی ہے اور نحوہم کے ساتھ بھی۔ وغیرہم کے ساتھ اس طرح کہ ابتدائے باب میں ہم یہ بتلا آئے ہیں کہ وغیرہم کو عام رکھا جائے تو زیادہ بہتر ہے، چوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان اموال میں اختیار کلی حاصل تھا، اس لیے مسلم وغیر مسلم دونوں کو آپ مال وغیرہ دیا کرتے تھے۔ اسی بنیاد پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو مذکورہ جائیداد دی گئی تھی۔

اور نحوہ کے ساتھ بھی مطابقت ہوسکتی ہے کہ نحوہ میں چوں کہ خراج، فيء اور جزیہ وغیرہ سب داخل ہیں، اس لیے جو حضرات مثلاً علامہ خطابی (في قولٍ)(۱) یہ کہتے ہیں کہ مذکورہ زمین خمس میں سے دی گئی تھی تو مطابقت من الخمس کے ساتھ ہوگی اور جو حضرات اس زمین کو مال فيء میں سے قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک مناسبت نحوہ کے ساتھ ہوگی، کیوں کہ فيء بھی اس میں داخل ہے اور انہی حضرات کا قول راجح ہے۔ کیوں کہ مشہور قول اموال بنی نضیر میں فيء کا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

باب کی دسویں حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے۔

۲۹۸۳ : حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ : حَدَّثَنَا الْفُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ : حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ

---

(۱) هدي الساري: ۵۷، كتاب الجهاد، الفصل الرابع من المقدمة، هذا ما قاله الحافظ!

ولكن ...... الرواية بإرسالها رواها ابن سعد في الطبقات: ۳/۱۰٤، ومن بني أسد بن عبدالعزى بن قصي: الزبير بن العوام، والبلاذري في فتوح البلدان: ۱/۳٤، أموال بني النضير، وانظر أيضاً تعليقات الشيخ محمد عوامة على المصنف: ۱۷/۵۲۸، رقم (۳۳٦۹۵).

(۲) أعلام الحديث للخطابي: ۲/۱٤۵٤، رقم (۳۱۳٦)، و شرح السنة: ٤/٤۱۳، رقم (۲۱۸٦).

قالَ : أَخْبَرَنِي نَافِعٌ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا(1) : أَنَّ عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ أَجْلَى اليَهُودَ وَالنَّصارَى مِنْ أَرْضِ ٱلحِجَازِ ، وَكانَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ لَمَّا ظَهَرَ عَلَى أَهْلِ خَيْبَرَ أَرادَ أَنْ يُخْرِجَ اليَهُودَ مِنْهَا ، وَكانَتِ الأَرْضُ لَمَّا ظَهَرَ عَلَيْهَا لِلْيَهُودِ وَلِلرَّسُولِ وَلِلْمُسْلِمِينَ ، فَسَأَلَ اليَهُودُ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ أَنْ يَتْرُكَهُمْ عَلَى أَنْ يَكْفُوا العَمَلَ وَلَهُمْ نِصْفُ الثَّمَرِ ، فَقَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (نُقِرُّكُمْ عَلَى ذٰلِكَ ما شِئْنَا) . فَأُقِرُّوا حَتَّى أَجْلَاهُمْ عُمَرُ في إِمارَتِهِ إِلَى تَيْماءَ وَأَرِيحَا . [ر : ۲۲۱۳]

تراجم رجال

۱– احمد بن المقدام

یہ احمد بن المقدام بن سلیمان عجلی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۲– فضیل بن سلیمان

یہ فضیل بن سلیمان نمیری بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

۳– موسیٰ بن عقبہ

یہ مشہور امام مغازی موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

٤– نافع

یہ نافع مولی ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب العلم، "باب ذكر العلم والفتيا في المسجد" کے تحت گزر چکے (۵)۔

٥– ابن عمر رضي الله عنهما

ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حالات کتاب الإیمان، "باب الإيمان......" کے تحت آ چکے (٦)۔

---

(١) قوله: "عن ابن عمر......": الحديث، مر تخريجه في كتاب الإجارة، باب إذا استأجر أرضا......

(٢) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب البيوع، باب من لم ير الوساوس......

(٣) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الصلاة، باب المساجد التي على طرق المدينة......

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب إسباغ الوضوء.

(٥) كشف الباري: ٦٥١/٤.

(٦) كشف الباري: ٦٣٧/١.

حدیث کا ترجمہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہود ونصاریٰ کو حجاز سے باہر نکال دیا تھا (اس سے قبل) جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہود خیبر پر فتح یاب ہوئے تھے تو آپ علیہ السلام نے انہیں خیبر سے نکال باہر کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اور خیبر کی یہ زمین جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فتح کیا تھا تو یہود کی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی اور مسلمانوں کی تھی، چناں چہ (جب یہود کو یہ خبر ملی کہ ان کو یہاں سے نکالنے کا ارادہ ہے تو) انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ انہیں وہاں سے نکالا نہ جائے، اس شرط پر کہ زمین پر کام یہود کریں گے اور پیداوار میں ان کا نصف حصہ ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ٹھیک ہے) ہم اس پر تمہیں چھوڑتے ہیں، لیکن جب تک ہم چاہیں، اس طرح انہیں (ان کی زمین پر) برقرار رکھا گیا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے دنوں میں انہیں تیماء و أریحا کی طرف جلاوطن کردیا۔

حدیث کے بعض اجزاء کی تشریح

روایتِ باب میں آیا ہے، "وكانت الأرض –لما ظهر عليها– لليهود وللرسول وللمسلمين" اکثر نسخوں میں عبارت اسی طرح ہے، تاہم ابن السکن کے نسخے میں للّٰه وللرسول...... ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تعارض ہے کہ اکثر کے نسخوں میں لفظِ یہود ہے اور ابن السکن کے نسخے میں لفظ الجلالة یعنی للّٰه.

اس تعارض کو مختلف طریقوں سے رفع کیا گیا ہے۔

1. طریقۂ ترجیح کہ ابن السکن کی روایت راجح و درست ہے۔
2. تاہم ابن ابی صفرہ کہتے ہیں کہ اکثر کا نسخہ بھی صحیح ہے، یعنی للیہود کے الفاظ۔

اس صورت میں اشکال یہ ہوگا کہ پھر لما ظهر عليها کے کیا معنی ہوں گے؟! کیوں کہ مسلمانوں کے غلبہ کے بعد زمین یہود کی ہونے کے کیا معنی ہوئے؟

اشکال کے جوابات

اس اشکال کے مختلف جوابات ہیں:

❶ لما ظهر عليها سے مراد یہ ہے کہ جب اکثر علاقۂ خیبر فتح ہو گیا اور اس وقت تک یہود نے مصالحت کی درخواست نہیں کی تھی۔ ظاہری بات ہے کہ اس وقت زمین تو یہود کی تھی اور مسلمانوں کی بھی۔ لیکن جب یہود کی طرف سے صلح کی درخواست آئی اور شرائط پر صلح ہو گئی تو زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہو گئی۔

❷ یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہو، یعنی ثمرة الأرض کہ زمین کی پیداوار یہود اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔

❸ لفظ ''ارض'' مفتوحہ وغیرہ مفتوحہ دونوں کو شامل ہے اور ظہور سے مراد غلبہ ہے کہ مسلمان یہود پر غالب تھے، اس صورت میں زمین یہود اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ہوگی، یعنی مفتوحہ مسلمانوں کی اور غیر مفتوحہ یہود کی (۱)۔

تيماء وأريحا

تیماء –بالفتح والمد– شام کی طرف ایک چھوٹا سا شہر ہے، یہ شام اور وادی القری کے درمیان حاجیوں کا جو راستہ ہے، وہاں واقع ہے (۲)۔

اَریحا سے متعلق وضاحت کتاب الخمس کے اوائل میں گزر چکی ہے (۳)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

ترجمۃ الباب سے اس حدیث کا تعلق بظاہر نظر نہیں آتا، اس لیے کہ اس میں مؤلفۃ القلوب کا ذکر ہے، نہ اعطاء کا؟

تو بعض حضرات نے کہا ہے کہ مطابقت موجود ہے، حدیث میں آیا ہے، ''وكانت الأرض لما ظهر عليها لليهود وللرسول وللمسلمين'' ان الفاظ سے مصنف نے ترجمہ ثابت کیا ہے، وہ اس لیے کہ جب وہ زمین اللہ کے رسول کی تھی تو اس میں آپ کو تصرف کرنے کا حق بھی تھا، جس کو چاہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیں، اس میں مؤلفۃ القلوب بھی داخل ہیں اور غیر مؤلفۃ القلوب بھی۔ كما ذكرنا قبل.

---

(۱) فتح الباري: ۲۵۵/٦، وعمدة القاري: ۷۵/۱۵.

(۲) معجم البلدان: ٦۷/۲، باب التاء والياء وما يليهما.

(۳) دیکھیے، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: أحلت لكم الغنائم......

تاہم یہاں سب سے بہترین توجیہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، جوانہوں نے لامع میں ذکر کی، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خیبر کی زمین یہود کو مزارعت پر دی گئی تھی، اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب خارص کو خرص کے لیے بھیجتے تو اس کو حکم فرماتے کہ خرص کے بعد ربع یا ثلث ان یہود کے لیے چھوڑ دینا۔ یہی تو اعطاء ہے! اور اس اعطاء کا مقصد ظاہر ہے کہ تالیف قلب تھا۔

پھر یہ دینے کا جو عمل ہے، خمس ونحو الخمس دونوں سے ہوتا تھا، کیوں کہ جو بھی پیداوار وہاں سے حاصل ہوتی تھی اولاً اس کا خمس نکالا جاتا تھا، پھر غانمین میں تقسیم کیا جاتا، اب یہ سمجھیے کہ مزارعت نصف پر تھی، پھر خارص کو حکم تھا کہ ثلث یا ربع وغیرہ نصف کے علاوہ بھی ان کے لیے چھوڑ دیا جائے، گویا اکثر حصہ یہود کو گیا اور مسلمانوں کے حصے میں، نیز خمس میں کمی آگئی، چناں چہ خمس میں سے بھی یہود کو ملا اور مسلمانوں (غانمین) کے حصے میں سے بھی ان کو ملا کہ غانمین اور خمس دونوں کے حصے بداہۃً ثلث یا ربع کے دینے کی وجہ سے کم ہو گئے تھے۔ حضرت کے الفاظ یہ ہیں:

"ولعل إيراد هذه الرواية ههنا لأجل أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يأمر أصحابه أن يتركوا لهم بعد الخرص ربعا أو ثلثا، كما تشهد به الروايات، وليس ذلك إلا إعطاء؛ فكان هذا الحديث مما يناسب الباب باعتبار إعطاء الغير المؤلفة إن أريد به المؤمنون، وإن كان أعم ممن آمن، ولم يكمل إيمانه بعد، وممن لم يكن مؤمنا بعد، فهو من قبيل إعطاء المؤلفة، وكان ذلك إعطاء من الخمس ونحوه معا؛ لأن ما كان يجيء إلى المسلمين كان يخمس منه أوّلا، ثم يقسم بين الغانمين على حسب حصصهم، فما انتقص من نصيبهم وجباياتهم بترك الربع والخمس والثلث ونحوه انتقص بحسبه من الخمس أيضاً، فكان هذا الحط لهم من المسلمين إعطاء أيضاً".

مولانا یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"فافهم؛ فإنه غريب، وكم للأستاذ مثل ذلك من عجيب!"(١).

(١) لامع الدراري: ٣١٣/٧-٣١٤، وانظر أيضاً تعليقاته: ٣١٣/٧.

٢٠ - باب : ما يُصِيبُ مِنَ الطَّعَامِ في أَرْضِ الحَرْبِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

کسی مجاہد کو اگر دار الحرب میں کھانے کو طعام مل جائے، یا اپنی سواری کے لیے گھاس مل جائے تو اس کا کھانا اور استعمال کرنا اس مجاہد کے لیے جائز ہوگا یا نہیں؟ یہ اختلافی مسئلہ ہے۔

جمہور فقہاء کے نزدیک اس کا کھانا اور استعمال کرنا جائز ہے، کھانے میں ہر وہ چیز داخل ہے جس کا طعام کے طور پر استعمال معتاد ہو، خواہ تقسیم غنیمت سے قبل ہو یا بعد، امام کی اجازت موجود ہو یا نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ دار الحرب میں کھانے پینے کی اشیاء کا حصول عموماً دشوار ہوتا ہے، اس لیے ضرورت کے پیش نظر اس کو جائز کہا گیا ہے، پھر جمہور کے نزدیک ضرورت نہ ہو، تب بھی جائز ہے۔

تاہم بعض حضرات مثلاً امام زہری واوزاعی وغیرہ نے اس کو اذن امام کے ساتھ مقید کیا ہے، جب کہ سلیمان بن موسیٰ یہ فرماتے ہیں کہ ابتداءً تو جائز و درست ہے، لیکن امام منع کر دے تو جائز نہیں ہے۔ یہی امام محمد (رحمہم اللہ) سے بھی مروی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمۃ الباب سے جمہور علماء کی تائید کی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ ان اشیاء میں تخمیس وغیرہ نہیں ہوگی، بلکہ مقاتلین کے لیے اس کا کھانا اور جانور کو کھلانا جائز و مباح ہوگا (۱)۔

حنفیہ کے نزدیک اس میں مزید توسع ہے، وہ طعام اور گھاس کے علاوہ لکڑی، اسلحہ، گھوڑا اور وہ تیل، جس میں تقسیم نہ ہوئی ہو، کو بھی اس حکم میں داخل کہتے ہیں (۲)۔

پھر جمہور کے نزدیک مذکورہ بالا حکم دار الحرب کے ساتھ خاص ہے، ان اشیاء کو ساتھ لیے دار الاسلام آنا جائز نہیں، اگر ایسا کیا تو ان اشیاء کو غنیمت میں داخل کرانا ضروری ہوگا (۳)۔

---

(١) فتح الباري: ٦/٢٥٥، وشرح النووي على مسلم: ٢/٩٧، وإعلاء السنن: ١٢/١٢٩، وعمدة القاري: ١٥/٧٦، والأوجز: ٩/١٥٧، والدر المختار: ٣/٢٥٤، والمغني: ٨/٤٤٥، وشرح السير الكبير: ٢/٣/١٢٠، باب مايستعمل في دار الحرب، ويؤكل ويشرب.

(٢) الدر المختار: ٣/٢٥٤.

(٣) اس مسئلے کی مزید تفصیلات وشروط کے لیے دیکھیے السير الكبير مع شرحه: ٢/٣/١٢٠-١٢٣، والمغني: ٩/٢٢٣-٢٢٤، =

اب باب کی احادیث دیکھیے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور کے موقف کو ثابت کرنے کے لیے یہاں تین حدیثیں ذکر کی ہیں، جن میں پہلی حدیث باب حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی ہے۔

٢٩٨٤ : حدّثنا أَبُو الْوَلِيدِ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ[1] رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ قالَ : كُنَّا مُحَاصِرِينَ قَصْرَ خَيْبَرَ ، فَرَمٰى إِنْسَانٌ بِجِرَابٍ فِيهِ شَحْمٌ ، فَنَزَوْتُ لِآخُذَهُ ، فَٱلْتَفَتُّ فَإِذَا النَّبِيُّ ﷺ فَٱسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ . [٣٩٧٧ ، ٥١٨٩]

تراجم رجال

۱ – ابو الولید

یہ ابوالولید ہشام بن عبدالملک طیالسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب علامة الإیمان حب الأنصار" کے تحت گزر چکا(۲)۔

۲ – شعبه

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج عتکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب المسلم من سلم......" کے تحت گزر چکے(۳)۔

۳ – حمید بن هلال

یہ حمید بن ہلال عدوی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۴)۔

= رقم (٧٥٥٤)، والأوجز: ٩/١٥١–١٦٣، وإعلاء السنن: ١٢/١٢٩–١٣٧، والموسوعة الفقهية: ١/٣٠٧–٣٠٩، (غنيمة: الأخذ من الغنيمة......)، رقم (١٨).

(١) قوله: "عن عبدالله......": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، رقم (٤٢١٤)، وكتاب الذبائح والصيد، باب ذبائح أهل الكتاب وشحومها......، رقم (٥٥٠٨)، ومسلم، كتاب الجهاد، باب جواز الأكل من طعام الغنيمة......، رقم (٤٦٠٥–٤٦٠٦)، وأبوداود، كتاب الجهاد، باب إباحة الطعام في أرض العدو، رقم (٢٧٠٢)، والنسائي، كتاب الضحايا، باب ذبائح اليهود، رقم (٤٤٤٠).

(٢) كشف الباري: ٢/٣٨.

(٣) كشف الباري: ١/٦٧٨.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الصلاة، باب يرد المصلي [illegible] بين يديه.

٤- عبدالله بن مغفل

یہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مغفل (بزنۂ محمد) رضی اللہ عنہ ہیں (۱)۔

قال: كنا محاصرين قصر خيبر، فرمى إنسان بجراب فيه شحم

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے خیبر کے محل کا محاصرہ کررکھا تھا کہ (اوپر سے) ایک آدمی نے چمڑے کی ایک تھیلی پھینکی، جس میں چربی تھی۔

جراب مزود کو کہتے ہیں، یعنی زادراہ کی تھیلی، جو چمڑے سے بنی ہوئی ہو، اس کو جیم کے کسرہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے، صحیح کسرہ ہے، اس کی جمع أجربه و جِرَب ہے (۲)۔

فنزوت لآخذه

میں نے اس کو پکڑنے کے لیے تیزی سے چھلانگ ماری۔

نزوت-نون اور زای کے ساتھ-اس کے معنی کودنے اور چھلانگ مارنے کے ہیں، یہ باب نصر سے ہے (۳)۔

ابوداؤد (۴) کی سلیمان بن المغیرہ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے: "فالتزمته، فقلت: لا أعطي اليوم أحداً من هذا شيئاً" کہ "میں اس تھیلی کے ساتھ چمٹ گیا اور کہا کہ آج کے دن میں کسی کو اس میں سے کچھ بھی نہیں دوں گا"۔

اور ابن وہب کی ایک روایت، جو سند معضل (۵) کے ساتھ مروی ہے، میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت

---

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب مواقيت الصلاة، باب من كره أن يقال للمغرب......

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۷٦، وفتح الباري: ٦/۲٥٦.

(۳) حواله جات بالا، والقاموس الوحيد، مادة "نزو".

(٤) سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب إباحة الطعام في أرض العدو، رقم (۲۷۰۲).

(٥) "والمعضل -بفتح الضاد-: ما سقط من سنده اثنان فصاعدا مع التوالي كقول مالك (ابن أنس): قال رسول الله صلى الله عليه وسلم (فقد ترك فيه: نافعا، ثم ابن عمر)، وقول الشافعي: قال ابن عمر كذا (فقد ترك فيه: مالكا، ثم نافعا)". قواعد في علوم الحديث للعثماني: ٤١، من الديباج المذهب: ۳۷، وتعليقات عبد الفتاح أبي غدة على قواعد......

کعب بن عمرو بن زید انصاری رضی اللہ عنہ نے وہ تھیلی ان سے لے لی، جس پر نبی علیہ السلام نے حضرت کعب سے فرمایا کہ اس کو اس کی تھیلی دے دو (☆)۔

فالتفت، فإذا النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم، فاستحییت منه

میں نے مڑکر دیکھا تو اچانک وہاں نبی اکرم ﷺ موجود تھے تو میں آپ علیہ السلام سے شرما گیا۔

"إذا" مفاجاتیه ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ جب میں مڑا تو اچانک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو شرما گیا، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا فعل دیکھ لیا تھا اور جو الفاظ میں نے کہے تھے وہ سن لیے تھے (۱)۔

اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں نبی علیہ السلام کی جو عزت وتوقیر تھی، وہ بھی واضح ہوگئی۔

نیز یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ حضرات خلاف مروت امور سے کس قدر اپنے کو بچایا کرتے اور ان سے دور رہا کرتے تھے (۲)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عدم انکار میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے انہیں دیکھا کہ وہ ارض عدو سے کھانا لے رہے ہیں، اس کے باوجود انہیں کچھ بھی نہیں کہا، بلکہ مسلم شریف کی روایت میں تو یہ بھی آیا ہے، "فإذا رسول الله صلى الله عليه وسلم متبسّما" (۳) کہ نبی علیہ السلام مسکرا رہے تھے۔ جو آپ علیہ السلام کی رضامندی پر دال ہے۔ علاوہ ازیں ابوداؤد طیالسی (۴) کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے، "فقال: هو لك" کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تھیلی تمہاری ہے (۵)، اس پوری

(☆) فتح الباري: ٦/٢٥٦.

(١) حواله بالا، عمدة القاري: ١٥/٧٦، والكوثر الجاري: ٦/١٣٠.

(٢) حواله جات بالا.

(٣) مسلم شريف، كتاب الجهاد، باب جواز الأكل من ......، رقم (٤٦٠٥).

(٤) مسند أبي داود الطيالسي: ١/٤٩١، وما أسند عن عبدالله بن مغفل رضي الله عنه، رقم (٩٥٩).

(٥) فتح الباري: ٦/٢٥٦، وعمدة القاري: ١٥/٧٦.

اس حدیث کی مزید شرح کے لیے دیکھیے، كشف الباري، كتاب المغازي: ٤٣٢-٤٣٣، وكتاب الذبائح والصيد، باب ذبائح أهل الكتاب: ٢٧٤-٢٧٦.

تفصیل سے اس فعل کا جواز معلوم ہو رہا ہے۔

دوسری حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے۔

۲۹۸۵ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قالَ : كُنَّا نُصِيبُ فِي مَغَازِينَا ٱلْعَسَلَ وَالْعِنَبَ ، فَنَأْكُلُهُ وَلَا نَرْفَعُهُ .[1]

تراجم رجال

۱- مسدد

یہ مسدد بن مسرہد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات كتاب الإيمان، "باب من الإيمان أن يحب لأخيه ......" کے تحت گزر چکے(۲)۔

۲- حماد بن زيد

یہ حماد بن زید بن درہم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ كتاب الإيمان، "باب المعاصي من أمر الجاهلية......" کے تحت آچکا ہے(۳)۔

۳- ايوب

یہ ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا مفصل تذکرہ كتاب الإيمان، "باب حلاوة الإيمان" میں آچکا(۴)۔

٤- نافع

یہ نافع مولی ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے مفصل حالات كتاب العلم، "باب ذكر العلم

---

(۱) قوله: "عن ابن عمر رضي الله عنه": الحديث، تفرد به البخاري، ولم يخرجه إلا في هذا الموضع.

تحفة الأشراف: ٦/٧٦، رقم (٧٥٥٨).

(۲) كشف الباري: ۲/۲.

(۳) كشف الباري: ۲/۲۱۹.

(٤) كشف الباري: ۲/۲٦.

والفتيا في المسجد“ میں گزر چکے ہیں(۱)۔

۵— ابن عمر رضی اللہ عنہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، ”باب الإیمان......“ میں آچکے(۲)۔

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: كنا نصيب في مغازينا ......

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ ہم اپنی جنگوں میں شہد اور انگور حاصل کرتے تھے، سو اس کو کھایا کرتے۔

یہ روایت اسماعیلی اور ابونعیم نے بھی نقل کی ہے، ان کی روایت میں ”الفواکه“ کی زیادتی بھی ہے۔ اسی طرح اسماعیلی نے ایک اور روایت ابن المبارک رحمہم اللہ کے طریق سے نقل کی ہے، اس میں سمن (گھی) کا تذکرہ بھی ہے(۳)۔

علاوہ ازیں ایک روایت جریر بن حازم عن ایوب رحمہم اللہ کے طریق سے بھی مروی ہے، اس میں ہے، ”أصبنا طعاماً وأغناما يوم اليرموك، فلم يقسم“(٤) کہ غزوہ یرموک کے موقع پر ہمیں کھانا اور بکریاں حاصل ہوئیں، جو تقسیم نہیں ہوئیں، یعنی ان کو غنیمت میں شامل کر کے تقسیم نہیں کیا گیا، بلکہ یہ اشیاء ہمارے پاس ہی رہیں۔

یرموک والی یہ روایت موقوف ہے، کیوں کہ یرموک کا غزوہ عہد فاروقی میں لڑا گیا تھا، جب کہ پہلی روایت مرفوع کے حکم میں ہے، کہ اس میں تصریح ہے کہ یہ عہدِ نبوی کا واقعہ ہے، لیکن اس موقوف روایت میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ مرفوع کے موافق ہے(۵)۔

---

(۱) كشف الباري: ٤/٦٥١.

(۲) كشف الباري: ١/٦٣٧.

(۳) فتح الباري: ٦/٢٥٦، وعمدة القاري: ١٥/٧٦، وكذا في رواية سعيد بن منصور في سننه: ٢/٢٧١، لفظ ”الثمار“، وهو متناول للفواكه، رقم (٢٧٣٥)، وشرح الزرقاني: ٣/٢٣، وسنن البيهقي الكبرى: ٩/١٠١، كتاب السير، باب السرية تأخذ العلف ......، رقم (١٧٩٩٤).

(٤) تاريخ مدينة دمشق لابن عساكر: ٣١/٨٣، حرف العين.

(٥) عمدة القاري: ١٥/٧٦، وفتح الباري: ٦/٢٥٦.

ولا نرفعه

اوراس کو ہم جمع نہیں کرتے تھے۔

اس جملہ کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ہم اس کو ذخیرہ نہیں کرتے تھے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اسے ہم غنیمت کے ذمے دار یا نبی علیہ السلام کے حوالے نہیں کرتے تھے، نہ ہی کھانے کی اجازت طلب کرتے، کیوں کہ پہلے سے اس قسم کی چیزوں کے استعمال کی اجازت موجود ہوتی تھی (۱)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت بالکل ظاہر ہے (۲)، ابن عمر رضی اللہ عنہ عہدِ نبوی کی جنگوں کے بارے میں بتلا رہے ہیں کہ ہم عام کھانے پینے کی اشیاء استعمال کرلیا کرتے تھے، جو جواز کی دلیل ہے۔ واللہ اعلم

باب کی تیسری حدیث عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی ہے۔

٢٩٨٦ : حدّثنا مُوسَى بْنُ إِسْماعِيلَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ : حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ قالَ : سَمِعْتُ ٱبْنَ أَبِي أَوْفَى[٣] رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ : أَصَابَتْنَا مَجاعَةٌ لَيَالِيَ خَيْبَرَ ، فَلَمَّا كانَ يَوْمُ خَيْبَرَ وَقَعْنَا فِي الحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ فَٱنْتَحَرْنَاهَا ، فَلَمَّا غَلَتِ الْقُدُورُ نَادَى مُنَادِي رَسُولِ ٱللهِ ﷺ : أَكْفِئُوا الْقُدُورَ ، فَلَا تَطْعَمُوا مِنْ لُحُومِ الحُمُرِ شَيْئًا . قالَ عَبْدُ ٱللهِ : فَقُلْنَا : إِنَّمَا نَهَى النَّبِيُّ ﷺ لِأَنَّهَا لَمْ تُخَمَّسْ ، قالَ : وَقالَ آخَرُونَ : حَرَّمَهَا أَلْبَتَّةَ ، وَسَأَلْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ فَقَالَ : حَرَّمَهَا أَلْبَتَّةَ .

[٣٩٨٣ – ٣٩٨٦ ، ٥٢٠٥]

---

(١) حواله جات بالا، وشرح القسطلاني: ٥/٢٢٨.

(٢) عمدة القاري: ١٥/٧٦، والكوثر الجاري: ٦/١٣١.

(٣) قوله: "سمعت ابن أبي أوفى......": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، رقم (٤٢٢٠، و٤٢٢٢، و٤٢٢٤)، وكتاب الذبائح والصيد، باب لحوم الحمر الإنسية، رقم (٥٥٢٦)، ومسلم، كتاب الصيد والذبائح، باب تحريم أكل لحم الحمر الإنسية (٥٠١٠-٥٠١١)، والنسائي، كتاب الصيد، باب تحريم أكل لحوم الحمر الأهلية، رقم (٤٣٤٤)، وابن ماجه، كتاب الذبائح، باب لحوم الحمر الأهلية، رقم (٣١٩٢).

تراجم رجال

۱- موسیٰ بن اسماعیل

یہ موسیٰ بن اسماعیل تبوذکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات بدء الوحي کی "الحدیث الرابع" کے تحت گزر چکے (۱)۔

۲- عبدالواحد

یہ عبدالواحد بن زیاد عبدی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب الجهاد من الإیمان" کے تحت گزر چکا ہے (۲)۔

۳- الشیبانی

یہ سلیمان بن ابی سلیمان کوفی شیبانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

٤- ابن ابی اوفی

یہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ ہیں (۴)۔

تنبیہ

عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی شرح کتاب الذبائح والصید میں آچکی ہے (۵)۔

قال عبدالله: فقلنا إنما نهى النبي صلى الله عليه وسلم؛ لأنها لم تخمس.

قال: وقال آخرون: حرمها البتة

عبداللہ کہتے ہیں تو ہم نے کہا کہ نبی علیہ السلام نے (ان گدھوں کا گوشت کھانے سے اس لیے) منع

---

(۱) کشف الباري: ٤٣٣/١.

(۲) کشف الباري: ٣٠١/٢.

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الحیض، باب مباشرة الحائض.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب من لم یر الوضوء إلا من المخرجین......

(٥) کشف الباري، کتاب الذبائح والصید: ٢٩٣-٢٩٥.

کیا کہ ان کا خمس نہیں نکالا گیا تھا، فرماتے ہیں: جب کہ بعض دیگر صحابہ نے کہا کہ نبی علیہ السلام نے حمر اہلیہ کو مطلقاً حرام قرار دے دیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حمر اہلیہ کے گوشت سے بھری، ابلتی ہوئی ہانڈیوں کو گرانے کا حکم دیا اور ان کے کھانے سے منع کیا تو علت نہی وممانعت میں صحابہ کی دو آراء ہوگئیں۔

کچھ صحابہ کی رائے یہ ہوئی کہ چونکہ یہ غنیمت میں شامل ہونے چاہیے تھے اور ان میں تقسیم جاری نہیں ہوئی تھی، اس لیے آپ علیہ السلام نے منع فرمایا کہ یہ غنیمت کا حصہ ہے، جس میں تصرف جائز نہیں۔

جب کہ بعض دیگر صحابہ کی رائے یہ ہوئی کہ آپ علیہ السلام نے ان کے کھانے سے مطلق ممانعت کی ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ کھانے کی چیز نہیں (۱)۔

اس عبارت میں عبداللہ سے مراد ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ ہیں، چناں چہ مغازی کی روایت میں دوسرے طریق سے اس کی صراحت آئی ہے (۲)۔

وسألت سعيد بن جبير فقال: حرمها البتة

اور میں نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ نبی علیہ السلام نے حمر اہلیہ کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔

اس جملے کے قائل شیبانی ہیں (۳) اور یہ فرما رہے ہیں کہ جب میں نے مذکورہ بالا مسئلے میں صحابہ کرام کی دو آراء دیکھیں تو تحقیق حال کے لیے حضرت سعید بن جبیر سے پوچھا کہ ممانعت کی وجہ کیا تھی؟ تو انہوں نے فرمایا، حرمها البتة.

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

اس حدیث کی مطابقت بھی ترجمۃ الباب کے ساتھ ظاہر ہے، کیوں کہ صحابہ کرام کی عادت اس سلسلے

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٥٧، وعمدة القاري: ١٥/٧٧.

(٢) حواله جات بالا، وكتاب المغازي، باب غزوه خيبر، رقم (٤٢٢٠).

(٣) عمدة القاري: ١٥/٧٧، وفتح الباري: ٦/٢٥٧، وشرح القسطلاني: ٥/٢٢٨.

میں ماکولات وغیرہ کی طرف جلدی کی تھی، اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ حضرات نبی علیہ السلام کی موجودگی کے باوصف ایسے کسی بھی اقدام سے گریز کرتے، یہاں ایسا نہیں ہوا، جس سے ثابت ہوا کہ کھانے پینے کی عام اشیاء کا استعمال دورانِ جنگ جائز ہے(۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

وبه تم كتاب الخمس، ويليه كتاب (أبواب) الجزية والموادعة إن شاء الله.

(۱) حواله جات بالا، والكوثر الجاري: ۱۳۱/٦.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

٦٢ - أبواب الجزية والموادعة

اختلافِ نسخ

ناسخینِ بخاری کی اکثر روایتوں میں عنوان "باب الجزیة......" آیا ہے، جب کہ لفظ "کتاب" کے ساتھ عنوان صرف ابونعیم اور ابن بطال کے نسخوں میں مذکور ہے۔ اور یہی زیادہ مناسب ہے، جیسا کہ حافظ علیہ الرحمہ کی رائے ہے(۱)۔

اور بسملہ بھی سوائے ابوذر کے تمام نسخوں میں موجود ہے(۲)۔

١ - باب : اَلْجِزْيَةِ وَالموَادَعَةِ مَعَ أَهْلِ اَلذِّمَّةِ والحَرْبِ .

مقصد ترجمۃ الباب

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہاں احکام جزیہ اور کفار کے ساتھ احکام صلح کو بیان کرنا ہے، كما قاله العيني(۳).

چناں چہ اہل حرب کے ساتھ وقت اور حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے مصالحت کی جاسکتی ہے اور جو اہل ذمہ ہیں، ان سے جزیہ لیا جائے گا۔ تفصیل آرہی ہے۔

جزیہ کے لغوی معنی

علمائے لغت اور شراحِ حدیث نے جزیہ کے تین معنی بیان کیے ہیں:

❶ لفظ "جزية" جزأ يجزئ تجزية سے مشتق ہے، جس کے معنی تقسیم کرنے اور کسی چیز کے حصے کرنے کے ہیں، جزیہ بھی ذمیوں پر تقسیم کیا جاتا ہے۔

---

(١) عمدة القاري: ١٥/٧٧، وفتح الباري: ٦/٢٥٨، ٢٥٩، وشرح ابن بطال: ٥/٣٢٧.

(٢) عمدة القاري: ١٥/٧٧، وفتح الباري: ٦/٢٥٨، وإرشاد الساري: ٥/٢٢٩.

(٣) عمدة القاري: ١٥/٧٧.

❷ یہ کلمہ جزاء سے مشتق ہے، جس کے معنی بدلے کے ہیں، کہ جزیہ کی ادائیگی کے بدلے اہل ذمہ کو دارالاسلام میں رہنے اور ٹھہرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔

❸ یہ اجزاء (افعال) سے ہے، جس کے معنی کفایت کرنے کے ہیں۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جزیہ کی ادائیگی بھی اس شخص کی عزت وآبرو، جان ومال کی حفاظت وعصمت کے لیے کفایت کرنے والا ہوتا ہے، جس پر جزیہ مقرر کیا جاتا ہے(۱)۔

جزیہ کے اصطلاحی معنی

جزیہ وہ مقرر مال ہے جو کافر سے دارالاسلام میں سکونت واقامت کی وجہ سے اور اس کے عوض وصول کیا جاتا ہے(۲)۔

دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ جزیہ وہ مال ہے جو اہلِ کتاب پر بوجہ ذمہ مقرر کیا جاتا ہے(۳)۔

موادعہ کے معنی اور مراد

موادعہ باب مفاعلہ کا مصدر ہے، جس کے معنی متارکت یعنی چھوڑنے کے ہیں اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ اہلِ حرب کے ساتھ جنگ وقتال کو ایک معینہ مدت تک کے لیے کسی مصلحت کی بنا پر چھوڑ دینا(۴)۔

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ان الفاظ "الجزية والموادعة مع أهل الذمة والحرب" میں لف ونشر مرتب ہے، کیوں کہ جزیہ کا تعلق اہل ذمہ سے اور موادعت کا اہل حرب سے ہے(۵)۔

جزیہ کی مشروعیت

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ جزیہ کا ثبوت اور اس کی مشروعیت قرآن کریم، احادیث نبویہ اور اجماع سے ہے،

---

(۱) حواله بالا، وفتح الباري: ۲۵۹/٦، ومعجم مقاييس اللغة: ٤٥٥/١، والجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ١١٤/٨، والبناية: ٢٣٨/٧، باب الجزية.

(٢) إعلاء السنن: ٤٢٩/١٢.

(٣) عمدة القاري: ٧٧/١٥، والنهاية في غريب الحديث والأثر: ٢٧١/١.

(٤) عمدة القاري: ٧٧/١٥، وفتح الباري: ٢٥٩/٦، وتحفه الباري: ٥٦٥/٣.

(٥) حواله جات بالا.

نیز قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے۔

چناں چہ قرآن کریم کی یہ آیت ﴿قاتلوا الذين لايؤمنون بالله ولا باليوم الآخر ولا يحرمون ما حرم ورسوله ولا يدينون دين الحق من الذين أوتوا الكتاب حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون﴾ جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی یہاں ذکر کیا ہے، جزیہ کی مشروعیت کے لیے اصل اصیل ہے(۱)۔

اور سنت میں بھی اس کی مشروعیت پر بہت سی احادیث ہیں، مثلاً حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ''جنگِ نہاوند'' کے موقع پر کسریٰ کی فوج کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

"أمرنا نبينا رسول ربنا أن نقاتلكم حتى تعبدوا الله وحده أو تؤدوا الجزية......"(۲).

اسی طرح امت مسلمہ کا بھی اس پر اجماع ہے کہ اہل ذمہ سے جزیہ وصول کیا جائے گا(۳)۔

جہاں تک قیاس کا تعلق ہے تو اس کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ ان سے جزیہ وصول کیا جائے، اس لیے کہ جب وہ ہمارے مسلک و دین کے تابع نہیں ہیں تو ہمارے ملک (دارالاسلام) سے انتفاع کرنے میں بہر حال ان کو کچھ نہ کچھ دینا پڑے گا۔ یہ تو جزیہ کی وصولی کی ظاہری وجہ ہوئی(۴)۔

اس کے علاوہ جزیہ کی وصولی کے اندر ایک باطنی حکمت بھی ہے اور وہ یہ کہ جزیہ جب وہ ادا کریں گے اور دو نمبر کے شہری شمار ہوں گے تو ان کے نفس کو ٹھیس پہنچے گی اور ان کی طبیعتوں میں اسلام کی طرف میلان پیدا ہوگا، تاکہ وہ ایک نمبر کے شہری ہو جائیں، نیز جب وہ مسلمانوں کے ساتھ اختلاط و میل جول رکھیں گے اور معاملات میں آپس میں شرکت کریں گے تو ان کو اسلام کے محاسن پر مطلع ہونے کا موقع ملے گا، جو ممکن ہے ان کے اسلام قبول کرنے کا سبب بنے(۵)۔

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٥٩، وعمدة القاري: ١٥/٧٨، وإعلاء السنن: ١٢/٤٢٩.

(۲) إعلاء السنن: ١٢/٤٣٠.

(۳) المغني لابن قدامة: ٩/٢٦٣، وحواله بالا.

(٤) أحكام القرآن: ٣/١٣٣، سورة التوبة، فصل، وإعلاء السنن: ١٢/٤٣٠، الجواب عن شبهة الملحدين في الجزية.

(٥) فتح الباري: ٦/٢٥٩.

جزیہ کی مشروعیت ۸ھ میں ہوئی یا ۹ھ میں، دونوں قول ہیں (۱)۔

ایک شبہہ اوراس کا جواب

ممکن ہے ملاحدہ میں سے کوئی روشن خیال یہ شبہہ پیش کرے کہ اہل ذمہ سے جزیہ کی وصولی ان کے کفر پر رضامندی ہے اوراس طرح اپنے شرکیہ مذہب پر قائم رہنے کوان کے لیے مباح قرار دیا گیا ہے، جزیہ کی ادائیگی کی بناپر اسلام کے بدلے ان کے کفر پر برقرار رہنے کو کیسے درست کہا جاسکتا ہے؟

اس شبہہ کا جواب بہت واضح ہے، وہ یہ کہ جزیہ اسلام کا بدل ہے نہ اس کی قیمت، بلکہ یہ ایک قسم کا ٹیکس ہے، جو دارالاسلام میں رہنے اور سکونت اختیار کرنے کی وجہ سے ان سے وصول کیا جاتا ہے، ان کو جان ومال، عزت وآبرو کی حفاظت کی ضمانت اسی کی ادائیگی پر دی جاتی ہے اور معاملات میں احکام اسلام کے التزام کی ضمانت ان سے لی جاتی ہے کہ وہ ان کا احترام کریں گے۔

نیز ان سے جزیہ کی وصولی کا مطلب یہ بالکل نہیں کہ ان کے کفر پر رضامندی اختیار کی جارہی ہے، بلکہ یہ تو ان کے کفر اختیار کرنے کی دنیاوی سزا ہے کہ اس میں ان کی ذلت ہے، چناں چہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿......حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون﴾(۲).

اوران سے جزیہ لے کران کوزندہ رکھنا تو اسی طرح ہے کہ بغیر جزیہ لیے ہم ان کو چھوڑ دیں اوران سے تعرض نہ کریں، کیوں کہ عقلاً بھی یہ بات صحیح نہیں کہ ان سب کو قتل کردیا جائے، اگر یہ درست ہوتا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کسی کافرکوایک لمحہ کے لیے بھی زندہ نہ چھوڑتے، اب اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ رکھا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ ان کو یہ سزا دی جائے، تاکہ ان کو کفر سے توبہ کی توفیق ہو اور ایمان کی طرف رغبت، چناں چہ جب مقصودِ خداوندی یہی ہے تو اس میں کوئی امتناع واستبعاد نہیں کہ خدا کی طرف سے ان کو مہلت دی جائے، یہ تو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے ہی کہ بعض انہیں میں سے ایمان لائیں گے اور بعض کی آئندہ نسلوں میں کوئی مومن ہوگا، چناں چہ اس جزیہ کی وصولی اور کفار کو زندہ رکھنے میں خدا کی بہت بڑی مصلحت ہے۔

پھر اس میں مسلمانوں کے بھی فوائد ومنافع کثیرہ ہیں، اس لیے کہ اہل اسلام اگر کفار کو بالکل زندہ نہ

---

(۱) حواله بالا

(۲) التوبة: ۲۹.

چھوڑیں گے تو مسلمانوں کا ہی حرج ہوگا، مثلاً زمینوں میں کھیتی باڑی اور مجاہدین کی خدمت کون انجام دے گا؟ نیز لشکر اسلام کے کھانے پینے کا بندوبست کون کرے گا؟ پلوں کی تعمیر اور قلعوں کی پختگی کا فریضہ کس کے ذمہ ہوگا؟ اس لیے ان تمام امور کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے(۱)۔

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى : «قاتِلوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَلَا بِاليَوْمِ الآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ ما حَرَّمَ اللهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ» /التوبة: ۲۹/ : أَذِلَّاءُ . وَ : «الْمَسْكَنَةُ» /البقرة: ٦١/ و /آل عمران: ١١٢/ : مَصْدَرُ الْمِسْكِينِ ، يُقَالُ : فُلَانٌ أَسْكَنُ مِنْ فُلَانٍ : أَحْوَجُ مِنْهِ ، وَلَمْ يَذْهَبْ إِلَى السُّكُونِ .

اور اللہ تعالیٰ کا قول کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ ایمان نہیں لاتے اور نہ قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں، جن کو اللہ نے اور اس کے رسول نے حرام بتلایا ہے اور نہ سچے دین کو قبول کرتے ہیں، ان سے لڑو، یہاں تک کہ وہ ماتحت ہو کر اور رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کرلیں۔

آیتِ کریمہ کا شانِ نزول اور مختصر تشریح

جب مشرکین پر اہلِ اسلام کو غلبہ حاصل ہوگیا، لوگ گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہونے لگے، جزیرۂ عرب میں مسلمانوں کی جڑیں مضبوط ہوگئیں اور اللہ تعالیٰ کا آخری دین، دینِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم خوب پھلنے پھولنے، برگ وبار لانے لگا تو یہ آیت نازل ہوئی، جس میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتابین یہود ونصاریٰ سے قتال کا حکم دیا، یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر اسلام کو رومیوں کے ساتھ جہاد وقتال کے لیے تیار فرمایا اور لوگوں کو اس میں شرکت کی دعوت دی، جس کے نتیجے میں غزوۂ تبوک پیش آیا، جس کا واقعہ معروف ہے(۲)۔

''ید'' کے ائمہ لغت نے بیس سے زائد معانی بیان کیے ہیں، لیکن ''ید'' سے مراد یہاں قہر وغلبہ ہے(۳)۔ یا طیب نفس ہے اور ہر وہ شخص جو کسی قاہر وجابر کی اطاعت اختیار کرے اور اس کو دلی رضامندی کے

(۱) هذا ملخص ما قاله الرازي في أحكام القرآن: ۱۳۳/۳، فصل، سورة التوبة، والعثماني في إعلاء السنن: ۱۲/ ۴۳۰، وكذا انظر البناية شرح الهداية: ۲۳۸/۷ و۲۴۱.

(۲) عمدة القاري: ۷۸/۱۵.

(۳) حواله بالا، وتحفة الباري: ۵٦٥/۳، والقاموس الوحيد، مادة "يدي".

ساتھ بذریعہ ہاتھ کچھ دے تو کہا جاتا ہے:"أعطاه عن يد" اب ﴿حتى يعطوا الجزية عن يد﴾ کے معنی ہوں گے: "یہاں تک کہ وہ طیب نفس کے ساتھ جزیہ ادا کریں"۔ اور قہر وغلبہ کے معنی کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ جزیہ ادا کرنے والے مقہور ومغلوب ہونے کی وجہ سے جزیہ دیں گے۔ اس کا ایک اور مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ جزیہ وہ اپنے ہاتھ سے خود ادا کریں، کسی کے ذریعہ نہ بھجوائیں (۱)۔ واللہ اعلم

أذلاء

یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے ﴿وهم صاغرون﴾ کی تفسیر ہے، یعنی "صاغرون" کے معنی ذلیل وحقیر کے ہیں، چناں چہ ابو عبید نے اپنی کتاب "المجاز" میں لکھا ہے: "الصاغر: الذليل، الحقير" (۲).

والمسكنة مصدر المسكين، يقال: أسكن من فلان أحوج منه.

اور مسکنۃ مسکین کا مصدر ہے، چناں چہ کہا جاتا ہے أسكن من فلان یعنی وہ فلاں سے زیادہ محتاج ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی معروف عادت ہے کہ وہ کسی ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے قرآن کریم کی دوسری آیات کو بھی باب کے تحت ذکر کر دیتے ہیں اور اس کی تفسیر وشرح کرتے ہیں، یہاں بھی مصنف علیہ الرحمۃ کا ذہن دوسری طرف منتقل ہو گیا اور انہوں نے اہل کتاب ہی کے بارے میں وارد ایک دوسری آیت ﴿وضربت عليهم الذلة والمسكنة﴾ (۳) کی تفسیر شروع کر دی کہ لفظ "مسکنۃ" مسکین کا مصدر ہے، چناں چہ أسكن من فلان کے معنی أحوج من فلان بیان کیے جاتے ہیں (۴)۔

ولم يذهب إلى السكون

اور امام بخاری سکون کی طرف نہیں گئے۔

مطلب یہ ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے مسکین کا اشتقاق سکون سے قرار نہیں دیا، بلکہ انہوں نے اس کو مسکنۃ سے ماخوذ قرار دیا ہے۔

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٥٩، وأحكام القرآن: ٣/١٢٩.

(۲) فتح الباري: ٦/٢٥٩، وتحفة الباري: ٣/٥٦٥، والقسطلاني: ٥/٢٢٩، وعمدة القاري: ١٥/٧٨.

(۳) البقرة: ٦١.

(٤) عمدة القاري: ١٥/٧٨، وتحفة الباري: ٣/٥٦٥، والقسطلاني: ٥/٢٢٩، وفتح الباري: ٦/٢٥٩.

اس جملہ کا قائل کون ہے؟ اس کے بارے میں حافظ صاحب کا خیال یہی ہے کہ اس جملہ کے قائل صحیح بخاری کے راوی فربری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱)۔

آیت کریمہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب کے ساتھ آیت کریمہ کی مناسبت آیت کے اس حصے میں ہے: ﴿حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون﴾ (۲).

وَمَا جاءَ فِي أَخْذِ الْجِزْيَةِ مِنَ الْيَهُودِ وَالنَّصارَى وَالْمَجُوسِ وَالْعَجَمِ .

اور یہود ونصاریٰ، مجوس اور عجم سے جزیہ کی وصولی کے بیان میں یہ کتاب ہے۔

یہ ترجمۃ الباب کا بقیہ حصہ ہے۔

جزیہ کس سے لیا جائے گا؟

یہاں سے اختلافی مسئلہ شروع ہو رہا ہے کہ جزیہ کن لوگوں سے لیا جائے گا، آیا صرف اہل کتاب سے یا دوسرے مذاہب کے متبعین سے بھی؟

تفصیل حسب ذیل ہے:

❶ امام شافعی واحمد رحمۃ اللہ علیہما کا مذہب یہ ہے کہ جزیہ صرف اہل کتاب اور مجوس سے لیا جائے گا (۳)۔

رہے بت پرست، اہل ہوی اور باقی تمام کفار، تو ان سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا، ان سب کی طرف سے صرف اسلام قابل قبول ہوگا (۴)۔

ان حضرات کا مستدل اس مسئلہ میں ترجمہ میں مذکور آیت کریمہ ہے، جس کا مفہوم یہی ہے کہ غیر اہل کتاب سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

جہاں تک مجوس کا تعلق ہے تو چوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ انہوں نے مجوس سے

---

(۱) فتح الباري: ۲۵۹/۶.

(۲) عمدة القاري: ۷۸/۱۵.

(۳) حواله بالا، وفتح الباري: ۲۵۹/۶، والأوجز: ۱۹۱/۶، والمغنی: ۲۶۳/۹، وكتاب الأم: ۱۷۴/٤/۲.

(٤) المغنی: ۲٦٦/۹، رقم: (۷٦٤۲).

جزیہ لیا تھا، تو سنت کے ذریعے کتاب اللہ میں تخصیص ہوگی اور جزیہ کے حکم میں مجوس بھی شامل ہوں گے(۱)۔

❷ امام مالک رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ جزیہ کا حکم ہر کافر کو شامل ہے، اس لیے ہر کافر سے جزیہ وصول کیا جائے گا، خواہ کتابی ہو یا مجوسی، کوئی ہندو ہو یا سکھ، عرب کا ہو یا عجم کا(۲)۔

لیکن ان کے ہاں مرتد اس حکم عام میں داخل نہیں، یعنی اس کے حق میں جزیہ قابل قبول نہیں، اس کے لیے تو دو ہی صورتیں ہیں، توبہ یا قتل۔

یہی مذہب امام اوزاعی اور فقہائے شام کا بھی ہے(۳)۔

ان حضرات کا مستدل اس سلسلے میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے نقل فرمایا ہے، حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أمَّر أميراً على جيش أو سرية أوصاه في خاصته بتقوى الله ومن معه من المسلمين خيراً، ثم قال: ...... وإذا لقيت عدوكم من المشركين فادعهم إلى ثلاث خصال -أو خلال- ...... فإن هم أبوا فسلهم الجزية، فإن هم أجابوك فاقبل منهم، وكف عنهم ......"(٤).

یعنی: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ، جب کسی کو جیش کا یا سریہ کا امیر مقرر فرماتے تو، یہ تھی کہ مذکورہ امیر کو اپنی ذات اور عام مسلمانوں کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت فرماتے، پھر ارشاد فرماتے ...... اور جب دشمن سے تمہاری

---

(١) الفتح: ٦/٢٥٩-٢٦٠، وكتاب الأم: ٢/٤/١٧٢-١٧٣، وعمدة القاري: ١٥/٧٨، وأحكام القرآن: ١٢٠/٣.

(٢) المدونة الكبرى: ٢/٤٦، وفتح الباري: ٦/٢٥٩، وعمدة القاري: ١٥/٧٨.

(٣) فتح الباري: ٦/٢٥٩، وعمدة القاري: ١٥/٧٨.

(٤) الحديث أخرجه مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب تأمير الإمام الأمراءَ على البعوث ووصيته......، رقم (٤٥٢١-٤٥٢٤)، وأبوداود، أول كتاب الجهاد، باب في دعاء المشركين، رقم (٢٦١٢-٢٦١٣)، والترمذي، أبواب السير، باب ماجاء في وصيته صلى الله عليه وسلم في القتال، رقم (١٦١٧)، وابن ماجه، أبواب الجهاد، باب وصية الإمام، رقم (٢٨٥٨).

مڈبھیڑ ہوتو تم ان کو تین چیزوں کی دعوت دو......اگر وہ انکار کردیں تو ان سے جزیہ طلب کرو،
اگر اس پر رضامندی کا اظہار کریں تو ان سے جزیہ قبول کرلو اور ان سے تعرض نہ کرو......''۔

اس حدیث کے عموم سے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں کہ یہ حدیث تمام مشرکین وکفار کو عام ہے، چناں چہ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کا لفظ استعمال فرمایا ہے، لہٰذا شرک کہیں کا بھی ہو، کسی بھی قسم کا ہو، وہ اس حدیث کے عموم کے تحت داخل ہے(۱)۔ اہل کتاب بھی ظاہر ہے کہ ان کا اکثریتی طبقہ مشرک ہی ہے، کوئی عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہتا ہے اور کوئی مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتا ہے۔

نیز یہ حضرات اس بات سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوسِ ہجر سے جزیہ وصول کیا ہے، جو اس امر کا مقتضی ہے کہ آیت کریمہ کے مفہوم مخالف کا یہاں اعتبار نہیں کیا گیا، بلکہ اسے ترک کردیا گیا ہے، چنانچہ جب اہل کتاب کی تخصیص کو اس حدیث کے ذریعے کردیا گیا تو معلوم ہوا کہ آیت کریمہ میں مذکورہ کلمات ﴿من أهل الکتاب﴾ کا کوئی مفہوم مخالف نہیں (۲)۔

❸ حضرات حنفیہ-کثّر اللہ سوادہم- کا مذہب اخذ جزیہ میں یہ ہے کہ اہل کتاب، مجوس اور عجم کے بت پرستوں سے لیا جائے گا، جہاں تک عرب بت پرستوں کا تعلق ہے، ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا، ان کے لیے اسلام ہے یا تلوار، تیسری کوئی صورت نہیں، نیز مرتدین سے بھی جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا (۳)۔

غالبًا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی مسلک کے قائل ہیں کہ انہوں نے یہاں ترجمۃ الباب کے تحت جو الفاظ ذکر کیے ہیں، ان سے یہی متبادر ہوتا ہے (۴)۔

---

(۱) شرح ابن بطال: ٥/٣٣٠، وأحكام القرآن للرازي: ٣/١١٨-١٢١.

(٢) شرح ابن بطال: ٥/٣٣٠، وفتح الباري: ٦/٢٦٠.

(٣) الهداية مع فتح القدير: ٥/٢٩١، وعمدة القاري: ١٥/٧٨، وأحكام القرآن: ٣/١٢١.

قال الإمام محمد بن الحسن الشيباني رحمه الله: "ثم كل من يجوز استرقاقه من الرجال يجوز أخذ الجزية منه بعقد الذمة؛ كأهل الكتاب وعبدة الأوثان من العجم، ومن لا يجوز استرقاقه لايجوز أخذ الجزية منه؛ كالمرتدين وعبدة الأوثان من العَرب، والأصل فيه حديثان......" السير الكبير مع شرحه للسرخسي: ٢/٣/١٣٢، باب قتل الأسارى والمن عليهم، رقم الباب (١٠٧).

(٤) عمدة القاري: ١٥/٧٨، وأوجز المسالك: ٦/١٩٢، وفيض الباري: ٣/٤٧٢.

حضرات حنفیہ کا مذہب مالکیہ ہی کی طرح ہے، فرق صرف یہ ہے کہ وہ مشرکین عرب سے بھی جزیہ قبول کیے جانے کے قائل ہیں، جب کہ احناف اس کے قائل نہیں۔

ان حضرات کا مستدل ایک تو یہی آیتِ کریمہ ہے، جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی باب کے تحت ذکر کیا ہے۔

دوسرا مستدل حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی مجوس ہجر سے جزیہ وصول کیے جانے والی حدیث ہے۔ جو باب کے تحت آگے آرہی ہے (۱)۔

پھر قیاس بھی احناف کا مؤید ہے، وہ یہ کہ اہل کتاب، مجوس اور عجمی بت پرستوں کو غلام بنانا جائز ہے تو ان سے جزیہ قبول کرنا بھی جائز ہوگا۔ اس کا عکس مرتد ہے کہ اس کو غلام بنانا جائز نہیں، لہٰذا اس سے جزیہ لینا بھی درست نہیں (۲)۔

مشرکینِ عرب کی تخصیص کی وجوہات

جہاں تک مشرکین عرب اور مرتدین سے جزیہ قبول نہ کیے جانے کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے کفر کی نوعیت ذرا مختلف ہے کہ ان کا کفر کچھ زیادہ ہی شدید ہے، دیکھیے! نبی کریم ﷺ مشرکین عرب کے درمیان ہی پلے بڑھے تھے، قرآن کریم بھی انہی کی زبان میں نازل ہوا تھا، اس لیے معجزات ان کے حق میں زیادہ ظاہر وباہر تھے، ان سب کے باوجود اسلام قبول نہ کرنے کا مطلب ہٹ دھرمی اور سینہ زوری نہیں تو اور کیا ہے؟ (۳)

اسی طرح مرتد کا معاملہ ہے، اس نے ہدایت کے بعد ظلمت، اسلام وانقیاد کے بعد اپنے رب حقیقی کا جو دوانکار کیا ہے، جب کہ اسے اسلام کے محاسن حسنہ کا بھی علم تھا، اس لیے جزیہ اس سے نہیں لیا جائے گا، سزا میں بطور زیادتی کے صرف اسلام یا تلوار اس کی جانب سے قابل قبول ہوگا۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے احکام القرآن میں دیگر وجوہات بھی اس تخصیص کے لیے ذکر کی ہیں:

(۱) الفقه الحنفي وأدلته: ۳۹۹/۲، والهداية مع فتح القدير: ۲۹۲/۵.

(۲) شرح ابن بطال: ۳۳۰/۵، والهداية مع فتح القدير: ۲۹۲/۵.

(۳) مرقاة المفاتيح: ۵۵۵/۷، الفصل الثالث من باب الجزية، والهداية مع فتح القدير: ۲۹۲/۵، وأوجز المسالك: ۱۹۷/۶، والمبسوط للسرخسي: ۱۲۶/۱۰، باب المرتدين.

❶ امام معمر رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ زہری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بت پرستوں کے ساتھ جزیہ پر صلح کی تھی، البتہ اس سے وہ بت پرست مستثنیٰ تھے، جو عرب تھے۔

❷ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم﴾(۱). یہ آیت عرب کے بت پرستوں کے بارے میں نازل ہوئی، اس لیے ان کو یا تو قتل کیا جائے گا یا ان کو اسلام قبول کرنا ہوگا(۲)۔

اسی طرح ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشرکینِ عرب کے بارے میں ہماری دلیل یہ آیت ہے: ﴿تقاتلونهم أو يسلمون﴾(۳). اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: "لا يقبل من مشركي العرب إلا الإسلام أو السيف"(٤).

کن لوگوں سے جزیہ نہیں لیا جائے گا؟

پیچھے ذکر کردہ بحث کا تعلق اس سے تھا کہ جزیہ کن لوگوں پر واجب ہے۔ اب بحث یہ ہے کہ جزیہ کن لوگوں پر واجب نہیں، چناں چہ احناف رحمہم اللہ کا مذہب اس سلسلے میں یہ ہے کہ عرب کے بت پرستوں، مرتدین، عورت، بچے، معذور، اندھے، شیخ فانی اور کام پر قدرت نہ رکھنے والے فقیر پر جزیہ واجب نہیں(۵)۔

عرب کے بت پرستوں اور مرتدین سے جزیہ نہ لیے جانے کی وجہ ماقبل میں ہم ذکر کر چکے، جہاں تک عورت، بچے، معذور اور شیخ فانی وغیرہ سے جزیہ نہ لیے جانے اور ان پر اس کے واجب نہ ہونے کا تعلق ہے تو اس

---

(١) التوبة: ٥.

(٢) أحكام القرآن: ٣/١٢١، مطلب في الصابئين، والأوجز: ٦/١٩٣، و١٩٥، والمصنف لعبد الرزاق: ١٠/٣٢٦، رقم (١٩٢٥٩)،، وانظر كذلك كتاب السير الكبير مع شرح السرخسي: ٢/٣/١٣٢، باب (١٠٧)، قتل الأسارى والمن عليهم.

(٣) الفتح: ١٦.

(٤) كتاب الخراج لأبي يوسف القاضي، ومرقاة المفاتيح: ٧/٥٥٥، و"عن الحسن قال: أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يقاتل العرب على الإسلام، ولايقبل منهم غيره ......". إعلاء السنن: ١٢/٤٥٠، والفقه الحنفي وأدلته: ٢/٤٠٠.

(٥) الفقه الحنفي وأدلته: ٢/٤٠٠، والهداية مع فتح القدير: ٥/٢٩٣-٢٩٤.

کی وجہ یہ ہے کہ جنگوں میں ان کو قتل نہیں کیا جاتا اور قانون یہ ہے کہ جس شخص کو بطور سزا کے قتل نہیں کیا جاتا، اس سے جزیہ کا مطالبہ بھی نہیں کیا جاتا، چوں کہ جزیہ تو اس لیے لازم ہوا تھا کہ قتل کو ساقط کر دیا جائے، اس لیے جس کا قتل واجب نہیں اس پر جزیہ بھی لازم نہیں اور یہ وہ اشخاص ہیں جن کا قتل جائز نہیں، اس لیے ان پر جزیہ کی ادائیگی بھی لازم نہیں۔

حضرت اسلم مولی عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"كتب عمر رضي الله عنه إلى أمراء الجزية: أن لا يضعوا الجزية إلا على من جرت عليه المواسي، ولا يضعوا الجزية على النساء والصبيان......"(١).

کہ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جزیہ وصول کرنے کے ذمہ داروں کو لکھا کہ وہ جزیہ کو لازم نہ کریں سوائے اس شخص کے جس پر استرا چل گیا ہو، یعنی بالغ ہو اور عورتوں اور بچوں پر جزیہ کو لازم نہ کریں"۔

فقیر غیر معتمل، یعنی وہ فقیر، جو کسی حرفت وصنعت کو جاننے کے باوجود عمل پر قدرت نہ رکھتا ہو، سے جزیہ نہ لیے جانے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ شرط لگائی تھی کہ اس فقیر سے جزیہ لیا جائے گا جو کام پر قدرت رکھے گا، چناں چہ صلہ بن زفر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل ذمہ کے ایک بوڑھے کو دیکھا کہ وہ بھیک مانگ رہا ہے، حضرت نے پوچھا کہ تمہیں کیا تکلیف ہے؟ بھیک کیوں مانگ رہے ہو؟ تو بوڑھے نے کہا میرے پاس مال نہیں ہے اور مجھ سے جزیہ لیا جاتا ہے، اس رقم کو پورا کرنے کے لیے سوال کر رہا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا کہ تمہاری جوانی ہم کھا گئے، اب تم سے جزیہ بھی لے رہے ہیں۔ پھر خلیفہ نے اپنے تمام عمال کو لکھا، شیخ فانی سے جزیہ نہ لیں (٢)۔

---

(١) سنن البيهقي: ٣٣٣/٩، كتاب الجزية، باب من يرفع عنه الجزيه، رقم (١٨٧٠٠)، والهداية مع فتح القدير: ٢٩٤/٥، والفقه الحنفي وأدلته: ٤٠١/٢.

(٢) نصب الراية: ٤٥٣/٣، باب الجزية، الحديث الرابع، وكتاب الأموال لابن زنجويه: ١٦٢/١، باب من تجب عليه الجزية ومن تسقط عنه، رقم (١٦٥) وكنز العمال: ٢١٣/٤، كتاب الجهاد، رقم (١١٤٧٣) إعلاء السنن: ٤٦٢/١٢، والهداية مع فتح القدير: ٢٩٤/٥، والفقه الحنفي وأدلته: ٤٠١/٢.

اسی طرح مملوک، مکاتب، مدبر، ام ولد اور راہب، جو لوگوں کے ساتھ اختلاط نہ رکھتے ہوں، سے بھی جزیہ نہیں لیا جائے گا(۱)۔

وَقالَ ٱبْنُ عُيَيْنَةَ ، عَنِ ٱبْنِ أَبِي نَجِيحٍ : قُلْتُ لِمُجَاهِدٍ : ما شَأْنُ أَهْلِ الشَّأْمِ عَلَيْهِمْ أَرْبَعَةُ دَنَانِيرَ ، وَأَهْلُ الْيَمَنِ عَلَيْهِمْ دِينَارٌ ؟ قالَ : جُعِلَ ذٰلِكَ مِنْ قِبَلِ الْيَسَارِ .

اور ابن عیینہ ابن ابی نجیح سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے مجاہد سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اہل شام ان پر تو چار دینار لازم ہیں اور اہل یمن پر صرف ایک دینار؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ مالداری وتونگری کے حساب سے مقرر کیا گیا ہے۔

یعنی شامی چوں کہ امیر ہیں، اس لیے ان سے چار دینار لیے جاتے ہیں اور یمنی غریب ہیں تو ان سے ایک دینار لیا جاتا ہے۔

مذکورہ تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کو امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مصنف میں موصولاً "أخبرنا ابن عيينة عن ابن أبي نجيح" کی سند سے نقل کیا ہے(۲)۔

اسی طرح ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کتاب الاموال میں اسے بلاغاً روایت کیا ہے(۳)۔

مذکورہ تعلیق کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس اثر کو یہاں ذکر فرما کر جزیہ کی وصولی میں تفاوت وفرق کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

---

(۱) الهداية مع فتح القدير: ۲۹۴/۵، و۲۹۵، باب الجزية، وقال ابن رشد في بداية المجتهد: ۴۰۴/۱، الفصل السابع في الجزية: "فإنهم اتفقوا على أنها إنما تجب بثلاثة أوصاف: الذكورية، والبلوغ، والحرية، وأنها لاتجب على النساء والصبيان؛ إذ كانت إنما هي عوض من القتل، والقتل إنما هو متوجه بالأمر نحو الرجال البالغين؛ إذ قد نهي عن قتل النساء والصبيان، وكذلك أجمعوا أنها لا تجب على العبيد".

(۲) المصنف لعبدالرزاق: ۳۳۰/۱۰، كتاب أهل الكتابين، باب كم يؤخذ منهم في الجزية، رقم: (۱۹۲۷۱)، وتغليق التعليق: ۴۸۲/۳، وعمدة القاري: ۷۹/۱۵.

(۳) كتاب الأموال، باب فرض الجزية، ومبلغها......: ۵۱/۱، وتغليق التعليق: ۴۸۲/۳.

اہل ذمہ سے وصول کیے جانے والے جزیہ کی مقدار کیا ہوگی، اس میں بھی ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے۔

چناں چہ امام ابوحنیفہ اور ایک روایت میں امام احمد (۱) کا مذہب یہ ہے کہ تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں: غنی، متوسط اور فقیر، اغنیاء سے سالانہ اڑتالیس درہم وصول کیے جائیں گے (یا چار دینار)، ہر مہینے کے حساب سے یہ تین درہم بنتے ہیں، متوسطین سے چوبیس درہم (یا دو دینار)، یعنی فی مہینہ دو درہم۔ اور فقراء سے بارہ درہم (یا ایک دینار)، فی مہینہ ایک درہم (۲)۔

امام ثوری، ابوعبید، ایک روایت میں امام احمد رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ جزیہ کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں، امام کی رائے پر منحصر ہے کہ کم وصول کرے یا زیادہ (۳)۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ غنی اور فقیر دونوں سے ایک ہی دینار وصول کیا جائے گا (۴)۔ البتہ امام کو یہ اختیار ہے کہ مماکست کرے، یعنی جزیہ کی رقم بڑھانے کی کوشش کرے، یہاں تک کہ چار دینار ان سے لے لیے جائیں (۵)۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول مختار یہ ہے کہ سونے والوں سے چار دینار اور چاندی والوں سے چالیس درہم لیے جائیں گے (۶)۔ اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو بقدر ضرورت کم کر دیا جائے گا (۷)۔

حنابلہ میں سے امام ابوبکر کا مسلک مختار یہ ہے کہ جزیہ کی کم سے کم مقدار ایک دینار ہے، اکثر کی حد مقرر نہیں، امام احمد سے ایک روایت یہ بھی مروی ہے (۸)۔

---

(۱) المغني لابن قدامة: ۲۶۷/۹، وإعلاء السنن: ۴۳۱/۱۲.

(۲) فتح الباري: ۲۶۰/۶، وإعلاء السنن: ۴۳۱/۱۲، والهداية مع فتح القدير: ۲۸۹/۵.

(۳) المغني لابن قدامة: ۲۶۷/۹، رقم (۷۶۴۵)، وإعلاء السنن: ۴۳۱/۱۲.

(۴) أحكام القرآن للجصاص: ۱۲۵/۳، وإعلاء السنن: ۴۳۱/۱۲، وكتاب الأم: ۲۷۹/۴.

(۵) فتح الباري: ۲۶۰/۶، وشرح النووي على مسلم: ۸۲/۲.

(۶) شرح الزرقاني على المؤطا: ۱۴۰/۲، جزية أهل الكتاب والمجوس، وبداية المجتهد: ۴۰۴/۱، الفصل السابع في الجزية، وأوجز المسالك: ۲۰۴/۶.

(۷) حواله جات بالا، وفتح الباري: ۲۶۰/۶.

(۸) المغني لابن قدامة: ۲۶۷/۹، وإعلاء السنن: ۴۳۱/۱۲.

دلائل مذاہب

احناف کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ فیصلہ ہے، جو انہوں نے مختلف عمال وگورنروں کو لکھ بھیجا تھا، چناں چہ ابوعون محمد بن عبید اللہ الثقفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وضع عمر بن الخطاب رضي الله عنه في الجزية على رؤوس الرجال؛ على الغني ثمانية وأربعين درهماً، وعلى المتوسط أربعة وعشرين درهماً، وعلى الفقير اثني عشر درهماً".

امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے اس روایت کو اپنی ''مصنف'' میں مرسلاً روایت کیا ہے(۱) اور ابن زنجویہ نے ''کتاب الاموال'' میں اسے مسنداً روایت کیا ہے اور اس مسند روایت میں ایک راوی مندل پر کلام ہے، لیکن مرسل اگر مسنداً روایت کی جائے، خواہ ضعیف طریق سے، تمام کے نزدیک حجت ہوتی ہے(۲)۔

اسی طرح حارثہ بن مضرب، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

"أنه بعث عثمان بن حنيف، فوضع عليهم ثمانية وأربعين درهماً، وأربعة وعشرين، واثني عشر......"(۳).

کہ ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عثمان بن حنیف کو روانہ فرمایا، چناں چہ انہوں نے اہل ذمہ پر اڑتالیس دراہم، چوبیس دراہم اور بارہ دراہم مقرر فرمائے''۔

یہ حدیث مرسلاً وموصولاً متعدد طرق سے مروی ہے اور یہ صحیح اور مشہور حدیث ہے، علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ المغنی میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی صحت وشہرت میں کوئی شبہ نہیں، خواہ صحابہ ہوں یا غیر صحابہ، سب کے نزدیک اس کی صحت مسلمہ ہے، کسی منکر نے اس کا انکار نہیں کیا اور اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں، اس حدیث پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد کے خلفاء نے بھی عمل کیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس پر اجماع

---

(۱) المصنف لابن أبي شيبة: ۴۰۶/۱۷، كتاب السير، ما قالوا في وضع الجزية، رقم (۳۳۳۱۱)، وحواله جات بالا.

(۲) كتاب الأموال لابن زنجويه: ۲۱۰/۱، باب أرض العنوة تقر بأيدى ......، رقم (۲۵۸)، إعلاء السنن: ۴۳۱/۱۲.

(۳) حواله بالا، ص: ۴۳۳، ۴۳۴، وفتح الباري: ۲۶۰/۶.

منعقد ہو چکا اور اس کے خلاف کرنا جائز نہیں، حتیٰ کہ خود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اس حدیث پر عمل مستحب ہے(۱)۔

امام ثوری وابوعبید وغیرہ کا کہنا یہ ہے کہ جزیہ کی مقدار کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مختلف قسم کے احکام مروی ہیں، چناں چہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا تھا کہ ہر بالغ سے ایک دینار وصول کریں (۲)۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے نصاریٰ سے دو ہزار جوڑوں پر صلح کی تھی، آدھے کی ادائیگی صفر میں ہونی تھی، باقی نصف کی رجب میں (۳)۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جزیہ کے تین طبقے مقرر فرمائے تھے کہ غنی پر اڑتالیس دراہم، متوسط پر چوبیس اور فقیر پر بارہ (۴)۔

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب بنوتغلب کے نصاریٰ سے صلح کی تھی تو اس میں یہی طے پایا تھا کہ مسلمان زکوۃ میں جو ادا کرتے ہیں، اس کا دوگنا یہ ادا کریں گے (۵)۔

ان تمام واقعات سے یہی ثابت ہوا ہے کہ جزیہ کا معاملہ امام کے حوالے ہے کہ وہ جس طرح چاہے، فیصلہ کرے۔ اگر جزیہ کی کوئی مقررہ حد متعین ہوتی تو یہ اختلاف رونما نہ ہوتا اور یہ بھی ممکن نہیں کہ مقدار متعینہ میں اختلاف ہو کہ کوئی کچھ وصول کرے، کوئی کچھ(٦)۔

---

(١) المغني لابن قدامة: ٢٦٨/٩، وإعلاء السنن: ٤٣٢/١٢-٤٣٣.

(٢) حديث معاذ أخرجه الترمذي، أبواب الزكاة، باب ماجاء في زكاة البقر، رقم (٦٢٣)، وأبوداود، أبواب الزكاة، باب زكاة السائمة، رقم (١٥٧٦)، والنسائي، كتاب الزكاة، باب زكاة البقر، رقم (٢٤٥٢-٢٤٥٥)، وابن ماجه، كتاب السنة، باب اجتناب الرأي والقياس، رقم (٥٥)، وأبواب الزكاة، باب صدقة البقر، رقم (١٨٠٣).

(٣) الحديث أخرجه أبوداود في سننه، كتاب الخراج ......، باب في أخذ الجزية، رقم (٣٠٤١).

(٤) المصنف لابن أبي شيبة: ٤٠٦/١٧، رقم (٣٣٣١١)، والمغني: ٢٦٧/٩، وإعلاء السنن: ٤٣١/١٢.

(٥) المغني: ٢٦٧/٩، وإعلاء السنن: ٤٣١/١٢، والمرقاة: ٦٦/٨، وأوجز المسالك: ٢٠٧/٦.

(٦) المغني: ٢٦٧/٩، وإعلاء السنن: ٤٣١/١٢.

جمہور کی طرف سے جواب

جمہور کا اگر چہ اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ جزیہ کی مقدار کیا ہوگی؟ لیکن اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جزیہ کی مقررہ حد ہے، اس سلسلے میں صرف امام ثوری، ابوعبید وغیرہ رحمہم اللہ ہی اس کے قائل ہیں کہ امام کی رائے پر منحصر ہے کہ اہل ذمہ سے کتنا جزیہ وصول کیا جائے۔

چناں چہ جمہور کی طرف سے ان حضرات کو یہ جواب دیا گیا ہے کہ دراصل جزیہ کی دو قسمیں ہیں:

❶ **الجزیہ بالتراضی:** یہ وہ قسم ہے جو فریقین کے درمیان صلح کی صورت میں باہمی رضامندی سے طے پائے، اس میں وہی شے ان سے لی جائے گی جس پر صلح ہوئی ہے، اس میں تعدی جائز نہیں، اس کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل نجران کے ساتھ صلح ہے، جو نصاریٰ تھے، دوسری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ فعل ہے، جو ابھی گزرا کہ انہوں نے بنوتغلب سے مسلمانوں سے وصول کی جانے والی زکوۃ کا دوگنا وصول کیا تھا۔

❷ **الجزیۃ بالغلبۃ علی الکفار:** یہ وہ قسم ہے کہ جس میں امام وقت کفار پر جنگ میں غلبہ وتسلط حاصل کرنے کے بعد، ان پر باعتبار غنی وفقیر وغیرہ کے جزیہ مقرر کرتا ہے(۱)۔

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن الہمام کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"الجزية على ضربين: جزية توضع بالتراضي والصلح عليها، فتقدر بحسب ما عليه الاتفاق، فلا يزاد عليه تحرزا عن الغدر، وأصله صلح رسول الله صلى الله عليه وسلم أهل نجران —وهم قوم من النصارى بقرب اليمن— على ما في أبي داود عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: صالح رسول الله صلى الله عليه وسلم أهل نجران على ألفي حلة، الحديث(۲). وصالح عمر رضى الله عنه نصارى بني تغلب على ضعف ما يؤخذ من المسلم من المال(۳)، والضرب الثاني: جزية يبتدئ الإمام بتوظيفها إذا غلب على

---

(۱) الفقه الحنفي وأدلته: ۲/۳۹۸، والمرقاة: ۸/۶۶، والأوجز: ۶/۲۰۷، والبناية: ۷/۲۳۸، باب الجزية.

(۲) رواه أبوداود، كتاب الخراج......، باب في أخذ الجزية، رقم (۳۰۴۱).

(۳) انظر المصنف لابن أبي شيبة: ۶/۵۶۲، كتاب الزكاة، في نصارى بني تغلب: ما ......، رقم (۱۰۶۸۴)، =

الكفار......"(١).

چوں کہ دونوں قسموں کی نوعیت الگ الگ ہے، اس لیے جزیہ کے احکام بھی الگ ہوئے، صلح کی صورت میں اہلِ ذمہ کو بھی کچھ اختیار حاصل ہے، لیکن شکست کی صورت میں انہیں کوئی اختیار نہیں، امام وقت ہی اس سلسلے میں فیصلہ کرے گا، وہ فیصلہ احناف کے نزدیک حضرت عمر کے فیصلے کی روشنی میں ہوگا، شوافع کے ہاں حضرت معاذ کی حدیث کو مدنظر رکھ کر اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ان کی دلیل کی بنیاد پر۔

شوافع کی دلیل

حضرات شافعیہ رحمہم اللہ کی مشہور دلیل اس سلسلے میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے، جو ابھی گزری کہ:

"أن النبي ﷺ لما وجهه إلى اليمن أمره أن يأخذ...... ومن كل حالم -يعني محتلماً- دينارا أو عِدله من المعافر، ثياب تكون باليمن"(اللفظ لأبي داود)(٢).

یعنی "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ کیا تو انہیں حکم فرمایا کہ......اور ہر بالغ شخص سے ایک دینار یا اس کے مساوی معافری کپڑے، جو یمنی کپڑوں کی ایک قسم ہے، لیں"۔

شوافع کی دلیل کا جواب

یہ ہے شافعیہ کی دلیل، لیکن یہ ہمارے خلاف حجت اس لیے نہیں ہے کہ ہم بھی اس پر عمل کے قائل ہیں

= والسنن الكبرى للبيهقي: ٩/٣٦٣-٣٦٤، كتاب الجزية، باب نصارى العرب تضعف ......، رقم (١٨٧٩٤-١٨٧٩٦)، وكتاب الخراج ليحيى بن آدم، رقم (٢٠٦-٢٠٨)، والخراج لأبي يوسف القاضي ١٢٩-١٣١، فصل في شأن نصارى بني تغلب...... ، ونصب الراية في تخريج أحاديث الهداية: ٣/٥٥٤، باب الجزية، من كتاب السير.

(١) مرقاة المفاتيح: ٨/٦٦، وأوجز المسالك: ٦/٢٠٧، وفتح القدير: ٥/٢٨٨-٢٨٩.

(٢) الحديث صححه الترمذي والحاكم في كتاب الزكاة، زكاة البقر: ١/٣٩٨، ومر تخريجه آنفاً. وفتح الباري: ٦/٢٦٠.

اوراس کو فقیر پر محمول کرتے ہیں (۱)۔

اسی طرح حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اہل یمن سے جو ایک دینار لیے تھے، اس کی وجہ ان کا فقر تھا کہ یمنی غریب لوگ تھے، اس پر دلیل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی وہ تعلیق ہے جو ابتدائے باب میں گزری......

"قال ابن عيينة عن ابن أبي نجيح: قلت لمجاهد: ماشأن أهل الشام عليهم أربعة دنانير وأهل اليمن عليهم دينار؟ قال: جعل ذلك من قبل اليسار"(۲).

اور امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیثِ معاذ صلح پر محمول ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اسی حدیث کے بعض طرق میں "حالمة"(۳) کا اضافہ بھی مروی ہے اور اس بابت تو کوئی اختلاف ہی نہیں کہ عورت سے جزیہ صرف صلح کی صورت میں لیا جائے گا (۴)۔

یہی بات صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمائی ہے، چناں چہ لکھتے ہیں:

"وما رواه محمول على أنه كان ذلك صلحا، ولهذا أمره بالأخذ من الحالمة، وإن كانت لا يؤخذ منها الجزية ......"(۵).

اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ یمن کی فتح صلحاً ہوئی تھی، نہ کہ عنوۃً (۶)۔

مالکیہ کی دلیل

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مذہب کے لیے بطورِ استدلال یہ روایت پیش فرمائی ہے، جو "نافع عن أسلم مولى عمر بن الخطاب" کے طریق سے مروی ہے:

---

(۱) إعلاء السنن: ۱۲/۴۳۳، والمسوى: ۲/۱٦۷، وأوجز المسالك: ٦/۲۰۹.

(۲) إعلاء السنن: ۱۲/۴۳۲، والمغني: ۹/۲٦۸، وأوجز المسالك: ٦/۲۰۸.

(۳) المصنف لعبد الرزاق: ۱۰/۳۳۰، رقم (۱۹۲٦۸)، "وكان معمر يقول: هذا غلط، قوله: "حالمة"، ليس على النساء شيء" كذا في نصب الراية: ۳/٤٤٦، رقم (٦۰٤۲).

(٤) أحكام القرآن: ۳/۱۲٦، وإعلاء السنن: ۱۲/٤۳۲، وأوجز المسالك: ٦/۲۰۸.

(٥) الهداية مع فتح القدير: ٥/۲۹۱.

(٦) إعلاء السنن: ۱۲/٤۳۲، كتاب الأموال لابن زنجويه: ۱/۱۲۹، رقم (۱۱۰)، والأوجز: ٦/۲۱۰.

"أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه ضرب الجزية على أهل الذهب أربعة دنانير، وعلى أهل الوَرِق أربعين درهماً، مع ذلك أرزاق المسلمين، وضيافة ثلاثة أيام"(۱).

کہ ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سونے والوں پر چار دینار، چاندی والوں پر چالیس درہم، اس کے ساتھ لشکر اسلام کو غذا کی فراہمی اور تین دن کی ضیافت بطورِ جزیہ مقرر فرمائی تھی''۔

اس اثر کو دیکھا جائے تو یہی بات سامنے آتی ہے کہ سونے والوں سے چار دینار لیے جائیں گے، چاندی والوں سے چالیس درہم اور اس میں غنی یا فقیر کی کوئی تقسیم نہیں۔

اس کے علاوہ اس اثر میں اور بھی دو چیزیں ہیں، ایک ہے لشکرِ اسلام کو غذا کی فراہمی کہ اہل ذمہ پر یہ بھی واجب ہوگا کہ لشکر اسلام جب ان کے علاقوں سے گزرے تو ان کو غذائی اجناس وغیرہ بھی مہیا کریں (۲)۔

دوسری چیز ہے تین دن کی مہمان نوازی، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے علاقوں سے گزرنے والے مسلمانوں کو یہ لوگ روٹی، جَو اور سالن وغیرہ فراہم کریں گے اور ان کے لیے ایسی رہائش کا بندوبست کریں گے، جو سردی وگرمی سے بچائے (۳)۔

لیکن ان دونوں چیزوں پر عمل اب مالکیہ کے ہاں بھی نہیں ہے، چناں چہ علامہ دردیر مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وسقطت إضافة المجتاز عليهم من المسلمين ثلاثاً من الأيام؛ وإنما سقطت عنهم للظلم الحادث عليهم من وُلاة الأمور ......"(٤).

یعنی: ''اہل ذمہ کے ہاں سے گزرنے والے مسلمانوں کی تین دن کی ضیافت کا

---

(١) المؤطأ: ٢٧٩/١، كتاب الزكاة، باب جزية أهل الكتاب......، رقم (٤٣)، والأوجز: ٢٠٤/٦-٤١١.

(٢) المنتقى: ١٧٤/٢، والأوجز: ٢١٠/٦.

(٣) التمهيد لابن عبدالبر: ١٣١/٢.

(٤) أوجز المسالك: ٤١١/٦، والشرح الكبير للدردير مع الدسوقي: ٥٢١/٢، فصل في عقد الجزية.

اضافہ اب ساقط ہو چکا اور اس کی وجہ حکم رانوں کی طرف سے ان پر ظلم کے نت نئے طریقوں کا اختیار کرنا ہے"۔

مالکیہ کی دلیل کا جواب

یہ تو ہوئی مالکیہ کی دلیل، لیکن اس کا جواب بہت واضح ہے، وہ یہ کہ اگر اس اثر پر مکمل عمل کیا جائے تو اس کا مطلب بھی وہی نکلتا ہے جس کے احناف قائل ہیں، اس لیے کہ مسلمانوں کو غذا کی فراہمی اور تین دن کی مہمان نوازی کو اگر چالیس کے ساتھ ملایا جائے تو یہ اڑتالیس درہم کے مساوی بنتا ہے(۱)۔

ترجیح راجح

مذہب احناف کی دلیل کے طور پر ماقبل میں ہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ نقل کیا تھا، جو حارثہ بن مضرب اور محمد بن عبید اللہ الثقفی رحمہما اللہ وغیرہ سے مروی ہے، ان آثار مرویہ میں انسانوں کے تینوں طبقات (غنی، متوسط اور فقیر) کی تفصیل بیان کی گئی ہے، اس لیے عمل کے اعتبار سے یہی آثار راجح ہوں گے، کیوں کہ ان میں زیادتی مروی ہے، نیز ہر طبقہ کا حکم بھی۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ جو حضرات طبقات کے حساب سے جزیہ مقرر کیے جانے کے قائل ہیں، وہ اس روایت پر بھی عمل پیرا ہیں، جس میں صرف اڑتالیس درہم کا ذکر ہے، یعنی حضرت عمرو بن میمون اودی رحمۃ اللہ علیہ کا اثر، اس کے برخلاف حضرات شافعیہ نے چوں کہ اڑتالیس دراہم پر انحصار واقتصار کیا ہے، اس لیے وہ ان آثار وروایات کے تارک ہوئے، جن میں طبقات کی تمیز اور ان میں سے ہر طبقے پر مقدار مقررہ کی تخصیص کا ذکر ہے۔اسی کو بیان کرتے ہوئے امام جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فكان الخبر الذي فيه تفصيل الطبقات الثلاث أولىٰ بالاستعمال؛ لما فيه من الزيادة، وبيان حكم كل طبقة، ولأن من وضعها على الطبقات فهو قائل بخبر الثمانية والأربعين، ومن اقتصر على الثمانية والأربعين، فهو تارك للخبر الذي فيه ذكر تمييز الطبقات، وتخصيص كل واحد بمقدار

(۱) أحكام القرآن للرازي: ۱۲٦/۳، والأوجز: ۲۰۸/٦، و۲۱۰، وإعلاء السنن: ۴۳۲/۱۲.

منها......"(☆). والله أعلم بالصواب

٢٩٨٧ : حَدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قالَ : سَمِعْتُ عَمْرًا[1] قالَ : كُنْتُ جالِسًا مَعَ جابِرِ بْنِ زَيْدٍ وَعَمْرِو بْنِ أَوْسٍ ، فَحَدَّثَهُمَا بَجالَةُ سَنَةَ سَبْعِينَ ، عامَ حَجَّ مُصْعَبُ بْنُ الزُّبَيْرِ بِأَهْلِ الْبَصْرَةِ عِنْدَ دَرَجِ زَمْزَمَ ، قالَ : كُنْتُ كَاتِبًا لِجَزْءِ بْنِ مُعَاوِيَةَ ، عَمِّ الْأَحْنَفِ ، فَأَتَانَا كِتَابُ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ قَبْلَ مَوْتِهِ بِسَنَةٍ : فَرِّقُوا بَيْنَ كُلِّ ذِي مَحْرَمٍ مِنَ الْمَجُوسِ ، وَلَمْ يَكُنْ عُمَرُ أَخَذَ ٱلْجِزْيَةَ مِنَ الْمَجُوسِ ، حَتَّى شَهِدَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ أَخَذَهَا مِنْ مَجُوسِ هَجَرَ .

تراجم رجال

١- علی بن عبداللہ

یہ مشہور امام حدیث علی بن عبداللہ ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب الفہم في العلم" کے تحت گزر چکا ہے (۲)۔

٢- سفيان

یہ مشہور محدث سفیان بن عیینہ بن ابی عمران کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات مختصراً "بدء الوحی" کی پہلی حدیث اور مفصلاً کتاب العلم، "باب قول المحدث: حدثنا......" کے تحت آچکے (۳)۔

٣- عمرو

تابعی شہیر حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کتاب العلم میں آچکا (۴)۔

(☆) أحكام القرآن: ١٢٦/٣، والأوجز: ٢٠٨/٦، وإعلاء السنن: ٤٣٣/١٢.

(١) قوله: "سمعت عمراً" الحديث، أخرجه الترمذي، كتاب السير، باب ماجاء في أخذ الجزية من المجوس، رقم (١٥٨٦)، وأبوداود، كتاب الخراج والفيء والإمارة، باب في أخذ الجزية من المجوس، رقم (٣٠٤٣)، والنسائي في الكبرى، كتاب السير، رقم (٨٧٦٨).

(٢) كشف الباري: ٢٩٧/٣.

(٣) كشف الباري: ٢٦٠/١، و١٠٢/٣.

(٤) كشف الباري: ٣٠٩/٤، باب كتابة العلم.

قال: كنت جالساً مع جابر بن زيد وعمرو بن أوس

حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جابر بن زید اور عمرو بن اوس رحمہما اللہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

جابر بن زید سے مراد ابوالشعثاء جابر بن زید بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱)۔ اور عمرو بن اوس سے مشہور تابعی عمرو بن اوس بن ابی اوس رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں (۲)۔

فحدثهما بجالة سنة سبعين عام حج مصعب بن الزبير بأهل البصرة عند درج زمزم

سنہ ۷۰ھ، جس میں مصعب بن زبیر نے اہل بصرہ کے ساتھ حج کیا تھا، اسی سال بئر زمزم کی سیڑھیوں کے پاس بجالہ نے جابر بن زید اور عمرو بن اوس سے بیان کیا۔

بجالة

یہ مشہور تابعی بجالۃ -بفتح الباء الموحدة، بعدها جیم- بن عبدۃ بن سالم (۳) تمیمی عنبری بصری رحمہ اللہ ہیں (۴)۔

یہ جزء بن معاویہ کے کاتب تھے اور احنف بن قیس کے چچا (۵)۔

یہ حضرت عمر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عمران بن حصین اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایتِ حدیث کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں عمرو بن دینار، عوف الاعرابی، قتادہ بن دعامہ اور قشیر بن عمرو رحمہم اللہ

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الغسل، باب من أفاض على رأسه......

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب التہجد، باب من نام عند السحر.

(۳) تعليقات تهذيب الكمال: ٤/٨، وتعليقات تهذيب التهذيب: ٤١٧/١، وتوضيح المشتبه: ٧٣/٤.

(٤) تهذيب الكمال: ٤/٨، وتهذيب التهذيب: ٤١٧/١، وفتح الباري: ٢٦٠/٦.

(٥) حواله جات بالا، وطبقات ابن سعد: ١٣٠/٧.

تعالیٰ وغیرہ شامل ہیں(۱)۔

امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "مكي ثقة"(۲).

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "هو شيخ"(۳).

علامہ جاحظ نے ان کا تذکرہ اہل بصرہ کے عبادت گزاروں میں کیا ہے(۴)۔

اسی طرح مجاہد بن موسیٰ اور ابن حبان رحمہما اللہ نے بھی ان کی توثیق فرمائی ہے(۵)۔

البتہ امام ربیع بن سلیمان نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ امام صاحب نے ان کے بارے میں فرمایا تھا: "بجالة رجل مجهول"(٦).

چناں چہ علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب الحدود" میں لکھا کہ یہ مجہول ہیں اور مشہور نہیں، نیز یہ بھی معروف نہیں کہ جزء بن معاویہ نامی کوئی شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عامل تھا۔ پھر امام شافعی نے ان کو "کتاب الجزیہ" میں ذکر کیا اور فرمایا: "حديث بجالة متصل ثابت؛ لأنه أدرك عمر، وكان رجلاً في زمانه، كاتباً لعماله".

اس سے معلوم ہوا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی سابقہ بات سے رجوع کرلیا تھا کہ بجالہ مجہول ہیں، کتاب الجزیہ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ وہ مجہول نہیں، علامہ بیہقی اسی کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وكأن الشافعي رحمه الله لم يقف على حال بجالة حين صنف كتاب الحدود، ثم وقف عليه حين صنف كتاب الجزية، إن كان صنفه بعده"(۷).

---

(۱) تهذيب الكمال: ٤/٨-٩، والجرح والتعديل: ٢/٣٦٢، رقم (١٧٣٧).

(۲) تهذيب الكمال: ٤/٩، والجرح والتعديل: ٢/٣٦٢، رقم (١٧٣٧).

(۳) حواله جات بالا.

(٤) تهذيب الكمال: ٤/٩، وتهذيب التهذيب: ١/٤١٧.

(٥) تعليقات تهذيب الكمال: ٤/٩، وتهذيب التهذيب: ١/٤١٧-٤١٨.

(٦) حواله جات بالا، وكتاب الأم: ٧/١٢/٥٢٢، كتاب الحدود، باب حد الذميين إذا زنوا، رقم (٢٣٢٨٦).

(٧) السنن الكبرىٰ للبيهقي: ٨/٢٤٨، كتاب الحدود، باب حد الذميين، رقم (١٧١٢٣) وكتاب الجزية، باب المجوس أهل كتاب ......: ٩/١٨٩، رقم (١٨٦٥٣)، وكتاب الأم: ٢/٤/١٧٤، كتاب الجزية، =

امام بخاری، ابوداوٗد، ترمذی اورنسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی روایات لی ہیں (۱)۔

صحیح بخاری میں ان کا ذکر صرف اسی جگہ آیا ہے (۲)، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

مصعب بن الزبیر

یہ مشہور صحابی حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے مصعب بن الزبیر بن العوام قرشی اسدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

ابوعیسیٰ اور ابوعبداللہ ان کی کنیت ہے (۴)، ان کی والدہ رباب بنت انیف کلبیہ ہیں (۵)۔ انتہائی بہادر تھے اور بہت حسین وجمیل، اپنی سخاوت کی وجہ سے "آنیۃ النحل" (شہید کا چھتہ یا برتن) کہلاتے تھے، لیکن اس کے ساتھ ہی سفاک بھی تھے، مختار بن عبید الثقفی سے جنگ کی اور اس کو قتل بھی کیا (۶)۔

یہ اپنے باپ شریک بھائی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف سے عراقین (عراق وشام) کے امیر مقرر ہوئے تھے، یہ تقرر ایک اعتبار سے مصعب کی ایک تمنا ہی نتیجہ تھا، جو خدا کے ہاں قبول ہوئی۔

چناں چہ ابن ابی الزناد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: مقام حجر میں چار حضرات جمع ہوئے: عبداللہ، مصعب، عروہ (حضرت زبیر بن العوام کے صاحبزادگان) اور ابن عمر رضی اللہ عنہم۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمنا کرو، اپنی اپنی خواہش کا اظہار کرو کہ پتہ چلے کون کیا چاہتا ہے؟ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری خواہش خلافت کا حصول ہے اور حضرت عروۃ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میری تمنا وخواہش تو یہ ہے کہ میرے ذریعے علم پھیلے اور مجھ سے استفادہ کیا جائے۔ اور مصعب بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میری خواہش عراق کی امارت کا حصول ہے اور عائشہ بنت طلحہ وسکینہ بنت الحسین کو اپنے عقد

= من يلحق بأهل الكتاب، رقم (١٣١٩٣)، وتعليقات تهذيب الكمال: ٤/٩.

(١) تهذيب الكمال: ٤/٩.

(٢) فتح الباري: ٦/٢٦٠، وعمدة القاري: ١٥/٨٠.

(٣) سير أعلام النبلاء: ٤/١٤٠.

(٤) حواله بالا، وطبقات ابن سعد: ٥/١٨٢.

(٥) سير أعلام النبلاء: ٤/١٤١، وطبقات ابن سعد: ٥/١٨٢.

(٦) سير أعلام النبلاء: ٤/١٤١، وطبقات ابن سعد: ٥/١٨٣.

نکاح میں لانا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری تمنا تو صرف یہ ہے کہ میری مغفرت کردی جائے۔

راوی کہتے ہیں کہ ہر ایک نے جو تمنا کی تھی، اسے وہ حاصل ہوئی، رہے ابن عمر رضی اللہ عنہ، ان کی بھی مغفرت کردی گئی ہوگی (۱)۔

اسماعیل بن ابی خالد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ما رأيت أميراً قط أحسن من المصعب" (۲).

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ما رأيت أميراً قط على منبر أحسن من مصعب" (۳).

ابھی گزرا کہ یہ انتہائی حسین تھے، مدائنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"كان يحسد على الجمال" (٤) کہ خوبصورتی کی وجہ سے ان سے حسد کیا جاتا تھا۔

اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان اور مصعب بن زبیر کی افواج کے درمیان ایک شدید اور فیصلہ کن جنگ ہوئی، مصعب تو اس لیے نکلے تھے کہ شام کو دوبارہ واپس لیں گے اور عبدالملک کا مقصود دفاع تھا، ان دونوں کا ٹکراؤ عراق کے ایک چھوٹے سے شہر "اوانا" (۵) کے قریب دیر الجاثلیق (٦) کے مقام پر ہوا، جس میں آخر کار فتح عبدالملک کو ملی اور مصعب مقتول ہوئے۔ یہ ۷۲ھ، نصف جمادی الاولیٰ کا واقعہ ہے اور دن جمعرات کا تھا، اس وقت مصعب کی عمر چالیس سال تھی (۷)۔

قتل کے بعد ان کے سر کو کاٹ کر عبدالملک کے سامنے پیش کیا گیا، عبدالملک بن عمیر کہتے ہیں:

"رأيت بقصر الكوفة رأس الحسين الشهيد، ثم رأس ابن زياد، ثم

---

(۱) سير أعلام النبلاء: ٤/١٤١، وحلية الأولياء: ٢/١٧٦، رقم الترجمة (١٧١).

(۲) سير أعلام النبلاء: ٤/١٤١.

(۳) حواله بالا، وفوات الوفيات: ٤/١٤٣، رقم (٥٢٥).

(٤) حواله جات بالا

(۵) قال ابن خلكان: "أوانا بليدة كثيرة البساتين والشجر، نزهة من نواحي دجيل بغداد، بينها وبين بغداد عشرة فراسخ من جهة تكريت ......". معجم البلدان: ١/٢٧٤، باب الهمزة والواو......

(٦) دير الجاثليق: دير قديم البناء، رحب الفناء، من طسوج مسكن قرب بغداد في غربي دجلة، وهو رأس الحد بين السواد وأرض تكريت. معجم البلدان: ٢/٥٠٢، باب الدال والياء......

(۷) سير أعلام النبلاء: ٤/١٤٣، وطبقات ابن سعد: ٥/١٨٣.

رأس المختار، ثم رأس مصعب بين يدي عبدالملك"(١).

حدیث سے متعلقہ ایک اصولی بحث

یہاں حدیث سے متعلقہ ایک اور بات بھی سمجھئے کہ حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ تھے: "فحدثهما بجالة ......" کہ بجالہ نے ان دونوں اصحاب سے بیان کیا......اس سے معلوم ہوا کہ بجالہ نے یہ روایت عمرو سے بیان نہیں کی تھی اور وہ مقصود بالتحدیث بھی نہیں تھے، اس کے باوجود عمرو بجالہ سے روایت کررہے ہیں، اس طرح سنی ہوئی حدیث کی روایت جائز ہے اور یہ بالاتفاق وجوہ تحمل میں سے ہے(۲)۔

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ایسی صورت میں ''حدثنا'' کہنا جائز ہے یا نہیں؟ جمہور جواز کے قائل ہیں، امام نسائی اور بعض حضرات اس سے منع کرتے ہیں، جب کہ علامہ برقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''حدثنا'' کی بجائے ''سمعت فلانا'' کہنا چاہیے(۳)۔

''درج'' کے معنی

''درج'' دال اور راء کے فتحہ کے ساتھ، درجۃ کی جمع ہے، سیڑھی کو کہتے ہیں(۴)۔ المغرب میں ہے:

"درج السلَّم: رتبه، الواحدة: درجة"(٥).

قال: كنت كاتباً لجزء بن معاوية عم الأحنف

بجالہ فرماتے ہیں کہ میں احنف کے چچا جزء بن معاویہ کا کاتب تھا۔

جزء بن معاویہ

یہ جزء۔بفتح الجیم، وسکون الزاي، وفي آخره همزة۔(٦) ابن معاویۃ بن حصین بن عبادہ بن النزّال بن

(١) سير أعلام النبلاء: ١٤٣/٤.

(٢) عمدة القاري: ٧٩/١٥-٨٠، وفتح الباري: ٢٦٠/٦.

(٣) عمدة القاري: ٨٠/١٥، وفتح الباري: ٢٦٠/٦.

(٤) عمدة القاري: ٨٠/١٥، والصحاح للجوهري: ٣٣٧، مادة "درج".

(٥) المغرب: ٢٨٤، الدال مع الراء.

(٦) اس لفظ کے ضبط میں محدثین اور اہل نسب کا اختلاف ہے، ہم نے مشہور قول، جو محدثین کا ہے، کو ذکر کیا ہے، دیگر اقوال =

مرۃ تمیمی سعدی رضی اللہ عنہ ہیں (۱)۔

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے اہواز کے عامل تھے، جب کہ ترمذی شریف کی روایت میں یہ آیا ہے کہ جزء "تنادر" کے عامل تھے (۲)۔

لیکن حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تنادر اہواز ہی کا ایک گاؤں ہے (۳)۔

ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کا شمار صحابہ میں کیا ہے، ابن الاثیر جزری رحمہ اللہ کی رائے بھی یہی ہے، البتہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ان کی صحبت کا انکار کیا ہے (۴)۔

لیکن حافظ صاحب ان کے قول کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں خلفاء عامل انہی کو مقرر فرماتے تھے جو صحابی ہوں (۵)۔ غیر صحابی عموماً عامل نہیں ہوتے تھے، اس لیے راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحابی تھے۔

بلاذری کی تصریح کے مطابق حضرت جزء رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت تک زندہ رہے اور زیاد کی طرف سے کچھ ذمہ داریاں بھی انہوں نے ادا کیں (۶)۔

الأحنف

یہ مشہور مخضرم تابعی حضرت احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات كتاب الإيمان، "باب

= کے لیے دیکھیے: عمدة القاري: ١٥/٧٩، وفتح الباري: ٦/٢٦٠، والإكمال لابن ماكولا: ٢/٧٩-٨١، باب جري وجزي......

(١) الإصابة: ١/٢٣٤، والاستيعاب بهامش الإصابة: ١/٢٥٩.

(٢) انظر الجامع للترمذي، كتاب السير، باب في أخذ الجزية من المجوس، رقم (١٥٨٦)، ولكن المثبت في رواية الترمذي "مناذر" بدل "تنادر" ولعل المثبت هو الصحيح، انظر معجم البلدان: ٥/١٩٩، باب الميم والنون......

(٣) فتح الباري: ٦/٢٦٠.

(٤) الإصابة: ١/٢٣٤، والاستيعاب بهامش الإصابة: ١/٢٥٩، وأسد الغابة: ١/١٧٨، باب الجيم والزاي.

(٥) الإصابة: ١/٢٣٤.

(٦) حواله بالاو.

المعاصي من أمر الجاهلية ......" کے تحت گزر چکے(۱)۔

فأتانا كتاب عمر بن الخطاب قبل موته بسنة

تو ہمارے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط ان کی وفات سے ایک سال قبل آیا۔

عمر بن الخطاب

خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا تذکرۂ اجمالی "بدء الوحی" کی پہلی حدیث کے تحت آچکا ہے(۲)۔

اوپر ذکر کردہ واقعہ ۲۲ھ کا ہے، کیوں کہ حضرت عمر کی وفات ۲۳ھ میں ہوئی ہے(۳)۔

فرقوا بين كل ذي محرم من المجوس

مجوس میں سے جس کسی نے اپنے ذی محرم سے شادی کر رکھی ہو، اسے اس سے جدا کردو۔

مجوس

مجوس، مجوسی کی جمع ہے، جو منسوب ہے مجوسیت کی طرف اور مجوسیت قدیم فرق باطلہ میں سے ایک فرقہ ہے اور یہ کلمہ منج گوش کا معرب ہے، جو ایک آدمی کا نام ہے، اس کے کان چھوٹے چھوٹے تھے، اسی کی طرف منسوب ہو کر یہ فرقہ "مجوس" کہلاتا ہے، یہی وہ شخص تھا جس نے مجوسیت کو ایجاد کیا اور لوگوں کو اس کی طرف بلایا۔

مجوس اپنے مزعومہ پیغمبر زرتشت کی طرف منسوب ہو کر زرتشتی بھی کہلاتے ہیں۔

مشہور قول کے مطابق یہ آگ کی پوجا کرتے ہیں، جب کہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ سورج، چاند اور آگ کی عبادت کرتے ہیں۔

اپنے عروج کے زمانے میں انہوں نے دنیا کے مختلف مقامات پر آتش کدے تعمیر کیے، جہاں وہ آگ کی پوجا کرتے تھے، آج بھی ان میں سے کچھ پائے جاتے ہیں۔ اور اس مذہب کے پیرو کار اس کے بھی قائل

---

(۱) كشف الباري: ۲/۲۲۳.

(۲) كشف الباري: ۱/۲۳۹.

(۳) فتح الباري: ٦/٢٦١.

تھے کہ خدا دو ہیں، ایک خالقِ خیر ہے، دوسرا خالقِ شر ہے، پہلے کا نام یزدان، دوسرے کا نام اہرمن ہے(۱)۔

کیا مجوس اہل کتاب میں داخل ہیں؟

فقہائے امت کا اس میں اختلاف ہے کہ مجوس اہل کتاب میں داخل ہیں یا نہیں؟

یہی اختلاف اس مسئلہ کا مدار ہے، جو ماقبل میں گزرا کہ مجوس سے جزیہ لیا جائے گا یا نہیں؟ اور کس بنیاد پر لیا جائے گا؟

حضرات شوافع مجوس کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ یہ بھی اہل کتاب ہیں، اس کی دلیل میں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک اثر پیش کرتے ہیں:

"كان المجوس أهل كتاب يعرفونه، وعلم يدرسونه، فشرب أميرهم الخمر، فوقع على أخته، فرآه نفر من المسلمين، فلما أصبح قالت أخته: إنك قد صنعت بها كذا وكذا، وقد رآك نفر لا يستُرون عليك، فدعا أهل الطمع، فأعطاهم، ثم قال لهم: قد علمتم أن آدم أنكح بنيه بناته، فجاء أولئك الذين رأوه، فقالوا: ويلاً للأبعد، إن في ظهرك حداً، فقتلهم، وهم الذين كانوا عنده، ثم جاءت امرأة، فقالت له: بلى، قد رأيتك، فقال لها: ويحا لبغي بني فلان، قالت: أجل، والله لقد كنت بغية، ثم تُبتُ، فقتلها، ثم أسري على ما في قلوبهم وعلى كتبهم، فلم يصح عندهم شيء"(۲). (اللفظ لعبد الرزاق).

---

(۱) مذکورہ تفصیلات کے لیے دیکھیے، أوجز المسالك: ۶/۱۹۱، ولسان العرب: ۶/۲۲۳، مادة: "مجس"، وروح المعاني: ۱۷/۱۲۹، سورة الحج: ۱۷، تفسير قوله تعالىٰ: ﴿والنصارى والمجوس﴾ ودائرہ معارف اسلامیہ (اردو): ۱۸/۵۸۸.

(۲) انظر المصنف لعبد الرزاق، كتاب أهل الكتابين، باب هل يقاتل أهل الشرك حتى يؤمنوا......؟ رقم (۱۹۲۶۲)، وكتاب أهل الكتاب، أخذ الجزية من المجوس، رقم (۱۰۰۲۹)، وفتح الباري: ۶/۲۶۱، وعمدة القاري: ۱۵/۸۰، وكتاب الأم: ۲/۴/۱۷۳، وسنن البيهقي الكبرى، كتاب الجزية، باب المجوس أهل الكتاب، ......: ۹/۱۸۹، رقم (۱۸۶۵۰).

یعنی: ''مجوس ایک کتاب کے حامل تھے، جس کو وہ جانتے تھے اور علم والے تھے جس کو وہ پڑھتے تھے، ایک دن ان کے امیر نے شراب پی، چناں چہ اپنی بہن پر جا پڑا، تو مسلمانوں کی ایک جماعت نے اس کو دیکھ لیا، جب صبح ہوئی تو اس کی بہن نے کہا کہ تو نے اس کے ساتھ (یعنی میرے ساتھ) ایسا ایسا کیا ہے اور تحقیق تمہیں کچھ ایسے افراد نے دیکھا ہے جو تمہاری ستر پوشی نہیں کریں گے۔ تو اس نے اہل طمع (علمائے سو) کو بلایا، پھر ان سے کہا کہ تمہیں بخوبی علم ہے کہ آدم علیہ السلام اپنے بیٹوں کا نکاح اپنی بیٹیوں سے کرواتے تھے (لہٰذا میں نے بھی ایسا کیا ہے تو اس میں کیا حرج ہے؟) چناں چہ وہ لوگ آئے جنہوں نے اس کو (اپنی بہن کے ساتھ مبتلا) دیکھا تھا، کہنے لگے کہ ہلاکت ہو منحوس کے لیے، تم پر حد واجب ہو چکی۔ تو اس نے ان کو قتل کروادیا، یہی وہ لوگ تھے، جو اس کے پاس تھے، پھر ایک عورت آئی، اس نے کہا: ہاں! میں نے تمہیں دیکھا ہے، تو امیر نے اس عورت سے کہا: بنی فلاں کی زانیہ کے لیے ہلاکت ہو، اس عورت نے کہا: درست ہے (بالکل) بخدا! میں زانیہ تھی، پھر میں نے توبہ کرلی، اس نے اس عورت کو بھی قتل کروادیا، پھر ان کے دلوں اور کتابوں میں جو کچھ تھا، اسے اٹھالیا گیا، اس طرح ان کے پاس کوئی درست چیز نہ رہی''۔

یہ تو ہوئی شوافع کی دلیل، لیکن اس اثر کی صحت میں کلام ہے، بعض حضرات نے اس کو متصل قرار دیا ہے تو بعض نے منقطع (۱)۔ جب کہ بعض علماء تو اس اثر کی صحت کے سرے سے قائل ہی نہیں، چناں چہ علامہ ابن قیم اور حافظ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہما نے اس اثر کو غیر صحیح وغیر ثابت کہا ہے (۲)۔

پھر اگر اس کی صحت تسلیم کر بھی لی جائے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ ان کے اسلاف اہل کتاب تھے، کیوں کہ مذکورہ اثر کا مضمون یہی ہے کہ وہ پہلے اہل کتاب تھے، لیکن بعد میں کتاب کو ان کے سینوں سے نکال دیا گیا، اب وہ اہل کتاب کیسے ہوئے؟!

---

(۱) إعلاء السنن: ۴۳۹/۱۲.

(۲) زاد المعاد في هدي خير العباد: ۱۵۴/۳، وشرح ابن بطال: ۳۳۱/۵، نیز دیکھیے، نصب الراية: ۲۵۶/۲، والجوهر النقي: ۱۹۰/۹.

ان کے اہل کتاب نہ ہونے پر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے، جو حسن بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ: "لا تؤكل لهم ذبيحة، ولا تنكح لهم امرأة" (۱). کہ: ''ان کا ذبیحہ کھایا جائے گا نہ ہی ان کی عورت سے نکاح جائز ہوگا''۔

چناں چہ اگر وہ اہل کتاب ہوتے تو ان کا ذبیحہ اور ان کی عورت سے نکاح بہر حال جائز ہوتا، جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر اہل کتاب کے ساتھ ان امور کو مباح قرار دیا ہے (۲)۔

حضرات احناف رحمۃ اللہ علیہم کی دلیل مجوس کے اہل کتاب میں داخل نہ ہونے کے سلسلے میں قرآن کریم سے تو یہ ہے کہ اس میں آیا ہے: ﴿أن تقولوا إنما أنزل الكتاب على طائفتين من قبلنا﴾ (۳) اس آیت میں اہل کتاب کو دو طائفوں میں منحصر کہا گیا ہے، اگر مجوس بھی اہل کتاب میں سے ہوتے تو یہ تین طائفے ہو جائیں گے، جو آیت کے منافی ہے، اس لیے اس آیت کی رو سے اہل کتاب میں مجوس داخل نہیں (۴)۔

احناف کی دوسری دلیل وہ روایت ہے جو مؤطا وغیرہ میں جعفر بن محمد بن علی عن ابیہ کے طریق سے مروی ہے:

"أن عمر بن الخطاب ذكر المجوس، فقال: ما أدرى كيف أصنع في أمرهم؟ فقال عبدالرحمن بن عوف: أشهد لَسمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: سنوا بهم سنة أهل الكتاب" (٥).

یعنی: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجوس کا تذکرہ کیا، پھر فرمایا کہ مجھے علم نہیں ان

---

(١) أحكام القرآن: ٣/١٢١، وطبقات ابن سعد: ١/٢٦٣، والمصنف لابن أبي شيبة: ١٧/٤٠٧، كتاب السير، ماقالوا في المجوس ......، رقم (٣٣٣١٣).

(٢) أحكام القرآن للجصاص: ٣/١٢١، وأوجز المسالك: ٦/١٩٤.

(٣) الأنعام/ ١٥٦.

(٤) أحكام القرآن للجصاص: ٣/١٢١، وأوجز المسالك: ٦/١٩٤.

(٥) المؤطأ، كتاب الزكاة، باب جزية أهل الكتاب ......، رقم (٤٢)، ومصنف ابن أبي شيبة: ٧/٧١-٧٢، في الزكاة، في المجوس يؤخذ منهم ......، رقم (١٠٨٧٠)، و١٧/٤٠٩، كتاب السير (٣٣٣١٩)، وسنن البيهقي الكبرى: ٩/١٨٩، كتاب السير، رقم (١٨٦٥٤).

مجوسیوں کے سلسلے میں، میں کیا کروں؟ تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ان کے ساتھ اہل کتاب والا برتاؤ کرو"۔

یہ روایت اگرچہ منقطع ہے، کیوں کہ محمد کا لقاء عمر فاروق سے ثابت ہے نہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما سے، لیکن اس کے معنی مختلف دیگر طرق حسان کی وجہ سے متصل ہیں (۱)۔

اسی طرح ابوعلی الحنفی نے بھی اس روایت کو امام مالک کے طریق سے نقل کیا ہے، جس کی تخریج بزار اور دارقطنی رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ نے کی ہے اور یہ روایت مرسل ہے، جو ہمارے نزدیک حجت ہے (۲)۔ اور اس روایت میں تو صراحتاً "في الجزية" کا لفظ بھی موجود ہے (۳)۔

پھر طبرانی میں مسلم بن العلاء الحضرمی کے طریق سے اس کا شاہد بھی موجود ہے کہ "سنوا بالمجوس سنة أهل كتاب" (٤).

نیز اس کے علاوہ یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ شوافع اس بات کے تو قائل ہیں کہ مجوس کا ذبیحہ اور ان کے ساتھ مناکحت جائز نہیں، لیکن پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ اہل کتاب ہیں، اگر وہ اہل کتاب ہوتے تو یہ امور بھی جائز ہوتے؟ (۵)

اسی طرح حدیث باب خود بھی اس پر دلالت کر رہی ہے کہ مجوس اہل کتاب میں داخل نہیں اور وہ "اہل الکتاب" کے عموم میں شامل نہیں ہیں، ورنہ حضرت عمر کے ان سے جزیہ کی وصولی میں توقف کے معنی کیا ہوں گے (٦)۔

---

(١) أوجز: ٦/٢٠٠، والتعليق الممجد على مؤطأ محمد: ١٧٦، كتاب الزكاة، باب الجزية.

(٢) أوجز: ٦/٢٠٠، والتمهيد لابن عبد البر: ٢/١١٥، ومسند البزار: ٣/٢٦٤، مسند عبد الرحمن بن عوف، رقم (١٠٥٦).

(٣) فتح الباري: ٦/٢٦١، والأوجز: ٦/٢٠١.

(٤) مجمع الزوائد: ٦/١٣، كتاب الجهاد، ماجاء في الجزية، والطبراني في الكبير: ١٩/٤٣٧، رقم (١٠٥٩)، مسلم بن العلاء الحضرمي.

(٥) المنتقى: ٣/٢٧٦، كتاب الزكاة، جزية أهل الكتاب، رقم (٦٨١)، والأوجز: ٦/٢٠٢، وشرح ابن بطال: ٥/٣٣٠.

(٦) عمدة القاري: ١٥/٨٠، وأعلام الحديث للخطابي: ٢/١٤٦٢.

اس لیے درست یہی معلوم ہوتا ہے کہ مجوس اہل کتاب میں داخل نہیں، صرف جزیہ کی وصولی میں وہ اہل کتاب کے ساتھ شریک ہیں، وہ بھی اس بنا پر کہ نبی علیہ السلام نے ان سے جزیہ لیا ہے، نہ کہ اس لیے کہ وہ اہل کتاب میں داخل ہیں (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

شراح حدیث نے یہاں ایک اشکال ذکر کیا ہے، جس کی تقریر یہ ہے کہ اہل ذمہ کے دینی عقائد وشعائر سے تعرض نہیں کیا جاسکتا، مثلاً مجوس کے ہاں محرمات سے نکاح چوں کہ جائز ہے، اس لیے خلیفہ اور اس کے نائبین ان کے اس فعل میں مداخلت نہیں کر سکتے (۲)۔ اور یہاں حدیث باب میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجوس کے ان جوڑوں کو جدا کرنے کا حکم دیا تھا، جو آپس میں محرم تھے، یہ تو ان کے مذہبی عقائد میں مداخلت ہوئی، جو شرعی نقطہ نظر سے درست نہیں۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہاں دو الگ الگ چیزیں ہیں، ایک تو یہ کہ اہل ذمہ اپنے مذہبی معاملات کو انجام دیں۔ دوسرے یہ کہ ان معاملات کا عام مسلمانوں کے سامنے اظہار بھی کریں۔ چناں چہ پہلی چیز تو جائز ہے، لیکن دوسرے امر کی قطعاً اجازت نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کا مطلب بھی یہی تھا کہ وہ اپنے محارم سے نکاح تو کر سکتے ہیں، لیکن عامۃ المسلمین کے سامنے اس کا اظہار نہیں کر سکتے، نہ ہی اس کے لیے اجتماعات منعقد کر سکتے ہیں، اسی طرح مسلمانوں کی شادیوں کا جس طرح اعلان کیا جاتا ہے، اس طرح اعلان بھی نہیں کر سکتے۔

اس کی مثال وہ شرائط ہیں، جو امین الامہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی طرف سے دمشق کی فتح کے بعد نصاریٰ پر لاگو کی گئی تھیں، ان میں بعض شرائط یہ تھیں کہ وہ صلیب کھلے بندوں لٹکا نہیں سکتے، اپنے مخصوص تہواروں کا اعلان نہیں کر سکتے۔ گرجا گھروں کے دروازوں کو مسلمانوں پر بند نہیں کر سکتے، وغیرہ وغیرہ (۳)۔ تا کہ عامۃ المسلمین فتنہ میں مبتلا نہ ہوں اور ان کی شان وشوکت سے متاثر نہ ہوں (۴)۔ واللہ اعلم

---

(١) أحكام القرآن: ٣/١١٩-١٢١.

(٢) وفي الشامية: ٢٩٧/٣: "نتركهم وما يدينون" فصل في الجزية، مطلب ليس المراد منه......

(٣) انظر نص تلك الشروط في تهذيب تاريخ دمشق الكبير: ١/١٥٠، باب كيف كان أمر دمشق......؟

(٤) أعلام الحديث: ٢/١٤٦٣، وفتح الباري: ٦/٢٦١، وعمدة القاري: ١٥/٨٠، وإعلاء السنن: ١٢/٤٤١-٤٤٢، =

ولم يكن عمر أخذ الجزية من المجوس حتى شهد عبدالرحمن بن عوف

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجوس سے جزیہ نہیں لیا تھا، یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (۱) رضی اللہ عنہ نے گواہی دی......

مذکورہ جملے پر سندی بحث

مذکورہ بالا جملہ یا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسی خط کا حصہ ہے، جس کا تذکرہ اوپر حدیث میں گزرا، اس صورت میں روایت کی حیثیت "رواية عمر عن عبدالرحمن بن عوف" کی ہوگی، یعنی حضرت عمر، حضرت عبدالرحمٰن سے روایت کررہے ہیں، چناں چہ ترمذی شریف (۲) کی ایک روایت میں اس کی تصریح بھی ہے کہ "فجاء نا كتاب عمر: انظر مجوس من قبلك، فخذ منهم الجزية؛ فإن عبدالرحمن بن عوف أخبرني......".

لیکن اصحاب ''اطراف الحدیث'' نے اس حدیث کو بجالۃ عن عبدالرحمٰن میں ذکر کیا ہے (۳)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان حضرات کا یہ فعل درست نہیں، کیوں کہ حدیث کے جمیع طرق میں سے کسی بھی طریق میں یہ بات مذکور نہیں ہے کہ بجالہ نے اس روایت کو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے لیا ہے، بلکہ ترمذی شریف کی اوپر ذکر کردہ روایت تو اس باب میں صریح ہے، اس لیے اس روایت کو ''عمر بن الخطاب عن عبدالرحمٰن'' میں ذکر کیا جانا مناسب تھا، نہ کہ "بجالة عن عبدالرحمن" میں (۴)۔

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذها من مجوس هجر

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوس سے جزیہ لیا تھا۔

= وتحفة الباري: ۳/۵٦٥، وإرشاد الساري: ۵/۲۳۰.

(۱) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے حالات کے لیے دیکھیے: كتاب الجنائز، باب الكفن من جميع المال.

(۲) الحديث أخرجه الترمذي في أبواب السير، باب في أخذ الجزية من المجوس، رقم (۱۵۸۷)، وأبوداود، كتاب الخراج ......، باب في أخذ الجزية من المجوس، رقم (۳۰٤۳)، والنسائي في الكبرى، رقم (۸۷٦۸).

(۳) انظر مثلاً: تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف: ۷/۲۰۷.

(٤) فتح الباري: ٦/٢٦١، والنكت الظراف على الأطراف: ۷/۲۰۸.

هَجَر

یہ کلمہ ہاء اور جیم کے فتحہ کے ساتھ ہے، نبی علیہ السلام کے عہد میں اس نام کے کئی علاقے تھے، جن میں ہجر بحرین، ہجر نجران، ہجر جازان اور ہجر مازن وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن یہاں ہجر بحرین مراد ہے، اس وقت یہاں بہت بڑی تعداد میں مجوس آباد تھے، سن ۸ یا ۱۰ ہجری کو نبی علیہ السلام کی حیات میں یہ علاقہ حضرت علاء بن الحضرمی کے ہاتھوں فتح ہوا تھا(۱)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب مجوس سے جزیہ لینے میں تردد ہوا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اسی علاقے کا حوالہ دیا اور فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علاقے کے مجوس سے جزیہ لیا تھا۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے: "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذها من المجوس" (۲) اس میں مجوس سے جزیہ لینے کا ذکر ہے، جو مقصود مصنف علیہ الرحمۃ ہے۔

۲۹۸۸ : حدّثنا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ : عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ : حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ ، عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ : أَنَّ عَمْرَو بْنَ عَوْفٍ الْأَنْصَارِيَّ(۳) ، وَهُوَ حَلِيفٌ لِبَنِي عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ ، وَكَانَ شَهِدَ بَدْرًا ، أَخْبَرَهُ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ إِلَى الْبَحْرَيْنِ يَأْتِي بِجِزْيَتِهَا ، وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ هُوَ صَالَحَ أَهْلَ الْبَحْرَيْنِ وَأَمَّرَ عَلَيْهِمُ الْعَلَاءَ بْنَ الْحَضْرَمِيِّ ، فَقَدِمَ أَبُو عُبَيْدَةَ بِمَالٍ مِنَ الْبَحْرَيْنِ ، فَسَمِعَتِ الْأَنْصَارُ بِقُدُومِ أَبِي عُبَيْدَةَ فَوَافَتْ صَلَاةَ الصُّبْحِ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ، فَلَمَّا صَلَّى بِهِمُ الْفَجْرَ انْصَرَفَ ، فَتَعَرَّضُوا لَهُ فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حِينَ

---

(۱) معجم البلدان: ۳۹۳/۵، باب الهاء والجيم ......، وعمدة القاري: ۸۰/۱۵، "وذكر ابن سعد في طبقاته (۲۶۳/۱): أن النبي صلى الله عليه وسلم بعد قسمة الغنائم بالجعرانة أرسل العلاء إلى المنذر بن ساوي عامل البحرين، يدعوهم إلى الإسلام، فأسلم، وصالح مجوس تلك البلاد على الجزية". فتح الباري: ۲۶۲/۶، وهذه العبارة تدل على أنها كانت في سنة تسع؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم نزل بالجعرانة سنة تسع من الهجرة.

(۲) عمدة القاري: ۷۹/۱۵.

(۳) قوله: "عمرو بن عوف الأنصاري رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في صحيحه، في كتاب المغازي، باب بلاترجمة، بعد باب شهود الملائكة بدرا، رقم (۴۰۱۵)، وفي كتاب الرقاق، باب ما=

رَآهُمْ ، وَقَالَ : (أَظُنُّكُمْ قَدْ سَمِعْتُمْ أَنَّ أَبَا عُبَيْدَةَ قَدْ جَاءَ بِشَيْءٍ) . قَالُوا : أَجَلْ يَا رَسُولَ ٱللهِ ، قَالَ : (فَأَبْشِرُوا وَأَمِّلُوا مَا يَسُرُّكُمْ ، فَوَٱللهِ لَا الْفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ ، وَلٰكِنْ أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ ٱلدُّنْيَا ، كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ ، فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا ، وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ) . [۳۷۹۱ ، ٦٠٦١]

تراجم رجال

۱- ابوالیمان، ۲- شعیب

حضرت ابوالیمان حکم بن نافع اور شعیب بن ابی حمزہ الحمصی رحمہما اللہ تعالیٰ کے حالات ''بدء الوحی'' کی چھٹی حدیث کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

۳- زهری

یہ امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا تذکرہ ''بدء الوحی'' میں آچکا (۲)۔

٤- عروة بن الزبير

یہ مشہور تابعی حضرت عروہ بن زبیر بن العوام رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات ''بدء الوحی'' کی دوسری حدیث کے ذیل میں ذکر ہو چکے ہیں (۳)۔

٥- مسور بن مخرمة

یہ معروف صحابی حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ ہیں (۴)۔

= يحذر من زهرة الدنيا والتنافس فيها، رقم (٦٤٢٥)، ومسلم في صحيحه، كتاب الزهد، باب الدنيا سجن المؤمن وجنة الكافر، رقم (٧٤٢٥-٧٤٢٦)، والترمذي، في أبواب صفة القيامة (باب حديث: والله ما الفقر أخشى عليكم)، رقم (٢٤٦٢)، وابن ماجه في سننه، كتاب الفتن، باب فتنة المال، رقم (٣٩٩٧).

(١) كشف الباري: ١/٤٧٩-٤٨٠.

(٢) كشف الباري: ١/٣٢٦، الحديث الثالث.

(٣) كشف الباري: ١/٢٩١، و: ٢/٤٣٦.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب استعمال فضل وضوء الناس.

٦- عمرو بن عوف الانصاری

یہ حضرت عمرو بن عوف انصاری رضی اللہ عنہ ہیں، یہ قدیم الاسلام صحابی اور بنو عامر بن لوی کے حلیف تھے اور شرکائے بدر میں سے تھے (۱)۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والے صرف حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ ہیں (۲)۔

اوران سے صرف ایک ہی حدیث مروی ہے، جو باب کے تحت مندرج ہے (۳)۔

ائمہ ستہ میں سے امام ابوداود کے علاوہ باقی تمام حضرات نے ان سے روایت لی ہے (۴)۔

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ان کا انتقال ہوا (۵)۔رضي الله عنه وأرضاه.

یہ انصاری کیونکر ہیں؟

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ انصاری کیونکر ہیں، جب کہ اہلِ مغازی کے ہاں معروف یہی ہے کہ یہ مہاجر تھے، اس کی تائید اس جملے سے بھی ہوتی ہے: "وهو حليف لبني عامر بن لؤي" اس جملے سے تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ مکی ہیں؟

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کے دو جوابات دیے ہیں:

❶ ہوسکتا ہے کہ یہ انصاری مشہور معنی کے اعتبار سے ہوں، اس امر سے تو کوئی چیز مانع نہیں کہ ان کا اصل تعلق اوس یا خزرج سے ہو، پھر مکہ میں رہائش اختیار کرلی اور وہاں کے بعض قبائل سے اتحاد کرلیا ہو، چناں چہ اس اعتبار سے وہ انصاری ومہاجر دونوں ہوئے۔

---

(۱) تهذيب الكمال: ۲۲/۱۷٤، والطبقات: ٤/۳٦۳، وتهذيب التهذيب: ۸/۸٥، والاستيعاب: ۲/۱۰٤، رقم (۱۹٥۲).

(۲) الطبقات: ٤/۳٦۳، وتهذيب الكمال: ۲۲/۱۷٥، والجرح والتعديل: ٦/۳۱۳، باب العين، رقم (۱۳٤۰).

(۳) تهذيب الكمال: ۲۲/۱۷٥.

(٤) حوالہ بالا۔

(٥) فتح الباري: ٦/۲٦۲.

❷ لفظ "الأنصاري" وہم ہے اور یہ شعیب بن ابی حمزہ کا تفرد ہے، کیوں کہ صحیحین میں اس حدیث کو امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے پانچ شاگرد نقل کرتے ہیں، شعیب بن ابی حمزہ، معمر بن راشد، یونس بن یزید، موسیٰ بن عقبہ اور صالح بن کیسان رحمہم اللہ تعالیٰ (۱)۔ ان میں سے شعیب کے علاوہ کوئی بھی "الأنصاري" کا لفظ روایت نہیں کرتا، اس لیے حافظ صاحب کا جزم اسی پر ہے کہ مذکورہ لفظ وہم ہے (۲)۔

اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے احتمال کو راجح قرار دیا ہے کہ یہ انصاری بھی ہیں اور مہاجر بھی۔ علامہ قسطلانی کی رائے بھی یہی ہے (۳)۔

ایک اہم تنبیہ

امام موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت عمرو بن عوف کے نام کے سلسلے میں دو قول مروی ہیں، چناں چہ انہوں نے اپنی کتاب "المغازی" میں ان کا نام عمیر بن عوف تصغیر کے ساتھ نقل کیا ہے، جب کہ بخاری شریف کی کتاب الرقاق کی روایت، جو موسیٰ ہی سے مروی ہے، اس میں بغیر تصغیر کے عمرو ہے (۴)۔

چناں چہ ممکن ہے کہ ان کے یہ دونوں نام ہوں، کبھی عمیر کہلاتے ہوں اور کبھی عمرو (۵)۔ (ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ان کو عمیر بھی کہا جاتا ہے) (۶)۔

البتہ عسکری علیہ الرحمہ نے عمیر اور عمرو بن عوف کے درمیان تفریق کی، ان کو دو الگ الگ شخصیت قرار دیا ہے، لیکن درست یہی ہے کہ ایک ہی صحابی کے یہ دو نام ہیں (۷)۔

أن رسول الله ﷺ بعث أبا عبيدة بن الجراح(۸) إلى البحرين يأتي بجزيتها.

---

(۱) تحفة الأشراف: ۱۶۸/۸، مسند عمرو بن عوف الأنصاري ......

(۲) فتح الباري: ۲۶۲/۶.

(۳) عمدة القاري: ۸۱/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۳۰/۵.

(٤) انظر صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب ما يحذر من زهرة الدنيا ......، رقم (٦٤٢٥).

(۵) عمدة القاري: ۸۱/۱۵، وفتح الباري: ۲۶۲/۶.

(٦) الاستيعاب: ۱۰٤/۲، رقم (۱۹۵۲).

(۷) عمدة القاري: ۸۱/۱۵، وفتح الباري: ۲۶۲/۶، وتهذيب التهذيب: ۸٦/۸.

(۸) ان کے حالات کے لیے دیکھیے: كتاب الشركة، باب الشركة في الطعام......

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو بحرین کی طرف وہاں سے جزیہ کی وصولی کے لیے روانہ فرمایا۔

''بحرین'' آج کل ایک مستقل ریاست ہے، لیکن اس زمانے میں یہ علاقہ عراق میں شامل تھا، یہ بصرہ اور ہجر کے درمیان واقع ہے، اس کے باشندے اس وقت اکثر مجوس تھے (۱)۔ كما مر قبل أيضاً.

وكان رسول الله ﷺ هو صالح أهل البحرين، وأمَّر عليهم العلاء (۲) بن الحضرمي

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کے باشندوں سے صلح کی تھی اور ان پر حضرت علاء بن الحضرمی کو امیر مقرر فرمایا تھا۔

حدیث میں مذکور صلح کا واقعہ ''سنة الوفود'' یعنی سنہ ۹ ہجری کا ہے (۳)۔

مذکورہ واقعے کی تفصیل

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جعرانہ سے واپسی کے دوران حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کو منذر بن ساوی العبدی کی طرف روانہ فرمایا، مقصد اس تک اسلام کی دعوت کا پہنچانا تھا اور ایک خط بھی اس کے نام لکھ دیا۔ منذر نے جوابی خط نبی علیہ السلام کو لکھا، جس میں اس کے اسلام قبول کرنے کی اطلاع تھی، یہ بھی لکھا تھا کہ:

"وإني قد قرأت كتابك على أهل هجر؛ فمنهم من أحب الإسلام، وأعجبه، ودخل فيه، ومنهم من كرهه، وبأرضي مجوس ويهود، فأحدث إلي في ذلك أمرا".

یعنی: ''میں نے آپ کا والا نامہ اہل ہجر کو پڑھ کر سنایا، کچھ نے تو اسلام کو پسند کیا، وہ ان کو اچھا لگا اور اس میں داخل ہو گئے اور کچھ نے ناپسند کیا اور میری حکومت میں مجوس اور

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٦٢.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے: كتاب الشهادات، باب من أمر بإنجاز الوعد.

(۳) فتح الباري: ٦/٢٦٢، وشرح القسطلاني: ٥/٢٣٠، وعمدة القاري: ١٥/٨١.

یہود بھی ہیں، ان کے بارے میں آپ مجھے لکھ بھیجیے کہ ان سے متعلق آپ کا حکم کیا ہے"۔

چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جواباً لکھا کہ جب تک تم اچھی طرح امور حکومت انجام دو گے ہم تمہیں معزول نہیں کریں گے اور جو بھی شخص یہودیت اور مجوسیت پر برقرار رہے گا، اس کو جزیہ ادا کرنا ہوگا......(۱)۔

فقدم أبوعبيدة بمال من البحرين

چناں چہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بحرین سے کچھ مال لے کر لوٹے۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جو مال لے کر بحرین سے لوٹے تھے، اس کی مقدار کیا تھی؟ تو اس سلسلے میں ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے حمید بن ہلال کے طریق سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ اس مال کی مقدار آٹھ لاکھ تھی، اس کو حضرت علاء رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا اور یہ سب سے پہلا اخراج تھا، جو نبی علیہ السلام کی خدمت میں لایا گیا (۲)۔

فسمعت الأنصار بقدوم أبي عبيدة، فوافقت صلاة الصبح مع النبي صلى الله عليه وسلم، فلما صلى بهم الفجر انصرف، فتعرضوا له، فتبسم رسول الله صلى الله عليه وسلم حين رآهم، وقال: أظنكم قد سمعتم أن أبا عبيدة قد جاء بشيء

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی واپسی کا انصار نے سنا تو انہوں نے فجر کی نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی، جب نبی علیہ السلام ان کو نمازِ فجر پڑھا چکے تو واپسی کے لیے مڑے تو انصار ان کے سامنے آ گئے، نبی علیہ السلام نے جب ان کو دیکھا تو مسکرائے اور ارشاد فرمایا، میرا خیال یہ ہے کہ تم لوگ ابوعبیدہ کی (بحرین سے) واپسی کا سن چکے ہو کہ وہ کچھ لے کر آئے ہیں۔

---

(۱) الطبقات الكبرى لابن سعد: ۳٦۳/٤.

(۲) المصنف لابن أبي شيبة: ۵۳۳/۱۹، كتاب الأوائل، باب أول ما فعل ......، رقم (۳٦۹۵۵)، وفتح الباري: ۵۱۷/۱، رقم (٤۲۱)، كتاب الصلاة ......، وهدي الساري: ۳۹٦، كتاب الصلاة.

تنبیہ: ابن ابی شیبہ کے نسخوں میں مذکورہ مال کی مقدار آٹھ لاکھ آئی ہے، جب کہ حافظ نے ابن ابی شیبہ سے ایک لاکھ نقل کیا ہے اور ابن سعد، یعقوب بن سفیان اور حاکم کی روایات میں مذکورہ مال کی مقدار اسی ہزار مذکور ہے۔ واللہ اعلم بالحقیقة. دیکھیے، تعليقات الشيخ محمد عوامة على المصنف: ۵۳۲/۱۹.

حدیث سے مستنبط ایک فائدہ

مذکورہ بالا عبارت سے یہ امر مستنبط ہوا کہ صحابۂ کرام (مہاجرین وانصار) رضی اللہ عنہم اجمعین تمام نمازوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز باجماعت میں شریک نہیں ہوا کرتے تھے، ہاں! یہ کہ کوئی حادثہ پیش آجائے اور یہ کہ صحابہ اپنی اپنی مساجد میں نماز پڑھا کرتے تھے، کیونکہ ہر قبیلہ کی اپنی اپنی مساجد تھیں، جہاں وہ جمع ہوا کرتے، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انصار رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ نمازِ فجر میں سب کے سب جمع ہیں، تو آپ کو معلوم ہوگیا کہ یہ سب کسی کام سے آئے ہیں اور اس کام کی تعیین پر قرینہ بھی دلالت کر رہا ہے کہ مال ودولت کی ان کو ضرورت تھی کہ اس میں کچھ گنجائش ان کے لیے بھی ہو، تاہم ان کی خواہش تھی کہ مہاجرین کو بھی اس میں حصہ ملنا چاہیے، اس لیے جب نبی علیہ السلام نے ان کو بحرین میں جاگیروں کی پیش کش کی تو انصار نے یہی فرمایا کہ "حتی تقطع لإخواننا من المهاجرين مثل الذي تقطع لنا"(۱). جب مال آیا تو انصار نے سوچا کہ اس مال میں ان کا بھی حق ہے۔

اور یہ احتمال بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی ان سے وعدہ فرمایا ہو کہ جب مال آئے گا تو میں آپ لوگوں کو دوں گا، چناں چہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا کہ بحرین سے مال آئے گا تو میں تمہیں دوں گا، پھر اس وعدہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد پورا فرمایا تھا(۲)۔

خلاصہ یہ ہوا کہ انصار یا تو خود ہی مال کے آنے کا سن کر حاضر ہوگئے کہ اس مال میں ہمارا حق بھی ہے۔
یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ ان سے وعدہ فرمایا تھا اس لیے وہ حاضر ہوئے (۳)۔

قالوا: أجل يا رسول الله

انصار نے جواباً کہا، جی ہاں! یارسول اللہ!

امام اخفش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ أجل معنی میں نعم کے مثل ہے، البتہ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ

---

(۱) دیکھیے صحيح البخاري، كتاب المساقاة، باب القطائع، رقم (۲۳۷٦).

(۲) انظر صحيح البخاري، كتاب الكفالة، باب من تكفل عن ميت ......، رقم (۲۲۹٦).

(۳) فتح الباري: ٦/٢٦٢-٢٦٣.

نعم کا استعمال جواب استفہام کے لیے ہوتا ہے کہ اس کا استعمال وہیں بہتر ہے اور جب تصدیق مقصود ہو تو وہاں اجل کا استعمال نعم کی بنسبت زیادہ بہتر ہے(۱)۔

قال: فأبشروا، وأملوا مايسر كم

نبی علیہ السلام نے فرمایا، خوش ہو جاؤ اور اس چیز کی امید رکھو جو تمہیں خوش کر دے گی۔

"أبشروا" صورۃ تو امر ہے، لیکن معنیً خبر ہے، مطلب یہ ہے کہ جس مقصود کے لیے تم میرے پاس آئے ہو، وہ حاصل ہو گیا اور مال تمہیں مل جائے گا(۲)۔

فوالله، لا الفقر أخشى عليكم، ولكن أخشى عليكم أن تبسط عليكم الدنيا، كما بسطت على من كان قبلكم، فتنافسوها كما تنافسوها، وتهلككم كما أهلكتهم

بخدا! مجھے تمہارے فقر و فاقے کا اندیشہ نہیں ہے، بلکہ یہ خوف لاحق ہے کہ دنیا تم پر کشادہ و وسیع کر دی جائے گی، جس طرح تم سے پہلی امتوں پر کر دی گئی تھی، تم بھی اس میں اسی طرح رغبت کرنے لگو گے، جس طرح انہوں نے رغبت کی تھی، پھر تمہیں انہی کی طرح یہ دنیا ہلاک کر دے گی۔

"تنافس" کے معنی کسی چیز میں رغبت رکھنے اور اس کو اپنے ساتھ خاص کرنے کے ہیں اور حدیث میں یہ بات کہی گئی ہے کہ دنیا میں رغبت بعض اوقات ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے اور اس کی وجہ سے آخرت برباد ہو جاتی ہے(۳)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

حدیث کے مندرجہ ذیل جملوں کی باب کے ساتھ مطابقت پائی جاتی ہے:

❶ "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث أبا عبيدة ...... يأتي بجزيتها" کہ اس میں جزیہ

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٦٣.

(۲) حوالہ بالا.

(۳) حوالہ بالا، عمدة القاري: ١٥/٨١، وإرشاد الساري: ٥/٢٣١، نیز دیکھیے، کشف الباري، کتاب المغازي: ١٦٦.

کا ذکر ہے اور ترجمہ کا پہلا جز جزیہ ہے۔

❷ "فقدم أبو عبيدة بمال من البحرين" اس لیے کہ بحرین سے جو مال آیا تھا، وہ جزیہ کا تھا، نیز بحرین کے باشندے اس وقت مجوس وغیرہ ہی تھے۔

چناں چہ ترجمۃ الباب کے جز "الجزية" اور "المجوس" دونوں کے ساتھ مناسبت موجود ہے(۱)۔

واللہ اعلم بالصواب

٢٩٨٩ : حدّثنا الْفَضْلُ بْنُ يَعْقُوبَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ جَعْفَرٍ الرَّقِّيُّ : حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ : حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُبَيْدِ ٱللهِ الثَّقَفِيُّ : حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ الْمُزَنِيُّ وَزِيَادُ بْنُ جُبَيْرٍ ، عَنْ جُبَيْرِ بْنِ حَيَّةَ[٢] قَالَ : بَعَثَ عُمَرُ النَّاسَ فِي أَفْنَاءِ الْأَمْصَارِ يُقَاتِلُونَ الْمُشْرِكِينَ ، فَأَسْلَمَ الْهُرْمُزَانُ ، فَقَالَ : إِنِّي مُسْتَشِيرُكَ فِي مَغَازِيَّ هٰذِهِ ، قَالَ : نَعَمْ ، مَثَلُهَا وَمَثَلُ مَنْ فِيهَا مِنَ النَّاسِ مِنْ عَدُوِّ الْمُسْلِمِينَ مَثَلُ طَائِرٍ : لَهُ رَأْسٌ وَلَهُ جَنَاحَانِ وَلَهُ رِجْلَانِ ، فَإِنْ كُسِرَ أَحَدُ الْجَنَاحَيْنِ نَهَضَتِ الرِّجْلَانِ بِجَنَاحٍ وَالرَّأْسُ ، فَإِنْ كُسِرَ الْجَنَاحُ الْآخَرُ نَهَضَتِ الرِّجْلَانِ وَالرَّأْسُ ، وَإِنْ شُدِخَ الرَّأْسُ ذَهَبَتِ الرِّجْلَانِ وَالْجَنَاحَانِ وَالرَّأْسُ ، فَالرَّأْسُ كِسْرَى ، وَالْجَنَاحُ قَيْصَرُ ، وَالْجَنَاحُ الْآخَرُ فَارِسُ ، فَمُرِ الْمُسْلِمِينَ فَلْيَنْفِرُوا إِلَى كِسْرَى .

تراجم رجال

۱– الفضل بن يعقوب

یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شیخ، الفضل بن یعقوب رخامی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۳)۔

۲– عبداللّٰه بن جعفر الرقي

یہ امام عبداللہ بن جعفر بن غیلان القرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ابوجعفر اور ابوعبدالرحمٰن ان کی کنیت ہے۔

(١) عمدة القاري: ٨١/١٥.

(٢) قوله: "بعث عمر": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في صحيحه، في كتاب التوحيد، باب قول الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الرسول بلغ ما أنزل إليك......﴾ رقم (٧٥٣٠)، وتحفة الأشراف بمعرفة الأطراف: ١٩/٨.

(٣) ان کے حالات کے لیے دیکھیے: كتاب البيوع، باب التجارة في البر.

آل عقبہ بن ابی معیط کے آزاد کردہ غلام تھے(۱)۔

یہ رقّہ کی طرف منسوب ہوکر الرقی – بفتح الراء المشددة، وكسر القاف المشددة– کہلاتے ہیں۔ جو عراق میں فرات کے مشرقی کنارے کے ساتھ ایک مشہور شہر تھا، اب اجڑ گیا ہے(۲)۔

یہ عبیداللہ بن عمرو، ابوالملیح حسن بن عمر الرقي، عبدالعزیز الدراوردی، معتمر بن سلیمان اور موسیٰ بن اعین رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں احمد بن ابراہیم الدورقي، ابوالازہر نیسابوری، اسماعیل بن عبداللہ الرقی، علی بن الحسین الرقی، ایوب بن محمد الوزان، سلمة بن شبیب، دارمی، عمرو الناقد، فضل بن یعقوب رُخامی، محمد بن حاتم بن میمون، محمد بن جبلة، ابوزرعة الدمشقی اور ابوحاتم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ شامل ہیں(۳)۔

امام حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة، وهو أحب إلي من علي بن معبد الذي كان بمصر"(٤).

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة"(٥).

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کو "ثقہ" کہا ہے(٦)۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة، حافظ"(٧).

ابن شاہین رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنی کتاب "الثقات" میں ذکر کیا ہے(۸)۔

---

(١) تهذيب الكمال: ١٤/٣٧٦، وتهذيب التهذيب: ٥/١٧٣، وتاريخ البخاري الكبير: ٥/٦٢، رقم (١٥٠)، وإكمال مغلطاي: ٧/٢٨٥، رقم (٢٨٥٣)، والطبقات: ٧/٤٨٦.

(٢) عمدة القاري: ١٥/٨٢.

(٣) شیوخ وتلامذہ کے لیے دیکھیے: تهذيب الكمال: ١٤/٣٧٧-٣٧٨.

(٤) الجرح والتعديل: ٥/٢٩، رقم (١٠٤)، وتهذيب الكمال: ١٤/٣٧٨.

(٥) الجرح والتعديل: ٥/٢٨، رقم (١٠٤)، وتهذيب الكمال: ١٤/٣٧٨.

(٦) إكمال مغلطاي: ٧/٢٨٦، وتهذيب التهذيب: ٥/١٧٤.

(٧) الكاشف للإمام الذهبي: ١/٥٤٣، رقم (٢٦٦٧).

(٨) تعليقات تهذيب الكمال: ١٤/٣٧٨، وإكمال مغلطاي: ٧/٢٨٥.

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ليس به بأس قبل أن يتغير" (۱).

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة؛ لكنه تغير بأخرة، فلم يفحش اختلاطه" (۲).

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا اور کہا کہ آخر عمر میں ان کو اختلاط واقع ہوگیا تھا (۳)۔

لیکن یہ اختلاط اور ذہنی کمزوری مضر نہیں، وہ اس لیے کہ ان حضرات یعنی حافظ صاحب اور ابن حبان رحمہما اللہ نے خود اس بات کا اعتراف کرلیا ہے کہ اختلاط فحش نہیں، بلکہ کم تھا اور کبھی کبھار ہی ہوتا تھا، جو روایات کے لیے مضر نہیں۔

ائمہ ستہ میں تمام حضرات نے ان کی روایات لی ہیں (۴)۔ جو خود ثقاہت کی ایک دلیل ہے۔

۲۱ یا ۲۳ شعبان ۲۲۰ ہجری کو رقہ ہی میں ان کا انتقال ہوا (۵)۔ رحمه الله تعالىٰ رحمة واسعة

۳- المعتمر بن سليمان

یہ معتمر -عین کے سکون، تاء کے فتحہ اور میم کے کسرہ کے ساتھ- ابن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ ہیں، تمام نسخوں میں یہی نام آیا ہے، مستخرج اسماعیلی وغیرہ میں اس حدیث کی سند میں بھی بخاری کی طرح ہے، یعنی معتمر، جب کہ دمیاطی رحمہ اللہ کا خیال یہ ہے کہ درست نام معمر -بفتح المهملة، وتشديد المفتوحة بغير مثناة- ہے، اس کی دلیل انہوں نے یہ دی کہ عبداللہ بن جعفر رقی، معتمر بن سلیمان سے روایت نہیں کرتے۔ ان کی ملاقات ثابت نہیں۔

حافظ وعینی فرماتے ہیں کہ صرف یہ وجہ کہ عبداللہ رقی ہیں اور معتمر بصری، ان کا لقاء ممکن نہیں۔ تو اتنی سی بات روایات صحیحہ کے رد کے لیے کافی نہیں، اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے شہروں میں داخل

(۱) تهذيب الكمال: ١٤/٣٧٨، وتهذيب التهذيب: ٥/١٧٣، وميزان الاعتدال: ٢/٤٠٣، رقم: (٤٢٤٩).

(۲) تقريب التهذيب: ١/٤٨٣، رقم (٣٢٦٤)، وهدي الساري: ٥٨٠، الفصل التاسع، حرف العين.

(۳) كتاب الثقات. ٨/٣٥١.

(۴) تقريب: ١/٤٨٣، وتهذيب الكمال: ١٤/٣٧٦.

(۵) الثقات لابن حبان: ٨/٣٥٢، والطبقات الكبرى: ٧/٤٨٦، الكاشف: ١/٥٤٣، وتهذيب الكمال: ١٤/٣٧٨، وميزان الاعتدال: ٢/٤٠٣، رقم (٤٢٤٩).

نہیں ہوئے تو کیا کسی حج یا غزوے میں بھی ان کی ملاقات نہیں ہوئی ہوگی ؟!...... پھر دمیاطی کا اعتراض خود ان کے قول کے معارض ہے، کیوں کہ اگر معمر ہونا درست قرار دیا جائے، جو رقی نہیں اور روایت کررہے ہیں سعید بن عبیداللہ سے، جو بصری ہیں تو بعینہ وہی اعتراض یہاں بھی ہوتا ہے کہ اگر رقی کا بصری سے لقاء ممکن نہیں تو بصری کا لقاء بھی رقی سے مستبعد ہونا چاہیے، حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں۔ دونوں صورتیں ممکن ہیں۔

علاوہ ازیں جن حضرات نے رجال بخاری پر کام کیا ہے، ان میں سے کسی نے بھی معتمر بن سلیمان رقی کا ذکر رجال بخاری میں نہیں کیا، بلکہ سب نے متفقہ طور پر معتمر بن سلیمان تیمی بصری ہی کو رجال بخاری میں شامل کیا ہے۔

اصیلی، ابن قرقول وغیرہ نے بھی معتمر ہونا راجح کہا ہے (۱)۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ سے یہاں یہ تسامح ہوگیا کہ انہوں نے بعض حضرات سے نقل کرتے ہوئے معتمر کو اولاً معمر کہا، پھر ابن راشد، یعنی معمر بن راشد (عبدالرزاق صنعانی کے شیخ)، یہ عجائب وغرائب میں سے ہے، کیوں کہ عبداللہ بن جعفر رقی کی تو معمر بن راشد سے سرے سے روایت ہی نہیں ہے (۲)۔

٤- سعيد بن عبيدالله الثقفى

سعید بن عبیداللہ بن جبیر بن حیۃ الثقفی الجبیری البصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

یہ اپنے چچا زیاد، بکر بن عبداللہ المزنی، حسن بصری، حکم بن اعرج اور عبداللہ بن بریدہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان سے ان کے صاحبزادے اسماعیل، معتمر بن سلیمان، ابوعبیدہ الحداد، بشر بن السری، خالد بن الحارث، روح بن عبادہ اور مکی بن ابراہیم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ روایت کرتے ہیں (۴)۔

امام احمد، یحییٰ بن معین اور ابوزرعۃ رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "ثقة" (۵).

---

(١) فتح الباري: ٦/٢٦٣، وعمدة القاري: ١٥/٨٢.

(٢) حوالہ جات بالا، وشرح الكرماني: ١٣/١٢٦.

(٣) تهذيب الكمال: ١٠/٥٤٥، وتهذيب التهذيب: ٤/٦١، والتاريخ الكبير: ٣/٤٩٥، رقم (١٦٥٤).

(٤) شیوخ وتلامذہ کے لیے دیکھیے، تهذيب الكمال: ١٠/٥٤٥-٥٤٦.

(٥) الجرح والتعديل: ٤/٣٨، رقم (١٦٧)، وخلاصة الخزرجي: ١٤١.

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ليس به بأس" (١).

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا ذکر کتاب الثقات میں کیا ہے (۲)۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة" (٣).

ابن شاہین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کا ذکر کتاب الثقات میں کیا ہے (۴)۔

البتہ امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے ان پر جرح کی ہے اور کہا ہے کہ یہ مضبوط راوی نہیں ہیں، وہ روایات جن کو دوسرے حضرات موقوفاً روایت کرتے ہیں، ان کو یہ مسنداً روایت کرتے تھے (٥)۔

اسی طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کے بارے میں لکھا ہے: "صدوق، ربما وهم" (٦).

اس سلسلے میں امام بخاری پر کوئی اعتراض اس لیے نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے سعید بن عبید اللہ کی دو ہی روایات اپنی صحیح میں لی ہیں۔ ایک اشربہ (٧) میں، جس کے شواہد موجود ہیں، دوسری حدیث باب، جو کتاب التوحید (٨) میں بھی مختصراً آئی ہے، تاہم اس کا شاہد ومتابع بھی موجود ہے، چناں چہ حدیث باب کا یہی مضمون حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی روایت ابن ابی شیبہ (٩) نے سند قوی کے ساتھ روایت کی ہے (١٠)۔

---

(١) تهذيب الكمال: ١٠/٥٤٦، وتهذيب التهذيب: ٤/٦١.

(٢) تهذيب الكمال: ١٠/٥٤٦، والثقات لابن حبان: ٨/٢٥٩.

(٣) الكاشف: ١/٤٤١.

(٤) إكمال مغلطاي: ٥/٣٢٦، رقم (٢٠١١).

(٥) حواله بالا، وتهذيب التهذيب: ٤/٦١، والمغني في الضعفاء: ١/٤٠٩، وميزان الاعتدال: ٢/١٥٠.

(٦) تقريب التهذيب: ١/٣٥٩، رقم (٢٣٦٦)، وتعليقات تهذيب الكمال: ١٠/٥٤٦.

(٧) صحيح بخاري، كتاب الأشربة، رقم (٥٥٨٤).

(٨) صحيح بخاري، كتاب التوحيد، رقم (٧٥٣٠).

(٩) المُصَنف: ١٨/٢٨٧-٢٩١، كتاب البعوث والسرايا، توجيه النعمان بن مقرن إلى نهاوند، رقم (٣٤٤٨٥)، اس قصے کی مزید تخریج کے لیے دیکھیے، تعليقات محمد عوامة على المصنف: ١٨/٢٨٨.

(١٠) هدي الساري، ٥٧٠، الفصل التاسع في سياق أسماء من طعن ......، باب السين.

بخاری کے علاوہ ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے روایت لی ہے(۱)۔

٥- بكر بن عبدالله المزني

یہ بکر بن عبداللہ المزنی البصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۲)۔

٦- زياد بن جبير

یہ زیاد بن جبیر بن حیہ الثقفی الجبیری البصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۳)۔

٧- جبير بن حيه

یہ جبیر بن حیہ بن مسعود بن معتب بن مالک بن عمرو بن سعد بن عوف ثقفی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہ حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں(۴)۔

ان کی کنیت ابوفرس یا ابوفرش اور ابوزیاد ہے(۵)۔

یہ حضرت عمر بن خطاب، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان سے بکر بن عبداللہ المزنی اور ان کے صاحبزادے زیاد روایت کرتے ہیں(۶)۔

ابوالشیخ فرماتے ہیں:

''جبیر طائف کے رہائشی تھے اور وہاں ایک مکتب کے معلم، پھر وہاں سے عراق منتقل ہوئے، عراق میں دیوان خانے میں کاتب بنے، جب زیاد بن ابی سفیان عراق کے والی بنے تو انہوں نے جبیر کا اکرام واعزاز کیا، اپنی قربت سے نوازا، اس طرح ان کی شان

---

(١) تهذيب الكمال: ١٠/٥٤٦.

(٢) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الغسل، باب عرق الجنب......

(٣) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الحج، باب نحر الإبل المقيدة......

(٤) تهذيب الكمال: ٤/٥٠٢، وتهذيب التهذيب: ٢/٦٢.

(٥) طبقات ابن سعد: ٧/١٨٨، وإكمال مغلطاي: ٣/١٦٧.

(٦) الجرح والتعديل: ٢/٤٤٥، وتهذيب الكمال: ٤/٥٠٢، وإكمال مغلطاي: ٣/١٦٧.

بڑھ گئی اور زیاد نے ان کو اصفہان کا والی بنا دیا......"(۱)۔

سبط ابن العجمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة جليل"(۲).

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں جلیل القدر تابعین میں شمار کیا ہے(۳)۔

اسی طرح ابن خلفون نے الثقات میں ان کا ذکر کیا اور فرمایا: "كان ثقة"(٤).

اکثر ائمہ رجال نے ان کو تابعی ہی قرار دیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ جبیر بن حیہ صحابی ہیں، اسی لیے حافظ صاحب نے ان کا تذکرہ "الإصابة" کی قسم اول میں لکھا ہے۔

ان کا کہنا یہ ہے کہ صحیح بخاری کی روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد کی فتوحات میں جبیر شریک ہوئے تھے اور امام بخاری نے مذکورہ روایت "زائدة بن أبي زياد بن جبير عنه" کے طریق سے نقل کی ہے(۵)۔ اور میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ انہوں نے ان کا ذکر صحابہ میں کیا ہو، جب کہ یہ ان کی شرط پر پورا اترتے ہیں۔

وہ اس لیے کہ بنوثقیف کا کوئی بھی آدمی نبی علیہ السلام کی حیات میں زندہ نہیں تھا، مگر یہ کہ وہ اسلام قبول کر چکا تھا اور حجۃ الوداع میں انہوں نے شرکت کی تھی (یہ بھی ثقفی ہیں)۔

البتہ ابو موسیٰ المدینی نے ان کا شمار صحابہ میں کیا، ایک حدیث بھی ان کی ذکر کی، پھر لکھا کہ حدیث مرسل ہے اور اسی بات کو صحیح قرار دیا کہ یہ تابعی ہیں، نہ کہ صحابی(٦)۔

لیکن میرے نزدیک ان کی صحابیت ناممکن نہیں، چناں چہ جس شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتوحات میں شرکت کی ہوگی، وہ لامحالہ اس وقت مکمل جوان ہوگا اور جس واقعے میں یہ حاضر رہے ہیں وہ نبی علیہ السلام کی وفات کے دس سال گزرنے سے بھی پہلے وقوع پذیر ہوا ہے، اس لیے کم از کم ان کی رؤیت بہر حال

(١) تهذيب الكمال: ٤/٥٠٢، وتهذيب التهذيب: ٢/٦٢.

(٢) حاشية سبط ابن العجمي على الكاشف: ١/٢٨٩.

(٣) تهذيب التهذيب: ٢/٦٣.

(٤) إكمال مغلطاي: ٣/١٦٧.

(٥) لعل الحافظ رحمه الله أراد حديث الباب، ولكن طريقه يخالف لما قاله الحافظ، والله أعلم.

(٦) إكمال مغلطاي: ٣/١٦٧، والإصابة: ١/٢٢٥.

ثابت ہوگی، جوشرف صحابیت کے لیے کافی ہے(۱)۔

حضرت جبیر کا انتقال اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عہد میں ہوا(۲)۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دوسرے جمعے کو حجاج بن یوسف نے خطبہ دیا، چناں چہ کہا کہ میرا خیال وگمان یہ ہے کہ تم لوگ حق وباطل کے درمیان تمیز کے قابل نہیں رہے، میں تم سے تین چیزوں کے بارے میں سوال کرتا ہوں، اگران سوالات کا صحیح صحیح جواب تم لوگوں نے دیا تو اچھی بات ہے، ورنہ میں تم پر جزیہ لازم کردوں گا اور تم اس کے اہل بھی ہوگے۔

سوالات یہ ہیں کہ وہ کون سی چیز ہے جس سے کوئی چیز مستغنی نہیں ہوسکتی؟ وہ کون سی چیز ہے جو کنیت ہی سے پہچانی جاتی ہے اور وہ کون سا بچہ ہے جس کا والد نہیں؟

چناں چہ حضرت جبیر بن حیہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اے امیر! اگر تمہارا مذکورہ عزم نہ ہوتا تو میں تمہیں جواب نہ دیتا، رہی وہ چیز جس سے کوئی چیز مستغنی نہیں ہوسکتی نام (الاسم) ہے، وہ چیز جو کنیت ہی سے معروف ہے ام الجنین ہے اور وہ بچہ جس کے والد نہیں تھے، عیسیٰ علیہ السلام تھے۔

حجاج نے کہا: اے متکلم! آپ کون ہیں؟ فرمایا: جبیر بن حیہ ثقفی۔ حجاج نے کہا کہ آپ کے صحیح جوابات بھی غلط ہوگئے، اس قرابت قریبہ کے باوجود آپ مجھ سے دور کیوں رہے (حجاج خود بھی ثقفی تھا)؟ فرمایا: اے امیر! تم ہمیشہ کے لیے اپنی قوم کے لیے باقی رہوگے نہ یہ تمہاری عزت دائمی ہے، کیوں کہ زمانہ الٹ پھیر کا شکار رہتا ہے اور آج ہم تم سے فوائد ومنافع حاصل کرکے یہ نہیں چاہتے کہ کل ہمیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے۔ راوی کہتے ہیں کہ حجاج نے ان کو انعام واکرام سے نوازا(۳)۔

قال: بعث عمر الناس في أفناء الأمصار يقاتلون المشركين

حضرت جبیر بن حیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بڑے بڑے شہروں میں روانہ کیا کہ وہ مشرکین سے قتال کریں گے۔

---

(۱) الإصابة: ۱/۲۲۵، وتعليقات تهذيب الكمال: ٤/٥٠٣، وفتح الباري: ٦/٢٦٣.

(۲) تهذيب الكمال: ٤/٥٠٣، وتهذيب التهذيب: ٢/٦٣، والتقريب: ١/١٥٦، رقم (٩٠١).

(۳) إكمال مغلطاي: ٣/١٦٨.

"أفناء" فنو -بكسر الفاء وسكون النون- کی جمع ہے، اس کے معنی جماعت، نچلے و معمولی درجے کے لوگ کے ہیں، اسی طرح وہ شخص، جس کا کوئی قبیلہ نہ ہو، "فنو" کہلاتا ہے (۱)۔

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے "الأمصار" کی بجائے "الأنصار" نقل کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ بعض نسخوں میں "الأمصار" آیا ہے۔ سمجھنا چاہیے کہ "الأمصار" ہی درست ہے، ان کے ذکر کردہ کلمہ کے یہاں کوئی معنی نہیں بنتے، کہ انصار تو پہلے سے مسلمان تھے، ان سے جنگ کرنے کا کیا مطلب؟ جب کہ اس کے بعد متصلاً حدیث میں "يقاتلون المشركين" بھی آیا ہے! (۲)۔

فأسلم الهرمزان

چناں چہ ہرمزان نے اسلام قبول کرلیا۔

یہاں سیاقِ حدیث میں بہت زیادہ اختصار ہے، کیوں کہ ہرمزان کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ فوراً پیش نہیں آیا تھا، بلکہ اس سے پہلے کئی جنگیں لڑی گئیں، واقعات کی تفصیل چوں کہ بہت زیادہ ہے، اس لیے ہم خلاصہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

ہُرمُزان کے قبولِ اسلام کا واقعہ

ہُرمُزان -بضم الهاء وسكون الراء وضم الميم وتخفيف الزاي وفي آخره نون- (۳). عجم کے بڑے بادشاہوں میں سے تھے، ان کی حکومت میں بہت سے علاقے شامل تھے، مثلاً: اہواز، جندی سابور، سوس، سرق، نہر بین، نہر تیری اور مناذر وغیرہ۔

قادسیہ کے مقام پر مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان جو مشہور زمانہ جنگ "غزوہ قادسیہ" لڑی گئی، اس جنگ میں ایرانیوں کے لشکر میں یہ بھی شامل تھے، اس لشکر کو یزدجرد نے روانہ کیا تھا، مسلمانوں کے سپہ سالار

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٦٤، وعمدة القاري: ١٥/٨٣، والنهاية: ٣/٤٨٨، باب الفاء مع النون.

(۲) شرح الكرماني: ١٣/١٢٧، وإرشاد الساري: ٥/٢٣١، وفتح الباري: ٦/٢٦٤، وعمدة القاري: ١٥/٨٣، ومثله قال ابن بطال أيضاً، انظر شرحه: ٥/٣٣٤.

(۳) عمدة القاري: ١٥/٨٣.

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور ایرانی لشکر کا سپہ سالار رستم تھا، ایرانی لشکر دو لاکھ جنگجوؤں پر مشتمل تھا، ان کے ساتھ تینتیس ۳۳/ ہاتھی بھی تھے اور ہرمزان میمنہ کے سالار تھے۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ مسلم لشکر صرف سات یا آٹھ ہزار افراد پر مشتمل تھا، فریقین کے درمیان گھمسان کا رن پڑا، ایسا معرکہ بپا ہوا کہ تاریخ نے اس کی مثال اس سے قبل نہ دیکھی تھی، مسلم لشکر کی ایک جماعت نے اس دن خوب بہادری کے جوہر دکھائے اور بے مثال شجاعت کے نمونے پیش کیے، ان میں حضرت طلیحہ الاسدی، حضرت عمرو بن معدیکرب، حضرت قعقاع بن عمرو، حضرت جریر بن عبداللہ البجلی، حضرت ضرار بن خطاب، حضرت خالد بن عرفطۃ - رضی اللہ عنہم - اور دوسرے بہت سے حضرات شامل تھے۔

فریقین کے درمیان یہ جنگ بروز پیر یکم محرم ۱۴ھ کو لڑی گئی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد مسلم لشکر کے شامل حال یوں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک آندھی بھیجی، جس نے فارسیوں کے خیموں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور رستم کے تخت کو فوج کے سامنے ہی الٹ دیا، چناں چہ وہ ایک خچر پر سوار ہوا اور بھاگ نکلا، لیکن مسلمانوں نے اسے جالیا اور جہنم رسید کردیا، اس طرح ایرانی لشکر شکست فاش سے دوچار ہوا، مسلمانوں نے ان کی ایک بڑی جمعیت کو قتل کیا۔ ایرانی لشکر کا ایک حصہ زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا، اس کی تعداد تیس ہزار تھی، یہ سب بھی تہہ تیغ ہوئے، یہ فرار کے بعد کا قصہ ہے، جب کہ صرف دورانِ معرکہ بھی تقریباً دس ہزار ایرانی مارے گئے، مسلمانوں نے ان کا مسلسل پیچھا کیا، یہاں تک کہ ان کے پیچھے پیچھے شہنشاہ کے پایہ تخت ''مدائن'' میں جا گھسے، جہاں کسریٰ کا محل تھا۔

ہرمزان بھی فرار ہونے والوں میں شامل تھے، مسلمانوں اور ہرمزان کے درمیان بھی ایک معرکہ ہوا، پھر فریقین میں صلح ہوگئی، جس کو کچھ دنوں بعد ہرمزان نے توڑ دیا اور کردوں کی ایک جماعت سے معاونت حاصل کی، چناں چہ مسلمان پھر ان کے مدمقابل آئے اور مسلمانوں کو واضح فتح حاصل ہوئی، ہرمزان کے قلمرو میں شامل اہواز، مناذر اور نہر تیری پر اسلامی جھنڈا لہرانے لگا، یہ ۱۶ یا ۱۷ ہجری کا واقعہ ہے۔

مذکورہ علاقوں سے فرار ہوکر ہرمزان نے تُستر کی راہ لی اور وہاں قلعہ بند ہوکر بیٹھ گئے، مشورہ کے لیے مسلمانوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ چناں چہ امیر المومنین کے حکم پر ہرمزان کا مقابلہ کرنے کے لیے حضرت جزء بن معاویہ رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے اور مسلسل ہرمزان کا تعاقب کیا، یہاں تک کہ زمین ان پر تنگ کردی، ہرمزان نے عاجز آکر پھر صلح کی درخواست کی، جس کی منظوری کے لیے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام روانہ کیا گیا، جہاں سے رامہرمز، تُستُر، جندی سابور اور دوسرے شہروں کے بارے میں منظوری آ گئی کہ صلح کر لی جائے۔

ادھر شہنشاہِ ایران یزدجرد ایرانیوں کو ہر وقت برانگیختہ کرتا رہتا تھا کہ یہ عرب تمہارے شہروں پر غالب آ گئے ہیں، ان کے مقابلے کے لیے اٹھو، چناں چہ اس نے اہلِ اہواز واہل فارس کو لکھا کہ مسلمانوں سے جنگ کے لیے متحرک ومستعد ہو جاؤ۔ یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی پہنچ گئی، آپ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ، اس وقت یہ کوفہ میں تھے، کو لکھا کہ حضرت نعمان بن مقرن کے ساتھ ایک لشکر اہواز کی طرف بھیجو، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، اس وقت یہ بصرہ میں تھے، کو بھی لکھا کہ اہواز کی طرف ایک لشکر روانہ کرو اور اس کا امیر سہیل بن عدی رضی اللہ عنہ کو مقرر کرو، نیز فرمایا کہ ان دونوں جمعیتوں کے اصل امیر حضرت ابوسبرۃ بن ابی رہم ہوں گے۔

چناں چہ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کوفی لشکر کو لے کر روانہ ہوئے اور بصرہ کے لشکر پر سبقت کر گئے، حتیٰ کہ رامہرمز پہنچ گئے اور وہیں ہرمزان بھی تھے، یہ اپنی فوج لے کر مسلم لشکر کی طرف نکلے، سابقہ معاہدہ توڑ ڈالا، دونوں فوجیں مدمقابل ہوئیں اور سخت جنگ ہوئی، جس میں ہرمزان کو شکست ہوئی اور وہ تستر کی طرف فرار ہو گئے، جب بصری لشکر کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی کہ حضرت نعمان کی قیادت میں ہرمزان کو شکست ہوئی ہے اور وہ تستر کی طرف فرار ہو گئے تو یہ تستر کی طرف روانہ ہوئے، جہاں کوفی لشکر بھی ان سے آ ملا، حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بصری وکوفی دونوں لشکروں نے تستر کا محاصرہ کر لیا، جو کئی مہینے جاری رہا، اس دوران فریقین کی ایک بڑی تعداد قتل ہوئی، آخر ایک دن ایک ایرانی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ اگر آپ شہریوں کو امان دیں تو میں شہر پر آپ کا قبضہ کرا دوں گا، حضرت نے اس کو منظور فرمایا، چناں چہ اس نے مسلمانوں کو وہ جگہ دکھائی جہاں سے شہر کے اندر دجلہ کی ایک شاخ کا پانی داخل ہو رہا تھا، اسی راستے سے مسلمانوں کی ایک جماعت بطخوں کی طرح تیر کر اندر داخل ہوئی، اس نے پہرے داروں کو قتل کیا، شہر پناہ کے دروازے کھول دیے، مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور سب کے سب فجر کے وقت اندر داخل ہو گئے، جب ہرمزان نے یہ صورت حال دیکھی تو قلعہ میں پناہ لی، جس پر کچھ صحابہ نے ان کا تعاقب کیا، اسی دوران حضرت براء بن مالک اور مجزأۃ بن ثور رضی اللہ عنہما ہرمزان کے ہاتھوں شہید ہوئے، جب ہرمزان قلعہ کے اندر ایک مکان میں محصور ہو گئے اور کچھ لوگوں کے علاوہ کوئی بھی ساتھ نہ رہا تو انہوں نے کہا کہ میرے ترکش میں اب

بھی سو۱۰۰ تیر ہیں، تم میں سے جو بھی آگے آئے گا، اسے میں قتل کردوں گا، چوں کہ اپنے سو بندے مروا کر مجھے قتل کرنے کا تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اس لیے مجھے امان دے دو اور مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا دو، ان کی مرضی کہ وہ میرے بارے میں جو فیصلہ چاہیں کریں۔

ہرمزان کے اس مطالبے کو حضرت ابوسبرۃ بن ابی رہم رضی اللہ عنہ نے منظور فرمالیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ و احنف بن قیس کو اس پر مامور فرمایا کہ ان کو مدینہ منورہ پہنچادیں، یہ حضرات ان کو لے کر چلے، مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو یہ شاہانہ ٹھاٹھ سے آراستہ ہوئے، شاہان عجم کے موافق تاج اور زیورات وغیرہ پہنے، اس کے بعد مدینہ میں داخل ہوئے، یہ سب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے، جہاں سے انہیں بتلایا گیا کہ وہ مسجد میں تشریف فرما ہیں اور کوفہ کے ایک وفد کا انتظار کررہے ہیں، وہاں سے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو دیکھا کہ وہ شخص، جس کے دبدبے و رعب سے پوری دنیا لرزاں تھی، فرش خاک پر سو رہا ہے، ٹوپی کو تکیہ بنایا ہوا ہے اور مسجد میں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں، درہ ہاتھ میں پکڑا ہوا ہے، ہرمزان نے پوچھا کہ عمر کہاں ہیں؟ جواب ملا: یہی تو ہیں!! لوگ آہستہ آہستہ باتیں کررہے تھے کہ آرام میں خلل نہ ہو، ہرمزان کہنے لگے ان کا دربان اور محافظ کہاں ہیں؟ جواب ملا: "ليس له حجاب، ولا حرس، ولا كاتب، ولا ديوان" بڑے حیران ہوئے اور کہا ان کو تو نبی ہونا چاہیے تھا! عوام کی کثرت اور ان کی آہٹ سے آپ رضی اللہ عنہ کی آنکھ کھل گئی، چناں چہ سیدھے ہوکر بیٹھ گئے، پھر ہرمزان کی طرف دیکھا اور فرمایا: "الهرمزان؟" لوگوں نے جواب دیا: جی ہاں! وہی ہیں۔ اوپر سے نیچے تک دیکھا اور فرمایا: "اعوذ بالله من النار، وأستعين بالله" مزید فرمایا: "الحمدلله الذي أذل بالإسلام هذا وأشياعه".

وفد نے عرض کی کہ یہ اہواز کے بادشاہ ہیں، ان سے گفتگو کیجیے۔ فرمایا، پہلے ان کے یہ زیورات وغیرہ اتر واؤ، چناں چہ لوگوں نے ہرمزان کا لباس تبدیل کروایا، اس کے بعد امیر المؤمنین ان سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ تم نے غداری و بدعہدی کا کیا نتیجہ پایا؟ ہرمزان نے کہا اے عمر! زمانۂ جاہلیت میں اللہ تعالیٰ نے ہم دونوں کو تنہا چھوڑ دیا تھا، اس لیے اس وقت ہم تم پر غالب آگئے تھے، کہ خدا اس وقت تمہارے ساتھ تھا، نہ ہمارے ساتھ، اب چوں کہ اللہ کی معیت تمہیں حاصل ہے، اس لیے تم ہم پر غالب آگئے۔ جواباً امیر المؤمنین نے فرمایا کہ درحقیقت جاہلیت میں تم ہم پر غالب اس لیے تھے کہ تم متحد تھے، ہم متفرق، پھر فرمایا کہ تم نے یہ جو کئی مرتبہ

بدعہدی کی، اس سلسلے میں تمہارا عذر کیا ہے؟ جواب دیا کہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ پوری بات بتلانے سے قبل آپ مجھے قتل نہ کروادیں، فرمایا قتل کا خوف نہ کرو، چناں چہ اس کے بعد ہرمزان نے پانی طلب کیا، پانی لایا گیا، جب انہوں نے پانی پینا چاہا تو ان کے ہاتھ کانپنے لگے اور کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ پانی پیتے ہوئے میں قتل نہ کردیا جاؤں، امیر المؤمنین نے فرمایا، مت گھبراؤ، پانی پینے تک تمہیں کچھ نہ کہا جائے گا۔ اس پر ہرمزان نے سارا پانی گرادیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کو دوبارہ پانی دو، قتل اور پیاس دونوں کو ان پر جمع نہ کرو۔ تو ہرمزان نے کہا مجھے پانی کی اب ضرورت ہی نہیں، میں تو ذرا تسلی حاصل کرنا چاہتا تھا، امیر المؤمنین نے فرمایا کہ میں تمہیں قتل کروں گا۔ ہرمزان نے کہا آپ مجھے امان دے چکے ہیں، قتل کیسے کریں گے؟ فرمایا، جھوٹ بولتے ہو، میں نے تمہیں کب امان دی ہے؟ ادھر سے حضرت انس رضی اللہ عنہ بول پڑے کہ امیر المؤمنین! یہ سچ کہہ رہے ہیں، امیر المؤمنین کہنے لگے اے انس! تمہارا ناس ہو، کیا میں اس شخص کو امان دوں جس نے براء اور مجزأہ کو قتل کیا ہے؟ چھٹکارے کی کوئی صورت پیش کرو، ورنہ سزا کے لیے تیار ہوجاؤ، حضرت انس نے کہا، امیر المؤمنین! آپ ان کو دوبار امان دے چکے ہیں کہ آپ نے پہلے تو یہ فرمایا "لا بأس عليك حتى تخبرني" پھر یہ فرمایا: "لا بأس عليك حتى تشربه" یہ امان ہی تو ہے، دیگر حاضرین نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی تائید کی، اس پر امیر المؤمنین ہرمزان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، تم نے مجھے دھوکا دیا ہے، بخدا! میں تمہارے دھوکے میں نہ آؤں گا، مگر یہ کہ تم اسلام قبول کرلو، چناں چہ ہرمزان نے اسلام قبول کرلیا، امیر المؤمنین نے ان کے لیے دو ہزار سالانہ رقم مقرر فرمائی اور مدینہ منورہ میں رہنے کی اجازت دی۔

ہرمزان کو چوں کہ عربی نہیں آتی تھی، اس لیے ان دونوں کے درمیان ترجمانی کے فرائض حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے انجام دیے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعد میں ان کے اسلام میں نکھار آ گیا تھا، یہ ہر وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہتے، کبھی ان سے دوری اختیار نہ کرتے، امیر المؤمنین کی شہادت کے بعد کچھ لوگوں نے یہ الزام لگایا کہ ابولؤلؤ فیروز کو بہلانے پھسلانے میں ان کا اور جفینہ کا ہاتھ تھا، اسی بنیاد پر حضرت عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان دونوں کو قتل کروادیا۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ جب حضرت عبید اللہ بن عمر نے ان کو قتل کرنے کے لیے

تلوار اٹھائی تو انہوں نے "لا إله إلا الله" کہا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بہت عزیز تھے اور جنگی مہمات میں ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ کما في حديث الباب أيضاً(١).

فقال: إني مستشيرك في مغازيَّ هذه

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہرمزان سے کہا کہ میں اپنی ان جنگی مہمات کے سلسلے میں تم سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔

"مغازي" کی یاء مشدد ہے، دوسری یاء ضمیر متکلم کی ہے(٢)۔

"مغازي" سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد کیا تھی؟ اس کی وضاحت طبرانی اور مصنف ابن ابی شیبہ(٣) کی معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فارس، اصفہان اور اذربیجان کے بارے میں ہرمزان کی رائے دریافت کی، ان سے مشورہ کیا کہ کس علاقے سے جنگ کی ابتدا کی جائے، وجہ ظاہر تھی، چوں کہ ہرمزان انہی علاقوں سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے ان کو معلومات بھی اس سلسلے میں زیادہ تھیں(٤)۔

قال: نعم، مثَلها ومثَل من فيها من الناس من عدو المسلمين مثل طائر له رأس، وله جناحان، وله رِجلان.

ہرمزان نے کہا جی ہاں! ان مغازی کی اور ان لوگوں کی، جو اُن مغازی میں مسلمانوں کے دشمن کی صورت میں شرکت کرتے ہیں، اُن کی مثال بعینہ اس پرندے کی سی ہے، جس کا ایک سر ہو، دو پر اور دو پاؤں ہوں۔

---

(١) تفصیلی واقعات کے لیے دیکھیے: العمدة: ١٥/٨٣، والفتح: ٦/٢٦٤، والبداية والنهاية: ٧/٨٢-٨٨، والكامل لابن الأثير: ٢/٣٨٩-٣٩٢، سنة سبع عشرة، ذكر فتح را مهرمز......، والفاروق لشبلي: ١٤٣-١٤٥.

(٢) فتح الباري: ٦/٢٦٤، وعمدة القاري: ١٥/٨٣.

(٣) المصنف لابن أبي شيبة: ١٨/٢٨٨، كتاب البعوث والسرايا، باب في توجيه النعمان بن مقرن إلى نهاوند، رقم (٣٤٤٨٥)، ومجمع الزوائد: ٦/٢١٥.

(٤) فتح الباري: ٦/٢٦٤، وعمدة القاري: ١٥/٨٣، وإرشاد الساري: ٥/٢٣١.

نعم حرف ایجاب ہے، علامہ کرمانی وعینی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر وہ روایت درست ہو، جس میں "نعم" فعل مدح کی صورت میں آیا ہے، تو مطلب یہ ہوگا کہ اس کی سب سے بہتر مثال اس پرندے کی سی ہے......

فعل مدح ہونے کی صورت میں تقدیری عبارت یہ ہوگی: "نعم المثل مثلها" اور مثلها میں جو ضمیر مجرور ہے، وہ ارض کی طرف راجع ہے، جو سیاق کلام سے مفہوم ہو رہا ہے اور مثلها مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور اگلا جملہ "مثل طائر......" خبر ہے(۱)۔

فإن كسر أحد الجناحين نهضت الرجلان بجناح والرأس، فإن كسر الجناح الآخر نهضت الرجلان والرأس، وإن شدخ الرأس، ذهبت الرجلان والجناحان والرأس.

اگر اس پرندے کا ایک بازو توڑ دیا جائے تو دونوں پاؤں بازو اور پَر کو اٹھائیں گے اور وہ پرندہ متحرک رہے گا، اگر دوسرا بازو بھی توڑ دیا جائے تو پاؤں اور سر اس کو اٹھائیں گے، پھر بھی وہ متحرک رہے گا۔ اور اگر سر کچل دیا جائے تو دونوں پاؤں، دونوں پَر (بازو) اور سر سب ختم ہو جائیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر اس پرندے کے دو پروں میں سے ایک کو توڑ دیا جائے تب بھی کوئی فرق آنے کا نہیں، دوسرے بازو، سر اور دونوں پاؤں اٹھانے کے قابل ہوگا، اسی طرح دوسرا بازو اگر توڑ دیا جائے تب بھی وہ دونوں پاؤں اور سر اٹھا سکے گا، لیکن اگر سر ہی کچل دیا جائے اور اسے توڑ دیا جائے تو قصہ ختم، اس صورت میں پَروں اور پاؤں کی حیثیت سرے سے ختم ہو جائے گی، کیوں کہ سر ہی اصل ہے۔

"شدخ" کے معنی توڑنے اور کچلنے کے ہیں، علامہ ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اندر سے خالی چیز توڑنے کو شدخ کہتے ہیں، "تقول: شدخت رأسه فانشدخ"(۲).

فالرأس كسرى، والجناح قيصر، والجناح الآخر فارس

(۱) شرح الكرماني: ۱۳/۱۲۷، وعمدة القاري: ۱۵/۸٤.

(۲) حواله جات بالا، والنهاية في غريب الحديث والأثر: ۲/٤٥۱، باب الشين مع الدال.

سرتو کسریٰ ہے اور پہلا پَر قیصر، دوسرا فارسی قوم ہے۔

ایک اشکال اور اس کے جوابات

تاریخی طور پر یہ بات مصدقہ ہے کہ قیصر کی سلطنت الگ تھی اور کسریٰ کی الگ، پہلا روم کا بادشاہ تھا، دوسرا ایران کا، اس لیے یہ کہنا کیونکر درست ہوگا کہ سرتو کسریٰ ہے اور قیصر اس کا بازو، یعنی تابع ہے، جب کہ حقیقت میں قیصر اس کا بازو یا تابع نہیں تھا۔

اس اشکال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ کسریٰ کی مثال سر کی تھی، کیوں کہ اس زمانے میں اس سے بڑا بادشاہ کوئی دوسرا نہیں تھا، بادشاہانِ عالم سب کے سب اس سے خوف کھاتے اور گھبراتے تھے، اس طرح یہ ان کے لیے سر کی طرح ہوا۔ یہ جواب علامہ کرمانی، عینی وقسطلانی رحمہم اللہ نے دیا ہے(۱)۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ بخاری شریف کی یہ روایت درست نہیں، صحیح روایت وہ ہے جو امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اس میں ہے: "فإن فارس اليوم رأس وجناحان" اور یہ روایت ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت کے بھی موافق ہے، جو ماقبل میں گزری کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہرمزان سے مشورہ جو کیا تھا، وہ فارس، اصفہان اور اذربیجان کے بارے میں تھا اور یہی راجح بھی ہے(۲)۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ قیصر شام میں ہوتا تھا یا شمالی علاقوں کی طرف۔ عراق، فارس اور مشرق وغیرہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا، اس لیے قیصر کو ذکر کرنے کا یہاں کوئی معنی نہیں۔

پھر حافظ صاحب علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کسریٰ کو درآنحالیکہ وہ مشرق کا بادشاہ تھا، تمام بادشاہوں کا سردار قرار دیا جائے اور قیصر شاہِ روم کو اس سے کمتر، اسی بنا پر قیصر کو کسریٰ کا بازو کہا جائے تب بھی مناسب یہی تھا کہ دوسرا بازو ان بادشاہوں کو قرار دیا جاتا جو قیصر کے مقابلے میں داہنی جانب تھے، مثلاً ہندوستان اور چین کے بادشاہ، لیکن حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی حدیث اسی

---

(۱) شرح الكرماني: ۱۳/۱۲۷، وعمدة القاري: ۱۵/۸٤، وشرح القسطلاني: ۵/۲۳۱.

(۲) تاريخ ابن جرير الطبري: ۲/۵۲۰، سنة إحدى وعشرين، ومجمع الزوائد: ٦/۲۱٤، ومصنف ابن أبي شيبة: ۱۸/۲۸۸، كتاب البعوث والسرايا، ......، رقم (۳٤٤۸۵).

بات پر دلالت کررہی ہے کہ ہرمزان کی مراد وہی علاقے تھے، جن کی بابت اسے معلومات حاصل تھیں، گویا کہ ایرانی فوج اس وقت تین شہروں میں ہی تھی، اس فوج کا بڑا اور زیادہ حصہ اس شہر میں تھا، جہاں کسریٰ موجود تھا، اس لیے کسریٰ سر ہوگا اور باقی دوشہروں کو بازو کہا جائے گا، کیونکہ یہی ان سب کا رئیس تھا(۱)۔

یہاں تحقیقی بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ حافظ صاحب کی رائے میں زیادہ وزن ہے۔

فمر المسلمين فلينفروا إلى كسرىٰ

تو آپ مسلمانوں کو حکم دیجیے کہ وہ کسریٰ کی طرف چلیں۔

تاریخ طبری کی مبارک بن فضالۃ کی روایت میں یہ ہے کہ ہرمزان نے کہا کہ آپ بازوؤں کو کاٹ دیجیے، سر نرم ہوجائے گا، اس رائے کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ناپسند کیا اور فرمایا کہ میں تو پہلے سر کاٹوں گا۔ اس روایت کی بنیاد پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ہرمزان نے اول پروں کو کاٹنے کا مشورہ دیا تھا، لیکن جب عمر رضی اللہ عنہ اس مشورے کو رد فرمادیا تو ہرمزان نے دوبارہ صحیح مشورہ دیا کہ پہل کسریٰ سے کرنی چاہیے، جیسا کہ حدیث باب میں ہے(۲)۔

وَقَالَ بَكْرٌ وَزِيَادٌ جَمِيعًا : عَنْ جُبَيْرِ بْنِ حَيَّةَ قَالَ : فَنَدَبَنَا عُمَرُ ، وَٱسْتَعْمَلَ عَلَيْنَا النُّعْمَانَ ابْنَ مُقَرِّنٍ ، حَتَّى إِذَا كُنَّا بِأَرْضِ الْعَدُوِّ ، وَخَرَجَ عَلَيْنَا عامِلُ كِسْرَى في أَرْبَعِينَ أَلْفًا ، فَقَامَ تَرْجُمَانٌ فَقَالَ : لِيُكَلِّمْنِي رَجُلٌ مِنْكُمْ ، فَقَالَ الْمُغِيرَةُ : سَلْ عَمَّا شِئْتَ ، قالَ : ما أَنْتُمْ ؟ قالَ : نَحْنُ أُنَاسٌ مِنَ الْعَرَبِ ، كُنَّا في شَقَاءٍ شَدِيدٍ ، وَبَلَاءٍ شَدِيدٍ ، نَمَصُّ ٱلْجِلْدَ وَالنَّوَى مِنَ الْجُوعِ ، وَنَلْبَسُ الْوَبَرَ والشَّعَرَ ، وَنَعْبُدُ الشَّجَرَ وَالْحَجَرَ ، فَبَيْنَا نَحْنُ كَذٰلِكَ إِذْ بَعَثَ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَرَبُّ الْأَرَضِينَ – تَعَالَى ذِكْرُهُ ، وَجَلَّتْ عَظَمَتُهُ – إِلَيْنَا نَبِيًّا مِنْ أَنْفُسِنَا نَعْرِفُ أَبَاهُ وَأُمَّهُ ، فَأَمَرَنَا نَبِيُّنَا ، رَسُولُ رَبِّنَا ﷺ : أَنْ نُقَاتِلَكُمْ حَتَّى تَعْبُدُوا اللهَ وَحْدَهُ أَوْ تُؤَدُّوا ٱلْجِزْيَةَ ، وَأَخْبَرَنَا نَبِيُّنَا ﷺ عَنْ رِسَالَةِ رَبِّنَا : أَنَّهُ مَنْ قُتِلَ مِنَّا صَارَ إِلَى الْجَنَّةِ فِي نَعِيمٍ لَمْ يَرَ مِثْلَهَا قَطُّ ، وَمَنْ بَقِيَ مِنَّا مَلَكَ رِقَابَكُمْ . فَقَالَ النُّعْمَانُ : رُبَّمَا أَشْهَدَكَ ٱللهُ مِثْلَهَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمْ يُنَدِّمْكَ وَلَمْ يُخْزِكَ ، وَلٰكِنِّي شَهِدْتُ الْقِتَالَ مَعَ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، كانَ إِذَا لَمْ يُقَاتِلْ فِي أَوَّلِ النَّهَارِ ، ٱنْتَظَرَ حَتَّى تَهُبَّ الْأَرْوَاحُ ،

(۱) فتح الباري: ٦/٢٦٤.

(۲) حوالہ بالا، وتاریخ طبری: ۲/۵۲۰.

وَتَحْضُرَ الصَّلَوَاتُ . [۷۰۹۲]

وقال بكر وزياد جميعا: عن جبير بن حية، قال: فندبنا عمر

اور بکروزیاددونوں حضرت جبیر بن حیہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمر نے ہمیں طلب کیا۔

مطلب یہ ہے کہ جب ہرمزان اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشورہ ہو چکا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جنگ کی حکمت عملی طے کرلی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے مجاہدین کو بلایا اور انہیں جہاد کے لیے جمع ہونے کو کہا(۱)۔

واستعمل علينا النعمان بن مقرن

اور حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو ہمارا امیر مقرر فرمایا۔

حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابی رسول حضرت نعمان بن مقرن بن عائذ بن میجا بن ہجیر بن نصر المزنی رضی اللہ عنہ ہیں (۲)۔

البتہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ مقرن ان کے دادا ہیں، ان کے والد کا نام انہوں نے عمرو ذکر کیا ہے، یعنی نعمان بن عمرو بن مقرن (۳)۔

ان کی کنیت ابوعمرو یا ابوحکیم ہے (۴)۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے صاحبزادے معاویہ بن النعمان، جبیر بن حیہ الثقفی، مسلم بن ہیثم عبدی، معقل بن یسار مزنی اور ابوخالد والبی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ شامل ہیں (۵)۔

ان کا سب سے پہلا غزوہ ''غزوۂ خندق'' ہے، فتح مکہ میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۸٤، وإرشاد الساري: ٥/۲۳۲.

(۲) تهذيب الكمال: ۲۹/٤٥٨، وسير أعلام النبلاء: ۲/۳٥٦، وطبقات ابن سعد: ٦/۱۸.

(۳) طبقات ابن سعد: ٦/۱۸، وإكمال مغلطاي: ۱۲/٦۳.

(٤) تهذيب الكمال: ۲۹/٤٥۹، وسير أعلام النبلاء: ۲/۳٥٦.

(٥) تهذيب الكمال: ۲۹/٤٥۹

شریک رہے، اس موقع پر قبیلہ مزینہ کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا(۱)۔

حضرت سوید بن مقرن رضی اللہ عنہ ان کے بھائی ہیں، مصعب بن عبداللہ زبیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے اپنے سات بھائیوں کے ساتھ ہجرت کی (۲)۔

یہ ساتوں بھائی "البکاؤون" سے معروف تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایمان کے کچھ گھر ہیں اور نفاق کے بھی، آل مقرن کا گھرانہ ایمان کے گھرانوں میں سے ہے (۳)۔

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ سے خود مروی ہے، فرماتے ہیں کہ قبیلۂ مزینہ کے چار سو افراد کے ساتھ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (۴)۔

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے پھر بصرہ میں رہائش اختیار کی اور وہاں سے کوفہ منتقل ہوئے، یہاں سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کو "کسکر" کی طرف روانہ کیا، جہاں انہوں نے "زندورد" کے باشندگان سے صلح کی اور مدینہ منورہ قادسیہ کی فتح کی خوش خبری لے کر آئے، اس کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس اطلاع نے پریشان کیا کہ اصفہان، ہمذان، رے، اذربیجان اور نہاوند کے ایرانی جمع ہو گئے ہیں تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے مشورہ کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ رائے دی کہ اہلِ کوفہ کو پیغام دیجیے کہ ان کا دو تہائی حصہ تو لشکر اسلام کے ساتھ چلے اور ایک تہائی عورتوں وغیرہ کے ساتھ ہی رہے اور اہل بصرہ کو بھی پیغام دیجیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے استفسار کیا کہ ان لوگوں کا امیر کون ہو؟ حضرت علی نے فرمایا کہ آپ ہم سے رائے میں افضل واعلم ہیں۔ چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ان پر ایسے شخص کو امیر مقرر کروں گا جو اس کا اہل بھی ہوگا۔ امیر المؤمنین اس کے بعد مسجد کی طرف گئے تو حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کو وہاں نماز میں مشغول پایا۔

اس کے بعد ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ امیر المؤمنین بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے، جب یہ نماز

---

(۱) حوالہ بالا، وطبقات ابن سعد: ۱۸/٦، وإكمال مغلطاي: ٦٣/١٢.

(۲) تهذيب الكمال: ٤٥٩/٢٩، وعمدة القاري: ٨٤/١٥.

(۳) تهذيب الكمال: ٤٥٩/٢٩، وطبقات ابن سعد: ٢٠/٦، وإكمال مغلطاي: ٦٣/١٢.

(٤) تهذيب الكمال: ٤٥٩/٢٩، والاستيعاب: ٢٩٩/٢-٣٠٠، باب النعمان.

سے فارغ ہوئے تو امیر المؤمنین نے ان سے کہا کہ میں تمہیں امیر مقرر کرنا چاہتا ہوں؟ انہوں نے کہا کہ اگر یہ ولایت وامارت ٹیکس وصولی کے لیے ہے، تو نہیں، لیکن بطور غازی کے قبول ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا: "فإنك غاز" اوران کے ساتھ حضرت زبیر، حذیفہ، ابن عمر، الاشعث اور عمرو بن معدیکرب رضی اللہ عنہم بھی نکلے۔

کوفہ اور بصرہ کے لشکر کو لے کر یہ ایرانیوں کی طرف گئے، جہاں اصفہان انہی کے ہاتھوں فتح ہوا، اس کے بعد غزوہ نہاوند، جو ۲۱ ہجری کو لڑا گیا، اس میں یہ شہید ہو گئے، ان کے بعد لشکر کی قیادت حضرت حذیفہ نے سنبھالی، آخر کار کامرانی وکامیابی حاصل ہوئی (۱)۔

ان کی شہادت جمعہ کے دن ہوئی، جس کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو منبر سے دی اور پھر حضرت نعمان کو یاد کر کے بہت روئے (۲)۔ رضي الله عنه وأرضاه.

حتى إذا كنا بأرض العدو

یہاں تک کہ جب ہم دشمن کی سرزمین میں تھے۔

''ارض العدوّ'' سے مراد نُہاوند ہے، جیسا کہ طبری وغیرہ کی روایت میں اس کی تصریح ہے (۳)۔

نُہاوند کا تعارف

نُہاوند — بضم النون وتخفيف الهاء وفتح الواو وسكون النون وفي آخره دال

---

(۱) تهذيب الكمال: ۲۹/۴۵۹، والاستيعاب: ۲/۳۰۰، والمصنف لابن أبي شيبة: ۱۸/۲۸۹، كتاب البعوث والسرايا ......، رقم (۳۴۴۸۵)، وفتح الباري: ۶/۲۶۴.

(۲) سير أعلام النبلاء: ۲/۳۵۷، وذكر الذهبي في ذلك حكاية أيضاً، وتهذيب التهذيب: ۱۰/۴۵۶.

وفي الطبري: (۲/۵۲۱): "وكتب إلى عمر بالفتح مع رجل من المسلمين، فلماه أتاه قال له: أبشر يا أمير المؤمنين بفتح، أعز الله به الإسلام وأهله، وأذل به الكفر وأهله، فحمد الله عز وجل، ثم قال: النعمان بعثك؟ قال: احتسب النعمان يا أمير المؤمنين. قال: فبكى عمر، واسترجع، قال: ومن ويحك؟ قال: فلان وفلان حتى عدّ له ناسا كثيرا، ثم قال: وآخرين يا أمير المؤمنين لا تعرفهم. فقال عمر —وهو يبكي—: لا يضرهم أن لا يعرفهم عمر، ولكن الله يعرفهم".

(۳) عمدة القاري: ۱۵/۸۴، وفتح الباري: ۶/۲۶۴، وتاريخ الطبري: ۲/۵۲۰.

مهملة(۱)– ہمدان کے جنوب میں ایک شہر ہے، اس کی تعمیر چوں کہ نوح علیہ السلام نے کی تھی، اس لیے اس کو ''نوح اوند'' کہا جانے لگا، یعنی "عمّرها نوح عليه الصلوة والسلام" بعد میں حاء کو ہاء سے بدل کر بولا جانے لگا، یہ شہر اپنی نہروں اور باغات کی وجہ سے مشہور تھا(۲)۔

وخرج علينا عامل كسرى في أربعين ألفا

اور کسریٰ کا گورنر چالیس ہزار کا لشکر لیے ہمارے سامنے نکلا۔

طبری کی روایت میں اس عامل کا نام بندار، جب کہ ابن ابی شیبہ کی روایت میں ذوالحاجبین مذکور ہے، شاید ان دونوں ناموں میں سے کوئی ایک لقب ہو(۳)۔

پھر یہ سمجھیے کہ حدیثِ باب میں ہے: "وخرج علينا عامل كسرى في أربعين ألفاً" یہ تعداد اس لشکر کی ہے جو اہل فارس وکرمان پر مشتمل تھا۔ اصل لشکر کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تھی، جس میں اہل نہاوند کا حصہ ۲۰ ہزار، اہل اصفہان کا ۲۰ ہزار، اہل قم وقاشان کا ۲۰ ہزار، اہل اذربیجان کا ۳۰ ہزار اور دیگر علاقوں کا ۲۰ ہزار تھا۔ ان سب کا مجموعہ ایک لاکھ پچاس ہزار بنتا ہے(۴)۔

فقام ترجمان، فقال: ليكلمني رجل منكم، فقال المغيرة: سل عما شئت

چناں چہ ترجمان کھڑا ہوا، پس کہا تم میں سے کوئی شخص مجھ سے بات کرے، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو پوچھنا ہو پوچھو۔

---

(۱) علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کلمے کو اسی طرح ضبط کیا ہے(۸۴/۱۵)، جب کہ علامہ یاقوت حموی نے نون کو مفتوح یا مکسور کہا ہے(معجم البلدان: ۳۱۵/۵) اور علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے اس کا انکار کیا ہے کہ نون مفتوح یا مکسور ہو۔

(۲) حوالہ جات بالا۔

(۳) تاريخ طبري: ۵۲۰/۲، ومصنف ابن أبي شيبة: ۲۸۹/۱۸، كتاب البعوث والسرايا ......، رقم (۳٤٤۸۵)، والفتح. ۲٦٤/٦، البتہ علامہ عینی ویاقوت الحموی رحمہما اللہ نے ایک تیسرا نام بھی ذکر کیا ہے: "الفيروزان"، جو مصحف ہوکر عمدۃ القاری میں "الغيرزان" بن گیا ہے، شاید طباعت کی غلطی ہو، دیکھیے، عمدة: ۸٤/۱۵، ومعجم البلدان: ۳۱٦/۵، نیز دیکھیے: البداية والنهاية: ۱۱۰/۷.

(٤) عمدة القاري: ۸٤/۱۵.

یہاں روایت میں اختصار ہے، درمیان کے واقعات مذکور نہیں ہیں، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب فریقین جمع ہوگئے تو بندار نے اپنا قاصد مسلمانوں کی طرف روانہ کیا کہ اپنا کوئی بندہ بھیجو، جس سے ہم بات کریں، چناں چہ مسلمانوں نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا، فریقین کے درمیان حد فاصل ایک نہر تھی، حضرت مغیرہ روانہ ہوئے اور نہر عبور کی، ادھر بندار نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ مسلمانوں کے قاصد کے لیے کیسے بیٹھا جائے؟ انہوں نے کہا کہ بادشاہ کی ہیئت اختیار کرو، چناں چہ وہ اپنے تخت پر بیٹھا، سر پر تاج رکھا، شہزادے اس کے سامنے دو قطاروں میں کھڑے ہوگئے، جنہوں نے سونے کا کنگن اور دیباج وحریر کے لباس زیب تن کر رکھے تھے، پھر اس نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو اندر داخل ہونے کی اجازت دی، چناں چہ دو آدمی ان کے دونوں بغلوں سے پکڑ کر لے چلے، ان کے ساتھ ان کا نیزہ اور تلوار بھی تھی، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نیزے کو قالین پر چبھوتے گئے، تاکہ وہ اس فعل سے یہ اثر لیں کہ ان کی تلوار اُن کو زخمی کرے گی (۱)۔

قال: ما أنتم؟

بندار نے کہا: تم کیا ہو؟

بندار نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو اسی طرح خطاب کیا کہ کلمہ ''ما'' استعمال کیا، جو غیر ذوی العقول کے لیے موضوع ہے، بطور حقارت کے کہ تمہاری حیثیت ہی کیا ہے، جو ہم سے لڑنے چلے آئے؟ (۲)

ابن ابی شیبہ کی روایت میں یہ بھی اضافہ ہے کہ بندار نے کہا، اے عربو! تمہیں بھوک اور مشقت نے ستایا تو یہاں آگئے، اگر تم چاہو تو ہم تمہیں زادراہ فراہم کرسکتے ہیں، تم اپنے شہروں کو واپس لوٹ جاؤ۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کی بات سن کر میں نے اللہ کی تعریف وثناء بیان کی، پھر کہا کہ تم نے ہمارے متعلق جو کچھ کہا اس میں غلطی نہیں کی، ہم اسی طرح تھے...... (۳)۔

قال: نحن أناس من العرب، كنا في شقاء شديد، نمص الجلد والنوى من

(۱) فتح الباري: ٦/٢٦٥، وتاريخ الطبري: ٢/٥٢٠، والمصنف لابن أبي شيبة: ١٨/٢٨٩، كتاب البعوث......، رقم (٣٤٤٨٥)، ومجمع الزوائد: ٦/٢١٤.

(۲) العمدة: ١٥/٨٥، والفتح: ٦/٢٦٥، وتحفة الباري: ٣/٥٦٥، وإرشاد الساري: ٥/٢٣٦.

(۳) عمدة القاري: ١٥/٨٥، وفتح الباري: ٦/٢٦٥.

الجوع، ونلبس الوبر والشعر، ونعبد الشجر والحجر

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم عرب قوم کے کچھ افراد ہیں، ہم سخت بدبختی کا شکار تھے، ہم بھوک کی وجہ سے درختوں کی کھال اور گٹھلی چوستے، پشم اور بال کا لباس پہنتے اور درختوں اور پتھروں کی عبادت کرتے تھے۔

"الوبر" اس کا مفرد وبرۃ ہے، اونٹ، خرگوش وغیرہ کے نرم بال، اون وغیرہ کے لیے مستعمل ہے(۱)۔

فبينا نحن كذلك، إذ بعث رب السموات ورب الأرضين -تعالىٰ ذكرُه، وجلّت عظمتُه- إلينا نبيا من أنفسنا، نعرف أباه وأمه

ہم اسی حال میں تھے کہ آسمانوں اور زمینوں کے رب...... جس کا ذکر بلند اور عظمت بڑی ہو...... نے ہماری طرف ہمی میں سے ایک نبی مبعوث فرمایا، جن کے ماں باپ کو ہم جانتے ہیں۔

یعنی ہم اسی بدبختی وغربت وغیرہ کا شکار تھے، حقیقی رب کو بھول چکے تھے کہ رب ذوالجلال کو ہم پر رحم آیا اور اس نے ہمی لوگوں میں سے ایک شخص کو منتخب فرما کر ہماری ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا، جن کو ہم بخوبی جانتے وپہچانتے ہیں، ان کے نسب وحسب کی شرافت کا بھی ہمیں بخوبی علم ہے، جو ہم میں سب سے اشرف، نسب کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ اور گفتگو میں سب سے زیادہ سچے ہیں (۲)۔

فأمر نبينا ورسول ربنا صلى الله عليه وسلم أن نقاتلكم حتى تعبدوا الله وحده، أوتؤدوا الجزية

چناں چہ ہمارے نبی اور ہمارے رب کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم تم سے قتال کریں، یہاں تک کہ تم خدائے واحد کی عبادت کرو یا جزیہ ادا کرو۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا ہے کہ مجوس سے جزیہ لینا درست ہے، جس کی تصریح حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کررہے ہیں، کیوں کہ ان کے مخاطبین مجوس ہی تھے (۳)۔

---

(۱) القاموس الوحيد، مادة: "وبر".

(۲) المصنف لابن أبي شيبة: ۲۸۹/۱۸، والعمدة: ۸۵/۱۵، وفتح الباري: ۲۶۵/۶، وابن بطال: ۳۳۵/۵.

(۳) فتح الباري: ۲۶۵/۶، وإرشاد الساري: ۲۳۲/۵، وشرح الكرماني: ۱۲۸/۱۳.

وأخبرنا نبينا عن رسالة ربنا أنه من قتل منا صار إلى الجنة في نعيم لم ير مثلها قط، ومن بقي منا ملك رقابكم

نیز ہمارے نبی نے ہمارے رب کی طرف سے ہمیں یہ پیغام بھی دیا کہ ہم میں سے جو مقتول وشہید ہوگا وہ سیدھا جنت میں جائے گا، ایسی نعمتوں میں جن کا مثل دیکھا بالکل نہیں گیا۔ اور جو زندہ رہے گا، وہ تمہاری گردنوں کا مالک ہوگا۔

یعنی ہم ہر صورت میں کامیاب ہیں، شہادت پائی تو جنت، جس کی کوئی مثال نہیں، زندہ رہے تو تمہاری گردنوں کے مالک، نبی علیہ السلام کے قول پر ہمیں چوں کہ سو فیصد یقین ہے، اس لیے ہم یہاں سے ٹلنے والے نہیں، نہ تم سے دبنے والے ہیں، طبری میں حضرت مغیرہ سے یہی مفہوم ومعنی مروی ہیں: "وإنا والله، لا نرجع إلى ذلك الشقاء، حتى نغلبكم على ما في أيديكم"(۱).

فقال النعمان(۲): ربما أشهدك الله مثلها مع النبي ﷺ فلم يندمك ولم يخزك، ولكني شهدت القتال مع رسول الله ﷺ، كان إذا لم يقاتل في أول النهار، انتظر حتى تهب الأرواح، وتحضر الصلوات

اس پر حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے فرمایا (اے مغیرہ!) آپ بسا اوقات جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک جنگ رہے ہیں، جہاں آپ کو اللہ تعالیٰ نے ندامت ورسوائی سے بچا کر رکھا اور میں بھی کئی بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئی جنگوں میں شریک رہا ہوں، آپ کی عادت یہ تھی کہ دن کے

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٦٥، وعمدة القاري: ١٥/٨٥، وقال العلامة الكرماني شارحاً لكلام المغيرة:

"وفيه فصاحة المغيرة، من حيث إن كلامه مبين لأحوالهم فيما يتعلق بدنياهم: من المطعوم والملبوس، وبدينهم من العبادة، وبمعاملتهم من الأعداء: من طلب التوحيد أو الجزية، ولمعادهم في الآخرة إلى كونهم في الجنة، وفي الدنيا إلى كونهم ملوكاً ملاكا للرقاب ......". انظر الكواكب الدراري: ١٣/١٢٨.

(٢) قوله: "النعمان" الحديث، أخرجه الترمذي أيضاً، كتاب السير، باب ماجاء في الساعة التي يستحب فيها القتال، رقم (١٦١٣).

شروع میں اگر قتال کی ابتدا نہ فرماتے تو نماز پڑھنے کے بعد مناسب ہواؤں کے چلنے کا انتظار کرتے تھے۔

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا ارشاد میں شراح کا اختلاف

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کا مذکورہ بالا ارشاد دو حصوں یعنی "ربما أشهدك الله ...... ولم يخزك" اور "ولكني شهدت ...... الخ" پر مشتمل ہے، اب شراح حدیث کا ان دونوں جملوں کے باہمی ارتباط اور شرح میں اختلاف ہو گیا کہ ان جملوں کا مطلب ومقصد کیا ہے؟

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان اس جانب ہے کہ پہلے جملہ کا مستقل مفہوم اور دوسرے جملے کا مستقل مفہوم ہے، ان دونوں کے درمیان کوئی ارتباط نہیں، چناں چہ وہ پہلے جملے "ربما أشهدك الله مثلها ......" کی شرح یوں کرتے ہیں کہ حضرت نعمان نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ مغیرہ! آپ گذشتہ ایام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اس طرح کے مشکل حالات میں بسا اوقات شریک رہے ہیں، ان کے ساتھ آپ غزوات میں بھی ساتھ رہے، چناں چہ ان مصائب وشدائد نے آپ کو نادم نہیں کیا، جو نبی علیہ السلام کے ساتھ آپ کو لاحق ہوئیں، نہ ہی غزوات سے زندہ سلامت لوٹ آنے، نے آپ کو پریشان کیا، کیوں کہ ان شدائد کے مقابلے میں جو نعمتیں اور شہادت کا ثواب ملنا تھا، ان کا آپ کو بخوبی علم تھا۔

اور حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد "ولكني شهدت القتال مع رسول الله صلى الله عليه وسلم" ایک نئے کلام کی ابتدا اور نئے قصے کا افتتاح ہے، جس میں حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنی فوج کو یہ بتلایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کی ابتدا اگر دن کے پہلے حصہ میں نہ فرماتے تو جنگ سے رک جاتے، یہاں تک کہ (نصرتِ خداوندی کی) ہوائیں چلنے لگیں اور نماز کا وقت ہو جائے۔ اس معنی کی تائید کے لیے علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے وہ حدیث پیش کی ہے، جو حماد بن سلمہ عن النعمان بن مقرن کے طریق سے مروی ہے کہ "كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا لم يقاتل أول النهار أخّر القتال، حتى تزول الشمس وتهب رياح النصر"(۱).

علامہ ابن بطال مزید یہ بھی فرماتے ہیں کہ افضل ترین اوقات نماز کے اوقات ہیں، جن میں اذان بھی

---

(۱) حواله بالا، وأخرجه ابن أبي شيبة في مصنفه: ۱۸/۲۹۰، كتاب البعوث ......، رقم (۳٤٤۸۵)، من طريق عفان عن حماد عن أبي عمران الجوني عن علقمة عن معقل بن يسار ......

ہے، جب، کہ حدیث (۱) میں آیا ہے: "الدعاء بين الأذان والإقامة لا يرد". کہ ''اذان اور اقامت کے درمیان جو دعا مانگی جائے، وہ رد نہیں ہوتی''۔ مطلب یہی ہوا کہ اذان و اقامت، اسی طرح نماز کے بعد دعا کا موقع ملے گا، جو نصرتِ خداوندی کا موجب ہوگی (۲)۔

لیکن حافظ ابن حجر، علامہ عینی اور حافظ کرمانی رحمہم اللہ وغیرہ کا قول یہ ہے کہ یہ دونوں الگ الگ جملے تو ہیں، لیکن ان میں باہم ارتباط بھی ہے اور دوسرا جملہ قصۂ مستانفہ نہیں، جیسا کہ علامہ ابن بطال کا خیال ہے (۳)۔

چناں چہ طبری کی مبارک بن فضالہ کی جو روایت ہے، اس میں مبارک نے زیاد بن جبیر کے واسطے سے حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کے دونوں جملوں کے درمیان ربط و تعلق کو بیان کیا ہے اور اس کے سیاق سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دوسرا جملہ بطور قصہ مستانفہ کے نہیں ہے، اس کا حاصل یہی ہے کہ حضرت مغیرہ نے حضرت نعمان رضی اللہ عنہما امیر لشکر پر قتال تاخیر سے شروع کرنے پر اعتراض کیا، جس کا جواب حضرت نعمان نے مذکورہ جملوں سے دیا (۴)۔

مبارک بن فضالہ کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ایرانیوں نے مسلمانوں کو یہ پیغام بھیجا کہ نہر، جو دونوں کے درمیان فاصل تھی، کو تم عبور کرو یا ہم عبور کریں؟ تو حضرت نعمان نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم نہر پار کر کے ان پر حملہ آور ہو، اس طرح دونوں لشکر آمنے سامنے ہو گئے اور وہ ایک دوسرے کے قریب آ گئے، ایرانیوں نے اپنے لشکر کے پچھلے حصے میں لوہے کے گھوکروں ڈال دیے، تاکہ فوج فرار نہ ہو سکے، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے جب

---

(۱) الحديث، أخرجه أبوداود في الصلاة، باب في الدعاء بين الأذان والإقامة، رقم (۵۲۱)، والترمذي في الصلاة، باب ماجاء أن الدعاء لا يرد بين الأذان والإقامة، رقم (۲۱۲)، وفي الدعوات، باب في العفو والعافية، رقم (۳۵۹۴-۳۵۹۵)، عن أنس رضي الله عنه.

(۲) شرح ابن بطال: ۳۳۵/۵، وفتح الباري: ۲۶۵/۶، وعمدة القاري: ۸۵/۱۵

(۳) قال العلامة الكرماني رحمه الله: "فإن قلت: ما معنى الاستدراك، وأين توسطه بين كلامين متغايرين؟ قلت: كأن المغيرة قصد الاشتغال بالقتل أول النهار بعد الفراغ من المكالمة مع الترجمان، فقال النعمان: إنك وإن شهدت القتال مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، لكنك ما ضبطت انتظاره للهبوب". شرح الكرماني: ۱۲۹/۱۳.

(۴) فتح الباري: ۲۶۵/۶.

دشمن کی کثرت دیکھی تو فرمانے لگے، آج کی سی ناکامی میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی کہ ہمارے دشمن تیاری کرنے اور دم لینے کے لیے آزاد چھوڑ دیے گئے ہیں، بخدا! معاملہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں ان پر حملہ میں جلدی کرتا(۱)۔ اور ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے، راوی کہتے ہیں کہ ہم نے ان کے سامنے صف بندی کی، تو ہم پر انہوں نے خوب تیر برسائے، حتیٰ کہ ہم تک پہنچنے میں جلدی کی، چناں چہ حضرت مغیرہ نے حضرت نعمان رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ ان ایرانیوں کی طرف سے حملہ میں جلدی کی گئی ہے، اس لیے اگر آپ بھی حملہ کر دیں تو مناسب ہو۔ اس پر حضرت نعمان نے فرمایا کہ آپ فضائل ومناقب کے مالک ہیں اور تحقیق اس طرح کی جنگوں میں آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے ہیں (۲)۔

اس کے بعد طبری کی روایت میں ہے کہ بخدا! میں نے ان پر حملہ کرنے میں عجلت اس چیز کی وجہ سے نہیں کی، جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھی (۳)۔

حاصل یہ ہوا کہ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے قتال میں جو تاخیر کی اس کی وجہ نبی علیہ السلام کا فعل تھا کہ آپ علیہ السلام چوں کہ ایسا کرتے تھے، اس لیے انہوں نے بھی ویسا ہی کیا اور زوال کا انتظار کیا۔

پھر علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے بعض جملوں کی جو تشریح کی، وہ بھی اشکال سے خالی نہیں، چناں چہ "فلم يندمك" کی شرح انہوں نے یہ کی تھی کہ جو شدائد آپ کو نبی علیہ السلام کے ہمراہ لاحق ہوئیں، انہوں نے آپ کو ندامت کا شکار نہیں بنایا (۴)۔

حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ مجھے جو بات صحیح لگی ہے وہ یہ ہے کہ "فلم يندمك" سے مراد زوال شمس تک تاخیر وصبر ہے، جو آپ (مغیرہ) نے کیا، اس پر خدا نے آپ کو شرمندہ نہیں کیا۔ اس کے علاوہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے "ولم يخزك" کی شرح میں ایک دوسرے نسخے کو اختیار کیا اور "ولم يحزنك" روایت کر کے اس کی وضاحت کرنے لگے، لیکن درست روایت یہاں خائے معجمہ کے ساتھ اور نون کے بغیر "ولم يخزك" ہے، یہی مستملی کی روایت ہے اور ماقبل کے بھی زیادہ مناسب ہے، نیز وفد عبدالقیس کی روایت میں "غير خزايا ولا

(۱) حواله بالا، وعمدة القاري: ۱۵/۸۵، وتاريخ الطبري: ۲/۵۲۰.

(۲) المصنف لابن أبي شيبة: ۱۸/۲۹۰، كتاب البعوث ......، رقم (۳٤٤٨٥)، ومجمع الزوائد: ٦/۲۱٥.

(۳) تاريخ الأمم والملوك للطبري: ۲/۵۲۱، سنة إحدى وعشرين.

(٤) شرح ابن بطال: ٥/۳۳٥.

ـدامی" جو جملہ ہے، اس کا نظیر ومشابہ بھی ہے(۱)۔

اس کے علاوہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے مستفاد یہ ہوتا ہے کہ وہ "مثلها" کی جو ضمیر ہے، اس کو "شدة" یعنی عصائب کی طرف راجع کرتے ہیں، جو محذوف ہے، جب کہ دیگر حضرات نے "مثلها" کی ضمیر مجرور کو "وقعة" یا "غزوة" کی طرف راجع قرار دیا ہے(۲)، یعنی اس طرح کے غزوات میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے شرکت کا موقع فراہم کیا، البتہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید میں ضمیر کو شدة کی طرف راجع قرار دیا، پھر شرح جو کی وہ دیگر شراح کے موافق کی اور اسی کو راجح کہا کہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کی شرح سیاق کلام کے موافق نہیں ہے(۳)۔ واللہ اعلم

"حتى تهب الأرواح" کے معنی ومطلب

"تهب" کا مصدر "هبوبا" ہے اور یہ واحدہ مونثہ غائبہ کا صیغہ ہے، الأرواح اس کا فاعل ہے اور ہبوب کے معنی ہوا وغیرہ کے چلنے کے ہیں۔

"الأرواح" ریح کی جمع ہے، جو دراصل روح تھا، واؤ ساکنہ کا ماقبل چوں کہ مکسور ہے، اس لیے واؤ یاء سے بدل کر ریح بن گیا، کہ جمعیت اشیاء کو ان کے اصل کی طرف لوٹا دیتی ہے، البتہ ابن جنی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ریح کی جمع اَریاح بھی آتی ہے(۴)۔

اور یہاں ارواح سے مراد ارواح النصر ہے، یعنی یہاں تک نصرتِ خداوندی کی ہوائیں چلنے لگیں، کما مر قبل عن ابن بطال رحمه الله(۵).

"وتحضر الصلوات" کی مراد

یہاں روایت میں "وتحضر الصلوات" وارد ہوا ہے، جب کہ ابن ابی شیبہ کی روایت میں "وتزول

(۱) حواله بالا، والفتح: ٦/٢٦٥، والعمدة: ١٥/٨٥، والكواكب الدراري: ١٣/١٢٩، وإرشاد الساري: ٥/٢٣٢.

(۲) شرح الكرماني: ١٣/١٢٨، وإرشاد الساري: ٥/٢٣٢.

(۳) عمدة القاري: ١٥/٨٥.

(٤) حواله بالا، وفتح الباري: ٦/٢٦٥، وشرح القسطلاني: ٥/٢٣٢.

(٥) شرح ابن بطال: ٥/٣٣٥.

الشمس" ہے(۱)، جو روایت بالمعنی ہے، کیوں کہ زوال شمس کے بعد ہی نماز ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے(۲)۔

غزوۂ نہاوند کا تتمہ

پیچھے گزر چکا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور دیگر بعض افراد نے حضرت نعمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا تھا کہ یہ قتال شروع نہیں کرتے؟ پھر اس پر اصرار بھی کیا، لیکن حضرت نعمان اپنی بات پر ڈٹے رہے اور جب زوال ہوگیا تو انہوں نے مسلمانوں کو نماز پڑھائی، پھر اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور ہر جھنڈے والوں (قبیلے) کے پاس گئے، انہیں صبر و ثابت قدمی پر ابھارا، پھر انہوں نے لشکر سے فرمایا کہ وہ پہلی تکبیر بلند فرمائیں گے تو لوگوں کو حملے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے، دوسری تکبیر بلند کریں گے تو تیاری مکمل ہونی چاہیے کہ اس کے بعد کسی کو تیاری کا موقع نہیں دیا جائے گا، پھر تیسری تکبیر کے ساتھ ہی دشمن پر ہلہ بول دیا جائے، اس کے بعد حضرت نعمان رضی اللہ عنہ اپنی جگہ واپس تشریف لائے۔

دوسری طرف دشمن نے بھی زبردست تیاری کر رکھی تھی، چناں چہ انہوں نے ایک بہت بڑے لشکر اور کثیر اسلحے کے ساتھ صف بندی کی، ایرانی لشکر کے پچھلے حصے میں لوہے کی میخیں ڈال دی گئی تھیں کہ ان کے اپنے سپاہی فرار ہو سکیں نہ پیچھے ہٹ سکیں۔

اس کے بعد حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے پہلی تکبیر بلند کی، لوگ حملے کے لیے تیار ہونے لگے، انہوں نے دوسری تکبیر کہی اور اپنا جھنڈا لہرایا، لوگ تیار ہو چکے تھے، پھر تیسری تکبیر کہی تو سب نے مل کر یکبارگی دشمن پر حملہ کر دیا، حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کے ماتحت جو افراد تھے وہ دشمن پر اس طرح ٹوٹ پڑے جس طرح کہ شکار پر بھوکا عقاب ٹوٹ پڑتا ہے، ایسا گھمسان کا رن پڑا کہ بعد کی جنگوں میں اس کی مثال بہت کم ملتی ہے، زوال سے لے کر اندھیرا چھانے تک دشمن کے اتنے سپاہی کھیت ہوئے کہ ان کے خون نے زمین کو تر کر دیا کہ جانور اور سواریاں بھی اس میں پھسلنے لگیں۔

بعض لوگوں کے خیال کے مطابق حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کا گھوڑا اسی خون میں پھسلا، جس کی وجہ سے وہ گر گیا اور کہیں سے ایک تیر آ کر لگا، جس کی وجہ سے وہ شہید ہو گئے، ان کے بھائی حضرت سوید بن مقرن

---

(۱) المصنف: ۱۸/ ۲۹۰، كتاب البعوث والسرايا......، رقم (۳٤٤۸٥)، وكذا في مجمع الزوائد: ٦/ ۲۱٦.

(۲) فتح الباري: ٦/ ۲٦٥، وعمدة القاري: ۱٥/ ۸٥.

رضی اللہ عنہ (۱) کے علاوہ کسی کو ان کی شہادت کا علم نہیں ہوا، پھر انہوں نے ان کو چادر سے ڈھانپ دیا اور شہادت کی خبر چھپائی۔

اس کے بعد حضرت سوید نے جھنڈا قائم مقام امیر حضرت حذیفہ بن یمان کے حوالے کیا، حضرت حذیفہ نے حضرت سوید کو نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہم کی جگہ پر مقرر فرمایا اور انہیں نعمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر صورت حال کے واضح ہونے تک مخفی رکھنے کو کہا، تاکہ مسلم لشکر میں بددلی نہ پھیلے۔

جب رات کا اندھیرا چھانے لگا تو مشرکین پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے، جن کا مسلمانوں نے تعاقب کیا، یہ مشرکین اپنے ہی کھودے ہوئے گڑھوں میں گرے، دورانِ جنگ قتل ہونے کے علاوہ جو مشرکین ان گڑھوں وغیرہ میں گر کر ہلاک ہوئے، ان کی تعداد ایک لاکھ سے زائد بتائی جاتی ہے۔ ایرانی لشکر کا قائد بندار دورانِ جنگ گر گیا تھا، موقع پر وہاں سے بھاگنے لگا تو حضرت نعیم یا سوید نے اس کا تعاقب کیا اور حضرت قعقاع رضی اللہ عنہم سامنے سے آگئے تو وہ ایک پہاڑ پر چڑھ کر اس سے چمٹ گیا، آخر کار حضرت قعقاع بن عمرو کے ہاتھوں مارا گیا۔

اور مسلمانوں کو عظیم فتح حاصل ہوئی، غنیمت میں بہت زیادہ مال ہاتھ لگا، امیرِ لشکر حضرت حذیفہ نے قیدیوں اور مالِ غنیمت کا خمس حضرت سائب بن الأقرع کے ساتھ امیر المؤمنین کی طرف روانہ فرمایا، اس سے پہلے فتح کی خوش خبری لے کر حضرت طریف بن سہم رضی اللہ عنہم (۲) مدینہ منورہ روانہ ہو چکے تھے۔

یوں یہ شہر بھی اسلامی لشکر کے ہاتھوں فتح ہوا، مسلمان اس فتح کو ''فتح الفتوح'' سے موسوم کیا کرتے تھے (۳)۔

---

(۱) حضرت نعمان کے مذکورہ بھائی کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ کون تھے؟ بعض نے سوید، بعض نے نعیم اور بعض نے معقل نام لیا ہے۔ دیکھیے البداية والنهاية: ۷/۱۱۰، وفتح الباري: ۶/۲۶۶.

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف جو صاحب بشارت لے کر گئے تھے ان کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ وہ کون تھے؟ حافظ ابن کثیر اور سیف نے طریف بن سہم کو بشیر قرار دیا ہے، جب کہ ابن ابی شیبہ کی روایت میں ابوعثمان نہدی کا نام آیا ہے، حافظ ابن حجر (رحمہم اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ دونوں حضرات مدینہ منورہ تشریف لے گئے ہوں۔ انظر فتح الباري: ۶/۲۶۶، والبداية والنهاية: ۷/۱۱۰.

(۳) غزوہ نہاوند کی تفصیل کے لیے دیکھیے، البداية والنهاية: ۷/۱۰۵-۱۱۲، تاريخ الإسلام (اردو) نجيب أكبر آبادي: ۱/۳۰۸......

حدیث سے مستنبط فوائد

❶ حدیث سے مشورہ کی فضیلت معلوم ہوتی ہے اور بڑے مرتبہ والا شخص اپنے سے کمتر سے مشورہ کرے تو اس میں کوئی حرج ہے، نہ اس میں بڑے کی توہین وتنقیص۔ نیز یہ کہ مفضول بھی کبھی کبھار افضل کا امیر ہوتا ہے، چناں چہ دیکھیے کہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اس لشکر میں تھے، جس کے امیر حضرت نعمان بن مقرن تھے اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ حضرت زبیر حضرت نعمان رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں (۱)۔

❷ حدیث سے یہ بھی مستفاد ہوا کہ جنگ میں سب سے پہلے بڑے دشمن کا قصد کرنا چاہیے، جیسا کہ ہرمزان نے مشورہ دیا تھا کہ کسریٰ سے ابتدا کی جائے، کیونکہ طاقت ور کی جب جڑ کاٹ دی جائے گی تو کمزور خود بخود شکست تسلیم کرلے گا (۲)۔

❸ حدیث سے حضرت نعمان کی منقبت اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کی امور حرب میں معرفت اور ان کی قوتِ نفس، بہادری، فصاحت اور بلاغت معلوم ہوتی ہے کہ حضرت مغیرہ نے بندار کے سامنے اس کے دربار میں جو خطبہ ارشاد فرمایا، وہ تھا تو مختصر، مگر بلیغ وپراثر۔ چنانچہ یہ خطبہ جس طرح ان کے دنیاوی احوال مثلاً کھانے پینے وغیرہ کے بیان پر مشتمل ہے، اسی طرح اس میں ان کی دینی کیفیت کا جو اسلام سے پہلے تھی اور جو قبولِ اسلام کے بعد ہوئی، اس کا بھی بیان ہے، نیز اس میں ان کے معتقدات مثلاً توحید، رسالت اور ایمان بالمعاد کا بیان بھی ہے، اسی طرح مذکورہ خطبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات، پیشین گوئیوں، پھر ان پیشین گوئیوں کے بارے نبی علیہ السلام نے جو فرمایا تھا، اسی طرح واقع ہونے کے بیان پر بھی مشتمل ہے (۳)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

کتاب کے شروع میں مؤلف علیہ الرحمۃ نے جو عنوان قائم کیا تھا وہ "الجزیة والموادعة" کا تھا، چنانچہ باب کی یہ آخری حدیث موادعہ یعنی مصالحت سے متعلق ہے، چناں چہ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے لڑائی میں جو تاخیر کی، نصرت کی ہواؤں اور زوال شمس کا جو انتظار فرمایا یہ موادعۃ تھا کہ مصالحت کے امکان کو

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٦٦، وشرح ابن بطال: ٥/٣٣٤، وعمدة القاري: ١٥/٨٥.

(۲) حوالہ جات بالا۔

(۳) الفتح: ٦/٢٦٦، والكرماني: ١٣/١٢٨، وعمدة القاري: ١٥/٨٥، وإرشاد الساري: ٥/٢٣٢.

مدنظر رکھ کرانہوں نے زوالِ شمس تک لڑائی کو نہ چھیڑا، موادعۃ کے معنی ہی یہ ہیں کہ دشمن پر فتح یاب ہونے سے قبل قتال کو شروع نہ کرنا اور اسے چھوڑے رکھنا، اس امکان کو سامنے رکھتے ہوئے کہ جنگ ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی (۱)۔

اسی طرح ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث اس جملے سے بھی ہوسکتی ہے "حتی تعبدوا الله أو تؤدوا الجزية" کہ اس میں جزیہ کا ذکر ہے۔ جو ترجمہ کا پہلا حصہ ہے، لیکن اس صورت میں اشکال یہ ہوگا کہ پھر تو "الموادعۃ" کا ذکر بیکار اور فضول ہوا، کیوں کہ باب کی دیگر جو حدیثیں گزریں، ان سب میں ترجمہ اور حدیث کا تعلق لفظ "جزیہ" سے تھا، یہاں بھی اگر لفظ "جزیہ" سے تعلق ہوا تو الموادعہ سے کس حدیث کا تعلق ہے؟ اگر کسی حدیث کا تعلق و ربط نہیں، تو اس کے ذکر کا کیا فائدہ؟

غالبًا اسی چیز کو مدنظر رکھ کر شراح نے پہلی توجیہ ذکر کی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

٢ - باب : إِذَا وَادَعَ الْإِمَامُ مَلِكَ الْقَرْيَةِ ، هَلْ يَكُونُ ذٰلِكَ لِبَقِيَّتِهِمْ ؟

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مسئلے کو ذکر کرنا چاہتے ہیں، وہ یہ کہ خلیفۂ وقت اگر کسی گاؤں یا شہر کے والی یا بادشاہ سے صلح کرے تو کیا یہ صلح اس گاؤں اور شہر والوں کو بھی شامل ہوگی یا نہیں؟ اور اس کی رعایا وغیرہ لوگ اس صلح کے تحت داخل ہوں گے یا نہیں؟

جواب استفہام یہاں محذوف ہے، یعنی "یکون" کہ یہ صلح اس کی رعایا کے افراد کو بھی شامل ہوگی (۲)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ مسئلے پر حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث بطور دلیل پیش کی ہے، جس میں صراحۃً تو یہ امر مذکور نہیں، البتہ اس حدیث کے بعض طرق میں اس کی تصریح موجود ہے اور غالبًا اسی کی طرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معروف عادت کے موافق اشارہ کیا ہے، چناں چہ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ "السیرۃ" میں فرماتے ہیں:

---

(١) المتواري على تراجم أبواب البخاري: ١٩٧، وعمدة القاري: ١٥/٨٢.

(٢) عمدة القاري: ١٥/٨٥، وتحفة الباري: ٣/٥٦٦.

"لما انتهى رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى تبوك، أتاه يُحَنَّة(١) بن رؤبة، صاحب أيلة، فصالح رسولَ الله صلى الله عليه وسلم، وأعطاه الجزية، ...... فكتب رسول الله صلى الله عليه وسلم لهم كتابا، فهو عندهم، فكتب ليُحنة بن رؤبة:

بسم الله الرحمن الرحيم، هذه أَمَنَة من الله ومحمد النبي صلى الله عليه وسلم رسول الله ليحنة بن رؤبة وأهل أيلة، سفنهم وسيارتهم في البر والبحر: لهم ذمة الله، وذمة محمد النبي، ومن كان معهم من أهل الشام، وأهل اليمن، وأهل البحر، فمن أحدث منهم حدثا؛ فإنه لايحول ماله دون نفسه، وإنه طيب لمن أخذه من الناس، وإنه لايحل أن يُمنَعوا ماءً يرِدُونه، ولا طريقا يريدونه، من بر أو بحر"(٢).

یعنی: ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک پہنچے تو یحنہ (یوحنا) بن روبہ، ایلہ کا والی، آپ کے پاس آیا، سو اس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مصالحت کی اور جزیہ خدمت اقدس میں پیش کیا......، رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک تحریر لکھ کر دی، جو اُن کے پاس موجود ہے، آپ ﷺ نے یحنہ بن روبہ کو جو تحریر لکھ کر دی اس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ایلہ کے والی اور اس کے باشندوں کے لیے اللہ تعالیٰ اور محمد النبی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ امان نامہ ہے، ان کی کشتیوں اور گاڑیوں کے لیے، خشکی اور سمندر دونوں میں، ان کے لیے اللہ تعالیٰ اور محمد النبی کا ذمہ ہے اور ان کے لیے بھی جو ان کے ساتھ شامیوں، یمنیوں اور سمندر والوں میں سے ہیں ان میں سے جو کوئی نیا کام کرے گا (یعنی معاہدہ کی خلاف ورزی کرے گا) تو اس کا مال اس کی ذات کے لیے

(١) بياء مثناة تحتانية مضمومة، بعدها حاء مهملة مفتوحة، ثم نون مشددة مفتوحة، وآخره هاء.

(٢) السيرة النبوية لابن هشام: ٢/٤/٥٢٥-٥٢٦، غزوة تبوك، في رجب سنة تسع، وشرح ابن بطال: ٥/٣٣٦، وفتح الباري: ٦/٢٦٧، وعمدة القاري: ١٥/٨٦، وإرشاد الساري: ٥/٢٣٣.

مانع وحائل نہیں بنے گا، حتیٰ کہ جو کوئی شخص اسے لے لے وہ اس کے لیے حلال ہوگا۔ اور یہ بھی حلال نہیں ہے کہ پانی کے کسی بھی گھاٹ یا چشمہ پر آنے سے ان کو روکا جائے، نہ یہ روا ہے کہ وہ کسی راستے کو اختیار کریں تو ان کو منع کیا جائے، خواہ خشکی کا راستہ ہو یا سمندر کا''۔

اس سے استدلال کر کے جمہور علماء نے کہا ہے کہ کسی بادشاہ یا والی کے ساتھ صلح اس کی تمام رعایا اور علاقوں کو شامل ہوگی، کیوں کہ جب اس نے صلح کی درخواست پیش کی تو گویا اس نے اپنے نفس، اپنی رعایا اور اپنے زیرِ نگیں علاقوں کے لیے صلح کی درخواست کی، کہ یہ سب محفوظ و مامون ہوں۔

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"والعلماء مجمعون على أن الإمام إذا صالح ملك القرية أنه يدخل في ذلك الصلح بقيتهم؛ لأنه إنما صالح على نفسه، ورعيته، ومن يلي أمره، وتشتمل عليه بلده وعمله، ألا ترى أن في كتاب النبي تأمين ملك أيلة وأهل بلده"(١).

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اگر بادشاہ کسی مخصوص و متعین جماعت کے لیے صلح کی درخواست کرے کہ اس مخصوص جماعت کو امان دی جائے تو اس میں بادشاہ بھی داخل ہوگا یا نہیں؟

چناں چہ جمہور کا مسلک تو یہی ہے کہ اس صورت میں وہ بادشاہ اس صلح و امان میں داخل نہیں ہوگا، جب تک کہ اپنی تعیین نہ کرے، اس کی دلیل یہ حضرات یہ دیتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں اشعث بن قیس کچھ لوگوں کے ہمراہ مرتد ہو کر ایک محل میں قلعہ بند ہو گئے، پھر انہوں نے ستر آدمیوں کے لیے امان طلب کی، جو خلیفۂ اول نے دے دی، چناں چہ وہ محل سے نکلے اور ستر آدمی گنوائے اور اپنے آپ کو ان میں شامل نہیں کیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تمہارے لیے امان نہیں ہے، ہم تو تمہیں قتل کریں گے، اس پر اشعث نے اسلام قبول کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ سے نکاح کیا(٢)۔

اسی طرح حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جب تستر یا سوس کا محاصرہ کیا تو ان کے امیر نے کہا

---

(١) شرح ابن بطال: ٥/٣٣٦، وفتح الباري: ٦/٢٦٧.

(٢) شرح ابن بطال: ٥/٣٣٧، والمتواري: ١٩٨.

کہ آپ میرے سو ساتھیوں کو پناہ دے دیں تو میں قلعہ کا دروازہ آپ کے لیے کھول دوں؟ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس کی بات منظور کرلی، چناں چہ وہ اپنے سو ساتھیوں کو الگ کرنے اور انہیں شمار کرنے لگا، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ (دل ہی دل میں) کہنے لگے، اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ مجھے اس پر قابو دیں گے اور سو افراد کو شمار کرنے کے بعد یہ اپنے آپ کو بھول جائے گا، چناں چہ ایسا ہی ہوا کہ اس نے سو بندے گنے، انہیں الگ کیا اور اپنے کو بھول گیا، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کو گرفتار کرلیا تو وہ کہنے لگا کہ آپ نے تو مجھے امان دی تھی؟ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے تمہیں کوئی امان نہیں دی، سنو! اللہ تعالیٰ نے مجھے تم پر کسی دھوکے کے بغیر قابو دیا ہے، پھر اس کی گردن اڑا دی (۱)۔

ائمہ کی اکثریت ان واقعات سے استدلال کرتے ہوئے یہی کہتی ہے کہ بادشاہ یا امیر کا اپنے کو نامزد کرنا ضروری ہے، ورنہ اس مخصوص جماعت میں وہ داخل نہیں ہوگا۔

لیکن مالکیہ میں سے امام اصبغ وامام سحنون کا قول یہ ہے کہ اپنے کو نامزد کرنا ضروری ہے نہ اس کی حاجت، بلکہ اس پر قرینہ کافی ہوگا، کیوں کہ بادشاہ جب دوسروں کے لیے امان طلب کررہا ہے تو لامحالہ وہ اپنے کو بھی اس میں شامل کررہا ہے اور اس کا مقصود یہی ہے کہ امان اس کو بھی حاصل ہو (۲)۔ واللہ اعلم بالصواب

۲۹۹۰ : حدّثنا سَهْلُ بْنُ بَكَّارٍ : حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَىٰ ، عَنْ عَبَّاسٍ السَّاعِدِيِّ ، عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ [۳] قَالَ : غَزَوْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ تَبُوكَ ، وَأَهْدَى مَلِكُ أَيْلَةَ لِلنَّبِيِّ ﷺ بَغْلَةً بَيْضَاءَ ، وَكَسَاهُ بُرْدًا ، وَكَتَبَ لَهُ بِبَحْرِهِمْ . [ر : ۱۴۱۱]

تراجم رجال

۱- سهل بن بكار

یہ ابوبشر سہل بن بکار دارمی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

---

(۱) شرح ابن بطال: ۳۳۶/۵.

(۲) شرح ابن بطال: ۳۳۷/۵.

(۳) قوله: "عن أبي حميد الساعدي رضي الله عنه": الحديث، مرّ تخريجه في الزكاة، باب خرص التمر.

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الزكاة، باب خرص التمر.

۲– وهيب

یہ وہیب بن خالد بن عجلان بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳– عمرو بن يحيى

یہ عمرو بن یحییٰ بن عمارۃ مازنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان دونوں حضرات کے مختصر حالات كتاب الإيمان، "باب من كره أن يعود في الكفر......" کے تحت گزر چکے(۱)۔

٤– عباس الساعدي

یہ عباس بن سہل ساعدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۲)۔

٥– ابوحميد الساعدي

یہ ابوحمید عبدالرحمٰن الساعدی رضی اللہ عنہ ہیں(۳)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک میں شرکت کی اور ایلہ(۴) کے بادشاہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سفید خچری ہدیہ میں پیش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دھاری دار چادر مرحمت فرمائی اور اس کو ان کے سمندری علاقوں کے بارے میں امان لکھ کر دی۔

یہ ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے، جو کتاب الزکوۃ میں گزر چکی(۵)، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب کی

---

(۱) دیکھیے، كشف الباري: ۲/۱۱۵–۱۱۸.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الزكاة، باب خرص التمر.

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الصلاة، باب فضل استقبال القبلة.

(٤) قال ابن قرقول: "هي مدينة بالشام على النصف ما بين طريق مصر ومكة، على شاطئ البحر، من بلاد الشام". انظر عمدة القاري: ۱٥/۸٦.

(٥) صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب خرص التمر، رقم (١٤٨١).

مناسبت سے اس کا ایک حصہ یہاں ذکر فرمایا ہے۔

وكساه بردا

تمام نسخوں میں واو کے ساتھ "وكساه" ہے، جب کہ ابوذر کے نسخے میں فاء کے ساتھ "فكساه" ہے اور یہی اولیٰ ہے، کیوں کہ فعل "كساه" کا فاعل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ اگر واو کے ساتھ "وكساه" کہا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ملک ایلہ نے خچری بھی دی اور چادر بھی، جب کہ یہ غلط ہے، وہ اس لیے کہ اس نے صرف خچری ہدیہ میں دی تھی، جواب میں نبی علیہ السلام نے اس کو چادر بطور ہدیہ مرحمت فرمائی اور اس کے علاقوں اور رعایا کے لیے امان بھی لکھ کر دی۔

اور اگر فاء کے ساتھ "فكساه" کہا جائے تو مطلب بالکل واضح ہے کہ بادشاہ کا فعل خچری ہدیہ کرنا تھا اور نبی علیہ السلام کا چادر ہدیہ کرنا اور امان لکھ کر دینا اور یہی صحیح بھی ہے (۱)۔

بحر سے کیا مراد ہے؟

یہاں "ببحرهم" میں بحر سے مراد قریہ یا بلد ہے، چوں کہ یہ ساحل سمندر پر رہتے تھے، اس لیے ان کے شہر یا گاؤں کو بحر سے تعبیر کر دیا ہے اور مقصود اس کی رعایا اور اس کے علاقے ہیں (۲)۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس "ببحرهم" کا ترجمہ ان الفاظ سے کیا ہے: "وہ بستی جو دریا کے کنارے پر ہو" (۳)۔

مدینہ منورہ بھی چوں کہ بحر کے قریب ہے، اس لیے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اس پر بحیرہ کا اطلاق کیا اور فرمایا تھا کہ

"لقد اصطلح أهل هذه البحيرة على أن يتوّجوه، فيعصبونه بالعصابة، فلما أبى الله ذلك بالحق الذي أعطاك الله شرق بذلك......"(٤).

---

(١) فتح الباري: ٦/٢٦٦، وعمدة القاري: ١٥/٨٦، وشرح القسطلاني: ٥/٢٣٣.

(٢) فتح الباري: ٦/٢٦٧، وعمدة القاري: ١٥/٨٦، وشرح القسطلاني: ٥/٢٣٣.

(٣) فيض الباري: ٣/٤٧٤.

(٤) صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب: ﴿ولتسمعن من الذين أوتوا الكتب﴾......، رقم (٤٥٦٦)، =

کہ اہل مدینہ نے یہ طے کیا ہوا تھا کہ عبداللہ بن ابی ابن سلول کی تاج پوشی ودستار بندی کی جائے گی، اس کو اپنے علاقے کا چودھری مقرر کیا جائے گا، آپ کے آنے کے بعد وہ سارا قصہ ختم ہوگیا، اس کی سیادت کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا، اس کا اچھو اس کے گلے میں لگا ہوا ہے اور وہ پھندا اس کے حلق میں پھنسا ہوا ہے، اس کی وجہ سے یہ اس قسم کی شرارتیں کرتا ہے۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بخاری شریف کی روایت میں صیغۂ امان ہے، نہ صیغۂ طلب کہ بادشاہ نے امان طلب کی ہو، لیکن اس کے باوجود امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اپنی عادت کی بنا پر حدیث باب سے مذکورہ استدلال کیا کہ بادشاہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو ہدیہ پیش کیا، اس کا مقصد اس کے ذریعے اپنی حکومت کی بقا کی درخواست پیش کرنا تھا اور اس کی حکومت کی بقا تب ہی ممکن تھی، جب کہ اس کی رعایا بھی باقی ہو، نتیجہ یہی نکلا کہ اس کی مصالحت رعایا کے لیے تھی (۱)۔ یہی مقصد ترجمہ بھی ہے۔

علامہ ابن المنیر کی اس توضیح کو علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہما نے اختیار کیا ہے (۲)۔ جب کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث کی ترجمہ کے ساتھ مطابقت کے لیے اتنی بات کافی نہیں، کیوں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی معروف عادت کے مطابق حدیث ذکر کیے بغیر بھی اپنا یہ مدعی حاصل کر سکتے تھے۔

درحقیقت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اپنی ایک اور عادت کے مطابق یہاں طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہ کبھی حدیث کو ذکر فرما کر اس کے دیگر طرق کی طرف اشارہ فرماتے ہیں، یہاں بھی انہوں نے سیرۃ ابن اسحاق کی ایک روایت کی طرف اشارہ کیا ہے، جو ابھی ماقبل میں گزری، جس میں اس امر کی صراحت ہے کہ ملک ایلہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصالحت کی اور جزیہ دیا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک تحریر دی، جس میں ان کو امان دینے کی صراحت کی گئی تھی (۳)۔ واللہ اعلم بالصواب

= والقصة رواها ابن هشام أيضاً، ولكن لا يوجد فيها هذه اللفظة –أعني البحيرة–، انظر سيرته: ۵۸۸/۳/۲، خروج قوم ابن أبي عليه ...... وغضب الرسول......

(۱) فتح الباري: ۲٦۷/٦.

(۲) عمدة القاري: ۸٦/۱۵.

(۳) فتح الباري: ۲٦۷/٦، وأيضاً إرشاد الساري: ۲۳۳/۵.

۳ - باب : اَلْوَصَايَا بِأَهْلِ ذِمَّةِ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ .
وَٱلذِّمَّةُ : اَلْعَهْدُ ، وَالْإِلُّ : اَلْقَرَابَةُ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن غیر مسلموں سے عہد کر رکھا تھا، خواہ کسی بھی قسم کا عہد ہو، ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ رکھنا چاہیے، بلا وجہ انہیں تنگ نہ کرنا چاہیے اور نبی علیہ السلام کے عہد کی پاسداری کرنی چاہیے۔

الوصاۃ کے معنی

الوصاۃ -بفتح الواو، والمهملة مخففا- وصیت کے معنی میں ہے اور وصیت کے مختلف معانی ہیں، جن میں سے ایک معنی کسی کی خیر خواہی و بھلائی چاہنے کے ہیں(۱)۔

الذمة اور الإل کے معنی

پھر اس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب کے تحت دو کلمات کے معنی بیان کیے ہیں، جیسا کہ ان کی عادت ہے کہ حدیث میں وارد کوئی لفظ قرآن کریم میں بھی آیا ہو تو اس کی وضاحت و تفسیر کرتے ہیں، پہلا کلمہ "الذمة" ہے، دوسرا "الإل"۔

پہلے کلمہ کے معنی انہوں نے عہد، دوسرے کے قرابت کے کیے ہیں، جو امام ضحاک کی اختیار کردہ تفسیر ہے، چناں چہ انہوں نے قرآن کریم کی آیت ﴿لا یرقبون فی مؤمن إلا ولا ذمة﴾(۲) کی تفسیر انہی کلمات سے کی ہے(۳)۔

"الذمة" کے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ معنی کے علاوہ اور معنی بھی آتے ہیں، مثلاً: امان، ضمان، حرمت اور حق وغیرہ۔ اہلِ ذمہ کو بھی ذمی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے عہد و امان میں داخل

(۱) فتح الباري: ٦/٢٦٧.

(۲) التوبة/١٠.

(۳) فتح الباري: ٦/٢٦٧، وروح المعاني: ١٠/٣٤٩، سورة التوبة، الآية: ٩.

ہوجاتے ہیں(۱)۔

اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ "الإل"کا اطلاق بعض اوقات عہد اور جوار پر بھی ہوتا ہے(۲)۔

۲۹۹۱ : حدّثنا آدمُ ابْنُ أَبِي إِيَاسٍ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ : حَدَّثَنَا أَبُو جَمْرَةَ قَالَ : سَمِعْتُ جُوَيْرِيَةَ ابْنَ قُدَامَةَ التَّمِيمِيَّ قَالَ : سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ(۳) : قُلْنَا : أَوْصِنَا يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ، قَالَ : أُوصِيكُمْ بِذِمَّةِ اللّٰهِ ، فَإِنَّهُ ذِمَّةُ نَبِيِّكُمْ ، وَرِزْقُ عِيَالِكُمْ . [ر : ۱۳۲۸]

تراجم رجال

۱- آدم بن ابی ایاس

یہ ابوالحسن آدم بن ابی ایاس عبدالرحمٰن عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲- شعبہ

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن حجاج عتکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دو حضرات کے حالات کتاب الإیمان، "باب المسلم من سلم المسلمون......" کے تحت گزر چکے(۴)۔

۳- ابو جمرة

یہ ابوجمرۃ نصر بن عمران بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب أداء الخمس من الإیمان" کے تحت آچکا(۵)۔

٤- جویریہ بن قدامہ التمیمی

یہ جویریہ بن قدامہ بن مالک بن زہیر تمیمی سعدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(٦)۔

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۸٦، وروح المعاني: ۱۰/۳۵۰.

(۲) فتح الباري: ٦/۲٦۷.

(۳) قوله "سمعت عمر ...... رضي الله عنه": الحديث، تفرد به البخاري، انظر تحفة الأشراف: ۸/۱۹.

(٤) كشف الباري: ۱/٦۷۸.

(٥) كشف الباري: ۲/۷۰۱.

(٦) إكمال مغلطاي: ۳/۲٦۱، رقم (۱۰۳٦).

اکثر ائمہ رجال نے ان کو تابعی قرار دیا ہے اور کبار تابعین میں ان کا شمار کیا ہے(۱)۔

ان کے علاوہ ایک اور شخصیت ہے، جن کا نام جاریہ بن قدامہ ہے، یہ حضرت علی کے ساتھیوں میں سے تھے اور یہ صحابی ہیں(۲)۔

اکثر ائمہ رجال ان دونوں شخصیات میں تفریق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جاریہ الگ شخصیت ہے اور جویریہ الگ شخصیت، راجح قول کے مطابق پہلے صحابی ہیں، جب کہ دوسرے تابعی۔

لیکن حافظ ابن حجر وحافظ مغلطائی رحمہما اللہ وغیرہ کا رجحان اس جانب ہے کہ ایک ہی شخصیت کے یہ دو نام ہیں، یا جاریہ نام ہے جویریہ لقب، بہر حال الگ الگ شخصیات نہیں اور یہ صحابی ہیں(۳)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے موقف پر یہ استدلالات پیش کیے ہیں:

❶ جویریہ تمیمی ہیں اور جاریہ بھی تمیمی ہیں، اس لیے اس امر میں کوئی استبعاد نہیں کہ یہ دونوں شخصیات ایک ہی ہوں۔

❷ مصنف ابن ابی شیبہ(۴) کی روایت میں جویریہ کی بجائے جاریہ کی صراحت ہے اور حدیث دونوں کی ایک ہی ہے اور دونوں سے یہ حدیث ابوجمرہ روایت کرتے ہیں، اس سے بھی متبادر یہی ہوتا ہے کہ یہ دونوں نام ایک شخصیت کے ہیں(۵)۔ واللہ اعلم۔

جویریہ بن قدامہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان سے روایت کرنے والے بھی صرف ابوجمرہ نصر بن عمران رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۶)۔

بخاری شریف میں ان کا ذکر صرف حدیثِ باب کے تحت آیا ہے، باقی ائمہ خمسہ نے ان سے روایت

---

(١) الجرح والتعديل: ٢/٤٦٣، والثقات: ٤/١٦٦، وتهذيب الكمال: ٥/١٧٤، وفتح الباري: ٦/٢٦٧.

(٢) تهذيب الكمال: ٤/٨٠، رقم (٨٨٦).

(٣) الإصابة: ١/٢١٨، وفتح الباري: ٦/٢٦٧، وتهذيب التهذيب: ٢/١٢٥.

(٤) المصنف لابن أبي شيبة: ٢٠/٥٩٣، كتاب المغازي، رقم (٣٨٢١٨)، وتعليقات تهذيب الكمال: ٥/١٧٦.

(٥) تهذيب التهذيب: ٢/١٢٥، رقم (٢٠٣).

(٦) تهذيب الكمال: ٥/١٧٥.

نہیں کی (۱)۔ رضی اللہ عنہ وأرضاہ۔

۵- عمر بن الخطاب

یہ خلیفہ ثانی، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے حالات "بدء الوحي" کی پہلی حدیث کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

حدیثِ باب کا ترجمہ

ہم نے کہا، امیر المؤمنین! ہمیں بھلی بات کہیے (اور وصیت کیجیے) فرمایا، میں تم لوگوں کو اللہ کے عہد کے ساتھ بھلائی وخیر خواہی کی وصیت کرتا ہوں، کیوں کہ یہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد اور تمہارے اہل وعیال کے رزق کا سبب ہے۔

حدیث کی مزید تفصیل

یہاں امام بخاری علیہ الرحمۃ نے جو روایت ذکر کی، وہ انتہائی مختصر ہے اور باب سے مناسبت کی بنا پر اسی کے ذکر پر انہوں نے اکتفا فرمایا ہے، مکمل حدیث امام جمال الدین مزی رحمۃ اللہ علیہ نے "تہذیب الکمال" میں نقل فرمائی ہے، جویریہ بن قدامہ فرماتے ہیں:

"حججتُ، فمررتُ بالمدينة، فخطب عمر، فقال: إني رأيت الليلة ديكا نقر فيَّ نقرة أو نقرتين، فما كان إلا جمعة أو نحوها حتى أصيب، قال: وأذن لأصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، ثم لأهل المدينة، ثم أذن لأهل الشام، ثم أذن لأهل العراق، قال: وكنا آخرَ من دخل، قال: فكلما دخل قوم بكوا وأثنوا. قال: وكنت فيمن دخل فإذا عمامة أو برد أسود قد عصب على طعنته، وإذا الدماء تسيل، قال: فقلنا: أوصِنا، ولم يسأله الوصيةَ أحد غيرنا. قال: أوصيكم بكتاب الله؛ فإنكم لن تضلوا ما اتبعتموه، قال: قلنا: أوصنا،

(۱) تهذيب الكمال: ۱۷٦/٥، وإكمال مغلطاي: ۲٦۱/۳، رقم (۱۰۳٦).

(۲) كشف الباري: ۲۳۹/۱.

قال: أوصيكم بالمهاجرين؛ فإن الناس سيكثرون ويقلون، وأوصيكم بالأنصار؛ فإنهم شعب الإسلام الذي لجأ إليه، وأوصيكم بالأعراب؛ فإنهم أصلكم ومادتكم، ثم سألته بعد ذلك، قال: إنهم إخوانكم وعدو عدوكم، وأوصيكم بذمتكم؛ فإنها ذمة نبيكم، ورزق عيالكم، قوموا عني، فما زاد على هؤلاء الكلمات"(١).

یعنی: ''میں مناسکِ حج سے فارغ ہوکر مدینہ منورہ گیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا کہ میں نے رات کو خواب میں ایک مرغے کو دیکھا کہ اس نے مجھے ایک یا دو ٹھونگیں ماریں، اس کے بعد تقریباً ایک ہفتہ گذرا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ زخمی ہوگئے، راوی کہتے ہیں کہ امیر المؤمنین نے اولاً صحابہ کرام، پھر اہل مدینہ کو ملاقات کی اجازت دی، پھر اہلِ شام کو، پھر اہل عراق کو اور سب سے آخر میں ان سے ملاقات کرنے والے ہم تھے، جب بھی کوئی قوم ملاقات کی غرض سے داخل ہوتی تو وہ رونے لگتی اور ان کی تعریفیں کرتی۔ راوی کہتے ہیں کہ ملاقاتیوں میں، میں بھی شامل تھا، داخل ہوا تو دیکھا کہ ان کے زخم پر عمامے یا سیاہ چادر سے پٹی باندھی گئی تھی اور زخم سے خون بہہ رہا تھا، ہم نے ان سے گزارش کی کہ وصیت کیجیے، یہ درخواست ہمارے علاوہ اور کسی نے نہیں کی تھی، امیر المؤمنین نے فرمایا، میں تمہیں کتاب اللہ کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں، کیوں کہ جب تک تم لوگ اس کی اتباع کروگے، گمراہ نہ ہوگے، ہم نے کہا اور فرمایئے، فرمایا، میں تمہیں مہاجرین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں، کیوں کہ لوگ تو بڑھتے جائیں گے، لیکن یہ مہاجرین کم ہوجائیں گے اور انصار کے ساتھ بھلائی کا حکم کرتا ہوں کہ یہ حضرات اسلام کی وہ گھاٹی ہیں جس کی طرف اسلام نے پناہ لی ہے اور بدویوں کے ساتھ

(١) تهذيب الكمال: ٥/١٧٥-١٧٦، وأخرج أوله الإمامُ البخاري في تاريخه: ٢/٢٤١، رقم (٢٣٢٥)، ومثله عند ابن أبي شيبة في مصنفه: ٢٠/٥٩٣، كتاب المغازي، ماجاء في خلافة عمر بن الخطاب رضي الله عنه، رقم (٣٨٢١٨).

بھلائی کا کہتا ہوں، کیوں کہ یہی تمہاری اصل وبنیاد ہیں، تمہارے بھائی ہیں اور تمہارے دشمنوں کے دشمن ہیں، نیز میں تمہیں اہلِ ذمہ کے ساتھ خیر خواہی کا حکم کرتا ہوں، کیوں کہ یہ تمہارے نبی (علیہ السلام) کا عہد ہیں اور تمہارے اہل وعیال کے لیے رزق فراہم کرنے کا سبب بنتے ہیں، آخر میں امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب یہاں سے اٹھ جاؤ۔ اس کے بعد مزید کوئی بات نہیں کی"۔

فائدہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا یہ واقعہ حضرت عمرو بن میمون اودی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے(۱) جس میں حدیث باب کے الفاظ "أوصيكم بذمة الله؛ فإنه ذمة نبيكم ورزق عيالكم" کے بجائے یہ الفاظ منقول ہیں:

"وأوصيه بذمة الله تعالىٰ، وذمة رسوله صلى الله عليه وسلم أن يوفي لهم بعهدهم، وأن يقاتل من ورائهم، ولا يكلفوا إلا طاقتهم".

"اور (میرے بعد آنے والے) خلیفہ کو یہ وصیت بھی کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کا خیال رکھیں کہ ان کے عہد کی پاسداری کریں، ان کے لیے لڑا جائے اور ان کی قوت واستطاعت سے زائد ان کو مکلّف نہ بنایا جائے"۔

چناں چہ اس حدیث کے مذکورہ بالا حصے سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ اہلِ جزیہ سے اسی قدر جزیہ وصول کیا جائے، جس کی وہ قوت وطاقت رکھتے ہوں اور اس معاملے میں ان کے ساتھ زیادتی اور ظلم روا نہ رکھا جائے (۲)۔

"ورزق عيالكم" کا مطلب

حدیثِ باب کے الفاظ "ورزق عيالكم" کا مطلب یہ ہے کہ ان اہلِ ذمہ واہلِ خراج سے جو رقم وصول کی جاتی ہے، وہ تمہارے اہل وعیال کے لیے رزق بنتا ہے اور اس کے ذریعے تم ان کی ضروریات کا

(۱) صحيح البخاري، كتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ، قصة البيعة ......، رقم (۳۷۰۰).

(۲) فتح الباري: ٦/٢٦٧.

بندوبست کرتے ہو(۱)۔

ترجمۃ الباب سے مناسبتِ حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت واضح ہے کہ ترجمہ اہلِ ذمہ کے ساتھ خیر خواہی وبھلائی اختیار کرنے کا تھا اور حدیث میں بھی یہی بات ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہلِ ذمہ کے ساتھ خیر خواہی کی وصیت کی تھی۔

٤ - باب : ما أَقْطَعَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ الْبَحْرَيْنِ . وَمَا وَعَدَ مِنْ مالِ الْبَحْرَيْنِ وَالْجِزْيَةِ . وَلِمَنْ يُقْسَمُ الْفَيْءُ وَالْجِزْيَةُ .

ترجمۃ الباب کی توضیح ومقاصد

یہ ترجمۃ الباب تین اجزا پر مشتمل ہے، ان تینوں اجزا میں مولف علیہ الرحمۃ نے تین مختلف احکام بیان کیے ہیں اور انہی احکام کی ترتیب سے تین حدیثیں بھی انہوں نے ذکر کی ہیں (۲)۔

چناں چہ پہلی حدیث کا تعلق پہلے حکم سے، دوسری کا دوسرے سے اور تیسری کا تیسرے سے ہے۔

ترجمۃ الباب کا پہلا جز "ما أقطع النبي صلى الله عليه وسلم من البحرين" ہے۔

"إقطاع" کے لغوی واصطلاحی معنی

"أقطع" باب افعال سے ماضی مذکر کا صیغہ ہے، کہا جاتا ہے "أقطع فلانا أرضاً" یعنی کسی کو زمین دینا، اس کے نام الاٹ کرنا (۳)۔

اصطلاحِ شرع میں خلیفہ وقت کی جانب سے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال میں سے کسی کو کچھ دینا "إقطاع" کہلاتا ہے، لیکن اس کا اکثر استعمال کسی کو بطور جاگیر، زمین دینے پر ہوتا ہے۔

اب خلیفہ کی مرضی ہے کہ جس کو جاگیر عطا کر رہا ہے، اس کو اس جاگیر کا مالک بنادے کہ وہ اس کو آباد

(۱) حواله بالا، والكرماني: ۱۳/۱۳۰.

(۲) فتح الباري: ٦/٢٦٨، وعمدة القاري: ١٥/٨٦.

(۳) القاموس الوحيد، مادة: "قطع".

کرے یا ایک مخصوص مدت کے لیے اس شخص کے حوالے کردے، چناں چہ یہ جاگیر عطا کرنا کبھی تو بطورِ تملیک کے ہوتا ہے اور کبھی بغیر تملیک۔

اسی سے فوجی بھی "مُقْطَعِیْن" کہلاتے ہیں، یعنی جاگیردار(۱)۔

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہاں اس فعل کے جواز کو بتلانا ہے کہ خلیفہ کسی بھی اہل شخص کو زمین بطور جاگیر عطا کرسکتا ہے۔

چناں چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بحرین کی زمینوں کو جاگیر بنانا، باب کی پہلی حدیث سے ثابت ہے کہ نبی علیہ السلام نے اس کا ارادہ کیا تھا اور انصار سے کئی مرتبہ اس حوالے سے بات بھی کی کہ آپ لوگ یہ زمینیں لے لیں، لیکن جب انہوں نے انکار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارادے کو ترک کردیا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا طریقۂ استدلال

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارادے سے استدلال کیا ہے کہ جو بات مستقبل میں ہونی تھی، اس کو ماضی کے معنی میں لیا، گویا کہ نبی علیہ السلام نے ان کو جاگیر عطا کی، نبی علیہ السلام کے حق میں یہ معاملہ بالکل واضح ہے، کیوں کہ آپ کسی ایسے فعل کا حکم دے ہی نہیں سکتے جو ناجائز ہو۔

لہٰذا معلوم یہی ہوا کہ یہ فعل یعنی کسی کو جاگیر عطا کرنا، خلیفۂ وقت کی طرف سے درست ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"فأما إقطاعه صلى الله عليه وسلم من البحرين فالحديث الأول دال على أنه صلى الله عليه وسلم همَّ بذلك، وأشار به على الأنصار مراراً، فلما لم يقبلوا تركه، فنزل المصنف ما بالقوة منزلة ما بالفعل، وهو في حقه صلى الله عليه وسلم واضح؛ لأنه لايأمر إلا بما يجوز فعله"(۲).

حدیث باب میں بحرین سے مراد عراق کا مشہور شہر ہے (جواب مستقل ریاست ہے) ماقبل میں یہ بات گذر چکی ہے کہ اہلِ بحرین سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصالحت کی تھی اور ان پر جزیہ لازم کیا تھا۔

---

(۱) عمدة القاري: ۸۶/۱۵، والنهاية لابن الأثير الجزري: ۸۲/٤، باب القاف مع التاء.

(۲) فتح الباري: ۲٦۸/٦، ومثله في شرح القسطلاني: ۲۳٤/٥، وعمدة القاري: ۸۷/۱٥.

پھراسی حدیث میں بحرین کی زمینیں انصار کوبطور جاگیر دینے کا جوذکر آیا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ ان زمینوں سے جو جزیہ وخراج وصول ہوگا، وہ انصار کے لیے خاص ہوگا، ان زمینوں کی آمدنی انہی کے پاس جائے گی، یہ مطلب ومراد نہیں کہ وہ ان زمینوں کے مالک بھی بن جائیں گے، کیوں کہ ارض صلح کو تقسیم کیا جاسکتا ہے نہ ہی بطورِ جاگیر کسی کو عطا کیا جاسکتا ہے(۱)۔ واللہ اعلم

۲۹۹۲ : حدّثنا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ : حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قالَ : سَمِعْتُ أَنَسًا(۲) رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : دَعا النَّبِيُّ ﷺ الأَنْصارَ لِيَكْتُبَ لَهُمْ بِالْبَحْرَيْنِ ، فَقَالُوا : لَا وَٱللهِ حَتَّى تَكْتُبَ لِإِخْوَانِنَا مِنْ قُرَيْشٍ بِمِثْلِهَا ، فَقَالَ : (ذَاكَ لَهُمْ ما شَاءَ ٱللهُ عَلَى ذٰلِكَ) .يَقُولُونَ لَهُ ، قالَ : (فَإِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً ، فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوْنِي) . [ر : ۲۲٤۷]

تراجم رجال

۱- احمد بن یونس

یہ احمد بن عبداللہ بن یونس تمیمی یربوعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب من قال: إن الإيمان هو العمل" کے تحت گزر چکا ہے(۳)۔

۲- زهير

یہ زہیر بن معاویہ بن حُدیج رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے مفصل حالات کتاب الإیمان، "باب الصلاة من الإيمان" کے تحت آچکے ہیں(۴)۔

۳- يحيى بن سعيد

یہ مشہور تابعی، فقیہ مدینہ، حضرت یحیٰ بن سعید الانصاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا مختصر تذکرہ "بـــدء

(۱) فتح الباري: ٦/٢٦٨، وإرشاد الساري: ٥/٢٣٣، وعمدة القاري: ١٥/٨٧.

(۲) قوله: "أنسا رضي الله عنه": الحديث، مرّ تخريجه في كتاب المساقاة، باب القطائع.

(۳) كشف الباري: ٢/١٥٩.

(٤) كشف الباري: ٢/٣٦٧.

الوحي" میں اور مفصل تذکرہ کتاب الإیمان، "باب صوم رمضان......" کے تحت گزر چکا(۱)۔

٤- انس رضي الله عنه

مشہور صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حالات "كتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه......" کے تحت آ چکے(۲)۔

أثرة کا ضبط و معنی

حدیثِ باب میں وارد لفظ "أثرة" کو مختلف وجوہ سے ضبط کیا گیا ہے۔

❶ ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس لفظ کو ہمزہ اور ثاء دونوں کے فتحہ کے ساتھ ضبط کیا ہے(۳)۔

❷ صاحبِ مطالع اور علامہ جیانی رحمہما اللہ نے اس لفظ کو ہمزہ کے ضمہ اور ثاء کے سکون کے ساتھ "أُثْـرة" ضبط کیا ہے۔

❸ بعض حضرات نے اسے ہمزہ کے کسرہ اور ثاء کے سکون کے ساتھ "إِثْرة" پڑھا ہے(۴)۔

علامہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "أثرة" کے معنی استیثار کے ہیں۔ اور استیثار خود غرضی اور ذاتی منفعت پیش نظر رکھنے کو کہتے ہیں، اس کی ضد ایثار (یعنی اپنے پر دوسرے کو ترجیح دینا) ہے(۵)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے پہلے جز کے ساتھ مناسبت ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو جاگیر دینے کا ارادہ ظاہر فرمایا، اس سے اس فعل کا جواز واضح ہے۔ كما مر قبلُ(۶).

ترجمۃ الباب کا دوسرا جز "وما وعد من مال البحرين" ہے۔

---

(۱) كشف الباري: ۱/۲۳۸، و: ۲/۳۲۱.

(۲) كشف الباري: ۲/٤.

(۳) النهاية في غريب الحديث والأثر: ۱/۲۲، باب الهمزة مع التاء.

(٤) عمدة القاري: ۱۵/۸۷.

(٥) حواله بالا، والقاموس الوحيد، مادة: "أثر".

(٦) عمدة القاري: ۱۵/۸۷، وإرشاد الساري: ٥/۲۳٤.

اس جز کا مقصد یہ ہے کہ امام وقت اگر کسی شخص کو جزیہ وغیرہ میں سے خصوصی طور پر کچھ دینا چاہے تو اس کی شرع میں گنجائش ہے اور اس کی اجازت ہے۔

چناں چہ باب کی دوسری حدیث میں یہی مضمون وارد ہوا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ بحرین کا مال آیا تو ہم اس میں سے تمہیں اتنا اتنا دیں گے۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے وعدہ تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کے جانشین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پورا کیا اور موعودہ مال حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے فرمایا۔

٢٩٩٣ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قالَ : أَخْبَرَنِي رَوْحُ بْنُ الْقَاسِمِ ، عَنْ مُحمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ ، عَنْ جابِرِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا(١) قالَ : كانَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ قالَ لِي : (لَوْ قَدْ جاءَنَا مَالُ الْبَحْرَيْنِ قَدْ أَعْطَيْتُكَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا) . فَلَمَّا قُبِضَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ وَجاءَ مالُ الْبَحْرَيْنِ ، قالَ أَبُو بَكْرٍ : مَنْ كانَتْ لَهُ عِنْدَ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ عِدَةٌ فَلْيَأْتِنِي ، فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ : إِنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قَدْ كانَ قالَ لِي : (لَوْ قَدْ جاءَنَا مالُ الْبَحْرَيْنِ لَأَعْطَيْتُكَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا) . فَقالَ لِي : ٱحْثُهْ ، فَحَثَوْتُ حَثْيَةً ، فَقالَ لِي : عُدَّهَا ، فَعَدَدْتُهَا فَإِذَا هِيَ خَمْسُمِائَةٍ ، فَأَعْطَانِي أَلْفًا وَخَمْسَمِائَةٍ . [ر : ٢١٧٤]

تراجم رجال

۱- علی بن عبداللہ

یہ مشہور امام حدیث حضرت علی بن عبداللہ ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے مفصل حالات کتاب العلم، "باب الفهم في العلم" کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

۲- اسماعیل بن ابراهیم

یہ اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم المعروف "بابن علیۃ" رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا مختصر تذکرہ کتاب

(١) قوله: "عن جابر رضي الله عنه": الحديث، مرّ تخريجه في الكفالة، باب من تكفل عن ميت دينا......

(٢) كشف الباري: ٢٥٦/٣.

الایمان، "باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الإیمان" کے ذیل میں آچکا(۱)۔

تنبیہ

علامہ عینی وعلامہ قسطلانی رحمہما اللہ سے اس حدیث کی سند میں یہ تسامح ہوگیا کہ ان دونوں حضرات نے اسماعیل بن ابراہیم کو "ابن علیہ" کی بجائے ابومعمر اسماعیل بن ابراہیم سمجھ لیا ہے(۲)۔

جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہاں اسماعیل سے "ابن علیہ" مراد ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیثِ باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور اسماعیل بن ابراہیم کے شیخ روح بن القاسم اور یہ امر طے شدہ ہے کہ ابن المدینی کے شیوخ میں اسماعیل بن ابراہیم نام کے جو شیخ ہیں وہ ابن علیہ ہیں، ابن المدینی ابومعمر سے روایت نہیں کرتے، اسی طرح روح بن القاسم کے تلامذہ میں ابومعمر داخل نہیں، بلکہ ان کے شاگرد تو ابن علیہ ہیں(۳)۔

۳- روح بن القاسم

یہ ابوغیاث روح بن القاسم تمیمی عنبری بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۴)۔

٤- محمد بن المنكدر

یہ مشہور تابعی محمد بن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۵)۔

٥- جابر بن عبدالله رضی الله عنهما

یہ مشہور صحابی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہیں(٦)۔

---

(۱) كشف الباري: ۲/۱۲.

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۸۷، وشرح القسطلاني: ٥/۲۳٤.

(۳) انظر تهذيب الكمال: ۳/۱۹، و: ۹/۲٥۲، و: ۲۱/٦، وتحفة الأشراف: ۲/۳٥۹، رقم (۲۰۱٥).

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب ماجاء في غسل البول.

(٥) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب صب النبي صلى الله عليه وسلم وضوءَه ......

(٦) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين......

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی مناسبت ترجمۃ الباب کے دوسرے جزء کے ساتھ بالکل واضح ہے محتاجِ شرح نہیں (۱)۔

ترجمۃ الباب کا تیسرا جزء "ولمن یقسم الفيء والجزیة؟" ہے۔

اس جزء کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر فرمائی اور اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مال فیء اور مال جزیہ کے مصارف کیا ہیں، انہیں کہاں کہاں خرچ کیا جاسکتا ہے اور کون لوگ اس کے مستحق ہوں گے (۲)۔

اس مسئلے کی تفصیل کہ جزیہ وغیرہ کے مستحق کون لوگ ہوں گے، کتاب الخمس میں مختلف مقامات پر گذر چکی ہے۔ اسی طرح جزیہ کی تعریف بھی کتاب الجزیہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔

مال فیء کی تعریف

فیء وہ مال کہلاتا ہے، جو کفار سے بغیر ایجاف خیل ورکاب یعنی لڑائی کے بغیر حاصل ہو (۳)۔

پھر یہاں جزیہ کا عطف جو فیء پر کیا گیا ہے، یہ من قبیل عطف الخاص علی العام ہے، اس لیے کہ جزیہ بھی فیء ہی کی ایک قسم ہے (۴)۔

مال فیء کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

یہاں یہ مسئلہ بھی ہے، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے درمیان بھی مختلف فیہ رہا کہ مال فیء کی تقسیم کے اندر امام وحاکم کون سا طریقہ اختیار کرے؟ اس میں تین مذاہب ہیں:

❶ امام تقسیم میں مساوات اختیار کرے، سب کو برابر حصہ دے، یہ حضرت ابوبکر وعلی رضی اللہ عنہما اور امام

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۸۷.

تنبیه: مر شرح هذا الحديث في الخمس، باب ومن الدليل على أن الخمس لنوائب المسلمين......

(۲) فتح الباري: ۶/۲۶۹.

(۳) عمدة القاري: ۱۵/۸۶، وبدائع الصنائع: ۷/۱۱۶، كتاب السير، فصل في أحكام الغنائم......

(٤) عمدة القاري: ۱۵/۸۶، وفتح الباري: ۶/۲۶۹.

شافعی علیہ الرحمۃ کا مذہب ہے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے یہ ایک روایت ہے۔

❷ امام تقسیم میں تفضیل اختیار کرے، یعنی امام کو چاہیے کہ فرق مراتب و درجات کا لحاظ رکھے، کسی کو زیادہ دے اور کسی کو کم، یہ حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کا مذہب ہے، یہی قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے(۱)۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ قدامت اسلام اور نسب کی برتری وغیرہ کا لحاظ ضروری نہیں سمجھتے تھے اور اس امر کے قائل تھے کہ ان امور کا تعلق آخرت سے ہے، کوئی شخص قدیماً مسلمان ہوا ہے تو اس کا یہ عمل اللہ کے لیے ہے، اس کا اجر بھی اللہ تعالیٰ ہی پر موقوف ہے، اس لیے مال کے استحقاق میں ان امور کو بنیاد نہیں بنانا چاہیے۔

جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرقِ مراتب کا لحاظ رکھتے، اسی بنیاد پر مال کی تقسیم کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو زیادہ عطا فرماتے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو کم، حالانکہ دونوں ازواج مطہرات میں سے تھیں! اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کرتے کہ بیٹی! تمہاری نسبت عائشہ کو اس لیے زیادہ دیتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ تم سے زیادہ چہیتی تھیں، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے باپ (عمر) کی بہ نسبت عائشہ کے باپ (ابوبکر) سے زیادہ تعلق خاطر تھا!!!

اسی طرح حضرت عمر اپنے صاحبزادے عبداللہ بن عمر کی بہ نسبت حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا حصہ زیادہ لگایا کرتے تھے اور ابن عمر سے فرمایا کرتے کہ اسامہ کو تم پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ نبی علیہ السلام کو تمہاری نسبت اسامہ سے زیادہ تعلق تھا اور تمہارے والد سے زیادہ ان کے والد حضرت زید بن حارثہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں پسندیدہ تھے(۲)۔

---

(۱) فتح الباري: ۲۶۹/٦، ومرقاة المفاتيح: ۱۰٤/۸، وبداية المجتهد: ٤۰۳/۱.

(۲) مرقاة المفاتيح: ۱۰٤/۸، وانظر للاستزادة: المصنف لابن أبي شيبة: ٤۷۲/۱۷–٤۷٦، كتاب السير، ماقالوا في الفروض وتدوين الدواوين، رقم (۳۳۵۳۹)، والسنن الكبرى للبيهقي: ۳٤۹/٦–۳۵۱، كتاب قسم الفيء والغنيمة، باب التفضيل على السابقة والنسب، رقم (۱۲۹۹۲–۱۲۹۹۸)، وكشف الأستار: ۲۹۲/۲–۲۹۵، كتاب الجهاد، باب قسمة الأموال وتدوين العطاء، رقم (۱۷۳٦)، وقصة أسامة بن زيد أخرجه الترمذي أيضاً، كتاب المناقب، باب مناقب زيد بن حارثة، رضي الله عنه، رقم (۳۸۱۳).

❸ مذہب حنفیہ اس مسئلے میں یہ ہے کہ یہ معاملہ امام کے سپرد ہے کہ جس طرح چاہے اور جسے چاہے، دے یا نہ دے، مساوات اختیار کرے یا تفضیل، اس میں امام مختار ہے(۱)۔

یہی ایک روایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ہے(۲)۔

فيء میں سے خمس نکالا جائے گا یا نہیں؟

قرآن کریم کی آیت ﴿واعلموا أنما غنمتم من شيء فأن لله خمسه......﴾ کی رو سے غنیمت سے خمس نکالا جاتا ہے، لیکن فیء میں بھی خمس ہے یا نہیں، یہ اختلافی مسئلہ ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور فقہاء کی رائے سے ہٹ کر یہ قول اختیار کیا ہے کہ فیء میں بھی خمس ہے، یہ مذہب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کا ہے نہ بعد کے ادوار میں کسی تابعی وغیرہ کا، اس لیے اس قول کو ان کا تفرد کہا جائے گا، امام ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"انفرد الشافعي بقوله: إن في الفيء الخمسَ كخمس الغنيمة، ولا يحفظ ذلك عن أحد من الصحابة ولا من بعدهم......"(۳).

۲۹۹۴ : وَقالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ ، عَنْ أَنَسٍ(٤): أُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِمَالٍ مِنَ الْبَحْرَيْنِ ، فَقَالَ : (انْثُرُوهُ فِي الْمَسْجِدِ) . فَكانَ أَكْثَرَ مالٍ أُتِيَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ، إِذْ جاءَهُ الْعَبَّاسُ ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، أَعْطِنِي إِنِّي فَادَيْتُ نَفْسِي وَفَادَيْتُ عَقِيلاً . قالَ : (خُذْ) . فَحَثَا فِي ثَوْبِهِ ، ثُمَّ ذَهَبَ يُقِلُّه ، فَلَمْ يَسْتَطِعْ ، فَقَالَ : مُرْ بَعْضَهُمْ يَرْفَعْهُ إِلَيَّ . قالَ : (لَا) . قالَ : فَارْفَعْهُ أَنْتَ عَلَيَّ ، قالَ : (لَا) . فَنَثَرَ مِنْهُ ثُمَّ ذَهَبَ يُقِلُّهُ فَلَمْ يَرْفَعْهُ ، فَقَالَ : فَمُرْ بَعْضَهُمْ يَرْفَعْهُ عَلَيَّ ، قالَ : (لَا) . قالَ : فَارْفَعْهُ أَنْتَ عَلَيَّ ، قالَ : (لَا) . فَنَثَرَ مِنْهُ ثُمَّ احْتَمَلَهُ عَلَى كاهِلِهِ ، ثُمَّ انْطَلَقَ ، فَمَا زَالَ يُتْبِعُهُ بَصَرَهُ حَتَّى خَفِيَ عَلَيْنَا ، عَجَبًا مِنْ حِرْصِهِ ، فَما قامَ

---

(١) شرح ابن بطال: ٥/٣٤٠، وفتح الباري: ٦/٢٦٩، ومرقاة المفاتيح: ٨/٩٨.

(٢) المغني لابن قدامة: ٦/٣٢٠-٣٢١، كتاب الوديعة، باب قسمة الفيء ......، فصل، رقم (٥٠٩٢).

(٣) فتح الباري: ٦/٢٦٩، ومرقاة المفاتيح: ٨/٩٨، وبداية المجتهد: ١/٤٠٣، والجوهر النقي : ٦/٢٩٤، باب الخمس في الفيء......، والمغني: ٦/٣١٣، وشرح ابن بطال: ٥/٢٥١، وإعلاء السنن: ١٢/٨٧.

(٤) مر هذا التعليق بهذا الإسناد في الصلاة، باب القسمة وتعليق ......، وذكر هناك من وصله.

رَسُولُ ٱللهِ ﷺ وَثَمَّ مِنْهَا دِرْهَمٌ . [ر : ٤١١]

تراجم رجال

۱- ابراهیم بن طهمان

یہ امام ابراہیم بن طہمان خراسانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۱)۔

۲- عبدالعزیز بن صهیب

یہ عبدالعزیز بن صہیب بنانی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب حب الرسول......" کے تحت گزر چکے(۲)۔

۳- انس

یہ مشہور صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب من الإیمان أن یحب لأخیه مایحب لنفسه" کے تحت گزر چکا(۳)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث، جس میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے، کی مناسبت ترجمۃ الباب کے تیسرے جزء کے ساتھ واضح ہے کہ ترجمہ میں یہ سوال مذکور تھا کہ فیء وجزیہ کا مستحق کون ہوگا؟ جس کا جواب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کے ذریعے دیا کہ ان میں تمام مسلمانوں کا حق ہے، اس معاملے میں فقیر وغنی کی کوئی تخصیص نہیں، اگر ہوتی تو حضرت عباس کو مال فیء سے کچھ بھی نہ ملتا کہ وہ غنی تھے(۴)۔

---

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب من اغتسل عريانا وحده.

(۲) كشف الباري: ۱۲/۲.

(۳) كشف الباري: ٤/٢.

(٤) فتح الباري: ٢٦٩/٦.

٥ - باب : إِثْمِ مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا بِغَيْرِ جُرْمٍ.

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا ہے کہ کوئی آدمی اگر ذمی یا معاہد کو قتل کرے گا اور بلا کسی جرم وحق کے اس قتل کا ارتکاب کرے گا تو وہ بڑا سخت گنہگار ہوگا اور اس کا یہ فعل کہ ذمی کو قتل کرے، کسی طور پر قابلِ قبول نہ ہوگا۔

ایک اہم فائدہ

ترجمۃ الباب کے سلسلے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ ترجمہ مقید لاتے ہیں اور روایت مطلق، مقصد یہ ہوتا ہے کہ روایت میں ترجمہ کی قید ملحوظ ہے، روایت کا اطلاق مراد نہیں (۱)۔

اسی عادت کے موافق مصنف علیہ الرحمۃ نے اس ترجمے کو بھی مقید ذکر کیا، جب کہ روایت مطلق ہے کہ اس میں "بغیر جرم" کی قید موجود نہیں، لیکن چوں کہ قواعد شرع سے یہ امر ثابت ہے کہ جرم کی بنیاد پر تو مسلمان کو قتل کرنا بھی جائز ہے، چناں چہ ذمی کا قتل بھی جائز ہوگا، اسی لیے حدیثِ باب کے الفاظ "من قتل معاهدا لم يرح......" میں بغیر جرم یا بغیر حق کی قید بہر حال ملحوظ ہوگی کہ گنہگار اسی صورت میں ہوگا کہ قتل ناحق ہو (۲)۔

اس کے علاوہ یہی روایت ابو معاویہ عن الحسن بن عمرو عن مجاہد کے طریق سے بھی مروی ہے، اس میں "بغيرِ حق" کی تصریح ہے (۳)۔

نیز حدیث باب کی مزید توضیح اس روایت سے بھی ہوتی ہے، جو حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں ہے: "من قتل معاهداً في غير كنهه، حرم الله عليه الجنة ......" (٤). کہ "جس نے کسی ذمی کو بغیر حق کے قتل کیا، اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیں گے......"۔

---

(١) كشف الباري: ١/١٧٥.

(٢) فتح الباري: ٦/٢٧٠.

(٣) السنن الكبرى للإمام البيهقي: ٨/١٣٣، كتاب القسامة، باب إثم من قتل ذميا بغير جرم......، رقم (١٦٤٨٢)، والمصنف لابن أبي شيبة: ١٤/٣١٤، كتاب الديات، في قتل المعاهد، رقم (٢٨٥٢٦).

(٤) الحديث أخرجه أبوداود، كتاب الجهاد، باب في الوفاء للمعاهد وحرمة ذمته، رقم (٢٧٦٠)، والنسائي، =

۲۹۹۵ : حدّثنا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ : حَدَّثَنَا الحَسَنُ بْنُ عَمْرٍو : حَدَّثَنَا مُجَاهِدٌ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا(۱) ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرَحْ رَائِحَةَ الجَنةِ ، وَإِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عامًا) . [٦٥١٦]

تراجمِ رجال

۱- قيس بن حفص

یہ قیس بن حفص ابومحمد دارمی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات كتاب العلم، "باب ﴿وما أوتيم من العلم......﴾" کے تحت گزر چکے (۲)۔

۲- عبدالواحد

یہ ابوبشر عبدالواحد بن زیاد بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا تذکرہ كتاب الإيمان، "باب الجهاد من الإيمان" کے تحت گزر چکا (۳)۔

۳- الحسن بن عمرو

یہ مشہور محدث حضرت حسن بن عمرو فُقیمی تمیمی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

یہ حضرت مجاہد، سعید بن جبیر، حکم بن عتیبہ، ابوالزبیر، منذر الثوری، محارب بن دثار، ابراہیم نخعی اور اپنے بھائی فضیل بن عمرو رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان سے روایت حدیث کرنے والوں میں امام سفیان ثوری، عبداللہ بن المبارک، حسن بن صالح،

=كتاب القسامة، باب تعظيم قتل المعاهد، رقم (٤٧٥١، ٤٧٥٢).

(١) قوله: "عن عبدالله بن عمرو رضي الله عنهما": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب الديات، باب إثم من قتل ذميا بغير جرم، رقم (٦٩١٤)، والنسائي، كتاب القسامة، باب تعظيم قتل المعاهد، رقم (٤٧٥٤)، وابن ماجه، كتاب الديات، باب من قتل معاهدا، رقم (٢٦٨٦).

(٢) كشف الباري: ٥٢٦/٤.

(٣) كشف الباري: ٣٠١/٢.

(٤) تهذيب الكمال: ٢٨٣/٦، وتهذيب التهذيب: ٣١٠/٢، والتاريخ الكبير: ٢٩٨/٢، رقم (٢٥٣٥).

حفص بن غیاث، عبدالواحد بن زیاد، ابومعاویہ، ابوبکر بن عیاش، محمد بن فضیل اور ان کے بھتیجے عمرو بن عبدالغفار بن عمرو رحمہم اللہ وغیرہ جیسے اساطین علم شامل ہیں (۱)۔

امام علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سعید الانصاری سے دریافت کیا کہ حسن بن عبیداللہ اور حسن بن عمرو میں سے آپ کے نزدیک کون محبوب وپسندیدہ ہیں؟ فرمایا دونوں میں حسن بن عمرو زیادہ ثبت ہیں "الحسن بن عمرو أثبتهما" (٢).

امام ابوبکر بن اثرم امام احمد رحمۃ اللہ علیہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حسن بن عمرو کے بارے میں فرمایا، "ثقة" (٣).

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة، حجة" (٤).

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "لا بأس به، صالح" (٥).

نیز علامہ ذہبی، حافظ ابن حجر، امام ابن حبان، امام نسائی اور علامہ عجلی رحمۃ اللہ علیہم نے بھی ان کی توثیق کی ہے (٦)۔

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے انہی حسن بن عمرو سے نقل کیا ہے کہ ان کے والد عمرو ان کو لے کر حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت یہ بہت چھوٹے تھے اور قرآنِ کریم پڑھ چکے تھے، حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے جب ان کی قرآن دانی کو دیکھا تو ان کے والد سے فرمایا: "تعلم من مثل هذا القرآن" (٧) کہ "ان جیسے سے تم بھی قرآن کریم سیکھ لو!"۔

---

(١) شیوخ وتلامذہ کے لیے دیکھیے، تهذيب الكمال: ٦/٢٨٣-٢٨٤.

(٢) حواله بالا: ٦/٢٨٤، والجرح التعديل: ٣/٢٩، رقم (١٠٧).

(٣) حوالہ جات بالا۔

(٤) تهذيب الكمال: ٦/٢٨٥، والجرح والتعديل: ٣/٢٩، رقم (١٠٧).

(٥) حوالہ جات بالا۔

(٦) الكاشف للذهبي: ١/٣٢٨، والتقريب لابن حجر: ١/٢٠٧، رقم (١٢٧١)، وتهذيب التهذيب: ٢/٣١٠، وتعليقات تهذيب الكمال: ٦/٢٨٥.

(٧) الطبقات لابن سعد: ٦/٣٤١، وتهذيب الكمال: ٦/٢٨٥.

حسن بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ وفات کے وقت یہ وصیت کر گئے تھے کہ ان کے کپڑے مجھے دیے جائیں (۱)۔

یہ عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور کے اوائل خلافت میں ۱۴۲ھ کو بمقام کوفہ انتقال کر گئے (۲)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ امام ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے روایات لی ہیں (۳)۔

نیز صحیح بخاری میں ان کا ذکر صرف دو مقامات پر آیا ہے، ایک تو حدیثِ باب میں، جو اس طریق سے کتاب الدیات (۴) میں بھی آئی ہے، دوسرے کتاب الادب (۵) میں (۶)۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

٤- مجاهد

یہ شیخ القراء حضرت مجاہد بن جبر مکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب الفهم في العلم" کے تحت آچکا ہے (۷)۔

٥- عبدالله بن عمرو

یہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب المسلم من سلم المسلمون......" کے تحت گزر چکے (۸)۔

سندِ حدیث سے متعلق ایک اہم بحث

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر اس حدیث کی سند کے حوالے سے یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ حدیث منقطع

(۱) الطبقات الكبرى: ٦/٣٤١.

(۲) حوالہ بالا، وتهذيب الكمال: ٦/٢٨٥.

(۳) تهذيب الكمال: ٦/٢٨٥.

(٤) صحيح بخاري، كتاب الديات، باب إثم من قتل ذميا......، رقم (٦٩١٤).

(٥) انظر صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ليس الواصل بالمكافيء، رقم (٥٩٩١).

(٦) فتح الباري: ٦/٢٧٠، وعمدة القاري: ١٥/٨٨.

(٧) كشف الباري: ٣/٣٠٧.

(٨) كشف الباري: ١/٦٧٩.

ہے، کیوں کہ حضرت مجاہد کا سماع حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے ثابت نہیں، چناں چہ علامہ بردیجی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "المتصل والمرسل" میں لکھتے ہیں:

"مجاهد عن ابن عمرو، ولم يسمع منه"(١).

اس کے علاوہ امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے طریق کو رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ "مروان بن معاوية عن الحسن بن عمرو عن مجاهد عن جنادة بن أبي أمية عن عبدالله بن عمرو"(٢) کا طریق ہی زیادہ صحیح ہے کہ اس میں حضرت مجاہد اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے درمیان ایک واسطے یعنی جنادہ کا اضافہ ہے، جس سے انقطاع ختم ہو جائے گا(٣)۔

لیکن ان حضرات کی یہ بات بوجوہ صحیح نہیں:

❶ امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا سماع حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے، نیز وہ مدلس بھی نہیں کہ ان پر تدلیس کا الزام دھرا جائے۔

❷ دونوں طرق میں تطبیق بھی ممکن ہے کہ امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت اولاً جنادہ سے سنی ہو، پھر جب ان کی ملاقات حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے ہوئی، تو ان سے بھی سن لی ہو یا دونوں نے ایک ساتھ حضرت عبداللہ سے سماع کیا ہو، بعد ازیں حضرت مجاہد جب اس روایت کو بیان کرنے لگے تو کبھی حضرت عبداللہ بن عمرو سے نقل کی، کبھی جنادہ سے(٤)۔

❸ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مروان اگر چہ عبدالواحد کے مقابلے میں اثبت ہیں اور انہوں نے سند میں ایک راوی کا اضافہ بھی نقل کیا ہے، لیکن عبدالواحد کے متابع موجود ہیں، چناں چہ ان کی متابعت

---

(١) عمدة القاري: ١٥/٨٨.

(٢) أخرجه النسائي في الصغرى، كتاب القسامة، باب تعظيم قتل المعاهد، رقم (٤٧٥٤)، والكبرى: ٤/٢٢١، كتاب القسامة، تعظيم قتل المعاهد، رقم (٦٩٥٢)، وكتاب السير: ٥/٢٢٥ ......، رقم (٨٧٤٢)، وأحمد في مسنده: ٢/٦٤٦، مسند عبدالله بن عمرو ......، رقم (٦٧٤٥)، والبيهقي في الكبرى: ٨/١٣٣، رقم (١٢٤٨٣)، و: ٩/٢٠٥، رقم (١٨٧٣٣).

(٣) هدي الساري: ٥٢٦، وعمدة القاري: ١٥/٨٨، وأيضاً انظر تحفة الأشراف: ٦/٢٨٥، و٣٧٧.

(٤) حوالہ بالا، وفتح الباري: ٦/٢٧٠، وتعليقات الشيخ محمد عوامة على المصنف: ١٤/٣١٤.

ابومعاویہ نے کی ہے، ابن ماجہ نے اس کو اپنے طریق سے روایت کیا ہے(۱)۔ اسی طرح عمرو بن عبدالغفار فقیمی بھی ان کی متابعت کرتے ہیں، جس کو امام اسماعیلی نے نقل کیا ہے تو بظاہر عبدالواحد کی روایت ارجح ہے(۲)۔

اصیلی کا ایک تسامح

صحیح بخاری کے تمام نسخوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حدیثِ باب ''مسند عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما'' میں سے ہے، لیکن اصیلی رحمۃ اللہ علیہ نے "الجرجاني عن الفربري" کے طریق سے "عبدالله بن عُمر" (بضم العین، بغیر واو) نقل کیا ہے، جو کہ تصحیف ہے اور اس کی نشاندہی جیانی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے(۳)۔

عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة".

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جس کسی نے کسی ذمی کو قتل کیا، تو وہ جنت کی خوش بو نہیں پائے گا۔

''یرح'' کے معنی اور ضبط

یہاں فعل "یرح" لم جازمہ کی وجہ سے مجزوم ہے، اس کے ضبط میں تین اقوال ہیں:

❶ ابوعبید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ راحه يَراحه روحا سے ہے۔

❷ ابن التین رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ یہ أراحه يُريحه إراحة سے ہے، مزید فرماتے ہیں کہ پہلا ضبط بہتر ہے اور یہی اکثر کا قول ہے۔

❸ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ راحه يَرِيحه سے ہے۔

اور تینوں صورتوں میں معنی ایک ہی ہیں، علامہ جوہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی بُو پانے کے ہیں، "راح الشيء يراحه ويريحه: إذا وجد ريحه"(٤).

---

(١) رواه ابن ماجه في كتاب الديات، باب من قتل معاهدا، رقم (٢٦٨٦).

(٢) هدي الساري: ٥٢٦، وفتح الباري: ٦/٢٧٠.

(٣) فتح الباري: ٦/٢٧٠، وعمدة القاري: ١٥/٨٨.

(٤) حوالہ جات بالا، وإرشاد الساري: ٥/٢٣٥، وشرح ابن بطال: ٨/٥٦٤، وشرح الكرماني: ١٣/١٣٢، والصحاح للجوهري: ٤٣٦، مادة: "روح".

وإن ريحها توجد من مسيرة أربعين عاما

اور جنت کی خوش بوتو چالیس سال کی مسافت سے محسوس ہوتی ہے۔

حدیث باب کا مطلب یہ ہے کہ جنت جس کی خوش بو اتنی تیز ہے کہ اگر کوئی شخص جنت سے چالیس سال کی مسافت وفاصلے پر ہوتو وہ بھی اس کی خوشبو محسوس کرسکتا ہے، لیکن ذمی کے قتل کی یہ سزا ہے کہ قاتل اتنی مسافت سے محسوس کی جانے والی خوشبو سے بھی محروم رہے گا، دخولِ جنت تو دور کی بات ہے۔ مقصود وعید ہے کہ اول وہلہ میں جنت میں داخل ہونے والوں کے ساتھ یہ داخل نہ ہوسکے گا، اپنی سزا بھگتنے کے بعد ہی داخل ہوگا۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت خاص کے تحت معاف فرمادیں۔ بہرحال ذمی کے قتل سے پرہیز ضروری ہے اور یہ بغیر کسی حق کے کسی طور پر جائز نہیں (۱)۔

یا حدیثِ باب میں بیان کردہ سزا مستحل کی ہے، یعنی جو کسی ذمی کو بغیر کسی حق کے قتل کرنا حلال سمجھے، اس کی یہ سزا ہوگی۔

حدیث میں مذکور عدد میں رواۃ کا اختلاف اور ان اعداد کی توجیہ

جنت کی خوش بو کتنی مسافت وفاصلے سے محسوس ہوگی، اس میں روایات مختلف ہیں، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت میں اکثر رواۃ نے "أربعین عاما" نقل کیا ہے، جب کہ عمرو بن عبدالغفار کی روایت، جس کی تخریج اسماعیلی نے کی ہے، میں "سبعین" کا لفظ وارد ہے، حضرت ابو ہریرہ (۲) اور حضرت ابوبکرہ (۳)

---

(۱) شرح ابن بطال: ٣٤١/٥، وعمدة القاري: ٨٩/١٥، وإرشاد الساري: ٢٣٥/٥.

(۲) انظر الجامع للترمذي، كتاب الديات، باب فيمن يقاتل نفسا......، رقم (١٤٠٣)، ومسند أبي يعلى: ٤٦٧/٥، مسند أبي هريرة، رقم (٦٤٢١)، والمستدرك: ١٣٨/٢، كتاب الجهاد، رقم (٢٥٨١)، وشرح السنه: ٣٧٦/٥، كتاب القصاص، باب إثم من قتل معاهدا، وجامع الأصول: ٦٥١/٢، كتاب الجهاد، رقم (١١٣٨)، وجمع الجوامع: ٣١٠/٣، حرف الهمزة، رقم (٩٠٤١).

(۳) شرح السنة: ٣٧٦/٥، كتاب القصاص، رقم (٢٥١٦)، ومسند الإمام البزار: ١٠٢/٩، حديث أبي بكرة، رقم (٣٦٤٠)، ومسند أحمد، رقم (٢٠٧٤٣)، و(٢٠٧٨٩)، مسند أبي بكرة نفيع، وموارد الظمآن ٣٦٨، رقم (١٥٣٠-١٥٣١)، والمستدرك: ١٣٧/٢، رقم (٢٥٧٩)، وسنن البيهقي الكبرى: ٢٢٩/٨-٢٣٠، رقم (١٦٤٨٤).

رضی اللہ عنہما کی احادیث میں بھی "سبعین" کا لفظ آیا ہے اور موطا و مسلم شریف (۱) کی روایت، جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، میں خمسمائة سنة یعنی پانچ سو سال کا عدد مذکور ہے۔

اس اختلافِ عدد کی مشہور توجیہ وہی ہے جو محدثین وشراح اس طرح کے مقامات میں ذکر کیا کرتے ہیں کہ حدیث کی مراد بعد مسافت ہے کہ جنت کی خوشبو بہت دور سے ...... محسوس کی جائے گی، چناں چہ اس بُعد مسافت کو مختلف اعداد سے تعبیر کیا گیا، کبھی چالیس، کبھی ستر اور کبھی پانچ سو سال کا ذکر کیا گیا (۲)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت بالکل واضح ہے، ترجمہ کسی ذمی کو بغیر کسی حق کے قتل کی شناعت کے بیان میں تھا، حدیث میں بھی اس جرم کی سزا بیان کی گئی ہے کہ اس جرم کے مرتکب کو سخت سزا ہوگی (۳)۔

اسی سے اس بات کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام میں ذمی کے بھی کس قدر حقوق ہیں کہ ایک مسلمان کو اس امر سے ڈرایا جا رہا ہے کہ اس کو کوئی گزند نہ پہنچائے۔

٦ - باب : إِخْرَاجِ الْيَهُودِ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد تو یہاں ظاہر ہے، یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہودیوں کو جزیرہ عرب میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہے، ان کو وہاں سے نکالا جائے گا (۴)۔

---

(۱) الحديث أخرجه مسلم في كتاب اللباس والزينة، باب النساء الكاسيات العاريات، رقم (٥٥٨٢)، و(٧١٩٤)، إلا أن العدد المعين غير مذكور فيه، ومالك في المؤطأ: ٩١٣/٢، كتاب اللباس، باب مايكره للنساء لبسه من الثياب، رقم (٧).

(٢) الأوجز: ١٧١/١٦.

(٣) عمدة القاري: ٨٨/١٥.

(٤) عمدة القاري: ٨٩/١٥.

جزیرۂ عرب کی تعریف اور وہاں اقامت کفار کا حکم

جزیرہ عرب کے اندر کسی بھی کافر کو وطن بنانے اور اقامت اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے، اس پر ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا اتفاق ہے، البتہ ان کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ اس حکم کا اطلاق کن کن علاقوں یا شہروں پر ہوتا ہے؟

چناں چہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حکم، کہ کفار جزیرۂ عرب میں اقامت اختیار نہیں کرسکتے، حجاز (۱) کے ساتھ خاص ہے، جس میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، خیبر، ینبع، فدک، یمامہ اور ان کے آس پاس کے، جو علاقے ہیں، وہ سب داخل ہیں (۲)۔

امام اعظم امام ابوحنیفہ وامام مالک رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک یہ حکم پورے جزیرۂ عرب کو شامل ہے، یعنی اقصائے عدن ابین سے لے کر عراق کے دیہاتوں تک طولاً اور جدہ ومضافات سے لے کر شام کے اطراف تک عرضاً، قاله الأصمعي رحمه الله (۳).

ایک اہم تنبیہ

یہاں یہ بات بھی واضح ہونی چاہیے کہ کفار کو جو اقامت کی ممانعت ہے، وہ تین دن سے اکثر مدت کے لیے ہے، اگر تین دن سے کم مدت کے لیے اقامت اختیار کریں، مثلاً تجارت وغیرہ کی غرض سے رہیں تو اجازت ہوگی، لیکن حاکم وقت کی اجازت ضروری ہوگی۔ البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس رعایت سے مکہ مکرمہ اور اس کا حرم مستثنیٰ ہے، مکہ مکرمہ میں کسی کافر کو داخل ہونے کی اجازت ہے، نہ ہی داخل کرنے کی، اگر کوئی وہاں خفیہ طور پر داخل ہو بھی گیا تو اسے نکالا جائے گا، اسی دوران اگر مر گیا، تدفین بھی ہوگئی، لیکن بعد میں معلوم ہوا تو اس کی قبر کو کھول کر اس کی لاش (بشرطیکہ خراب نہ ہوئی ہو) حرم سے باہر پھینک دی جائے گی، چناں چہ یہ حرم کی خصوصیت ہے کہ وہاں کوئی کافر داخل نہیں ہوسکتا (۴)۔

---

(۱) "وإنما سمي حجازا؛ لأنه حجز بين تهامة ونجد". انظر المغني: ۲۸٦/۹، وإعلاء السنن: ۵۲۳/۱۲.

(۲) المغني: ۲۸۵/۹، والأوجز: ٦٤۹/۱۵، وشرح النووي على مسلم: ۱۵/۲، أول كتاب المساقاة......

(۳) فتح القدير: ۳۰۱/۵، والأوجز: ٦۵۵/۱۵، والمغني: ۲۸۵/۹، رقم (۷٦٦۹).

(۴) فتح الباري: ۱۷۱/٦، رقم (۳۰۵۳)، والدر المختار: ۳۰۱/۳، كتاب الجهاد، فصل في "الجزية"، =

فریقین کے دلائل

مذکورہ بالا مسئلے میں فریقین ان تمام روایات سے استدلال کرتے ہیں، جن میں مشرکین، یہود ونصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے نکالنے کا حکم ہے، مثلاً: "أخرجوا المشركين من جزيرة العرب"(۱) یا "لا يجتمع دينان في جزيرة العرب"(۲) وغيرهما من الروايات.

البتہ جزیرۂ عرب کے اطلاق میں چونکہ ان حضرات کا اختلاف ہے، امام شافعی واحمد رحمہما اللہ اس کو حجاز کے ساتھ خاص کرتے ہیں، اس لیے یہ حضرات ائمہ مذکورہ بالا احادیث کے کلمات "جزيرة العرب" پر "العام أريد به الخاص" کا اطلاق کرتے ہوئے اس سے ''حجاز'' مراد لیتے ہیں (۳)۔

نیز ایک روایت میں ''جزیرۃ العرب'' کی بجائے ''الحجاز'' وارد ہوا ہے، چناں چہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے قبل جو سب سے آخری کلام فرمایا تھا، وہ یہ تھا، "أخرجوا اليهود من الحجاز"(٤).

= والأوجز: ١٥/ ٦٥٠، والمغني: ٢٨٦/٩، وحاشية الدسوقي مع الشرح الكبير للدردير: ٢/٥١٩-٥٢٠، فصل عقد الجزية.

(١) الحديث أخرجه البخاري في نفس هذا الباب، وفي مواضع من صحيحه، ومسلم في صحيحه، كتاب الوصية، باب ترك الوصية لمن ليس له شيء ......، رقم (٤٢٠١)، ولم يخرجه غير الشيخين، من رواية ابن عباس رضي الله عنهما.

(٢) انظر الموطأ للإمام مالك بن أنس: ٢/٨٩٢-٨٩٣، كتاب الجامع، باب في إجلاء اليهود من المدينة، رقم (١٧-١٩)، وابن أبي شيبة: ١٧/ ٥١٥، رقم (٣٣٦٦٣)، وأيضاً برقم (٢٩٦١٧).

(٣) شرح الكرماني: ١٣/ ١٣٢، وعمدة القاري: ١٥/ ٨٩.

(٤) الحديث أخرجه ابن أبي شيبة: ١٧/ ٥١٥، كتاب السير، لا يجتمع اليهود والنصارى ......، رقم (٣٣٦٦٢)، وابن أبي عاصم، الآحاد والمثاني: ٤٠، رقم الترجمة (١٠)، وأحمد في مسنده: ١/ ٥٢٠، و٥٢٣، مسند أبي عبيدة بن الجراح ......، رقم (١٦٩١)، وأيضاً (١٦٩٩)، والطيالسي في مسنده: ١/ ١٢٣، رقم (٢٢٦)، والحميدي في مسنده: ١/ ٤٦، رقم (٨٥)، والبخاري في التاريخ الكبير: ٤/ ٥٧، رقم (١٩٥٠)، باب السين، والدارمي في سننه: ٢/ ٣٠٥-٣٠٦، كتاب الجهاد، باب إخراج المشركين ......، =

جب کہ امام ابوحنیفہ وامام مالک رحمہما اللہ ان تمام روایات کو اپنے عموم پر محمول کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم پورے جزیرۂ عرب کو شامل ہے، جس میں عراق، شام، جدہ اور عدن وغیرہ سب داخل ہیں (۱)۔

ائمہ حنفیہ ومالکیہ کا استدلال بھی حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی روایتِ مذکورہ بالا سے ہے، فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا: "وأخرجوا أهل نجران من جزيرة العرب" (۲) چناں چہ اسی فرمان نبوی پر عمل کرتے ہوئے بعد میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اہلِ نجران کو وہاں سے نکال باہر کیا تھا۔

ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ احناف کی مذکورہ بالا دلیل کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصاریٰ نجران کو اس لیے نہیں نکالا تھا کہ وہ جزیرۂ عرب کے اندر رہتے تھے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ ان کے ساتھ نبی علیہ السلام نے صلح اس شرط پر کی تھی کہ وہ سودی لین دین نہیں کریں گے، لیکن جب انہوں نے مذکورہ بالا وعدہ نہیں نبھایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے نقضِ عہد کو دیکھتے ہوئے نجران سے ان کو نکال دیا (۳)۔

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ دعویٰ بظاہر درست نہیں، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذکورہ فعل نبی علیہ السلام کی وصیت کی تنفیذ کے لیے تھا، چناں چہ امام مالک رحمہ اللہ کا

= رقم (۲۴۹۸)، وأبو يعلى في مسنده: ۳۵۹/۱، رقم (۸۶۹)، والبيهقي في الكبرى: ۳۵۰/۹، كتاب الجزية، باب لايسكن الحجاز......، رقم (۱۸۷۴۹).

(۱) وفي الدر المختار: "ويمنعون من استيطان مكة والمدينة؛ لأنهما من أرض العرب، وقال عليه السلام: "لايجتمع في أرض العرب دينان" قال ابن عابدين رحمه الله: "قوله: "لأنهما من أرض العرب" أفاد أن الحكم غير مقصور على مكة والمدينة؛ بل جزيرة العرب كلها كذلك" الفتاوىٰ الشامية: ۳۰۱/۳، مع الدر، فصل في الجزية، من كتاب الجهاد، وأيضاً انظر فتح القدير: ۳۰۱/۵، والهداية: ۲۹۶/۴-۲۹۷.

(۲) ابن أبي شيبه في مصنفه: ۵۱۵/۱۷، كتاب السير، رقم (۳۳۶۶۲)، والدارمي في سننه: ۳۰۶/۲، رقم (۲۴۹۸)، وابن أبي عاصم في الآحاد والمثاني: ۴۰، وأحمد في المسند: ۵۲۰/۱، رقم (۱۶۹۱)، والبيهقي في الكبرى: ۳۵۰/۹، رقم (۱۸۷۴۹)، وأبو يعلى في مسنده: ۳۵۹/۱، رقم (۸۶۹).

(۳) المغني: ۲۸۶/۹.

مؤطا میں کلام، علامہ سرخسی کی تصریح اور علامہ ابوعبید کا قول اسی پر دلالت کرتا ہے(۱) اور یہی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے، علامہ بلاذری حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہما اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

"أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال في مرضه: "لايبقين دينان في أرض العرب" فلما استخلف عمر بن الخطاب رضي الله عنه أجلى أهل نجران إلى النجرانية، واشترى عقاراتهم وأموالهم"(۲).

اس لیے راجح یہی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصاریٰ نجران کو جلا وطن جو کیا تھا، اس کی وجہ یہی وصیت تھی، اس کے ساتھ ساتھ ان کی سود خوری کا معاملہ بھی تھا، نیز انہوں نے سامانِ جنگ یعنی گھوڑے اور اسلحے بھی تیار کر رکھے تھے، جس کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف سے مختلف خدشات واندیشے لاحق ہوئے کہ یہ کہیں مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچائیں، انہی خدشات کے پیش نظر انہوں نے اہلِ نجران کو یمن سے نکال کر نجران عراق کی طرف منتقل کر دیا(۳)۔ واللہ اعلم بالصواب

علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے خاص

امام ابن جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اس مسئلے کے بارے میں یہ ہے کہ مذکورہ حکم جزیرہ عرب ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ جو علاقہ بھی مسلمانوں کا ہوگا، وہاں ان کا غلبہ ہوگا، ایسے علاقے میں کسی مشرک کو

---

(۱) انظر الموطأ: ۲/۸۹۳، كتاب الجامع، باب في إجلاء اليهود من المدينة، رقم (۱۹).

(۲) فتوح البلدان ۷۷-۷۸، صلح نجران.

خود حضرت عمر بن عبدالعزیز کا اپنا عمل بھی یہی نقل کیا گیا ہے کہ جب وہ خلیفہ بنے تو انہوں نے اہل ذمہ کو مدینہ منورہ سے نکال باہر کیا اور ان کے غلام وغیرہ مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کروا دیے۔ دیکھیے، المصنف: ۱۷/۵۱۶، رقم (۳۳۲۶۵).

(۳) إعلاء السنن: ۱۲/۵۲۴. قال صاحب البدائع: انظر البدائع: ۷/۱۱٤، كتاب السير، قبيل فصل في أحكام الغنائم......

"وأما أرض العرب فلا يترك فيها كنيسة ولا بيعة، ولا يباع فيها الخمر والخنزير، مصرا كان أو قرية أو ماءً من مياه العرب، ويمنع المشركون أن يتخذوا أرض العرب مسكنا ووطنا، كذا ذكره محمد؛ تفضيلا لأرض العرب على غيرها، وتطهيرا لها عن الدين الباطل. قال عليه السلام: "لا يجتمع دينان في جزيرة العرب".

ٹھہرنے، سکونت اختیار کرنے اور وطن بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی، خواہ وہ مسلمانوں کا مفتوحہ علاقہ ہو، یا وہاں کے باشندے مسلمان ہوگئے ہوں، بشرطیکہ مسلمانوں کو ان مشرکین کی ضرورت واحتیاج نہ ہو یا امام مسلمین نے ان سے شرائط صلح طے کرتے ہوئے یہ وعدہ نہ کیا ہو کہ ان کو اپنے علاقے سے نہیں نکالا جائے گا، چناں چہ اگر ایسی کوئی شرط فریقین میں طے نہ پائی ہو تو مشرکین کو بہر حال نکالنا امام وقت پر واجب ہوگا......

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”قال الطبري: فيه من الفقه أن النبي صلى الله عليه وسلم بيَّن لأئمة المؤمنين إخراج كل من دان بغير دين الإسلام من كل بلدة للمسلمين؛ سواء كانت تلك البلدة من البلاد التي أسلم عليها أهلها، أومن بلاد العنوة، إذا لم يكن بالمسلمين ضرورة إليهم، ولم يكن الإسلام يومئذٍ ظهر في غير جزيرة العرب ظهورَ قهر، فبان بذلك أن سبيل كل بلدة قهر فيها المسلمون أهل الكفر، ولم يكن تقدم قبل ذلك من إمام المسلمين لهم عقد صلح على إقرارهم فيها أن على الإمام إخراجَهم منها، ومنعَهم القرارَ بها......“(۱).

البتہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس قول میں متفرد معلوم ہوتے ہیں، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر اس پر عمل کیا گیا ہوتا تو آج بہت سے علاقے ایسے ہوتے کہ وہاں سے کفر کا بالکلیہ خاتمہ ہو چکا ہوتا اور یہ جو سابقہ وموجودہ مسلم ریاستوں میں غیروں کا تسلط ہے، یہ نہ ہوتا۔

حرم مکی ودیگر مساجد میں کفار کا داخلہ

اوپر کی سطروں میں جو مسئلہ بیان کیا گیا وہ کفار ومشرکین کا جزیرۂ عرب میں اقامت اختیار کرنے سے متعلق تھا، اب یہاں ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ کفار حرم مکی، مسجد حرام اور دیگر مساجد میں داخل ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

اس مسئلے میں بھی اختلاف ہے، جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ کفار حرم مکی، مسجد حرام وغیرہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ البتہ یہ حضرات حرم ومسجد حرام اور دیگر مساجد کے درمیان یہ فرق بھی کرتے ہیں کہ اول الذکر

(۱) شرح ابن بطال: ۳۴۲/۵، وفتح الباري: ۲۷۲/٦، وعمدة القاري: ۹۰/۱۵.

مقامات میں تو وہ کسی طور پر داخل نہیں ہو سکتے، امام وقت پر ان کا روکنا واجب ہے، جب کہ دیگر مساجد میں وہ مسلمانوں کی اجازت ومرضی سے داخل ہو سکتے ہیں، اس کے بغیر نہیں (۱)۔

جب کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مشہور قول جواز کا ہے کہ ان تمام مقامات میں کفار داخل ہو سکتے ہیں (۲)۔

دلائل جمہور

❶ ارشاد خداوندی ہے: ﴿يا أيها الذين آمنوا إنما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا﴾(۳).

آیت کریمہ میں "المسجد الحرام" سے پورا حرم مراد ہے (۴)۔ اور اس سے یہی مترشح ہو رہا ہے کہ کفار کو حرم مکی اور مسجد حرام میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر آج تک اسی پر عمل ہوتا چلا آ رہا ہے۔

❷ حضرت ابوموسیٰ اشعری ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور ان کے ہاتھ میں ایک تحریر تھی، حضرت عمر نے فرمایا کہ اپنے کاتب کو بلاؤ، تا کہ وہ اس تحریر کو پڑھے، حضرت ابوموسیٰ اشعری نے فرمایا کہ وہ تو مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا، فرمایا کیوں؟ حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا کہ وہ نصرانی ہے۔

اس واقعے سے بھی معلوم یہی ہوا کہ غیر مسلم مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا، نیز یہ بھی کہ یہ بات ان کے نزدیک مشہور ومعروف تھی (۵)۔

❸ مشرکین کو نجس فرمایا گیا ہے، لہٰذا ان کا داخلہ بھی مساجد میں اسی طرح ممنوع ہونا چاہیے، جس طرح کہ جنب، حائضہ ونفساء کے لیے ممنوع ہے، بلکہ نجاست مشرک تو ان نجاستوں سے بڑھ کر ہے (۶)۔

---

(۱) انظر المغني: ۹/۲۸۷، والأم: ۱/۵٤، باب ممر الجنب والمشرك ......، من كتاب الطهارة، و: ٤/۱۷۷، كتاب السير، مسألة إعطاء الجزية على سكنى بلد......، والأوجز: ۱۵/۶۵۰-۶۵۲.

(۲) المغني: ۹/۲۸۷، وإعلاء السنن: ۱۲/۵۲۹، وأحكام القرآن: ۳/۱۱٤.

(۳) التوبة/۲۸.

(٤) المغني: ۹/۲۸۶، وأحكام القرآن: ۳/۸۹، والأوجز: ۱۵/۶۵۰، وإعلاء السنن: ۱۲/۵۲۹.

(۵) المغني: ۹/۲۸۷، والأوجز: ۱۵/۶۵۲.

(۶) حواله جات بالا.

۴-تمام مساجد سے متعلق دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، انہوں نے ایک مجوسی کو دیکھا کہ وہ مسجد کے منبر پر بیٹھا ہوا تھا، اسے وہاں سے اتارا گیا اور حضرت نے اسے مارا پیٹا اور ابواب کندہ کی طرف سے اسے باہر نکال دیا(۱)۔

اس واقعے سے دخول مسجد کا مشروط ہونا معلوم ہوا کہ اجازت بہر حال ضروری ہے۔

دلائل امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ

❶ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد ثقیف کو اپنی مسجد میں ٹھہرایا تھا، حالانکہ وہ کفار تھے اور مساجد ساری برابر ہوتی ہیں، اس لیے مسجد حرام میں کوئی کافر داخل ہو تو ہو سکتا ہے(۲)۔

❷ نیز نبی علیہ السلام نے حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی میں بحالت شرک ٹھہرایا تھا(۳)۔

❸ حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ بھی قبولِ اسلام سے قبل مسجد نبوی میں صلح وغیرہ کے لیے آیا جایا کرتے تھے(۴)۔

تحقیق مذہب احناف

یہاں علماء کو بقول علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول و مذہب سمجھنے میں

---

(۱) المغني: ۲۸۷/۹، والأوجز: ۶۵۱/۱۵.

(۲) عن عثمان بن أبي العاص رضي الله عنه: "أن وفد ثقيف لما قدموا على رسول الله صلى الله عليه وسلم ضرب لهم قبة في المسجد، فقالوا: يا رسول الله، قوم أنجاس! فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنه ليس على الأرض من أنجاس الناس شيء، إنما أنجاس الناس على أنفسهم". اللفظ للجصاص: ۱۱۵/۳، التوبة: ۲۸، وكذا انظر سنن أبي داود، كتاب الخراج......، باب ماجاء في خبر الطائف، رقم (۳۰۲۶)، ومسند أحمد: ۱۴۸/۵، حديث عثمان بن أبي العاص، رقم (۱۸۰۷۴)، ومسند أبي داود الطيالسي: ۵۰۱/۱، رقم (۹۸۱)، وما أسند عن عثمان......

(۳) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: "بعث النبي صلى الله عليه وسلم خيلا قبل نجد، فجاءت برجل من بني حنيفة، يقال له: ثمامة بن أثال، فربطوه بسارية من سواري المسجد......". انظر الصحيح للبخاري، كتاب المغازي، باب وفد بني حنيفة، وحديث ثمامة ......، رقم (۴۳۷۲).

(۴) السير الكبير مع شرحه للسرخسي: ۹۶/۱/۱، وإعلاء السنن: ۵۳۰/۱۲، والأوجز: ۶۵۲/۱۵.

مغالطہ ہوا ہے، اسی بنیاد پر اکثر ناقلین مذہب نے یہ نقل کر دیا ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس بات کے قائل ہیں کہ کافر کو مسجد حرام، حرم مکی اور دیگر مساجد میں داخلے کی مطلقاً اجازت ہے(۱)۔

لیکن امام اعظم، دیگر علمائے احناف میں سے کسی کا بھی مذہب یہ نہیں ہے، بلکہ وہ اسے امام وقت اور حاکم شہر کی اجازت کے ساتھ مشروط ٹھہراتے ہیں کہ ان کی اجازت ہو تو داخل ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔

دیگر علمائے مذاہب کے ساتھ احناف کا جو اختلاف ہے، اس کی بنیاد بھی یہی ہے کہ جمہور وجوب منع کے قائل ہیں کہ امام پر یہ لازم ہے کہ کفار کو دخول حرم وغیرہ سے روکے، جب کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ عدم وجوب کے قائل ہیں کہ منع کرنا اور کفار کو دخول حرم سے روکنا واجب نہیں، امام وقت جس میں مصلحت سمجھے اسی کو اختیار کرے، علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اختلاف مذاہب نقل کرنے کے بعد امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل کے طور پر یہ آیت کریمہ بھی نقل کی ہے: ﴿أولئك ما كان لهم أن يدخلوها إلا خائفين﴾(۲). اس آیت سے معلوم یہی ہو رہا ہے کہ اگر کفار ہماری مساجد اور حرم وغیرہ میں داخل ہوں بھی تو ڈرے اور سہمے ہوئے داخل ہوں(۳)۔ اور خوف وفزع کی یہ کیفیت تبھی حاصل ہوگی جب وہ مسلمانوں کی اجازت سے داخل ہوں گے۔

اس تحقیق کو نقل کرنے کے بعد علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"وهذا هو مذهب الحنفية في هذا الباب، ولكنهم لايرون المنع واجباً، فلو منعهم الإمام والمسلمون عن ذلك كان حسنا، وإن أذنوا لهم فيه لحاجة فلا بأس به، هذا هو الحق الذي ظهر لي من كلام القوم"(٤).

علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں اس بات کی تصریح کی ہے کہ "هذا هو الحق". ان کو اس کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال میں ظاہری تعارض ہے، اس مسئلے میں ان کے دو قول ہیں، چناں چہ ان کی تصنیف "الجامع الصغیر" کی عبارت سے اجازت معلوم ہوتی ہے، فرماتے ہیں: "ولا بأس

---

(١) قال الموفق في المغني (٩/٢٨٦): "...... وقال أبوحنيفة: لهم دخوله كالحجاز كله".

(٢) البقرة: ١١٤.

(٣) روح المعاني: ١/٤٩٦، سورة البقرة/١١٤.

(٤) إعلاء السنن: ١٢/٥٣١.

بأن يدخل أهل الذمة المسجد الحرام"(١).

اس عبارت میں جواز مع الکراہیۃ کی طرف اشارہ ہے۔

جب کہ سیر کبیر (٢) کی عبارت سے ممانعت معلوم ہوتی ہے، اس تعارض کو ختم کرنے کے لیے علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا بات ارشاد فرمائی، کیونکہ ممکن حد تک رفع تعارض کے لیے جمع اور تطبیق کی صورت اختیار کرنی چاہیے (٣)۔

علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی تائید امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی آیت کریمہ ﴿أولئك ما كان لهم ان يدخلوها إلا خائفين......﴾(٤) کی تفسیر سے بھی ہوتی ہے، فرماتے ہیں کہ اس ارشادِ باری تعالیٰ کا حاصل یہ ہے کہ اگر کفار مساجد میں بغیر اجازت داخل ہو جائیں تو مسلمانوں پر یہ لازم ہے کہ ان کو وہاں سے نکال دیں، اگر اس طرح کا معاملہ ان کے ساتھ نہ کیا گیا تو یہ کفار مساجد میں داخل ہوتے وقت بے خوف ہوں گے اور مطلوبِ شرعی ان کو خوف زدہ کرنا ہے (٥)۔

جمہور کے دلائل کا جواب

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے جمہور کی دلیل آیت کریمہ ﴿يا أيها الذين آمنوا انما المشركون نجس......﴾ کے مختلف جوابات دیے گئے ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

❶ بنوثقیف کے وفد کی آمد خدمت نبوی میں غزوہ تبوک کے بعد ہوئی، سورۂ توبہ بھی اس وقت نازل ہو چکی تھی، اس کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا۔ چناں چہ ان کی نجاست باطنی جب

(١) إعلاء السنن: ١٢/٥٣٠، والدر المختار: ٣٠١/٣، كتاب السير، فصل في الجزية، وكتاب الحظر والإباحة: ٢٧٤/٥، فصل في البيع.

(٢) عن الزهري: "أن أبا سفيان بن حرب كان يدخل المسجد في الهدنة، وهو كافر، غير أن ذلك لا يحل في المسجد الحرام، قال الله تعالىٰ: ﴿إنما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام﴾، انظر السير الكبير: ١/١/٩٦، باب دخول المشركين المسجد، رقم الباب (٢٧).

(٣) إعلاء السنن: ١٢/٥٣١.

(٤) البقرة: ١١٤.

(٥) أحكام القرآن للجصاص الرازي: ١/٦١، سورة البقرة، ذكر وجوه النسخ.

اس میں مانع نہ ہوئی کہ ان کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا جائے تو بطریقِ اولیٰ حرم اور حجاز میں ٹھہرانا ممنوع نہ ہوگا، کیوں کہ طہارت کی جو شرط ہے وہ تو دخولِ مسجد کے لیے ہے، نہ کہ دوسری جگہوں کے لیے، اس لیے جب وہ بغیر طہارت کے مسجد نبوی میں داخل ہو چکے تو دوسری جگہوں سے ان کی نجاست باطنی کو بنیاد بنا کر روکنا کیونکر ممکن ہوگا (۱)۔

۲ آیت کریمہ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اس میں جو نہی وممانعت وارد ہوئی، ﴿فلا يقربوا المسجد الحرام﴾ اس کا تعلق مشرکین کے ایک خاص گروہ سے ہے، جن کو مکہ مکرمہ و دیگر مساجد میں داخلے کی ممانعت تھی، نہ ہی وہ ذمی بن سکتے تھے، یعنی مشرکین عرب، ان کے لیے تو صرف دو ہی صورتیں تھیں، اسلام کہ اسے قبول کریں یا تلوار کہ اس سے ان کی گردنیں ماری جائیں (۲)۔

۳ آیت کریمہ میں دخولِ مکہ سے جو ممانعت ہے، اس کا تعلق ایک خاص عمل سے ہے، یعنی حج۔ اور مطلب یہ ہے کہ اب وہ حج کے لیے نہیں آسکتے، اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا تھا، جب وہ حج کے لیے گئے، کہ منیٰ میں یوم النحر کو یہ اعلان کریں، "أن لا يحج بعد العام مشرك" (۳) کہ "اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لیے نہ آئے"۔

۴ آیتِ کریمہ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ مشرکین اب غالب ہو کر یا مسلمانوں پر تعلی کا اظہار کرتے ہوئے مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہو سکتے (۴)۔ اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے، ﴿أولئك ما كان لهم أن يدخلوها......﴾ (۵) چناں چہ معلوم یہ ہوا کہ اگر کفار ذمی ہوں تو وہاں داخل ہو سکتے ہیں کہ اس صورت میں وہ

---

(۱) إعلاء السنن: ۵۲۸/۱۲.

(۲) حوالہ بالا، وأحكام القرآن: ۱۱٤/۳، سورة التوبة، هل يجوز دخول المشرك المسجدَ؟

(۳) إعلاء السنن: ۵۲۸/۱۲، وأحكام القرآن: ۸۸/۱، سورة البقرة، الحث على نظافة البدن والثياب، وقال السرخسي في تأويل هذه الآية: "الدخول على الوجه الذي كانوا اعتادوا في الجاهلية على ماروي أنهم كانوا يطوفون بالبيت عراة، والمراد القرب من حيث التدبيرُ والقيامُ بعمارة المسجد الحرام......". شرح كتاب السير الكبير: ۹۷/۱/۱، رقم الباب (۲۷).

(٤) الهداية: ۲۳۹/۷، كتاب الكراهية، مسائل متفرقة، وعمدة القاري: ۳۰۰/۱٤، رقم (۳۵۰۳)، باب هل يستشفع إلى أهل الذمة......

(۵) البقرة: ۱۱٤.

مغلوب ومقہور ہوں گے، نہ کہ حربی کفار، الا یہ کہ امام کی اجازت سے امان لے کر داخل ہوں(۱)۔

جہاں تک جمہور کی دوسری اور چوتھی دلیل کا تعلق ہے تو حنفیہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ عام مساجد میں کفار کا دخول اذن امام یا عام مسلمانوں کی اجازت سے مشروط ہے، اس لیے یہ حنفیہ کے خلاف دلیل نہیں بن سکتیں، جیسا کہ ماقبل میں گزرا۔

رہی یہ بات کہ نجاست شرک دخول مسجد سے مانع ہے، اس کو ہم تسلیم نہیں کرتے، کیوں کہ اس کا تعلق ان کے باطن اور اعتقاد سے ہے، جو مسجد کے تقدس کے لیے مضر ہے، نہ اس کی ناپاکی کا سبب ہے(۲)۔

واللہ اعلم بالصواب

غیر مسلموں کے عبادت خانوں میں جانے کا حکم

فقہاء نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے لیے یہود کے معابد، نصاری کے کلیساؤں اور ہندوؤں کے مندروں وغیرہ میں جانا مکروہ ہے۔ وجہ کراہت یہ ہے کہ یہ جگہیں شیاطین کا گڑھ ہیں، اس لیے ان مقامات میں جانے سے احتراز کرنا چاہیے، یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان مقامات میں مسلمانوں کو داخلے کا حق نہیں ہے۔ واللہ اعلم(۳)

وَقالَ عُمَرُ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : (أُقِرُّكُمْ ما أَقَرَّكُمُ ٱللّٰهُ بِهِ) . [ر : ۲۲۱۳]

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ نے یہود سے کہا تھا کہ میں تمہیں اس وقت تک یہاں برقرار رکھوں گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ تمہیں یہاں برقرار رکھتے ہیں۔

مذکورہ تعلیق کی تفصیل ومقصد

مذکورہ بالا کلمات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود خیبر کے لیے ارشاد فرمائے تھے، خیبر کی فتح کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ارادہ یہ ظاہر فرمایا تھا کہ یہود کو وہاں سے نکال دیا جائے، کیوں کہ اب علاقہ مسلمانوں کی ملکیت میں آچکا تھا، جب یہود کو آپ علیہ السلام کے اس ارادے کی خبر ہوئی تو انہوں نے آپ کی

(۱) إعلاء السنن: ۵۳۰/۱۲.

(۲) الهداية: ۲۳۹/۷، كتاب الكراهية، مسائل متفرقة، والأوجز: ۶۵۳/۱۵.

(۳) حاشية ابن عابدين: ۲۷۴/۵، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، والفتاوى الهندية: ۳۴۶/۵، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة......

بارگاہ میں یہ گزارش ودرخواست کی کہ ان کو وہاں سے نکالا نہ جائے، اس کے بدلے میں عمل ان کی طرف سے ہوگا اور مسلمانوں کو نصف پیداوار ادا کی جائے گی، نبی علیہ السلام نے ان کی یہ درخواست قبول کی اور یہ بھی واضح فرمایا کہ ہم جب تک تمہیں یہاں برقرار رکھنا چاہیں، رکھیں گے، جب چاہیں گے نکال دیں گے، یہ بات یہود نے تسلیم کرلی، معاملہ اسی پر جاری رہا، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ان کو وہاں سے نکال کر تیماء اور اریحاء کی طرف بھیج دیا(۱)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں مذکورہ مقصد کو ثابت ومدلل کرنے کے لیے یہ تعلیق پیش کی کہ یہود ودیگر کفار کو جزیرۂ عرب سے نکالا جائے گا، ان کو وہاں رہنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

مذکورہ تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کو امام بخاری رحمہ اللہ نے موصولاً اپنی ''صحیح'' میں کتاب الحرث...... میں ذکر کیا ہے(۲)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ تعلیق کا انطباق

مذکورہ تعلیق کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت واضح ہے کہ ترجمہ اخراج یہود کا تھا اور تعلیق کا تعلق بھی اسی سے ہے، اوپر ذکر کردہ تفصیل اس کو بخوبی واضح کررہی ہے۔

٢٩٩٦ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قالَ : حَدَّثَنِي سَعِيدٌ المَقْبُرِيُّ ، عَنْ عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ[٣] قالَ : بَيْنَا نَحْنُ فِي المَسْجِدِ ، خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ : (ٱنْطَلِقُوا إِلَى يَهُودَ) . فَخَرَجْنَا حَتَّى جِئْنَا بَيْتَ المِدْرَاسِ ، فَقَالَ : (أَسْلِمُوا تَسْلَمُوا ، وَٱعْلَمُوا أَنَّ الأَرْضَ لِلهِ وَرَسُولِهِ ، وَإِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُجْلِيَكُمْ مِنْ هٰذِهِ الأَرْضِ ، فَمَنْ يَجِدْ مِنْكُمْ بِمَالِهِ شَيْئًا فَلْيَبِعْهُ ، وَإِلَّا فَٱعْلَمُوا أَنَّ الأَرْضَ لِلهِ وَرَسُولِهِ) . [٦٥٤٥ ، ٦٩١٦]

---

(١) انظر الصحيح للبخاري، كتاب الحرث، باب إذا قال رب الأرض: أقرك ما أقرك الله، ...... رقم (٢٣٣٨).

(٢) حوالہ بالا، وكذا وصله مسلم في صحيحه، كتاب المساقاة، باب المساقاة ......، رقم (٣٩٦٧).

(٣) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب الاعتصام......، باب قوله تعالىٰ: ﴿وكان الإنسان أكثر شيء جدلا﴾ رقم (٧٣٤٨)، وكتاب الإكراه، باب في بيع المكره ونحوه ......، رقم (٦٩٤٤)، ومسلم، كتاب الجهاد، باب إجلاء اليهود من الحجاز، رقم (٤٥٩١)، وأبوداود، كتاب =

تراجم رجال

۱- عبداللّٰه بن یوسف

یہ عبداللہ بن یوسف تنیسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا مختصر تذکرہ "بدء الوحي" کی دوسری حدیث کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

۲- اللیث

یہ امام ابوالحارث لیث بن سعد فہمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "بدء الوحي" کی تیسری حدیث کے ذیل میں آچکا ہے(۲)۔

۳- سعید المقبری

یہ ابوسعد سعید بن کیسان مقبری مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات كتاب الإيمان، "باب الدين يسر......" کے تحت بیان کیے جاچکے ہیں(۳)۔

٤- أبيه

یہاں "اب" سے مراد سعید المقبری کے والد ابوسعید کیسان بن سعید المقبری رحمہ اللہ ہیں(۴)۔

٥- ابوهريره رضي اللّٰه عنه

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات كتاب الإيمان، "باب أمور الإيمان" میں گزر چکے(۵)۔

قال: بينما نحن في المسجد خرج النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: انطلقوا

= الخراج......، باب كيف كان إخراج اليهود، ......؟ رقم (۳۰۰۳).

(۱) كشف الباري: ۲۸۹/۱.

(۲) كشف الباري: ۳۲٤/۱.

(۳) كشف الباري: ۳۳٦/۲.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الأذان، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم ......

(٥) كشف الباري: ٦٥٩/۱.

إلى يهود

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم (صحابہ) مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرے سے نکلے اور فرمایا، یہود کی طرف چلو۔

حدیث میں یہود سے کون لوگ مراد ہیں؟

اوپر حدیث میں یہ آیا ہے کہ "انطلقوا إلى يهود" اب سوال یہ ہے کہ اس سے یہود کا کون سا قبیلہ مراد ہے؟

اس سوال کے جواب سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے، اس وقت وہاں کفار کی تین قسمیں تھیں:

1. کفار محاربین، جو باقاعدہ دشمنی کا اعلان کرتے تھے، جنگ کے لیے آمادہ تھے اور آپ علیہ السلام ومہاجرین کا وجود برداشت کرنے کو قطعی تیار نہ تھے۔

2. کفار متر ددین، جو اس بات کے منتظر تھے کہ دیکھتے ہیں کہ ان مسلمانوں کا انجام کیا ہوتا ہے؟ اگر غالب آگئے تو ہم بھی ان کے ساتھ ہو جائیں گے، ورنہ اپنے آبائی دین پر قائم رہیں گے۔

پھر ان کی بھی تین قسمیں تھیں: ایک تو وہ تھے جو نبی علیہ السلام کا باطناً غلبہ چاہتے تھے، جیسے بنوخزاعہ، دوسرے وہ لوگ تھے جو باطناً آپ علیہ السلام کی شکست کے متمنی تھے، جیسے بنوبکر، تیسری قسم ان لوگوں کی تھی جو ظاہراً تو آپ علیہ السلام کے ساتھ تھے اور باطناً ان کے دشمنوں کے حامی، جیسے منافقین۔

3. یہود مدینہ، یعنی بنونضیر، بنوقریظہ اور بنوقینقاع وغیرہ، ان کے ساتھ نبی علیہ السلام کا یہ معاہدہ ہوا تھا کہ ایک دوسرے کے ساتھ جنگ کریں گے نہ ایک دوسرے کے خلاف کسی قبیلے کی مدد کریں گے (۱)۔

لیکن یہود کی چوں کہ فطرت وسرشت ہی میں مکر ودغابازی داخل ہے، یہاں بھی اس سے باز نہ آئے اور اس معاہدے کی پاسداری نہیں کی، چناں چہ سب سے پہلے بنوقینقاع نے یہ معاہدہ توڑا اور یہود میں سے یہی سب سے پہلے مدینہ منورہ سے جلاوطن کیے گئے، ان کی جلاوطنی کا یہ واقعہ پندرہ شوال ۲ھ کا ہے (۲)۔

بنوقینقاع کے بعد یہود میں سے بنونضیر نے عہد شکنی کی، ان کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ

---

(۱) انظر فتح الباري: ۷/۳۳۰، وكشف الباري، كتاب المغازي: ۱۷۸-۱۷۹.

(۲) كشف الباري، كتاب المغازي: ۱۸۲.

منورہ سے جلاوطن کیا اور یہ ۴ھ کے اوائل کا واقعہ ہے۔

بنوقریظہ نے چوں کہ غزوۂ خندق میں قریش کا ساتھ دیا اور نبی علیہ السلام کے ساتھ اپنے معاہدے کو توڑا تھا، اس لیے وہ بھی ۵ھ کو قتل کیے گئے، ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا گیا (۱)۔

قبائل یہود کی جلاوطنی کے مذکورہ بالا تمام واقعات کا تعلق غزوۂ خیبر سے قبل کا ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فتح خیبر کے بعد آئے اور اسلام قبول کیا، اس لیے حدیث کے یہ الفاظ "بينما نحن في المسجد...... إلى يهود" مشکل ثابت ہو رہے ہیں کہ یہاں یہود سے کون مراد ہیں؟

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کے سیاق کلام سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہاں یہود سے بنونضیر مراد ہیں۔

لیکن یہ جواب اس صورت میں قابلِ قبول ہوسکتا ہے کہ "بينما نحن" سے مراد "بينما المسلمون" ہو، اب مطلب یہ ہوگا کہ وہ کسی امر سابق کی حکایت بیان کر رہے ہیں، جس میں وہ خود شریک نہیں تھے، لیکن قدیم الاسلام مسلمانوں سے اس بارے سن رکھا تھا اور اس کی تعبیر انہوں نے "نحن" صیغہ متکلم سے کر دی (۲)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیثِ باب میں مذکور یہود کے نسب کی تصریح مجھے کسی کے ہاں نہیں ملی کہ یہ کون تھے، ظاہر یہ ہے کہ بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ کے بعد کچھ یہودی جو مدینہ میں رہ گئے تھے، وہی یہاں مراد ہیں (۳)۔ چناں چہ حدیثِ باب میں مذکور مکالمہ انہی یہود سے ہوا تھا، اس دوران حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، اسی مکالمے کے دوران نبی علیہ السلام نے ان کے بھی اخراج کا ارادہ ظاہر فرمایا، تاکہ جزیرہ عرب یہود و دیگر کفار سے بالکل پاک وصاف ہو جائے (۴)۔ واللہ اعلم بالصواب

فخرجنا حتى جئنا بيت المِدْراس

چناں چہ ہم نکلے، یہاں تک کہ بیت المدراس میں آئے۔

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے، كشف الباري، كتاب المغازي: ۲۹٦.

(۲) فتح الباري: ٦/۲۷۱.

(۳) حواله بالا، وذكر الحافظ رحمه الله فيه وجوها أخرى أيضاً، انظرها إن شئت.

(٤) إرشاد الساري: ٥/۲۳٥.

بیت المدراس کے معنی

اس لفظ کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں:

❶ بیت المدراس وہ جگہ کہلاتی ہے، جہاں یہود کا عالم (ربی) انہیں مذہبی کتابوں کی تعلیم دیا کرتا تھا۔

❷ مدراس سے ان کا وہ عالم مراد ہے، جو ان کی کتاب پڑھا اور پڑھایا کرتا تھا(۱)۔

پہلی صورت میں ظرفیت اور دوسری صورت میں فاعلیت کے معنی ہیں۔ اوپر ترجمے میں پہلی صورت کو اختیار کیا گیا ہے۔

فقال: أسلموا تسلموا، واعلموا أن الأرض لله ورسوله، وإني أريد أن أجليكم من هذه الأرض

نبی علیہ السلام نے فرمایا، اسلام قبول کرلو، محفوظ و مامون ہو جاؤ گے اور یہ جان لو کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے، نیز یہ کہ میں تمہیں اس سرزمین (حجاز مقدس) سے جلاوطن کرنا چاہتا ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد "أسلموا تسلموا" جوامع الکلم میں سے ہے، جو اپنے اختصار کے باوجود دنیا و آخرت کی تمام تر کامیابیوں کو سموئے ہوئے ہے، نیز یہ ارشاد بلاغت لفظی و معنوی کی جامع مثال ہے(۲)۔

اس حدیث کے دیگر طرق میں "أسلموا تسلموا" کا جملہ مکرر آیا ہے، کہ آپ علیہ السلام نے یہ بات کئی بار ارشاد فرمائی، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں غالباً اختصار کے پیش نظر صرف ایک جملے کا ذکر فرمایا ہے(۳)۔

"واعلموا......" کا جملہ ابتدائیہ مستانفہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ "أسلموا تسلموا"، تو گویا انہوں نے استفسار اً یہ کہا "لم قلتَ هذا وكررتَه؟" کہ آپ نے ہمیں یہ

---

(١) حواله بالا، قال الحافظ في فتح الباري (٢٧١/٦): والأول أرجح؛ لأن في الرواية الأخرى: "حتى أتى المدراس ......". ولكن رده العيني رحمه الله (٨٩/١٥) حيث قال: "ما ثَم ترجيح؛ لأن معنى أتى المدراس أي جاء مكان دراستهم للتوراة ونحوها".

(٢) إرشاد الساري: ٢٣٥/٥.

(٣) انظر الصحيح للبخاري، كتاب الإكراه، باب في بيع المكره، رقم (٦٩٤٤)، وسنن أبي داود، كتاب الخراج......، باب كيف كان إخراج اليهود؟ رقم (٣٠٠٣).

الفاظ کیوں کہے اوران کا تکرار کیوں کیا؟ اس کے جواب میں آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ بات اچھی طرح سمجھ اور جان لو کہ میں تمہیں نکالنا چاہتا ہوں، اگر تم لوگ اسلام لے آئے تو جلاوطنی سے بچ جاؤ گے اور دیگر مشکلات سے بھی، جو جلاوطنی سے بھی زیادہ شاق ہوسکتی ہیں (۱)۔

فمن يجد منكم بماله شيئا فليبعه

اس لیے جس شخص کی ملکیت میں کوئی ایسی چیز ہو جو غیر منقول ہو تو وہ اس کو یہیں فروخت کردے۔

یجد کا مشتق منہ اور معنی

حدیث میں وارد لفظ ''یجد'' وجدان سے مشتق ہے، یا وجد سے، وجدان کے معنی پانے کے اور وجد کے معنی محبت کے ہیں۔

وجدان سے مشتق ماننے کی صورت میں مذکورہ بالا جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اشیاء جن کو منتقل کرنا دشوار ہو، جیسے درخت وغیرہ، یا ناممکن ہو، جیسے جائیداد وغیرہ تو ان کا اگر کوئی خریدار مل جائے، ان کی اگر فروخت ممکن ہو تو فروخت کردو، گویا آپ علیہ السلام نے اس ارشاد کے ذریعے ان یہود کو اس امر کی اجازت دی ہے کہ اگر وہ ان اشیاء کو فروخت کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں۔

وجد سے مشتق ماننے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ وہ اشیاء جو تمہیں محبوب ہیں، پسند ہیں، انہیں تم فروخت کرسکتے ہو (۲)۔

وإلا فاعلموا أن الأرض لله ورسوله

اور اگر بیع نہیں ہوگی تو جان لو کہ زمین تو اللہ اور اس کے رسول ہی کی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اپنی مملوکہ چیزیں فروخت کرسکتے ہو تو کردو، ورنہ یہاں سے نکلنا تو تمہارا مقدر ہے، اس لیے بہرحال نکلنا پڑے گا، اللہ تعالی کی مشیت یہی ہے کہ وہ تمہاری ان زمینوں کا وارث مسلمانوں کو بنائے، اس لیے یہاں سے نکل جاؤ (۳)۔

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۹۰، وفتح الباري: ۲۷۱/۶، وإرشاد الساري: ۲۳۵/۵.

(۲) حوالہ جات بالا۔

(۳) عمدة القاري: ۱۵/۹۰، وإرشاد الساري: ۲۳۵/۵، وشرح الكرماني: ۱۳۳/۱۳.

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کا انطباق

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا ترجمۃ الباب کے ساتھ انطباق بایں معنی ہیں کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارادہ نقل کیا گیا کہ آپ نے یہود کے اخراج کا ارادہ فرمایا تھا، وجہ یہ تھی کہ آپ علیہ السلام سرزمین عرب میں غیر مسلموں کی موجودگی کو ناپسند کرتے تھے، لیکن قضا نے مہلت نہ دی کہ اپنے ارادے کو پورا کرتے، مگر وصیت کر گئے کہ غیر مسلموں کو جزیرہ عرب سے نکالنا ہے، چناں چہ اس وصیت پر بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں عمل کیا اور باقی ماندہ کفار و یہود سب کو وہاں سے نکال باہر کیا، یہی مقصود ترجمہ تھا(۱)۔

٢٩٩٧ : حدَّثنا مُحَمَّدٌ : حَدَّثَنَا ٱبْنُ عُيَيْنَةَ ، عَنْ سُلَيْمانَ الْأَحْوَلِ : سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ : سَمِعَ ٱبْنَ عَبَّاسٍ(٢) رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُمَا يَقُولُ : يَوْمُ الخَمِيسِ وَمَا يَوْمُ الخَمِيسِ ، ثُمَّ بَكَى حَتَّى بَلَّ دَمْعُهُ الحَصَى ، قُلْتُ يَا أَبَا عَبَّاسٍ : ما يَوْمُ الخَمِيسِ ؟ قالَ : ٱشْتَدَّ بِرَسُولِ ٱللَّهِ ﷺ وَجَعُهُ ، فَقَالَ : (ٱئْتُونِي بِكَتِفٍ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوا بَعْدَهُ أَبَدًا) . فَتَنَازَعُوا ، وَلَا يَنْبَغِي عِنْدَ نَبِيٍّ تَنَازُعٌ ، فَقَالُوا : ما لَهُ أَهَجَرَ ٱسْتَفْهِمُوهُ ؟ فَقَالَ : (ذَرُونِي ، فَالَّذِي أَنَا فِيهِ خَيْرٌ مِمَّا تَدْعُونَنِي إِلَيْهِ) . فَأَمَرَهُمْ بِثَلَاثٍ ، قالَ : (أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِينَ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ ، وَأَجِيزُوا الْوَفْدَ بِنَحْوِ ما كُنْتُ أُجِيزُهُمْ) . وَالثَّالِثَةُ خَيْرٌ ، إِمَّا أَنْ سَكَتَ عَنْهَا ، وَإِمَّا أَنْ قالَهَا فَنَسِيتُهَا . قالَ سُفْيانُ : هٰذَا مِنْ قَوْلِ سُلَيْمانَ . [ر : ١١٤]

تراجم رجال

۱- محمد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ محمد کے بارے میں کسی راوی نے یہ وضاحت نہیں کی کہ محمد سے مراد کون ہیں؟ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ مراد ابن سلام ہیں، کیوں کہ کتاب الوضوء کی ایک

(١) هذا خلاصة ما ذكره العيني في العمدة: ٨٩/١٥، وأيضاً انظر إرشاد الساري: ٢٣٥/٥، وشرح ابن بطال: ٣٤١/٥-٣٤٢.

(٢) قوله: "ابن عباس رضي الله عنه": الحديث، مرّ تخريجه في كتاب العلم، باب كتابة العلم.

روایت میں "حدثنا محمد حدثنا ابن عيينة" آیا ہے(۱)۔اسی پر حافظ علیہ الرحمۃ نے جزم کیا ہے کہ جس طرح وہاں ابن سلام مراد ہیں، یہاں بھی وہی مراد ہیں (۲)۔

اور محمد بن سلام بیکندی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کتاب الإیمان، "باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: أنا اعلمكم بالله......" کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

۲- ابن عيينة

یہ مشہور امام حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "بدء الوحي" کی پہلی حدیث کے ضمن میں اجمالاً اور کتاب العلم، "باب قول المحدث: حدثنا......" کے تحت تفصیلاً گزر چکا (۴)۔

۳- سليمان

یہ سلیمان بن ابی مسلم الاحول رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۵)۔

---

(۱) انظر صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب غسل المرأة أباها الدم ......، رقم (۲٤۳).

(۲) فتح الباري: ۲۷۱/٦، ورد عليه العيني -كعادته في مواضع شتى- حيث قال: "لايلزم من قوله في الوضوء: حدثنا ابن سلام عن ابن عيينة، أن يكون هنا أيضاً ابن سلام عن ابن عيينة؛ لأنه قال في عدة مواضع: عن محمد بن يوسف البيكندي عن ابن عيينة، وروى الإسماعيلي هذا الحديث عن الحسن بن سفيان عن محمد بن خلاد الباهلي عن ابن عيينة، ......". (انظر العمدة: ۹۰/۱۵) هذا الكلام منه -كما ترى- ولكنه أيضاً لا يخلو عن النظر؛ لأنه كما لايلزم من أن يكون ابن سلام، كذلك لايلزم أن يكون ابن يوسف البيكندي، ولا سيما إذا صرح الإمام البخاري رحمه الله في جميع المواضع من كتاب الوضوء، بنسب محمد بن يوسف، إلا محمداً الذي نحن بصدده، فإنه قال هناك فقط: "محمد عن ابن عيينة" غير منسوب، كما ذكر هنا أيضاً غير منسوب، ومن ثَمه لم يقل هناك في الوضوء: "ابن سلام" كما أشرنا إليه الآن، ثم إن أراد العيني رحمه الله بقوله: "وروى الإسماعيلي ......" أنه يمكن أن يكون ابن خلاد فهو مما لايمكن؛ لأن ابن خلاد الباهلي لايروي عنه الإمامُ البخاري، ولا هو من شيوخه، نعم ابن خلاد من تلامذة ابن عيينة الإمام، (انظر تهذيب الكمال: ۱٦۹/۲-۱۷۰)، فلعل هذا الأمر أوقعه في الحيرة، والله أعلم بالصواب. والعلامة القسطلاني أيضاً جزم بقول الحافظ، انظر شرحه: ۲۳۵/۵.

(۳) كشف الباري: ۹۳/۲.

(٤) كشف الباري: ۲۳۸/۱، و: ۱۰۲/۳.

(٥) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب التهجد، باب التهجد بالليل.

٤- سعيد بن جبير

یہ مشہور تابعی حضرت سعید بن جبیر اسدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٥- عبداللّٰه بن عباس رضى اللّٰه عنهما

یہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عباس ہاشمی رضی اللہ عنہما ہیں۔ان دوحضرات کا تذکرہ بدء الوحي کی "الحديث الرابع" کے تحت ذکر کیا جاچکا ہے(۱)۔

تنبیہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کی تشریح کتاب العلم اور کتاب المغازی میں آچکی ہے(۲)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے سے ہورہی ہے، "أخرجوا المشركين من جزيرة العرب"۔ لیکن اشکال یہ ہورہا ہے کہ ترجمہ تو اخراج یہود کا ہے، جب کہ حدیث میں اخراج مشرکین کا ذکر ہے، لہٰذا مطابقت کیسے ہوئی؟

جواب یہ ہے کہ لفظ مشرک عام ہے، جو یہود کو بھی شامل ہے، یہاں قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ اکثر یہود اللہ کی وحدانیت کے قائل ہوتے ہیں، مسلمانوں کے بعد دنیا کی یہی ایک قوم ہے، جو توحید کی قائل ہے، اس کے باوجود ان کو نکالنے کا حکم ہے، تو مشرکین و دیگر کفار کو نکالنا تو بطریق اولیٰ واجب ہوگا(۳)۔ واللہ أعلم

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ روایت باب میں نسخوں کا اختلاف ہے، ایک نسخے میں "أخرجوا المشركين......" جب کہ دوسرے میں، جو جیانی کا نسخہ ہے، "أخرجوا اليهود......" آیا ہے، روایتی حیثیت سے یہ پہلا نسخہ اثبت اور ارجح ہے(۴)۔

---

(١) كشف الباري: ١/٤٣٥.

(٢) كشف الباري، كتاب العلم: ٤/٣٣٠-٣٨٥، وكتاب المغازي: ٦٧٢-٦٧٧.

(٣) عمدة القاري: ١٥/٩٠، وفتح الباري: ٦/٢٧١.

(٤) فتح الباري: ٦/٢٧١.

٧ – باب : إِذَا غَدَرَ الْمُشْرِكُونَ بِالْمُسْلِمِينَ ، هَلْ يُعْفَى عَنْهُمْ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر مشرکین مسلمانوں کے ساتھ دھوکا دہی کے مرتکب ہوں، یا مسلمانوں کے ساتھ کسی عہد کے بعد بدعہدی کا ارتکاب کریں تو کیا ان کو معاف کیا جاسکتا ہے؟

مصنف علیہ الرحمۃ نے اس سلسلے میں کوئی فیصلہ کن بات نہیں کی، وجہ یہ ہے کہ جو واقعہ روایت الباب میں نقل ہوا ہے، اس میں ائمہ وفقہاء کا اختلاف ہوا ہے، کہ آیا جس عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا تھا، اس کو سزا دی گئی تھی، یا آپ علیہ السلام نے اس کو معاف کر دیا تھا؟ (۱)

مسئلہ مذکورہ کی تفصیل

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب میں روایات مختلف ہیں، کہ آپ علیہ السلام نے اس یہودیہ کو قتل کروایا تھا یا نہیں؟ چناں چہ صحیح مسلم کی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ابوداؤد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت (۲)، اسی طرح ابن ہشام (۳) کی ذکر کردہ تفصیل سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو قتل نہیں کروایا تھا، بلکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مسلم شریف کی روایت تو صراحۃً قتل کی نفی کرتی ہے، فرماتے ہیں:

"أن امرأة يهودية أتت رسول الله صلى الله عليه وسلم بشاة مسمومة، فأكل منها، فجيء بها إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فسألها عن ذلك، فقالت: أردت لأقتلك، قال: ما كان الله يسلطكِ على ذاك، –قال: أو قال: علي– قال: قالوا: ألا نقتلها؟ قال: لا"(٤).

یعنی: "ایک یہودیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک زہر آلود بکری لے

---

(١) فتح الباري: ٢٧٢/٦، وعمدة القاري: ٩١/١٥.

(٢) سنن أبي داود، كتاب الديات، باب فيمن سقى رجلا سما......، رقم (٤٥١٠).

(٣) سيرة ابن هشام: ٣٣٨/٣، بقية أمر خيبر، أمر الشاة المسمومة.

(٤) انظر صحيح مسلم، كتاب السلام، باب السم، رقم (٥٧٠٥).

کرآئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے تھوڑا تناول فرمایا، بعد میں اس عورت کو آپ کی خدمت میں حاضر کیا گیا، چناں چہ آپ نے اس سے بکری کو زہر آلود کرنے کا سبب دریافت کیا تو اس عورت نے کہا میرا ارادہ تو آپ کو قتل کرنے کا تھا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا موقع نہیں دیں گے، یا یہ فرمایا کہ مجھ پر تمہیں تسلط نہیں دیں گے۔ صحابہ نے عرض کیا، کہ ہم اسے قتل نہ کردیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا نہیں''۔

جب کہ حضرت ابوسلمہ کی ایک روایت، جو ابوداؤد میں ہے (۱)، میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو قتل کرایا تھا، یہی مضمون امام عبدالرزاق نے ''مصنف'' میں معمر بن راشد سے (۲) اور علامہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے ''طبقات'' میں "ابن لهيعة عن عمر مولى عفرة" کے طریق سے نقل کیا ہے (۳)۔

اس تعارض کو رفع کرنے کے لیے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ فرمایا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءً اس سے درگزر کیا ہو، لیکن اس واقعے کے دوسرے متاثرہ شخص حضرت بشر بن البراء بن معرور رضی اللہ عنہ جب اسی زہر خوری کی وجہ سے ایک سال بعد انتقال کرگئے تو نبی علیہ السلام نے قصاصاً اس عورت کو بھی قتل کروادیا (۴)۔

یہی جواب علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عورت کے فعل سے درگزر کرنے کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ آپ کی عادت مبارکہ کسی سے اپنی ذات کا انتقام لینے کی نہیں تھی، اسی لیے

---

(۱) سنن أبي داود، كتاب الديات، باب فيمن سقى رجلا سما......، رقم (۴۵۱۱).

(۲) المصنف لعبد الرزاق: ۵۳/۶، كتاب أهل الكتاب، هل يقتل ساحرهم؟ رقم (۱۰۰۵۳)، و: ۱۸۸/۱۰، كتاب الجامع، باب الحجامة......، رقم (۱۹۹۸۳).

(۳) الطبقات الكبرى لابن سعد: ۱۷۲/۱، ذكر علامات النبوة بعد نزول الوحي.

(۴) دلائل النبوة للبيهقي: ۲۶۲/۴، وإختاره النووي في شرحه على مسلم: ۲۲۲/۲، وقال: "قال القاضي: وجه الجمع بين هذه الروايات والأقاويل أنه لم يقتلها أولاً حين اطلع على سمها، وقيل له: اقتلها، فقال: لا. فلما مات بشر بن البراء من ذلك سلمها لأوليائه، فقتلوها قصاصاً، فيصح قولهم: لم يقتلها أي: في الحال، ويصح قولهم: قتلها، أي بعد ذلك". وكذا السيوطي، انظر الديباج: ۸۴۸/۲.

معاف فرمادیا تھا، پھر حضرت بشر کے بدلے اس عورت کو قصاصاً قتل کیا(۱)۔

البتہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے نبی علیہ السلام کے اس عورت سے درگزر کرنے کی ایک علت یہ بھی لکھی ہے کہ ممکن ہے نبی علیہ السلام کے درگزر کرنے کی وجہ اس عورت کا قبولِ اسلام ہو اور اس کے قتل کو حضرت بشر رضی اللہ عنہ کی موت تک اس لیے مؤخر کیا گیا کہ ان کی موت ہی سے وجوبِ قصاص کا تحقق ہوگا، چناں چہ جب وہ متحقق ہوگیا تو اسے قتل کروادیا گیا(۲)۔

علامہ سحنون مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس بات پر محدثین کا اجماع نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو قتل کروایا تھا(۳)۔

لیکن جیسا کہ اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوا، یہ مسئلہ متفق علیہ نہیں ہے، بلکہ مختلف فیہ ہے، اس لیے دعویٰ اجماع صحیح نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

اس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب کے تحت جو سوال ذکر کیا ہے، اسے دیکھیے کہ مسئلہ مذکورہ بالا میں فقہاء کا موقف کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امام وحاکم پر موقوف ہے کہ غدار وخائن کو کیا سزا دے؟ اگر وہ سمجھتا ہے کہ قتل کی ضرورت نہیں تو اور کوئی سزا بطور تنبیہ کے دے سکتا ہے اور معاف بھی کرسکتا ہے، مثلاً جرم کی نوعیت معمولی ہو اور اگر قتل کروانا ضروری سمجھتا ہے تو قتل کروادے، مثلاً ان کا جرم غیر معمولی نوعیت کا ہو کہ کسی مسلمان کو قتل کردیں، چناں چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرنیین کو قتل کروایا تھا کہ انہوں نے نبی علیہ السلام کے ساتھ بدعہدی کی تھی اور ان کے راعی حضرت یسار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا، علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ويعفى عن المشركين إذا غدروا بشيء يستدرك إصلاحه وجبره، ويعصم الله تعالىٰ منه، إذا رأى الإمام ذلك، وإن رأى عقوبتهم عاقبهم بما يؤدي إليه اجتهاده، وأما إذا غدروا بالقتل أو بما لايستدرك جبره، وما لا

(۱) الروض الأنف للسهيلي: ۲۴۳/۲، فصل: وذكر الشاة المسمومة......

(۲) فتح الباري: ۴۹۷/۷، وإرشاد الساري: ۲۳۷/۵.

(۳) عمدة القاري: ۹۱/۱۵، وشرح النووي على مسلم: ۲۲۲/۲.

يعتصم من شره؛ فلاسبيل إلى العفو كما فعل النبي صلى الله عليه وسلم في العرنيين(١) عاقبهم بالقتل"(٢).

زہر کھلا کر قتل کرنے کا حکم

یہاں ایک اور مسئلہ بھی ہے، وہ یہ کہ زہر کھلانے کی وجہ سے اگر کوئی آدمی قتل ہوجاتا ہے تو زہر دینے والے کو قصاصاً قتل کیا جائے گا یا نہیں؟

اس مسئلے میں بھی علماء کا اختلاف ہے، جمہور علماء کا مؤقف یہی ہے کہ اس میں قصاص واجب ہوگا اور صورت مذکورہ بالا میں زہر دینے والے کو قتل کیا جائے گا، جب کہ متقدمین حضرات حنفیہ کے یہاں زہر کھلانے سے قصاص نہیں آتا، اگرچہ زہر کھانے والا ہلاک ہوجائے(۳)۔

لیکن متاخرین حنفیہ کا فتویٰ جمہور کے قول پر ہے، کیونکہ اس زمانے میں فساد زیادہ بڑھ گیا ہے، چنانچہ مفسدین ومتمردین کے شر سے عامۃ الناس کو محفوظ رکھنا اسی طرح ممکن ہوگا، امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"والعمل على هذه الرواية في زماننا؛ لأنه ساعٍ في الأرض بالفساد، فيقتل؛ دفعا لشره"(٤).

٢٩٩٨ : حدّثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قالَ : حَدَّثَنِي سَعِيدٌ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ[٥]

(١) انظر لحديث العرنيين، صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب قصة عكل وعرينة، رقم (٤١٩٢).

(٢) شرح ابن بطال: ٣٤٧/٥.

(٣) البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ١٨/٩، كتاب الجنايات، باب ما يوجب القصاص......، ورد المحتار: ٣٨٥/٥، والأم للشافعي: ٤٢/٦، كتاب جراح العمد، الرجل يسقي الرجل السم......، والمغني: ٢١٢/٨.

(٤) انظر تقريرات الرافعي على ردالمحتار: ٣٢٣/٢.

قال الشيخ محمد تقي العثماني حفظه الله: "ولا شك أن زماننا أكثر فساداً، فالعمل بقول الجمهور أولى، إن شاء الله تعالىٰ". تكملة فتح الملهم: ٣٣٨/٢.

(٥) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب المغازي، باب الشاة التي سمت للنبي صلى الله عليه وسلم بخيبر، رقم (٤٢٤٩)، وكتاب الطب، باب مايذكر في سم النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (٥٧٧٧).

رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ قالَ : لَمَّا فُتِحَتْ خَيْبَرُ أُهْدِيَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ شاةٌ فِيهَا سُمٌّ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (ٱجْمَعُوا إِلَيَّ مَنْ كانَ هَا هُنَا مِنْ يَهُودَ) . فَجُمِعُوا لَهُ ، فَقَالَ : (إِنِّي سَائِلُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَهَلْ أَنْتُمْ صَادِقِيَّ عَنْهُ) . فَقَالُوا : نَعَمْ ، قالَ لَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ : (مَنْ أَبُوكُمْ) . قالوا : فُلَانٌ ، فَقَالَ : (كَذَبْتُمْ ، بَلْ أَبُوكُمْ فُلَانٌ) . قالُوا : صَدَقْتَ ، قالَ : (فَهَلْ أَنْتُمْ صَادِقِيَّ عَنْ شَيْءٍ إِنْ سَأَلْتُ عَنْهُ) . فَقَالُوا : نَعَمْ يَا أَبَا الْقَاسِمِ ، وَإِنْ كَذَبْنَا عَرَفْتَ كَذِبَنَا كَمَا عَرَفْتَهُ فِي أَبِينَا ، فَقَالَ لَهُمْ : (مَنْ أَهْلُ النَّارِ ؟) . قالُوا : نَكُونُ فِيهَا يَسِيرًا ، ثُمَّ تَخْلُفُونَا فِيهَا ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (ٱخْسَؤُوا فِيهَا ، وَٱللّٰهِ لَا نَخْلُفُكُمْ فِيهَا أَبَدًا) . ثُمَّ قالَ : (هَلْ أَنْتُمْ صَادِقِيَّ عَنْ شَيْءٍ إِنْ سَأَلْتُكُمْ عَنْهُ) . فَقَالُوا : نَعَمْ يَا أَبَا الْقَاسِمِ ، قالَ : (هَلْ جَعَلْتُمْ فِي هٰذِهِ الشَّاةِ سُمًّا) . قالُوا : نَعَمْ ، قالَ : (ما حَمَلَكُمْ عَلَى ذٰلِكَ) . قالُوا : أَرَدْنَا إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا نَسْتَرِيحُ ، وَإِنْ كُنْتَ نَبِيًّا لَمْ يَضُرَّكَ .

[۵۴۴۱ ، ۴۰۰۳]

تنبیہ

یہ سند معمولی اختلاف کے ساتھ ابھی ایک باب قبل "باب إخراج اليهود" میں گزر چکی ہے۔

حدیث میں مذکور واقعے کی تفصیلات

حدیثِ باب کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم اس کے پس منظر و دیگر جزئیات وتفصیلات کو بھی پیش نظر رکھیں۔

جب خیبر فتح ہو گیا اور جنگ کی آگ سرد پڑ گئی تو ایک یہودی عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا پروگرام بنایا، اس وقت نبی علیہ السلام، ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تھے، چناں چہ اس عورت نے ایک بھنی ہوئی بکری آپ کی خدمت میں بھجوائی، اس بات کی تحقیق وہ پہلے ہی کروا چکی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کا بازو دیگر اعضا کے مقابلے میں زیادہ پسند ہے، تو پوری بکری اس عورت نے زہر آلود کی اور اس کے بازو میں زہر کی کچھ زیادہ مقدار شامل کر دی، جب وہ بکری نبی علیہ السلام و دیگر صحابہ کرام کے سامنے کھانے کے لیے پیش کی گئی تو آپ نے اس کا بازو اٹھایا، اس سے ایک بوٹی نوچ کر چبائی، لیکن نگلنے کی نوبت نہیں آئی، ساتھ ہی حضرت بشر بن البراء بن معرور بھی بیٹھے تھے، انہوں نے بھی اس میں سے کچھ لیا، لیکن وہ چبا کر نگل گئے اور نبی علیہ السلام نے بوٹی اگل دی، پھر فرمایا کہ یہ ہڈی مجھے بتلا رہی ہے کہ یہ زہر آلود ہے، پھر آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو بلوایا، پوچھ گچھ کی تو اس نے زہر ملانے کا اعتراف کرلیا (۱)۔

اس کے بعد حدیثِ باب ملاحظہ کیجیے۔

قال: لما فتحت خيبر أهديت للنبي صلى الله عليه وسلم شاة، فيها سُمٌّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب خیبر فتح ہوا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بکری ہدیۃً پیش کی گئی، جو زہر آلود تھی۔

صحیح مسلم کے حوالے سے ابھی گزرا ہے کہ بکری پیش کرنے والی ایک یہودی عورت تھی، اس عورت کا نام اہل سیر نے زینب بنت الحارث نقل کیا ہے، یہ سلام بن مشکم کی بیوی تھی اور مرحب کی بہن یا بھتیجی (۲)۔

کلمہ سم کی تحقیق

کلمہ سم میں تین لغتیں ہیں، اس کو سین کے فتحہ، ضمہ اور کسرہ تینوں حرکات کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور فتحہ افصح ہے، اس کی جمع سمام وسموم ہے اس کے معنی زہر کے ہیں (۳)۔

فقال النبي صلى الله عليه وسلم: اجمعوا إلي من كان ههنا من يهود، فجمعوا له، فقال لهم: إني سائلكم عن شيء، فهل أنتم صادقيَّ عنه؟ فقالوا: نعم، قال لهم النبي صلى الله عليه وسلم: من أبوكم؟ قالوا: فلان، فقال: كذبتم، بل أبوكم فلان، قالوا: صدقت.

چناں چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہاں جتنے یہودی ہیں، ان سب کو جمع کرو کہ میں ان سے ملوں، پس وہ سب ایک جگہ جمع کر دیے گئے، تو آپ علیہ السلام نے ان سے فرمایا، میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، کیا تم لوگ میرے ساتھ اس معاملے میں سچ بولو گے؟ سب نے کہا کہ ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

(۱) انظر سيرة ابن هشام: ۲/۳/۳۵۲، أمر الشاة المسمومة، ودلائل النبوة للبيهقي: ۴/۲۶۳.

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۹۱، وفتح الباري: ۷/۴۹۷، وسنن أبي داود، كتاب الديات، باب فيمن سقى رجلا سما......، رقم (۴۵۰۹)، ودلائل النبوة: ۴/۲۶۳، والروض الأنف: ۲/۲۴۳.

(۳) عمدة القاري: ۱۵/۹۱، وإرشاد الساري: ۵/۲۳۶.

فرمایا، تمہارا باپ کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ فلاں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جھوٹے ہو، بلکہ تمہارا باپ تو فلاں ہے۔ انہوں نے کہ آپ نے سچ کہا۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہاں ''فلان'' سے کون مراد لیا گیا ہے، مجھے معلوم نہیں ہوسکا(۱)۔

قال: فهل أنتم صادقي عن شيء إن سألت عنه؟ فقالوا: نعم، يا أبا القاسم، وإن كذبنا عرفت كذبنا، كما عرفته في أبينا، فقال لهم: من أهل النار؟ قالوا: نكون فيها يسيرا، ثم تخلفونا فيها.

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر میں تم سے کسی چیز کے بابت دریافت کروں تو کیا تم لوگ سچ بولو گے؟ انہوں نے کہا کہ ابوالقاسم! ہاں! ہم سچ کہیں گے، کیوں کہ اگر ہم نے آپ سے جھوٹ بولا بھی تو آپ کو معلوم ہوجائے گا، جس طرح کہ ہمارے باپ کے متعلق آپ کو معلوم ہوگیا (کہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا، جہنمی کون ہوں گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ کچھ دن تو ہم جہنم میں ہوں گے، پھر آپ لوگ ہماری جگہ پُر کریں گے۔

سبحان اللہ! بدبختی وہٹ دھرمی کی انتہا دیکھیے، یہود نے مذکورہ بالا جواب میں اپنے ایک مزعومہ عقیدہ کا اظہار کیا ہے، ان کا خیال یہ تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان یہود کو اتنے دن کے لیے عذاب دے گا، جتنے دن انہوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی اور وہ چالیس دن ہیں، اس سے زائد مدت کے لیے ان کو عذاب نہیں دیا جائے گا(۲)۔ یہود کے اس مزعومہ عقیدے کو قرآن کریم نے بھی ذکر کیا ہے، ارشاد ربانی ہے: ﴿وقالوا لن تمسنا النار إلا أياما معدودة قل أتخذتم عند الله عهدا فلن يخلف الله عهده أم تقولون على الله ما لا تعلمون﴾(۳).

اسی عقیدہ کا اظہار انہوں نے یہاں کیا ہے کہ کچھ مدت کے لیے، تھوڑے دن تو سزا ہمیں ہوگی، لیکن

---

(۱) إرشاد الساري: ۵/۲۳۶، وهدي الساري: ۴۴۱، الجزية والموادعة.

(۲) الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۲/۱۰.

(۳) البقرة/ ۸۰.

اس کے بعد تمہاری باری ہے۔

"تخلفونا" کی لغوی وصرفی کی تحقیق

"تخلفونا" اصل میں تخلفوننا تھا، چناں چہ ابوذر کے نسخے میں تخلفوننا آیا ہے، یہاں اس کا ایک نون ساقط ہوا ہے، بغیر کسی جازم وناصب کے نون حذف کرنا بھی ایک لغت ہے اور یہ خلف یخلف سے ہے، جس کے معنی کسی کا نائب اور قائم مقام ہونے کے ہیں، اسی سے خلف بھی ہے، خلف ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی کے بعد آئے اور اس کا نائب وخلیفہ ہو، لیکن اس میں ایک فرق بھی ہے، اگر یہ لفظ لام کے سکون کے ساتھ ہو تو اس کے معنی نائب فی الشر اور لام کی حرکت کے ساتھ ہو تو معنی نائب فی الخیر کے ہیں (۱)۔

فقال النبي صلى الله عليه وسلم: اخسؤا فيها

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہی اس میں ذلیل وخوار ہو کر رہو۔

کتے کو دھتکارنے کے لیے اخسأ کہا جاتا ہے، یعنی دفع ہو جاؤ، یہاں اس جملے میں دو احتمال ہو سکتے ہیں۔ پہلا تو یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے ان کو بددعا دی ہے، یعنی اللہ کرے کہ تم اس میں ذلیل وخوار ہو کر داخل ہو۔ دوسرا یہ کہ زجر وتوبیخ ہے، یعنی تم اس میں دفع ہو جاؤ (۲)۔

والله، لا نخلفكم فيها أبدا

بخدا! ہم کبھی بھی جہنم میں تمہاری جگہ پر کرنے والے نہیں ہوں گے۔

یعنی تمہارا یہ زعم وگمان بالکل باطل ہے کہ جہنم کی سزا کے مستحق تم تو کچھ دنوں کے لیے ہوگے، پھر ہم اس کا ایندھن بنیں گے، یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم جہنم کے مستحق ہوں، ہماری تو تخلیق ہی دخول جنت کے لیے ہوئی ہے۔

یہاں اگر کسی کے ذہن میں اشکال پیدا ہو کہ گناہ گار مسلمان بھی جہنم میں داخل کیے جائیں گے، چناں چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ بات کیسے درست ہوئی کہ ہم تو اس میں داخل نہیں ہوں گے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ گناہ گار مسلمان تو جہنم میں اپنی سزا بھگت کر بالآخر نکل ہی آئیں گے، اس لیے

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۹۱، وإرشاد الساري: ۵/۲۳۶.

(۲) حوالہ جات بالا، وشرح الكرماني: ۱۳/۱۳٤.

ان کا یہ دخول عارضی ہوگا، برخلاف یہود کے، وہ تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہیں گے، اس سے ان کا خروج ممکن ہی نہیں، اس لیے خلافت ونیابت کے معنی یہاں متصور نہیں ہو سکتے (۱)۔

ثم قال: هل أنتم صادقي عن شيء إن سألتكم عنه؟ فقالوا: نعم، يا أبا القاسم، قال: هل جعلتم في هذه الشاة سما؟ قالوا: نعم، قال: ما حملكم على ذلك؟ قالوا: أردنا إن كنت كاذباً نستريح، وإن كنت نبيا لم يضرك.

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا، اگر میں تم لوگوں سے ایک چیز کی بابت سوال کروں تو کیا تم سچ کہو گے؟ ان سب نے کہا، اے ابوالقاسم! ہاں۔ آپ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ کیا تم نے اس بکری میں زہر ملایا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ انہوں نے کہا ہمارا ارادہ یہ تھا کہ اگر آپ اپنے دعویٔ نبوت میں جھوٹے ہوئے تو ہم آپ سے راحت حاصل کریں گے (کہ ہماری جان چھوٹ جائے گی) اور اگر آپ واقعی نبی ہیں تو یہ زہر آپ کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔

حدیثِ باب میں تین سوالات اور ان کے جوابات مذکور ہیں، سوالات نبی علیہ السلام کی طرف سے اور جوابات یہود کی طرف سے تھے، ان کی بدبختی وکذب بیانی کو دیکھیے کہ تینوں جوابات میں انہوں نے جھوٹ ہی بولا ہے، پہلے دو سوالات میں تو ان کا جھوٹ وخباثت ظاہر ہے، جب کہ تیسرے سوال کے جواب میں ان کا یہ کہنا کہ "أردنا إن كنت كاذبا نستريح، وإن كنت نبيا لم يضرك" بھی جھوٹ سے خالی نہیں، کیوں کہ نبی علیہ السلام کا نبی ہونا، مبعوث من اللہ ہونا ان پر اظہر من الشمس تھا، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿الذين أتيناهم الكتاب يعرفونه كما يعرفون أبناء هم﴾ (۲)، لیکن بنو اسرائیل چوں کہ اپنے کو دنیا کی اعلیٰ ترین مخلوق اور اپنے نسب کو ارفع خیال کرتے ہیں، اس لیے ان سے یہ برداشت نہیں ہوا کہ اشرف الانبیاء والرسل، خاتم النبیین والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عربوں وبنو اسماعیل سے کیوں کر ہوئی؟ یہی وجہ تھی کہ وہ ہمیشہ نبی علیہ السلام اور ان کے متبعین کے درپے آزار رہے اور قیامت تک رہیں گے، یہ وہ جماعت ہے جو ہمیشہ سے

---

(۱) فتح الباري: ۱۰/۲٤٦، وشرح الكرماني: ۱۳/۱۳٤، وإرشاد الساري: ٥/۲۳٦.

(۲) البقرة/ ۱٤٦.

اسلام اور مسلمانوں کی دشمن رہی ہے، ان سے خیر کی توقع رکھنا ہی عبث ہے، ارشادِ ربانی ہے: ﴿لتجدن أشد الناس عداوة للذين آمنوا اليهود......﴾(١)، قرآن کریم کے اس صریح اعلان کے بعد بھی اگر کوئی ان کو اپنا دوست سمجھتا ہے تو اس کی حماقت کے علاوہ اور کیا تعبیر ہوسکتی ہے؟!

ایک سوال اور اس کا جواب

حدیثِ باب اور مسلم شریف کی روایت، جو ماقبل میں گذری، میں بظاہر تعارض ہے کہ وہاں جو مکالمہ نقل کیا گیا وہ نبی علیہ السلام اور ایک یہودیہ زینب بنت الحارث کے درمیان تھا اور یہاں کا جو مکالمہ ہے، وہ نبی علیہ السلام کا یہود کے ساتھ ہے۔

اس کا جواب واضح ہے کہ اس میں کوئی تعارض ہے ہی نہیں، ممکن ہے کہ نبی علیہ السلام نے دونوں کے ساتھ بات چیت کی ہو اور زہر دینے کا سبب دریافت کیا ہو، چناں چہ حدیث باب میں یہود نے زہر ملانے کا سبب یہ بتلایا ہے کہ "إن كنت كاذبا نستريح، وإن كنت نبيا لم يضرك" جس کا مفہوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو- معاذ اللہ- قتل کرنا ہی ہے، اس عورت نے بھی اپنا مقصد یہی بتلایا تھا کہ "أردت لأقتلك"(٢) جب مقصود ایک ہی ہوا تو بظاہر یہ معلوم ہوا کہ اس عورت کا مذکورہ فعل سارے یہودیوں کے مشترکہ مشورہ کا نتیجہ تھا، اس لیے آپ علیہ السلام نے سب سے باز پرس کی اور یہ جتلا دیا کہ ہمیں تم لوگوں کی مکاریوں کا بخوبی علم ہے(٣)۔

---

(١) المائدة/ ٨٢.

(٢) الصحيح لمسلم، كتاب الطب، باب السم، رقم (٥٧٠٥).

(٣) اوپر متن میں درج کردہ مؤقف کی تائید تاریخ سے بھی ہوتی ہے، نبی علیہ السلام کو زہر دینے والی اس عورت کے باپ حارث، چچا یسار، شوہر سلام بن مشکم اور بھائی مرحب یا زبیر مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے، اس لیے یہ عورت انتقام کی آگ میں جل رہی تھی اور نبی علیہ السلام کو قتل کرنے کی شدید آرزو رکھتی تھی، چناں چہ دیگر یہود نے اسی کو استعمال کرنے کا منصوبہ بنایا، اس طرح نبی علیہ السلام کے کھانے میں زہر ملایا گیا۔

فتح الباري: ٤٩٧/٧، والروض الأنف: ٢٤٣/٢، وعمدة القاري: ٩١/١٥، وسنن أبي داود، كتاب الديات، باب فيمن سقى رجلا سما......، رقم (٥٩٠٩).

عالم عرب کے مشہور ادیب، ڈاکٹر منیر عجلانی نے ایک دستاویز کا انکشاف کیا ہے، جو آرمینی زبان میں تھی، اس سے بھی ثابت یہی ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام کو زہر دینے کا عمل کسی فردِ واحد کا نہیں تھا، بلکہ اس میں پوری قومِ یہود شامل تھی، اس دستاویز کا =

کیا اس عورت نے اسلام قبول کرلیا تھا؟

بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت نے اسلام قبول کرلیا تھا، چناں چہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا قبولِ اسلام مروی ہے، اسی پر امام سلیمان التیمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جزم کیا ہے، ان کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں، جو اس عورت کے قبولِ اسلام پر دلالت کرتے ہیں:

وقد استبان لي الآن أنك صادق، وأنا أشهدك ومن حضر أني على دينك، وأن لا إله إلا الله، وأن محمداً عبده ورسوله".

''اب مجھ پر یہ واضح ہوگیا ہے کہ آپ سچے ہیں اور میں آپ کو و دیگر حاضرین کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ میں آپ کے دین پر ہوں اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے و رسول ہیں''۔

یہ جملے اس عورت نے اس وقت کہے جب اس نے دیکھا کہ نبی علیہ السلام پر اس کے زہر کا اثر نہیں ہوا ہے، چنانچہ اس کے بعد نبی علیہ السلام نے اس کو معاف فرمادیا، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ابھی باب

= متن درج ذیل ہے:

"يقال: إن الأمة اليهودية تحسد أمة النصارى، ولما جاء محمد(صلى الله عليه وسلم)، وعظم أمره، اجتمع رؤساء اليهود، وقالوا في أنفسهم:

"لِنضمّه إلينا؛ بأن نزوّده بأحكام ديننا، فينشرها بين الناس، وبذلك نتغلّب على النصارى وأناجيلهم".

ولكن المسلمين الذين انتصروا على أعدائهم، وفتحوا الفتوحاتِ العظيمةَ لم يكترثوا لليهود، ولم يقيموا لهم وزنا؛ بل اضطروا أحيانا إلى قتالهم،

فعاد رؤساء اليهود إلى الاجتماع والتفكير في أسلوب يتخلصون به من محمد ......، فاختاروا من نسائهم فتاة جميلة، وقالوا لها: "يجب عليكِ أن تدعي محمدا إلى وليمة، وتقتليه".

ففعلت المرأة ما أمرها الرؤساء به".

انظر تعليقات على دلائل النبوة للبيهقي: ٢٥٨/٤.

ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت میں بھی ان لوگوں کی سازشوں کا عمل دخل رہا ہو اور وہ فرد واحد ''فیروز'' کا کام نہ ہو۔

کی پہلی حدیث کی شرح میں گزرا(۱)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی صنیع سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعۂ اس عورت کو صحابیات میں شمار کرتے ہیں، اسی لیے انہوں نے اس عورت کا ذکر "الاصابۃ" میں القسم الأول کے تحت نقل کیا ہے(۲)۔

واللہ اعلم بالصواب

نبی بشر ہوتا ہے

حدیثِ باب میں یہود نے نبی علیہ السلام کو زہر دینے کی علت یہ بتلائی کہ "وإن كنت نبيا لم يضرك" کہ اگر آپ واقعی نبی ہیں تو یہ زہر آپ پر اثر نہیں کرے گا۔ لیکن ان کی یہ بات غلط ہے، نبی کے لیے یہ ضروری نہیں کہ زہر کا اس پر اثر نہ ہو، نبی چوں کہ بشر ہوتا ہے اس لیے اس پر زہر کا بھی اثر ہوسکتا ہے، اس کے اوپر سحر کا بھی اثر ہوسکتا ہے (كما يأتي بعد أبواب)، جیسے دوسرے عوارض بشریہ اس کو عارض اور لاحق ہوتے ہیں، اسی طرح یہ چیزیں بھی اس پر اثر انداز ہوسکتی ہیں۔

معجزۂ نبی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس زہر کا فوری اثر جو ظاہر نہیں ہوا تھا، وہ معجزہ نبوی تھا، اس کو عام حالات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، لیکن اس زہر کے اثرات وفات نبوی کے وقت ظاہر ہوئے، صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے آخر میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام کے تالو میں اس زہر کے اثرات مجھے نمایاں طور پر معلوم ہوتے تھے، نبی علیہ السلام کی وفات میں ایک ظاہری سبب یہ زہر بھی تھا(۳)۔ اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے شہادت کی موت عطا فرمائی تھی (۴)۔

---

(١) فتح الباري: ٤٩٧/٧، والمصنف لعبد الرزاق: ٥٣/٦، كتاب أهل الكتاب، هل يقتل ساحرهم؟ رقم (١٠٠٥٣)، والسيرة الحلبية: ٧٧٠/٢، غزوة خيبر والمرقاة: ٧٤/١١، كتاب الفضائل ...... الفصل الثاني، رقم (٥٩٣١).

(٢) الإصابة في تمييز الصحابة: ٣١٤/٤.

(٣) انظر الصحيح لمسلم، كتاب الطب، باب السم، رقم (٥٧٠٥)، وعمدة القاري: ٩٢/١٥، وكشف الباري، كتاب المغازي: ٦٧٠، وتكملة فتح الملهم: ٣١٢/٤.

(٤) أخرجه الحاكم في المستدرك: ٦٠/٣، كتاب المغازي......، رقم (٤٣٩٤)، قال عبدالله بن مسعود =

مؤثر حقیقی اللہ کی ذات ہے

حدیثِ باب سے ایک فائدہ یہ مستنبط ہوا کہ مؤثر حقیقی صرف اللہ کی ذات ہے، اس کی اجازت وحکم کے بغیر کوئی چیز نقصان پہنچا سکتی ہے نہ فائدہ، دیکھیے! اس زہر آلود بکری کے گوشت سے حضرت بشر رضی اللہ عنہ فوری طور پر متاثر ہوئے، جب کہ نبی علیہ السلام اس کے فوری اثرات سے بچ گئے اور ان پر زہر اثر انداز نہیں ہوسکا(۱)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیثِ باب کا انطباق

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت بایں معنی ہے کہ نبی علیہ السلام کو یہود خیبر نے زہر آلود گوشت کھلانے کی کوشش کی، اس طرح دھوکہ دہی اور خیانت کے مرتکب ہوئے، لیکن اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سازش کے تمام کرداروں کو معاف کردیا تھا، اسی سے ترجمہ ثابت ہورہا ہے کہ اس صورت میں معاف بھی کیا جاسکتا ہے اور دوسری سزائیں بھی حسبِ ضرورت دی جاسکتی ہیں (۲)۔ واللہ اعلم بالصواب

٨ - باب : دُعاءِ الْإِمامِ عَلَى مَنْ نَكَثَ عَهْدًا .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مطلوب ومقصود یہاں یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی بدعہدی کرتا ہے تو امام کو اس کے حق میں بددعا کرنی جائز ہے (۳)۔

۲۹۹۹ : حدّثنا أَبُو النُّعْمَانِ : حَدَّثَنَا ثابِتُ بْنُ يَزِيدَ : حَدَّثَنَا عاصِمٌ قالَ : سَأَلْتُ أَنَسًا[٤]

= رضي الله عنه: "لأن أحلف تسعا أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قتل قتلاً أحب إلي من أن أحلف واحدة أنه لم يقتل؛ وذلك أن الله عزوجل اتخذه نبيا، واتخذه شهيدا". وأيضاً الطبقات الكبرى لابن سعد: ٣١٤/٨، من كلام أم بشر بن البراء رضي الله عنهما.

(١) عمدة القاري: ٩٢/١٥، وفتح الباري: ٢٤٧/١٠.

(٢) عمدة القاري: ٩١/١٥.

(٣) عمدة القاري: ٩٢/١٥.

(٤) قوله: "سألت أنسا رضي الله عنه": الحديث، مرّ تخريجه في الوتر، باب القنوت قبل......

رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ عَنِ الْقُنُوتِ ، قالَ : قَبْلَ الرُّكُوعِ ، فَقُلْتُ : إِنَّ فُلَانًا يَزْعُمُ أَنَّكَ قُلْتَ بَعْدَ الرُّكُوعِ ؟ فَقَالَ : كَذَبَ ، ثمَّ حَدَّثَنَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَنَتَ شَهْرًا بَعْدَ الرُّكُوعِ ، يَدْعُو عَلَى أَحْيَاءٍ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ ، قالَ : بَعَثَ أَرْبَعِينَ – أَوْ سَبْعِينَ ، يَشُكُّ فِيهِ – مِنَ الْقُرَّاءِ ، إِلَى أُنَاسٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ، فَعَرَضَ لَهُمْ هٰؤُلَاءِ فَقَتَلُوهُمْ ، وَكانَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ النَّبِيِّ ﷺ عَهْدٌ ، فَمَا رَأَيْتُه وَجَدَ عَلَى أَحَدٍ ما وَجَدَ عَلَيْهِمْ . [ر : ٩٥٧]

تراجمِ رجال

١– ابوالنعمان

یہ ابوالنعمان محمد بن فضل السدوسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب قول النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم: الدین النصیحة للّٰہ......" کے تحت گزر چکا ہے(١)۔

٢– ثابت بن یزید

یہ ثابت بن یزید بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں(٢)۔

٣– عاصم

یہ عاصم بن سلیمان بن ابی مسلم الاحول رحمۃ اللہ علیہ ہیں(٣)۔

٤– انس

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، "باب من الإیمان أن یحب لأخیه مایحب لنفسه" کے تحت آچکے(٤)۔

اور یہ پوری سند بصریین پر مشتمل ہے(٥)۔

---

(١) كشف الباري: ٢/٧٦٨.

(٢) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الأذان، باب بدء الأذان.

(٣) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان.

(٤) كشف الباري: ٢/٤.

(٥) فتح الباري: ٦/٢٧٣، وعمدة القاري: ١٥/٩٢.

تنبیہ

اس حدیث کی مکمل تشریح کتاب الوتر میں دیکھیے۔

ایک اہم فائدہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ کسی کافر وغیرہ کے حق میں بددعا کی نہ تھی، جب تک نبی علیہ السلام کو یہ امید رہتی کہ یہ کافر اپنے دین باطل کو چھوڑ کر ہدایت یاب ہوسکتا ہے، اس کو بددعا نہیں دیتے تھے، دیکھیے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا گیا تھا کہ قبیلہ دوس پر بددعا کریں، لیکن آپ نے ان کے حق میں ہدایت کی دعا فرمائی، لیکن اس کے برخلاف بنی سلیم نے جب عہد توڑا، غداری وخیانت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے لیے بددعا فرمائی، کیوں کہ ان کی ہدایت سے نبی علیہ السلام مایوس ہو گئے تھے، چناں چہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بددعا قبول فرمائی اور آپ علیہ السلام کی سچائی کو لوگوں پر آشکار کر دیا کہ ہم اپنے نبی کی کسی بات کو رد نہیں کرتے (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

ایک اور فائدہ

نمازوں کے بعد، اسی طرح خطبوں میں جو مسلمانوں کے دشمنوں ومخالفین کے لیے بددعا کی جاتی ہے، اس کی اصل یہی قصہ ہے، جس میں نبی علیہ السلام نے بنوسلیم کے لیے بطورِ بددعا کے ایک مہینے تک قنوت نازلہ پڑھی، اس سے اس فعل کی مشروعیت وجواز بخوبی معلوم ہورہا ہے (۲)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت واضح ہے، ترجمہ بدعہدی کرنے والے کے لیے بددعا کے جواز کا تھا، یہی جواز حدیثِ باب سے ثابت ہورہا ہے۔

☆☆......☆☆

---

(۱) عمدة القاري: ۹۲/۱۵.

(۲) حواله بالا.

٩ - باب : أَمانِ النِّسَاءِ وَجِوارِهِنَّ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ عورت کے کسی کو امان دینے کا مسئلہ بیان کررہے ہیں اور یہ بتارہے ہیں کہ عورت اگر امان دے گی تو اس کا وہ امان دینا معتبر ہوگا (۱)۔

مسئلہ کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

جوار کے معنی

جُوار -بکسر الجیم وضمها- باب مفاعلہ کا مصدر ہے، اجارہ کے معنی میں ہے اور اجارہ کے معنی ہیں کسی کو پناہ دینا، مدد کرنا اور حفاظت کرنا (۲)۔ اب مطلب یہی ہوا کہ عورت کسی کو امان بھی دے سکتی ہے اور پناہ وغیرہ بھی دے سکتی ہے۔

٣٠٠٠ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ : أَخْبَرَنَا مالِكٌ ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ ، مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ ٱللهِ : أَنَّ أَبَا مُرَّةَ مَوْلَى أُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ : أَنَّهُ سَمِعَ أُمَّ هَانِئٍ بِنْتَ أَبِي طَالِبٍ[۳] تَقُولُ : ذَهَبْتُ إِلَى رَسُولِ ٱللهِ ﷺ عامَ الْفَتْحِ ، فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ ، وَفاطِمَةُ ٱبْنَتُهُ تَسْتُرُهُ ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ ، فَقَالَ : (مَنْ هٰذِهِ) . فَقُلْتُ : أَنَا أُمُّ هَانِئٍ بِنْتُ أَبِي طَالِبٍ ، فَقَالَ : (مَرْحَبًا بِأُمِّ هَانِئٍ) . فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ قامَ فَصَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ ، مُلْتَحِفًا في ثَوْبٍ وَاحِدٍ ، فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، زَعَمَ ٱبْنُ أُمِّي ، عَلِيٌّ ، أَنَّهُ قَاتِلٌ رَجُلاً قَدْ أَجَرْتُهُ ، فُلَانُ بْنُ هُبَيْرَةَ . فَقَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ يَا أُمَّ هَانِئٍ) . قالَتْ أُمُّ هَانِئٍ : وَذٰلِكَ ضُحًى . [ر : ٢٧٦]

تراجم رجال

١ - عبداللہ بن یوسف

یہ عبداللہ بن یوسف تینسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

---

(١) عمدة القاري: ١٥/٩٢، وإرشاد الساري: ٥/٢٣٧.

(٢) عمدة القاري: ١٥/٩٢، وفتح الباري: ٦/٢٧٣، وشرح الكرماني: ١٣/١٣٥.

(٣) قوله: "أم هاني ابنة أبي طالب": الحديث، مرّ تخريجه في كتاب الغسل، باب التستر في الغسل ......

۲- مالك

یہ امام دار الہجرہ مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان دونوں حضرات کا تذکرہ "بدء الوحی" کی دوسری حدیث کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

۳- ابو النضر

یہ ابو النضر سالم بن ابی امیہ مولی عمر بن عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

٤- ابو مره

یہ ابو مرہ یزید بن مرہ مولی ام ہانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب العلم، "باب من قعد حيث ينتهي به المجلس......" کے تحت آچکے ہیں (۳)۔

۵- ام هانی

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عم زاد بہن حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا ہیں (۴)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں فتح مکہ والے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، دیکھا کہ آپ غسل فرما رہے تھے اور حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہ ستر پوشی کے لیے کھڑی تھیں، تو میں نے آپ کو سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کون ہے؟ میں نے جواباً کہا میں ام ہانی ہوں۔ تو آپ نے مجھے خوش آمدید کہا، جب آپ غسل سے فارغ ہو گئے تو نیت باندھ کر کھڑے ہوئے اور ایک ہی کپڑے کو اپنے جسم سے لپیٹ کر آٹھ رکعتیں ادا کیں۔ میں نے کہا، یا رسول اللہ! میرے بھائی علی کا خیال ہے کہ وہ اس شخص کو قتل کریں گے، جس کو میں نے پناہ دے دی ہے، یعنی فلاں ابن ہبیرہ کو، نبی علیہ السلام نے فرمایا اے ام

(۱) كشف الباري: ۱/۲۸۹-۲۹۰، امام مالک کے لیے مزید دیکھیے، كشف الباري: ۲/۸۰.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب المسح على الخفين.

(۳) كشف الباري: ۳/۲۱٤.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الغسل، باب التستر في الغسل عند الناس.

ہانی! تم نے جس کو پناہ دی اس کو ہم نے بھی پناہ دی اور یہ چاشت کے وقت کی بات ہے۔

عورت امان دے سکتی ہے

حدیثِ باب اس مسئلہ میں صریح ہے کہ عورت امان دے سکتی ہے، نیز یہ کہ اس کے امان دیے ہوئے شخص کو قتل کرنا حرام ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے شوہر ابوالعاص بن الربیع رضی اللہ عنہ کو امان دیا تھا(۱)۔ اس سے بھی جواز واضح ہے، یہی جمہور علمائے حجاز وعراق یعنی امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، شافعی، احمد، ابوثور، اسحاق بن راہویہ، ثوری اور اوزاعی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا مذہب ہے(۲)۔

البتہ مالکیہ میں سے دو حضرات عبدالملک بن الماجشون اور سحنون رحمہما اللہ نے جمہور سے ہٹ کر یہ کہا ہے کہ عورت کا امان دینا امام وقت کی اجازت پر موقوف ہے، اگر وہ اس کو نافذ کرے تو صحیح ہے، ورنہ مردود، لیکن یہ قول شاذ ہے(۳)۔ والقول ما قاله الجمهور. والله أعلم بالصواب

---

(۱) روى الطبراني عن أنس رضي الله عنه: "أن زينب بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم أجارت أبا العاص، فأجاز النبي صلى الله عليه وسلم جوارها ......". المعجم الكبير: ٢٢/٤٢٥-٤٢٦، ذكر سن زينب ووفاتها، ومن أخبارها، رقم (١٠٤٨-١٠٤٩).

وقد أخرجه الطبراني عن أم سلمة رضي الله عنها أيضاً. انظر معجمه الكبير: ٢٢/٢٧٥، وما أسندت أم سلمة رضي الله عنها، أبوبكر بن عبدالرحمن ...... عن أم سلمة......، رقم (٥٩٠)، وكذا انظر: ٢٢/٢٢٥، رقم (١٠٤٧).

وأيضا انظر نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية: ٣/٣٩٦، رقم (٥٨١٢-٥٨١٣).

(۲) شرح ابن بطال: ٥/٣٤٩، وعمده القاري: ١٥/٩٣، مذاہبِ اربعہ کے لیے دیکھیے: المغني: ٩/١٩٥، والأم: ٢/٤/٢٨٤، والمدونة الكبرى: ٢/٤١، والهداية: ٢/٥٦٤، وفتح القدير: ٥/٢١٠، فصل الأمان.

(۳) قال الحافظ في الفتح (٦/٢٧٣): "قال ابن المنذر: أجمع أهل العلم على جواز أمان المرأة، إلا شيئا ذكره عبدالملك -يعني ابن الماجشون صاحب مالك- لا أحفظ ذلك عن غيره، قال: إن أمر الأمان إلى الإمام، وتأول مما ورد مما يخالف ذلك على قضايا خاصة، قال ابن المنذر: وفي قول النبي صلى الله عليه وسلم "يسعى بذمتهم أدناهم" دلالة على إغفال هذا القائل".

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیثِ باب کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت اس جملے میں ہے: "قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ" (☆) اس سے عورت کے امان کی صحت کا جواز صراحت کے ساتھ معلوم ہو رہا ہے۔

۱۰ - باب : ذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَجِوَارُهُمْ وَاحِدَةٌ يَسْعَى بِهَا أَدْنَاهُمْ .

یعنی مسلمانوں کا ذمہ اور امان ایک ہے، ادنیٰ آدمی بھی اس کی کوشش کر سکتا ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

مقصدِ ترجمہ یہاں یہ ہے کہ اگر کسی حربی کو مسلمانوں کی کوئی جماعت یا طبقہ امان دیتا ہے تو اس کا حکم ایک ہی ہوگا، کسی کے اختلاف سے حکم نہیں بدلے گا، یہ امان سب کی طرف سے معتبر ہوگا۔

مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی حربی کو مسلمانوں کی طرف سے امان دیا جاتا ہے تو یہ امان سب کی طرف سے ہوگا، خواہ امان دینے والا کم مرتبے کا شخص ہو یا طبقہ اشرافیہ کا، غلام ہو یا آزاد، مرد ہو یا عورت، اس کے بعد کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ اس امان کو توڑے اور جس کو امان دیا گیا ہے اس کو کسی قسم کا ضرر پہنچائے (۱)۔

ترجمۃ الباب میں مذکور لفظ "أدناهم" سے مراد "أقلهم عددا" ہے، یعنی ایک شخص بھی امان دے سکتا ہے، خواہ مرد ہو یا عورت...... (۲)۔

کیا غلام کا امان دینا معتبر ہے؟

اوپر جو مذہب نقل کیا گیا وہ جمہور کا ہے، امام مالک، شافعی، احمد، سفیان ثوری، اوزاعی، لیث اور ابوثور رحمہم اللہ (۳) کا مسلک یہی ہے کہ اگر غلام کسی کو امان دے تو وہ معتبر ہوگا، احناف میں سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ (۴) کا مسلک بھی یہی ہے۔

(☆) عمدة القاري: ۱۵/۹۳.

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۹۳، وإرشاد الساري: ۵/۲۳۸، وفتح الباري: ۶/۲۷٤.

(۲) حوالہ جات بالا۔

(۳) المدونة الكبرىٰ: ۲/۴۲، والمغني: ۹/۱۹۵، وكتاب الأم: ٤/۲۸٤، باب في الأمان، وأعلام الحديث: ۲/۱٤۷۰.

(٤) الهداية: ۲/٥٦٥.

جب کہ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ یہ کہتے ہیں کہ غلام کا امان اس وقت معتبر ہوگا جب اس کا مالک اس کو قتال کی اجازت بھی دے، مطلب یہ ہے کہ عبد ماذون کا امان معتبر ہے، غیر ماذون یعنی مجور کا غیر معتبر۔

اب ان حضرات کے درمیان گویا کہ عبد مجور میں اختلاف ہے، عبد ماذون للقتال میں کوئی اختلاف نہیں ہے(۱)۔

بچے کا امان

ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ بچے کے امان کے غیر معتبر ہونے پر اہلِ علم کا اجماع ہے۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے اس کلام سے اختلاف کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ حکم مطلق نہیں ہے، بلکہ مقید ہے، چناں چہ صبی مراہق اور ممیّز وفہیم کا امان معتبر ہے(۲)۔

لیکن خود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ صبی ممیّز کے امان کو غیر معتبر سمجھتے ہیں، کالصبي الغير المميز(۳).

احناف کے نزدیک اس مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں صبی ممیّز اگر مجور عن القتال ہو تو اس کا امان غیر معتبر ہے، لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس امان کی صحت کے قائل ہیں۔

اور اگر صبی ممیّز ماذون للقتال ہو تو سب کے نزدیک اس کا امان معتبر و مقبول ہے(۴)۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد سحنون مطلقاً صبی ممیّز کے امان کے معتبر ہونے کے قائل ہیں، جب کہ ان کے دیگر تلامذہ اس کو امام کی اجازت سے مشروط کہتے ہیں(۵)۔

---

(۱) حواله بالا، والفتاویٰ الهندية: ۱۹۸/۲.

(۲) فتح الباري: ۲۷٤/٦.

(۳) كتاب الأم: ۲۸٤/٤/۲، باب في الأمان، "وإذا أمن من دون البالغين والمعتوه قاتلوا أو لم يقاتلوا لم نجز أمانهم".

(٤) الهداية مع البناية للعيني: ۱۲۹/۷، كتاب السير، فصل، وكتاب السير الكبير مع شرحه للسرخسي: ۱۷۸/۱/۱، رقم (٤۲).

(٥) المدونة الكبرى: ٤۱/۲، كتاب الجهاد، في أمان المرأة والعبد والصبي، والمنتقى: ۳٤٦/٤.

جب کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس سلسلے میں دو روایتیں منقول ہیں، ایک میں صحت کے قائل ہیں، دوسری میں عدم صحت کے (۱)۔

مجنون کا امان دینا

جمہور علمائے امت کے نزدیک مجنون ودیوانے کا امان غیر معتبر ہے، کافر کے مثل اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں (۲)۔

۳۰۰۱ : حدّثني محمَّدٌ : أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ ، عَنِ الْأَعْمَشِ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ ، عَنْ أَبِيهِ قالَ : خَطَبَنَا عَلِيٌّ(۳) فَقَالَ : ما عِنْدَنَا كِتَابٌ نَقْرَؤُهُ إِلَّا كِتَابُ ٱللهِ وَما في هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ ، فَقَالَ : فِيهَا ٱلْجِرَاحاتُ وَأَسْنَانُ الْإِبِلِ : (وَالْمَدِينَةُ حَرَمٌ ما بَيْنَ عَيْرٍ إِلَى كَذَا ، فَمَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا أَوْ آوَى فِيهَا مُحْدِثًا ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ ٱللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ ، وَمَنْ تَوَلَّى غَيْرَ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ مِثْلُ ذٰلِكَ ، وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ ، فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ مِثْلُ ذٰلِكَ) .

[ر : ۱۷۷۱]

تراجمِ رجال

۱ — محمد

محمد سے مراد محمد بن سلام بیکندی ہیں۔ جس کی تصریح ابن السکن رحمہما اللہ نے کی ہے۔ ان کے حالات كتاب الإيمان، "باب قول النبي ﷺ: أنا أعلمكم بالله......" کے تحت گزر چکے ہیں (۴)۔

۲ — وکیع

یہ مشہور امام حدیث حضرت وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات كتاب العلم، "باب

---

(۱) المغني لابن قدامة: ۹/۱۹۶.

(۲) حوالہ بالا، وفتح الباري: ۶/۲۷۴، والسير الكبير مع السرخسي: ۱/۱/۲۰۰، كتاب الأمان، رقم (۴۶).

(۳) قوله: "خطبنا علي" : الحديث، مرّ تخريجه في كتاب العلم، باب كتابة العلم.

(۴) فتح الباري: ۶/۲۷۴، وكشف الباري: ۲/۹۳.

کتابة العلم" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

۳- الأعمش

یہ امام سلیمان بن مہران المعروف بالاعمش رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب ظلم دون ظلم" کے تحت آچکا ہے(۲)۔

٤- ابراهيم التيمي

یہ مشہور محدث، امامِ وقت ابراہیم بن یزید بن شریک رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب خوف المؤمن من أن......" کے تحت گزر چکا ہے(۳)۔

٥- أبيه

ابیہ سے مراد حضرت ابراہیم کے والد یزید بن شریک رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۴)۔

٦- علی

یہ دامادِ رسول، خلیفہ رابع، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا مفصل تذکرہ کتاب العلم، "باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم" کے تحت بیان ہو چکا(۵)۔

تنبیہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیثِ باب کی تشریح ہم "کتاب العلم، باب کتابة العلم"(٦) اور "فضائل المدينة، باب حرم المدينة" کے تحت بیان کر چکے ہیں۔

---

(١) كشف الباري: ٢١٩/٤.

(٢) كشف الباري: ٢٥١/٢.

(٣) كشف الباري: ٥٤٤/٢.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب فضائل المدينة، باب حرم المدينة.

(٥) كشف الباري: ١٤٩/٤.

(٦) كشف الباري، كتاب العلم: ٢٢٣/٤-٢٦١.

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے: "وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ" کہ مسلمانوں کا ذمہ اور عہد ایک ہی ہوتا ہے، لہٰذا اگر کوئی عاقل بالغ مسلمان کسی کو پناہ دے تو وہ معتبر ہوگا(۱)۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں ذکر کردہ کلمات "يسعى بذمتهم أدناهم" کے ذریعے اس روایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جو آگے سفیان عن الاعمش کے طریق سے "باب إثم من عاهد ثم غدر" کے تحت آرہی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: "وذمة المسلمين واحدة، يسعى بها أدناهم".

یہی معنی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے بھی مرفوعاً مروی ہیں، ان کی روایت کی تخریج امام احمد (۲) وابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ (۳) نے کی ہے، فرماتے ہیں: "المسلمون تتكافؤ دماؤهم، وهم يد على من سواهم، يسعى بذمتهم أدناهم" (٤).

١١ – باب : إِذَا قَالُوا صَبَأْنَا وَلَمْ يُحْسِنُوا أَسْلَمْنَا .

یعنی یہ باب اس امر کے بیان میں ہے کہ جب مشرکین "صبأنا" کہیں اور "أسلمنا" اچھی طرح نہ کہہ پائیں۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر مشرکین دورانِ قتال یہ کہنے لگیں کہ صبأنا یعنی ہم اپنے سابقہ دین سے پھر گئے اور ان کا مقصد اس جملے سے یہ ہو کہ ہم اسلام قبول کرتے ہیں، تمہارے دین میں

---

(١) فتح الباري: ٦/٢٧٤، وعمدة القاري: ١٥/٩٤، وإرشاد الساري: ٥/٢٣٨.

(٢) مسند الإمام أحمد: ٢/٦٥٧-٦٥٨، مسند عبدالله بن عمرو......، رقم (٦٧٩٧)، وأيضا برقم (٦٦٩٢و٧٠٩٢).

(٣) سنن ابن ماجه، كتاب الديات، باب المسلمون تتكافؤ دمائهم، رقم (٢٦٨٥)، وعن ابن عباس أيضاً، رقم (٢٦٨٣).

(٤) فتح الباري: ٦/٢٧٤، وعمدة القاري: ١٥/٩٤، وإرشاد الساري: ٥/٢٣٨، نیز دیکھیے، المصنف لابن أبي شيبة: ١٨/١٠١-١٠٧، كتاب السير، باب في أمان المرأة والمملوك.

داخل ہوتے ہیں،لیکن "أسلمنا" نہ کہہ پائیں تو کیاان کا"صبأنا" کہنااس امر کے لیے کافی ہوگا کہ ان سے لڑائی روک دی جائے اوران کے مزید درپے نہ ہوا جائے (۱)،توامام بخاری کا جواب اثبات میں ہے کہ ان سے اب تعرض نہیں کیا جائے گا۔

جب کہ علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مقصود ترجمہ یہ ہے کہ مقاصد کا اعتبار ادلہ وقرائن سے ہوتا ہے، یہ ادلہ خواہ لفظی ہوں یا غیر لفظی، چاہے کسی بھی زبان میں ہوں (۲)۔

یہاں مناسب رائے علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ ہی کی معلوم ہوتی ہے کہ ترجمۃ الباب کو عام رکھا جائے اور یوں کہا جائے کہ لفظ"صبأنا" کے ساتھ ترجمہ خاص نہیں ہے، بلکہ کوئی سا بھی کلمہ یا جملہ یہ مفہوم دے رہا ہو، اس کا اعتبار ہوگا، نیز یہ کہ امان کسی بھی زبان میں دیا جائے وہ معتبر ہوگا، مطلوب فقط یہی ہے کہ وہ کلمہ یا جملہ امان کے معنی دے رہا ہو اور مضمون امان وذمہ کو شامل ہو۔

کلمہ "صبأنا" کی تحقیق صرفی ولغوی

"صبأنا" باب نصر سے جمع متکلم ماضی کا صیغہ ہے، اس کا مصدر "صُبُوءً ا" ہے، اس کے معنی مذہب تبدیل کرنے کے ہیں، کہا جاتا ہے:"صبأ فلان: إذا خرج من دينه إلى دين غيره" اسی بنیاد پر مشرکین مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو"صابی" کہتے تھے، کیوں کہ آپ علیہ السلام نے مشرکین مکہ کے خیال وزعم کے مطابق اپنے باپ دادا کے مذہب بت پرستی وشرک کو چھوڑ کر دوسرا دین یعنی اسلام اختیار کرلیا تھا (۳)۔

وَقالَ ٱبْنُ عُمَرَ : فَجَعَلَ خالِدٌ يَقْتُلُ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (اللَّهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خالِدٌ) . [ر : ٤٠٨٤]

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ (ان کو) قتل کرنے لگے، سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا، میں اس سے براءت کا اعلان کرتا ہوں۔

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٧٤، وعمدة القاري: ١٥/٩٤، وشرح ابن بطال: ٥/٣٥٢.

(۲) فتح الباري: ٦/٢٧٤، وعمدة القاري: ١٥/٩٤، والمتواري على تراجم أبواب البخاري: ١٩٩.

(۳) عمدة القاري: ١٥/٩٤، وفتح الباري: ٨/٥٧-٥٨، والقاموس الوحيد، مادة: "صبأ".

مذکورہ تعلیق کی تخریج

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا تعلیق کو مسنداً کتاب المغازی میں (۱)، نیز کتاب الاحکام (۲) میں نقل کیا ہے۔

ان کے علاوہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کو موصولاً روایت کیا ہے (۳)۔

تعلیق میں مذکور واقعے کی تفصیل

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا تعلیق میں انتہائی اختصار واجمال ہے، اس میں مذکور واقعے کا حاصل یہ ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ کا امیر بنا کر تبلیغ کی غرض سے بنوجذیمہ کی طرف روانہ کیا، یہ غزوۂ حنین سے کچھ پہلے کا واقعہ ہے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جب انہیں اسلام کی دعوت دی تو وہ لوگ ٹھیک طرح سے اسلام کا اقرار نہ کر سکے، "أسلمنا" کی بجائے "صبأنا" کہنے لگے، مقصد یہی تھا کہ ہم آپ کے دین کو قبول کرتے ہیں، لیکن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کے اس اقرار کو قبول نہ کیا اور ظاہر لفظ کو بنیاد بنا کر ان کو قتل کرنے لگے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو بہت ناراض ہوئے، فرمایا، "اللهم! إني أبرأ إليك مما صنع خالد".

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس فعل سے انکار اور اس پر ناراض ہونے سے یہی واضح ہوتا ہے کہ ہر قوم میں اس مفہوم یعنی قبولِ اسلام کو ادا کرنے کے لیے جو الفاظ استعمال ہوتے ہیں، انہیں کا اعتبار ہوگا، اسی کو ان کی طرف سے کافی ووافی سمجھا جائے گا۔

مذکورہ واقعے میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے چوں کہ اجتہاد کیا تھا، جس میں ان سے خطا کا صدور ہوگیا تھا، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معذور جانا، اسی وجہ سے ان سے قصاص نہیں لیا گیا، بلکہ نبی علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مال دے کر بنوجذیمہ کی طرف روانہ کیا اور ان کے مقتولین کی

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب بعث النبي ﷺ خالد بن الوليد......، رقم (۴۳۳۹).

(۲) صحيح البخاري، كتاب الأحكام، باب إذا قضى الحاكم بجور أو ......، رقم (۷۱۸۹).

(۳) سنن النسائي، كتاب آداب القضاة، باب الرد على الحاكم إذا قضى بغير الحق، رقم (۵۴۰۷).

دیت بیت المال سے ادا کی گئی (۱)۔

حدیث سے مستنبط ایک مسئلہ

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر قاضی وحاکم کوئی ظالمانہ فیصلہ کرے یا اہل علم کے اقوال وآرا سے ہٹ کر کوئی فیصلہ دے تو بالاتفاق یہ فیصلہ مردود ہوگا۔

ہاں! اگر یہ فیصلہ اجتہاد کی رو سے ہو یا کوئی مناسب تاویل اپنے فعل کی حاکم پیش کردے، جس طرح کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کیا تو اس صورت میں حاکم گناہ گار تو نہیں ہوگا، لیکن ضمان لازم آئے گا، عند عامة أهل العلم.

پھر فقہائے امت کا اس امر میں اختلاف ہوا کہ یہ ضمان کون ادا کرے گا؟ آیا بیت المال سے ادا کیا جائے گا یا حاکم کا خاندان (عاقلہ) اس کو ادا کرے گا؟

چناں چہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام ثوری، احمد واسحاق رحمہم اللہ کا قول یہ ہے کہ مذکورہ فیصلہ کسی قتل یا زخمی کرنے کا ہو تو دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی۔

جب کہ امام شافعی، اوزاعی اور صاحبین رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ مذکورہ دیت امام کے عاقلہ وخاندان پر لازم ہوگی، وہی اس کو ادا کرے گا۔

اور ابن الماجشون رحمۃ اللہ علیہ تو یہ کہتے ہیں کہ اس میں سرے سے کوئی ضمان نہیں ہے (۲)۔

مذکورہ تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بظاہر واضح نہیں ہے کہ ترجمہ تو "إذا قالوا: صبأنا......" کا تھا، لیکن اس کے تحت ذکر کردہ حدیث میں اس کا ذکر تک نہیں ہے۔

تو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک معروف عادت یہ بھی ہے کہ وہ بعض

---

(۱) انظر صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب بعث النبي صلى الله عليه وسلم خالد بن الوليد إلى......، رقم (٤٣٣٩)، وفتح الباري: ٦/٢٧٤، وعمدة القاري: ١٥/٩٤.

(۲) شرح ابن بطال: ٨/٢٦٠-٢٦١، كتاب الأحكام، باب إذا قضى الحاكم بجور ......، وعمدة القاري: ١٥/٩٤، وفتح الباري: ٦/٢٧٤، والمغني: ٨/٢٨٨، آخر فصل من كتاب الجراح، رقم (٦٧٧٣).

اوقات حدیث کے کسی جملے یا جز کو ترجمہ بناتے ہیں، پھر اس جملے یا جز کو ترجمہ کے تحت ذکر نہیں کرتے، چناں چہ یہاں بھی یہی معاملہ ہے کہ ترجمہ تو "صبأنا" کا قائم کیا، لیکن اس کو حدیث میں ذکر نہیں کیا، بلکہ اس حدیث کے ایک حصے کو نقل فرما کر اس کی طرف اشارہ کر دیا اور اسی پر اکتفا فرمایا(۱)۔

وَقَالَ عُمَرُ : إِذَا قَالَ مَتْرَسْ فَقَدْ آمَنَهُ ، إِنَّ ٱللهَ يَعْلَمُ الْأَلْسِنَةَ كُلَّهَا .
[ر : ٢٩٨٩]

اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان کسی سے یوں کہے کہ مت ڈرو تو تحقیق اس نے اس کو امان و پناہ دی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو تمام زبانوں اور بولیوں کو جانتا ہے۔

مذکورہ تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کو امام عبدالرزاق صنعانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''مصنف'' میں ابووائل کے طریق سے موصولاً نقل کیا ہے(۲)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مکمل فرمان

اوپر ذکر کردہ کلمات یعنی "إذا قال: مترس، فقد آمنه؛ إن الله يعلم الألسنة كلها" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک فرمان کا جز ہیں، جو آپ رضی اللہ عنہ نے ملک فارس میں مصروفِ جہاد ایک لشکر کو بطور ہدایت نامے کے بھیجا تھا، مکمل متن درج ذیل ہے:

"عن أبي وائل قال: جاء نا كتاب عمر ونحن نحاصر قصر فارس، فقال: إذا حاصرتم قصرا فلا تقولوا: انزلوا على حكم الله؛ فإنهم لايدرون ما حكم الله؟ ولكن أنزلوهم على حكمكم، ثم اقضوا فيهم، وإذا لقي الرجل الرجلَ، فقال: لاتخف، فقد أمنه، وإذا قال: مترس، فقد أمنه؛ إن الله يعلم الألسنة كلها"(٣).

---

(١) فتح الباري: ٢٧٤/٦، وعمدة القاري: ٩٤/١٥.

(٢) المصنف لعبدالرزاق: ١٥٠/٥-١٥١، كتاب الجهاد، باب دعاء العدو، رقم (٩٤٩٢) و(٩٤٩٤).

(٣) حواله بالا، وعمدة القاري: ٩٤/١٥، وتغليق التعليق: ٤٨٣/٣، وفتح الباري: ٢٧٤/٦-٢٧٥.

یعنی: ''حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے پاس، درآنحالیکہ ہم نے فارس کے محل کا محاصرہ کیا ہوا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا والا نامہ آیا، جس میں آپ نے یہ فرمایا تھا کہ جب تم کسی محل (یا قلعہ) کا محاصرہ کرو تو یوں نہ کہو کہ اللہ کے فیصلہ کو قبول کرتے ہوئے نیچے اتر آؤ، کیوں کہ انہیں معلوم ہی نہیں کہ اللہ کا فیصلہ کیا ہے؟ بلکہ ان کو اپنے فیصلے پر نیچے اتارو، جب اتر آئیں تو فیصلہ کرو، جب کسی بندہ کی دوسرے بندے سے ملاقات ہو اور وہ یہ کہہ دے کہ مت ڈرو۔ تو تحقیق اس کہنے والے نے اس کو امان دیا اور اگر ''مترس'' کہے تب بھی امان دیا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو تمام زبانوں کو جانتا ہے''۔

''مترس'' کی لغوی تحقیق اور ضبط

''مترس'' فارسی زبان کا جملہ ہے، اس کے معنی ''مت ڈرو'' کے ہیں اور یہ جملہ دو چیزوں سے مرکب ہے، میم اور ترس، میم تو اہلِ فارس کے ہاں نفی کے معنی دیتا ہے، جب کہ ترس صیغۂ امر ہے ترسیدن سے، جس کے معنی ڈرنے کے ہیں، اب اس جملے کے معنی یہ ہوئے "لا تخف" یعنی مت ڈر (۱)۔

علاوہ ازیں علمائے حدیث کا اس جملے کے ضبط میں بھی اختلاف ہے، امام اصیلی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس کو میم اور تاء کے فتحہ اور سکون راء کے ساتھ ضبط کیا ہے اور ابوذر نے میم کو مکسور اور تاء کو ساکن قرار دیا ہے (۲)۔

جب کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کلمہ کو میم مفتوحہ، تائے مشددہ اور رائے ساکنہ کے ساتھ ضبط کیا ہے۔ پھر فرمایا: "وقد تخفف التاء، وبه جزم بعض من لقيناه من العجم" (۳).

اور بعض حضرات نے اس کو تاء کے سکون اور راء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، لیکن راجح بقول علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے امام اصیلی کا ضبط ہے، جس کی طرف حافظ علیہ الرحمہ نے بھی اپنے اس قول میں اشارہ کیا ہے، "وبه جزم بعض من لقيناه من العجم" (٤).

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۹٤، وفتح الباري: ٦/۲۷۵.

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۹٤-۹۵.

(۳) فتح الباري: ٦/۲۷۵.

(٤) حواله بالا، وعمدة القاري: ۱۵/۹۵.

وَقَالَ : تَكَلَّمْ لَا بَأْسَ .

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہرمزان سے فرمایا، کوئی بات نہیں، گفتگو کرو۔

اس جملے کا تعلق ایک اور واقعے سے ہے، جس کی تفصیل کتاب الجزیہ کے شروع میں آچکی ہے(۱)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ فارس کے شہر تُستُر کے محاصرے کے دوران ہرمزان گرفتار ہوگئے، جن کو حضرت انس کی معیت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہم کی خدمت میں روانہ کیا گیا، جب خلیفہ ثانی نے ان سے گفتگو کرنا چاہی تو وہ خاموش رہے، اس پر حضرت عمر نے ان سے کہا، "تكلم، لا باس عليك" اس کے بعد ان دونوں کے درمیان بات چیت شروع ہوئی، جس کی تفصیل طویل ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہرمزان کے قتل کے احکامات جاری کرنا چاہے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ تو آپ کر نہیں سکتے، کیوں کہ آپ نے تو ان کو "تكلم لا بـاس عليك" کہا ہے، خلیفہ ثانی نے کہا کیا تمہارے ساتھ اور کوئی بھی ہے، جو اس چیز کی شہادت دے کہ میں نے یہ جملے کہے ہیں؟ تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی موافقت کی، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہرمزان کو قتل نہیں کروایا، بعد میں انہوں نے اسلام قبول کرلیا(۲)۔

مذکورہ اثر کی تخریج

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ اثر کو مختصراً امام ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں (۳) اور یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے، نیز سعید بن منصور نے اپنی سنن (۴) میں اس کی تخریج کی ہے(۵)۔

---

(۱) انظر باب الجزية والموادعة مع أهل الذمة، ہرمزان کے قبول اسلام کا واقعہ.

(۲) عمدة القاري: ۹۵/۱۵، وفتح الباري: ۲۷۵/۶، والمصنف لابن أبي شيبة: ۱۸/ ۱۰۹-۱۱۰، كتاب السير، باب في الأمان، ما هو؟ وكيف هو؟ رقم (۳٤۰۸٤)، وكتاب البعوث والسرايا: ۳۰٤/۱۸، ما ذكر في تستر، رقم (۳٤۵۰٦).

(۳) المصنف لابن أبي شيبة: ۱۸/ ۱۰۹-۱۱۰، رقم (۳٤۰۸٤)، وكتاب البعوث والسرايا: ۳۰٤/۱۸، رقم (۳٤۵۰٦).

(٤) سنن سعيد بن منصور: ۲۵۲/۲، كتاب الجهاد، باب قتل الأسارى، ......، رقم (۲٦۷۰)، وأخرجه البيهقي من طريق الثقفي عن حميد الطويل: ۱٦٤/۹، كتاب السير، باب كيف الأمان؟ رقم (۱۸۱۸۳).

(۵) عمدة القاري: ۹۵/۱۵، وفتح الباري: ۲۷۵/٦، وتغليق التعليق: ٤۸۳/۳.

مذکورہ اثر سے مستفاد ایک مسئلہ

علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ اثر سے یہ مسئلہ مستفاد ہوا کہ اگر حاکم اپنے کسی فیصلے کو بھول جائے اور دو آدمی اس کے ہاں گواہی دیں کہ حاکم نے یہ فیصلہ دیا تھا تو حاکم پر یہ لازم ہوگا کہ اس فیصلے پر عمل کروائے اور اس کو نافذ کرے۔

نیز یہ کہ حاکم اگر ایک فرد کی شہادت کو قبول کرنے سے ہچکچائے، اس میں توقف کرے، پھر دوسرا فرد پہلے کی موافقت میں گواہی دے دے تو اب شک وشبہہ ختم ہوجائے گا اور اس سے پہلے فرد کی گواہی بھی متاثر نہیں ہوگی (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

تعلیق کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

تعلیق مذکور کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت بایں معنی ہے کہ تعلیق میں یہ آیا ہے کہ امان دینے والا لاتخف کہے یا مترس یا تکلم، لابأس، اس سے امان کا تحقق ہوجائے گا، کیوں کہ یہ سارے جملے امان دینے پر دلالت کرتے ہیں، زبان خواہ کوئی سی بھی استعمال کرے یا تعبیر کوئی سی بھی ہو، چناں چہ پہلے دونوں جملے تو ظاہراً بھی اس امر پر دلالت کررہے ہیں کہ جس آدمی کے سامنے یہ ادا کیے جائیں، مراد امان ہی ہے اور تیسرے جملے کی دلالت بایں معنی ہے کہ مخاطب کو یہ کہا جارہا ہے کہ تم بے تکلف ہوکر گفتگو کرو، تم سے تعرض نہیں کیا جائے گا اور یہی امان ہے، جیسا کہ مذکورہ واقعہ بھی اس پر شاہد ناطق ہے۔

۱۲ – باب : الْمُوَادَعَةِ وَالْمُصَالَحَةِ مَعَ الْمُشْرِكِينَ بِالْمَالِ وَغَيْرِهِ ، وَإِثْمِ مَنْ لَمْ يَفِ بِالْعَهْدِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس فعل کی مشروعیت وجواز بتلانا چاہتے ہیں کہ مشرکین کے ساتھ مصالحت کے وقت مال وغیرہ ادا کرنے کی ضرورت پڑے تو یہ جائز ہے (۲)۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

ترجمۃ الباب میں مذکور لفظ ''وغیرہ'' کا عطف ''بالمال'' پر ہے کہ مشرکین کو مال کی ادائیگی بھی کی جاسکتی

---

(۱) فتح الباري: ۶/۲۷۵.

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۹۵.

ہے،اس کے علاوہ قیدی وغیرہ بھی، یعنی ان کے افراد اگر مسلمانوں کے پاس قید ہوں تو ان کی رہائی کے بدلے بھی مصالحت ہوسکتی ہے، أو بالعکس(۱).

وَقَوْلِهِ : «وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا» الآيَةَ /الأنفال: ٦١/ .

اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا قول: اور اگر مشرکین صلح کا مطالبہ کریں تو آپ بھی صلح کرلیں۔

آیت کریمہ کی تفسیر

اوپر آیت کریمہ کا ترجمہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کے مطابق کیا گیا ہے، انہوں نے ﴿جَنَحُوا﴾ کی تفسیر "طلبوا" سے کی ہے، جب کہ دیگر حضرات مفسرین نے اس کی تفسیر "مالوا" سے کی ہے، اس صورت میں ترجمہ یوں ہوگا اور اگر مشرکین صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہوجایئے (اور صلح کرلیجیے) کیونکہ جناح کے لغوی معنی میلان کے ہیں(۲)۔

اور کلمہ "السلم" سین کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ صلح کے معنی میں ہے، یہ ابوعبیدۃ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، جب کہ ابوعمر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سلم اگر بفتح السین ہو تو اس کے معنی صلح کے ہیں اور بکسر السین ہو تو اسلام کے معنی میں(۳)۔

آیتِ کریمہ سے امام بخاری کا استدلال اور ترجمہ سے انطباق

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ آیت کریمہ سے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ مشرکین کے ساتھ صلح جائز اور مشروع ہے(۴)۔

اسی سے ترجمۃ الباب کے ساتھ آیت کا انطباق بھی واضح ہو رہا ہے کہ جب مشرکین کے ساتھ صلح جائز ہے تو یہ صلح بالمال بھی ہوسکتی ہے اور بغیر مال کے بھی، صلح بغیر المال کا حکم تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائے

---

(١) حواله بالا، وفتح الباري: ٦/٢٧٥، وشرح القسطلاني: ٥/٢٣٩.

(٢) حواله جات بالا، والقاموس الوحيد، مادة "جنح"، وتفسير القرطبي: ٨/٣٩.

(٣) فتح الباري: ٦/٢٧٥-٢٧٦، وعمدة القاري: ١٥/٩٥.

(٤) فتح الباري: ٦/٢٧٦، وكتاب السير الكبير مع شرحه للسرخسي: ٥/٣-١٦، باب الموادعة.

کتاب میں ذکر کر دیا تھا اور یہاں صلح بالمال کا تذکرہ کر دیا، جس سے جہاں مصنف علیہ الرحمۃ کا مدعیٰ ثابت ہوا، وہیں صلح کی دو تقسیمیں بھی سامنے آگئیں کہ صلح کی ایک قسم تو بالمال ہے، دوسری بغیر المال۔

فائدہ

آیتِ کریمہ کو جو مقید بالشرط کیا گیا کہ "اگر وہ صلح چاہیں تو آپ بھی صلح کر لیجیے" سے مفہوم و معلوم یہ ہوتا ہے کہ صلح کا معاملہ مقید ہے، مطلق نہیں کہ اس سے مسلمانوں کا بھلے نقصان ہو رہا ہو، تب بھی صلح کی جائے، بلکہ یہاں تو یہ دیکھا جائے گا کہ مسلمان کس حال میں ہیں، اگر صلح ان کے مناسب حال ہے، اس میں ان کا فائدہ ہے تو صلح کرنا درست ہے، اس کے برعکس اگر مسلمان غالب ہوں اور صلح میں کوئی مصلحت و فائدہ بھی معلوم نہ ہو رہا ہو، تو صلح کرنا درست نہیں (۱)۔

ترجمۃ الباب کے تحت مذکور مسئلے کی تفصیل

مشرکین کے ساتھ بغیر مال کے مصالحت تو جائز ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، بغیر مال کے مصالحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ (۲) میں مشرکین قریش کے ساتھ کی تھی، لیکن اگر مشرکین کو مال دینا پڑے، مال کے بدلے ان سے مصالحت ہو اور خدانخواستہ ایسے نامساعد حالات پیدا ہو جائیں کہ وہ مال لیے بغیر مصالحت پر راضی نہ ہوں تو اس میں کیا ہوگا؟

چناں چہ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ تو اس صورت میں یہ فرماتے ہیں کہ مشرکین کو صلح کے بدلے مال ادا کرنا جائز نہیں، ہاں! ضرورت کے وقت جائز ہے، مثلاً یہ کہ مسلمانوں کو جنگی نقصانات سے محفوظ رکھا جائے (۳)۔

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ صلح تو بغیر عوض کے ہونی چاہیے، لیکن اگر اضطرار کی حالت ہو اور دشمن کی تعداد بہت زیادہ، مال دیے بغیر اہلِ اسلام کی حفاظت ناممکن ہو جائے اور یہ خطرہ ہو کہ وہ مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچائیں گے تو ایسی صورت میں مال دے کر صلح کی جا سکتی ہے؛ لأن ذلك من معاني الضرورات.

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٧٦، والجامع لأحكام القرآن: ٨/٤٠.

(۲) صلحِ حدیبیہ کی تفصیل کے لیے دیکھیے، کشف الباري، كتاب المغازي: ٣٥٩-٣٧٢.

(۳) شرح ابن بطال: ٥/٣٥٥، وفتح الباري: ٦/٢٧٦، وعمدة القاري: ١٥/٩٧.

اس کے برعکس اگر صرف یہ صورت ہو کہ مسلمان کمزور تو ہیں، لیکن مقابلے کی سکت ان میں ہے تو مال کی ادائیگی پر صلح جائز نہیں، کہ مسلمان قتل بھی ہوا تو شہید ہی ہوگا، جس کے اپنے فضائل ہیں، اس کے علاوہ مسلمانوں کی شان اس سے اعلیٰ وارفع ہے کہ وہ مشرکین سے رحم کی درخواست کریں اور انہیں جنگ روکنے کا کہیں (۱)۔

اس مسئلے میں مذہب حنفیہ ومالکیہ کے بارے میں علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں امام مالک وامام ابوحنیفہ کی کوئی روایت اور ان کا کوئی قول ہمیں معلوم نہیں ہے (۲)۔

لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ نے حنفیہ کا مسلک امام شافعی واحمد کی طرح نقل کیا ہے، چناں چہ فرماتے ہیں:

"مذهب أصحابنا أن للإمام أن يصالحهم بمالٍ يأخذه منهم، أو يدفعه إليهم، إذا كان الصلح خيرا في حق المسلمين؛ لقوله تعالىٰ: ﴿وإن جنحوا للسلم فاجنح لها﴾، والمال الذي يؤخذ منهم يصرف مصارف الجزية"(۳).

اور مالکیہ کا مذہب بھی اس باب میں ائمہ ثلاثہ کے موافق ہے، بشرطے کہ کوئی فاسد شرط نہ لگائی جائے، علامہ دردیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح کی ہے، فرماتے ہیں:

"ويجوز للإمام ...... المهادنة أي صلح الحربي مدة ليس لهو فيها، تحت حكم الإسلام، لمصلحة كالعجز عن قتالهم مطلقا، أو في الوقت الحاضر ...... إن خلا عقد المهادنة ...... عن شرط فاسد، فإن لم تخل عنه لم تجز، كشرط بقاء مسلم أسير تحت أيديهم ...... وإن بمال ...... إلا لخوف مما هو أشد ضررا من دفع المال منهم أو لهم......(٤).

مشرکین کو صلح کے بدلے مال کی ادائیگی کی مثالیں

تاریخ میں بہت سی مثالیں ایسی ملتی ہیں کہ مسلمانوں نے مشرکین کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے بوقت

---

(۱) شرح ابن بطال: ٣٥٦/٥، وفتح الباري: ٢٧٦/٦ وعمدة القاري: ٩٧/١٥.

(۲) شرح ابن بطال: ٣٥٦/٥، وعمدة القاري: ٩٧/١٥.

(۳) عمدة القاري: ٩٧/١٥، نیز دیکھیے، كتاب السير الكبير مع السرخسي: ٣/٥-١٦، باب الموادعة.

(٤) الشرح الكبير مع حاشية الدسوقي: ٥٢٧/٢، باب في الجهاد، فصل عقد الجزية.

ضرورت ان کو مال کی ادائیگی بھی کی ہے۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیینہ بن حصن فزاری اور حارث بن عوف مری کے ساتھ غزوہ احزاب کے موقع پر صلح کی پیشکش کی تھی کہ نبی علیہ السلام ان کو مدینہ منورہ کی کھجور کی پیداوار کا ثلث دیں گے، لیکن اس کے لیے ان کو یہ کرنا ہوگا کہ وہ بنو غطفان کو لے کر لوٹ جائیں اور قریش کا ساتھ چھوڑ دیں......(۱)۔

سعید بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین کے موقع پر مشرکین کے ساتھ مال کے بدلے صلح کی تھی۔ یہی عبدالملک بن مروان کے بارے میں بھی مروی ہے کہ وہ جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مصروف جنگ تھے، تو انہوں نے رومی بادشاہ کے ساتھ ایک ہزار دینار یومیہ ادائیگی کے بدلے صلح کی تھی (۲)۔

٣٠٠٢ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا بِشْرٌ هُوَ ٱبْنُ الْمُفَضَّلِ : حَدَّثَنَا يَحْيَى ، عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ ، عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ[٣] قَالَ : ٱنْطَلَقَ عَبْدُ ٱللهِ بْنُ سَهْلٍ وَمُحَيِّصَةُ بْنُ مَسْعُودِ بْنِ زَيْدٍ إِلَى خَيْبَرَ ، وَهْيَ يَوْمَئِذٍ صُلْحٌ ، فَتَفَرَّقَا ، فَأَتَى مُحَيِّصَةُ إِلَى عَبْدِ ٱللهِ بْنِ سَهْلٍ وَهُوَ يَتَشَحَّطُ فِي دَمِهِ قَتِيلاً ، فَدَفَنَهُ ثُمَّ قَدِمَ الْمَدِينَةَ ، فَٱنْطَلَقَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سَهْلٍ وَمُحَيِّصَةُ وَحُوَيِّصَةُ ٱبْنَا مَسْعُودٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ ، فَذَهَبَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ يَتَكَلَّمُ ، فَقَالَ : (كَبِّرْ كَبِّرْ) . وَهُوَ أَحْدَثُ الْقَوْمِ ، فَسَكَتَ فَتَكَلَّمَا ، فَقَالَ : (تَحْلِفُونَ وَتَسْتَحِقُّونَ قَاتِلَكُمْ ، أَوْ صَاحِبَكُمْ) . قَالُوا : وَكَيْفَ نَحْلِفُ وَلَمْ نَشْهَدْ وَلَمْ نَرَ ؟ قَالَ : (فَتُبْرِئُكُمْ يَهُودُ بِخَمْسِينَ) . فَقَالُوا : كَيْفَ نَأْخُذُ أَيْمَانَ قَوْمٍ كُفَّارٍ ، فَعَقَلَهُ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ عِنْدِهِ . [ر : ٢٥٥٥]

تراجم رجال

۱ – مسدد

یہ مسدد بن مسرہد بن مسربل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب من الإیمان

(۱) الجامع لأحكام القرآن: ۸/۴۱.

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۹۷، وشرح ابن بطال: ۵/۳۵۵، نیز حاشية الدسوقي على الشرح الكبير: ۲/۵۲۷.

(۳) قوله: "عن سهل بن أبي حثمة": الحديث، مرّ تخريجه في كتاب الصلح، باب الصلح مع المشركين.

أن يجب لأخيه ما يحب لنفسه" کے تحت گزر چکا(۱)۔

۲- بشر

یہ ابواسماعیل بشر بن المفضل بن لاحق بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: رب مبلغ أوعى......" کے تحت گزر چکا ہے(۲).

۳- یحیی

یہ مشہور محدث یحیٰ بن سعید انصاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ "بدء الوحی" میں اجمالاً اور کتاب الإيمان، "باب صوم رمضان احتساباً......" کے تحت آچکا(۳)۔

٤- بشیر بن یسار

یہ بشیر بن یسار مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۴)۔

٥- سهل بن ابی حثمه

یہ ابو محمد سہل بن ابی حثمہ انصاری مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۵)۔

قَالَ: انْطَلَقَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَهْلٍ وَمُحَيِّصَةُ بْنُ مَسْعُودِ بْنِ زَيْدٍ إِلَى خَيْبَرَ وَهْيَ يَوْمَئِذٍ صُلْحٌ

حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سہل بن عبداللہ اور محیصہ بن مسعود(۲۰) خیبر کی طرف روانہ ہوئے اور وہ ان دنوں صلح والی زمین تھی۔

فَتَفَرَّقَا فَأَتَى مُحَيِّصَةُ إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَهْلٍ، وَهْوَ يَتَشَحَّطُ فِي دَمٍ قَتِيلاً، فَدَفَنَهُ،

(۱) كشف الباري: ۲/۲.

(۲) كشف الباري: ۳/۲۲۲.

(۳) كشف الباري: ۱/۲۳۸، و:۲/۳۲۱.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب الوضوء من غير حدث.

(٥) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب البيوع، باب بيع الثمر على رؤوس النخل.

(٦) ان دونوں کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الصلح، باب الصلح مع المشركين.

ثُمَّ قَدِمَ الْمَدِينَةَ

وہاں یہ دونوں حضرات جدا ہوگئے، پھر حضرت محیصہ عبداللہ بن سہل کی طرف آئے، جب کہ وہ خون میں لت پت مقتول پڑے تھے، چناں چہ انہوں نے حضرت عبداللہ کو وہیں دفنایا، پھر مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔

یہاں واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن سہل اور حضرت محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہما دیگر کچھ ساتھیوں کے ساتھ خیبر کی طرف تشریف لے گئے، مقصد اپنے اہل وعیال کے لیے کھجور کی فراہمی تھی کہ ان کے لیے خیبر کی کھجوریں لائی جائیں، خیبر پہنچنے کے بعد یہ دونوں حضرات جدا ہوگئے اور اپنی مصروفیات میں مشغول ہوگئے، مقررہ دن جب حضرت محیصہ، حضرت عبداللہ بن سہل کی طرف آئے تو دیکھا کہ وہ ایک چشمہ یا کنوئیں کے اندر خون میں لت پت پڑے ہیں، ان کی گردن ٹوٹی ہوئی ہے اور ان کی روح مبارک قفس عنصری سے پرواز کرچکی ہے، وہاں ان کے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا کہ قاتل کی تعیین ہوسکے، اس لیے حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ ان کو وہیں دفنا کر مدینہ منورہ لوٹ آئے (۱)۔

"يَتَشَحَّطُ" کے معنی

یہ باب تفعل سے مضارع کا صیغہ ہے، اس کا مادہ "شحط" ہے، علمائے حدیث نے اس لفظ کے کئی معنی بیان کیے ہیں، لیکن مآل سب کا ایک ہی ہے، یعنی خون میں لت پت ہونا، كما ذكرنا فوق أيضاً (۲).

اور "قتيلا" حالیت کی بنا پر منصوب ہے (۳)۔

فَانْطَلَقَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَهْلٍ وَمُحَيِّصَةُ وَحُوَيِّصَةُ ابْنَا مَسْعُودٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ

پس حضرت عبدالرحمن بن سہل، محیصہ اور حویصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ ہوئے۔

---

(۱) عمدة القاري: ۹٦/۱٥، والقسطلاني: ۲۳۹/٥، وسيرة ابن هشام: ۳٥٥/۳/۲، تسمية النفر الدارسين الذين أوصى لهم رسول الله......

(۲) قال الخطابي في أعلام الحديث: ۱٤٦۷/۲: "يتشحط، أي: يضطرب في الدم". وقال ابن الأثير (النهاية: ٤٤۹/۲، باب الشين مع الحاء، وجامع الأصول: ۲۸٦/۱۰): "معناه: يتخبط في دمه، ويضطرب، ويتمرغ". وقال الداودي، كما حكاه العيني في العمدة (۹٦/۱٥): "المتشحط: المختضب ......".

(۳) عمدة القاري: ۹٦/۱٥، وشرح القسطلاني: ۲۳۹/٥.

یعنی مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ دیگر دونوں حضرات صحابہ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، تاکہ حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو ماجرا گذرا، اس کی آپ علیہ السلام کو خبر دیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہ

یہ حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کے بھائی، حویصہ اور محیصہ رضی اللہ عنہما کے بھتیجے (۱)، حضرت عبدالرحمٰن بن سہل بن زید بن کعب بن عامر بن عدی بن مجدعہ بن حارثہ حارثی انصاری رضی اللہ عنہ ہیں (۲)۔

ان کی والدہ لیلی بنت رافع بن عامر بن عدی ہیں (۳)۔

ابن سعد، ابن عبدالبر اور ان کی اتباع میں ابونعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہم کا خیال یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہ غزوۂ احد وخندق ودیگر تمام غزوات میں شریک رہے (۴)۔

بلکہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ بدری ہیں (۵)۔

ابن سعد مزید فرماتے ہیں کہ یہ وہی صحابی ہیں، جو غزوۂ بدر کے بعد عمرے کی نیت سے نکلے تھے، لیکن مکہ مکرمہ میں انہیں قریش نے اپنا قیدی بنا لیا، بعد میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بیٹے عمرو، جو بدر میں گرفتار ہوئے تھے، کے بدلے ان کو رہائی ملی (۶)۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان سے محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ روایت کرتے ہیں (۷)۔

ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہ کو سانپ نے ڈسا، نبی علیہ السلام کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ

---

(۱) یہ ابن أخي...... کا ترجمہ ہے، جب کہ الاصابہ میں ابن عم ہے، جو کہ غلط ہے۔ تفصیل آگے آئے گی۔

(۲) انظر الإصابة: ۲/۴۰۲، ومعرفة الصحابة: ۳/۲۷۳، وعمدة القاري: ۱۵/۹۵.

(۳) الإصابة: ۲/۴۰۲، ومعرفة الصحابة للأصبهاني: ۳/۲۷۳.

(٤) حوالہ جات بالا، والاستيعاب بهامش الإصابة: ۲/۴۲۰.

(٥) الاستيعاب بهامش الإصابة: ۲/۴۲۰، وهو قول العسكري أيضاً: انظر الإصابة: ۲/۴۰۲.

(٦) الإصابة: ۲/۴۰۲.

(٧) الإصابة: ۲/۴۰۱.

ان کو عمارۃ بن حزم کے پاس لے جاؤ کہ وہ ان پر دم کریں۔ صحابہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! اس وقت تک یہ انتقال کر جائیں گے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چوں کہ علم تھا کہ ان کو شفا ہوگی، اس لیے فرمایا کہ اگر چہ یہ انتقال کر جائیں تب بھی لے جاؤ۔ چنانچہ صحابہ ان کو حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ کے پاس لے کر گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو شفا دی (۱)۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بصرہ کا عامل (گورنر) مقرر کیا تھا (۲)۔

محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہ کسی غزوے میں تھے، زمانہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تھا اور حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہما شام کے امیر تھے، اسی اثنا میں ان کے سامنے سے کچھ شراب کے مٹکے گزرے تو یہ اپنا نیزہ لے کر ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ہر مٹکے میں سوراخ کر ڈالا، مٹکے لے کر جانے والے جو غلام تھے وہ حضرت عبدالرحمٰن سے الجھ پڑے اور بات بڑھ گئی، جب یہ خبر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ ان کو چھوڑ دو، یہ بوڑھے ہو گئے ہیں اور ان کی عقل رخصت ہوگئی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں! میری عقل ابھی ختم نہیں ہوئی، لیکن بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات کی ممانعت فرمائی تھی کہ ہم اپنے پیٹ یا برتنوں میں شراب ڈالیں...... (۳)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

اکثر ائمہ سیر ومغازی کی رائے یہی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن سہل بن زید الحارثی الانصاری اور حضرت عبدالرحمٰن بن سہل انصاری دو فرد نہیں، بلکہ ایک ہی شخصیت ہے، اس لیے اُن حضرات نے تراجم میں جب ان کا ذکر آیا تو ایک ہی شمار کیا اور کوئی تفریق نہیں کی کہ یہ فلانے ہیں اور وہ فلانے۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں میں تفریق کی اور فرمایا کہ یہ دو الگ الگ شخصیتیں ہیں،

---

(۱) الإصابة: ۲/۴۰۲، ومعرفة الصحابة للأصبهاني: ۳/۲۷۴.

(۲) معرفة الصحابة: ۳/۲۷۴.

(۳) حواله بالا، والإصابة: ۲/۴۰۲، والاستيعاب: ۲/۴۲۰، ومعجم الصحابة: ۲/۱۵۰، باب العين، رقم (۶۲۵).

اسی بنیاد پر انہوں نے دونوں کا ترجمہ علیحدہ علیحدہ لکھا ہے اور اس بات کو ترجیح دی ہے کہ یہ دو شخصیتیں ہیں، فرماتے ہیں: "والظاهر أنهما اثنان"(١).

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن سہل انصاری کے متعلق تین واقعات نقل کیے تھے، جن کو ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں، یعنی سانپ کے ڈسنے کا واقعہ، عمرے کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ جانے اور گرفتاری ورہائی کا واقعہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آمدہ واقعہ۔

ان تینوں واقعات کے بارے میں حافظ صاحب علیہ الرحمۃ کو تحفظات ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ سانپ کے ڈسنے کا جو واقعہ ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ حضرت عبدالرحمٰن بن سہل الحارثی الانصاری کے ساتھ بھی پیش آیا ہو، اسی طرح یہ دونوں ایک شخصیت شمار ہو سکتے ہیں۔

لیکن قید ورہائی کا جو واقعہ ہے، وہ بہت مشکل ہے، کیوں کہ جن کے بارے میں یہ اختلاف ہو کہ وہ بدری ہیں یا نہیں؟ اور جو اسی سال عمرے کی ادائیگی کے بعد گرفتار ہوئے ہوں وہ خیبر کے موقع پر صغیر وکم سن نہیں ہو سکتے، جب کہ حدیثِ باب میں ان کو "وهو أحدث القوم"(٢) فرمایا گیا ہے۔

نیز یہ کہ جو خیبر کے موقع پر صغیر ہوں، ان کے بارے میں بیس، پچیس سال بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ "إنه شيخ ذهب عقله" کیوں کہ اس وقت ان کی عمر زیادہ سے زیادہ چالیس ہوگی اور یہ عمر ایسی نہیں ہوتی کہ اس پر شیخوخت اور بڑھاپے کا اطلاق ہو اور اس عمر میں کسی کو ذاہب العقل کہا جائے۔ اس لیے ظاہر ہے یہی ہے کہ یہ دو الگ الگ فرد ہیں (٣)۔ واللہ اعلم بالصواب

حويصه بن مسعود

یہ حضرت حویصہ بن مسعود بن کعب بن عامر بن عدی بن مجدعہ انصاری رضی اللہ عنہ ہیں (۴)۔ ابوسعد

---

(١) الإصابة: ٢/٤٠٢.

(٢) حواله بالا، نیز دیکھیے، حدیثِ باب.

(٣) الإصابة: ٢/٤٠٢.

(٤) الإصابة: ١/٣٦٣، والاستيعاب بهامش الإصابة: ١/٣٩٣.

ان کی کنیت ہے(۱)۔

غزوہ بدر کے علاوہ دیگر تمام غزوات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے(۲)۔

ان کے قبولِ اسلام کا واقعہ

حضرت حویصہ اپنے بھائی محیصہ (۳) سے بڑے تھے، لیکن اسلام قبول کرنے کا شرف پہلے چھوٹے بھائی کو حاصل ہوا، پھر بڑے کو۔

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ مشہور یہودی کعب بن اشرف کے قتل کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ کہہ دیا کہ اگر تم لوگوں کو کسی بھی یہودی پر قابو حاصل ہو جائے تو اسے قتل کر دینا۔

ابن سبینہ یا ابن شبینہ نام کا ایک یہودی تاجر تھا، جو کپڑوں کی تجارت کرتا تھا، اس اعلان کے بعد ایک دن موقع پا کر حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا، اس پر حضرت حویصہ رضی اللہ عنہ، جو اس وقت اسلام نہیں لائے تھے، بہت ناراض ہوئے، یہ اپنے چھوٹے بھائی محیصہ کو مارتے جاتے اور یہ کہتے جاتے کہ اللہ کے دشمن! تم نے اس کو قتل کر دیا، حالانکہ تمہارے پیٹ میں جو چربی ہے وہ بھی اس کے خریدے ہوئے مال سے بنی ہے؟ حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ نے جواباً کہا، بخدا! مجھے اس کے قتل کا حکم اس ذات نے دیا ہے، جو اگر تمہیں قتل کرنے کا مجھے حکم دے تو میں تمہیں بھی قتل کر دوں...... یہ سن کر حضرت حویصہ رضی اللہ عنہ بڑے حیران ہوئے اور اپنے بھائی سے سوالیہ انداز میں کہنے لگے کہ بخدا! اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں میری گردن مارنے کا حکم دیں گے تو تم مجھے قتل کر دو گے؟ حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بالکل! اگر وہ مجھے یہ حکم دیں گے تو میں اس پر ضرور عمل کروں گا۔ یہ سن کر حضرت حویصہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے، بخدا! یہ دین جس نے تمہیں اس حال کو پہنچا دیا ہے، بہت عجیب ہے، اس کے بعد حضرت حویصہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا(۴)۔

---

(۱) الاستيعاب بهامش الإصابة: ۱/۳۹۳، ومعجم الصحابة: ۱۱۶/۳، رقم (۱۰۸۳)، باب الـ.

(۲) الاستيعاب بهامش الإصابة: ۱/۳۹٤، والإصابة: ۱/۳٦۳.

(۳) قوله: "محيصة" بضم الميم وفتح الحاء المهملة، وهو أخو حويصة ...... ويقال فيهما جميعا بتشديد الياء وتخفيفها، انظر عمدة القاري: ۹۵/۱۵، وقال النووي: "والأشهر هو التشديد". تهذيب الأسماء واللغات: ۱/۱۷۱.

(٤) هذه القصة لإسلامه أخرجها أبوداود في كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب كيف كان إخراج اليهود من المدينة؟ رقم (۳۰۰۲)، وابن إسحاق في سيرة ابن هشام: ۲/٤٤۱، والطبراني في الكبير: ۳۱۱/۲۰، =

حضرت حویصہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں محمد بن سہل بن ابی حثمہ اوران کے پوتے حرام بن سعد بن محیصہ شامل ہیں (۱)۔ رضی اللہ عنہ وأرضاہ

تنبیہ

حدیثِ باب میں حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ کا نسب یوں بیان کیا گیا ہے، "محیصة بن مسعود بن زید" اور یہ نسب درست نہیں، صحیح یہ ہے کہ "محیصة بن مسعود بن کعب" کہا جائے۔

مولانا احمد علی سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ کرمانی وغیرہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو محیصہ بن مسعود بن زید نقل کیا ہے، یہ ان کا وہم ہے (۲)۔

وہم کس کو لاحق ہوا ہے؟

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف جو وہم کی نسبت کی، وہ درست نہیں، چنانچہ یہ وہم مصنف کا نہیں، بلکہ کسی اوپر کے راوی کا ہے۔

امام بخاری کے علاوہ ائمہ خمسہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے، جن میں امام ترمذی (۳) اور بعض طرق میں امام نسائی وامام مسلم (۴) نے امام بخاری کی ان الفاظ ونسب میں موافقت کی ہے، اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی راوی کا وہم ہے اوراس سلسلے میں امام بخاری (رحمہم اللہ) کو مطعون کرنا درست نہیں۔

اب اس مسئلے میں کوئی حتمی بات کہنا کہ اوپر کے کس راوی کو وہم ہوا ہے، مشکل ہے (۵)۔

= رقم (٧٤١)، والأصبهاني في معرفة الصحابة: ٢/١٦٤، رقم (٢٣٣٣)، والحافظ في الإصابة: ١/٣٦٣.

(١) الاستيعاب بهامش الإصابة: ١/٣٩٤.

(٢) حاشية صحيح البخاري للسهارنفوري: ١/٤٥٠، والكرماني: ١٣/١٣٨، وفتح الباري: ٦/٢٧٦.

(٣) سنن الترمذي، أبواب الديات، باب ماجاء في القسامة، رقم (١٤٢٢).

(٤) سنن النسائي، كتاب القسامة...... ذكر اختلاف ألفاظ الناقلين لخبر سهل ......، رقم (٤٧١٨و ٤٧١٩)، وصحيح مسلم، كتاب القسامة ......، باب القسامة، رقم (٤٣٤٢، و٤٣٤٦-٤٣٤٧).

(٥) یہ حدیث مسند سہل بن ابی حثمہ میں شمار کی گئی ہے، اگرچہ ایک جگہ حضرت محیصہ کا نام بھی آیا ہے [انظر تحفة الأشراف: ٨/٣٦٦، رقم (١١٢٤١)] اوراس حدیث کے طرق کا تتبع کرنے سے یہ بات سامنے آئی کہ سہل بن ابی حثمہ نے اس حدیث =

حدیثِ باب میں مذکور صحابہ کی رشتے داری کی نوعیت

اس کے بعد یہاں ایک بحث یہ بھی ہے کہ حدیث باب میں مذکور چار صحابہ حضرت عبداللہ بن سہل، حضرت عبدالرحمٰن بن سہل، حضرت محیصۃ بن مسعود اور حضرت حویصہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کی رشتے داری وقرابت کی کیا نوعیت ہے اور یہ حضرات آپس میں ایک دوسرے کے کیا لگتے ہیں؟

اس سلسلے میں تحقیقی بات یہ ہے کہ حضرت محیصہ وحویصہ دونوں چچا ہیں اور حضرت عبداللہ وعبدالرحمٰن دونوں بھتیجے(۱)۔

بہت سے علماء ومحدثین کو مغالطہ اسی سے لاحق ہوا کہ نسب بیان کرتے ہوئے محیصہ بن مسعود بن زید کہہ دیا گیا، كما في حديث الباب أيضاً اس رو سے یہ حضرات آپس میں عم زاد ہو جاتے ہیں، جو کہ صریح غلط ہے، یہاں تک کہ بعض روایات تک میں "ابن عم لهما"(۲) کے الفاظ رواۃ نے نقل کر دیے، حافظ ابن حجر جیسے رجل محقق سے یہاں تسامح ہو گیا کہ انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہ کا ترجمہ ذکر کرتے ہوئے

=کو دو حضرات روایت کرتے ہیں، بشیر بن یسار اور ابو لیلیٰ بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن سہل۔ ثانی الذکر جو راوی ہیں ان کے طریق سے مروی روایات میں یا تو صرف محیصہ بن مسعود ہے یا محیصہ، ان میں سرے سے زید کا ذکر ہی نہیں ہے، جب کہ اول الذکر راوی بشیر بن یسار کی روایت کے جو طرق ہیں ان میں محیصہ بن مسعود بن زید ہے یا محیصہ بن مسعود یا دوسرے الفاظ۔ پھر بشیر بن یسار کے جو تلامذہ ہیں ان میں یحییٰ بن سعید انصاری وسعید بن عبید شامل ہیں اور سعید بن عبید کی روایات میں بھی ''زید'' کا ذکر نہیں ہے، اس لیے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ وہم یحییٰ بن سعید یا ان کے کسی تلمیذ کو پیش آیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اس حدیث کے طرق کے لیے دیکھیے، تحفة الأشراف: ٤/٨٩، رقم (٤٦٤٤). اس حدیث کی مکمل تخریج کے لیے دیکھیے، جامع الأصول وتعليقاته: ١٠/٢٨٠-٢٨٥، وابن ماجه، أبواب الديات، باب القسامة، رقم (٢٦٧٧-٢٦٧٨).

(۱) امام نسائی کی ایک روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے، اس میں ہے: "فجاء أخوه وعماه حويصة ومحيصة، وهما عما عبدالله بن سهل" سنن نسائی، كتاب القسامة، رقم (٤٧٢١)، نیز دیکھیے، السنن الكبرى للبيهقي: ٨/٢٠٧-٢٠٨، كتاب القسامة، باب أصل القسامة، رقم (١٦٤٣٦).

(۲) سنن النسائي، كتاب القسامة ......، ذكر اختلاف ألفاظ الناقلين لخبر سهل ...... رقم (٤٧١٧)، وفي رواية أبي داود، أيضاً: "ابناعمه: حويصة ومحيصة" سننه، كتاب الديات، باب القسامة، رقم (٤٥٢٠).

ان کو"ابن عم حويصة ومحيصة"(۱) کہہ دیا، البتہ انہوں نے حویصہ ومحیصہ کا نسب ضرور صحیح نقل کیا ہے اور علامہ عینی کے الفاظ صحیح صورت حال کو واضح کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں، "ابن أخي حويصة ومحيصة"(۲).

اس کو یوں سمجھیے کہ حضرت محیصہ کے دادا کعب کے دو صاحبزادے مسعود وزید ہیں (اور بھی ہو سکتے ہیں)، مسعود کی اولاد میں سے محیصہ وحویصہ ہیں اور زید کی اولاد میں سہل وغیرہ، پھر سہل کی اولاد میں حضرت عبداللہ بن سہل وعبدالرحمن بن سہل رضی اللہ عنہم ہیں، اس طرح یہ حضرات آپس میں چچا وبھتیجے ہوئے (۳)۔

اس تفصیل کو خوب ذہن نشین رکھنا چاہیے، اکثر یہاں مغالطہ ہوجاتا ہے (۴)۔ واللہ اعلم بالصواب

فقال: أتحلفون وتستحقّون قاتلكم أو صاحبكمْ؟ قَالُوا: وكيف نحْلفُ ولمْ نشهد، ولم نر؟

چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم قسم اٹھانے کو تیار ہو، اس طرح قاتل تمہیں مل جائے گا؟ ان حضرات نے عرض کی کہ ہم کس بنیاد پر قسم اٹھائیں، جب کہ موقع پر ہم موجود تھے، نہ ہم نے کسی کو دیکھا؟!

یعنی جب ان حضرات صحابہ نے پورا واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ قسم اٹھالو کہ فلاں قاتل ہے، اس طرح تمہارا مقصد حاصل ہوجائے گا اور تمہیں قاتل مل جائے گا۔ اس پر ان حضرات نے قسم سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ قسم تو وہ اٹھائے گا جسے قاتل معلوم ہو اور وہ جائے واردات پر موجود بھی ہو، جب کہ ہمارا معاملہ ایسا نہیں ہے۔

---

(۱) الإصابة: ۲/۴۰۲، و: ۱/۳۶۳.

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۹۵.

(۳) اس مسئلے کی صحیح شکل ونقشہ یوں ہے:
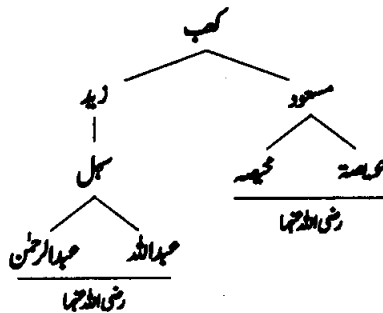
(۴) نیز دیکھیے، أوجز المسالك: ۱۵/۱۶۴-۱۶۵.

قال: فتبريكم يهود بخمسين. فَقَالُوا: كيف نأخذ أَيمانَ قوْم كفَّار؟ فعقله النَّبِيُّ ﷺ منْ عِنْدِهِ

نبی علیہ السلام نے فرمایا تو یہود پچاس قسمیں کھا کر تمہارے سامنے براءت کا اظہار کریں گے۔ ان حضرات نے فرمایا، ہم ایک کافر قوم کی قسموں پر کیسے اعتماد کر سکتے ہیں؟! چناں چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت خود ادا کی۔

"من عنده" میں دو احتمال ہیں، ایک تو یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاص مال سے دیت ادا کی۔ دوسرے یہ کہ وہ ادائیگی بیت المال سے کی گئی (۱)۔

ان حضرات صحابہ کا استحقاق ثابت نہیں ہوا تھا، اس کے باوجود نبی علیہ السلام نے دیت اس لیے ادا کی کہ جھگڑا ختم ہو جائے اور ان حضرات کو بھی تسلی ہو جائے، کیوں کہ عرف ان کے ہاں یہی تھا کہ دیت ملنے کی صورت میں بھی یہ سمجھا جاتا تھا کہ اولیائے مقتول کے ساتھ انصاف ہوا ہے (۲)۔ واللہ اعلم

اس کے علاوہ یہاں قسامہ کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے، اس کی تفصیل جلد ثانی میں آئے گی۔ انشاء اللہ (۳)

فذهب عبدالرحمن يتكلم، فقال: كبِّر، كبِّر —وهو أحدث القوم— فسكت، فتكلما

چناں چہ حضرت عبدالرحمٰن بات کرنے لگے تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ بڑوں کو موقع دو اور یہ آنے والوں میں سب سے چھوٹے تھے، سو وہ خاموش ہو گئے اور حضرت محیصۃ وحویصہ رضی اللہ عنہم نے اپنا مدعیٰ پیش کیا۔

حدیث سے مستفاد ایک حکم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی "کبر کبر" سے یہ مستفاد ہوا کہ بڑوں کی موجودگی میں چھوٹوں کو نہیں بولنا چاہیے، یہ ادب کے خلاف ہے، حضرت محیصہ وحویصہ رضی اللہ عنہما چوں کہ دونوں بڑے تھے اور حضرت عبدالرحمٰن چھوٹے تو نبی علیہ السلام نے بڑوں کی رعایت رکھتے ہوئے ان کے برادر زادے عبدالرحمٰن

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۹٦.

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۹٦-۹۷، وشرح ابن بطال: ۵/۳۵۵.

(۳) انظر، كتاب الديات، باب القسامة.

رضی اللہ عنہ کو منع کر دیا کہ ان کے سامنے آپ کو بات نہیں کرنی چاہیے (۱)۔

ایک اعتراض اور اس کے جوابات

یہاں ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن سہل، جو ولی مقتول تھے، کو خاموش کرا کر حضرت حویصہ ومحیصہ رضی اللہ عنہم کو کیوں بات کرنے کو کہا گیا، جب کہ حق تو ولی مقتول کا تھا؟

❶ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ تھا کہ واقعہ کی کیفیت وصورت کو سمجھا جائے، جہاں تک حقیقت دعویٰ کا تعلق ہے، اس سے یہاں بحث نہیں، کیوں کہ اگر یہی مقصود ہوتا تو حضرت عبدالرحمٰن ہی گفتگو فرماتے، جن کا حق بھی تھا۔

❷ اس بات کا احتمال بھی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن نے خود ان دونوں حضرات کو اپنی طرف سے بات کرنے کے لیے وکیل بنایا کہ بات آپ لوگ ہی کریں (۲)۔ واللہ اعلم

ترجمۃ الباب پر ایک اشکال

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں یہ الفاظ ذکر کیے تھے، "وإثم من لم يف بالعهد" ان الفاظ پر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ حدیثِ باب میں تو کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو اس جز پر دلالت کر رہی ہو یا اس پر منطبق ہو رہی ہو (۳)۔

مذکورہ اشکال کے جوابات

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اعتراض کے تین جوابات ذکر کیے ہیں:

❶ مصنف رحمۃ اللہ علیہ اس باب کے تحت کوئی مناسب حدیث ذکر کرنا تو چاہتے تھے، لیکن اس کا موقع نہیں مل سکا۔ كما هو المعروف عند الشراح في مثل هذه المواضع (٤).

---

(١) عمدة القاري: ٩٦/١٥، وقد بوب الإمام البخاري رحمه الله عليه بابا أيضاً في كتاب الأدب، أي: باب إكرام الكبير ... وذكر تحته حديث الباب، رقم (٦١٤٣).

(٢) عمدة القاري: ٩٦/١٥، وشرح الزرقاني: ٢٠٨/٤، رقم (١٦٩٦)، والأوجز: ١٦٨/١٥.

(٣) فتح الباري: ٢٧٦/٦، والأبواب والتراجم: ٢٠٨/١، وتعليقات لامع الدراري: ٣٢٥/٧.

(٤) الأبواب والتراجم: ٢٠٨/١، وتعليقات اللامع: ٣٢٥/٧.

۲ اس طرح کی جگہوں ومقامات میں میرے نزدیک بہترین توجیہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں عمداً تشحیذ اذہان کے لیے اور اس پر تنبیہ کرنے کے لیے کہ اس کے مناسب حدیث کو اور کسی جگہ انہوں نے ذکر کیا ہے، یہاں ذکر نہیں کیا۔...... چناں چہ وعدہ خلاف کو اس کے فعل پر جو گناہ ہوگا، اس کا ذکر کئی روایات میں آیا ہے، اب اگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کسی ایک روایت پر انحصار کرتے تو کسی کو یہ وہم ہوسکتا تھا کہ مذکورہ گناہ اسی نوع کے ساتھ خاص ہے، جب کہ مقصود مصنف تو یہ ہے کہ وعدہ خلافی کے گناہ پر جہات کثیرہ سے تنبیہ کی جائے، اسی لیے انہوں نے کوئی خاص حدیث ذکر نہیں کی۔

اس سلسلے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو مختلف احادیث ذکر کی ہیں انہیں اس ترجمہ کا مشار الیہ سمجھ لیا جائے کہ امام نے اس ترجمے کے ذریعے ان احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے، جن میں وعدہ خلافی کی مذمت وگناہ مذکور ہے(۱)۔

۳ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ روایات، جو بدعہدی کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں، کے ذریعے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ ایفائے عہد کو اپنا شعار بنانا چاہیے(۲)۔ واللہ اعلم بالصواب

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت اس جملے سے ہورہی ہے، "انطلق عبدالله بنُ سهل ومحيصة ...... إلى خيبر، وهي يومئذ صلح"(۳) اور بایں معنی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود خیبر کے ساتھ صلح کی تھی، جس کی شرط یہ تھی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر کے باغات کی نصف پیداوار ادا کریں گے(۴)۔

اس سے یہی ثابت ہوا کہ مشرکین کے ساتھ صلح ہر دوصورتوں میں کی جاسکتی ہے، ان سے مال لے کر بھی اور ضرورت کے وقت دے کر بھی، یہی مقصود ترجمہ تھا۔

جب کہ علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق حدیث کے آخری جز سے ترجمہ ثابت ہورہا ہے، "فعقله

---

(۱) الأبواب والتراجم: ۱/ ۲۰۸-۲۰۹، وتعليقات اللامع: ۷/۳۲۵.

(۲) حواله جات بالا.

(۲) فتح الباري: ٦/٢٧٦.

(٤) كشف الباري، كتاب المغازي: ٤، ٤، باب غزوة خيبر.

النبي صلى الله عليه وسلم من عنده" کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے دیت دی، وہ اس لیے دی تھی کہ مقتول کے دم کا اہدار وضیاع لازم نہ آئے، نیز یہودیوں کی تالیف بھی مقصود تھی کہ شاید اس طرح ان کے قبولِ اسلام کی راہ ہموار ہوجائے، اسی طرح یہود کے شر وخبث باطن سے اپنی ذات اور مسلمانوں کی حفاظت بھی مدنظر تھی، اس طرح ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت ثابت ہوجاتی ہے(۱)۔

اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث کی ترجمے کے ساتھ مناسبت "وهي يومئذ صلح" سے بھی حاصل ہورہی ہے اور "فعقله النبي صلى الله عليه وسلم من عنده" سے بھی حاصل ہورہی ہے، کیوں کہ یہ مشرکین کے ساتھ مصالحت بالمال ہی تھی (۲)۔

گویا علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اوپر کے دونوں اقوال کو جمع کردیا ہے۔

۱۳ - باب : فَضْلِ الْوَفاءِ بِالعَهْدِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد و ماقبل سے مناسبت

سابق باب میں چوں کہ مصالحت و موادعت کا ذکر تھا، اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ بتا دیا کہ مصالحت جب ہوجاتی ہے تو پھر اس کی پاس داری اور ایفا ضروری ہوتا ہے اور اس پاس داری وایفائے عہد کے بڑے فضائل ہیں اور خود بھی یہ ایک اچھی صفت ہے(۳)۔

۳۰۰۳ : حدّثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ ، عَنْ يُونُسَ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنْ عُبَيْدِ ٱللهِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَخْبَرَهُ : أَنَّ عَبْدَ ٱللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ(٤): أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ بْنَ حَرْبٍ أَخْبَرَهُ : أَنَّ هِرَقْلَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ فِي رَكْبٍ مِنْ قُرَيْشٍ ، كانُوا تِجَارًا بِالشَّأْمِ ، فِي الْمُدَّةِ الَّتِي مادَّ فِيهَا رَسُولُ ٱللهِ ﷺ أَبَا سُفْيَانَ فِي كُفَّارِ قُرَيْشٍ . [ر : ٧]

---

(١) شرح ابن بطال: ٣٥٥/٥، وفتح الباري: ٢٧٦/٦.

(٢) عمدة القاري: ٩٥/١٥

(٣) عمدة القاري: ٩٧/١٥.

(٤) قوله: "عبدالله بن عباس رضي الله عنهما أخبره": الحديث، مر تخريجه في بدء الوحي.

تراجمِ رجال

١- يحيى بن بكير

یہ امام یحییٰ بن بکیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٢- الليث

یہ امام ابوالحارث لیث بن سعد فہمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تذکرہ بدء الوحي کی "الحديث الثالث" کے تحت گزر چکا ہے(١)۔

٣- يونس

یہ یونس بن یزید ایلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا مختصر تذکرہ "بدء الوحي" اور مفصل تذکرہ کتاب العلم، "باب من يرد الله به خيرا......" میں آچکا ہے(٢)۔

٤- ابن شهاب

یہ امام محمد بن مسلم ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا مختصر ترجمہ "بدء الوحي" میں گزر چکا(٣)۔

٥- عبيدالله بن عبدالله بن عتبه

یہ فقیہ مدینہ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ اجمالاً "بدء الوحي" کے تحت اور تفصیلاً کتاب العلم، "باب متى يصح سماع الصغير؟" کے تحت آچکا(٤)۔

٦- عبدالله بن عباس

مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حالات اجمالاً "بدء الوحي" کے تحت اور تفصیلاً کتاب الإيمان، "باب كفران العشير، وكفر دون كفر" کے تحت گزر چکے(٥)۔

---

(١) كشف الباري: ١/٣٢٣-٣٢٥.

(٢) كشف الباري: ١/٤٦٣، و:٣/٢٨٢.

(٣) كشف الباري: ١/٣٢٦، الحديث الثالث.

(٤) كشف الباري: ١/٤٦٦، و:٣/٣٧٩.

(٥) كشف الباري: ١/٤٣٥، و:٢/٢٠٥.

۷- ابوسفیان

یہ مشہور صحابی حضرت ابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کا تذکرہ بدء الوحي کی "الحديث السادس" کے تحت گزر چکا(۱)۔

حدیثِ باب کا ترجمہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ نے انہیں بتلایا کہ شاہِ روم ہرقل نے قریش کے اور سواروں کے ساتھ انہیں اپنے ہاں بلایا، جب کہ وہ شام میں تجارت کی غرض سے گئے تھے، یہ اس زمانے کی بات ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش کے معاملے میں حضرت ابوسفیان سے مصالحت کی تھی۔

حدیثِ باب بدء الوحی کی چھٹی حدیث کا ایک حصہ ہے، اس کی مکمل تشریح وہیں گزر چکی ہے(۲)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایفائے عہد کی فضیلت اور نقض عہد کی مذمت قرآن وسنت میں جابجا موجود ہے۔ درحقیقت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے اس سوال کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جو ہرقل نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے کیا تھا کہ "هل يغدر؟" کیا وہ غداری، وعدہ خلافی کا ارتکاب بھی کرتے ہیں؟ سوال کی وجہ یہی تھی کہ غدر ونقض عہد ہر امت ومعاشرے کے نزدیک مذموم عمل ہے اور صفات رسل (جو انسانوں میں مقدس ترین ہستیاں ہیں) میں سے نہیں ہے کہ رسل وانبیا اس سے متصف ہوں، کیوں کہ وعدہ خلاف وغدار، نبی ہرگز نہیں ہوسکتا(۳)۔

اسی سے ایفائے عہد کی فضیلت واہمیت معلوم ہوتی ہے کہ جس صفت سے انبیا ورسل متصف ہوں گے وہ معمولی صفت نہیں ہوگی، بلکہ اس کی اہمیت غیر معمولی ہوگی، یہی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود بھی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

---

(۱) كشف الباري: ۱/۴۸۰.

(۲) كشف الباري، الحديث السادس، من بدء الوحي: ۱/۴۸۵-۴۸۷.

(۳) ابن بطال: ۵/۳۵۶، وفتح الباري: ۶/۲۷۶، وعمدة القاري: ۱۵/۹۷، والقسطلاني: ۵/۲۴۰.

١٤ - باب : هَلْ يُعْفَى عَنِ ٱلذِّمِّيِّ إِذَا سَحَرَ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

اگر کسی ذمی نے کسی مسلمان پر جادو کر دیا تو کیا اس ذمی کو معاف کیا جا سکتا ہے یا اس کو قتل کیا جائے گا یا اور کوئی سزا دی جائے گی؟

یہ مسئلہ چوں کہ مختلف فیہا ہے، فقہائے امت کا اس میں اختلاف ہے اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی عادت کے موافق اس کو "ہل" استفہامیہ کے ساتھ ذکر کیا ہے، جزماً کوئی حکم بیان نہیں کیا، لیکن حدیث، جو انہوں نے ترجمہ کے تحت نقل کی، اس سے ان کا مذہب معلوم ہو رہا ہے کہ اس ذمی کو معاف کر دیا جائے گا(۱)۔

اختلاف فقہاء کی تفصیل

علامہ باجی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہا کا مسلک یہ نقل کیا ہے کہ ذمی ساحر کو قتل نہیں کیا جائے گا، لیکن دو صورتیں ایسی ہیں جن میں اس کو قتل کیا جائے گا:

❶ اپنے سحر و جادو کے ذریعے کسی مسلمان کو نقصان پہنچائے۔ اس صورت میں چوں کہ اس نے نقضِ عہد کیا ہے، اس لیے اس کی سزا قتل ہوگی، البتہ اسلام قبول کرلے تو قتل نہیں کیا جائے گا۔

❷ مسلمانوں کے علاوہ اپنے کسی ہم مذہب پر جادو کرے، اس کے نتیجے میں مسحور مر جائے تو قصاصاً اس کو قتل کیا جائے گا اور اگر مسحور نہ مرے تو صرف سزا پر اکتفا کیا جائے گا(۲)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی اگر ساحر اپنے سحر سے کسی کو قتل کر دے تو اسے قصاصاً قتل کیا جائے گا، نفسِ سحر پر قتل کی سزا نہیں ہوگی(۳)۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ ساحر کے سحر سے اگر کوئی مر جائے تو اسے قتل کیا جائے گا، ورنہ نہیں، بشرطیکہ وہ اس بات کا اعتراف کرے کہ یہ مقتول میرے عملِ سحر سے مرا ہے(۴)۔

---

(١) عمدة القاري: ١٥/٩٧، وفتح الباري: ٦/٢٧٧.

(٢) المنتقى: ٩/١٠٢، كتاب العقول، الباب الثاني في قتل الغيلة، والأوجز: ١٥/٩٠.

(٣) المغني لابن قدامة: ٩/٣٧، كتاب المرتد، أحكام السحر......

(٤) "قال الشافعي رحمه الله تعالىٰ: "وإذا سحر رجلا فمات، سئل عن سحره، فإن قال: أنا أعمل هذا

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر ساحر اپنے سحر کا اقرار کرلے یا کسی دلیل سے اس کا سحر ثابت ہو جائے تو سزا قتل ہوگی اور اس سے توبہ بھی قبول نہیں کی جائے گی، اس معاملے میں مسلم، ذمی، آزاد اور غلام سب برابر ہیں۔ البتہ ایک قول یہ بھی ہے کہ ساحر مسلم کو تو قتل کیا جائے گا، کتابی کو نہیں (۱)۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل

❶ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دلیل حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے، چناں چہ نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما کے طریق سے مروی ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی ایک باندی نے ان پر جادو کر دیا، تفتیش کرنے پر اس کا جرم ثابت ہو گیا اور اس نے اس کا اعتراف بھی کرلیا، سو حضرت حفصہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن زید سے کہا کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا، البتہ یہ بات جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو وہ ناراض ہوئے، اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حاضر ہو کر انہیں حقیقت حال بتلائی۔

حضرت عثمان کے ناراض ہونے کی وجہ یہی ہوئی تھی کہ یہ کام ان کی اجازت کے بغیر ہوا تھا (۲)، اس سے یہ مطلب لینا کہ وہ قتل ساحر کے قائل نہیں تھے، غلط ہے (۳)۔

❷ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے، حضرت بجالہ فرماتے ہیں کہ میں جزء بن معاویہ کا کاتب تھا، کہ ان کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط آیا کہ "اقتلوا کل

= لأقتل، فأخطئ القتل وأصيب، وقد مات من عملي ففيه الدية، وإن قال: مرض منه، ولم يمت، أقسم أولياؤه: لمات من ذلك العمل، وكانت الدية، وإن قال: عملي يقتل المعمول به، وقد عمدت قتله به، قتل به قودا". انظر الأم: ۲۵۵/۸، كتاب القسامة، باب الحكم في الساحر......

(۱) أحكام القرآن للجصاص: ۵۰/۱، وروح المعاني: ۳۳۹/۱، والأوجز: ۹۰/۱۵.

(۲) أحكام القرآن: ۵۰/۱، وروح المعاني: ۳۳۹/۱، والمؤطأ للإمام مالك: ۸۷۱/۲، كتاب الديات، باب ماجاء في الغيلة والسحر، رقم (۱۴/۱۵۱۸).

(۳) انظر كلام الباجي فيه في المنتقى: ۱۰۱/۹، والأوجز: ۹۷/۱۵، وانظر أيضاً السنن الكبرى للبيهقي: ۱۳۶/۸، رقم (۱۶۴۹۹)، والمصنف لابن أبي شيبة: ۵۹۲/۱۴، كتاب الحدود، باب ما قالوا في الساحر......، رقم (۲۹۵۸۳).

ساحر وساحرة، فقتلنا ثلاث سواحر"(۱).

۳ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک ساحر کو گرفتار کیا اور سینے تک اسے زمین میں دبا دیا، اسی حال میں اسے چھوڑے رکھا، یہاں تک کہ وہ مر گیا (۲)۔

۴ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا، "يقتل الساحر ولا يستتاب"(۳).

۵ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ساحر کی سزا قتل ہی مروی ہے، جامع ترمذی میں حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، "حد الساحر ضربة بالسيف"(٤).

یہ تمام روایات اس امر پر دلالت کر رہی ہیں کہ ساحر کو قتل کیا جائے گا، پھر ان روایات وآثار میں چونکہ اس بات کی تفریق نہیں ہے کہ ساحر مسلم ہو یا غیر مسلم، اس لیے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا کہ ساحر کو مطلقاً قتل کیا جائے گا، خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم (۵)۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل

ائمہ ثلاثہ چوں کہ مطلقاً قتل ساحر کے قائل نہیں، اس میں وہ مسلم اور غیر مسلم کی تفریق کرتے ہیں کہ

---

(١) أخرجه أبوداود، في كتاب الخراج ......، باب في أخذ الجزية من المجوس، رقم (٣٠٤٣)، وأحمد في مسنده، حديث عبدالرحمن بن عوف الزهري: ١/١٩٠، و١٩١، رقم (١٦٥٧)، وأحكام القرآن: ١/٥٠، ومسند أبي يعلى الموصلي، مسند عبدالرحمن بن عوف، رقم (٨٥٨).

(٢) أحكام القرآن: ١/٥٠، والمصنف لعبد الرزاق: ٩/٤٨٠، كتاب العقول، باب قتل الساحر، رقم (١٩٠٢٦).

(٣) المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الحدود، باب ماقالوا في الساحر ......، رقم (٢٩٥٧٩).

(٤) رواه الترمذي في كتاب الحدود، باب ماجاء في حد الساحر، رقم (١٤٦٠)، والحاكم في المستدرك: ٤/٤٠١، كتاب الحدود، رقم (٨٠٧٣)، والبيهقي في الكبرى: ٨/٢٣٤، كتاب القسامة، باب تكفير الساحر ......، رقم (١٦٥٠٠)، والجامع الصغير مع فيض القدير للمناوي: ٣/٤٩٨، حرف الحاء، رقم (٣٦٨٨)، وسنن الدارقطني، كتاب الحدود، رقم (١١٢).

(٥) المغني لابن قدامة: ٩/٣٧، وفيه أيضاً: "والقياس أيضا يقتضي ذلك؛ لأنه جناية أوجبت قتل المسلم، فأوجبت قتل الذمي كالقتل".

ساحر اہل کتاب کو قتل نہیں کیا جائے گا تو اس سلسلے میں ان کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کا مشہور واقعہ ہے کہ لبید بن الاعصم یہودی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تھا، لیکن نبی علیہ السلام نے اس کو قتل نہیں کروایا۔ كما في رواية الباب.

ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ساحر اہل کتاب کو قتل نہ کیا جائے، کیوں کہ اس کا شرک اس کے فعل سحر سے بھی بڑا گناہ ہے، اس پر اسے قتل نہیں کیا جاتا کہ وہ مشرک ہے تو ساحر ہونے کی وجہ سے اس کا قتل کیونکر جائز ہوگا؟(۱)

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب

علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مسلک کی جو دلیل پیش کی، وہ یہ تھی کہ لبید بن الاعصم کا سحر معلوم وثابت ہونے کے باوجود نبی علیہ السلام نے اس کو قتل نہیں کروایا تھا، جس سے یہ واضح ہوا کہ ساحر اہل کتاب کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ لیکن بوجوہ اس حدیث سے استدلال درست نہیں:

❶ معاملہ چوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ذات کا تھا اور پیچھے یہ بات گذر چکی ہے کہ نبی علیہ السلام اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیا کرتے تھے، اس لیے آپ نے لبید بن الاعصم کو قتل نہیں کروایا تھا، ورنہ اپنی ذات کے لیے انتقام لینا لازم آتا۔

❷ علامہ مہلب فرماتے ہیں، اس سحر کی وجہ سے نبی علیہ السلام کو کوئی نقصان نہیں ہوا تھا، چناں چہ اس کی وجہ سے وحی کا سلسلہ رکا، نہ شرعی احکام میں کوئی مشکل یا خلل واقع ہوا، بلکہ اپنی ذات کی حد تک ایک قسم کا وہم لاحق ہو گیا تھا، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث باب میں ہے، "حتى كان يخيّل إليه أنه صنع شيئاً ولم يصنعه" پھر اس کے علاوہ یہ بات بھی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خداوند کریم نے اسی حال پر بے یار و مددگار نہیں چھوڑے رکھا، بلکہ ان کی مکمل دست گیری فرمائی اور علاج بھی بتلایا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی ساحر کو معاف فرما دیا تھا۔

چناں چہ علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ ان وجوہات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وعلى هذا القول لاحجة لابن شهاب في أن النبي عليه السلام لم

(۱) المغني: ۹/۳۷، والأوجز: ۱۵/۹۰.

يقتل اليهودي الذي سحره؛ لوجوه، منها: أنه قد ثبت عن الرسول أنه كان لا ينتقم لنفسه، ولو عاقبه لكان حاكما لنفسه.

قال المهلب: وأيضاً فإن ذلك سحر لم يضره عليه السلام؛ لأنه لم يُفقِده شيئاً من الوحي، ولا دخلت عليه داخلة في الشريعة؛ وإنما اعتراه شيء من التخيل والتوهم، ثم لم يتركه الله على ذلك، بل تداركه، ثم عصمه وأعلمه بموضع السحر، ......"(١).

جہاں تک ان کی اس بات کا تعلق ہے کہ شرک بڑا گناہ ہے، اس کے باوجود اس کی سزا قتل نہیں تو سحر کی سزا قتل کیسے ہو سکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی کا شرک اختیار کرنا اس کی ذات تک محدود ہوتا ہے، اس کا ضرر آگے متعدی نہیں ہوتا، جب کہ سحر کا معاملہ یہ نہیں، اس کا ضرر متعدی ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے وہ لوگوں کو نقصان پہنچاتا ہے، تو ساحر احناف کے نزدیک قطاع الطریق کے حکم میں ہے کہ جس طرح قاطع طریق (ڈاکو) کی سزا قتل ہے، اسی طرح ساحر کی سزا بھی قتل ہے، کیونکہ یہ دونوں افساد فی الارض میں مشترک ہیں (٢)۔

ساحر مسلم کا حکم

اوپر ساحر کتابی یا ذمی کا حکم بیان کیا گیا ہے، لیکن اگر ساحر مسلم ہو تو اس کی سزا کیا ہوگی؟

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ چوں کہ مسلم وغیر مسلم کے درمیان تفریق کے قائل نہیں اس لیے ان کے ہاں اس کی سزا قتل ہی ہے۔

یہی قول امام مالک واحمد رحمہما اللہ کا بھی ہے، صحابہ وتابعین میں سے حضرت عمر وابن عمر، عثمان، علی بن ابی طالب، قیس بن سعد، جندب اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں، کیوں کہ نبی کریم

(١) شرح ابن بطال: ٥/٣٥٨-٣٥٩، وأيضا فتح الباري: ٦/٢٧٧، وعمدة القاري: ١٥/٩٨.

(٢) الدر المختار: ٣/٣٢٤. "قال ابن شجاع: فحكم في الساحر والساحرة حكم المرتد والمرتدة، وقال -نقلاً عن أبي حنيفة-: إن الساحر قد جمع مع كفره السعيَ في الأرض بالفساد، والساعي بالفساد إذا قتَل قُتِل". انظر روائع البيان للصابوني: ١/٨٥، والأحكام للرازي: ١/٥١.

صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، "حد الساحر ضربة بالسيف" (١).

جب کہ امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ صرف سحر کی وجہ سے ساحر کو قتل نہیں کیا جا سکتا، جب تک کہ اس کے ذریعے وہ کسی کو قتل نہ کردے، یہی قول ابن المنذر اور ایک روایت میں امام احمد رحمہم اللہ کا ہے (۲)۔

ان کا استدلال اس سے ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک مدبرہ باندی نے ان پر سحر کیا تو انہوں نے اس کو فروخت کردیا (۳)، اس سے معلوم ہوا کہ ساحر کی سزا قتل نہیں ہے، ورنہ اس باندی کا فروخت کرنا جائز نہ ہوتا، بلکہ اس کو بہر حال قتل کیا جاتا اور یہی واجب ہوتا (۴)۔

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، "لا يحل دم امرئ مسلم إلا بإحدى ثلاث......" (٥).

اس حدیث میں تین قسم کے لوگوں کا خون حلال قرار دیا گیا ہے، یعنی قاتل عمدا، زانی محصن اور مرتد۔ اور یہ جو ساحر ہے اس سے ان تینوں کبائر کا صدور نہیں ہوا، اس لیے اس کا خون حلال نہیں ہونا چاہیے کہ اسے واجب القتل قرار دیا جائے (۶)۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل

ائمہ ثلاثہ کی پہلی دلیل تو وہی ہے جو ابھی اوپر گذری۔

---

(١) الحديث مر تخريجه آنفاً.

(٢) المغني لابن قدامة: ٣٥/٩، كتاب قتال أهل البغي، فصل السحر، والأم: ٢٣٦/٢، رقم (٢٨٢٣)، وهو قول ابن حزم كذلك، انظر المحلى: ٤١٠/١٢.

(٣) المغني: ٣٥/٩، والسنن الكبرى للبيهقي: ٢٣٧/٨، كتاب القسامة، باب من لايكون سحره كفرا......، رقم (١٦٥٠٦)، والمصنف لعبد الرزاق، كتاب العقول، باب قتل الساحر، رقم (١٩٠٢٠-١٩٠٢١).

(٤) المغني: ٣٥/٩، والأم: ٢٣٧/٢، كتاب الاستسقاء، الحكم في الساحر والساحرة، رقم (٢٨٢٦).

(٥) وتمامه: "أن يزني بعد ما أحصن، أو يقتل إنساناً فيقتل، أو يكفر بعد إسلامه فيُقتل". رواه الترمذي في الفتن، باب ماجاء لايحل دم امرئ إلا بإحدى ثلاث، رقم (٢١٥٩)، وأبوداود في الديات، باب الإمام يأمر بالعفو في الدم، رقم (٤٥٠٢)، والنسائي في تحريم الدم، باب ذكر مايحل به دم المسلم، رقم (٤٠١٩)، عن عثمان رضي الله عنه.

(٦) المغني: ٣٥/٩، والأم للشافعي: ٢٣٧/٢، الحكم في الساحر والساحرة، رقم (٢٨٢٦).

ان کی دوسری دلیل حضرت عمر کا وہ خط ہے جو انہوں نے جزء بن معاویہ رضی اللہ عنہما کو لکھا تھا، "اقتلوا کل ساحر......"(١) جس کے نتیجے میں انہوں نے تین جادوگروں کو قتل کیا، یہ بات مشہور بھی ہوئی، اس کے باوجود کسی صحابی نے اس پر نکیر نہیں فرمائی، گویا اس پر تمام صحابہ کا اجماع تھا کہ ساحر کو قتل کیا جائے گا۔

ان کی تیسری دلیل حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے، جو ماقبل میں گذرا کہ انہوں نے اپنی ایک ساحرہ باندی کو قتل کروایا تھا(٢)۔

مدار خلاف

حنفیہ وغیرہ کے نزدیک جو ساحر کے قتل کے قائل ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شخص ساعی بالفساد ہے اور کافر بھی ہے اور مالکیہ کے نزدیک یہ زندیق ہے اور اس کی سزا قتل ہی ہے۔

جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ساحر کے کفر کے قائل نہیں، بلکہ اس کو وہ صرف ایک معصیت خیال کرتے ہیں، معصیت کی سزا تعزیر و تادیب تو ہوسکتی ہے، قتل نہیں، ہاں! یہ کہ اس سحر کے ذریعے وہ کسی کو قتل کردے، اس صورت میں اس کو قصاصاً قتل کیا جائے گا، نہ کہ ارتداد و کفر اور زندیقیت کی وجہ سے(٣)۔

ایک اہم تنبیہ

اوپر کی تفصیلات سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک ہر قسم کا سحر کفر ہے، لیکن یہ خیال درست نہیں، چنانچہ امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> "إن القول بأن السحر كفر على الإطلاق خطأ؛ بل يجب البحث عن حقيقته، فإن كان في ذلك رد ما لزم من شرط الإيمان فهو كفر، وإلا فلا"(٤).

ایک اور تنبیہ

پھر حنفیہ کے نزدیک یہ حکم کہ ساحر کو قتل کیا جائے گا، اس میں ذمی و مسلم، آزاد و غلام، مرد و عورت سب

---

(١) مر تخريجه آنفاً.

(٢) المغني لابن قدامة: ٣٦/٩.

(٣) أحكام القرآن للعثماني: ٤١/١، والمنتقى للباجي: ١٠١/٩، كتاب العقول.

(٤) أحكام القرآن للعثماني: ٤١/١، أقوال الفقهاء في السحر والساحر، وروح المعاني: ٣٣٩/١، وتفسير المدارك: ٦١/١.

برابر ہیں، تب ہے کہ ساحر اپنے سحر کے ذریعے فساد پھیلا رہا ہو، اس کے برعکس اگر وہ فسادی نہ ہو تو مرد کو تو قتل کیا جائے گا، عورت کو نہیں، كما في المرتد يقتل، والمرتدة لا تقتل، بل تحبس(۱). والله أعلم بالصواب

ساحر کی توبہ قبول ہوگی یا نہیں؟

ساحر اگر یہ کہے کہ میں توبہ کرتا ہوں تو اس کی توبہ قبول ہوگی یا نہیں، اس میں اختلاف ہے:

مالکیہ کے ہاں اس کی توبہ مطلقاً قبول نہیں ہوگی، اس کو بہر حال قتل کیا جائے گا(۲)۔

جب کہ شوافع کے ہاں مطلقاً قبول ہے(۳)۔

حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں اس مسئلے میں دو روایتیں ہیں، چناں چہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فتح القدیر(۴) میں ہے کہ ساحر کی توبہ قبول نہیں ہوگی، ظاہر مذہب یہی ہے(۵)۔

یہی بات علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل فرمائی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"فيه روايتان؛ إحداهما: أنه لا يستتاب، وهو ظاهر مانقل عن الصحابة؛ فإنه لم ينقل عن أحد منهم أنه استتاب ساحرا، وعن عائشة رضي الله عنها(٦)، أن الساحرة سألت أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وهم متوافرون هل لها من توبة؟ فما أفتاها أحد"(٧).

لیکن محقق قول ان حضرات کے ہاں بھی یہی ہے کہ ساحر کی توبہ مقبول ہے، چناں چہ صاحب مدارک

---

(١) أحكام القرآن للرازي: ٦١/١، وردالمحتار: ٣٢٣/٣.

(٢) ذكره الباجي في المنتقى: ١٠٢/٩، والأوجز: ٨٩/١٥.

(٣) السنن الكبرى للبيهقي: ٢٣٦/٨، كتاب القسامة، باب قبول توبة الساحر......، وفتح الباري: ٢٠٢/١٠، والنووي مع مسلم: ٢٢١/٢، كتاب السلام، باب السحر.

(٤) فتح القدير: ٣٣٣/٥، كتاب السير، باب أحكام المرتدين.

(٥) حاشية ابن عابدين: ٣٢٣/٣، مطلب في الساحر......، باب المرتد.

(٦) انظر للقصة بتمامها السنن الكبرى للبيهقي: ٢٣٥/٨-٢٣٦، كتاب القسامة، باب قبول توبة الساحر......، رقم (١٦٥٠٥)، وتفسير ابن جرير الطبري: ٣٦٦/١-٣٦٧، سورة البقرة، الآية (١٠٢).

(٧) المغني: ٣٦/٩، والأوجز: ٨٨/١٥.

علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے اوپر ذکر کردہ قول کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ سحرۂ فرعون کی توبہ قبول کی گئی، اس لیے یہ کہنا کہ ساحر کی توبہ مقبول نہیں، غلط ہے(۱)۔

اور ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”والرواية الثانية: يستتاب، فإن تاب قبلت توبته؛ لأنه ليس بأعظم من الشرك، والمشرك يستتاب، ومعرفته السحر لاتمنع قبول توبته؛ فإن اللّٰه تعالىٰ قبل توبة سحرة فرعون، وجعلهم من أوليائه......“(۲).

واللہ اعلم بالصواب

وَقَالَ ٱبْنُ وَهْبٍ : أَخْبَرَنِي يُونُسُ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ : سُئِلَ : أَعَلَى مَنْ سَحَرَ مِنْ أَهْلِ الْعَهْدِ قَتْلٌ ؟ قَالَ : بَلَغَنَا أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قَدْ صُنِعَ لَهُ ذٰلِكَ فَلَمْ يَقْتُلْ مَنْ صَنَعَهُ ، وَكَانَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ .

تراجم رجال

۱— ابن وهب

یہ مشہور محدث وفقیہ ابومحمد عبداللہ بن وہب قرشی مصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا مفصل تذکرہ کتاب العلم، ”باب من يرد الله به خيرا يفقهه......“ کے تحت گذر چکا(۳)۔

۲— يونس

یہ یونس بن یزید ایلی قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا مختصر تذکرہ بدء الوحي میں اور مفصل تذکرہ کتاب العلم کے مذکورہ بالا باب کے تحت آچکا ہے(۴)۔

---

(۱) تفسير المدارك: ۱/۶۱، البقرة، الآية: ۱۰۲، وروح المعاني: ۱/۳۳۹.

(۲) المغني: ۹/۳٦، والأوجز: ۱۵/۸۸، سحر سے متعلقہ مزید مباحث کے لیے دیکھیے، كشف الباري، كتاب الطب، ص: ۹٦-۱۲٦.

(۳) كشف الباري: ۳/۲۷۷.

(٤) كشف الباري: ۱/٤٦۳، و: ۳/۲۸۲.

۳- ابن شهاب

ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات "بدء الوحي" کی تیسری حدیث کے تحت گذر چکے(۱)۔

مذکورہ تعلیق کا مقصد

ترجمۃ الباب کے مقصد کے تحت ہم یہ بتلا آئے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان ساحر اہل کتاب کے بارے میں یہ ہے کہ اس کو معاف کردیا جائے گا، اسی مدعی کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے ابن شہاب زہری کی یہ تعلیق نقل فرمائی ہے، جس سے یہ ثابت ہورہا ہے کہ ساحر ذمی کو معاف کردیا جائے گا، جس طرح کہ نبی علیہ السلام نے معاف فرمادیا تھا۔

لیکن اس استدلال کا جواب ہم حنفیہ وغیرہ کی طرف سے سابق میں ذکر کرچکے ہیں۔

مذکورہ تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کو ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "جامع" میں موصولاً نقل کیا ہے(۲)۔

سئل: أعلَى منْ سَحر مِنْ أَهْل العهد قتلٌ

ابن شہاب رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اہل عہد میں سے کوئی سحر وجادو کرے تو کیا اس کی سزا قتل ہے؟

"سئل" فعل ماضی مجہول ہے اور أعلی میں ہمزہ استفہام کے لیے ہے اور علی حرف جار ہے، جو وجوب کے معنی کو متضمن ہے(۳)، یعنی اہل عہد وکتاب میں سے کوئی سحر کا عمل کرے تو کیا اس کو قتل کرنا واجب ہوگا؟

قال: بلغنا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى اللّٰه عليه وسلم قدْ صنع له ذلك فلم يقتل منْ صنعهُ، وكَانَ مِنْ أهل الكتاب.

ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً کہا، ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی سحر کیا گیا تھا، لیکن آپ نے سحر کرنے والے کو قتل نہیں کیا اور وہ اہل کتاب میں سے تھا۔

---

(۱) كشف الباري: ۱/۳۲٦.

(۲) تغليق التعليق: ۳/٤۸٥، والفتح: ٦/۲۷۷، والعمدة: ۱٥/۹۷، اس تعلیق کی سند کے لیے دیکھیے، تغلیق: ٥/٤٥۸.

(۳) عمدة القاري: ۱٥/۹۷.

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ تو ذمی کا قائم کیا ہے، جب کہ سوال میں "أهل العهد" اور ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ کے جواب میں "أهل الكتاب" کا ذکر ہے، اس میں اشکال کی کوئی بات نہیں، کیونکہ اہل کتاب سے مراد اہل عہد ہی ہیں، ورنہ تو وہ حربی ہیں، جن کا قتل واجب ہے(۱)۔

نیز عہد اور ذمہ کے ایک ہی معنی ہیں اور ان سے ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کی وضاحت بھی ہو رہی ہے کہ اہل کتاب سے اہل ذمہ و اہل عہد مراد ہیں (۲)۔

تعلیق کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

مذکورہ تعلیق کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت ومطابقت بھی واضح ہے، جو اوپر کی تقریر سے ظاہر ہے۔

٣٠٠٤ : حدّثني مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى : حَدَّثَنَا يَحْيى : حَدَّثَنَا هِشَامٌ قالَ : حَدَّثَنِي أَبِي ، عَنْ عائِشَةَ[٣] : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سُحِرَ ، حَتَّى كانَ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ صَنَعَ شَيْئًا وَلَمْ يَصْنَعْهُ .

[٣٠٩٥ ، ٥٤٣٠ ، ٥٤٣٢ ، ٥٤٣٣ ، ٥٧١٦ ، ٦٠٢٨]

تراجم رجال

١- محمد بن المثنى

یہ ابوموسیٰ محمد بن المثنیٰ بن عبید بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ كتاب الإيمان، "باب حلاوة الإيمان" میں آچکا ہے(۴)۔

---

(١) شرح الكرماني: ١٣/١٣٩.

(٢) عمدة القاري: ١٥/٩٧، وفتح الباري: ٦/٢٧٧.

(٣) قوله "عن عائشة رضي الله عنها": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده، رقم (٣٢٦٨)، وكتاب الطب، باب السحر، رقم (٥٧٦٣) و (٥٧٦٥-٥٧٦٦)، وكتاب الأدب، باب قول الله تعالى: ﴿إن الله يأمر بالعدل......﴾، رقم (٦٠٦٣)، وكتاب الدعوات، باب تكرير الدعاء، رقم (٦٣٩١)، ومسلم، كتاب السلام، باب السحر، رقم (٥٧٠٣-٥٧٠٤).

(٤) كشف الباري: ٢/٢٥.

۲– يحيى

یہ امام یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب من الإيمان أن يحب لأخيه......" کے تحت گذر چکا ہے(۱)۔

۳– هشام

یہ ہشام بن عروۃ بن الزبیر قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٤– ابي

اب سے مراد حضرت عروۃ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کے حالات "بدء الوحي" میں مجملاً اور "كتاب الإيمان" میں مفصلاً گذر چکے ہیں(۲)۔

٥– عائشة

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات "بدء الوحي" میں گذر چکے(۳)۔

أن النبي ﷺ سحر، حتَّى كَانَ يخيّل إليه أنه صنع شيئًا ولم يصنعه.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ پر جادو کیا گیا، جس کے نتیجے میں آپ علیہ السلام کو یہ وہم وخیال لاحق ہونے لگا کہ آپ نے فلاں کام کیا ہے، جب کہ حقیقت میں وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا۔

اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس مشہور واقعے کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیے جانے اور اس کے نتیجے میں ظاہر ہونے والے اثرات کا ذکر ہے، یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعے کا کچھ حصہ نقل فرمایا ہے، جب کہ مکمل واقعہ کتاب الطب (۴) میں نقل فرمایا ہے اور اس کی مکمل تشریح بھی وہیں ذکر کی جا چکی ہے(۵)۔

---

(١) كشف الباري: ٢/٢.

(٢) كشف الباري: ٢٩١/١، و: ٤٣٢/٢–٤٤٠.

(٣) كشف الباري: ٢٩١/١.

(٤) صحيح البخاري، كتاب الطب، باب السحر، رقم (٥٧٦٣).

(٥) كشف الباري، كتاب الطب، ص: ١٠٤–١١٩.

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت اس طرح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی لبید بن الاعصم کو، باوجودیکہ اس کا جرم بہت بڑا اور قبیح تھا، معاف فرمادیا تھا، جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا، یہ بات اگر چہ حدیثِ باب میں مذکور نہیں ہے، لیکن تفصیلی واقعے اور حدیث میں موجود ہے(۱)، چناں چہ کتاب الطب کی روایت میں آیا ہے:

"يا رسول الله، أفلا؟ -أي تنشرت- فقال صلى الله عليه وسلم: أما والله، فقد شفاني وأكره أن أثير على أحد من الناس شرا"(۲).

۱۵ - باب : ما يُحْذَرُ مِنَ الْغَدْرِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ فرمارہے ہیں کہ اگر کفار کے ساتھ مصالحت ہوجائے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان بے فکر ہوکر سو جائیں، دشمن کی طرف سے بے پرواو غافل ہوجائیں، بلکہ چوکنا رہنا چاہیے، کافر لوگ ہیں، معلوم نہیں کس وقت بدعہدی کریں اور صلح کو توڑ کر، عالمی حربی قوانین کو روند کر، حملہ آور ہوجائیں، اس لیے غافل ہونا درست نہیں، ہوشیار و چوکنا رہنا چاہیے۔

وَقَوْلِهِ تَعَالَى : «وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ» . الآيَةَ /الأنفال : ٦٢/ .

اور اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اگر وہ کفار و مشرکین آپ کو دھوکا دینا چاہیں تو اللہ آپ کے لیے کافی ہے۔

وقولہ تعالیٰ...... کا عطف ماقبل میں لفظ غدر پر ہے، کلمہ حسب سین مہملہ کے سکون کے ساتھ ہے، جس کے معنی کافی ہونے کے ہیں(۳)۔

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٧٧، وعمدة القاري: ١٥/٩٨، وإرشاد الساري: ٥/٢٤٠.

وقال الحافظ رحمه الله: "وأشار بالترجمة إلى ما وقع في بقية القصة أن النبي صلى الله عليه وسلم لما عوفي أمر بالبئر فردمت، وقال: كرهت أن أثير على الناس شراً".

(۲) صحيح البخاري، كتاب الطب، باب هل يستخرج السحر؟ رقم (٥٧٦٥).

(۳) فتح الباري: ٦/٢٧٧، وقال العيني أنه معطوف على "ما يحذر......" انظر عمدة القاري: ١٥/٩٩.

مطلب یہ ہے کہ اگر کفار ومشرکین آپ کے ساتھ صلح کریں اور ان کی نیت اس صلح سے دھوکا دینا ہو، تیاری کرنی ہو، مزید قوت حاصل کرنی ہو کہ پھر سے آپ کے مقابلہ میں آئیں تو اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات قہار تن تنہا ہی آپ کے لیے کافی ہے(۱)۔

ہمارے سامنے موجود نسخے میں تو آیت کریمہ کا صرف یہی حصہ نقل کیا گیا ہے، جو ابوذر کا نسخہ ہے، جب کہ ابن عساکر کے ہاں ﴿عزیز حکیم﴾ تک آیات نقل کی گئی ہیں (۲)، اس نسخے کے اعتبار سے مکمل آیات بمع ترجمہ درج ذیل ہیں:

﴿وإن يريدوا أن يخدعوك فإن حسبك الله هو الذى أيدك بنصره وبالمؤمنين، وألّف بين قلوبهم لو أنفقت ما في الأرض جميعا ما ألّفت بين قلوبهم ولكن الله ألّف بينهم إنه عزيز حكيم﴾(۳).

''اور اگر مشرکین وکفار آپ کو دھوکا دینا چاہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے لیے کافی ہیں، یہ وہی ذات ہے جس نے اپنی نصرت اور مومنین کے ذریعے آپ کو قوت عطا کی اور مومنین کے دلوں کو جوڑا، آپ اگر زمین کی سطح پر جو کچھ ہے، اس سب کو بھی خرچ کر ڈالتے تو ان کے دلوں کو نہ جوڑ سکتے، لیکن اللہ ہی کی ذات ہے جس نے ان کے درمیان جوڑ وموافقت پیدا کی، بے شک وہ غالب اور حکمت والا ہے''۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر مسلمانوں کو یہ علم ہو جائے اور ان پر واضح ہو جائے کہ دشمن جو صلح صفائی کی بات کر رہا ہے، وہ سراسر دھوکا وفریب ہے، تیاری وغیرہ کے مہلت چاہتا ہے، تب

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کلمہ "حسب" کے متعلق لکھتے ہیں: "فحسب صفة مشبهة بمعنى اسم الفاعل، والكاف في محل الجر، كما نص عليه غير واحد، ......، وقال الزجاج: إنه اسم فعل بمعنى كفاك، والكاف في محل نصب". روح المعاني: ۶/۲۸.

(۱) إرشاد الساري: ۵/۲۴۱.

(۲) حوالہ بالا، وعمدة القاري: ۱۵/۹۹، وروح المعاني: ۶/۲۸، والقرطبي: ۸/۴۲.

(۳) الأنفال/ ۶۲-۶۳.

بھی ان کی اس صلح کی بات کو قبول کرلینا چاہیے، اس میں جھجک محسوس نہیں کرنی چاہیے، چناں چہ مصالحت کرلی جائے اور آگے کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے، اسی کی ذات پر بھروسہ کیا جائے (لیکن ان کی طرف سے غافل وبے پروانہ رہا جائے)۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”وفي هذه الآية إشارة إلى أن احتمال طلب العدو للصلح خديعة لا يمنع من الإجابة إذا ظهر للمسلمين؛ بل يعزم ويتوكل على الله“(۱).

علامہ مہلب فرماتے ہیں کہ علاوہ ازیں اس آیت میں اس امر کی بھی دلالت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوری زندگی مکر وفریب سے محفوظ رہے، اسی کی اس آیت میں ضمانت دی گئی ہے، یہ خصوصیت نبی علیہ السلام کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں رہی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں سے آپ کو محفوظ رکھیں گے(۲)، اسی لیے امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معصوم فی الرسالہ ہیں اور آپ لوگوں کے مکر وفریب ودغابازی سے بھی محفوظ رہے(۳)۔

آیتِ کریمہ اور ترجمۃ الباب کے درمیان مناسبت

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں یہ بتلایا تھا کہ کفار کے ساتھ صلح کے باوجود ہوشیار رہنا چاہیے اور آیت کریمہ کا مفہوم یہ تھا کہ اگر کفار کا ارادہ بدعہدی کا ہو تو پریشانی کی اس میں کوئی بات نہیں، تو اب آیت اور ترجمہ کے درمیان یہ مناسبت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے، اسی پر بھروسہ رکھتے ہوئے مصالحت کرلی جائے، کیوں کہ وہی ذات سب کچھ کرسکتی ہے اور کفار کے مکر وفریب سے بھی ہوشیار رہا جائے، ساتھ ساتھ اسباب کا بھی انتظام کیا جائے۔ یہی سب سے بہترین طریقہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۳۰۰۵ : حدّثنا الحُمَيْدِيُّ : حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ الْعَلَاءِ بْنِ زَبْرٍ قالَ : سَمِعْتُ بُسْرَ بْنَ عُبَيْدِ ٱللهِ : أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا إِدْرِيسَ قالَ : سَمِعْتُ عَوْفَ بْنَ مالِكٍ(٤) قالَ :

---

(١) فتح الباري: ٦/٢٧٧.

(٢) قال الله عزوجل: ﴿والله يعصمك من الناس﴾ [المائدة/٦٧].

(٣) شرح ابن بطال: ٥/٣٥٧.

(٤) قوله: ”عوف بن مالك رضي الله عنه“: الحديث، أخرجه أبوداود، كتاب الأدب، باب ماجاء في المزاح، =

أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ ، وَهُوَ فِي قُبَّةٍ مِنْ أَدَمٍ ، فَقَالَ : (اُعْدُدْ سِتًّا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ : مَوْتِي ، ثُمَّ فَتْحُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ ، ثُمَّ مُوْتَانٌ يَأْخُذُ فِيكُمْ كَقُعَاصِ الْغَنَمِ ، ثُمَّ اسْتِفَاضَةُ الْمَالِ حَتَّى يُعْطَى الرَّجُلُ مِائَةَ دِينَارٍ فَيَظَلُّ سَاخِطًا ، ثُمَّ فِتْنَةٌ لَا يَبْقَى بَيْتٌ مِنَ الْعَرَبِ إِلَّا دَخَلَتْهُ . ثُمَّ هُدْنَةٌ تَكُونُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ بَنِي الْأَصْفَرِ ، فَيَغْدِرُونَ فَيَأْتُونَكُمْ تَحْتَ ثَمَانِينَ غَايَةً ، تَحْتَ كُلِّ غَايَةٍ اثْنَا عَشَرَ أَلْفًا) .

تراجم رجال

۱- الحمیدی

یہ ابوبکر عبداللہ بن زبیر حمیدی مکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "بدء الوحي" کی پہلی حدیث کے ضمن میں اجمالاً آچکا ہے(۱)۔

۲- الولید بن مسلم

یہ ابوالعباس الولید بن مسلم قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۳- عبداللہ بن العلاء بن زبر

یہ ابوعبدالرحمٰن یا ابوزبر (۳) عبداللہ بن العلاء بن زبر بن عطارد بن عمرو ربعی، شامی، دمشقی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔یہ مشہور محدث ابراہیم بن عبداللہ بن العلاء کے والد اور بشر بن العلاء کے بھائی ہیں (۴)۔

ان کے صاحبزادے ابراہیم کے بقول یہ ۷۵ ہجری کو پیدا ہوئے (۵)۔

--- رقم (٥٠٠٠)، وابن ماجه، كتاب الفتن، باب أشراط الساعة، رقم (٤٠٤٢)، وباب الملاحم، رقم (٤٠٩٥).

(١) كشف الباري: ٢٣٧/١.

(٢) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب مواقيت الصلاة، باب وقت المغرب.

(٣) قوله: "زبر": بفتح الزاي المعجمة وسكون الموحدة، انظر التقريب: ٥٢١/١، رقم (٣٥٣٢)، وإكمال ابن ماكولا: ١٦٢/٤، وشرح القسطلاني: ٢٤١/٥.

(٤) تهذيب الكمال: ١٥/٤٠٥-٤٠٦، والإكمال لمغلطاي: ١٠٩/٨، رقم (٣١١٠).

(٥) تهذيب الكمال: ٤١٠/١٥، وسير أعلام النبلاء: ٣٥١/٧، والإكمال لمغلطاي: ١٠٩/٨، وكتاب الثقات لابن حبان: ٢٧/٧.

یہ بُسر بن عبیداللہ، یزید بن ثور، ربیعہ بن مرثد، سالم بن عبداللہ بن عمر، ضحاک بن عبدالرحمٰن، عطیہ بن قیس، عمر بن عبدالعزیز، قاسم بن محمد بن ابی بکر، قاسم بن عبدالرحمٰن، مکحول اور نافع مولی ابن عمر رحمہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ دیگر بہت سے حضرات سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

اوران سے ان کے صاحبزادے ابراہیم، زید بن حباب، عمر بن ابی سلمہ، الولید بن مسلم، محمد بن شعیب، مروان بن محمد، شبابہ بن سوار، ابومسہر اور ابوالمغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ روایت حدیث کرتے ہیں(۱)۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "مقارب الحديث"(٢).

عباس دوری، ابوبکر بن ابی خیثمہ، عثمان بن سعید دارمی اور معاویہ بن صالح رحمہم اللہ تعالیٰ نے امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا، "ثقة"(٣).

اسی طرح امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "ثقة"(٤).

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "ليس به بأس"(٥).

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا شمار شامیین کے "الطبقة الخامسة" میں کیا ہے، نیز فرماتے ہیں، "كان ثقة إن شاء الله"(٦).

عبدالرحمٰن بن ابراہیم دُحیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "كان ثقة، وكان من أشراف البلد"(٧).

ہشام بن عمار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "بخ، ثقة، سمع من القاسم أبي عبدالرحمن وعمر

---

(١) شیوخ وتلامذہ کے لیے دیکھیے، تهذيب الكمال: ١٥/٤٠٦-٤٠٧.

(٢) تهذيب الكمال: ١٥/٤٠٧، وتهذيب التهذيب: ٥/٣٥٠، وسير أعلام النبلاء: ٧/٣٥٠.

(٣) تهذيب الكمال: ١٥/٤٠٧-٤٠٨، وتهذيب التهذيب: ٥/٣٥٠، وتاريخ بغداد: ١٠/١٧، وتاريخ عثمان بن سعيد الدارمي: ١٥٣، رقم (٥٣٤).

(٤) تهذيب الكمال: ١٥/٤٠٨، وتاريخ بغداد: ١٠/١٧، وسير أعلام النبلاء: ٧/٣٥١.

(٥) تهذيب الكمال: ١٥/٤٠٨، والإكمال للمغلطاي: ٨/١٠٩.

(٦) الطبقات الكبرى لابن سعد: ٧/٤٦٨.

(٧) تهذيب الكمال: ١٥/٤٠٨، وتهذيب التهذيب: ٥/٣٥٠، وسير أعلام النبلاء: ٧/٣٥٠، والمعرفة والتاريخ للفسوي: ١/٣٠، وفي سنة خمس وستين ومائة.

بن عبدالعزيز، هو قديم"(١).

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "يكتب حديثه"(٢).

مزید فرماتے ہیں، "هو أحب إلي من أبي معيد حفص بن غيلان"(٣).

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "ثقة يجمع حديثه"(٤).

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا ذکر کتاب الثقات میں کیا ہے(٥)۔

امام عجلی اور حافظ ابن عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کو ثقہ کہا ہے(٦)۔

اور ابن شاہین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کو "الثقات" میں ذکر کیا ہے(٧)۔

حضرت عبداللہ بن العلاء رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ایک سو چونسٹھ یا پینسٹھ ہجری کو ہوا، سعید بن عبدالعزیز نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، انتقال کے وقت عمر مبارک پچاسی سال تھی(٨)۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

تنبیہ

حضرت عبداللہ بن العلاء بن زبر رحمۃ اللہ علیہ متفق علیہ ثقہ ہیں، لیکن معلوم نہیں کیا وجہ ہوئی کہ ابن حزم ظاہری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عام عادت کے موافق ان کو ضعیف کہا ہے اور اس کی نسبت امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کی ہے کہ انہوں نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے(٩)۔

---

(١) المعرفة والتاريخ للفسوي: ٢/٢٢٨، رقم (٢٣١)، وتهذيب الكمال: ١٥/٤٠٩

(٢) تهذيب الكمال: ١٥/٤٠٩، وتهذيب التهذيب: ٥/٣٥٠.

(٣) الجرح والتعديل: ٥/١٥٨، رقم (٥٩٢)، وحواله جات بالا.

(٤) تهذيب الكمال: ١٥/٤٠٩، وسير أعلام النبلاء: ٧/٣٥١، وتهذيب التهذيب: ٥/٣٥١.

(٥) كتاب الثقات: ٧/٢٧.

(٦) الإكمال للمغلطاي: ٨/١٠٩، وتهذيب التهذيب: ٥/٣٥١.

(٧) حوالہ جات بالا۔

(٨) حوالہ جات بالا، وتهذيب الكمال: ١٥/٤١٠، وكتاب الثقات: ٧/٢٧.

(٩) المحلى لابن حزم: ٦/١٠٥، كتاب الأطعمة، حكم استعمال أواني أهل الكتاب، رقم (١٠٢٤)، وميزان الاعتدال للذهبي: ٢/٤٦٤، رقم (٤٤٦٦)، وتهذيب التهذيب: ٥/٣٥١.

لیکن اس جرح کا کوئی اعتبار نہیں، اس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

اولاً- یہ جرح مبہم ہے، ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وجہ نہیں بتلائی کہ یہ کیوں ضعیف ہیں اور جرح مبہم معتبر نہیں (۱)۔

ثانیاً- امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کی طرف جو نسبت کی گئی ہے، وہ بظاہر صحیح معلوم نہیں ہوتی، کیوں کہ پیچھے ہم ذکر کر چکے ہیں کہ امام ابن معین رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے (۲)۔

ثالثاً- امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دیگر ائمہ خمسہ نے ان کی روایات قبول کی ہیں، یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ یہ ضعیف نہیں (۳)۔

٤- بسر بن عبیداللّٰہ

یہ جلیل القدر فقیہ بسر بن عبیداللہ حضرمی شامی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

یہ واثلہ بن الاسقع، عمرو بن عبسہ، رویفع بن ثابت، سنان بن عرفہ، عبداللہ بن محیریز اور ابو ادریس خولانی رضی اللہ عنہم وغیرہ سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

اور ان سے روایت حدیث کرنے والوں میں عبداللہ بن العلاء بن زبر، عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر، زید بن واقد، داؤد بن عمرو الاودی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ شامل ہیں (۵)۔

---

(١) قواعد في علوم الحديث للعثماني: ١٧٤-١٧٥، و: ٢٦٨، وشرح نخبة الفكر: ١٣٦، والجرح مقدم على التعديل...... قال الحافظ: "له في البخاري حديثان، أحدهما: في تفسير الأعراف بمتابعة زيد بن واقد، كلاهما عن بسر بن عبيدالله، والآخر: في الجزية، وروى له أصحاب السنن". هدي الساري: ٥٨٣، حرف العين، الفصل التاسع في سياق أسماء من طعن......

(٢) قال ابن حجر رحمه الله في التهذيب (٥/٣٥١): "قال شيخنا في شرح الترمذي: "لم أجد ذلك عن ابن معين بعد البحث، ووقع في المحلى لابن حزم في الكلام على حديث أبي ثعلبة في آنية أهل الكتاب: عبدالله بن العلاء ليس بالمشهور" (انظر المحلى: ٦/١٠٥)، وهو متعقب بما تقدم".

(٣) ميزان الاعتدال: ٢/٤٦٤، وتهذيب الكمال: ١٥/٤١٠.

(٤) تهذيب الكمال: ٤/٧٥، وسير أعلام النبلاء: ٤/٥٩٢، والإكمال لمغلطاي: ٢/٨٤.

(٥) شیوخ وتلامذہ کے لیے دیکھیے، تهذيب الكمال: ٤/٧٦.

امام عجلی اور امام نسائی رحمہما اللہ فرماتے ہیں، "ثقة"(١).

ابومسہر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "أحفظ أصحاب أبي إدريس عنه: بسر بن عبيدالله"(٢).

مروان بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "هو من كبار أهل المسجد، ثقة من أهل العلم"(٣).

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "ثقة ......، وكان من علماء دمشق"(٤).

حدیث کے حصول کا ان کو کس قدر شوق تھا اور اس کے لیے کس قدر محنت کرتے تھے، اس کا اندازہ ان کے اس قول سے کیا جاسکتا ہے، فرماتے ہیں:

"إنه كان ليبلغني الحديث في المصر، فأرحل فيه مسيرة أيام"(٥).

کہ "جب مجھے یہ معلوم ہوتا کہ فلاں شہر میں حدیث موجود ہے تو میں اس کے حصول کے لیے کئی دنوں کی مسافت طے کرتا تھا"۔

اصحاب اصول ستہ نے ان کی روایات لی ہیں(٦)۔

تقریباً ۱۱۰ ایک سو دس ہجری کو، اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے عہدِ خلافت میں ان کا انتقال ہوا(٧)۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

تنبیہ

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا ترجمہ کتاب الثقات میں درج کیا ہے، لیکن انہیں تبع تابعی قرار دیا ہے(٨)، جو بظاہر درست نہیں، کیوں کہ یہ واثلہ بن اسقع اور عمرو بن عبسہ جیسے جلیل القدر صحابہ سے روایت کرتے

---

(١) حوالہ بالا، وتهذيب التهذيب: ٤٣٨/١.

(٢) حوالہ جات بالا، وسير أعلام النبلاء: ٥٩٢/٤، والثقات لابن حبان: ١٠٩/٦.

(٣) تهذيب الكمال: ٧٦/٤، وتهذيب التهذيب: ٤٣٨/١.

(٤) سير أعلام النبلاء: ٥٩٢/٤.

(٥) تهذيب الكمال: ٧٧/٤.

(٦) تهذيب الكمال: ٧٧/٤، وتهذيب التهذيب: ٤٣٨/١، وسير أعلام النبلاء: ٥٩٢/٤.

(٧) سير أعلام النبلاء: ٥٩٢/٤.

(٨) كتاب الثقات للتميمي: ١٠٩/٦.

ہیں، اس لیے دیکھا بھی ہوگا، ملاقات بھی کی ہوگی، لہذا یہ تبع تابعی نہیں، بلکہ تابعی ہیں۔

٥- ابوادریس

یہ مشہور بزرگ تابعی ابوادریس عائذ اللہ بن عبداللہ خولانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب بلا ترجمة" کے تحت آچکے(١)۔

٦- عوف بن مالك

یہ مشہور صحابی حضرت عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ ہیں(٢)۔

حدیث کی سند سے متعلق ایک فائدہ

ہمارے پیش نظر حدیث کی سند میں عبداللہ بن العلاء نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ انہوں نے یہ حدیث براہِ راست بسر بن عبیداللہ سے سنی ہے،"قال: سمعت بسر بن عبيدالله......" جب کہ یہی روایت امام طبرانی نے بھی روایت کی ہے، اس میں ان دونوں حضرات کے درمیان ایک اور راوی زید بن واقد بھی ہیں(٣)، حافظ کی تصریح کے مطابق طبرانی کی یہ روایت اصول حدیث کی اصطلاح میں"المزيد في متصل الأسانيد"(٤) کے قبیل سے ہے، جب کہ اس سے صحیح بخاری کی روایت کی صحت میں کوئی فرق فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ اولاً اس روایت میں سماع کی تصریح ہے اور ثانیاً امام ابوداود(٥)، ابن ماجہ(٦) اور اسماعیلی(٧) رحمہم

(١) كشف الباري: ٤٨/٢.

(٢) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الصلح، باب الصلح مع المشركين.

(٣) رواه الطبراني في المعجم الكبير: ١٨/ ٤٠-٤١، أبو إدريس الخولاني عن عوف، رقم (٧٠).

(٤) قال العلامة العثماني رحمه الله في قواعد علوم الحديث (٤٥):

"والمزيد في متصل الأسناد: ما زيد في أثناء إسناده راوٍ، ومن لم يزده أتقن ممن زاده، وشرطه أن يقع التصريح بالسماع في موضع الزيادة في رواية من لم يزدها، وإلا ترجحت الزيادة، وكان الخبر المزيد فيه مدلّسا أو منقطعا أو مرسلاً خفيا". وانظر أيضاً شرح النخبة: ٩٢، ثم المخالفة......

(٥) انظر سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب ماجاء في المزاح، رقم (٥٠٠٠).

(٦) انظر سنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب أشراط الساعة، رقم (٤٠٤٢).

(٧) السنن الكبرى للبيهقي: ٣٧٤/٩، رقم (١٨٨١٧)، كتاب الجزية، باب مهادنة الأئمة بعد رسول......

اللہ تعالیٰ نے بھی اس حدیث کو متعدد طرق سے نقل کیا ہے اور کسی بھی طریق میں زید بن واقد نہیں ہیں (۱)۔

قال: أتيتُ النَّبيَّ صلى الله عليه وسلم فِي غزوة تبوك

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، جب آپ غزوہ کے سلسلے میں تبوک میں تھے۔

تبوک کا غزوہ چوں کہ نو ہجری کو لڑا گیا تھا تو صحابی نے اپنا جو قصہ نقل کیا ہے، وہ نو ہجری کا ہے (۲)۔

مستدرک حاکم کی روایت میں اس کا بیان بھی ہے کہ یہ واقعہ صبح کے وقت کا ہے (۳)۔

وهو في قبة من أَدم

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم چمڑے سے بنے ہوئے قبہ میں آرام فرما تھے۔

قبہ قاف کے ضمہ اور باء مشددہ مفتوحہ کے ساتھ ہے، ہر گول بنی ہوئی چیز پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، جیسے گنبد، خیمہ وغیرہ، لیکن یہاں پر وہ خیمہ مراد ہے جو اوپر سے گول ہوتا ہے۔ اس کی جمع قباب وقبية ہے (۴)۔

سنن ابی داود کی روایت میں اس کے بعد یہ اضافہ بھی ہے:

"فسلمت، فرد، وقال: ادخل. فقلت: أكلي يا رسول الله! قال: كلك. فدخلت"(٥).

"تو میں نے سلام کیا، انہوں نے جواب دیا اور فرمایا کہ اندر آجاؤ! میں نے کہا، پورا کا پورا اندر آجاؤں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا، بالکل۔ چناں چہ میں اندر داخل ہو گیا"۔

---

(١) عمدة القاري: ١٥/٩٩، وفتح الباري: ٦/٢٧٧.

(٢) عمدة القاري: ١٥/٩٩، وكشف الباري، كتاب المغازي، باب غزوة تبوك: ٦٣٢.

(٣) "قال: دخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم في غزوة تبوك في آخر السحر ......" انظر المستدرك للحاكم: ٣/٦٣٠، كتاب معرفة الصحابة، ذكر مناقب عوف بن مالك......، رقم (٦٣٢٤)، وأيضاً انظر معرفة الصحابة، للأصبهاني: ٤/٤٤، باب من اسمه: عوف.

(٤) عمدة القاري: ١٥/٩٩.

(٥) سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب ماجاء في المزاح، رقم (٥٠٠٠).

مطلب یہ ہے کہ خیمہ چوں کہ چھوٹا تھا، گنجائش کم تھی، اس لیے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے ازراہِ مزاح دریافت کیا کہ کیا مکمل داخل ہو جاؤں؟ آپ علیہ السلام ان کے مزاح کو سمجھ گئے، اس لیے جواب بھی انہی کے انداز میں دیا کہ ہاں! مکمل داخل ہو جاؤ، خیمہ کے چھوٹا ہونے کی پروانہ کرو۔

چناں چہ عثمان بن ابوالعاتکہ (راوی حدیث) فرماتے ہیں:

"إنما قال: أدخل كلي؛ من صغر القبة"(۱).

اس طریق سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مزاح کرتے تھے(۲)۔

فقال: اعدد ستًّا بين يدي السَّاعَةِ موتي ثمَّ فتْح بيت المقدس

سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے لیے چھ چیزوں کو شمار کرو (ایک) میری وفات، (دوسری) بیت المقدس کی فتح۔

مطلب یہ ہے کہ ان چھے امور کے وقوع سے پہلے قیامت قائم نہیں ہوگی، چناں چہ حدیث میں "ستا" سے مراد "ست علامات لقيام القيامة" ہے(۳)۔

ان میں سے پہلی نشانی کا تحقق ربیع الاول ۱۱ھ کو ہوا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے پردہ فرمالیا تھا۔

جب کہ دوسری نشانی کا تحقق حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پندرہ ہجری کو ہوا، کہ اس سال بیت المقدس فتح ہوا(۴)۔

ثم موتان يأْخُذُ فيكم كقعاصِ الْغَنَمِ

پھر کثرت سے اموات، جو تم میں اس طرح پھیلیں گی، جس طرح بکریوں میں ایک مخصوص بیماری پھیلتی

---

(۱) حوالہ بالا، رقم (۵۰۰۱)، وفتح الباري: ۶/۲۷۷-۲۷۸.

(۲) بذل المجهود: ۱۳/۴۰۱، رقم (۵۰۰۰).

(۳) عمدة القاري: ۱۵/۹۹، وفتح الباري: ۶/۲۷۸.

(٤) البداية والنهاية: ۷/۵۵، فتح بيت المقدس على يدي عمر بن الخطاب، والكامل لابن الأثير: ۲/۳٤۷.

ہے اور سب کو اچانک ہلاک کر ڈالتی ہے۔

موتان کا ضبط

موتان میم کے ضمے اور واو کے سکون کے ساتھ ہے اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ ضمہ کے ساتھ بنو تمیم کی لغت ہے، ان کے علاوہ دوسرے قبائل عرب اس کو فتحہ کے ساتھ پڑھتے ہیں، چناں چہ بلید (احمق و بے وقوف) کو "مَوْتان القلب" بھی کہا جاتا ہے، لیکن میم کا مضموم ہونا ہی راجح ومشہور ہے (۱)۔

پھر ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات محدثین اس لفظ کی ادائیگی میں غلطی کرتے ہیں کہ اسے میم اور واو کے ضمہ کے ساتھ پڑھتے ہیں، جو صریح غلط ہے، مُوتان تو اس زمین کو کہا جاتا ہے، جس پر کھیتی باڑی نہیں کی جاتی ہو اور اس کی دیکھ بھال نہ کی جاتی ہو (۲)۔

جب کہ ابن السکن رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں تثنیہ کے ساتھ "موتتان" ہے، جس کا یہاں کوئی موقع ومحل نہیں (۳)۔

موتان کے معنی

قزاز وخطابی رحمہما اللہ نے اس کلمہ کے معنی "موت" بیان کیا ہے، جب کہ ابن الاثیر جزری رحمہ اللہ وغیرہ نے اس کے معنی "الموت الكثير الوقوع" کے بتلائے ہیں (۴)، یعنی کثرت سے اموات کا واقع ہونا، جس کی تعبیر وباء سے ہوسکتی ہے کہ وبائی امراض مثلاً طاعون وہیضے وغیرہ سے بھی کثرت سے اموات ہوتی ہیں۔

قُعاص کا ضبط

قعاص قاف کے ضمہ اور عین مہملہ کے فتحہ کے ساتھ ہے، یہی جمہور ائمہ لغت وحدیث مثلاً ابن قرقول،

---

(۱) عمدة القاري: ۹۹/۱۵، وإرشاد الساري: ۲٤۱/٥، وفتح الباري: ۲۷۸/٦.

(۲) عمدة القاري: ۹۹/۱۵، وفتح الباري: ۲۷۸/٦، وكشف المشكل: ۱۱۰۸/۱، مسند عوف بن مالك، رقم (۲۳٤۲)، ومشارق الأنوار: ۳۹۰/۱، الميم مع الواو.

(۳) عمدة القاري: ۱۰۰/۱۵، وإرشاد الساري: ۲٤۱/٥.

(٤) النهاية في غريب الحديث والأثر: ۳۷۰/٤، باب الميم مع الواو، وعمدة القاري: ۹۹/۱۵، وفتح الباري: ۲۷۸/٦، وإرشاد الساري: ۲٤۱/٥، وأعلام الحديث للخطابي: ۱٤٦۸/۲.

ابن الأثیر رحمہما اللہ وغیرہ کی رائے ہے(۱)، لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو عقاص لکھا ہے، یعنی عین کو قاف پر مقدم بتلایا ہے(۲)۔ جو درست نہیں اور یہ حافظ صاحب کے اوہام میں سے ہے(۳)۔

قعاص کے معنی

قعاص ایک قسم کی بیماری ہے، جو جانوروں کو لگتی ہے، جس کے نتیجے میں ان کی ناک سے ایک سیّال مادہ نکلتا ہے اور فوری موت واقع ہو جاتی ہے۔

یہ القعص سے مشتق ہے، جس کے معنی فوری موت کے ہیں، "يقال: قعصتُه وأقعصتُه: إذا قتلتَه سريعا"(٤).

جب کہ ابن فارس رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ یہ سینے کی بیماری ہے، اس کی وجہ سے اس قدر تکلیف ہوتی ہے، گویا کہ گردن ٹوٹ جائے گی(۵)۔

"ثم موتان......" کا مطلب

اس جملے میں قرب قیامت کی چھے نشانیوں میں سے تیسری نشانی کو بیان کیا گیا ہے، کہ اس کثرت سے اموات ہوں گی، وبا پھیلے گی، جس طرح جانوروں وبکریوں وغیرہ میں پھیلتی ہے اور آناً فاناً سینکڑوں کو ہلاک کر دیتی ہے، اسی طرح مذکورہ بالا وباء بھی ہزاروں لاکھوں لوگوں کو فنا کر ڈالے گی۔

شراح کا کہنا ہے کہ یہ نشانی بھی طاعون عمواس کی شکل میں واقع ہو چکی ہے، جس میں تین دن میں تقریباً ستر ہزار افراد، جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے، جاں بحق ہوئے تھے، یہ طاعون بیت المقدس کی فتح کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت ہی میں ۱۷ھ کو پھیلا تھا(٦)۔

---

(١) النهاية لابن الأثير: ٤/٨٨، وعمدة القاري: ١٥/١٠٠، والقاموس الوحيد، مادة "قعص".

(٢) فتح الباري: ٦/٢٧٨.

(٣) "في هامش طبعة بولاق: "كذا في نسخ الشارح التي بأيدينا، والذي في نسخ البخاري بتقديم القاف على العين، وبه ضبط القسطلّاني، وهو المنصوص في كتب اللغة، والمتعين من قول أبي عبيد، ومنه أخذ: الإقعاص". (انظر تعليقات محب الدين الخطيب على فتح الباري: ٦/٢٧٨).

(٤) النهاية: ٤/٨٨، وفتح الباري: ٦/٢٧٨، وعمدة القاري: ١٥/١٠٠، وإرشاد الساري: ٥/٢٤١.

(٥) عمدة القاري: ١٥/١٠٠، وفتح الباري: ٦/٢٧٨.

(٦) حواله جات بالا، وإرشاد الساري: ٥/٢٤١، والبداية والنهاية: ٧/٧٨، شيء من أخبار طاعون عمواس.

چناں چہ خود راوی حدیث حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے امام حاکم (١) نے نقل کیا ہے کہ مذکورہ بالا طاعون کا مصداق طاعون عمواس ہے، نیز حافظ ابن کثیر (٢) اور علامہ تورپشتی رحمہم اللہ کی رائے بھی یہی ہے (٣)۔

ثم استفاضة المال(٤) حتى يعطى الرجل مئة دينار فيظل ساخطا

پھر مال کی کثرت (ہوگی)، یہاں تک کہ اگر کسی کو سو دینار بھی عطا کیے جائیں تب بھی وہ ناراض رہے گا۔

اس جملے میں قرب قیامت کی چوتھی علامت ونشانی کا بیان ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ مال کی خوب کثرت وفراوانی ہوگی، تقریباً ہر شخص مال دار وتونگر ہوگا، اس لیے اگر کسی کو سو دینار بھی دیے جائیں (جو ایک بڑی رقم شمار ہوتی ہے) اور کہا جائے کہ یہ دینار رکھ لو تو وہ ناراض ہوگا کہ اتنی معمولی نقدی کیوں دے رہے ہو؟ اور اس کو حقیر سمجھے گا (٥)۔

یہ چوتھی نشانی خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں پائی گئی کہ جب فتوحات کی کثرت ہوئی اور مسلمانوں نے کفر کے بڑے بڑے مراکز فتح کر لیے تو مال ودولت کی خوب فراوانی ہوگئی اور تقریباً ہر شخص مال دار ودولت مند ہوگیا (٦)۔

ثم فتنة لا يبقى بيت من العرب إلا دخلته

پھر فتنہ برپا ہوگا، عرب کا کوئی گھر ایسا نہ ہوگا کہ جس میں یہ فتنہ داخل نہ ہو۔

اس جملے میں پانچویں نشانی کا بیان ہے کہ پھر ایسا دور آئے گا کہ ہر طرف فتنہ ہوگا، لوٹ مار ہوگی، لوگوں

---

(١) المستدرك للحاكم: ٤/٤٦٩، كتاب الفتن والملاحم، رقم (٨٣٠٣).

(٢) البداية والنهاية: ٦/٢٢٦، فصل في ترتيب الأخبار بالغيوب......

(٣) كتاب الميسر: ٤/١١٥١، رقم (٤٠٥٢)، باب الملاحم من كتاب الفتن، وشرح الطيبي: ١٠/٧٧، وفيضان القدير للمناوي، رقم (٤٦٥٧).

(٤) قال العلامة الخطابي رحمه الله: "استفاضة المال: كثرته، وأصله التفرق والانتشار، يقال: فاض الماء، وفاض الحديث: إذا انتشر". أعلام الحديث: ٢/١٤٦٩.

(٥) عمدة القاري: ١٥/١٠٠، وشرح القسطلاني: ٥/٢٤١.

(٦) حوالہ جات بالا، وفتح الباري: ٦/٢٧٨.

کی جان و مال کی ضمانت نہیں رہے گی، عرب کا کوئی بھی گھر، کوئی بھی جگہ اس فتنے سے محفوظ نہیں ہوگی اور ہر شخص اس سے متاثر ہوگا۔

اس علامت ونشانی کی ابتدا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے ہوئی کہ ان کی شہادت کے بعد فتنے پھوٹ پڑے اور آج تک جاری ہیں (۱)، خدا ہی کو علم ہے کہ یہ صورت حال کب تک جاری رہے گی۔

ثم هدنة تكون بينكم وبين بني الأَصْفَرِ فيغدرُونَ فيأتُونكُم تحْتَ ثمانينَ غاية تحْتَ كلِّ غاية اثْنَا عَشَرَ الفا.

پھر صلح ہے، جو تمہارے اور رومیوں کے درمیان ہوگی، سو وہ غداری وعہد شکنی کریں گے، اسی ۸۰ جھنڈوں تلے تم سے لڑنے کو آئیں گے، ہر جھنڈے تلے بارہ ہزار افراد ہوں گے (پورا لشکر کفار تقریباً دس لاکھ افراد پر مشتمل ہوگا)۔

ہدنہ کے معنی اور ضبط

ھدنة ہاء کے ضمہ اور دال کے سکون کے ساتھ ہے۔ اس کے معنی سکون کے ہیں، البتہ یہاں صلح کے معنی میں مستعمل ہے۔ ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ صلح عام ہے اور ہدنہ خاص۔ جنگ شروع ہونے کے بعد اگر صلح ہوگئی تو یہ صلح ہدنہ کہلائے گی، ورنہ نہیں اور وجہ تسمیہ یہ ہے کہ صلح کی وجہ سے فریقین کے درمیان سکون واقع ہوجاتا ہے اور اضطراب کی کیفیت ختم ہوجاتی ہے (۲)۔

اور بنو الأصفر سے مراد رومی ہیں (۳)۔

غایہ کے معنی اور اختلاف روایات

غایہ کے معنی یہاں رایہ یعنی جھنڈے کے ہیں، چوں کہ لشکر میں پیچھے آنے والوں کے لیے یہ حد اور منتہی کی حیثیت رکھتا ہے کہ جھنڈا بردار جہاں رکتا ہے وہیں دوسرے لشکری بھی رک جاتے ہیں اور اگر چل پڑے تو

(۱) حوالہ جات بالا۔

(۲) فتح الباري: ٦/٢٧٨، وعمدة القاري: ١٥/١٠٠.

(۳) حوالہ جات بالا، وکشف الباري: ١/٥٣٨، وأعلام الحديث للخطابي: ٢/١٤٦٩.

لشکری بھی چلنے لگتے ہیں، اسی لیے جھنڈے کو غایۃ کہتے ہیں۔

قال الجواليقي: "غاية وراية واحد؛ لأنها غاية المتبع، إذا وقفت وقف، وإذا مشت تبعها"(۱).

چنانچہ سنن ابی داود (۲) کی ایک روایت، جو ذومخبر سے مروی ہے، اس میں "رایۃ" کا لفظ ہے (۳)۔

اور علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس لفظ کو بعض حضرات نے "غابۃ" بائے موحدہ کے ساتھ روایت کیا ہے، جس کے معنی جنگل کے ہیں، گویا کہ غیر مسلم لشکر کے پاس نیزوں کی جو کثرت ہوگی اس کے پیش نظر اسے جنگل (غابہ) کہا گیا ہے (۴)۔

اور علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گھنے درختوں کو "غابہ" کہا جاتا ہے اور اس لفظ کو یہاں بطور استعارہ استعمال کیا گیا ہے، چناں چہ غابہ سے مراد وہ جھنڈے ہیں جو لشکر کے امراء کے لیے بلند کیے جائیں گے اور ان کے ساتھ ساتھ نیزوں کو بھی حرکت دی جائے گی، گویا جھنڈوں کو بلند کرنے اور نیزوں کو حرکت دینے کا جو عمل ہے، اسے غابہ سے تعبیر کیا گیا ہے (۵)۔

چھٹی نشانی

اوپر کے جملے میں علامات قیامت میں سے چھٹی نشانی کو بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں اور کفار کے

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٧٨، وعمدة القاري: ١٥/١٠٠، وشرح ابن بطال: ٥/٣٥٨، ولسان العرب: ١٠/١٦٣، باب الغين، مادة "غيا".

(۲) سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب الصلح مع العدو، رقم (٢٧٦٧)، وكتاب الملاحم، باب مايذكر في قرن المائة، رقم (٤٢٩٢).

(۳) هذا ما قاله ابن حجر في الفتح (٦/٢٧٨)، ولكني لم أجد فيها ما قاله الحافظ، ولعله من اختلاف النسخ، نعم، قد ورد الحديث بلفظ "راية" بدل "غاية" في المستدرك للحاكم، ففيه: "...فيقبلون في ثمانين راية، تحت كل راية اثنا عشر ألفا". انظر المستدرك: ٣/٦٣٠، رقم (٦٣٢٤)، أخرجه من طريق أبي بكر أحمد بن سلمان بن الحسن الفقيه.

(٤) عمدة القاري: ١٥/١٠٠، وفتح الباري: ٦/٢٧٨، وكشف المشكل: ٤/١٣٣، مسند عوف ......، رقم (٢٣٤٢)

(٥) حوالہ جات بالا، وأعلام الحديث للخطابي: ٢/١٤٦٩، ولسان العرب: ١٠/١٦٣، مادة "غيا".

درمیان ایک خون ریز جنگ واقع ہوگی، پھر صلح ہوجائے گی لیکن کفار بدعہدی کریں گے اور ملحمہ کبری کے لیے جمع ہوں گے، کفار کے لشکر کی تعداد تقریباً دس لاکھ (۱) ہوگی۔

یہ نشانی ابھی واقع نہیں ہوئی ہے، امام مہدی علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد یہ نشانی بھی واقع ہوجائے گی۔

علامات قیامت کی ترتیب زمانی

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قیامت سے پہلے پہلے جو بڑے بڑے واقعات وحوادث رونما ہوں گے، احادیث کی روشنی میں ان کی بھی کچھ تفصیل بیان کردی جائے۔

علامات قیامت کی دو قسمیں ہیں، علامات صغری اور علامات کبریٰ۔

علامات صغری کی تعداد بہت زیادہ ہے (۲) اور یہی علامات، علامات کبریٰ کے لیے بطور مقدمے کے ہوں گی۔

علماء نے لکھا ہے کہ علامات صغریٰ جب سب کی سب ظاہر ہوجائیں گی تو ہوگا یہ کہ عیسائی بہت سے ملکوں پر غلبہ حاصل کر کے قبضہ کرلیں گے۔ ادھر عرب اور شام کے ملک میں ابوسفیان کی اولاد سے ایک شخص ظاہر ہوگا، جو سادات کو قتل کرے گا، اس کی حکومت شام ومصر وغیرہ میں ہوگی (۳)۔

---

(۱) شرح الكرماني: ١٣/١٤١، حسابی اعتبار سے یہ تعداد ۹ لاکھ ۶۰ ہزار بنتی ہے۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں (٦/٢٧٨): "وجملة العدد المشار إليه تسعمائة ألف وستون ألفا".

(۲) حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث کی روشنی میں قیامت کی تقریباً ۲۷ علامات صغری ذکر کی ہیں، ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

جب حکام زمین وملک کے لگان کو اپنی ذاتی دولت بنائیں (یعنی اس کو مصرف شرعی میں خرچ نہ کریں)۔ زکوۃ بطور تاوان کے ادا کریں۔ لوگ امانت کو مال غنیمت کی طرح حلال وطیب سمجھیں۔ شوہر اپنی بیوی کی اطاعت کرے۔ علم دین حصول دنیا کی غرض سے سیکھا جائے۔ شراب خوری اور زنا کاری کی کثرت ہو۔ باطل مذاہب، جھوٹی احادیث اور بدعتوں کا فروغ ہو۔ (دیکھیے، قیامت سے پہلے کیا ہوگا؟ ص: ۲۳-۲۴، بتغیر وتصرف)۔ نیز دیکھیے، جامع الترمذي، كتاب الفتن، باب في علامة حلول المسخ والخسف، رقم (٢٢١٠)، عن علي و(٢٢١١)، عن أبي هريرة رضي الله عنهما.

(۳) كنز العمّال، كتاب الفتن والأهواء......، قسم الأقوال، رقم (٣١٠٣٥-٣١٠٣٣)، وفيض القدير للمناوي: =

اسی دوران شاہِ روم کی عیسائیوں کے ایک فرقے کے ساتھ جنگ اور دوسرے فرقے سے صلح ہوگی، متحارب فرقہ روم کے پایۂ تخت قسطنطنیہ پر قبضہ کرلے گا، شاہ دارالخلافہ چھوڑ کر شام آجائے گا اور عیسائیوں کے صلح پسند فرقے کی مدد سے اسلامی فوج ایک خون ریز جنگ کے بعد قابض فوج پر فتح یاب ہوگی، دشمن کی شکست کے بعد فرقہ موافق میں سے ایک شخص بول اٹھے گا کہ "غلب الصلیب......" یہ سن کر اسلامی لشکر میں سے ایک شخص اس سے الجھ پڑے گا اور کہے گا "بل اللہ غلب" کہ نہیں! اللہ کا دین اسلام غالب ہوا اور اسی کی برکت سے فتح نصیب ہوئی۔ یہ دونوں اپنی اپنی قوم کو مدد کے لیے پکاریں گے، جس کی وجہ سے خانہ جنگی شروع ہوجائے گی۔ بادشاہِ اسلام شہید ہوجائے گا، عیسائی شام پر قبضہ کرلیں گے اور آپس میں ان دونوں عیسائی فرقوں کی صلح ہوجائے گی (۱)۔

بقیۃ السیف مسلمان مدینہ منورہ چلے آئیں گے، عیسائیوں کی حکومت خیبر تک پھیل جائے گی۔

امام مہدی کی تلاش

اس وقت مسلمان اس تجسس میں ہوں گے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کو تلاش کرنا چاہیے، تاکہ ان مصائب کے دفعیہ کا ذریعہ ہوں اور دشمن کے پنجے سے نجات دلائیں۔ حضرت امام مہدی اس وقت مدینہ منورہ میں ہوں گے، مگر اس ڈر سے کہ لوگ کہیں مجھ جیسے کمزور شخص کو اس عظیم الشان کام کے انجام دہی کا مکلف نہ بنادیں، مکہ معظمہ چلے جائیں گے، اس زمانے کے اولیائے کرام وابدال عظام آپ کو تلاش کریں گے (۲)۔

امام مہدی پہچانے جائیں گے

اسی دوران کہ امام مہدی علیہ السلام رکن ومقام ابراہیم کے درمیان طواف کرتے ہوں گے، آدمیوں کی ایک جماعت آپ کو پہچان لے گی اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کرلے گی، بیعت کے وقت آسمان سے یہ ندا آئے گی، "هذا خليفة الله المهدي، فاستمعوا له وأطيعوا" اس آواز کو سارے عام وخاص سن لیں گے۔ اس

= ١٦٨/٤، حرف السين، رقم (٤٧٦٨)، والمستدرك: ٥٤٧/٤، كتاب الفتن والملاحم، رقم ([illegible])

(۱) حدیث باب کے الفاظ "ثم هدنة تكون بينكم وبين بني الأصفر، فيغدرون" میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے۔ نیز دیکھیے، سنن أبي داود، كتاب الملاحم، مايذكر من ملاحم الروم، رقم (٤٢٩٢)، والمستدرك للحاكم: ٤٦٧/٤، كتاب الفتن والملاحم، رقم (٨٢٩٨)، وصحيح ابن حبان، رقم (٦٧٠٨).

(۲) سنن أبي داود، كتاب المهدي، رقم (٤٢٨٦).

وقت امام مہدی کی عمر مبارک چالیس سال ہوگی (☆)۔

امام مہدی کی فوج

خلافت کے مشہور ہونے پر مدینے کی فوجیں مہدی علیہ السلام کے پاس مکہ معظمہ آجائیں گی، شام، عراق اور یمن کے اولیائے کرام وابدال عظام آپ کی مصاحبت میں اور ملک عرب کے بے انتہا آدمی آپ کی افواج میں داخل ہو جائیں گے، آپ علیہ السلام کعبے میں مدفون خزانے کو نکال کر، جسے رتاج الکعبہ کہا جاتا ہے، مسلمانوں میں تقسیم فرمائیں گے(۱)۔

اہل خراسان کا لشکر

جب یہ خبر اسلامی دنیا میں پھیلے گی تو خراسان سے حارث بن حراث نامی ایک شخص، جس کے مقدمہ الجیش کی کمان منصور نامی شخص کے ہاتھ میں ہوگی، ایک بہت بڑی فوج لے کر آپ کی مدد کے لیے روانہ ہوگا(۲)۔

عیسائی افواج کا اجتماع

افواج عرب کے اجتماع کا سن کر عیسائی بھی چاروں طرف سے فوج جمع کرنے کی کوشش کریں گے، اپنے اور روم کے ممالک سے کثیر افواج لے کر مہدی علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے شام میں جمع ہو جائیں گے، ان کی فوج کے اس وقت ستر جھنڈے (۳) ہوں گے اور ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار فوجی ہوں گے (۴)۔

(☆) حواله بالا، ومشكاة المصابيح، كتاب الفتن، باب أشراط الساعة، من الحسان، رقم (٥٤٥٦).

(۱) الحديث أخرجه أبوداود، كتاب المهدي، رقم (٤٢٨٦)، وموارد الظمان: ٤٦٤، رقم (١٨٨١)، والمصنف لعبد الرزاق، رقم (٢٠٩٣٤)، باب المهدي، والمعجم الكبير: ٣٩٠/٢٣، مجاهد عن أم سلمة، رقم (٩٣١)، ومسند أحمد: ٦٣٥/٨، رقم (٢٧٢٢٤)، مسند أم سلمة رضي الله عنها.

(۲) وفي آخر هذا الحديث: "وجب على كل مؤمن نصره" سنن أبي داود، كتاب المهدي، رقم (٤٢٩٠).

(۳) ستر کا لفظ بظاہر سبقت قلم ہے، درست ۸۰ ہے، جیسا کہ حدیث باب میں آیا ہے، اس کی شرح بھی ماقبل میں گذر چکی ہے۔

(۴) حدیث باب کے الفاظ "فيأتونكم تحت ثمانين غاية، تحت كل غاية اثنا عشر ألفا" میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے۔

امام مہدی کی عیسائیوں سے جنگ

حضرت امام مہدی مکہ سے کوچ فرما کر مدینہ منورہ آئیں گے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوکر شام کی جانب روانہ ہوجائیں گے، دمشق کے قرب وجوار میں عیسائی افواج سے آمنا سامنا ہوگا، اس وقت امام مہدی کی فوج کے تین گروہ ہوجائیں گے، ایک گروہ نصاریٰ کے خوف سے بھاگ جائے گا، خداوند کریم ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کریں گے، باقی ماندہ فوج میں سے کچھ تو شہید ہوکر بدر واحد کے شہداء کے مراتب کو پہنچیں گے اور کچھ کامیاب ہوکر ہمیشہ کے لیے گمراہی اور سوئے خاتمہ سے بچ جائیں گے۔

حضرت مہدی علیہ السلام پھر دوسرے روز نصاریٰ کے مقابلے کے لیے نکلیں گے، اس روز مسلمانوں کی ایک جماعت یہ عہد کرے گی کہ فتح یا شہادت کے بغیر میدان نہ چھوڑیں گے، یہ کل کے کل شہید ہوجائیں گے، امام مہدی بقیہ قلیل افراد کو لے کر لشکر گاہ واپس لوٹ آئیں گے۔

اگلے دن پھر یہی ہوگا کہ ایک جماعت یہ عہد کرلے گی کہ فتح یا شہادت کے بغیر میدان نہیں چھوڑیں گے اور یہ سب بھی شہید ہوجائیں گے، اس کے اگلے دن بھی یہی ہوگا اور جو تھوڑی سی جمعیت باقی رہ جائے گی وہ امام مہدی کی معیت میں لشکر گاہ واپس لوٹ آئے گی (۱)۔

امام مہدی کی فتح

چوتھے روز امام مہدی علیہ السلام رسدگاہ کی محافظ جماعت کو لے کر، جو تعداد میں بہت کم ہوگی، دشمن سے نبردآزما ہوں گے، اس دن اللہ تعالیٰ ان کو فتح مبین عطا فرمائے گا۔ عیسائی اس قدر مارے جائیں گے کہ باقیوں کے دماغ سے حکومت کی بُو جاتی رہے گی اور انتہائی ذلیل وخوار ہوکر بھاگیں گے۔

اس کے بعد امام مہدی بے انتہا انعام واکرام مجاہدین میں تقسیم فرمائیں گے، مگر اس مال سے کسی کو خوشی حاصل نہ ہوگی، وجہ یہ ہوگی کہ جنگ کی بدولت بہت سے خاندان وقبائل ایسے ہوں گے جن میں سو (۱۰۰) میں سے ایک آدمی بچا ہوگا۔ بعدازیں امام مہدی خلافت اسلامیہ کے نظم ونسق میں مصروف ہوجائیں گے اور چاروں

---

(۱) الصحيح لمسلم، كتاب الفتن، باب في فتح قسطنطينية......، رقم (۷۲۳۵)، وباب إقبال الروم في كثرة القتل ......، رقم (۷۲۳۸).

طرف اپنی فوج پھیلا دیں گے(☆)۔

قسطنطنیہ کی آزادی اور ظہور دجال

امام مہدی علیہ السلام ان مہمات سے فارغ ہو کر فتح قسطنطنیہ کے لیے روانہ ہوں گے، بحیرہ روم کے ساحل پر پہنچ کر قبیلہ بنو اسحاق کے ستر ہزار بہادروں کو کشتیوں پر سوار کر کے استنبول کی فتح کے لیے معین فرمائیں گے، جب یہ لوگ فصیل شہر کے نزدیک پہنچیں گے تو نعرہ تکبیر بلند کریں گے، جس کی برکت سے فصیل منہدم ہو جائے گی، مسلمان ہلا بول کر شہر میں داخل ہو جائیں گے۔

امام مہدی ملک کے انتظام وغیرہ ہی میں مصروف ہوں گے کہ افواہ اڑے گی کہ دجال نے مسلمانوں پر تباہی ڈالی ہے۔ اس خبر کے سنتے ہی حضرت امام مہدی شام کی طرف لوٹیں گے اور خبر کی تحقیق کے لیے پانچ یا نو سوار بطور طلیعہ روانہ فرمائیں گے، تحقیق پر افواہ کے غلط ہونے کا علم ہوگا، لیکن کچھ عرصے بعد ہی دجال ظاہر ہو جائے گا(۱)۔

دجال کی بدخَلقی اور بدخُلقی اور شاطرانہ حرکتیں

دجال قوم یہود سے ہوگا، اس کا لقب مسیح (۲) اور دائیں آنکھ پھولی ہوئی ہوگی(۳)، بال گھنگریالے(۴) ہوں گے، ایک بڑے گدھے پر سوار ہوگا، اولاً اس کا ظہور عراق وشام کے درمیان ہوگا، جہاں

(☆) مسلم، كتاب الفتن، باب إقبال الروم في كثرة القتل......، رقم (٧٢٣٨)، وأحمد في مسنده: ٣١/٢، مسند ابن مسعود، رقم (٣٦٤٣)، و: ١٤٥/٢ (٤١٤٦)، ، وأبوداود الطيالسي: ٢٠١/١، رقم (٣٨٤) وآخرون.

(١) مسلم، كتاب الفتن ......، باب لا تقوم الساعة حتى يمر الرجل بقبر ......، رقم (٧٢٩٣)، عن أبي هريرة.

(٢) بخاری، كتاب الفتن، باب ذكر الدجال، رقم (٧١٢٥-٧١٢٦)، عن أبي بكرة، ومسلم، كتاب الفتن......، باب ذكر الدجال ......، رقم (٧٣٢٢)، عن ابن عمر، رضي الله عنهم.

(٣) صحيح البخاري، كتاب الفتن، باب ذكر الدجال، رقم (٧١٢٣)، ومسلم، كتاب الفتن ......، باب ذكر الدجال ......، رقم (٧٣٢٢)، والترمذي، كتاب الفتن، باب في صفة الدجال، رقم (٢٢٤١).

(٤) في رواية مسلم: "إنه شاب قطط"، كتاب الفتن، باب ذكر الدجال ......، رقم (٧٣٣٣)، من رواية النواس بن سمعان الكلابي، رضي الله عنه.

یہ نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ وہاں سے اصفہان (۱) جائے گا، یہاں اس کے ساتھ ستر ہزار یہودی ہوں گے، یہاں آ کر وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا اور خوب فساد مچائے گا۔

لوگوں کی آزمائش کے لیے اللہ تعالیٰ اس سے بڑے خرق عادات امور ظاہر کرائے گا (۲)، چناں چہ اس کے ساتھ ایک آگ ہوگی جس کو وہ دوزخ سے تعبیر کرے گا اور ایک باغ جو جنت سے موسوم ہوگا، مخالفین کو آگ میں، موافقین کو جنت میں ڈالے گا، مگر وہ آگ حقیقتاً باغ کی مانند اور باغ آگ کی خاصیت رکھتا ہوگا (۳)۔ زمین کے مدفون خزانے اس کے حکم سے اس کے ہمراہ ہو جائیں گے (۴)۔ بعض آدمیوں سے کہے گا کہ میں تمہارے مردہ ماں باپ کو زندہ کرتا ہوں، تاکہ تم اس قدرتِ احیاء کو دیکھ کر میری خدائی کا یقین کرلو، سو وہ شیاطین کو حکم دے گا کہ زمین سے ان کے والدین کے ہم شکل ہو کر نکلو، چنانچہ وہ ایسا ہی کریں گے۔

دجال حرمین میں داخل نہ ہو سکے گا

اس طرح وہ بہت سے ممالک سے گذرے گا، شدہ شدہ مکہ معظّمہ کی طرف آئے گا، مگر مکہ معظّمہ پر فرشتوں کا پہرہ ہوگا، اس لیے وہاں داخل نہیں ہو سکے گا (۵)، وہاں سے مدینہ منورہ کا قصد کرے گا، اس وقت

---

(۱) مسلم، كتاب الفتن، ......، باب في بقية من أحاديث الدجال، رقم (۷۳۵۳)، عن أم شريك .

(۲) مسلم شريف، كتاب الفتن......، باب ذكر الدجال......، رقم (۷۳۳۳)، عن النواس بن سمعان الكلابي.

(۳) مسلم شريف، كتاب الفتن......، باب ذكر الدجال......، رقم (۷۳۳۱)، والبخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب ماذكر عن بني إسرائيل، رقم (۳۴۵۰)، عن حذيفة رضي الله عنه.

(٤) مسلم شريف، كتاب الفتن......، باب ذكر الدجال......، رقم (۷۳۳۳)، عن النواس بن سمعان الكلابي.

(٥) البخاري، كتاب الفتن، باب لايدخل الدجال المدينة، رقم (۷۱۳۲)، ومسلم، كتاب الفتن ......، باب في صفة الدجال، وتحريم المدينة عليه ......، رقم (۷۳۳۵)، عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه.

وفي قصة تميم الداري رضي الله عنه: "وإني مخبركم عني، إني أنا المسيح، وإني أوشك أو يؤذن لي في الخروج، فأخرج فأسير في الأرض، فلا أدع قرية إلا هبطتها في أربعين ليلة، غير مكة وطيبة، فهما محرمتان علي، كلتاهما، كلما أردت أن أدخل واحدة، أو واحدا منهما، استقبلني ملك بيده السلف صلتا؛ يصدني عنها، وإن على كل نقب منها ملائكة يحرسونها، ......، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "هذه طيبة، هذه طيبة، هذه طيبة". يعني المدينة ......". صحيح مسلم، الفتن، باب قصة الجساسة، رقم (۲۹٤۲/۷۳۸٦).

مدینے کے سات دروازے ہوں گے، ہر دروازے کی حفاظت پر دو، دو فرشتے مقرر ہوں گے، جن کے ڈر سے دجال بمع فوج وہاں داخل نہیں ہو سکے گا(۱)۔

نیز مدینہ منورہ میں تین مرتبہ زلزلہ آئے گا، جس کی وجہ سے منافقین وغیرہ ڈر کر باہر نکل آئیں گے اور دجال کے پھندے میں گرفتار ہو جائیں گے(۲)۔

نزول عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی سے ان کی ملاقات

امام مہدی علیہ السلام دجال سے پہلے دمشق پہنچ چکے ہوں گے اور جنگ کی مکمل تیاری فرما چکے ہوں گے، اس دوران موذن عصر کی اذان دے گا، لوگ نماز کی تیاری ہی میں ہوں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو فرشتوں کے کاندھوں پر تکیہ کیے آسمان سے دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی منارے پر جلوہ افروز ہوں گے اور آواز دیں گے کہ سیڑھی لے آؤ، چنانچہ سیڑھی حاضر کر دی جائے گی۔

نیچے اترنے کے بعد ان دونوں حضرات کی ملاقات ہوگی، امام مہدی نہایت تواضع وخوش اخلاقی کے ساتھ پیش آئیں گے اور کہیں گے یا نبی اللہ! امامت کیجیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ امامت آپ ہی کریں۔ چناں چہ امام مہدی نماز پڑھائیں گے، حضرت عیسیٰ اقتدا کریں گے(۳)۔

اسلامی لشکر اور دجالی فوج کا ٹکراؤ

نماز سے فراغت کے بعد امام مہدی حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو لشکر کی قیادت سپرد کرنا چاہیں گے تو وہ فرمائیں گے کہ نہیں! قیادت تو آپ ہی کریں، میں تو صرف قتل دجال کے لیے آیا ہوں۔

رات خیر وعافیت کے ساتھ گزارنے کے بعد امام مہدی ایک بہت بڑا لشکر لے کر میدان میں آئیں

---

(۱) صحيح بخاري، كتاب الفتن، باب ذكر الدجال، رقم (٧١٢٥-٧١٢٦).

(۲) حوالہ بالا، رقم (٧١٢٤)، ومسلم، كتاب الفتن......، باب قصة الجساسة، رقم (٧٣٨٦)، والترمذي، كتاب الفتن، باب ...... الدجال لايدخل المدينة، رقم (٢٢٤٢)، عن أنس بن مالك رضي الله عنه.

(۳) مسلم، كتاب الفتن......، باب ذكر الدجال ......، رقم (٧٣٣٣)، عن النواس بن سيمعان، والمصنف لابن أبي شيبة: ٢٩٣/٢١، كتاب الفتن، رقم (٣٨٨٠٤)، عن ابن سيرين، والمعجم الكبير للطبراني: ٦٠/٩، رقم (٨٣٩٢)، عن عثمان بن أبي العاص رضي الله عنه، ومجمع الزوائد: ٣٤٢/٧.

گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام گھوڑا اور نیزہ طلب کریں گے کہ روئے زمین کو دجال کے شر سے پاک کریں، چناں چہ عیسیٰ علیہ السلام دجال پر اور اسلامی لشکر اس کے لشکر پر حملہ کرے گا، نہایت خوف ناک لڑائی شروع ہو جائے گی۔ اس وقت حضرت عیسیٰ کے سانس کی یہ خاصیت ہوگی کہ جہاں تک ان کی نظر کی رسائی ہوگی، وہیں تک ان کا سانس بھی اثر کرے گا اور جس کافر تک ان کا سانس پہنچے گا وہ وہیں ختم ہو جائے گا(۱)۔

دجال کا فرار

عیسیٰ علیہ السلام کا سامنا کرنے سے دجال کترائے گا اور فرار ہو کر مقام لد پہنچے گا، آپ علیہ السلام اس کا تعاقب کرتے ہوئے اسے جالیں گے اور نیزے سے اس کا کام تمام کر کے لوگوں پر اس کی ہلاکت ظاہر فرمائیں گے کہ دجال مر گیا۔

دجال کے قتل بعد اس کے لشکر کی ہمت ٹوٹ جائے گی اور وہ سب تہہ تیغ ہوں گے، یہودی، جو اس لشکر کا اکثری حصہ ہوں گے، ان کو کوئی چیز پناہ نہ دے گی، ہر شجر و حجر ان کی نشان دہی کرے گا کہ اللہ کے بندے! دیکھ اس یہودی کو اور اسے قتل کر، مگر غرقد نامی درخت انہیں پناہ دے کر اخفائے حال کرے گا(۲)۔

متاثرہ شہروں کی تعمیر جدید اور انصاف کا قیام

دجال کے فتنے کے خاتمے پر حضرت مہدی و عیسیٰ علیہما السلام ان شہروں کا دورہ فرمائیں گے، جن کو دجال نے تباہ و برباد کیا ہوگا، متاثرہ لوگوں کو تسلی دیں گے، اجر عظیم کی خوش خبری دیں گے اور ان کے دنیاوی نقصانات کی تلافی کریں گے(۳)۔

دوسری طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل خنزیر، کسر صلیب اور کفار سے جزیہ قبول نہ کرنے کے احکام جاری فرما کر تمام کفار کو اسلام کی طرف بلائیں گے(۴)۔

---

(١) مسلم شريف، كتاب الفتن، ......، باب ذكر الدجال ......، رقم (٧٣٣٣)، عن النواس بن سمعان.

(٢) حواله بالا، وباب لاتقوم الساعة حتى يمر الرجل ......، رقم (٧٢٩٩)، عن أبي هريرة......، وسنن أبي داود، كتاب الملاحم، باب خروج الدجال، رقم (٤٣٢١)، والبخاري، كتاب الجهاد، باب قتال اليهود، رقم (٢٩٢٦).

(٣) التصريح بما تواتر في نزول المسيح: ١١٨، الحديث الخامس، عن النواس.

(٤) أبوداود، كتاب الملاحم، باب خروج الدجال، رقم (٤٣٢٤)، والمصنف لابن أبي شيبة: ٢١/٢٣٥، كتاب الفتن، رقم (٣٨٦٨١).

خدا کے فضل وکرم سے کوئی کافر بلادِ اسلام میں نہ رہے گا، ظلم وناانصافی کا خاتمہ اور عدل وانصاف کا بول بالا ہوگا، تمام لوگ عبادت وطاعت الٰہی میں سرگرم ہوں گے۔ امام مہدی کی خلافت کی میعاد سات (۱)، آٹھ (۲) یا نو (۳) سال ہوگی، چنانچہ ابتدائی سات سال عیسائیوں کے فتنے اور ملک کے انتظام میں، آٹھواں سال دجال کے ساتھ جنگ میں اور نواں سال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معیت میں گذرے گا۔ اس حساب سے ان کی عمر ۴۹ سال ہوگی۔ بعدازاں حضرت مہدی علیہ السلام انتقال کر جائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی

امام مہدی علیہ السلام کی تجہیز وتکفین کے بعد جملہ امور کے انتظامات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں آجائیں گے، تمام مخلوق انتہائی امن وامان کے ساتھ زندگی بسر کرتی ہوگی، آپ علیہ السلام پر وحی نازل ہوگی کہ میں اپنے بندوں میں سے ایسے طاقت ور بندوں کو ظاہر کرنے والا ہوں کہ کسی شخص کو ان کے مقابلے کی تاب نہ ہوگی، اس لیے آپ مخلصین کو لے کر ''کوہِ طور'' منتقل ہوجایئے (۴)۔

یاجوج ماجوج کا خروج

مذکورہ وحی خداوندی کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوہِ طور کے قلعے میں، جو آج کل موجود ہے، نزول فرما کر اسبابِ حرب وسامانِ رسد مہیا کرنے میں سرگرم ہوں گے کہ اسی دوران قومِ یاجوج ماجوج سد سکندری کو توڑ کر روئے زمین میں چاروں طرف پھیل جائے گی، مضبوط قلعے میں پناہ گزینی کے علاوہ ان سے بچنے کی کوئی صورت نہ ہوگی (۵)، یہ لوگوں کے قتل وغارت میں بالکل دریغ نہ کریں گے۔

---

(۱) عن أبي سعيد الخدري ...... "يملك سبع سنين" أبوداود، كتاب المهدي (٤٢٨٥)، وأيضاً، رقم (٤٢٨٦).

(۲) المصنف لابن أبي شيبة: ٢١/٢٨٧، كتاب الفتن، ما ذكر في فتنة الدجال، رقم (٣٨٧٩٣).

(۳) أبوداود، رقم (٤٢٨٦-٤٢٨٧).

(٤) مسلم شريف، كتاب الفتن ......، باب ذكر الدجال ......، رقم (٧٣٣٣)، عن النواس بن سمعان رضي الله عنه، والترمذي، كتاب الفتن، باب ماجاء في فتنة الدجال (٢٢٤٠).

(٥) تفسير البيضاوي مع الشهاب: ٦/٢٣٦، سورة الكهف/٩٩.

یاجوج ماجوج کی تباہ کاریاں

ان کی تعداد اس قدر زیادہ ہوگی کہ جب ان کی پہلی جماعت بحیرہ طبریہ(۱) میں پہنچے گی تو اس کا سارا پانی پی کر خشک کر دے گی، جب پچھلی جماعت وہاں پہنچے گی تو کہے گی کہ شاید اس جگہ کبھی پانی رہا ہوگا! یہ سب ظلم وقتل، پردہ دری وایذا رسانی اور قید کرنے میں مشغول ہو جائیں گے، اسی کیفیت پر جب وہ شام پہنچیں گے تو کہیں گے کہ اب ہم نے زمین والوں کو تو نیست ونابود کر دیا، چلو آسمان والوں کا بھی خاتمہ کر دیں، چناں چہ وہ آسمان پر تیر پھینکیں گے، جو قدرت خداوندی سے خون آلود ہو کر لوٹ آئیں گے، یہ دیکھ کر وہ بہت خوش ہوں گے کہ اب تو ہمارے سوا کوئی نہیں رہا(۲)۔

دعائے عیسیٰ اور یاجوج ماجوج کی ہلاکت

یاجوج ماجوج کے اس فتنے کے دوران مسلمانوں پر غلے وخوراک کی سخت تنگی ہو جائے گی، آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دعا کے لیے کھڑے ہوں گے، آپ کے ساتھی پیچھے کھڑے آمین کہیں گے، چناں چہ خداوند کریم ایک قسم کی بیماری "نغف"(۳) کو نازل کرے گا، اس مرض سے یاجوج ماجوج کی قوم ایک ہی رات میں ختم ہو جائے گی(۴)۔

چوں کہ اس قدر کثیر اموات کے نتیجے میں سخت تعفن پھیلے گا، اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پھر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ دست بدعا ہوں گے، چناں چہ اللہ تعالیٰ لمبی لمبی گردنوں اور جسم والے "عنقا" نامی جانوروں کو بھیجے گا تو وہ جانور بعضوں کو تو کھالیں گے اور دوسروں کو مختلف جزائر اور سمندر میں پھینک دیں گے اور ان کے خون وغیرہ سے روئے زمین کو پاک صاف کرنے کے لیے چالیس روز تک بارش برسائے گا، وہ اس قدر زیادہ ہوگی کہ کوئی پختہ وکچا مکان بغیر ٹپکے نہ رہے گا۔

---

(۱) "الطبرية -بفتح الطاء والباء- بحيرة من أعمال الأردن في طرف الغور وفي طرف جبل، وجبل الطور مطل عليها......". معجم البلدان للحموي بتصرف: ٤/١٧، باب الطاء والباء......

(۲) مسلم، رقم (٧٣٣٣-٧٣٣٤)، حديث النواس بن سمعان، وترمذي، كتاب الفتن، رقم (٢٢٤٠).

(۳) نغف نون اور غین کے فتحہ کے ساتھ اس کیڑے کو کہتے ہیں، جو اونٹ اور بکری کی ناک میں ہوتا ہے، نیز دیکھیے، كتاب السير للتوربشتي: ٤/١١٦٧، رقم (٤١٠٤).

(٤) مسلم، رقم (٧٣٣٣)، ترمذی، رقم (٢٢٤٠).

امن وبرکت کے سات سال اور وفات عیسیٰ

اس بارش کی وجہ سے پیداوار نہایت ہی بابرکت اور کثرت سے ہوگی، کہ ایک سیر غلہ اور ایک گائے یا بکری کا دودھ ایک کنبے کے لیے کافی ہوگا(۱)، تمام لوگ انتہائی عیش وآرام میں ہوں گے، روئے زمین پر اہل ایمان کے اور کوئی نہ رہے گا، کینہ وحسد وغیرہ لوگوں سے اٹھ جائے گا، سانپ اور درندے لوگوں کو ایذا نہیں پہنچائیں گے۔

قوم یاجوج ماجوج کی تلواروں کی نیام وکمان وغیرہ ایک عرصے تک بطور ایندھن کام آئیں گی (۲)، یہ حالات سات سال تک جاری رہیں گے۔

اس کے بعد رفتہ رفتہ خواہشات نفسانیہ کا ظہور ہونے لگے گا۔ یہ سب واقعات عہد عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق ہیں، ان کا زمین پر قیام چالیس سال رہے گا، آپ حج کریں گے، نکاح کریں گے، اولاد بھی ہوگی، پھر آپ علیہ السلام انتقال فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مطہرہ میں مدفون ہوگے (۳)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد قبیلہ قحطان (۴) میں سے جہجاہ نامی شخص آپ کے خلیفہ ہوں

---

(۱) جامع ترمذي، رقم (۲۲٤۰)، ومسلم، رقم (۷۳۳۳).

(۲) "ويستوقد المسلمون من قسيهم ونشابهم وجعابهم". انظر الجامع للترمذي، كتاب الفتن، باب ماجاء في فتنة الدجال، رقم (۲۲٤۰)، من رواية النواس رضي الله عنه.

(۳) حوالہ جات بالا، وأبوداود، كتاب الفتن، رقم (٤۳۲۳)، وابن أبي شيبة: ۲۱/۲۰۰، كتاب الفتن، رقم (۳۸٦۲۹)، ومسند أحمد: ۲/۲۹۰، رقم (۷۸۹۰)، مسند أبي هريرة، و: ۲/٤۳۷، رقم (۹٦۳۰)، والتصريح بما تواتر في نزول المسيح: ۲٤۰، أحاديث أخرى مما أخرجه المحدثون ...... رقم (۵۸)، و: ۳۹۳، رقم (۱۰۱)، وإحياء علوم الدين: ٤۷۳، كتاب آداب النكاح، ربع العادات، الباب الأول ......، والفردوس بمأثور الخطاب: ٤/۳٦۵، فصل، والعلل المتناهية: ۲/٤۳۳، رقم (۱۵۲۹)، ذكر عيسى، وعمدة القاري: ۱٦/٤۰، ومشكاة المصابيح، باب نزول عيسىٰ ......، كتاب الفتن، رقم (۵۵۰۸).

(٤) جامع ترمذي، كتاب الفتن، باب بلا ترجمة، رقم (۲۲۲۸)، ومسلم، كتاب الفتن، باب لا تقوم الساعة حتى يمر الرجل بقبر ......، رقم (۷۲٦۸-۷۲٦۹)، وبخاري، كتاب المناقب، باب ذكر قحطان، رقم (۳۵۱۷)، وكتاب الفتن، باب تغيير الزمان حتى ......، رقم (۷۱۱۷).

گے، جو عدل وانصاف کے ساتھ امور خلافت انجام دیں گے، ان کے بعد چند اَور بادشاہ ہوں گے، جن کے عہد میں کفریہ وجاہلانہ رسوم عام ہوجائیں گی اور علم بہت کم ہوجائے گا(۱)۔

رات کا لمبا ہونا اور توبہ کا دروازہ بند ہونا

کچھ عرصے بعد ماہِ ذی الحجہ میں، یوم النحر کے بعد رات اس قدر لمبی ہوجائے گی کہ مسافر تنگ دل، بچے خواب سے بیدار اور مویشی چراگاہ کے لیے بے قرار ہوجائیں گے، آخر کار لوگ خوف وپریشانی کی وجہ سے رورو کر توبہ توبہ پکاریں گے، تین چار رات کی مقدار کے برابر دراز ہونے کے بعد حالت اضطرابی میں آفتاب مانند چاند گرہن معمولی روشنی کے ساتھ مغرب سے طلوع ہوگا، اس وقت تمام لوگ خداوند قدوس کی وحدانیت کا اعتراف کریں گے، لیکن بے سود......! کیوں کہ اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا، اس کے بعد سورج اپنی معمول کی روشنی کے ساتھ مشرق سے طلوع ہوتا رہے گا(۲)۔

دابۃ الأرض کا ظہور

لوگ اسی حال میں ہوں گے کہ کوہِ صفا زلزلے سے پھٹ جائے گا، جس سے ایک نادر شکل کا جانور برآمد ہوگا(۳)، چناں چہ بلحاظ شکل یہ حسبِ ذیل سات جانوروں سے مشابہت رکھتا ہوگا، چہرے میں آدمی سے، پاؤں میں اونٹ سے، گردن میں گھوڑے سے، دم میں بیل سے، سرین میں ہرن سے، سینگوں میں بارہ سینگے سے اور ہاتھوں میں بندر سے(۴)، نیز انتہائی فصیح اللسان ہوگا(۵)۔

---

(١) صحيح بخاري، كتاب الفتن، باب ظهور الفتن، رقم (٧٠٦١-٧٠٦٦)، عن غير واحد من الصحابة.

(٢) بخاري، كتاب الفتن، باب (بلاترجمة)، رقم (٧١٢١)، ومسلم، كتاب الإيمان، باب بيان الزمن الذي لايقبل ......، رقم (٣٩٦)، وفيه بحث نفيس في روح المعاني: ٨/٤٢٤-٤٢٧، سورة الأنعام، الآية: ١٥٨.

(٣) قال الله جل ذكره: ﴿وإذا وقع القول عليهم أخرجنا لهم دابة من الأرض تكلمهم......﴾ [النمل: ٨٢]، وتفسير الكشف والبيان: ٤/٥١٠-٥١٢.

(٤) قد اختلفت الروايات في صفات هذه الدابة، انظر المصدر السابق، ومفاتيح الغيب للرازي: ٢٤/٥٧٣، سورة النمل، وتفسير السمعاني: ٤/١١٣و١١٥.

(٥) روح المعاني: ٢٠/٣١٢، سورة النمل، تفسير الآية/٨٢، وأخبار مكة للفاكهي: ٤/٣٩، ذكر الدابة وخروجها ......، رقم (٢٣٤٦-٢٣٤٧).

اس جانور کے ایک ہاتھ میں عصائے موسیٰ علیہ السلام، دوسرے میں سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی، اس کی رفتار انتہائی تیز ہوگی کہ کوئی اس کا تعاقب کرے گا نہ اس سے بچ پائے گا، یہ ہر شخص پر ایک نشان لگاتا جائے گا، اگر صاحب ایمان ہے تو عصائے موسوی سے اس کے چہرے پر ایک خط کھینچ دے گا، جس کی وجہ سے اس کا چہرہ روشن ومنور ہوجائے گا، اگر کافر یا منافق ہوگا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی سے اس کی ناک یا گردن پر سیاہ مہر لگائے گا، جس کی وجہ سے اس کا چہرہ بے رونق ہوجائے گا، کہ اگر ایک دسترخوان پر چند لوگ بیٹھے ہوں تو ہر ایک کے کفر وایمان میں بخوبی امتیاز ہوسکے گا، یہ جانور اس کام سے فارغ ہوکر غائب ہوجائے گا۔

آفتاب کے مغرب سے طلوع اور دابۃ الارض کے ظہور سے نفخ صور تک ایک سو بیس سال کا عرصہ ہوگا(۱)۔

اہل ایمان کی موت کی ہوا

دابۃ الارض کے غائب ہونے کے بعد جنوب کی طرف سے ایک نہایت فرحت بخش ہوا چلے گی، جس کی وجہ سے ہر مومن کی بغل میں ایک درد پیدا ہوگا، جس کے باعث افضل، فاضل، ناقص بالترتیب مرنے شروع ہوجائیں گے، شرط یہ ہوگی کہ بس فاسق نہ ہو(۲)۔

نیز قرب قیامت کے وقت یہ علامت بھی ظہور پذیر ہوگی کہ حیوانات، جمادات اور چابک وغیرہ کثرت سے گویا ہوں گے، جو گھروں کے اندر کی باتوں ودیگر امور کی خبر دیں گے(۳)۔

---

(١) تفسير الكشف والبيان: ٤/٥١٠-٥١٢، وروح المعاني: ٣١١/٢٠-٣١٥، تفسير السمرقندي: ٥٠٥/٢، وفتح القدير: ١٨٩/٤، وفتح الباري، كتاب الرقاق: ٣٥٤/١١، باب بلا ترجمة، رقم (٦٥٠٦)، وأخبار مكة للفاكهي: ٣٩/٤، باب الدابة وخروجها، ومن أين تخرج من مكة.

(٢) مسلم، كتاب الفتن، باب ذكر الدجال ......، رقم (٧٣٣٣)، ورقم (٧٣٤١)، والترمذي، رقم (٢٢٤٠).

(٣) عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "والذي نفسي بيده لا تقوم الساعة حتى تكلم السباع الإنس، وحتى تكلم الرجلَ عذبةُ صوته، وشراكُ نعله، وتخبره فخذُه بما أحدث أهلُه من بعده". رواه الترمذي، وقال: "هذا حديث حسن غريب"......، كتاب الفتن، باب ماجاء في كلام السباع، رقم (٢١٨١).

حبشیوں کا غلبہ اور لوگوں کا شام میں اجتماع

جب تمام اہل ایمان اس جہاں سے کوچ کر جائیں گے تو حبشی غالب ہوں گے، پوری دنیا میں ان کی سلطنت پھیل جائے گی، یہ کعبہ کو ڈھا دیں گے(۱)، چناں چہ حج موقوف ہوجائے گا(۲)، قرآن کریم دلوں، زبانوں اور کاغذوں سے اٹھالیا جائے گا، خداشناسی اور خوف آخرت دلوں سے معدوم ہوجائے گا، شرم وحیا جاتی رہے گی کہ برسرعام گدھوں اور کتوں کی طرح صحبت کریں گے(۳)، حکام کا ظلم وجہل بڑھ جائے گا، جہالت اس قدر بڑھے گی کہ کوئی لفظ ''اللہ'' تک کہنے والا نہ ہوگا(۴)۔

اسی دوران کہ پوری دنیا کی یہ کیفیت ہوگی تو ملک شام میں نسبتاً امن وارزانی زیادہ ہوگی، پس سارے لوگ اپنے بال بچوں کو لے کر ملک شام کا رخ کریں گے(۵)۔

آگ جو لوگوں کو شام میں جمع کردے گی

قیامت کا وقوع جب بالکل قریب ہوجائے گا تو ایک بہت بڑی آگ جنوب کی طرف سے رونما ہوکر لوگوں کی طرف بڑھے گی، جس سے بچنے کے لیے لوگ سرپٹ بھاگیں گے اور آگ مسلسل ان کے تعاقب میں ہوگی، آخر یہ آگ ان سب کو شام (محشر) پہنچادے گی، اس کے بعد وہ آگ غائب ہوجائے گی، اس وقت مجموعی طور آبادی کی اکثریت شام میں ہوگی(۶)۔

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الحج، رقم (١٥٩١) و(١٥٩٦)، ومسلم، كتاب الفتن، رقم (٧٢٦٥-٧٢٦٧)، والنسائي، كتاب الحج، باب بناء الكعبة، رقم (٢٩٠٤)، عن أبي هريرة رضي الله عنه.

(۲) صحيح البخاري، رقم ١٥١٦، مسند أحمد: ٣١٢/٢، رقم (٨٠٩٩)، ومستدرك الحاكم: ٤٩٩/٤، رقم (٨٣٩٥)، ومسند الطيالسي: ٦٩٦/٢، رقم (٢٤٩٤)، مسند أبي هريرة، وابن حبان، كتاب التاريخ، باب بدء الخلق، ذكر الموضع الذي يبايع فيه المهدي، رقم (٦٨٢٧).

(۳) مسلم، كتاب الفتن، رقم (٧٣٣٣)، والترمذي، كتاب الفتن، رقم (٢٢٤٠)، عن النواس بن سمعان.

(٤) مسلم، كتاب الإيمان، باب ذَهاب الإيمان آخر الزمان، رقم (٢٣٤/١٤٨)، والترمذي، كتاب الفتن، باب منه، رقم (٢٢٠٧).

(٥) المستدرك للحاكم: ٥٤٩/٤، كتاب الفتن والملاحم، رقم (٨٥٣٨)، عن عبدالله بن مسعود.

(٦) أبوداود، كتاب الملاحم، باب أمارات الساعة، رقم (٤٣١١)، ومسلم، كتاب الفتن، رقم (٧٢٤٢-٧٢٤٣)، =

اس کے بعد قیام قیامت کی ابتدائی علامت یہ ہوگی کہ لوگ تین چار سال غفلت میں پڑے رہیں گے اور دنیاوی نعمتیں، اموال اور شہوت رانیاں بکثرت ہوجائیں گی۔

صور کی آواز، اموات اور نظام کائنات کی فنائیت

جمعے کے دن، جو یوم عاشورا بھی ہوگا(۱)، صبح ہوتے ہی لوگ اپنے امور میں مشغول ہوں گے کہ اچانک ایک باریک لمبی آواز سنائی دے گی، یہی نفخ صور ہوگا، تمام اطراف یہ آواز یکساں طور پر سنی جائے گی اور لوگ حیران ہوں گے یہ آواز کیسی اور کہاں سے آرہی ہے؟ رفتہ رفتہ یہ آواز بجلی کے کڑک کی مانند سخت اور بلند ہوتی جائے گی، لوگوں میں اس کی وجہ سے بڑی بے چینی و بے قراری پھیلے گی، جب وہ پوری سختی پر آجائے گی تو لوگ خوف وہیبت سے مرنا شروع ہوجائیں گے، زمین میں زلزلہ آئے گا(۲)، جس کے ڈر سے لوگ گھروں کو چھوڑ کر میدانوں کا رخ کریں گے، وحشی جانور خائف ہوکر انسانوں سے مل جائیں گے(۳)، زمین جگہ جگہ سے پھٹ جائے گی(۴)، سمندر ابل پڑیں گے(۵)، بڑے بڑے پہاڑ روئی کے گالوں کی مانند اڑیں گے(۶)، گرد وغبار کی وجہ سے پوری کائنات پر ظلمت چھا جائے گی، وہ آواز دم بدم سخت ہوتی جائے گی، یہاں تک کہ اس کے نہایت ہولناک ہونے پر آسمان پھٹ جائیں گے اور ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوجائیں گے(۷)۔ اس کے کچھ عرصے بعد از سر نو پیدائش وتخلیق کا عمل شروع ہوگا، پھر دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا اور سب لوگ قبروں سے نکل

= والترمذي، كتاب الفتن، رقم (۲۱۸۳)، وصحيح البخاري مع فتح الباري: ۱۱/۳۷۸، رقم (۶۵۲۲)، كتاب الرقاق، باب الحشر.

(۱) مسلم، كتاب الفتن، رقم (۷۳٤۱)، حديث عروة بن مسعود.

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إذا زلزلت الأرض زلزالها﴾ [الزلزال/۱].

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿وإذا الوحوش حشرت﴾ [التكوير/۵].

(٤) قال الله تعالىٰ: ﴿يوم تشقق الأرض عنهم سراعا﴾ [ق/٤٤].

(۵) قال الله تعالىٰ: ﴿وإذا البحار فجرت﴾ [الانفطار/۳].

(۶) قال الله تعالىٰ: ﴿وإذا الجبال نسفت﴾ [المرسلات/۱۰]، وقال أيضا: ﴿وتكون الجبال كالعهن المنفوش﴾ [القارعة/۵].

(۷) قال جل ذكره: ﴿إذا السماء انفطرت، وإذا الكواكب انتثرت﴾ [الانفطار/۱-۲].

نکل کر میدانِ حشر میں جمع ہوں گے اور حساب وکتاب کا عمل شروع ہوگا(۱)۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس دن کی ہولناکیوں اور سختیوں سے محفوظ رکھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا مستحق بنائے۔ آمین۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے، "فیغدرون" کہ وہ رومی غدر اور بدعہدی کریں گے، اس لیے بے پرواو غافل نہ رہنا چاہیے، بلکہ ہوشیاری کے ساتھ تیاری بھی کرتے رہنا چاہیے(۲)۔

واللہ اعلم بالصواب

١٦ - باب : كَيْفَ يُنْبَذُ إِلَى أَهْلِ الْعَهْدِ .

یعنی مصالحت ومعاہدہ ختم ہونے کی اطلاع دشمن کو کس طرح دی جائے؟

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ فرمارہے ہیں کہ اگر اہل عہد سے مصالحت ہوئی تھی اور بعد میں مصالحت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ وہ عہد قائم اور برقرار نہ رکھا جائے تو کیا کرنا چاہیے؟

اس سوال کا جواب باب کے تحت ذکر کردہ آیت کریمہ اور حدیث مبارک میں موجود ہے کہ ان کو اعلان کے ذریعے یا کسی اور ذریعے سے مطلع کردیا جائے کہ اب ہم اس عہد وپیمان کو برقرار رکھنا نہیں چاہتے، لہٰذا فلاں تاریخ سے، یا آج سے معاہدہ ختم تصور کیا جائے(۳)۔

---

(١) مسلم شريف، كتاب الفتن ......، باب في خروج الدجال ......، رقم (٧٣٤١)، عن عروة بن مسعود الثقفي، وباب ما بين النفختين، رقم (٧٣٧٤)، والبخاري في التفسير، سورة الزمر، رقم (٤٩٣٥).

یہ تمام تفصیلات حضرت شاہ رفیع الدین شاہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالے "علامات قیامت" سے حذف وتغییر کے ساتھ لی گئی ہیں۔ دیکھیے، مذکورہ رسالہ مطبوعہ مع "قیامت سے پہلے کیا ہوگا؟" (ص:۲۳-۴۴)۔

(٢) عمدة القاري: ١٥/٩٩.

(٣) فتح الباري: ٦/٢٧٩، وعمدة القاري: ١٥/١٠٠، وقال ابن بطال رحمه الله: "أجمع العلماء أن للإمام أن يبدأ من يخاف خيانته وغدره بالحرب بعد أن يُعلمه بذلك". انظر شرحه: ٥/٣٦٠.

وَقَوْلِهِ : «وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ» . الآيَةَ /الأنفال: ٥٨/ .

اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کسی قوم کی طرف سے یہ اندیشہ لاحق ہو کہ وہ خیانت وبدعہدی کرے گی تو ان کا عہد اُن کو واپس کر دیجیے، تاکہ آپ اور وہ برابر ہو جائیں۔

''نبذ'' کے معنی

اوپر ترجمۃ الباب میں، نیز آیت کریمہ اور آنے والی حدیث میں ''نبذ'' کے مختلف مشتقات کا ذکر ہے، یہ باب ضرب سے ہے، اس کے اصل معنی پھینکنے کے ہیں، لیکن یہاں پر اس سے نقض عہد مراد ہے(۱)۔

﴿سواء﴾ کے معنی اور آیت کی تفسیر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تو سـواء کے معنی مثل کے بیان کیے ہیں، جب کہ امام کسائی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر عدل سے کرتے ہیں(۲)۔

علامہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کسی قوم کے ساتھ مصالحت کریں، معلوم یہ ہو کہ وہ بدعہدی کرنا چاہتے ہیں تب بھی آپ معاہدہ توڑنے کی جلدی مت کیجیے، بلکہ ان کو خبر بھیج دیجیے کہ آپ عہد توڑ رہے ہیں، اس طرح آپ اور دشمن اس علم میں برابر ہو جائیں گے کہ معاہدہ ٹوٹ چکا ہے، پھر ان پر حملہ کر دیجیے(۳)۔

٣٠٠٦ : حدّثنا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ : أَخْبَرَنَا حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ : أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ(٤) قَالَ : بَعَثَنِي أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيمَنْ يُؤَذِّنُ يَوْمَ النَّحْرِ بِمِنًى : لَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ ، وَلَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ ، وَيَوْمُ الحَجِّ الْأَكْبَرِ يَوْمُ النَّحْرِ . وَإِنَّمَا قِيلَ الْأَكْبَرُ مِنْ أَجْلِ قَوْلِ النَّاسِ : الحَجُّ الْأَصْغَرُ ، فَنَبَذَ أَبُو بَكْرٍ إِلَى النَّاسِ فِي ذٰلِكَ الْعَامِ ، فَلَمْ يَحُجَّ عامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ الَّذِي حَجَّ فِيهِ النَّبِيُّ ﷺ مُشْرِكٌ . [ر : ٣٦٢]

---

(١) عمدة القاري: ١٥/١٠٠.

(٢) فتح الباري: ٦/٢٧٩، وعمدة القاري: ١٥/١٠١.

(٣) حوالہ جات بالا۔

(٤) قوله: "أن أبا هريرة رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في الحج، باب لا يطوف بالبيت عريان......

تراجم رجال

١- ابوالیمان

یہ مشہور محدث ابوالیمان حکم بن نافع رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٢- شعیب

یہ شعیب بن ابی حمزہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کا تذکرہ بدء الوحي کی "الحدیث السادس" کے تحت گذر چکا ہے(١)۔

٣- زهری

مشہور محدث ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات "بدء الوحي" میں آچکے(٢)۔

٤- حمید بن عبدالرحمن

یہ مشہور تابعی محدث، حضرت حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب تطوع قیام رمضان من الإیمان" کے تحت گذر چکا(٣)۔

٥- ابوهریره رضي الله عنه

مشہور صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کتاب الإیمان کے اوائل میں آچکا ہے(٤)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں اعلان کرانے کے لیے دوسرے لوگوں کے ساتھ مجھے بھی بھیجا، اعلان یہ تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کو نہیں آئے گا، نہ کعبۃ اللہ کا کوئی برہنہ ہو کر طواف کرے گا۔اور یوم حج اکبر یوم النحر ہے اور اس کو "حج اکبر" کا دن کہنے

---

(١) کشف الباري: ٤٧٩/١-٤٨٠.

(٢) کشف الباري: ٣٢٦/١، الحدیث الثالث.

(٣) کشف الباري: ٣١٦/٢.

(٤) کشف الباري: ٦٥٩/١.

کی وجہ یہ ہوئی کہ لوگ اسے ''حج اصغر'' کہتے تھے۔ چناں چہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سال لوگوں (دشمن) کو معاہدہ توڑے جانے کی اطلاع دی، اسی بنا پر حجۃ الوداع والے سال، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا، کوئی مشرک حج کو نہیں آیا۔

مشرکین کو ممانعت کی وجہ

مذکورہ بالا حدیث میں آیا ہے کہ مشرکین کو حج بیت اللہ سے منع کر دیا گیا تھا، اس کی وجہ علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندیشہ لاحق ہوا تھا کہ مشرکین خدانخواستہ کوئی شرارت نہ کریں، مکر وفریب کا کوئی داؤ نہ کھیلیں، اس لیے ان کو ممانعت کردی گئی کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج بیت اللہ کے لیے نہ آئے، نیز اس سے یہ فائدہ بھی ہوا کہ بحکم خداوندی کعبۃ اللہ کو مشرکین کی نجاست سے پاک کردیا گیا، ارشاد خداوندی ہے: ﴿إنما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا﴾(۱) علاوہ ازیں بہ ارادۂ باری تعالیٰ برہنہ ہوکر طواف سے بھی روک دیا گیا، کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے گھر کے تقدس وتعظیم کے خلاف ہے(۲)۔ واللہ اعلم

ترجمۃ الباب کے ساتھ آیت وحدیث کی مناسبت

آیت کریمہ وحدیث مبارک کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت بایں معنی ہے کہ ترجمہ میں ایک امر کے متعلق سوال تھا کہ اس کا کیا طریقہ ہو، چناں چہ اس کا جواب آیت کریمہ میں موجود ہے، اسی طرح حدیث میں بھی اس کا جواب موجود ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' میں ہے:

"وإن صالحهم مدة، ثم رأى نقض الصلح أنفع نبذ إليهم الإمام، وقاتلهم؛ لأنه عليه السلام نبذ الموادعة التي كانت بينه وبين أهل مكة، ولأن المصلحة لما تبدلت كان النبذ جهاداً، وإيفاء العهد ترك الجهاد صورةً ومعنى،

---

(۱) التوبة / ۲۸.

(۲) شرح ابن بطال: ۵/ ۳۶۰-۳۶۱، وفتح الباري: ۶/ ۲۷۹.

فلابد من النبذ؛ تحرزا عن الغدر، وقد قال عليه السلام: "وفاء لا غدر"(١)، ولابد من اعتبار مدة يبلغ فيها خبر النبذ إلى جميعهم، ويكتفى في ذلك بمضي مدة يتمكن ملكهم بعد علمه بالنبذ من إنفاذ الخبر إلى أطراف مملكته؛ لأن بذلك ينتفي الغدر.

قال: وإن بدؤا بخيانة قاتلهم، ولم ينبذ إليهم إذا كان ذلك باتفاقهم؛ لأنهم صاروا ناقضين للعهد، فلا حاجة إلى نقضه، بخلاف ما إذا دخل جماعة منهم، فقطعوا الطريق، ولا مَنَعَة لهم، حيث لايكون هذا نقضا للعهد، ولو كانت لهم منعة، وقاتلوا المسلمين علانية يكون نقضا للعهد في حقهم، دون غيرهم؛ لأنه بغير إذن ملكهم، ففعلهم لا يلزم غيرهم، حتى لوكان بإذن ملكهم صاروا ناقضين للعهد؛ لأنه باتفاقهم معنى"(٢).

١٧ - باب : إِثْمِ مَنْ عاهَدَ ثُمَّ غَدَرَ .

ترجمة الباب کا مقصد

اس باب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے غدر وبدعہدی کا گناہ بیان کیا ہے کہ معاہدہ ہونے کے بعد اپنی طرف سے بدعہدی کرنا اور غدر کرنا بڑا سخت گناہ اور حرام ہے، خواہ مسلمان کے ساتھ ہو یا کسی غیر مسلم کے ساتھ(١)۔

---

(١) قال العلامة الزيلعي رحمه الله عن هذا الحديث (ما ملخصه): "لم أجده مرفوعا، ولأحمد وأصحاب السنن وابن حبان من حديث عمرو بن عبسة أنه غزا مع معاوية، فكان يقول: الله أكبر، وفاء لا غدر". انظر الدراية في تخريج أحاديث الهداية للزيلعي: ٣/٣٩٠-٣٩١، رقم (٥٧٩٥)، وكذا انظر سنن أبي داود، رقم (٢٧٥٩)، والترمذي، رقم (١٥٨٠)، ومسند أحمد، حديث عمرو بن عبسة ٥/٨٠٣، رقم (١٧١٤٠)، ومسند الطيالسي ٢/٩-١٠، رقم (١٢٥١)، وسنن النسائي الكبرى: ٥/٢٢٣، كتاب السير، رقم (٨٧٣٢)، وآخرون.

(٢) الهداية: ٢/٥٦٣، كتاب السير، باب الموادعة ومن يجوز أمانه.

(٣) فتح الباري: ٦/٢٨٠، وعمدة القاري: ١٥/١٠١.

وَقَوْلِهِ : «الَّذِينَ عاهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ» /الأنفال : ٥٦/.

اور اللہ تعالیٰ کا قول کہ جن سے آپ نے معاہدے کیے ہیں، پھر ہر مرتبہ وہ اپنے عہد کو توڑتے ہیں اور وہ بدعہدی کے انجام سے نہیں ڈرتے۔

آیتِ کریمہ کا شانِ نزول اور تفسیر

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عہد توڑنے والوں سے مراد یہاں بنوقریظہ کے یہود ہیں، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کیا تھا کہ آپ علیہ السلام کے خلاف کسی کی مدد نہ کریں گے، لیکن بدعہدی کرتے ہوئے انہوں نے مشرکین کی ہتھیاروں کے ذریعے مدد کی، جب پوچھ گچھ ہوئی تو کہنے لگے کہ ہم بھول گئے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ مصالحت کی، مگر انہوں نے بدعہدی کی اور غزوۂ خندق کے موقع پر نبی علیہ السلام کے خلاف مشرکین کی مدد کی اور مشہور یہودی کعب بن اشرف نے مدینہ سے مکہ مکرمہ کا سفر صرف اس لیے کیا کہ مکہ کے مشرکین کو اپنا ہم نوا و حلیف بنائے (۱)۔

آیت کریمہ سے یہ امر مستفاد ہو رہا ہے کہ غدر و بدعہدی حرام ہے (۲)، ورنہ اس کی یوں مذمت نہ کی جاتی، کیوں کہ اس آیت میں یہود کے اس فعل کی شناعت و قبح بیان کیا گیا ہے۔

آیت کریمہ اور ترجمۃ الباب کے درمیان مناسبت

آیت کریمہ کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت واضح ہے کہ ترجمۃ الباب میں بدعہدی کو گناہ بتلایا گیا تھا، اس کی دلیل آیت میں موجود ہے کہ یہ بہت قبیح اور شنیع فعل ہے، کسی مسلمان کے لیے یہ زیبا نہیں کہ وہ اس کا مرتکب ہو، اس لیے اس سے بچتے رہنا چاہیے۔

اس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کے تحت تین احادیث ذکر کی ہیں، پہلی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی ہے۔

٣٠٠٧ : حدّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ، عَنِ الْأَعْمَشِ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُرَّةَ ،

---

(١) القسطلاني: ٢٤٢/٥، وتفسير البيضاوي مع حاشيته للشهاب الخفاجي: ٤٩٤/٤، سورة الأنفال/٥٦.

(٢) عمدة القاري: ١٠١/١٥.

عَنْ مَسْرُوقٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عَمْرٍو[1] رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قالَ : قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (أَرْبَعُ خِلَالٍ مَنْ كُنَّ فِيهِ كانَ مُنَافِقًا خالِصًا : مَنْ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ ، وَإِذَا عاهَدَ غَدَرَ ، وَإِذَا خاصَمَ فَجَرَ . وَمَنْ كانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا) .

[ر : ٣٤]

تراجم رجال

١— قتيبه بن سعید

یہ مشہور محدث قتیبہ بن سعید ثقفی بغلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب إفشاء السلام......" کے تحت گذر چکا ہے(۲)۔

٢— جریر

یہ جریر بن عبدالحمید بن قرط الضبی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب العلم، "باب من جعل لأهل العلم أياما معلومة" کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

٣— الأعمش

یہ سلیمان بن مہران المعروف بالاعمش کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا ترجمہ کتاب الإیمان، "باب ظلم دون ظلم" کے تحت آچکا(۴)۔

٤— عبدالله بن مرة

یہ مشہور تابعی عبداللہ بن مرہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٥— مسروق

یہ مشہور تابعی مسروق بن اجدع ابو عائشہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کا تذکرہ کتاب

---

(١) قوله: "عن عبدالله......": الحديث، مر تخريجه في الإيمان، باب علامة المنافق، انظر كشف الباري: ٢/٢٨٣.

(٢) كشف الباري: ٢/١٨٩.

(٣) كشف الباري: ٣/٢٦٨.

(٤) كشف الباري: ٢/٢٥١.

الإیمان، "باب علامة المنافق" کے تحت گذر چکا ہے(۱)۔

٦- عبدالله بن عمرو

یہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب المسلم من سلم المسلمون......" کے تحت آچکے ہیں(۲)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ چار عادات وخصائل ایسی ہیں کہ وہ جس شخص میں ہوں گی، وہ خالص منافق ہوگا، یعنی جو بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے، کسی کے ساتھ عہد کرے تو بدعہدی کرے اور لڑے جھگڑے تو فحش بکے، حد سے تجاوز کرے اور جس میں ان میں سے ایک خصلت ہوگی تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی، یہاں تک اسے بھی ترک کردے۔

یہ حدیث چوں کہ کتاب الإیمان(۳) میں مکمل تشریحات کے ساتھ گذر چکی ہے، اس لیے یہاں صرف ترجمے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کی مطابقت ترجمے کے ساتھ واضح ہے کہ اس میں ایک جملہ "وإذا عاهد غدر" کا ہے(۴)، جو منافق کی خصلت ہے، اس لیے ایک حقیقی مومن میں یہ چیز نہیں ہونی چاہیے، جیسا کہ دیگر خصائل ذمیمہ نہیں ہونے چاہییں۔

دوسری حدیث حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ہے۔

---

(۱) كشف الباري: ٢/٢٨٠-٢٨١.

(٢) كشف الباري: ١/٦٧٩.

(٣) كشف الباري: ٢/٢٧٣-٢٧٥، و: ٢٨٣-٢٩٠.

(٤) عمدة القاري: ١٥/١٠١، وشرح القسطلاني: ٥/٢٤٢.

٣٠٠٨ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ : أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ ، عَنِ الْأَعْمَشِ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ(١) قالَ : ما كَتَبْنَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ إِلَّا الْقُرْآنَ وَما في هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ ، قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (الْمَدِينَةُ حَرَامٌ ما بَيْنَ عائِرٍ إِلَى كَذَا ، فَمَنْ أَحْدَثَ حَدَثًا أَوْ آوَى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ عَدْلٌ وَلَا صَرْفٌ ، وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ ، يَسْعَى بِهَا أَدْنَاهُمْ ، فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ . وَمَنْ وَالَى قَوْمًا بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ) . [ر : ١٧٧١]

تراجم رجال

١- محمد بن كثير

یہ محمد بن کثیر عبدی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب الغضب في الموعظة......" کے تحت گذر چکا(٢)۔

٢- سفيان

یہ مشہور محدث سفیان بن سعید الثوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب علامة المنافق" کے تحت گذر چکے(٣)۔

٣- الأعمش

یہ سلیمان بن مہران کوفی اسدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات بھی کتاب الإیمان، "باب ظلم

(١) قوله: "عن علي رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب العلم، باب كتابة العلم.

(٢) كشف الباري: ٥٣٦/٣.

(٣) كشف الباري: ٢٨٧/٢.

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں سفیان کو ابن عیینہ قرار دیا ہے (عمدة القاري: ١٠٢/١٥)، جو درست نہیں، کیونکہ محمد بن کثیر کے شیوخ میں ابن عیینہ کا اسم گرامی نہیں ملتا۔ دیکھیے، تهذيب الكمال: ٣٣٥/٢٦، انہیں غالباً اس بات سے مغالطہ ہوا ہوگا کہ محمد بن کثیر نام کے ایک اور راوی بھی ہیں، جو ابن عیینہ کے واقعۃً تلمیذ ہیں اور یہ ان کے شیخ تو اس کو سبقت نظر پر محمول کیا جا سکتا ہے، دیکھیے، تهذيب الكمال: ٣٢٩/٢٦، و: ١٨٧/١١.

دون ظلم" کے تحت آچکے ہیں(۱)۔

٤- ابراهيم التيمي

یہ ابراہیم بن یزید بن شریک رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب خوف المؤمن من أن يحبط......" کے ذیل میں گذر چکا ہے(۲)۔

٥- أبيه

ابیہ سے مراد یزید بن شریک تیمی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۳)۔

٦- علی

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے حالات کتاب العلم، "باب إثم من كذب علی......" کے تحت آچکے ہیں(۴)۔

یہ حدیث چوں کہ سابق میں مختلف مقامات پر گذر چکی ہے، وہیں اس کی مفصل تشریحات بھی آچکی ہیں، اس لیے ہم یہاں ان کا اعادہ نہیں کریں گے(۵)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول حدیث کی ترجمے کے ساتھ مطابقت اس جملے سے ثابت ہورہی ہے، "فمن أحدث حدثا أو آوى محدثا......" کیوں کہ دین میں کوئی نئی بات پیدا کرنا، پیدا کرنے والے کو پناہ دینا، حفاظت کرنا وغیرہ ایسے امور ہیں، جن میں غدر اور بدعہدی کے معنی پائے جاتے ہیں، اسی لیے حدیث میں

---

(۱) كشف الباري: ۲/۲٥۱.

(۲) كشف الباري: ۲/٥٤٤.

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب فضائل المدينة، باب حرم المدينة.

(٤) كشف الباري: ٤/١٤٩.

(٥) دیکھیے، كشف الباري، كتاب العلم: ٤/٢٣٣، وكتاب فضائل المدينة، باب حرم المدينة، وكتاب الجزية، باب ذمة المسلمين وجوارهم واحدة.

مذکورتمام افراد لعنت کے مستحق بھی ٹھہرے(۱)، کہ "فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين".

جب کہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ ترجمہ اس جملے: "من أخفر مسلما......" سے ثابت ہورہا ہے، کیوں کہ اخفار -بالخاء المعجمة- کے معنی نقض عہد ہی کے ہیں (۲)۔ چناں چہ اس جملے میں اس امر کو بتلایا گیا ہے کہ اخفار مسلم قابل لعنت و مستحق ملامت امر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

تیسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۳۰۰۹ : قالَ أَبُو مُوسٰى : حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ : حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ سَعِيدٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قالَ : كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا لَمْ تَجْتَبُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا ؟ فَقِيلَ لَهُ : وَكَيْفَ تَرَى ذٰلِكَ كائِنًا يَا أَبَا هُرَيْرَةَ ؟ قالَ : إِيْ وَالَّذِي نَفْسُ أَبِي هُرَيْرَةَ بِيَدِهِ ، عَنْ قَوْلِ الصَّادِقِ المَصْدُوقِ ، قالُوا : عَمَّ ذَاكَ ؟ قالَ : تُنْتَهَكُ ذِمَّةُ اللهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ ﷺ ، فَيَشُدُّ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ قُلُوبَ أَهْلِ الذِّمَّةِ ، فَيَمْنَعُونَ ما فِي أَيْدِيهِمْ .

تراجم رجال

۱- ابوموسیٰ

یہ ابوموسیٰ محمد بن المثنی بن عبید عنزی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب حلاوة الإيمان" کے تحت گذر چکا ہے(۳)۔

۲- هاشم بن القاسم

یہ ابوالنضر ہاشم بن قاسم تمیمی، کنانی، لیثی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

۳- اسحاق بن سعید

یہ اسحاق بن سعید بن عمرو بن سعید بن العاص رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۵)۔

---

(۱) عمدة القاري: ١٥/١٠٢.

(۲) فتح الباري: ٦/٢٨٠، وإرشاد الساري: ٥/٢٤٣.

(۳) كشف الباري: ٢/٢٥.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب وضع الماء عند الخلاء.

(٥) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب العيدين، باب ما يكره من حمل السلاح......

٤ — ابيه

ابیہ سے مراد سعید بن عمرو بن سعید رحمۃ اللہ علیہ ہیں (١)۔

٥ — ابوهريره

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات كتاب الإيمان کے اوائل میں آچکے ہیں (٢)۔

یہ حدیث موصول ہے یا معلق؟

صحیح بخاری کے اکثر نسخوں میں تعلیقاً "قال أبو موسى ......" ہی آیا ہے، یہی بات اصحاب اطراف (٣)، علامہ اسماعیلی، امام حمیدی (٤) وابونعیم نے بھی فرمائی ہے، لیکن بعض نسخوں میں "حدثنا أبو موسى" آیا ہے، جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حدیث موصول ہے، مگر یہ درست نہیں، پہلا قول ہی صحیح ہے کہ یہ حدیث معلق ہے (٥)۔

مذکورہ بالا صیغہ سماع پر محمول ہوگا یا نہیں؟

پھر علمائے اصول حدیث کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا یہ صیغہ یعنی قال وغیرہ عنعنہ کے قائم مقام ہوکر سَماع پر محمول ہوگا یا نہیں؟ چناں چہ بعض تو اس کو سماع پر محمول کرتے ہیں، بعض سماع پر محمول نہیں کرتے، لیکن محقق قول اس مسئلے میں یہی ہے کہ اگر راوی یا محدث کی عادت یہ ہو کہ وہ اس سے سماع مراد لیتے ہیں اور اس میں استعمال کرتے ہیں تو سماع پر محمول ہوگا، ورنہ نہیں۔ علامہ ابن الصلاح، خطیب، علامہ عراقی، حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اسی کو راجح کہا ہے (٦)۔

---

(١) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب الاستنجاء بالحجارة.

(٢) كشف الباري: ٦٥٩/١.

(٣) تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف: ٥٠٤/٩، رقم (١٣٠٨٧).

(٤) الجمع بين الصحيحين: ٢٦١/٣، أفراد البخاري، رقم (٢٥٧٩).

(٥) عمدة القاري: ١٠٢/١٥، وفتح الباري: ٢٨٠/٦، وإرشاد الساري: ٢٤٣/٥.

(٦) انظر تدريب الراوي: ٢١٩/١، النوع الحادي عشر، الفرع الثالث: التعليق الذي يذكره الحميدي......، وفتح الباري: ٢٨٠/٦، وعمدة القاري: ١٠٢/١٥، وأيضاً انظر قواعد في علوم الحديث: ١٦٣-١٦٤.

تعلیق مذکور کی تخریج

اس تعلیق کو ابونعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "مستخرج" میں، امام احمد نے مسند میں اور ابویعلی نے اپنی مسند میں موصولاً نقل کیا ہے(۱)۔

قال: كيف أنتم إذا لم تجتبوا ديناراً، ولا درهماً؟ فقيل له: وكيف ترى ذلك كائناً يا أبا هريرة؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہیں خراج میں کوئی دینار، نہ درہم ملے گا؟ تو ان سے کہا گیا کہ اے ابوہریرہ! آپ کے خیال میں یہ کس طرح اور کیونکر ہوگا؟

تجتبوا کی صرفی ولغوی تحقیق

کلمہ "تجتبوا" باب افتعال سے جمع مذکر مخاطب کا صیغہ ہے، حالت جزم میں ہے، مجرد میں یہ الجباية —بالجيم والباء الموحدة، وبعد الألف ياء— سے مشتق ہے، جس کے معنی مطلقاً ٹیکس کے ہیں، لیکن یہاں پر اس سے مراد خراج وجزیہ ہے، کیوں کہ یہ بھی ایک قسم کے ٹیکس ہی ہے، جو کفار پر لاگو کیا جاتا ہے(۲)۔

اس جملے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی مستقبل سے متعلق ایک پیشین گوئی کا ذکر کیا ہے کہ آئندہ ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جزیہ وخراج کی مد میں تمہیں کچھ بھی نہیں ملے گا، اہل ذمہ تمہیں ٹیکس وغیرہ کی ادائیگی روک دیں گے۔ اس پر سامعین نے تعجب کا اظہار کیا کہ اے ابوہریرہ! کیا ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اہل ذمہ ہمیں جزیہ وغیرہ ادا نہ کریں؟

قال: إِيْ والذي نفس أبي هريرة بيده عنْ قَوْلِ الصَّادِقِ الْمَصْدُوقِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں ابوہریرہ کی جان ہے، صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر کہہ رہا ہوں۔

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٨٠، وتغليق التعليق: ٤٨٥/٣، وعمدة القاري: ١٥/١٠٢، ومسند الإمام أحمد: ٣٣٢/٢، رقم (٨٣٦٨)، مسند أبي هريرة ......، ومسند أبي يعلى: ٥/٥٠٦، رقم (٦٦٠٠).

(٢) عمدة القاري: ١٥/١٠٢، وفتح الباري: ٦/٢٨٠، وإرشاد الساري: ٥/٢٤٣.

کلمہ "إي" ہمزہ کے کسرہ اور یائے ساکنہ کے ساتھ ہے، جو حرف ایجاب ہے(۱)۔

پھر صادق کے معنی تو ظاہر ہیں، لیکن مصدوق کے کیا معنی ہیں، اس میں دو اقوال ہیں:

❶ مصدوق یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بات بتلائی گئی، سچ ہی بتلائی گئی، مثلاً جبرئیل علیہ السلام نے اگر انہیں کوئی بھی بات بتلائی ہے تو وہ سچی ہے۔

❷ مصدوق بمعنی المصدَّق (اسم مفعول) ہے، یعنی جن کی تصدیق کی گئی، اس معنی کے درست ہونے میں بھی کوئی شک نہیں (۲)۔

قَالُوا: عَمَّ ذَاكَ؟

لوگوں نے دریافت کیا کہ ایسا کیوں ہوگا (کہ اہل ذمہ ہمیں جزیہ وغیرہ کی ادائیگی سے انکار کردیں)؟

قال: تنتهك ذمَّةُ اللّهِ وذمّة رسوله صلى الله عليه وسلم فيشد الله عز وجلَّ قلوب أهل الذمةِ فيمنعونَ ما في أيديهمْ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے وعہد کو توڑا جائے گا، نتیجۃً اللہ تعالیٰ اہل ذمہ کے دلوں کو سخت کردیں گے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ لوگ تمہیں جزیہ کی ادائیگی روک دیں گے۔

مذکورہ بالا عبارتِ حدیث میں اس امر کی علت بتلائی گئی ہے کہ اہل ذمہ جزیہ وخراج کی ادائیگی سے کیوں کر منکر ہوجائیں گے، اس کی وجہ یہی ہوگی کہ اہل ذمہ کو جو حقوق اسلام نے دیے ہیں، ان کو پامال کیا جائے گا، ان کے ساتھ ظلم وسختی کو روا رکھا جائے گا، چوں کہ عہد کی پاسداری ضروری ہے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے تو جب اس حکم کی خلاف ورزی ہوگی، ان کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا جائے گا تو اللہ کی طرف سے پکڑ بھی ہوگی، اس کے اثرات بھی ہوں گے، اسی کو حدیث میں ان کلمات سے تعبیر کیا گیا ہے، "فيمنعون ما في أيديهم" کہ وہ تمہیں جزیہ وخراج کی ادائیگی نہیں کریں گے۔

---

(۱) إرشاد الساري: ٥/٢٤٣.

(۲) حواله بالا، وعمدة القاري: ١٥/١٠٢، وشرح الكرماني: ١٣/١٤٣.

• "تستنهك" فعل مجہول، مضارع مؤنث کا صیغہ ہے، باب افتعال سے ہے، اس کے معنی پردہ دری، آبروریزی، ظلم وستم وغیرہ کے ہیں اور "ما في أيديهم" سے مراد جزیہ وغیرہ ہے (☆)۔

اس معنی کی دیگر احادیث

امام حمیدی فرماتے ہیں کہ امام مسلم (رحمہما اللہ) نے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث باب کے مفہوم کی حامل ایک اور مرفوع روایت دوسرے طریق سے نقل کی ہے (۱)، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"منعت العراق درهمها وقفيزها، ومنعت الشام مديها ودينارها، ومنعت مصر إردَبها ودينارها، وعدتم من حيث بدأتم، وعدتم من حيث بدأتم، وعدتم من حيث بدأتم......" (۲).

کہ "عراق اپنے درہم اور قفیز روک دے گا، شام اپنے مد اور دینار روک دے گا، مصر اپنے اردب (۳) اور دینار روک دے گا اور تم وہیں لوٹ جاؤ گے جہاں سے تم نے شروع کیا تھا......"۔

اس حدیث میں افعال تو ماضی کے بیان کیے گئے ہیں، لیکن مراد اس سے مستقبل ہی ہے، کہ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ بیان کردہ چیز ضرور واقع ہوگی، چناں چہ مبالغے کے لیے ماضی کو مستقبل کے معنی میں لیا گیا ہے (۴)۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے بھی اسی مفہوم کی ایک حدیث مروی ہے، فرماتے ہیں:

"يوشك أهل العراق أن لايجبى إليهم قفيز ولا درهم، قال أبونضرة:

(☆) فتح الباري: ٦/٢٨٠، وعمدة القاري: ١٥/١٠٢، وشرح القسطلاني: ٥/٢٤٤.

(۱) فتح الباري: ٦/٢٨٠، وعمدة القاري: ١٥/١٠٢، والجمع بين الصحيحين: ٣/٢٦١، أفراد البخاري، رقم (٢٥٧٩)، و: ٣/٢٩٥، أفراد مسلم، رقم (٢٦٧٦).

(۲) أخرجه مسلم في الفتن، باب لاتقوم الساعة حتى يحسر الفرات عن جبل من ذهب، رقم (٧٢٧٧)، وأيضاً أخرجه أبوداود، كتاب الخراج......، باب في إيقاف أرض السواد وأرض العنوة، رقم (٣٠٣٥).

(۳) اردبّ تقریباً پچیس پاؤنڈ کے وزن کا پیمانہ (ایک پاؤنڈ تقریباً آدھے سیر کا ہوتا ہے)، القاموس الوحيد، مادة: "إردب".

(٤) فتح الباري: ٦/٢٨٠، وعمدة القاري: ١٥/١٠٢.

قلنا: من أين ذاك؟ قال: من قبل العجم يمنعون ذاك، ثم قال: يوشك أهل الشام أن لايجبى إليهم دينار ولا مُدي، قلنا: من أين ذاك؟ قال: من قبل الروم......"(١).

یعنی "قریب ہے کہ اہل عراق کو درہم وقفیز کی ادائیگی نہیں ہوگی، راوی حدیث ابونضرۃ کہتے ہیں کہ ہم نے کہا کہ یہ کن کی طرف سے ہوگا؟ انہوں نے فرمایا، عجمیوں کی جانب سے کہ وہ اس کی ادائیگی روک دیں گے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے پھر فرمایا کہ قریب ہے کہ اہل شام کو دینار اور مد کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ ہم (ابونضرہ) نے پوچھا، یہ کن کی طرف سے ہوگا؟ فرمایا، رومیوں کی جانب سے"۔

فائدہ

ان احادیث کے ایک معنی ومطلب تو وہی ہے، جس کا ذکر اوپر ہوا کہ جزیہ وخراج کی، اہل ذمہ کی طرف سے ادائیگی جو روک دی جائے گی، اس کی وجہ یہ ہوگی کہ ان کے ساتھ ناروا سلوک ہوگا، لیکن ابن الاثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں اس امر کی پیشین گوئی کی ہے کہ یہ لوگ عنقریب اسلام قبول کرلیں گے اور جو ٹیکس یا وظیفہ ان پر لازم کیا گیا ہے، وہ قبول اسلام کی وجہ سے ساقط ہوجائے گا، اس طرح یہ لوگ اپنے اسلام کی وجہ سے ان وظائف ٹیکسز کو روکنے والے ہوجائیں گے، جو اُن پر لازم تھے (۲)۔

اس کے بعد ابن الاثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مطلب کو بیان کیا، جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ترجمۃ الباب میں ذکر کیا ہے (۳)۔ اس سے امام بخاری کی رائے کو تقویت ملتی ہے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ تعلیق کی مناسبت

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ تعلیق بایں طور ہے کہ ترجمہ میں ایفائے عہد کرنے اور نہ کرنے کی صورت

(١) الحديث أخرجه مسلم، كتاب الفتن، باب لاتقوم الساعة حتى يمر الرجل ......، رقم (٧٣١٥).

(٢) جامع الأصول في أحاديث الرسول: ٥٣/١٠.

(٣) جامع الأصول في أحاديث الرسول: ٥٤/١٠.

میں گناہ گار ہونے کو بیان کیا گیا ہے، اس حدیث سے بھی ایفائے عہد کا ثمرہ اور بدعہدی کا انجام معلوم ہو رہا ہے۔

چناں چہ اہل ذمہ کے ساتھ اگر ان کے عہد و ذمہ کا لحاظ کیا جائے، اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جو حقوق عطا کیے ہیں، ان کی پاسداری کی جائے تو اس کا ثمرہ جزیہ وخراج کی صورت میں ملے گا، دوسری صورت میں ملنے والے مال سے بھی محروم ہونا پڑے گا، جو دنیاوی نقصان ہے، اخروی خسارہ اس کے علاوہ ہے۔

بَابٌ بلا ترجمه

ترجمہ کا مقصد

یہاں یہ باب بلاترجمہ ہے(۱) اور کالفصل للباب السابق ہے، اس کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو روایات نقل کی ہیں، ان کا تعلق اسی باب سابق کے مضمون ایفائے عہد وغیرہ سے ہے(۲)۔

۳۰۱۰/۳۰۱۱ : حدّثنا عَبْدَانُ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَمْزَةَ قالَ : سَمِعْتُ الْأَعْمَشَ قالَ : سَأَلْتُ أَبَا وَائِلٍ : شَهِدْتَ صِفِّينَ ؟ قالَ : نَعَمْ ، فَسَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ حُنَيْفٍ[۳] يَقُولُ : اتَّهِمُوا رَأْيَكُمْ ، رَأَيْتُنِي يَوْمَ أَبِي جَنْدَلٍ ، وَلَوْ أَسْتَطِيعُ أَنْ أَرُدَّ أَمْرَ النَّبِيِّ ﷺ لَرَدَدْتُهُ ، وَما وَضَعْنَا أَسْيَافَنَا عَلَى عَوَاتِقِنَا لِأَمْرٍ يُفْظِعُنَا إِلَّا أَسْهَلْنَ بِنَا إِلَى أَمْرٍ نَعْرِفُهُ غَيْرِ أَمْرِنَا هٰذَا .

تراجم رجال

۱ — عبدان

یہ عبداللہ بن عثمان بن جبلہ عبدان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ بدء الوحي کی "الحديث

---

(۱) قال الحافظ في الفتح (٦/٢٨١): "كذا هو بلا ترجمة عند الجميع".

(۲) حوالہ بالا، وعمدة القاري: ١٥/١٠٢.

(۳) قوله: "سهل ......": الحديث، أخرجه البخاري في نفس هذا الباب، رقم (٣١٨٢)، وكتاب المغازي، باب غزوة الحديبية، رقم (٤١٨٩)، وكتاب التفسير، باب قوله: ﴿إذ يبايعونك تحت الشجرة فعلم ما في قلوبهم......﴾، رقم (٤٨٤٤)، وكتاب الاعتصام......، باب ما يذكر من ذم الرأي......، رقم (٧٣٠٨)، ومسلم، كتاب الجهاد، باب صلح الحديبية......، رقم (٤٦٣٤)، والنسائي في الكبرى، كتاب التفسير، قوله تعالى: ﴿وهو الذي أنزل السكينة......﴾، رقم (١١٥٠٤/٢).

الخامس" کے تحت گذر چکا ہے(۱)۔

۲- ابو حمزہ

یہ ابوحمزہ محمد بن میمون السکری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۳- الأعمش

یہ مشہور محدث سلیمان بن مہران رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب ظلم دون ظلم" کے تحت آچکے ہیں (۳)۔

٤- ابو وائل

یہ مشہور تابعی بزرگ حضرت ابووائل شقیق بن سلمۃ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب خوف المؤمن من أن یحبط......" کے تحت گذر چکا ہے(۴)۔

٥- سهل بن حنيف

یہ مشہور انصاری صحابی حضرت سہل بن حنیف بن واہب رضی اللہ عنہ ہیں (۵)۔

قال: سألت أَبا وائلٍ شهدتَ صفّينَ؟ قال: نعمْ

امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابووائل سے دریافت کیا کہ آپ جنگ صفین میں شریک رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا، ہاں۔

صفین

صفین -بکسرتین وتشدید الفاء- عراق کے مشہور دریا، فرات کے کنارے رَقہ اور بالس کے

---

(۱) كشف الباري: ۱/٤٦۱.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الغسل، باب نفض اليدين من ......

(۳) كشف الباري: ۲/۲٥۱.

(٤) كشف الباري: ۲/٥٥٩.

(٥) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الجنائز، باب من قام لجنازة يهودي.

درمیان ایک جگہ کا نام ہے، اس مقام کو حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی افواج کے مابین ہونے والی جنگ سے شہرت ملی۔

یہ جنگ یکم صفر ۳۷ ہجری کو لڑی گئی، فریقین کی تعداد میں اختلاف ہے، اصح قول کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکری ایک لاکھ بیس ہزار اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فوجی نوے ہزار تھے، اس جنگ میں دونوں اطراف کے ستر ہزار افراد تہہ تیغ ہوئے، جن میں پچیس ہزار اصحاب علی اور پینتالیس ہزار اصحاب معاویہ (رضی اللہ عنہما) شامل تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے پچیس بدری صحابہ بھی شہید ہوئے۔

یہ جنگ ۱۱۰ (ایک سو دس) دن تک جاری رہی اور فریقین کے درمیان نوے مرتبہ جھڑپیں اور آمنا سامنا ہوا(۱)۔

فسمعتُ سهلَ بنَ حُنيفٍ يقولُ: اتَّهموا رأيكمْ ......

تو میں نے سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اے لوگو! تم اپنی رائے کو متہم سمجھو......

یہ حدیث مغازی میں آچکی ہے، وہیں اس کی مکمل شرح بھی کردی گئی ہے، جس کا خلاصہ مع ترجمہ حدیث ذیل میں ہم نقل کرتے ہیں:

جنگ صفین میں حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جب جنگ شروع ہوئی تو آہستہ آہستہ حضرت علی کے ساتھی غالب آنے لگے، قریب تھا کہ حضرت معاویہ کو مکمل شکست ہوجائے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی رائے سے قرآن کریم کو حکَم اختیار کرنے پر فریقین کا اتفاق ہوا، جس پر حضرت علی کے کچھ ساتھیوں نے اعتراض کیا کہ ہم اس وقت غالب ہیں، اس پر حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "اتهموا رأيكم......" کہ اے لوگو! تم اپنے کو اور اپنی رائے کو بھی متہم سمجھو، ضروری نہیں کہ وہ درست ہو، ہوسکتا ہے کہ فریقِ مخالف کی رائے ہی صحیح ہو، کیوں کہ صلح حدیبیہ میں، میں موجود تھا، اس وقت میری یہی رائے تھی کہ جنگ ہونی چاہیے، صلح نہیں ہونی چاہیے، اس کے باوجود ہم نے اپنی رائے چھوڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے پر عمل کیا، جس کا نتیجہ اچھا اور انجام بخیر ہوا، جب کہ وہاں معاملہ کفر و اسلام تھا اور یہاں مسلمانوں کے آپس

(۱) معجم البلدان للحموي: ٣/٤١٤، باب الصاد والفاء......

کا ہے، اس لیے اس میں اپنی ہی رائے کو حتمی سمجھ کر قتل مسلم کو جاری رکھنے پر اصرار نہیں کرنا چاہیے۔
اور ہم نے اپنے کاندھوں پر کسی ایسے امر کے لیے جو ہمیں گھبراہٹ میں ڈالتا ہو، تلواریں نہیں اٹھائیں، مگر یہ کہ وہ تلواریں ہمارے لیے اس معاملے کو آسان کر دیتی تھیں، لیکن جنگ صفین کا یہ معاملہ بہت پیچیدہ بن گیا ہے۔ اس سے خلاصی کی صورت سمجھ میں نہیں آرہی (۱)۔

(٣٠١١) : حدثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ : حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ ، عَنْ أَبِيهِ : حَدَّثَنَا حَبِيبُ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ قالَ : حَدَّثَنِي أَبُو وَائِلٍ قالَ : كُنَّا بِصِفِّينَ . فَقَامَ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ[٢] فَقَالَ : أَيُّهَا النَّاسُ اتَّهِمُوا أَنْفُسَكُمْ ، فَإِنَّا كُنَّا مَعَ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ يَوْمَ الحُدَيْبِيَةِ ، وَلَوْ نَرَى قِتَالاً لَقَاتَلْنَا . فَجَاءَ عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ فَقَالَ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، أَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ وَهُمْ عَلَى الْبَاطِلِ ؟ فَقَالَ : (بَلَى) . فَقَالَ : أَلَيْسَ قَتْلَانَا فِي الجَنَّةِ وَقَتْلَاهُمْ فِي النَّارِ ؟ قالَ : (بَلَى) . قالَ : فعَلَامَ نُعْطِي ٱلدَّنِيَّةَ فِي دِينِنَا ، أَنَرْجِعُ وَلَمَّا يَحْكُمِ ٱللهُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ ؟ فَقَالَ : (يَا ابْنَ الخَطَّابِ ، إِنِّي رَسُولُ ٱللهِ وَلَنْ يُضَيِّعَنِي ٱللهُ أَبَدًا) . فَانْطَلَقَ عُمَرُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ ما قالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ ، فَقَالَ : إِنَّهُ رَسُولُ ٱللهِ وَلَنْ يُضَيِّعَهُ ٱللهُ أَبَدًا ، فَنَزَلَتْ سُورَةُ الفَتْحِ ، فَقَرَأَهَا رَسُولُ ٱللهِ ﷺ عَلَى عُمَرَ إِلَى آخِرِهَا ، فَقَالَ عُمَرُ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، أَوَ فَتْحٌ هوَ ؟ قالَ : (نَعَمْ) .
[٦٨٧٨ ، ٤٥٦٣ ، ٣٩٥٣]

تراجم رجال

۱ — عبداللہ بن محمد

یہ امام عبداللہ بن محمد بن عبداللہ مسندی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب أمور الأیمان"، کے تحت گذر چکا ہے (۳)۔

---

(۱) دیکھیے، كشف الباري، كتاب المغازي، باب غزوة الحديبية......: ٤٠٠-٤٠٣، نیز دیکھیے، عمدة القاري: ١٥/١٠٣.

(٢) قوله: "سهل بن حنيف": الحديث، مر تخريجه آنفاً.

(٣) كشف الباري: ١/٦٥٧.

۲- یحییٰ بن آدم

یہ یحییٰ بن آدم کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۱)۔

۳- یزید بن عبدالعزیز

یہ ابوعبداللہ یزید بن عبدالعزیز بن سیاہ(۲)، اسدی، حِمّانی، کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور قطبہ بن عبدالعزیز کے بھائی ہیں(۳)۔

یہ اپنے والد عبدالعزیز، اعمش، رقبہ بن مصقلہ، عبیداللہ بن عمر، اسماعیل بن ابی خالد، ہشام بن عروۃ، مسعر، حجاج بن ارطاۃ اور محمد بن عمرو بن علقمہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان سے روایت کرنے والوں میں اسحاق بن منصور سلولی، ابواحمد زبیری، ابومعاویہ الضریر، عمرو بن عبدالغفار تمیمی، علی بن میسرہ رازی، ہاشم بن عبدالواحد الجشاس اور ابونعیم رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ شامل ہیں(۴)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "ثقة"(٥).

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "ثقه"(٦).

امام ابوداوٗد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "ثقة"(٧).

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة"(٨).

---

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الغسل، باب الغسل بالصاع ونحوه.

(۲) قوله: "سياه": بكسر السين المهملة، وتخفيف الياء آخر الحروف، وبالهاء وصلا ووقفا، منصرف وغير منصرف، والأصح الانصراف". عمدة القاري: ١٥/١٠٤.

(۳) تهذيب الكمال: ٣٢/١٩٣، وتهذيب التهذيب: ١١/٣٤٦.

(٤) شیوخ وتلامذہ کے لیے دیکھیے، تهذيب الكمال: ٣٢/١٩٤.

(٥) حوالہ بالا، وتهذيب التهذيب: ١١/٣٤٧، والجرح والتعديل: ٩/٣٤٣، رقم (١١٦٩).

(٦) تاريخ عثمان بن سعيد الدارمي، رقم (٥٧)، وحوالہ جات بالا۔

(٧) تهذيب الكمال: ٣٢/١٩٥، وتهذيب التهذيب: ١١/٣٤٧.

(٨) الكاشف: ٢/٣٨٧، رقم (٦٣٣٧).

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے(۱)۔

علاوہ ازیں حافظ ابن حجر، حافظ یعقوب بن سفیان، امام دارقطنی، امام ابوحاتم، امام ترمذی رحمہم اللہ ودیگر نے بھی ان کو ثقہ کہا ہے(۲)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ امام مسلم، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے روایت لی ہے(۳)۔رحمه الله تعالىٰ رحمة واسعة

٤- عبدالعزیز

یہ عبدالعزیز بن سِیاہ اسدی، حمانی (۴)، کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۵)۔

یہ اپنے والد سیاہ اور حبیب بن ابی ثابت، ابن ابی عمرہ، اعمش، شعبی، مسلم الملائی الاعور اور حکم بن عتیبہ وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے صاحبزادے یزید اور عبداللہ بن نمیر، ابومعاویہ، یعلی بن عبید، یونس بن بکیر، عبیداللہ بن موسیٰ، وکیع اور ابونعیم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ شامل ہیں (۶)۔

امام یحییٰ بن معین اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ فرماتے ہیں، "ثقۃ" (۷)۔

---

(١) الثقات: ٦٢٣/٧، وتهذيب الكمال: ١٩٥/٣٢.

(٢) تقريب التهذيب، رقم (٧٧٧٧)، وتعليقات تهذيب الكمال: ١٩٥/٣٢، وتهذيب التهذيب: ٣٤٧/١١، والجرح والتعديل، رقم (١١٦٩)، وسنن الترمذي، مناقب عمار بن ياسر، رقم (٣٧٩٩)، وحاشية سبط ابن العجمي على الكاشف: ٣٨٧/٢، والمعرفة والتاريخ للفسوي: ١٧٧/٣، الكنى ......، ومن يعرف بالكنى.

(٣) تهذيب الكمال: ١٩٥/٣٢، والكاشف: ٣٨٧/٢.

(٤) قوله: "الحِمَّاني": بكسر المهملة ...... وشدة ميم وبنون. انظر تعليقات تهذيب التهذيب: ٣٤٠/٦، وتوضيح المشتبه، باب الجيم: ٤١٧/٢.

(٥) تهذيب الكمال: ١٤٤/١٨، وتهذيب ابن حجر: ٣٤٠/٦، والجرح والتعديل: ٤٥٠/٥، رقم (١٧٨٩).

(٦) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لیے دیکھیے: تهذيب الكمال: ١٤٥/١٨.

(٧) تهذيب الكمال: ١٤٥/١٨-١٤٦، وتهذيب التهذيب: ٣٤١/٦.

ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "محله الصدق"(☆).

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے(✿)۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "كان من خيار الناس، وله أحاديث"(١).

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "شيعي صدوق"(٢).

امام ابوزرعۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "لا بأس به، هو من كبار الشيعة"(٣).

علاوہ ازیں حافظ ابن حجر، امام عجلی، امام ابن نمیر اور حافظ یعقوب بن سفیان رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی توثیق کی ہے(۴)۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ باقی ائمہ خمسہ نے ان سے روایت لی ہے(٥)۔

ابوجعفر منصور کے عہدِ خلافت میں ان کا انتقال ہوا(٦)۔رحمه الله تعالىٰ ورحمة واسعة

٥- حبیب بن ابی ثابت

یہ حبیب بن ابی ثابت دینار کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(٧)۔

٦- ابو وائل

حضرت ابووائل کے حالات كتاب الإيمان، "باب خوف المؤمن......" کے تحت آچکے(٨)۔

(☆) تهذيب الكمال: ١٨/١٤٦، والجرح والتعديل، رقم (١٧٨٩)، وتهذيب ابن حجر: ٦/٣٤١.

(✿) الثقات لابن حبان: ٧/١١٤.

(١) الطبقات الكبرى: ٦/٣٦٣، وتعليقات تهذيب الكمال: ١٨/١٤٦.

(٢) الكاشف: ١/٦٥٥، رقم (٣٣٩١).

(٣) تهذيب الكمال: ١٨/١٤٦، وتهذيب التهذيب: ٦/٣٤١، والجرح والتعديل: ٥/٤٥١.

(٤) تقريب التهذيب، رقم (٤١١٤)، وتهذيب التهذيب: ٦/٣٤١، وتعليقات تهذيب الكمال: ١٨/١٤٦.

(٥) الكاشف: ١/٦٥٥، وتهذيب الكمال: ١٨/١٤٦.

(٦) الطبقات الكبرى: ٦/٣٦٣.

(٧) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الصوم، باب صوم داود عليه السلام.

(٨) كشف الباري: ٢/٥٥٩.

یہ حدیث سابق کا دوسرا طریق ہے، اس طریق میں بہ نسبت حدیث سابق کے قدرے تفصیل ہے کہ اس میں حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کے معاملے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان جو مکالمہ ہوا تھا، اس کا ذکر بھی ہے، جس کی تفصیل مغازی میں آچکی ہے(۱)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

گذشتہ باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بتلایا تھا کہ غدر و بدعہدی کا انجام بہر حال برا ہے، یہی نتیجہ حضرت ابووائل کی اس حدیث سے بھی نکلتا ہے کہ قریش نے صلح حدیبیہ کے بعد جو بدعہدی کی، اس کا نتیجہ ان کے لیے یہ نکلا کہ فتح مکہ کے ذریعے مسلمان ان پر غالب ہو گئے اور قریش مقہور و مغلوب ہوئے، اس سے واضح ہوا کہ بدعہدی کا انجام برا اور ایفائے عہد کا انجام اچھا ہوتا ہے، چناں چہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں:

"تعلق هذا الحديث بالباب المترجم من حيث ما آل أمر قريش، في نقضهم العهد؛ من الغلبة عليهم والقهر بفتح مكة؛ فإنه يوضح أن مآل الغدر مذموم، ومقابل ذلك ممدوح"(۲).

۳۰۱۲ : حدّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا حاتِمٌ ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ(۳) رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قالَتْ : قَدِمَتْ عَلَيَّ أُمِّي وَهْيَ مُشْرِكَةٌ ، في عَهْدِ قُرَيْشٍ إِذْ عاهَدُوا رَسُولَ ٱللهِ ﷺ وَمُدَّتِهِمْ مَعَ أَبِيهَا ، فَٱسْتَفْتَتْ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ فَقالَتْ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، إِنَّ أُمِّي قَدِمَتْ عَلَيَّ وَهْيَ رَاغِبَةٌ ، أَفَأَصِلُهَا ؟ قالَ : (نَعَمْ صِلِيهَا) . [ر : ۲٤۷۷]

تراجم رجال

۱- قتیبه بن سعید

یہ شیخ الاسلام قتیبہ بن سعید ثقفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب إفشاء

---

(۱) کشف الباري، کتاب المغازي، باب غزوة الحديبية......: ۳٦۷-۳٦۹.

(۲) عمدة القاري: ۱۰۳/۱٥، وفتح الباري: ۲۸۱/٦.

(۳) قوله: "عن أسماء بنت......": الحديث، مر تخريجه في الهبة، باب الهدية للمشركين.

السلام من الإيمان" کے تحت گذر چکا ہے(۱)۔

۲- حاتم بن اسمعيل

یہ ابواسماعیل حاتم بن اسماعیل کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۳- هشام بن عروة عن أبيه

حضرت ہشام بن عروۃ بن زبیر بن عوام اور ان کے والد عروہ کا تذکرہ "بدء الوحي" اور کتاب الإيمان، "باب أحب الدين إلى الله أدومه" کے تحت آچکا ہے(۳)۔

۵- أسماء بنت أبي بكر

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے مفصل حالات کتاب العلم، "باب من أجاب الفتيا بإشارة اليد" کے تحت گذر چکے ہیں (۴)۔

قالت: قدمتْ عليَّ أُمِّي

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میری والدہ میرے پاس آئیں۔

حضرت اسماء کی والدہ کا مختصر تعارف

یہاں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت اسماء کی والدہ کا نام کیا تھا؟ اس میں مختلف اقوال ہیں:

ابن سعد، ابوداؤد طیالسی اور حاکم کی روایت سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان کا نام قتیلہ (مصغر ا) تھا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے:

"قدمت قتيلة بنت عبد العزى بن سعد من بني مالك بن حِسْل على ابنتها: أسماء بنت أبي بكر في الهُدنة، وكان أبوبكر طلقها في الجاهلية،

---

(۱) كشف الباري: ۱۸۹/۲.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب، بعد باب استعمال فضل وضوء الناس.

(۳) كشف الباري: ۲۹۱/۱، و:۴۳۲/۲-٤٤٠.

(٤) كشف الباري: ٤٨٧/٣.

بهدايا: زبيب وسمن وقرظ(۱)، فأبت أسماء أن تقبل هديتها أو تدخلها في بيتها، وأرسلت إلى عائشة: سلي رسولَ الله صلى الله عليه وسلم، فقال: لتدخلها"(۲). (اللفظ لابن سعد).

یعنی: ''قتیلہ بنت عبدالعزیٰ بن سعد...... اپنی بیٹی حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے پاس صلح کے دنوں میں آئیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ انہیں جاہلیت میں طلاق دے چکے تھے، کچھ سامان بھی ساتھ لے کر آئیں، مثلاً کشمش، گھی اور زیور وغیرہ۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ہدایا قبول کرنے سے انکار کیا اور انہیں گھر میں آنے کی اجازت بھی نہیں دی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف پیغام بھجوایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بابت پوچھ لیں۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ان کے گھر داخل ہوسکتی ہیں''۔

مذکورہ بالا روایت سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ ان کی والدہ کا نام قتیلہ تھا، وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ حضرت اسماء کی حقیقی والدہ تھیں، اس لیے رضاعی ماں تصور کرنا وہم ہے(۳)۔

اور زبیر بن بکار نے ان کا نام قیلہ اور ابن ماکولا نے قتلہ نقل کیا ہے، شاید کسی نے ان کو مصغراً قتیلہ بنادیا ہو(۴)۔

جب کہ علامہ داؤدی نے ان کا نام ام بکر نقل کیا ہے، جس کے بارے میں ابن التین رحمۃ اللہ علیہ

---

(۱) ابوداؤد طیالسی کی روایت میں یہ لفظ طائے مہملہ کے ساتھ قرط آیا ہے، جس کے معنی کان کی بالی کے ہیں۔ غالباً یہی لفظ درست ہے، قَرَظ (ظائے معجمہ کے ساتھ) کے معنی گوند کے ہیں، جس کا یہاں کوئی مطلب نہیں، اس لیے ہم نے ترجمہ میں زیور کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ترجيحا لرواية الطيالسي، انظره: ۲/۲۸۹، رقم (۱۷٤٤)، جب کہ حاکم (۲/۵۲۷) کی روایت میں ''إقطا'' آیا ہے، جس کے معنی پنیر کے ہیں، یہ معنی بھی محتمل ہوسکتے ہیں۔

(۲) الطبقات الكبرى: ۸/۲۵۲، ترجمة أسماء بنت أبي بكر، ومسند أبي داود الطيالسي: ۲/۲۸۸-۲۸۹، رقم (۱۷٤٤)، والحاكم: ۲/۵۲۷، رقم (۳۸۰٤)، كتاب التفسير، تفسير سورة الممتحنة، والمطالب العالية: ۳/۳۸۷، رقم (۳۷۷۸)، سورة الممتحنة من كتاب التفسير، وجمهرة أنساب العرب: ۱/۱۳۷.

(۳) فتح الباري: ۵/۲۳۳.

(٤) حواله بالا، والإكمال لابن ماكولا، ۷/۱۳۰، باب قيلة وقتلة.

فرماتے ہیں کہ شاید یہ کنیت ہے(☆)۔

حضرت ابوبکر کے صاحبزادے عبداللہ بھی ان کے بطن سے تھے(۱)۔

وهي مشركة

درانحالیکہ وہ مشرکہ تھیں۔

راجح یہی ہے کہ حضرت اسماء کی والدہ کا انتقال حالت شرک ہی میں ہوا، بعض حضرات نے ان کے اسلام قبول کرنے کا جو کہا، وہ غلط ہے(۲)۔

في عهد قريش إذ عاهدوا رسول الله صلى الله عليه وسلم ومدتهم

ان دنوں میں جب قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر رکھی تھی۔

یہاں عہد سے مراد "صلح حدیبیہ" ہے۔

اور مطلب یہ ہے کہ حضرت اسماء کے ہاں ان کی والدہ کا جو آنا ہوا، وہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی دنوں میں تھا(۳)۔

مع أبيها

اپنے والد کے ساتھ۔

اس میں ضمیر مجرور حضرت اسماء کی والدہ کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی ان کی والدہ کے ساتھ ان کے نانا بھی تھے۔ اور یہ غلط اور تصحیف ہے۔ صحیح لفظ "ابنها" ہے، یعنی اپنے بیٹے کے ساتھ، جن کا نام حارث بن مدرک بن عبید بن عمرو بن مخزوم ہے، كما قاله الزبير بن بكار. حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ولم أر له ذكرا في الصحابة، فكأنه مات مشركاً"(٤).

(☆) فتح الباري: ٥/٢٣٣.

(١) حوالہ بالا

(٢) فتح الباري: ٥/٢٣٤، وعمدة القاري: ١٣/١٧٤، كتاب الهبة، باب الهدية للمشركين، رقم (٢٦٢٠).

(٣) فتح الباري: ٥/٢٣٤، وعمدة القاري: ١٥/١٠٤، وشرح القسطلاني: ٥/٢٤٥.

(٤) فتح الباري: ٥/٢٣٤، وأيضاً عمدة القاري: ١٣/١٧٣، وإرشاد الساري: ٤/٣٦٢.

پھران کے باپ یعنی حضرت اسماء کے نانا کے نام میں بھی اختلاف ہے، بعضوں نے کہا ہے کہ عبدالعزی نام ہے اور یہی مشہور ہے(۱)۔

جب کہ علامہ قسطلانی کا کلام اس میں مختلط ہے، چناں چہ کبھی وہ ان کا نام عبدالعزی لکھتے ہیں(۲) اور کہیں حارث بن مدرک ان کا نام لکھا ہے(۳)، لیکن یہ غلط ہے، اصل میں حارث بن مدرک تو ان کے بیٹے کا نام ہے، اس طرح مدرک بن عبید شوہر ہوئے۔

فاستفتت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت: يا رسول الله، إن أمي قدمت علي وهي راغبة أفأصلها؟ قال: نعم، صليها.

چنانچہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! میری والدہ میرے پاس آئی ہیں، درانحالیکہ وہ رغبت رکھتی ہیں، میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ آپ نے فرمایا، بالکل کرو۔

فاستفتت اور قالت کی ضمیر غائب حضرت اسماء کی طرف راجع ہے، جب کہ ابوذر اور حموی کے نسخے میں فاستفتیتُ وقلتُ ضمیر متکلم کے ساتھ ہے(۴)۔ اور "وهي راغبة" کے دو معنی ومطلب ہیں:

❶ وهي راغبة في أن تأخذ مني بعض المال کہ وہ مجھ سے کچھ مال لینے میں رغبت رکھتی ہیں، مطلب یہ ہوا کہ ان کے میرے پاس آنے کا مقصد یہ ہے کہ میں انہیں کچھ دوں، میں ان پر خرچ کروں۔

اور یہ جائز ہے کہ عورت اپنی والدہ یا والد کو کچھ مال وغیرہ دے دے، اگر چہ مال شوہر کا ہو اور والدہ یا والد مشرک ہوں، اس پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الأدب میں دو ترجمے بھی قائم کیے ہیں(۵)۔

❷ وهي راغبة في الإسلام کہ وہ اسلام قبول کرنے میں رغبت رکھتی ہیں، مطلب یہ ہے کہ وہ اسلام

---

(۱) فتح الباري: ۵/۲۳٤، وعمدة القاري: ۱۳/۱۷٤، والإصابة: ٤/۲۲۹، رقم (٤٦).

(۲) لم أجده في شرح القسطلاني.

(۳) شرح القسطلاني: ۵/۲٤۵.

(٤) حواله بالا.

(۵) صحيح بخاري، كتاب الأدب، باب صلة الوالد المشرك، وباب صلة المرأة أمَّها ولها زوج. نیز دیکھیے، كشف الباري، كتاب الأدب: ۳٤۲-۳٤٤.

قبول کرنے کی نیت سے آئی ہیں (۱)۔

اسی مطلب کو لے کر بعض حضرات نے ان کے مسلمان ہونے کا قول نقل کر دیا، جس کو ابو موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے یوں رد کیا ہے کہ کسی بھی روایت میں یہ منقول نہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کیا تھا، درست مطلب وہی ہے جو اوپر گذرا کہ وہ مال لینے کو آئی تھیں، اسی لیے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے استفسار بھی کیا تھا، اگر اسلام قبول کرنے آئی ہوتیں تو اجازت کی ضرورت ہی نہیں تھی (۲)۔

علاوہ ازیں اس جملے کے اور معنی بھی بیان کیے گئے ہیں (۳)، ان سب میں راجح قول پہلا ہی ہے۔
كما يدل عليه صنيع البخاري أيضاً.

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

ترجمہ سابقہ کے ساتھ اس حدیث کا تعلق ومناسبت بایں معنی ہے کہ عدم غدر کا مقتضا یہ ہے کہ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی وحسن سلوک جائز ہو، اگر چہ وہ غیر مذہب پر ہوں، بلاشبہہ یہ حدیث اس مقتضا پر پوری اترتی ہے (۴)۔

حضرت شیخ الحدیث کی رائے

جیسا کہ یہ بات آپ کی نظروں سے گذری کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ترجمۃ الباب میں صرف "باب" کہا ہے اور سابق میں ہم شراح بخاری کے حوالے سے یہ نقل کر چکے ہیں کہ یہ كالفصل من السابق ہے، یعنی جو مقصد سابقہ باب کا تھا وہی اس باب کا بھی ہے اور یہ اس کا تتمہ ہے۔

لیکن حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب کے لیے یہ ترجمہ قائم کیا جا سکتا ہے،
"باب مضار الغدر ومنافع عدمه ...... أي الوفاء"(٥).

---

(١) فتح الباري: ٥/٢٣٤، وعمدة القاري: ١٣/١٧٤، وإرشاد الساري: ٥/٢٤٥.

(٢) فتح الباري: ٥/٢٣٤، وعمدة القاري: ١٣/١٧٤.

(٣) فتح الباري: ٥/٢٣٤.

(٤) عمدة القاري: ١٥/١٠٤، وفتح الباري: ٦/٢٨٢.

(٥) الأبواب والتراجم للكاندهلوي: ١/٢٠٩.

یعنی اس باب کو قائم کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بدعہدی وغدر کی مضرتیں ونقصانات اور وفائے عہد کے منافع ومصالح کو بیان کیا جائے۔

بلاشبہ احادیث باب اس ترجمہ پر پورا اترتی ہیں، پہلی حدیث جس کا تعلق حدیبیہ سے تھا، تو اس طرح اس ترجمہ سے منطبق ہوگی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے صلح حدیبیہ کے شرائط کی پاسداری کی، اگرچہ بعض کا دل مطمئن نہیں تھا، لیکن اس کا ثمرہ ''فتح مکہ'' کی صورت میں ظاہر ہوا، اسی لیے اللہ عز وجل نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا تھا۔

جب کہ دوسری حدیث، یعنی حدیث اسماء رضی اللہ عنہا کا تعلق بھی صلح حدیبیہ سے ہے، کہ حضرت اسماء کی مذکورہ والدہ ان کے پاس صلح کے دنوں میں آئی تھیں، چنانچہ مسلمانوں اور خود حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے مذکورہ معاہدے کی پاسداری کرتے ہوئے ان کی والدہ کو کچھ بھی نہیں کہا، کوئی نقصان نہیں پہنچایا، بلکہ انہیں فائدہ ہی پہنچایا، حالانکہ وہ مشرکہ تھیں اور کچھ بھی ممکن تھا، اس سے وفائے عہد کی اہمیت ومنفعت بخوبی واضح ہو رہی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

۱۸ – باب : الْمُصَالَحَةِ عَلَى ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ أَوْ وَقْتٍ مَعْلُومٍ.

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ فرما رہے ہیں کہ کفار کے ساتھ جو مصالحت کی جائے گی وہ تین دن کے لیے بھی ہوسکتی ہے اور اس کے لیے کوئی اور وقت بھی مقرر کیا جاسکتا ہے(۱)۔

صلح کی انتہائی مدت کیا ہے؟

وقت مقررہ میں مصالحت کے اندر اتفاق ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ مصالحت کی زیادہ سے زیادہ مدت کیا ہوسکتی ہے؟

ائمہ اربعہ میں امام شافعی اور ایک روایت میں امام احمد کی رائے یہ ہے کہ مصالحت کی مدت زیادہ سے زیادہ دس سال مقرر کی جاسکتی ہے، اگر اس سے زائد کوئی مدت مقرر ہو تو وہ باطل ہے، اس زیادتی کا اعتبار نہیں ہوگا(۲)۔

(۱) عمدة القاري: ۱۰۴/۱۵، وفتح الباري: ۲۸۲/٦.

(۲) المغني: ۲۳۸/۹، رقم (۷۵۹۱)، والأم: ۱۸۹/٤/۲، المهادنة على النظر للمسلمين، رقم (۱۳۳۵٦).

یہ حضرات صلح حدیبیہ سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں دس سال کی مدت مقرر فرمائی تھی، چنانچہ ابوداؤد اور سیرت ابن اسحاق (۱) میں دس سال کی مدت کی صراحت موجود ہے۔

جب کہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک اور ایک روایت میں امام احمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مدت دس سال سے زائد ہو تو بھی جائز ہے، امام وقت کی رائے پر اس کا مدار ہے، وہ جتنی مدت مناسب سمجھے مقرر کرسکتا ہے (۲)۔

اور صلح حدیبیہ کی مدت سے استدلال کرنا بے محل ہے، اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر دس سال کی مدت مقرر کی تھی تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ اس سے اضافہ ممکن نہیں اور آپ نے اس مدت کو انتہائی مدت قرار دیا ہے؟ اس وقت مصلحت کا تقاضا یہی تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال کی مدت مقرر فرمائی تھی۔

نیز امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک عقد ہے، جو دس سال کے لیے جائز ہے تو اس سے زائد مدت کے لیے بھی جائز ہوگا، جیسا کہ اجارہ میں ہوتا ہے (۳)۔

٣٠١٣ : حدّثنا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ حَكِيمٍ : حَدَّثَنَا شُرَيْحُ بْنُ مَسْلَمَةَ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ ٱبْنُ يُوسُفَ بْنِ أَبِي إِسْحٰقَ قالَ : حَدَّثَنِي أَبِي ، عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ قالَ : حَدَّثَنِي ٱلْبَرَاءُ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ (٤) : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا أَرَادَ أَنْ يَعْتَمِرَ ، أَرْسَلَ إِلَى أَهْلِ مَكَّةَ ، يَسْتَأْذِنُهُمْ لِيَدْخُلَ مَكَّةَ ، فَٱشْتَرَطُوا عَلَيْهِ أَنْ لَا يُقِيمَ بِهَا إِلَّا ثَلَاثَ لَيَالٍ ، وَلَا يَدْخُلَهَا إِلَّا بِجُلُبَّانِ السِّلَاحِ ، وَلَا يَدْعُوَ مِنْهُمْ أَحَدًا ،

---

(١) "قال ابن المنذر: اختلف العلماء في المدة التي كانت بين رسول الله صلى الله عليه وسلم وبين أهل مكة عام الحديبية؟ فقال عروة: كانت أربع سنين، وقال ابن جريج: كانت ثلاث سنين، وقال ابن إسحاق: كانت عشر سنين". انظر تفسير القرطبي: ٨/٤٠.

(٢) امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وقال ابن حبيب عن مالك رضي الله عنه: تجوز مهادنة المشركين السنة والسنتين والثلاث، وإلى غير مدة". الجامع لأحكام القرآن: ٨/٤١، وانظر أيضاً بداية المجتهد: ٣/٤٣٩، الفصل السادس في جواز المهادنة......، والهداية: ٤/٢٠٤، باب الموادعة، من كتاب السير.

(٣) المغني: ٩/٢٣٨.

(٤) قوله : "البراء": الحديث، مر تخريجه في كتاب العمرة، باب كم اعتمر النبي صلى الله عليه وسلم؟

قالَ : فَأَخذَ يَكْتُبُ الشَّرطَ بَيْنَهُمْ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ ، فَكَتَبَ : هٰذَا ما قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ ٱللهِ ، فَقَالُوا : لَوْ عَلِمْنَا أَنَّكَ رَسُولُ ٱللهِ لَمْ نَمْنَعْكَ وَلَبَايَعْنَاكَ ، وَلٰكِنِ ٱكْتُبْ : هٰذَا ما قاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ ، فَقَالَ : (أَنَا وَٱللهِ محمَّدُ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ ، وَأَنَا وَٱللهِ رَسُولُ ٱللهِ) . قالَ : وَكانَ لَا يَكْتُبُ ، قالَ : فَقَالَ لِعَلِيٍّ : (ٱمْحَ رَسُولَ ٱللهِ) . فَقَالَ عَلِيٌّ : وَٱللهِ لَا أَمْحَاهُ أَبدًا ، قالَ : (فَأَرِنِيهِ) . قالَ : فَأَرَاهُ إِيَّاهُ فَمَحَاهُ النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِهِ . فَلَمَّا دَخَلَ وَمَضَى الْأَيَّامُ ، أَتَوْا عَلِيًّا فَقَالُوا : مُرْ صَاحِبَكَ فَلْيَرْتَحِلْ ، فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُولِ ٱللهِ ﷺ فَقَالَ : (نَعَمْ) . ثُمَّ ٱرْتَحَلَ .

[ر : ١٦٨٩]

تراجم رجال

۱– احمد بن عثمان بن حكيم

یہ ابوعبداللہ احمد بن عثمان بن حکیم بن دینار ازدی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲– شريح بن مسلمه

یہ شریح بن مسلمہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳– ابراهيم بن يوسف

یہ ابراہیم بن یوسف بن ابی اسحاق کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٤– أبي

أب سے مراد یوسف بن ابی اسحاق رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۱)۔

٥– ابو اسحاق

یہ مشہور محدث ابواسحاق عمرو بن عبداللہ کوفی سبیعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات كتاب الإيمان، "باب الصلاة من الإيمان" کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

---

(۱) ان چاروں حضرات کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب إذا ألقي على ظهر المصلي قذر......

(۲) كشف الباري: ۲/۳۷۰.

٦– البراء

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے حالات بھی كتاب الإيمان کے مذکورہ بالا باب میں گذر چکے(۱)۔

حدیث باب کا ترجمہ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عمرے کی ادائیگی کا ارادہ کیا تو اہل مکہ کی طرف سے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی اجازت کے لیے پیغام بھیجا۔ چناں چہ اہل مکہ نے یہ شرط لگائی کہ آپ علیہ السلام وہاں صرف تین دن قیام کریں گے، ہتھیار بند ہو کر آئیں گے اور اہل مکہ میں سے کسی کو اپنے پاس آنے نہیں دیں گے۔

حضرات براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فریقین کے درمیان طے شدہ شرائط کو حضرت علی رضی اللہ عنہ لکھنے لگے تو انہوں نے لکھا، "هذا ما قاضى عليه محمد رسول الله" اس پر قریش مکہ نے کہا کہ اگر ہمیں یہ یقین ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو نہ روکتے اور آپ کی بیعت ضرور کرتے، لیکن یہ لکھیں، "هذا ما قاضى عليه محمد بن عبدالله......" جناب نبی علیہ السلام نے فرمایا، بخدا! میں محمد بن عبداللہ ہوں، بخدا! میں اللہ کا رسول ہوں۔ حضرت براء فرماتے ہیں کہ حضرت علی لکھنے پر آمادہ نہیں تھے تو نبی علیہ السلام نے ان سے کہا، "رسول اللہ" کے الفاظ مٹا دو۔ انہوں نے فرمایا، بخدا! میں ان کلمات کو نہیں مٹاؤں گا۔ فرمایا مجھے دکھلاؤ۔ انہوں نے وہ جگہ دکھلائی، چناں چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے ان کو مٹ دیا۔ جب نبی علیہ السلام مکہ میں داخل ہو گئے اور مذکورہ ایام بھی گذر گئے تو کفار مکہ حضرت علی کے پاس آئے اور کہا کہ اپنے مقتدا سے کہو کہ یہاں سے تشریف لے جائیں، یہ بات انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی تو آپ نے فرمایا، ٹھیک ہے۔ پھر روانہ ہو گئے۔

جلبان کا ضبط و معنی

ولا يدخلها إلا بجلبان السلاح میں جلبان جیم اور لام کے ضمہ اور بائے مشددہ کے ساتھ ہے، نیز اس کو جیم کے ضمہ، لام کے سکون اور بائے مخففہ کے ساتھ بھی ضبط کیا گیا ہے۔

---

(۱) كشف الباري: ۲/۳۷۵.

جلبان چمڑے کی اس تھیلی کو کہتے ہیں جس میں میان سمیت تلوار رکھی جائے۔علامہ ابن الاثیر فرماتے ہیں، "شبه الجراب من الأدم، ويوضع فيه السيف مغمودا"(١).

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیثِ باب کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے سے بخوبی ظاہر ہورہی ہے کہ "أن لا يقيم بها إلا ثلاث ليال"(٢) جس سے یہ ثابت ہورہا ہے کہ مقررہ وقت کے لیے صلح کی جاسکتی ہے۔

١٩ - باب : الْمُوَادَعَةِ مِنْ غَيْرِ وَقْتٍ.

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس امر کا جواز بتلا رہے ہیں کہ وقت اور مدت کی تعیین کے بغیر اگر مصالحت کی جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے، اگر امام اس میں مصلحت سمجھتا ہے اور اس کی رائے ہے(٣)۔

مذکورہ مسئلہ میں اختلاف

اوپر ذکر کردہ مسئلے میں بھی ائمہ کا اختلاف ہے، احناف وشوافع ومالکیہ کی رائے میں بغیر تعیین وقت بھی مصالحت درست ہے(۴)۔

ان حضرات کی دلیل وہی حدیث ہے جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیقاً نقل کیا ہے، اس میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ غیر معینہ مدت کے لیے صلح کی تھی، اس لیے اگر امام وقت اور اہل رائے یہ سمجھتے ہوں اور اس کی ضرورت بھی ہو کہ صلح کرلی جائے تو جائز ہے، علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

(١) القاموس الوحيد، باب الجيم، مادة "جلب"، وعمدة القاري: ١٠٥/١٥، والنهاية في غريب الحديث: ٢٨٢/١، باب الجيم مع اللام، وكشف المشكل: ٢٥٠/٢، من مسند البراء، رقم (٨٥٨).

(٢) عمدة القاري: ١٠٥/١٥، حدیث کی مزید تشریح کے لیے دیکھیے، کشف الباري، كتاب المغازي، باب صلح الحديبية: ٣٦٥-٣٦٧.

(٣) عمدة القاري: ١٠٥/١٥، وفتح الباري: ٢٨٢/٦.

(٤) حواله جات بالا، وابن بطال: ٣٦٧/٥، وإرشاد الساري: ٢٤٦/٥، والأم: ١٨٩/٤/٢، رقم (١٣٣٥٧).

"ليس في أمر المهادنة حد عند أهل العلم لايجوز غيره، وإنما ذلك على حسب الحاجة، والاجتهاد في ذلك إلى الإمام وأهل الرأي"(١).

اس کے برخلاف حنابلہ اس امر کے قائل ہیں کہ اس طرح کی مصالحت جائز نہیں (۲)۔

وَقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ : (أُقِرُّكُمْ ما أَقَرَّكُمُ اللّٰهُ بِهِ). [ر : ٢٢١٣]

اور نبی علیہ السلام کا قول مبارک جب تک اللہ تعالیٰ تمہیں اس جگہ برقرار رکھے، میں بھی برقرار رکھوں گا۔

تعلیقِ مذکور کا مقصد

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں اس لیے ذکر کیا کہ ان کے موقف، جو ترجمۃ الباب میں انہوں نے اختیار کیا، پر مستدل ہو کہ مصالحت بغیر تعیین مدت درست ہے، جیسا کہ یہ حدیث دلالت کر رہی ہے۔

تعلیق مذکور کی تخریج

مذکورہ تعلیق کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے موصولاً کتاب المزارعۃ (۳) میں نقل کیا ہے۔ اس موصول روایت کے ایک ٹکڑے کو مصنف علیہ الرحمۃ نے یہاں درج کیا ہے (۴)۔

ان کے علاوہ اس حدیث کو موصولاً امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کیا ہے (۵)۔

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

ترجمۃ الباب کے ساتھ تعلیق کی مناسبت واضح ہے کہ ترجمہ غیر معینہ مدت کی مصالحت کے جواز کا تھا اور اس دعویٰ کی دلیل حدیث میں موجود ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

---

(١) شرح ابن بطال: ٥/٣٦٧.

(٢) المغني لابن قدامة: ٩/٢٣٨، رقم (٧٥٩٠).

(٣) الصحيح للبخاري، كتاب المزارعة، باب إذا قال رب الأرض: أقرك ......، رقم (٢٣٣٨).

(٤) عمدة القاري: ١٥/١٠٥، وفتح الباري: ٦/٢٨٢.

(٥) الصحيح لمسلم، كتاب المساقاة، باب المساقاة والمعاملة بجزء من التمر ......، رقم (٣٩٦٧).

٢٠ – باب : طَرْحِ جِيَفِ الْمُشْرِكِينَ فِي الْبِئْرِ ، وَلَا يُؤْخَذُ لَهُمْ ثَمَنٌ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس ترجمے کے دو جز ہیں:

❶ طرح جيف المشركين في البئر، ❷ ولا يؤخذ لهم ثمن.

پہلے جز کا مقصد یہ ہے کہ مشرکین کو قتل کرنے کے بعد کنوئیں میں پھینکنا جائز ہے، بلکہ مستحسن ہے، تا کہ گذرنے والوں کو تکلیف نہ ہو، بشرطیکہ کنوئیں میں پانی نہ ہو اور وہ ویسے ہی ویران پڑا ہوا ہو، ورنہ جائز نہیں ہوگا(۱)۔

دوسری بات یہ ہے کہ مشرکین کی اس میں اہانت ہے، جب کہ تدفین وتکفین اعزاز ہے اور مشرکین اس اعزاز کے مستحق نہیں۔

جیف کا ضبط اور معنی

جِيَف –بكسر الجيم وفتح الياء– جيفة کی جمع ہے اور اس کے معنی لاش کے ہیں، جب وہ بو چھوڑنے لگے(۲)۔

دوسرے جزء کا مقصد یہ ہے کہ مشرکین کے اجسام ولاشوں کی بیع جائز نہیں ہے، اس لیے اگر ان کے ورثہ لاش کے بدلے قیمت دینا چاہیں تو اس کا لینا جائز نہیں ہوگا(۳)۔

یہ جمہور کا مذہب ہے، اس میں کسی کا اختلاف منقول نہیں، كما صرح به النووي رحمه الله(٤).

دلائل جمہور

❶ اس کی ایک دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جس کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے

(١) عمدة القاري: ١٠٥/١٥، وشرح ابن بطال: ٣٦٨/٥، وإرشاد الساري: ٢٤٦/٥.

(٢) عمدة القاري: ١٠٥/١٥، والنهاية للجزري: ٣٢٥/١، باب الجيم مع الياء.

(٣) عمدة القاري: ١٠٥/١٥، وشرح ابن بطال: ٣٦٨/٥، وإرشاد الساري: ٢٤٦/٥.

(٤) قال رحمه الله: "وأما الميتة والخمر والخنزير، فأجمع المسلمون على تحريم بيع كل واحد منها". انظر شرح النووي على مسلم: ٢٣/٢.

روایت کیا ہے کہ مشرکین نے چاہا کہ کسی مشرک آدمی کے جسد کو خرید یں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمادیا(۱)۔

❷ دوسری دلیل ابن اسحاق کا ذکر کردہ واقعہ ہے کہ مشرکین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ درخواست لے کر آئے کہ نوفل بن عبداللہ کا جسد ہمیں دے دیں، یہ خندق میں کود کر مرا تھا، تو نبی علیہ السلام نے فرمایا، "لا حاجة لنا في جسده، ولا بثمنه" کہ ہمیں اس کی قیمت کی ضرورت ہے، نہ جسم کی۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ مشرکین نے نوفل بن عبداللہ کے جسم کی دس ہزار درہم قیمت لگائی تھی (۲)۔

❸ اس کے علاوہ یہ وجہ بھی ہے کہ یہ میتہ ہے، جس کا تملک جائز ہے نہ عوض لینا، چناں چہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث میں میتہ اور بتوں کی قیمت لینے کو ناجائز قرار دیا گیا ہے(۳)، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا:

"إن الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام......"(٤).

کہ "اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام قرار دیا ہے"۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

(١) الجامع للترمذي، أبواب الجهاد، باب ماجاء لا تفادى جيفة المشركين، رقم (١٧١٥).

(٢) قال إبن اسحاق: "......: نوفل بن عبدالله بن المغيرة، سألوا رسولَ الله صلى الله عليه وسلم أن يبيعهم جسده، وكان اقتحم الخندق، فتورَّط فيه، فقُتِل، فغلب المسلمون على جسده، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا حاجة لنا في جسده ولا بثمنه، فخلى بينه وبينهم".

قال ابن هشام: "أعطوا رسولَ الله صلى الله عليه وسلم بجسده عشرة آلاف درهم، فيما بلغني عن الزهري". انظر السيرة النبوية: ٢٦٥/٣، قتلى المشركين (في غزوة الخندق).

(٣) ابن بطال: ٣٦٨/٥، وفتح الباري: ٢٨٣/٦، وعمدة القاري: ١٠٥/١٥، والقسطلاني: ٢٤٦/٥.

(٤) الحديث أخرجه البخاري في البيوع، باب بيع الميتة والأصنام، رقم (٢٢٣٦)، ومسلم في صحيحه في المساقاة، باب تحريم بيع الخمر والميتة، رقم (٤٠٤٨-٤٠٤٩)، والترمذي في البيوع، باب في بيع جلود الميتة، رقم (١٢٩٧)، وأبوداود في الإجارة، باب في ثمن الخمر والميتة، رقم (٣٤٨٦)، والنسائي في البيوع، باب بيع الخنزير، رقم (٤٦٦٩)، وابن ماجه في التجارات، باب ما لا يحل بيعه، رقم (٢١٦٧).

"ولا يؤخذ لهم ثمن"؛ فإن البيع وإن كان فيه توهين للمبيع، ولكنه لايخلو عن إعزاز له أيضاً؛ لما فيه من جعله ذا خطر؛ إذ البيع لايجري فيما لا رغبة فيه، ولا هو ذو خطر، فنُهينا عن بيع أجساد المشركين؛ لئلا يلزم فيه إعزازها"(١).

جس کا مطلب یہ ہے کہ "اجساد مشرکین کا عوض نہیں لیا جائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ بیع کی وجہ سے اگر چہ مبیع کی توہین ہوتی ہے، لیکن ساتھ ہی اس میں اس کا اعزاز واکرام بھی ہوتا ہے کہ اس کی کوئی حیثیت تھی تبھی تو قابل فروخت ہوئی، کیوں کہ بیع تو ان اشیاء کی ہوتی ہی نہیں، جن میں لوگوں کی رغبت نہ ہو، جن کی حیثیت نہ ہو، اسی لیے ہمیں اجساد مشرکین کی فروخت سے منع کیا گیا، تاکہ اس بیع کی وجہ سے ان کا اعزاز لازم نہ آئے، چناں چہ مطلقاً ممانعت کر دی گئی، اس طرح ان میں لوگوں کی رغبت ہوگی نہ ان کے نزدیک ان اجساد کی کوئی حیثیت"۔

٣٠١٤ : حدّثنا عَبْدَانُ بْنُ عُثْمَانَ قالَ : أَخْبَرَنِي أَبِي ، عَنْ شُعْبَةَ ، عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ(٢) رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قالَ : بَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ سَاجِدٌ ، وَحَوْلَهُ نَاسٌ مِنْ قُرَيْشٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ؛ إِذْ جاءَ عُقْبَةُ بْنُ أَبِي مُعَيْطٍ بِسَلَى جَزُورٍ ، فَقَذَفَهُ عَلَى ظَهْرِ النَّبِيِّ ﷺ ، فَلَمْ يَرْفَعْ رَأْسَهُ حَتَّى جاءَتْ فاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ ، فَأَخَذَتْ مِنْ ظَهْرِهِ ، وَدَعَتْ عَلَى مَنْ صَنَعَ ذٰلِكَ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (اللّٰهُمَّ عَلَيْكَ الْمَلَأَ مِنْ قُرَيْشٍ ، اللّٰهُمَّ عَلَيْكَ أَبَا جَهْلِ بْنَ هِشَامٍ ، وَعُتْبَةَ بْنَ رَبِيعَةَ ، وَشَيْبَةَ بْنَ رَبِيعَةَ ، وَعُقْبَةَ بْنَ أَبِي مُعَيْطٍ ، وَأُمَيَّةَ بْنَ خَلَفٍ ، أَوْ : أُبَيَّ بْنَ خَلَفٍ) . فَلَقَدْ رَأَيْتُهُمْ قُتِلُوا يَوْمَ بَدْرٍ ، فَأُلْقُوا فِي بِئْرٍ ، غَيْرَ أُمَيَّةَ أَوْ أُبَيٍّ ، فَإِنَّهُ كانَ رَجُلًا ضَخْمًا ، فَلَمَّا جَرُّوهُ تَقَطَّعَتْ أَوْصَالُهُ قَبْلَ أَنْ يُلْقَى فِي الْبِئْرِ . [ر : ٢٣٧]

یہ حدیث بعینہ اسی سند کے ساتھ کتاب الوضوء(٣) میں گذر چکی ہے۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں تھے اور آپ کے

(١) لامع الدراري: ٧/٣٢٨.

(٢) قوله: "عن عبدالله رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في الوضوء، باب إذا ألقي على ظهر ......

(٣) كتاب الوضوء، باب إذا ألقي على ظهر المصلي قذر......

گرد اگرد قریش کے کچھ مشرکین بیٹھے تھے، اچانک عقبہ بن ابی معیط آپ علیہ السلام کے پاس اونٹ کی بچہ دانی لے کر آیا، جو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ پر ڈال دی، چناں چہ نبی علیہ السلام نے اپنا سر سجدے سے نہیں اٹھایا، یہاں تک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور وہ بچہ دانی آپ کی پیٹھ سے ہٹا دی، جن لوگوں نے یہ غلیظ حرکت کی تھی ان کے لیے بددعا فرمائی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے لیے بددعا کرتے ہوئے فرمایا کہ اے اللہ! قریش کے اس گروہ کی گرفت فرما، اے اللہ! ابوجہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، عقبہ بن ابی معیط اور امیہ بن خلف یا ابی بن خلف (راوی کو شک ہے) کی گرفت فرما۔ (راوی حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ) بخدا! میں نے ان سب کو دیکھا کہ وہ غزوہ بدر میں مارے گئے، چناں چہ ان سب کو کنوئیں میں ڈال دیا گیا، سوائے امیہ یا ابی کے، اس کی وجہ یہ ہوئی کہ یہ بڑے ڈیل ڈول کا آدمی تھا، جب اس کو صحابہ نے کھینچا تو اس کے اعضاء یا جوڑ کھل گئے، قبل اس کے کہ اس کو کنوئیں میں ڈالا جائے۔

حدیث کے آخری جز ”فإنه كان رجلا......“ کی تشریح

اس حدیث کے آخری جز میں ایک لفظ اوصال آیا ہے، جو وصل کی جمع ہے، اس کے معنی عضو کے بھی ہیں اور جوڑ کے بھی (۱) اور مذکورہ جملے کا مطلب یہ ہے کہ جب صحابہ نے امیہ بن خلف کو کنوئیں میں ڈالنے کے لیے کھینچنا چاہا تو ممکن نہ ہوا، کیوں کہ اس کے اعضاء ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکے تھے۔

اس کی بنیادی وجہ یہ ہوئی تھی کہ وہ رمضان کے ایام تھے اور بہت گرمی تھی (۲)، چناں چہ مرنے کے بعد کافی دیر اسی حالت میں پڑے رہنے کی وجہ سے ان کے جسم پھول گئے اور سیاہ پڑ گئے تھے، لہٰذا جب ان کو کنوئیں میں ڈالنے لگے تو امیہ بن خلف چوں کہ بھاری جسم کا تھا، اس لیے ممکن نہ ہوا کہ اس کو کنوئیں میں ڈالا جائے، اس لیے اس کو اسی حال پر چھوڑ دیا گیا (۳)۔

اس حدیث کی دیگر تشریحات کتاب الجہاد اور کتاب المغازی میں آچکی ہیں (۴)۔

---

(۱) مجمع بحار الأنوار: ٥/٦٣، مادة وصل، باب: و، ص.

(۲) كما في المغازي: ”وكان يوما حارا“، باب دعاء النبي صلى الله عليه وسلم على ......، رقم (٣٩٦٠).

(۳) لامع الدراري وتعليقاته: ٧/٣٢٨.

(٤) كشف الباري، كتاب الجهاد: ١/٧٣٠-٧٣٣، وكتاب المغازي: ١٠٠.

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

ترجمۃ الباب کے جزءِاول کے ساتھ تو حدیث کی مطابقت اس جملے میں ہے، "......فألقوا في بئر" جس سے اس فعل کا جواز صراحۃً معلوم ہورہا ہے کہ مشرکین کی لاشوں کو غیر آباد کنوئیں میں ڈالنا جائز ہے۔

ترجمہ کے دوسرے جز کے ساتھ حدیث کی مناسبت بایں معنی ہے کہ عرفاً یہ امر معلوم ہے کہ ان مقتولین کے ورثہ کی سمجھ میں اگر یہ بات آجاتی کہ اگر ہم مال خرچ کریں گے تو ان لاشوں کا حصول ممکن ہوگا اس کے باوجود انہوں نے یہ کوشش نہ کی، کیوں کہ انہیں اس کا بخوبی علم تھا کہ یہ کوشش ضائع جائے گی، اس پر ترمذی کی مذکورہ بالا حدیث بھی دلالت کررہی ہے(۱)، جس کو سابق میں ہم نے بیان کیا، اسی طرح ابن اسحاق کی روایت کی دلالت بھی اس معاملے میں واضح ہے، بقول حافظ ابن حجر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہما کا حدیث باب سے مذکورہ مسئلے پر استدلال اسی نکتے وعرف کی بنیاد پر ہے(۲)۔

حدیث باب سے مستنبط ایک فائدہ

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ہر بنی آدم، خواہ وہ مسلم ہو یا کافر، کی میت کو چھپانا اور اس کو دفن کرنا فرض ہے، لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھنے کے لیے بھلے کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جائے، اس کا اختیار کرنا ضروری ہے، اس کی وجہ اور دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حکم ہے، جس میں مشرکین کو بدر کے کنوئیں میں ڈالنے کا حکم دیا گیا اور کھلی جگہ پر انہیں چھوڑے نہیں رکھا گیا، اس لیے اس معاملے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا و پیروی زیادہ بہتر و مستحب ہے، لیکن موقع محل کی نزاکت کو بہر حال مدنظر رکھا جائے، یہ نہ ہو کہ...... مسلمان کفن دفن میں مصروف ہوں اور دشمن دوبارہ حملہ کردے۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل حرب مشرکین کے ساتھ یہ طریقہ رہا ہو تو وہ مشرکین جو اہل عہد وذمہ ہیں، اگر ان کا کوئی بندہ مرجائے، اس کا کوئی ولی نہ ہو، نہ کوئی ہم مذہب اور مسلمان وہاں موجود ہوں تو سنت

---

(۱) اس حدیث پر اگرچہ کلام کیا گیا ہے، لیکن یہ شاہد بن سکتی ہے، دیکھیے، جامع ترمذي، أبواب الجهاد، باب لا تفادى جيفة ......، رقم (١٧١٥)، وفتح الباري: ٢٨٣/٦، وشرح ابن بطال: ٣٦٨/٥.

(۲) شرح ابن بطال: ٣٦٨/٥، والمتواري: ١٩٩، وفتح الباري: ٢٨٣/٦، وتعليقات اللامع: ٣٢٨/٧.

کی رو سے اس کی میت کو چھپانا اور دفن کرنا اولی واحسن ہے۔ چناں چہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد ابو طالب کی وفات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا "اذهب فواره ......"(١). کہ "جاؤ! اوران کو چھپادو"۔

ہاں! اگر کسی مصروفیت یا مانع کی وجہ سے مسلمان یہ نہ کریں تو میرے خیال میں اس میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر مغازی جن میں قتل بھی ہوا، ان میں سے کسی میں بھی اس کا ذکر نہیں جس کا ذکر بدر کے حوالے سے ہوا کہ مشرکین کی لاشوں کو چھپادیا گیا تھا"(٢)۔ واللہ اعلم بالصواب

٢١ – باب : إِثْمِ الْغَادِرِ لِلْبَرِّ وَالفَاجِرِ .

ترجمة الباب کا مقصد

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ فرمار ہے ہیں کہ بدعہدی کرنا گناہ ہے، چاہے یہ بدعہدی کسی نیک آدمی کے ساتھ کی جائے یا کسی برے آدمی کے ساتھ، بدعہدی کرنے والا خواہ نیک ہو یا بد، چناں چہ حافظ صاحب اور علامہ عینی رحمہما اللہ وغیرہ لکھتے ہیں:

"أي: سواء كان من بر لفاجر أو برّ، ومن فاجر لبر أو فاجر"(٣).

اس لیے چھٹکارہ کسی صورت میں نہیں، ہر حال میں گناہ گار ہوگا اور یہ نفاق کی علامت ہے۔

حافظ علیہ الرحمۃ مزید فرماتے ہیں کہ اس باب اور تین ابواب قبل، جو ترجمہ (باب إثم من عاهد ثم

---

(١) الحديث أخرجه ابن أبي شيبة في مصنفه: ٣٧٩/٧، و٣٨١، كتاب الجنائز، باب في الرجل يموت له القرابة المشرك: يحضره أم لا؟ رقم (١١٩٦٢) و(١١٩٧٠)، وأبوداود في الجنائز، رقم (٣٢١٤)، والنسائي في الطهارة، رقم (١٩٠)، وانظر كذلك تعليقات محمد عوامه على المصنف، كتاب الجنائز، باب في المسلم يغسّل المشرك......، رقم (١١٢٦٧)، اس معنی میں دیگر احادیث بھی موجود ہیں، سنن بیہقی میں عمر بن يعلى بن مرة عن أبيه کے طریق سے مروی ہے، حضرت یعلی فرماتے ہیں، سافرت مع النبي صلى الله عليه وسلم غير مرة، فما رأيته مر بجيفة انسان إلا أمر بدفنه، لا يسأل أمسلم هو أم كافر". سنن كبرى: ٢٨٦/٣، كتاب الجنائز، باب وجوب العمل في الجنائز من الغسل ......، رقم (٦٦١٧).

علاوہ ازیں دیکھیے، مصنف ابن ابی شیبہ کا مذکورہ بالا باب: ٣٧٨/٧-٣٨١۔

(٢) شرح ابن بطال: ٣٦٩/٥-٣٧٠.

(٣) فتح الباري: ٢٨٤/٦، وعمدة القاري: ١٠٦/١٥.

غـــدر) گذرا، کے درمیانی عموم وخصوص کی نسبت ہے(۱)، مطلب یہ ہے کہ گذشتہ جو باب گذرا وہ عام تھا اور باب ہذا خاص ہے۔

اور حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ دونوں ابواب میں فرق یہ بیان کرتے ہیں کہ ان میں گناہ کی نوعیت کے اختلاف کی طرف اشارہ ہے کہ غدر کی مختلف نوعیتیں ہیں، اسی حساب سے ان کے گناہ بھی ہیں، اسی لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مطلب کو بیان کرنے کے لیے مختلف تراجم قائم فرمائے ہیں (۲)۔

اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ براور فاجر دونوں کے ذکر کی توجیہ کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لـما كان من الأمور المنكرة مالا كراهة فيه إذا ارتكبها مؤمن كامل في إيـمـانـه، ولا يمكن من ارتكابه الفاسق الغير الآمن على إيمانه توهم أن الغدر لعله من هذا القبيل، فرفعه بإطلاق الرواية، ولفظِ "كل" الدالِ على العموم"(۳).

جس کا مطلب یہ ہے کہ امور منکرہ میں کچھ ایسے بھی ہیں کہ اگر ان کا ارتکاب کوئی مومن کامل کرے تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہوتی، اس کو برا نہیں سمجھا جاتا، لیکن اگر وہی عمل کوئی فاسق اور ناقص مسلمان کرے تو اس کو اس کی اجازت نہیں دی جاتی اور روکا جاتا ہے، جیسا کہ یوم الشک کا روزہ ہے، چوں کہ غدر اور بدعہدی کے متعلق بھی یہ وہم کسی کو لاحق ہوسکتا تھا کہ یہ بھی اس قبیل سے ہے کہ مومن کامل کرے تو کوئی حرج نہیں اور غیر کامل کرے تو گناہ گار، اسی وہم کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کے اطلاق اور لفظ ''کل'' جو عموم پر دلالت کرتا ہے، کے ذریعے دور کیا ہے کہ بدعہدی خواہ نیک کرے یا بد، دونوں گناہ گار ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب

٣٠١٥ : حدّثنا أَبُو الْوَلِيدِ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ سُلَيْمانَ الْأَعْمَشِ ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ . وَعَنْ ثابِتٍ ، عَنْ أَنَسٍ(٤)، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (لِكُلِّ غادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيامَةِ ، قالَ أَحَدُهُما : يُنْصَبُ ، وَقالَ الآخَرُ : يُرَى يَوْمَ الْقِيامَةِ ، يُعْرَفُ بِهِ) .

---

(١) فتح الباري: ٦/٢٨٤.

(٢) الأبواب والتراجم للكاندهلوي: ١/٢٠٩.

(٣) حواله بالا، ولامع الدراري: ٧/٣٢٩.

(٤) قـولهـمـا: "عـن عبدالله، وعـن أنـس رضي الله عنهما": أما حديث عبدالله فأخرجه البخاري في هذا الموضع فقط، وأخرجه مسلم في الجهاد، باب في تحريم الغدر، رقم (٤٥٣٣-٤٥٣٥)، وابن ماجه، كتاب =

تراجم رجال

١ – ابو الولید

یہ ابوالولید ہشام بن عبدالملک طیالسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب علامة الإیمان حب الأنصار" کے تحت گذر چکا ہے(١)۔

٢ – شعبه

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج عتکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب المسلم من سلم المسلمون من ......" کے تحت آچکے ہیں(٢)۔

٣ – سليمان الأعمش

یہ سلیمان بن مہران المعروف بالأعمش رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا ترجمہ کتاب الإیمان، "باب ظلم دون ظلم" کے تحت آچکا ہے(٣)۔

٤ – ابو وائل

یہ ابووائل شقیق بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب خوف المؤمن من أن یحبط عمله......" کے تحت گذر چکا ہے(٤)۔

٥ – عبدالله

مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، "باب ظلم دون

= الجهاد، باب الوفاء بالبيعة، رقم (٢٨٧٢)، أما حديث أنس فأخرجه البخاري في هذا الموضع، وأخرجه مسلم، كتاب الجهاد، باب تحريم الغدر، رقم (٤٥٣٦).

(١) كشف الباري: ٢/٣٨.

(٢) كشف الباري: ١/٦٧٨.

(٣) كشف الباري: ٢/٢٥١.

(٤) كشف الباري: ٢/٥٥٩.

ظلم" کے تحت گذر چکے(۱)۔

٦- ثابت

یہ ابو محمد ثابت بن اسلم بُنانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب القراءة والعرض على المحدث" کے تحت گذر چکا(۲)۔

۷- انس

انس رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإيمان، "باب من الإيمان......" میں آچکے(۳)۔

سند حدیث سے متعلق ایک اہم وضاحت

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس حدیث کو دو صحابی ایک ساتھ روایت کر رہے ہیں، مذکورہ بالا سند میں "وعن ثابت......" کے جو الفاظ ہیں، ان کے قائل حضرت شعبہ بن الحجاج ہیں، مسلم شریف کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے، جس کا طریق یہ ہے، "عبدالرحمن بن مهدي عن شعبة عن ثابت عن أنس"(٤). اور امام اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو "أبوخليفة عن أبي الوليد شيخ البخاري" کے طریق سے دونوں سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے اور دونوں جگہ یہ فرمایا کہ اس سے اس شخص (٥) پر رد ہو رہا ہے، جس نے اس امر کو جائز قرار دیا ہے کہ یہ ابوالولید پر عطف ہے، اس طرح یہ روایت "الأعمش عن ثابت......" کے طریق سے ہوگی، جب کہ درحقیقت ایسا نہیں، بلکہ یہ "شعبة عن ثابت......" کے طریق سے ہے۔ اس کے علاوہ امام مزی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تہذیب (٦) میں روایتِ اعمش عن ثابت کو بخاری میں شامل نہیں کیا ہے اور اس پر بخاری کی علامت نہیں لگائی ہے (۷)۔

---

(١) كشف الباري: ٢٥٧/٢.

(٢) كشف الباري: ١٨٣/٣.

(٣) كشف الباري: ٤/٢.

(٤) انظر صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب تحريم الغدر، رقم (٤٥٣٦).

(٥) قال به الكرماني أيضاً، انظر شرحه الكواكب الدراري: ١٤٧/١٣، وعمدة القاري: ١٠٦/١٥.

(٦) تهذيب الكمال: ٧٧/١٢. (ترجمة سليمان بن مهران الأعمش رحمه الله).

(٧) فتح الباري: ٢٨٤/٦.

عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لكل غادر لواء يوم القيامة

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہر عہد شکن کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا ہوگا۔

قال أحدهما ينصب وقال الآخر: يرى يوم القيامة يعرف به.

دونوں میں سے ایک نے فرمایا کہ نصب کیا جائے گا اور دوسرے نے فرمایا جو دکھایا جائے گا، اس سے وہ پہچانا جائے گا۔

اس حدیث کی مسلم شریف کی جو روایت ہے، اس میں نہ تو کلمہ "ینصب" ہے نہ "یری" (۱) یہاں رواۃ کو شک ہوا ہے کہ ایک نے تو "ینصب" نقل کیا ہے، دوسرے نے "یری"۔ لیکن اس سے روایت کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیوں کہ دونوں روایتیں بخاری کی شرط پر ہیں، یہاں شک کو ذکر کرنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ التباس نہ ہو جائے (۲)۔

۳۰۱٦ : حدّثنا سُلَيْمانُ بْنُ حَرْبٍ : حَدَّثَنَا حَمَّادٌ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ نافِعٍ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا[۳] قالَ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : (لِكُلِّ غادِرٍ لِوَاءٌ يُنْصَبُ بِغَدْرَتِهِ) .
[٥٨٢٣ ، ٥٨٢٤ ، ٦٥٦٥ ، ٦٦٩٤]

---

(١) حواله بالا، وصحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب تحريم الغدر، رقم (٤٥٣٦).

(۲) یہ علامہ عینی (۱۵/۱۰٦) کی رائے ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرنے والے رواۃ کو شک ہوا ہے، لیکن یہ کون ہیں، معلوم نہیں ہو سکا۔ البتہ ہماری رائے یہ ہے کہ أحدہما سے مراد حضرت ابن مسعود اور الآخر سے حضرت انس رضی اللہ عنہما ہیں، اس پر قرینہ غالباً یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو دونوں صحابہ سے ایک ساتھ نقل کیا ہے، اس لیے ان کلمات کا قریب ترین محمل یہی دونوں صحابہ ہو سکتے ہیں، خصوصاً جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کا صرف ایک ہی طریق بیان کیا گیا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

(٣) قوله: "عن ابن عمر رضي الله عنهما": الحديث، أخرجه البخاري، كتاب الأدب، باب ما يدعى الناس بآبائهم، رقم (٦١٧٧-٦١٧٨)، وكتاب الحيل، باب إذا غصب جاريته فزعم ......، رقم (٦٩٦٦)، وكتاب الفتن، باب إذا قال عند قوم شيئاً......، رقم (٧١١١)، ومسلم، كتاب الجهاد، باب تحريم الغدر، رقم (٤٥٢٩-٤٥٣٢)، وأبوداود، أبواب الجهاد، باب في الوفاء بالعهد، رقم (٢٧٥٦)، والترمذي، أبواب السير، =

تراجم رجال

۱– سليمان بن حرب

یہ سلیمان بن حرب الواشحی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب من كره أن يعود في الكفر كما يكره أن......" کے تحت گزر چکا(۱)۔

۲– حماد

یہ حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب المعاصي من أمر الجاهلية......" کے تحت گذر چکے(۲)۔

۳– ایوب

یہ ایوب بن ابی تمیمہ کیسان سختیانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا ترجمہ کتاب الإیمان، "باب حلاوة الإيمان" کے تحت آچکا ہے(۳)۔

٤– نافع

یہ نافع مولیٰ ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب ذكر العلم والفتيا في المسجد" کے تحت گذر چکا(۴)۔

٥– ابن عمر

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حالات کتاب الإیمان، "باب الإيمان......" میں آچکے(۵)۔

= باب ماجاء أن لكل غادر لواءً......، رقم (١٥٨١).

(١) كشف الباري: ١٠٥/٢.

(٢) كشف الباري: ٢١٩/٢.

(٣) كشف الباري: ٢٦/٢.

(٤) كشف الباري: ٦٥١/٤.

(٥) كشف الباري: ٦٣٧/١.

قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: لكل غادر لواء ينصب لغدرته.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہر عہد شکن کے لیے (قیامت کے دن) ایک جھنڈا ہوگا، جو اس کی بدعہدی کی وجہ سے گاڑا جائے گا۔

بغدرته کی باء میں احتمالات

بغدرته کی باء یا توسببیہ ہے یا صرف جارہ ہے، دونوں صورتوں میں غدرته مجرور بحذف المضاف ہے، جو کلمۂ سبب ہے یا کلمۂ قدر، أي بسبب غدرته في الدنيا أو بقدر غدرته" (۱). مطلب یہ ہے کہ عہد شکن کے لیے جو جھنڈا گاڑا جائے گا اس کی وجہ اور سبب اس کی دنیا میں مختلف عہد شکنیاں ہوں گی۔

دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ دنیا میں عہد شکنی کی جو مقدار ہوگی، اس کے بقدر جھنڈا بھی بلند ہوگا (۲)۔ اس دوسرے معنی کی تایید مسلم شریف کی روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں "بقدر غدره" (۳) کی تصریح ہے (۴)۔

جھنڈا کہاں لگایا جائے گا؟

اکثر روایات میں اس امر کی وضاحت موجود نہیں ہے کہ عہد شکن کو جھنڈا گاڑنے کی جو سزا دی جائے گی، اس کا محل کیا ہوگا؟ ہاں! حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مسلم شریف کی روایت میں اس کی تصریح ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے، "لكل غادر لواء عند إسته يوم القيامة" (۵) کہ اس کا محل ومقام پشت (دبر) کے اوپر ہوگا۔

"لكل غادر لواء" کے مختلف معانی ومطالب

قیامت والے دن عہد شکن کو جو جھنڈا لگایا جائے گا اس کی وجہ کیا ہوگی؟

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۱۰۶.

(۲) كما في حديث أبي سعيد الخدري رضي الله عنه: "لكل غادر لواء يوم القيامة، يرفع له بقدر غدره......". انظر الصحيح لمسلم، كتاب الجهاد، باب تحريم الغدر، رقم (۴۵۳۸).

(۳) حواله بالا.

(۴) فتح الباري: ۶/۲۸۴.

(۵) انظر، صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب تحريم الغدر، رقم (۴۵۳۷).

اس کے مختلف جوابات شراح حدیث نے بیان کیے ہیں:

❶ علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن عہد شکن کو برسرِ محشر رسوا کریں گے، دنیا میں اس نے جو بدعہدی کی تھی اس کے بیان کے لیے جھنڈا نصب کیا جائے گا کہ یہ بدعہد ہے اور اس سے یہ پہچانا جائے گا، جس طرح کہ قائدِ لشکر اپنے جھنڈے سے پہچانا جاتا ہے(۱)۔

❷ علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گویا اس عہد شکن کے ساتھ اس کے قصد وارادے کے برخلاف عمل کیا جائے گا، اس لیے کہ جھنڈا عموماً سر پر ہوتا ہے، لیکن اس کا جھنڈا اینچے ہوگا، کہ اس کی خوب فضیحت ورسوائی ہو، کیوں کہ آنکھیں غالباً جھنڈوں کی طرف اٹھتی ہیں، تو اس بدعہد کا فعل بھی قیامت کے دن اس امر کا باعث وسبب ہوگا کہ لوگوں کی نگاہیں ان جھنڈوں پر مرکوز ہوں گی جو اس بدعہد کے لیے نصب کیے گئے۔ اس طرح اس کی خوب فضیحت ورسوائی ہوگی (۲)۔

❸ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "لكل غادر لواء" کے اس جملے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب کو اسی فعل کے ساتھ مخاطب کیا ہے جو وہ خود بھی کرتے تھے۔ چناں چہ اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ وفا کے لیے سفید جھنڈا اور بدعہدی کے لیے سیاہ جھنڈا بلند کرتے تھے (یعنی یہ دونوں رنگ ان دونوں افعال پر دلالت کرتے تھے)، تاکہ لوگ بدعہدی کے مرتکب کو لعنت ملامت کریں، اس کی مذمت کریں، اس لیے حدیث کا مقتضا بھی یہی ہے کہ بدعہد کے ساتھ قیامت والے دن اسی طرح ہو کہ اس کا یہ فعل مشہور ہو جائے اور اہل محشر اس کی مذمت کریں۔ جہاں تک وفاداری کا تعلق ہے اس کی بابت کوئی حدیث تو وارد نہیں ہوئی، لیکن یہ بعید نہیں کہ اس کی مدح وتعریف کے لیے بھی اسی طرح ہو کہ جھنڈا بلند کیا جائے اور لوگ اس کی مدح کریں، خصوصاً جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے "لواء الحمد" کا ہونا ثابت ہو (اس لیے لواء الوفاء کا ہونا بھی بعید نہیں) (۳)۔

احادیث ثلاثہ کی ترجمہ کے ساتھ مناسبت

اوپر تین احادیث کا ذکر آیا ہے، ایک حضرت ابن مسعود کی، دوسری حضرت انس کی اور تیسری حضرت

---

(۱) كتاب الميسر: ۳/۸۵۹، رقم (۲۷۰۷)، وعمدة القاري: ۱۵/۱۰۶.

(۲) فتح الباري: ٦/٢٨٤.

(۳) حواله بالا، والمفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، باب النهي عن الغدر، من كتاب الجهاد: ۱۱/٥٤.

ابن عمر رضی اللہ عنہم کی، ان تینوں احادیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت ان کلمات میں موجود ہے، "لكل غادر لواء......" کیوں کہ لفظ "کل" عموم پر دلالت کرتا ہے، جس سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ غدر، خواہ نیک سے صادر ہو یا بد سے، بہر حال مذموم اور گناہ کا کام ہے (۱)۔

حدیث سے مستنبط بعض فوائد

غدر و عہد شکنی حرام ہے۔

مذکورہ بالا احادیث سے ایک بات تو یہ ثابت ہوئی کہ غدر حرام ہے، خصوصاً جب اس کا مرتکب حاکم یا والی ہو، کیوں کہ اس کی عہد شکنی کا ضرر و نقصان متعدی ہوتا ہے اور مخلوقِ خدا اس سے متاثر ہوتی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ حاکم چوں کہ ایفائے عہد پر قادر ہوتا ہے، اس کے لیے کوئی مانع نہیں ہوتا، اس لیے اس سے بدعہدی کا صدور سمجھ میں نہیں آتا۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، مشہور تو یہ ہے کہ یہ حدیث اس حاکم و والی کی مذمت میں وارد ہوئی ہے، جو اُن وعدوں کو پورا نہ کرے جو اس نے رعیت سے کیے، یا اپنی فوج سے۔ یا اس ولایت وحکومت کے تقاضوں کو پورا نہ کرے، جن کا ذمہ اس نے لیا ہے۔

چناں چہ جب اس نے خیانت کی اور رعیت کے ساتھ نرمی و مہربانی کا سلوک روا نہ رکھا تو اس نے اپنے عہد و وعدے کے ساتھ غداری کی۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ حدیث کی مراد رعیت کو امام کی نافرمانی سے روکنا ہے، چناں چہ رعیت کو روا نہیں کہ وہ امام کے خلاف خروج و بغاوت کرے اور اس کی نافرمانی کے درپے ہو، کیوں کہ اس پر بہت سے فتنے ابھر سکتے ہیں۔

---

(۱) قال المهلب: "أخبر عليه السلام أن عقوبة الغادر يوم القيامة أن يرفع له لواء؛ ليعرف الناس بغدرته، فينظرون منه بعين المعصية، وهذه عقوبة من نوع ما قال الله في عاقبة الكاذبين على الله: ﴿ويقول الأشهاد هؤلاء الذين كذبوا على ربهم﴾ [هود: ١٨]، وإنما قال البخاري: باب "إثم الغادر للبر والفاجر" لعموم قوله عليه السلام: "لكل غادر لواء......" فدخل فيه من غدر من بر أو فاجر، دل أن الغدر حرام لجميع الناس، برهم وفاجرهم؛ لأن الغدر ظلم، وظلم الفاجر حرام كظلم البر التقي". انظر شرح ابن بطال: ٥/٣٧٠-٣٧١.

پھر قاضی صاحب پہلے قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں، "والصحيح الأول" (۱).

لیکن حدیث کو کسی ایک معنی کے ساتھ خاص کرنا مناسب نہیں، جب کہ وہ دوسرے معانی کو بھی محتمل ہو، اسی لیے حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ معلوم نہیں کہ اس حدیث کو عموم پر حمل کرنے میں کیا مانع ہے؟ پھر راوی حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ خود بھی اس سے وہی معنی مراد لیتے ہیں، جس کو قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے مرجوح قرار دیا ہے، چناں چہ کتاب الفتن کی روایت میں یہ زیادتی بھی مروی ہے:

"وإنا قد بايعنا هذا الرجل على بيع الله ورسوله، وإني لا أعلم غدرا أعظم من أن يبايع رجل على بيع الله ورسوله، ثم ينصب له القتال، وإني لا أعلم أحدا منكم خلعه، ولا بايع في هذا الأمر إلا كانت الفيصل بيني وبينه" (۲).

مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس آدمی (یزید بن معاویہ) کے ہاتھ پر اللہ ورسول کی شرط پر بیعت کی ہے اور میرے نزدیک اس سے بڑی کوئی عہد شکنی نہیں کہ ایک آدمی کے ہاتھ پر اللہ ورسول کی شرط پر بیعت کی جائے، پھر اس سے لڑا بھی جائے، اگر مجھے تم (اہل خانہ وخدام) میں سے کسی کے بارے میں معلوم ہو گیا کہ اس نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی ہے یا اس معاملے میں ان کی بیعت اختیار نہیں کی ہے تو میرے اور اس کے درمیان فیصلہ ہوگا (یعنی میرا اور اس کا تعلق ختم ہو جائے گا)۔

اس لیے حدیث کو عموم پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے۔ واللہ اعلم (۳)

قیامت کے دن کس نسبت سے پکارا جائے گا؟

حدیث باب کے بعض طرق میں یہ الفاظ بھی وارد ہیں: "هذه غدرة فلان بن فلان" (٤) کہ جھنڈا

(١) فتح الباري: ٦/٢٨٤، وإكمال المعلم شرح مسلم للقاضي عياض: ٦/١٩–٢٠، باب تحريم الغدر.

(٢) الصحيح للبخاري، كتاب الفتن، باب إذا قال عند قوم شيئاً، ثم ......، رقم (٧١١١).

(٣) فتح الباري: ٦/٢٨٤، وبه قال العيني في العمدة: ١٥/١٠٦.

(٤) مثلاً دیکھیے، صحيح بخاري، كتاب الأدب، باب ما يدعى الناس بآبائهم، رقم (٦١٧٧–٦١٧٨)، وكتاب الفتن، باب من قال عند قوم شيئاً......، رقم (٧١١١).

لگانے کے بعد مزید رسوائی کے لیے یہ اعلان بھی ہوگا کہ یہ فلاں ابن فلاں کی عہد شکنی (کا نتیجہ) ہے، اس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اولاد کو ان کے آباء کی نسبت سے پکارا جائے گا۔

جب کہ طبرانی کی ایک روایت، جو ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ اولاد کو ماؤں کی نسبت سے پکارا جائے گا......(۱)۔

اس تعارض کے دو جوابات ہیں:

❶ طبرانی کی مذکورہ بالا روایت کی سند انتہائی ضعیف ہے، اس لیے اس سے استدلال درست نہیں اور مقابلہ میں صحیحین وغیرہ کی روایت ہے، پھر ابوداؤد وغیرہ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع حدیث ہے، جس میں نسبۃ إلی الآباء کی صراحت ہے:"إنكم تدعون يوم القيامة بأسمائكم، وأسماء آبائكم، فأحسنوا أسمائكم"(۲).

❷ اگر نسبت إلى الأمهات والی روایت درست تسلیم کر بھی لی جائے تو حدیث باب میں ذکر کردہ امر اس عام سے خاص ہوگا، چنانچہ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وإن ثبت أنهم يدعون بأمهاتم فقد يخص هذا من العموم"(۳).

---

(۱) المعجم الكبير: ۸/۲۵۰، رقم (۷۹۷۹)، سعيد بن عبدالله الأودي عن أبي أمامة، ومجمع الزوائد: ۴۵/۳، الجنائز، باب تلقين الميت بعد دفنه، وقال الهيثمي: "وفي إسناده جماعة لم أعرفهم"، والجامع الكبير للسيوطي: ۳۴۹/۱، حرف الهمزة، رقم(۲۵۷۱)، وتهذيب سنن أبي داود لابن قيم: ۴۵۴/۲، باب مايدعى الناس......، وأخرج ابن عدي من حديث أنس مثله، وقال: "منكر" انظر الكامل له: ۳۴۳/۱، ولسان الميزان: ۵۲۳/۱، ترجمة إسحاق بن إبراهيم الطبري، رقم (۱۰۸۳).

(۲) سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في تغيير الأسماء، رقم (۴۹۴۸)، والسنن الكبرى للبيهقي: ۵۱۵/۹، كتاب الضحايا، باب ما يستحب أن يسمى به، رقم (۱۹۳۰۸)، وسنن الدارمي: ۳۸۰/۲، كتاب الإستئذان، باب في حسن الأسماء، رقم (۲۶۹۴)، وشرح السنة للبغوي: ۳۸۲/۶، كتاب الاستئذان......، باب تحسين الأسماء، رقم (۳۲۵۳)، وموارد الظمآن، كتاب الأدب، باب ماجاء في الأسماء، رقم (۱۹۴۴)، ومسند أحمد: ۱۹۴/۵، رقم (۲۲۰۳۵)، وشعب الإيمان: ۳۹۳/۶، باب في حقوق الأولاد...... الستون من شعب......، رقم (۸۶۳۳).

(۳) فتح الباري: ۲۸۴/۶، نیز دیکھیے، فتح الباري: ۵۶۳/۱۰، وشرح ابن بطال: ۳۳۵/۹.

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلے پر کتاب الادب میں مستقل ترجمہ بھی قائم کیا ہے(۱)۔

واللہ اعلم بالصواب

۳۰۱۷ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ، عَنْ مَنْصُورٍ ، عَنْ مُجَاهِدٍ ، عَنْ طَاوُسٍ ، عَنِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا(۲) قالَ : قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ : (لَا هِجْرَةَ ، وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ ، وَإِذَا ٱسْتُنْفِرْتُمْ فَٱنْفِرُوا) . وَقالَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ : (إِنَّ هٰذَا ٱلْبَلَدَ حَرَّمَهُ ٱللهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ، فَهْوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ ٱللهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، وَإِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيهِ لِأَحَدٍ قَبْلِي ، وَلَمْ يَحِلَّ لِي إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ ، فَهْوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ ٱللهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ ، وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ ، وَلَا يَلْتَقِطُ لُقَطَتَهُ إِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا ، وَلَا يُخْتَلَى خَلَاهُ) . فَقَالَ الْعَبَّاسُ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، إِلَّا الْإِذْخِرَ ، فَإِنَّهُ لِقَيْنِهِمْ وَلِبُيُوتِهِمْ ، قالَ : (إِلَّا الْإِذْخِرَ) . [ر : ۱۵۱۰]

تراجم رجال

۱– علی بن عبداللہ

یہ مشہور محدث علی بن عبداللہ ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا ترجمہ کتاب العلم، "باب الفهم في العلم" کے تحت آچکا(۳)۔

۲– جریر

یہ جریر بن عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳– منصور

یہ منصور بن معتمر سلمی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کا تذکرہ کتاب العلم، "باب من جعل لأهل العلم......" کے تحت گذر چکا(۴)۔

---

(۱) صحيح بخاري، كتاب الأدب، باب مايدعى الناس بآبائهم، حدیث کی مزید شرح کے لیے دیکھیے، كشف الباري، كتاب الأدب: ۵۹۶–۵۹۷، والأبواب والتراجم للكاندهلوي: ۲/ ۱۱۸.

(۲) قوله: "عن ابن عباس رضي الله عنهما": الحديث، مر تخريجه في الحج، باب لايحل القتال بمكة.

(۳) كشف الباري: ۳/ ۲۹۷.

(۴) كشف الباري: ۳/ ۲۶۸–۲۷۲.

٤- مجاهد

یہ مفسر کبیر حضرت مجاہد بن جبر مکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب العلم، "باب الفهم في العلم" کے تحت بیان ہو چکے(۱)۔

٥- طاؤس

یہ طاؤس بن کیسان یمانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۲)۔

٦- ابن عباس رضي الله عنهما

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حالات "بدء الوحي" کی پہلی حدیث کے تحت آ چکے(۳)۔

باب کی چوتھی حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے، اس حدیث کی شرح ماقبل میں مختلف مقامات پر گذر چکی ہے(۴)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقتِ حدیث

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت میں کچھ غموض ہے، جس کو دور کرنے کے لیے مختلف حضرات نے درج ذیل اقوال ارشاد فرمائے ہیں:

❶ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت اس قول سے ہو سکتی ہے، "وإذا استنفرتم فانفروا" کیوں کہ اس کا مطلب یہی ہے کہ حکام وولاۃ کے ساتھ بدعہدی نہ کرو اور ان کی مخالفت نہ کرو، وہ اس لیے کہ امام جب نفیر کا حکم دے تو نکلنا واجب ہے، چناں چہ یہی چیز اس امر کی بھی متقاضی ہے کہ عہد شکنی حرام ہو، "لأن إيجاب الوفاء بالخروج مستلزم لتحريم الغدر"(۵).

---

(۱) كشف الباري: ۳/۳۰۷.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين......

(۳) كشف الباري: ۱/۴۳۵، نیز دیکھیے، كشف الباري: ۲/۲۰۵.

(٤) كشف الباري، كتاب الجهاد: ۱/۵۵-۵٦، و:۲٤۷، و:۲/٦٤۸-٦٥۰.

(٥) شرح الكرماني: ۱۳/۱٤۸، وفتح الباري: ٦/۲۸٤، وعمدة القاري: ۱٥/۱۰۷.

❷ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ یا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہاں نقل کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں لڑائی و جنگ کو حلال کر کے کوئی عہد شکنی نہیں کی، کیوں کہ یہ تو حکم خداوندی سے تھا، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دن کے کچھ حصے میں لڑنے کو جائز قرار دیا تھا، اس لیے کوئی یہ نہ سمجھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں لڑ کر عہد شکنی کی ہے، اس کی وجہ سے ظاہر ہے، کیوں کہ اگر اجازت خداوندی نہ ہوتی تو نبی علیہ السلام کے لیے مکرمہ میں لڑنا ہرگز جائز نہ ہوتا، چناں چہ علامہ کرمانی لکھتے ہیں:

"أو أشار إلى أن النبي صلى الله عليه وسلم لم يغدر باستحلال القتال بمكة؛ بل كان بإحلال الله له ساعة، ولولا ذلك لما جاز له"(۱).

اور یہی رائے علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے(۲)۔

❸ ترجمہ اور حدیث ابن عباس کی مناسبت بیان کرتے ہوئے ابن بطال فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کی حیثیت بندوں کے لیے بمنزلہ عہود و میثاق کے ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے ان سے اس بات کا عہد لیا ہے کہ وہ ان محارم و منہیات کا ارتکاب نہیں کریں گے، چناں چہ جو شخص ان کے خلاف ورزی کرے گا گویا اس نے ان عہود کو پورا نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کردہ وعدے کی خلاف ورزی کی اور عہود کو پورا نہ کرنے والا، ان کی خلاف ورزی کرنے والا غادرین و عہد شکنوں میں سے ہے(۳)۔

❹ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ فتح کیا تو اس کے باشندوں پر احسان و فضل کیا، خواہ مسلمان ہوں، یا منافقین اور یہ بات واضح ہے کہ ان میں منافقین بھی تھے، پھر آپ علیہ السلام نے یہ بات بتلائی کہ مکہ مکرمہ قیامت تک اللہ تعالیٰ کی حرمت کے ساتھ حرام ہے اور یہ کہ وہاں کسی کے ساتھ قتال حلال و جائز نہیں،

(۱) شرح الكرماني: ۱۳/۱٤۹، وفتح الباري: ٦/۲۸٤، وعمدة القاري: ۱٥/۱۰۷.

(۲) صحيح البخاري بحاشية السندي: ۲/۲۰٦، دار المعرفة، بيروت.

(۳) شرح ابن بطال: ٥/۳۷۱، ومثله عن العلامة الكنكوهي رحمه الله في اللامع (۷/۳۲۹)، حيث قال:

"ومطابقته بالترجمة من حيث إنه قال في خطبته يومئذ: "فإن دمائكم وأموالكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا، في بلدكم هذا، في شهركم هذا" فكان التعرض بشيء منها غدرا وهتكا لحرمة الله تعالىٰ".

جب معاملہ یہ ہے تو ان میں سے کسی کے ساتھ عہد شکنی جائز و درست نہیں، خواہ وہ نیک ہو یا بد، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امان و معافی ان سب کو عام اور شامل ہے(۱)۔

⑤ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقتِ حدیث اس طرح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ مکہ مکرمہ میں جنگ وجدال حرام ہے، سوائے اس گھڑی کے، جس کی اجازت خود اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتال کے لیے دی، اس کی مراد یہ ہرگز نہیں کہ وہاں مؤمن صالح کو قتل کرنا ہی حرام ہے، کیوں کہ اس سے ہر جگہ اور بقعہ متصف ہے کہ وہاں کسی مؤمن کامل کے قتل کی اجازت نہیں ہے، بلکہ مکہ مکرمہ کی تخصیص حرمت اس فاجر کے لیے ہے، جو قتل کا مستحق بھی ہو کہ اس کو مکہ میں بھی قتل کرنا جائز نہیں، اس کی وجہ وہ عہد ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو خاص کیا ہے کہ وہاں قتل فاجر درست نہیں۔

اب اگر کوئی شخص کسی فاجر کو مکہ کے علاوہ کسی اور جگہ میں کوئی وعدہ دے، اس سے کوئی عہد کرے تو اس وعدے کو نافذ اور پورا کرنا لازم ہے، اس کے خلاف کرنا حرام ہے۔

اس طرح پہلی حدیث میں بر اور فاجر کے ساتھ عہد شکنی کرنے کا جو عموم ہے، اس میں قوت آجائے گی اور دونوں کے ساتھ عہد شکنی کرنا حرام ٹھہرے گا(۲)۔

⑥ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو یہاں ذکر فرما کر اس سبب کی طرف اشارہ کیا ہو جو فتح مکہ کا سبب بنا تھا۔

چناں چہ فتح مکہ کا سبب یہ ہوا تھا کہ قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف قبیلے بنوخزاعہ کے ساتھ عہد شکنی کی تھی، جب بنوخزاعہ اور بنوبکر (جو قریش کے حلیف تھے) کے درمیان لڑائی ہوئی اور قریش نے بنوبکر کی مدد کی اور بنوخزاعہ پر دونوں (قریش و بنوبکر) نے مل کر شب خون مارا اور ان کے بہت سے افراد قتل کر ڈالے، اس طرح قریش اور نبی علیہ السلام کے درمیان دس سال کے لیے جو معاہدۂ صلح ہوا تھا، اس کو قریش نے توڑ ڈالا۔

---

(۱) شرح ابن بطال: ۳۷۱/۵.

(۲) المتواري على تراجم أبواب البخاري: ۲۰۰.

اس نقضِ عہد کا انجام قریش کے لیے اس طرح ظاہر ہوا کہ مسلمانوں نے ان پر لشکر کشی کی اور مکہ مکرمہ فتح کر ڈالا اور قریش انتہائی ذلیل وخوار ہو کر امان کے طلب گار ہوئے، انہیں قوت وعزت، شان وشوکت کے بعد ذلت ومسکنت کا سامنا کرنا پڑا، یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کرنے پر مجبور ہو گئے، حالانکہ دل سے مسلمان ہونا چاہتے نہ تھے(۱)۔

گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں ''البر'' کے ذریعے مسلمانوں کی طرف اور ''الفاجر'' کے ذریعے بنوخزاعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے، کیوں کہ ان میں سے اکثر لوگ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے(۲)۔ واللہ اعلم بالصواب

براعت اختتام

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عادت ہے کہ وہ ہر کتاب کے آخر میں کوئی لفظ اختتام پر دلالت کرنے کے لیے لاتے ہیں، اس سے کتاب کے اختتام کے ساتھ ساتھ انسان کے خاتمے کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے کہ جس طرح یہ کتاب ختم ہو گئی اسی طرح تمہاری کتابِ زندگی بھی ایک دن ختم ہو کر بند ہو جائے گی، اس لیے غافل مت رہنا(۳)۔

یہاں براعت اختتام یا خاتمۂ کتاب پر دلالت بقول حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے اس جملے میں ہے، "فهو حرام بحرمة الله إلى يوم القيامة" چناں چہ یوم القیامۃ میں انسان کے خاتمہ کی طرف بھی اشارہ ہے(۴)۔

جب کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیگر کلمات وجمل سے براعت ثابت کی ہے۔ چناں چہ وہ فرماتے ہیں:

❶ "فإذا استنفرتم فانفروا" میں براعت اختتام کی طرف اشارہ ہے۔

---

(۱) تفصیلی واقعے کے لیے دیکھیے، کشف الباري، کتاب المغازي، باب غزوة الفتح، ۴۹۰-۴۹۲، وسيرة ابن هشام، بدء فتح مكة: ۲/۲۶۳.

(۲) فتح الباري: ۶/۲۸۵، والأبواب والتراجم للكاندهلوي: ۱/۲۰۹.

(۳) دیکھیے، کشف الباري، بدء الوحي: ۱/۵۵۳.

(۴) فتح الباري: ۱۳/۵۴۳، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالىٰ: ﴿ونضع الموازين......﴾، رقم (۷۵۶۱).

❷ "يوم القيامة" میں اس کی طرف دلالت ہے۔

❸ لفظ "الإذخر" براعت پر دال ہے، جو ایک قسم کی گھاس کے لیے مستعمل ہے، اس سے استدلال بایں طور ہے کہ بعض طرق میں اس کے بعد ان الفاظ کی زیادتی بھی مروی ہے، "فإنه لقبورهم" (۱) کہ "وہ ان کی قبروں کے لیے ہے۔" اس میں انسان کے خاتمہ یعنی قبر کا تذکرہ موجود ہے۔

❹ یا یہ کہا جائے گا کہ جہاد سراسر مذکّر موت ہے کہ یہ موت کو یاد دلاتا ہے (۲)۔

واللہ اعلم بالصواب

خلاصۂ کتاب فرض الخمس والجزیۃ والموادعۃ

کتاب فرض الخمس والجزیہ میں کل 116 حدیثیں ہیں، جن میں سے 17 معلق اور 99 موصول ہیں، ان میں سے 67 سڑسٹھ حدیثیں پہلے گذر چکی ہیں اور 49 حدیثیں ایسی ہیں جن کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی مرتبہ یہاں ذکر کیا ہے۔ پہلی مرتبہ ذکر کردہ احادیث میں 16 حدیثیں ایسی ہیں کہ ان کی تخریج امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے نہیں کی ہے، گویا متفق علیہ حدیثیں 33 ہیں اور اس میں صحابہ وتابعین وغیرہ کے 20 آثار بھی ہیں۔

واللہ اعلم (۳)

وهذا آخر ما أردنا إيراده هنا من شرح أحاديث كتاب الخمس والجزية من صحيح البخاري، رحمه الله تعالىٰ، للشيخ الإمام المحدث الجليل **سليم الله خان**، حفظه الله ورعاه، ومتعنا الله بطول حياته بصحةٍ وعافيةٍ.

---

(۱) رواه ابن عبدالبر من رواية عبدالوارث ...... انظر الاستذكار: ۲۳٦/۷، كتاب الجامع، باب ماجاء في تحريم المدينة، رقم (٦٧٣/٣/٤٥)، نیز دیکھیے، الصحيح للبخاري، كتاب الجنائز، باب الإذخر والحشيش في القبر، رقم (۱۳٤۹).

(۲) الأبواب والتراجم للكاندهلوي: ۲۰۹/۱.

(۳) فتح الباري: ۲۸٥/٦.

وقد وقع الفراغ من تسويده، وإعادة النظر فيه، ثم تصحيح ملازم الطبع بيوم الثلثاء ٢٧ رمضان المبارك ١٤٣١ھ الموافق ٧ سبتمبر ٢٠١٠م.

والحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات، وصلى الله على النبي الأمي وآله وصحبه وتابعيهم، وسلم عليه ما دامت الأرض والسموات.

رتبه وراجع نصوصه وعلق عليه حبيب الله **محمد زكريا** عضو قسم التحقيق والتصنيف والأستاذ بالجامعة الفاروقية، ووفقه الله تعالىٰ لإتمام باقي الكتب كما يحبه ويرضاه وهو على كل شيء قدير، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم، ويليه إن شاء الله **"كتاب بدء الخلق"**.

مصادر ومراجع

١- القرآن الكريم

٢- الآحاد والمثاني، الإمام الحافظ أبو بكر أحمد بن عمرو بن أبي عاصم الشيباني، رحمه الله، المتوفى ٢٨٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

٣- الأبواب والتراجم لصحيح البخاري، شيخ الحديث مولانا محمد زكريا الكاندهلوي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ١٤٠٢هـ/١٩٨٢م، ايچ ايم سعيد كمپنى، كراچى.

٤- الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان، إمام أبو حاتم محمد بن حبان بستي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٣٥٤هـ، مؤسسة الرسالة، بيروت.

٥- أحكام القرآن، إمام أبو بكر أحمد بن علي رازي جصاص، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٣٧٠هـ، دارالكتاب العربي بيروت، ودار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية ١٤٢٤هـ.

٦- أحكام القرآن، الإمام أبو بكر محمد بن عبد الله المعروف بابن العربي، رحمه الله، المتوفى ٥٤٣هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية ١٤٢٤هـ.

٧- أحكام القرآن، تأليف جماعة من العلماء الربانيين، على ضوء ما أفاده حكيم الأمة أشرف علي التهانوي، رحمه الله، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي، الطبعة الأولى ١٤١٣هـ.

٨- إحياء علوم الدين، إمام محمد بن محمد الغزالى، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٥٠٥هـ، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

٩- أخبار المدينة، الإمام أبو زيد عمر بن شبة النميرى البصري، رحمه الله، المتوفى ٢٦٢هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، ١٤١٧هـ.

١٠- أخبار مكة في قديم الدهر وحديثه، الإمام أبو عبد الله محمد بن إسحاق المكي

الفاكهي، رحمه الله، المتوفى ٢٧٢هـ، دار خضر، بيروت ١٤١٤، الطبعة الثانية.

١١- إرشاد الساري شرح صحيح البخاري، أبو العباس شهاب الدين أحمد القسطلاني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٩٢٣هـ، المطبعة الكبرى الأميرية، مصر، طبع سادس ١٣٠٤هـ.

١٢- الأسامي والكنى، الإمام أبو عبد الله أحمد بن حنبل الشيباني، رحمه الله، المتوفى ٢٤١هـ، مكتبة دار الأقصى، الكويت، الطبعة الاولى ١٤٠٦هـ.

١٣- الاستذكار الجامع لمذاهب فقهاء الأمصار وعلماء الأقطار ......، أبو عمر يوسف بن عبدالله بن محمد بن عبدالبر، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٤٥٣هـ، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢١هـ.

١٤- الإستيعاب في أسماء الأصحاب (بهامش الإصابة)، أبو عمر يوسف بن عبدالله بن محمد بن عبدالبر، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٤٥٣هـ، دارالفكر، بيروت، ومطبوع في مجلدين، الطبعة الأولى، ١٤٢٣هـ.

١٥- أسد الغابة في معرفة الصحابة، عز الدين أبو الحسين علي بن محمد الجزري المعروف بابن الأثير، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٦٣٠هـ، دارالكتب العلمية، بيروت.

١٦- الأسماء المبهمة، الخطيب البغدادي، رحمه الله، المتوفى ٤٦٣هـ.

١٧- الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي، العلامة زين الدين بن إبراهيم المعروف بابن نجيم الحنفي، رحمه الله، المتوفى ٩٧٠هـ، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي.

١٨- أعلام الحديث، إمام أبو سليمان حمد بن محمد الخطابي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٣٨٨هـ، مركز إحياء التراث الإسلامي، جامعة أم القرى، مكة مكرمة.

١٩- إعلاء السنن، علامه ظفر أحمد عثماني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ١٣٩٤هـ، إدارة القرآن، كراچي.

٢٠- الإقناع في حل ألفاظ أبي شجاع، للإمام محمد بن أحمد الشربيني الخطيب، رحمه الله، المتوفى ٩٧٧هـ، دار الفكر، بيروت ١٤١٥هـ.

٢١- إكمال تهذيب الكمال، العلامة الهمام علاء الدين مغلطاي بن قليج الحنفي، رحمه الله، المتوفى ٧٦٤هـ، الفاروق الحديثة للطباعة والنشر، الطبعة الأولى ١٤٢٢هـ.

٢٢- الإكمال في رفع الارتياب عن المؤتلف والمختلف في الأسماء والكنى والأنساب، الأمير الحافظ ابن ماكولا، رحمه الله، المتوفى ٤٧٥هـ، دائرة المعارف العثمانية، الهند.

٢٣- إكمال المعلم شرح صحيح مسلم، العلامة القاضي أبو الفضل عياض اليحصبي، رحمه الله، المتوفى ٥٤٤هـ.

٢٤- إكمال إكمال المعلم شرح صحيح مسلم، أبو عبد الله محمد بن خلفة الوشناني الأبي المالكي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٨٢٧هـ، أو ٨٢٨هـ، دارالكتب العلمية، بيروت.

☆- الأم (انظر كتاب الأم).

٢٥- الأنساب، أبو سعد عبد الكريم بن محمد بن منصور السمعاني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٥٦٢هـ، دارالجنان، بيروت، طبع اول ١٤٠٨هـ/١٩٨٨م.

٢٦- أوجز المسالك إلى مؤطا مالك، شيخ الحديث حضرت مولانا زكريا كاندهلوي، رحمه الله، متوفى ١٤٠٢هـ، مطابق ١٩٨٢م، دار القلم، دمشق، الطبعة الأولى ١٤٢٤هـ.

٢٧- البحر الرائق شرح كنز الدقائق، العلامة ابن نجيم المصري الحنفي، رحمه الله، المتوفى ٩٧٠هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

٢٨- بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ملك العلماء علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٥٨٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

٢٩- بداية المجتهد، علامه قاضي أبو الوليد محمد بن أحمد بن رشد القرطبي، متوفى ٥٩٥هـ، مصر طبع خاص، ودار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية ١٤٢٤هـ.

٣٠- البداية والنهاية، حافظ عماد الدين أبو الفداء اسماعيل بن عمر المعروف بابن كثير، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٧٧٤هـ، مكتبة المعارف بيروت، طبع ثانى ١٩٧٧م.

٣١- البدر الساري حاشية فيض الباري، حضرت مولانا بدر عالم ميرٹهى صاحب،

رحمه الله تعالىٰ، متوفى ١٣٨٥ھ، رباني بك ڈپو، دهلي، ١٩٨٠م.

٣٢- بذل المجهود في حل أبي داود، علامه خليل احمد سهارنپوري، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ١٣٤٦ھ، مطبعة ندوة العلماء لكهنؤ ١٣٩٣ھ/١٩٧٣م، ومركز الشيخ أبي الحسن الندوي، يو بي، الهند، الطبعة الأولى ١٤٢٧ھ.

٣٣- البناية شرح الهداية، العلامة بدر الدين عيني محمود بن أحمد، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٨٥٥ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤٢٠ھ.

٣٤- تاج العروس من جواهر القاموس، أبو الفيض سيد محمد بن محمد المعروف بالمرتضىٰ الزبيدي، رحمه الله تعالى، متوفى ١٢٠٥ھ، دار مكتبة الحياة، بيروت، ودار الهداية.

٣٥- *تاریخ الاسلام اردو، مولانا اکبرشاہ نجیب آبادی، نفیس اکیڈمی، اردو بازار کراچی۔*

٣٦- تاريخ الأمم والملوك (تاريخ الطبري)، الإمام أبو جعفر محمد بن جرير الطبري، رحمه الله، المتوفى ٣٢ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثالثة، ١٤٢٦ھ.

٣٧- تاريخ بغداد أو مدينة السلام، حافظ أحمد بن علي المعروف بالخطيب البغدادي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٤٦٣ھ، دار الكتاب العربي، بيروت.

☆- تاريخ الطبري (انظر تاريخ الأمم والملوك).

٣٨- تاريخ عثمان بن سعيد الدارمي، المتوفى ٢٨٠ھ، عن أبي زكريا يحيى بن معين، المتوفى ٢٢٣ھ، دار المامون للتراث، ١٤٠٠ھ.

٣٩- التاريخ الصغير، أمير المؤمنين في الحديث محمد بن إسماعيل البخاري، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٢٥٦ھ، دار المعرفة، بيروت.

٤٠- التاريخ الكبير، أمير المؤمنين في الحديث محمد بن اسماعيل البخاري، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٢٥٦ھ، دار الكتب العلمية، بيروت.

٤١- تاريخ مدينة دمشق وذكر فضلها وتسمية من حلها من الأماثل، أبو القاسم علي بن الحسن ابن هبة الله الشافعي، رحمه الله، المتوفى ٥٧١ھ، دار الفكر، بيروت ١٩٩٥م.

۴۲-تحفہ اثنا عشریہ (فارسی)، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، رحمہ اللہ، متوفی ۱۲۳۹ھ، سہیل اکیڈمی، لاہور، پاکستان۔

٤٣- تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف، أبو الحجاج جمال الدين يوسف بن عبد الرحمن المزي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٧٤٢هـ، المكتب الإسلامي بيروت، طبع دوم ١٤٠٣هـ.

٤٤- تحفة الباري، شيخ الإسلام زكريا بن محمد الأنصاري، رحمه الله، المتوفى ٩٢٦هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٥هـ.

٤٥- تدريب الراوي بشرح تقريب النواوي، حافظ جلال الدين عبد الرحمن سيوطي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٩١١هـ، المكتبة العلمية، مدينة منورة.

٤٦- تذكرة الحفاظ، حافظ أبو عبد الله شمس الدين محمد بن عثمان الذهبي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٧٤٨هـ، دائرة المعارف العثمانية، الهند.

٤٧- التصريح بما تواتر في نزول المسيح، إمام العصر، المحدث الكبير محمد أنور شاه الكشميري، رحمه الله، المتوفى ١٣٥٢هـ، مكتبة دار العلوم كراتشي.

٤٨- التعليق الممجد المطبوع مع المؤطأ لمحمد، أبو الحسنات محمد عبد الحي اللكنوي، رحمه الله، المتوفى ١٣٠٤هـ، قديمى كتب خانه، كراتشي.

٤٩- تعليقات الخطيب على الفتح المطبوع مع فتح الباري، محب الدين الخطيب، رحمه الله.

٥٠- تعليقات على بذل المجهود، شيخ الحديث محمد زكريا كاندهلوي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ١٤٠٢هـ، المكتبة التجارية، ندوة العلماء لكهنؤ، الطبعة الثالثة ١٣٩٣هـ/١٩٧٣م، ومركز الشيخ أبي الحسن الندوي، الهند.

٥١- تعليقات على تحرير تقريب التهذيب الدكتور بشار عواد معروف والشيخ شعيب ارنؤوط، حفظهما الله، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤١٧هـ.

٥٢- تعليقات على تهذيب التهذيب، المطبوع بذيل تهذيب التهذيب.

٥٣- تعليقات على تهذيب الكمال، دكتور بشار عواد معروف، حفظه الله تعالىٰ، مؤسسة الرسالة، طبع أول ١٤١٣ھ.

٥٤- تعليقات على الكاشف للذهبي، شيخ محمد عوامة / شيخ أحمد محمد نمر الخطيب حفظهما الله، مؤسسة دار القبلة / مؤسسة علوم القرآن، الطبعة الأولىٰ ١٤١٣ھ.

٥٥- تعليقات على الكوكب الدري، مولانا شيخ الحديث محمد زكريا الكاندهلوي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ١٤٠٢ھ.

٥٦- تعليقات على لامع الدراري، شيخ الحديث مولانا محمد زكريا صاحب، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ١٤٠٢ھ/١٩٨٢م، مكتبه امداديه، مكه مكرمه.

٥٧- تعليقات على المصنف، الشيخ محمد عوامه، حفظه الله ورعاه، إدارة القران والعلوم الإسلامية، كراتشي، الطبعة الثانية، ١٤٢٨ھ.

٥٨- تعليقات على المعجم الكبير، حمدي عبد المجيد السلفي، دار إحياء التراث العربي، الطبعة الثانية.

٥٩- تغليق التعليق، حافظ أحمد بن علي المعروف بابن حجر، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٨٥٢ھ، المكتب الإسلامي، ودار عمار، والمكتبة الأثرية، لاهور، باكستان.

٦٠- تفسير آيات الأحكام من القرآن، الشيخ محمد على الصابوني، حفظه الله ورعاه، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ، ١٤٢٥ھ.

٦١- تفسير البغوي المسمى بمعالم التنزيل، الإمام ابو محمد الحسين بن مسعود البغوى، رحمه الله، المتوفى ٥١٦ھ، دار المعرفة، بيروت.

٦٢- تفسير البيضاوي مع حاشية الشهاب، الإمام أبو سعيد عبد الله بن عمر البيضاوي، رحمه الله، المتوفى ٦٨١ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ، ١٤١٧ھ.

☆- تفسير الثعلبي (انظر الكشف والبيان).

٦٣- تفسير السمرقندي المسمى بحر العلوم، الإمام الفقيه نصر بن محمد أبو الليث

السمرقندي، رحمه الله، المتوفى ٣٧٥هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

☆٦٣- تفسير السمعاني، أبو المظفر منصور بن محمد السمعاني، رحمه الله، المتوفى ٤٨٩هـ، دار الوطن، الرياض، ١٤١٨هـ.

٦٤- تفسير الطبري (جامع البيان)، إمام محمد بن جرير الطبري، رحمه الله تعالى، متوفى ٣١٠هـ، دار المعرفة، بيروت.

٦٥- تفسير القرآن العظيم، حافظ أبو الفداء عماد الدين إسماعيل بن عمر ابن كثير دمشقي، رحمه الله تعالى، متوفى ٧٧٤هـ، دار إحياء الكتب العربية.

٦٦- تفسير القرطبي (الجامع لأحكام القرآن)، إمام أبو عبد الله محمد بن أحمد الأنصاري القرطبي، رحمه الله تعالى، متوفى ٦٧١هـ، دار الفكر، بيروت.

٦٧- التفسير الكبير (تفسير الرازي أو مفاتيح الغيب)، الإمام أبو عبد الله فخر الدين محمد بن عمر الرازي، رحمه الله، المتوفى ٦٠٦هـ، مكتب الإعلام الإسلامي، إيران.

٦٨- تفسير المنار، السيد الإمام محمد رشيد رضا المصري، رحمه الله، المتوفى ١٩٣٥م، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٦هـ.

٦٩- تفسير النسفي (مدارك التنزيل وحقائق التأويل)، أبو البركات عبد الله بن أحمد النسفي، رحمه الله، المتوفى ٧١٠هـ، المكتبة العلمية، لاهور، باكستان.

٧٠- تقريب التهذيب، حافظ ابن حجر عسقلاني، رحمه الله تعالى، متوفى ٧٥٢هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤١٣هـ.

٧١- تقريرات الرافعي المسماة: التحرير المختار لرد المحتار، الإمام العلامة عبد القادر بن مصطفى البيساري الرافعي الحنفي، رحمه الله، المتوفى ١٣٢٣هـ، مكتبه رشيديه، كرٹئه.

٧٢- التقرير والتحبير في علم الأصول، الجامع بين اصطلاحي الحنفية والشافعية، ابن أمير الحاج رحمه الله، المتوفى ٨٧٩هـ، دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤١٧هـ.

٧٣- تكملة فتح الملهم، مولانا مفتي محمد تقي عثماني صاحب مدظلهم، مكتبه

دار العلوم كراچی، ودار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٦هـ.

٧٤- التلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي الكبير، حافظ ابن حجر عسقلاني، رحمه الله، متوفى ٨٥٢هـ، دار نشر الكتب الإسلامية، لاهور، ودار الكتب العلمية، بيروت، ١٤١٩هـ.

٧٥- تلخيص المستدرك (مع المستدرك)، حافظ شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان ذهبي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٧٤٨هـ، دار الفكر، بيروت.

٧٦- التمهيد لما في المؤطا من المعاني والأسانيد، حافظ أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر مالكي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٤٦٣هـ، المكتبة التجارية، مكة المكرمة.

٧٧- تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأحاديث الشنيعة الموضوعة، الإمام أبو الحسن علي بن محمد بن عراق الكناني، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٩٦٣هـ، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٠١هـ.

٧٨- تنوير المقباس من تفسير ابن عباس، المنسوب إلى عبد الله بن عباس رضي الله عنهما، المتوفى ٦٨هـ، جمعه محمد بن يعقوب الفيروز آبادي، رحمه الله، المتوفى ٨١٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

٧٩- توضيح المشتبه، حافظ شمس الدين ذهبي، رحمه الله، متوفى ٧٤٨هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٤هـ.

٨٠- تهذيب الأسماء واللغات، إمام محي الدين أبو زكريا يحيى بن شرف النووي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٦٧٦هـ، إدارة الطباعة المنيرية.

٨١- تهذيب تاريخ دمشق الكبير، الإمام الحافظ أبو القاسم علي المعروف بابن عساكر الشافعي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٥٧١هـ، دار المسيرة، بيروت، الطبعة الثانية ١٣٩٩هـ.

٨٢- تهذيب التهذيب، حافظ ابن حجر عسقلاني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٨٥٢هـ، دائرة المعارف النظامية، حيدر آباد دكن، ١٣٢٥هـ.

٨٣- تهذيب سنن أبي داود، الإمام ابن قيم الجوزية، رحمه الله، المتوفى ٧٥١هـ،

مطبعة أنصار السنة المحمدية، ١٣٦٧ھ.

٨٤- تهذيب الكمال، حافظ جمال الدين أبو الحجاج يوسف بن عبد الرحمن مزى، رحمه الله تعالى، متوفى ٧٤٢ھ، مؤسسة الرسالة، طبع أول، ١٤١٣ھ.

٨٥- الثقات (كتاب الثقات)، حافظ أبو حاتم محمد بن حبان بستى، رحمه الله تعالى، متوفى ٢٥٤ھ، دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد، ١٣٩٣ھ.

٨٦- جامع الأصول من حديث الرسول، علامه مجد الدين أبو السعادات المبارك بن محمد بن الأثير الجزري، رحمه الله تعالى، متوفى ٦٠٦ھ، دار الفكر، بيروت.

☆- جامع البيان (ديكهئے، تفسير الطبري).

٨٧- جامع الترمذي (سنن ترمذي)، إمام أبو عيسى محمد بن عيسى بن سورة الترمذي، رحمه الله تعالى، متوفى ٢٧٩ھ، ايچ ايم سعيد كمپنى، كراچى/ دار إحياء التراث العربي.

٨٨- الجامع الصغير من أحاديث البشير النذير، الإمام جلال الدين السيوطي، رحمه الله، المتوفى ٩١١ھ، دار الكتب العلمية، بيروت.

☆- الجامع لأحكام القرآن (تفسير القرطبي).

٨٩- جامع المسانيد والسنن، الإمام المحدث إسماعيل بن عمر ابن كثير الدمشقي، رحمه الله، المتوفى ٧٧٤ھ، دار الفكر، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٣ھ.

٩٠- الجرح والتعديل، الإمام الحافظ عبد الرحمن بن أبي حاتم الرازي، رحمه الله تعالى، المتوفى ٣٢٧ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٢ھ/٢٠٠٢م.

٩١- الجمع بين الصحيحين: البخاري ومسلم، الإمام محمد بن الفتوح الحميدي، رحمه الله، المتوفى ٢١٩ھ، دار ابن حزم، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٣ھ.

٩٢- جمع الجوامع (الجامع الكبير والجامع الصغير وزوائده) الإمام جلال الدين السيوطي، رحمه الله، المتوفى ٩١١ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢١ھ.

٩٣- جمهرة أنساب العرب، أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي،

رحمه الله، المتوفى٤٥٦ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، ١٤٢٤ھ، الطبعة الثالثة.

٩٤- الجوهر النقي في الرد على البيهقي، المطبوع في ذيل السنن الكبرى، العلامة علاء الدين الشهير بابن التركماني، رحمه الله، المتوفى ٧٤٥ھ، نشر السنة، ملتان، باكستان.

☆- حاشية ابن عابدين (انظر رد المحتار).

٩٥- حاشية الجمل على الجلالين (الفتوحات الإلهية)، الإمام العلام سليمان الجمل، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ١٢٠٤ھ، قديمي.

٩٦- حاشية الدسوقي على الشرح الكبير، الإمام العلامة محمد بن أحمد الدسوقي المالكي، رحمه الله، المتوفى ١٢٣٠ھ، دار الكتب العلمية، الطبعة الثانية، ١٤٢٤.

٩٧- حاشية سبط ابن العجمي على الكاشف، إمام برهان الدين إبراهيم بن محمد سبط ابن العجمي الحلبي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٨٤١ھ، شركة دار القبلة / مؤسسة علوم القرآن.

٩٨- حاشية السندي على البخاري، إمام أبو الحسن نور الدين محمد بن عبد الهادي السندي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ١١٣٨ھ، دار المعرفة، بيروت.

٩٩- حاشية السندي على مسلم، المطبوع مع صحيح مسلم، الإمام أبو الحسن السندي، رحمه الله، متوفى ١١٣٨ھ، قديمي كتب خانه، كراتشي.

١٠٠- حاشية السهارنفوري، المطبوع مع صحيح البخاري، مولانا أحمد علي السهارنفوري، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ١٢٩٧ھ، طبع قديمي.

١٠١- حاشية الشهاب المسماة: عناية القاضي وكفاية الراضي، على البيضاوي، القاضي شهاب الدين أحمد بن محمد بن عمر الخفاجي رحمه الله، المتوفى ١٠٦٩ھ، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٠٢- الحاوي في سيرة الإمام الطحاوي، المطبوع مع شرح معاني الآثار، إمام أهل السنة العلامة محمد زاهد الكوثري، رحمه الله.

١٠٣- الخصائص الكبرى، الإمام جلال الدين السيوطي، رحمه الله تعالى، ٩١١ھ،

دار الكتب العلمية، بيروت.

١٠٤– خصائل نبوى شرح شمائل ترمذى (اردو) شيخ الحديث محمد زكريا كاندهلوى رحمه الله، متوفى ١٤٠٢ه.

١٠٥– خلاصة الخزرجي (خلاصة تذهيب تهذيب الكمال)، علامه صفي الدين خزرجي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٩٢٣ه كے بعد، مكتب المطبوعات الإسلامية بحلب.

١٠٦–دائره معارف اسلاميه(اردو)،اساتذه جامعه پنجاب،دانش گاه پنجاب،لاہور،نقش ثانی ١٩٨٠م۔

١٠٧– الدر المختار، علامة علاء الدين محمد بن علي بن محمد الحصكفي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ١٠٨٨ه، مكتبة عارفين، پاكستان چوك، كراچى.

١٠٨– دلائل النبوة، الحافظ أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٤٥٨ه، مكتبه أثرية، لاهور.

١٠٩– الديباج على صحيح مسلم بن الحجاج، أبو الفضل عبد الرحمن بن أبي بكر جلال الدين السيوطي، رحمه الله، المتوفى ٩١١ه، إدارة القرآن كراتشي، الطبعة الأولى، ١٤١٢ه.

١١٠– ديوان الحماسة (المحشى)، أبو تمام حبيب بن أوس الطائي، رحمه الله، المتوفى ٢٠٢ه، دار الحديث ملتان، باكستان.

١١١– ذخائر المواريث في الدلالة على مواضع الحديث، العلامة عبد الغني بن إسماعيل بن عبد الغني النابلسي، رحمه الله تعالى، متوفى ١٢٤٣ه، دار المعرفة، بيروت.

١١٢– رد المحتار، علامه محمد أمين بن عمر بن عبدالعزيز عابدين شامي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ١٢٥٢ه، مكتبة رشيديه، كوئٹه.

١١٣– رسالة شرح تراجم أبواب البخاري، (مطبوعه مع صحيح البخاري)، حضرت مولانا شاه ولي الله، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ١١٧٦ه، قديمي.

١١٤– رفع الحاجب عن مختصر ابن الحاجب، تاج الدين أبو النصر عبد الوهاب بن علي السبكي، رحمه الله، المتوفى ٧٧١ه، عالم الكتب، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٩ه.

☆- روائع البيان (انظر تفسير آيات الأحكام).

١١٥- روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، أبو الفضل شهاب الدين سيد محمود آلوسي بغدادي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ١٢٧٠هـ، مكتبه إمداديه، ملتان.

١١٦- الروض الأنف في تفسير أحاديث السيرة النبوية لابن هشام، الإمام المحدث أبو القاسم عبد الرحمن السهيلي، رحمه الله، المتوفى ٥٠٨هـ، عبد التواب اكيڈمی، ملتان.

١١٧- زاد المعاد من هدي خير العباد، حافظ شمس الدين أبو عبدالله بن أبي بكر المعروف بابن القيم، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٧٥١هـ، مؤسسة الرسالة.

١١٨- سبل السلام شرح بلوغ المرام، السيد الإمام محمد بن إسماعيل الصنعاني المعروف بالأمير، رحمه الله، المتوفى ١١٨٢هـ، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الخامسة.

١١٩- سنن ابن ماجه، إمام أبو عبد الله محمد بن ماجه، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٢٧٣هـ، قديمی/ دارالكتاب المصري، قاهره.

١٢٠- سنن أبي داود، إمام أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٢٧٥هـ، ايچ ايم سعيد كمپنى / دار إحياء السنة النبوية.

١٢١- سنن الدارقطني، حافظ أبو الحسن علي بن عمر الدار قطني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٣٨٥هـ، دار نشر الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٤هـ/٢٠٠٢م.

١٢٢- سنن الدارمي، إمام أبو محمد عبد الله بن عبد الرحمن الدارمي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٢٥٥هـ، قديمي.

١٢٣- سنن سعيد بن منصور، الإمام الحافظ سعيد بن منصور بن شعبة الخراساني المكي، رحمه الله، المتوفى ٢٢٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٢٤- السنن الصغرى للنسائي، إمام أبو عبد الرحمن بن شعيب النسائي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٣٠٣هـ، قديمی/ دارالسلام رياض.

١٢٥- السنن الكبرى للنسائي، إمام أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب النسائي، رحمه

الله تعالىٰ، متوفى ٣٠٣هـ، نشر السنة، ملتان.

١٢٦– السنن الكبرى للبيهقي، إمام حافظ أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٤٥٨هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٢٧– سير أعلام النبلاء، حافظ أبو عبد الله شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان ذهبي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٧٤٨هـ، مؤسسة الرسالة.

☆– السير الكبير (انظر كتاب السير الكبير).

١٢٨– السيرة الحلبية (أنسان العيون)، علامه علي بن برهان الدين الحلبي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ١٠٤٤هـ، المكتبة الإسلامية، بيروت.

١٢٩– السيرة النبوية، الإمام أبو محمد عبد الملك بن هشام المعافري، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٢١٣هـ، مطبعة مصطفىٰ البابي الحلبي بمصر، ١٣٥٥هـ، والمكتبة العلمية، بيروت.

١٣٠– شرح علل الترمذي، الإمام الحافظ ابن رجب الحنبلي، رحمه الله، المتوفى ٧٩٥هـ.

١٣١– الشرح الكبير، للإمام الدردير المالكي، رحمه الله، المتوفى ١٢٠١هـ، المطبوع من حيث المتن مع حاشية الدسوقي، رحمه الله، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٣٢– شرح التوضيح (التلويح)، العلامة سعد الدين التفتازاني الشافعي، رحمه الله، المتوفى ٧٩٣هـ، مير محمد كتب خانه، كراچی.

١٣٣– شرح ابن بطال، امام أبو الحسن علي بن خلف بن عبد الملك المعروف بابن بطال، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٤٤٩هـ، مكتبة الرشد، الرياض، الطبعة الأولى، ١٤٢٠هـ.

١٣٤– شرح الزرقاني على المؤطأ، شيخ محمد بن عبد الباقي بن يوسف الزرقاني المصري، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ١١٣٢هـ، دار الفكر، بيروت.

١٣٥– شرح السنة، الإمام المحدث أبو محمد الحسين بن مسعود البغوي، رحمه الله ٥١٦هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٤هـ.

☆- شرح الطيبي (ديكهئے، الكاشف عن حقائق السنن).

١٣٦- شرح سنن ابن ماجه المسمى بـ إنجاح الحاجة، الشيخ عبد الغني المجددي الدهلوي، رحمه الله، المتوفى ١٢٩٥هـ، والمسمى بـ مصباح الزجاجة، الحافظ جلال الدين عبد الرحمن السيوطي، رحمه الله، المتوفى ٩١١هـ، وتعليقات لفخر الحسن المحدث الگنگوهي، رحمه الله، قديمى كتب خانه، كراتشي.

١٣٧- شرح السير الكبير، الإمام محمد بن أحمد السرخسي، رحمه الله، المتوفى ٤٩٠هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

☆- شرح الشفاء (انظر: نسيم الرياض).

☆- شرح القسطلاني (ديكهيے، إرشاد الساري).

١٣٨- شرح الكرماني (الكواكب الدراري) علامه شمس الدين محمد بن يوسف بن علي الكرماني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٧٨٦هـ، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

١٣٩- شرح مشكل الآثار، الإمام المحدث أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوي، رحمه الله، المتوفى ٣٢١هـ، مؤسسة الرسالة، الطبعة الثانية، ١٤٢٧هـ.

١٤٠- شرح معاني الآثار، الإمام المحدث أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوي، رحمه الله، المتوفى ٣٢١هـ، مير محمد، آرام باغ، كراچى.

☆- شرح المهذب (ديكهيے، المجموع).

١٤١- شرح النقاية، الإمام علي بن محمد سلطان القاري الحنفي، رحمه الله، المتوفى ١٠١٤هـ، ايچ ايم سعيد كمپنى، كراچى.

١٤٢- شرح النووي على صحيح مسلم، إمام أبو زكريا يحيى بن شرف النووي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٦٧٦هـ، قديمي.

١٤٣- الشفاء بتعريف حقوق المصطفىٰ، للإمام القاضي عياض المالكي اليحصبي، رحمه الله، المتوفى ٥٤٤هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٢هـ.

١٤٤- الشمائل المحمدية، الإمام أبو عيسى محمد بن عيسى بن سورة الترمذي، رحمه الله، المتوفى ٢٧٩هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، ١٤٢٧هـ.

١٤٥- الصحاح (قاموس عربي - عربي)، الإمام إسماعيل بن حماد الجوهري، رحمه الله، المتوفى ٣٩٣هـ، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٨هـ.

١٤٦- الصحيح للبخاري، إمام أبو عبد الله محمد بن إسماعيل البخاري، رحمه الله تعالى، المتوفى ٢٥٢هـ، قديمي كتب خانه، كراچی / دار السلام، رياض، الطبعة الأولى، ١٤١٧هـ.

١٤٧- الصحيح لمسلم، إمام مسلم بن الحجاج القشيري النيسابوري، رحمه الله تعالى، متوفى ٢٦١هـ، قديمي كتب خانه، كراچی / دار السلام، رياض.

☆- الضعفاء الكبير (انظر كتاب الضعفاء الكبير).

١٤٨- الطبقات الكبرى، الإمام أبو محمد بن سعد، رحمه الله، المتوفى ٢٣٠هـ، دار صادر بيروت.

١٤٩- طرح التثريب في شرح التقريب، إمام زين الدين، أبو الفضل عبد الرحيم بن الحسين العراقي، المتوفى ٨٠٦هـ، وولده الحافظ أبو زرعة العراقي، المتوفى ٨٢٦هـ، مكتبة نزار مصطفى الباز، مكة مكرمة.

١٥٠- العلل الواردة في الأحاديث النبوية، الشيخ الإمام أبو الحسن علي بن عمر الدار قطني، رحمه الله، المتوفى ٣٨٥هـ، دار طيبة، الطبعة الثانية، ١٤٢٤هـ.

١٥١- العلل المتناهية في الأحاديث الواهية، الإمام عبد الرحمن ابن الجوزي، رحمه الله، المتوفى، ٥٩٧هـ.

١٥٢- عمدة القاري، الإمام بدر الدين أبو محمد بن محمود أحمد العيني، رحمه الله تعالى، متوفى ٨٥٥هـ، إدارة الطباعة المنيرية.

١٥٣- غريب الحديث، الإمام أحمد بن محمد الخطابي البستي، رحمه الله، المتوفى ٣٨٨هـ، جامعة أم القرى، مكة المكرمة، ١٤٠٢هـ.

۱۵۴-الفاروق،مولانا شبلی نعمانی،دارالاشاعت،کراچی۔

١٥٥- فتاویٰ قاضي خان بهامش الفتاوىٰ الهندية (العالمكيرية)، الإمام فخر الدين حسن بن منصور الفرغاني، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٥٩٢هـ، نوراني كتب خانه پشاور.

١٥٦- الفتاوىٰ الهندية (العالمكيرية)، العلامة الإمام الشيخ نظام وجماعة من علماء الهند، نوراني كتب خانه، پشاور.

١٥٧- فتح الباري شرح صحيح البخاري، الإمام زين الدين عبد الرحمن بن أحمد ابن رجب الحنبلي، رحمه الله، المتوفى ٧٩٥هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٧هـ.

١٥٨- فتح الباري، حافظ أحمد بن علي المعروف بابن حجر العسقلاني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٨٥٢هـ، دار الفكر، بيروت.

١٥٩- فتح الملهم، شيخ الإسلام علامه شبير أحمد عثماني، رحمه الله، متوفى ١٣٦٩هـ، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

١٦٠- فتح القدير (تفسير) الجامع بين فني الرواية والدراية من علم التفسير، الإمام محمد بن علي الشوكاني، رحمه الله، المتوفى ١٢٥٠هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٦١- فتح القدير، إمام كمال الدين محمد بن عبد الواحد المعروف بابن الهمام، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٨٦١هـ، مكتبه رشيديه، كوئٹه.

١٦٢- فتوح البلدان، الإمام الجغرافي أحمد بن يحيى بن جابر بن داود البلاذُري، رحمه الله، المتوفى٢٧٩هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، ١٤٠٣هـ.

١٦٣- الفردوس بمأثور الخطاب، أبو شجاع شيرويه بن شهردار بن شيرويه الديلمي الهمذاني، المقلب بـ إلكيا، رحمه الله، المتوفى ٥٠٩هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٦٤- الفقه الحنفي وأدلته، الشيخ أسعد محمد سعيد الصاغرجي، حفظه الله، دار الكلم الطيب، بيروت، الطبعة الثالثة، ١٤٢٤هـ.

١٦٥- فيض الباري، إمام العصر علامه أنور شاه كشميري، رحمه الله تعالىٰ، متوفى

١٣٥٢هـ، مطبعة دار المامون، الطبعة الأولى.

١٦٦- فيض القدير شرح الجامع الصغير، العلامة محمد عبد الرؤوف المناوي، رحمه الله، المتوفى ١٠٣١هـ، دار الكتب العلمية، الطبعة الثالثة، ١٤٢٧هـ.

١٦٧- القاموس الوحيد، مولانا وحيد الزمان بن مسيح الزمان قاسمي كيرانوي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ١٤١٥هـ/١٩٩٥م، إداره اسلاميات، لاهور ـ كراچى.

١٦٨- قواعد في علوم الحديث، العلامة المحقق ظفر أحمد العثماني، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ١٣٩٤هـ، إدارة القرآن، كراچى.

١٦٩- الكاشف، شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان ذهبي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٧٤٨هـ، شركة دار القبلة / مؤسسة علوم القرآن، طبع أول ١٤١٣هـ.

١٧٠- الكاشف عن حقائق السنن، (شرح الطيبي) إمام شرف الدين حسين بن محمد بن عبد الله الطيبي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٧٤٣هـ، إدارة القرآن، كراچى.

١٧١- الكامل في التاريخ، علامه أبو الحسن عز الدين علي بن محمد ابن الأثير الجوزي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٦٣٠هـ، دار الكتب العربي، بيروت.

١٧٢- الكامل في ضعفاء الرجال، إمام حافظ أبو أحمد عبد الله بن عدي جرجاني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٣٢٥هـ، دار الفكر، بيروت.

☆- كتاب أخبار المدينة (أنظر: أخبار المدينة).

☆- كتاب أخبار مكة (انظر: أخبار مكة).

☆- كتاب الأسماء المبهمة (انظر: الأسماء المبهمة).

١٧٣- كتاب الأم (الأم)، إمام محمد بن ادريس الشافعي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٢٠٤هـ، دار المعرفة، بيروت، طبع ١٣٩٣هـ/١٩٧٣م.

١٧٤- كتاب الأموال، الإمام حميد بن مخلد بن قتيبة ابن زنجويه، رحمه الله، المتوفى ٢٥١هـ، مركز فيصل للبحوث.

١٧٥ – كتاب الأموال، الإمام أبو عبيد القاسم بن سلام الهروي الأزدي، رحمه الله، المتوفى ٢٢٤هـ، دار الفكر، بيروت، ١٤٠٨هـ.

١٧٦ – كتاب الخراج، الإمام أبو يوسف يعقوب القاضي، رحمه الله، المتوفى ١٨٢هـ.

١٧٧ – كتاب الخراج، الإمام يحيى بن آدم القرشي، رحمه الله، المتوفى ٢٠٣هـ، المكتبة العلمية، لاهور، باكستان، الطبعة الاولى، ١٩٧٤م.

١٧٨ – كتاب السير الكبير، الإمام محمد بن الحسن الشيباني، رحمه الله، المتوفى ١٨٩هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٧٩ – كتاب السنة، الإمام الحافظ أبو بكر أحمد بن عمرو بن أبي عاصم الضحاك بن مخلد الشيباني، رحمه الله، المتوفى ٢٨٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٨٠ – كتاب الضعفاء الكبير، أبو جعفر محمد بن عمر بن موسىٰ بن حماد العقيلي المكي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٣٢٢هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٨١ – كتاب العين، الإمام أبو عبد الرحمن خليل بن أحمد الفراهيدي، رحمه الله، المتوفى ١٧٠هـ، دار ومكتبة الهلال.

١٨٢ – كتاب المبسوط، الإمام شمس الأئمة أبو بكر محمد بن أبي سهل السرخسي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٤٨٣هـ، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الثالثة، ١٣٩٨هـ.

١٨٣ – كتاب المجروحين من المحدثين، الإمام محمد بن حبان البستي، رحمه الله، المتوفى ٣٥٤، دار الصميعي، الرياض، الطبعة الأولى، ١٤٢٠هـ.

١٨٤ – كتاب المغازي، الإمام محمد بن عمر الواقدي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٢٠٧هـ، مؤسسة الأعلمي، بيروت.

١٨٥ – كتاب الميسر في شرح مصابيح السنة، الإمام أبو عبد الله الحسن التوربشتي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٦٦١هـ، مكتبة مصطفىٰ نزار الباز، مكة المكرمة، الطبعة الأولىٰ ١٤٢٢هـ.

١٨٦ – الكتب الستة (موسوعة الحديث الشريف) بإشراف ومراجعة فضيلة الشيخ

صالح بن عبد العزيز آل الشيخ، دار السلام، الرياض.

۱۸۷- الكاشف عن حقائق غوامض التنزيل ......، الإمام جار الله محمود بن عمر الزمخشري، المتوفى ٥٢٨هـ، دار الكتاب العربي، بيروت، لبنان.

۱۸۸- كشف الأستار عن زوائد البزار على الكتب الستة، الحافظ نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي ۸۰۷هـ، بتحقيق الشيخ حبيب الرحمن الأعظمي، مؤسسة الرسالة، الطبعة الثانية، ١٤٠٤هـ.

۱۸۹- كشف الباري، شيخ الحديث حضرت مولانا سليم الله خان صاحب مدظلهم، مكتبه فاروقيه، كراچی.

١٩٠- كشف الخفاء ومزيل الإلباس، شيخ إسماعيل بن محمد عجلوني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ١١٦٢هـ، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

۱۹۱- كشف المشكل من حديث الصحيحين، الإمام عبد الرحمن ابن الجوزي، رحمه الله، المتوفى ٥٩٧هـ، دار الوطن، الرياض، ١٤١٨هـ.

۱۹۲- الكشف والبيان، المعروف بـ (تفسير الثعلبي)، الإمام العلامة أبو إسحاق أحمد بن محمد بن إبراهيم، رحمه الله، المتوفى ٤٢٨هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٥هـ.

۱۹۳- كنز العمال، علامه علاء الدين على المتقي بن حسام الدين الهندي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٩٧٥هـ، مكتبة التراث الإسلامي، حلب.

١٩٤- الكوثر الجاري إلى رياض أحاديث البخاري، الإمام أحمد بن إسماعيل الكوراني الحنفي، رحمه الله، المتوفى ۸۹۳هـ، دار إحياء التراث العربي بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٩هـ.

١٩٥- الكوكب الدري، حضرت مولانا رشيد احمد گنگوهی، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ١٣٢٣هـ، إدارة القرآن، كراچی.

☆- الكواكب الدراري (ديكهيے، شرح الكرماني).

١٩٦- لامع الدراري، حضرت مولانا رشيد احمد گنگوهی، رحمه الله تعالىٰ،

متوفى ١٣٢٣ھ، مكتبه إمداديه، مكة مكرمة.

١٩٧- لسان العرب، أبو الفضل جمال الدين محمد بن مكرم ابن منظور افريقي مصري، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٧١١ھ، نشر ادب الجوزة، قم، ايران، ١٤٠٥ھ، ودار صادر، بيروت.

١٩٨- لسان الميزان، الحافظ أحمد بن على المعروف بابن حجر العسقلاني، رحمه الله، متوفى ٨٥٢ھ، بتحقيق الشيخ عبد الفتاح، رحمه الله، دار البشائر الإسلامية، الطبع الأول، ١٤٢٣ھ.

١٩٩- المؤطأ، الإمام مالك بن أنس، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ١٧٩ھ، دارإحياء التراث العربي، بيروت.

٢٠٠- المؤطأ، الإمام محمد الحسن الشيباني، رحمه الله، المتوفى ١٨٩ھ، قديمى كتب خانه، كراچى.

٢٠١- المتواري على تراجم أبواب البخاري، علامه ناصر الدين أحمد بن محمد المعروف بابن المنير الاسكندراني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٦٨٢ھ، مظهري كتب خانه، كراچى.

٢٠٢- مجمع بحار الأنوار، علامه محمد بن طاهر پتني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٩٨٢ھ، دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد، ١٣٩٥ھ.

٢٠٣- مجمع الزوائد، إمام نور الدين على بن أبي بكر الهيثمي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٨٠٧ھ، دار الفكر، بيروت.

٢٠٤- المجموع (شرح المهذب)، إمام محي الدين أبو زكريا يحيى بن شرف النووي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٦٧٦ھ، شركة من علماء الأزهر.

٢٠٥- مجموعه رسائل ابن عابدين، العلامة المحقق السيد محمد امين آفندي الشهير بابن عابدين، رحمه الله، المتوفى ١٢٥٢ھ، مكتبه عثمانيه، كوئٹه.

٢٠٦- المحلى، علامه أبو محمد علي أحمد بن سعيد بن حزم، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٤٥٦ھ، الكتب التجاري، بيروت / دار الكتب العلمية، بيروت.

٢٠٧- المدونة الكبرىٰ، الإمام مالك بن أنس، رحمه الله، المتوفى ١٧٩ھ، دار

صادر، بيروت.

۲۰۸- مرقاة المفاتيح (شرح مشكاة المصابيح)، علامه نور الدين علي بن سلطان القاري، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ١٠١٤هـ، مكتبه إمداديه، ملتان، ودار الكتب العلمية، بيروت.

۲۰۹- المستدرك على الصحيحين، حافظ أبو عبد الله محمد بن عبد الله الحاكم النيسابوري، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٤٠٥هـ، دار الفكر، بيروت.

۲۱۰- مسند أبي داود الطيالسي، الإمام المحدث سليمان بن داود بن الجارود، رحمه الله، المتوفى ٢٠٤هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٥هـ.

۲۱۱- مسند أبي يعلى الموصلي، الإمام شيخ الإسلام أبو يعلى أحمد بن علي الموصلي، رحمه الله، المتوفى ٣٠٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤١٨هـ.

۲۱۲- مسند أحمد، إمام أحمد بن حنبل، رحمه الله تعالىٰ ،متوفي ٢٤١هـ، المكتب الإسلامي، دار صادر، بيروت.

۲۱۳- مسند إسحاق بن راهويه، الإمام إسحاق بن إبراهيم بن مخلد بن راهويه الحنظلي، رحمه الله، المتوفى ٢٣٨هـ، مكتبة الإيمان، المدينة المنورة، الطبعة الأولى، ١٤١٢هـ.

٢١٤- مسند البزار (البحر الزخار)، الإمام أبو بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار، رحمه الله، المتوفى٢٩٢هـ، مؤسسة علوم القرآن، مكتبة العلوم والحكم، بيروت، والمدينة المنورة، ١٤٠٩هـ، الطبعة الأولى.

٢١٥- مسند الحميدي، إمام أبو بكر عبد الله بن الزبير الحميدي، رحمه الله تعالى، متوفى ٢١٩هـ، المكتبة السلفية، مدينة منوره.

٢١٦- المسوى مع المصفى، الإمام ولي الله الدهلوي، رحمه الله، المتوفى١١٧٦هـ، كتب خانه رحيميه، دهلي.

٢١٧- مشارق الأنوار على صحاح الآثار، القاضي أبو الفضل عياض بن موسى بن عياض اليحصبي البستي المالكي، رحمه الله، المتوفى ٥٤٤هـ، دار التراث.

٢١٨– مشكاة المصابيح، شيخ أبو عبد الله ولي الدين خطيب محمد بن عبد الله، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٧٣٧ه کے بعد، قديمي.

٢١٩– المصنف لابن أبي شيبة، حافظ عبد الله بن محمد بن أبي شيبة المعروف بأبي بكر بن أبي شيبة، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٢٣٥ه، بتحقيق الشيخ محمد عوامة، حفظه الله، دار قرطبة، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٧ه.

٢٢٠– المصنف لعبد الرزاق، الإمام عبد الرزاق بن همام صنعاني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٢١١ه، مجلس علمي، كراچی، ودار الكتب العلمية، بيروت.

٢٢١– المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية، الحافظ ابن حجر العسقلاني، رحمه الله، المتوفى ٨٥٢ه، دار الباز، مكة المكرمة.

٢٢٢– معالم السنن، الإمام أبو سليمان حمد بن محمد الخطابي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٣٨٨ه، مطبعة أنصار السنة المحمدية، ١٩٤٨م/١٣٦٧ه.

٢٢٣– المعجم الأوسط، الإمام أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبراني، رحمه الله، المتوفى ٣٦٠ه، دار الحرمين، القاهرة، ١٤١٥ه.

٢٢٤– معجم البلدان، علامه أبو عبد الله ياقوت حموي رومي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٦٢٦ه، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

٢٢٥– معجم الصحابة، الإمام الحافظ أبو الحسين عبد الباقي بن قانع البغدادي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٣٥١ه، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز، مكة المكرمة، الرياض، الطبعة الأولىٰ، ١٤١٨ه.

٢٢٦– المعجم الكبير، إمام سليمان بن أحمد بن ايوب الطبراني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٣٦٠ه، دار الفكر، بيروت.

٢٢٧– المعجم المفهرس لألفاظ الحديث النبوي، أ–وي– منسنك، و ي–پ– منسنج، مطبعة بريلي في مدينة ليدن ١٩٦٥م.

٢٢٨– معجم مقاييس اللغة، إمام أحمد بن فارس بن زكريا قزويني رازي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٣٩٥هـ، دار الفكر، بيروت.

٢٢٩– المعجم الوسيط، دكتور إبراهيم أنس، دكتور عبدالحليم منتصر، عطية الصوالحي، محمد خلف الله أحمد، مجمع اللغة العربية، دمشق.

٢٣٠– المعرفة والتاريخ، أبو يوسف يعقوب بن سفيان الفسوي الفارسي، رحمه الله، المتوفى ٢٧٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، ١٤١٩هـ.

٢٣١– معرفة السنن والآثار، الإمام أبو أحمد بن الحسين البيهقي، رحمه الله، المتوفى ٤٥٨هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، ١٤٢٢هـ.

٢٣٢– معرفة الصحابة، الإمام الحافظ أبو نعيم أحمد بن عبد الله الأصبهاني، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٤٣٠هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ، ١٤٢٢هـ.

☆– مغازي الواقدي (انظر كتاب المغازي).

٢٣٣– المغرب، أبو الفتح ناصر الدين مطرزي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٦١٠هـ، إدارة دعوة الإسلام، كراتشي.

٢٣٤– المغني، إمام موفق الدين أبو محمد عبد الله بن أحمد بن قدامة، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٦٢٠هـ، دار الفكر، بيروت.

☆– مفاتيح الغيب (انظر التفسير الكبير).

٢٣٥– المفردات في غريب القرآن، العلامة حسين بن محمد المعروف بالراغب الأصفهاني، رحمه الله، المتوفى ٥٠٢هـ، قديمي كتب خانه، كراتشي.

٢٣٦– المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، الإمام أبو العباس أحمد بن عمر بن إبراهيم القرطبي، رحمه الله، المتوفى ٦٥٦هـ.

☆– مقدمة فتح الباري، (ديكهئے، هدي الساري).

٢٣٧– مكمل إكمال الإكمال، الإمام أبو عبد الله محمد بن محمد بن يوسف

السنوسي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٨٩٥ھ، دار الكتب العلمية، بيروت.

٢٣٨- المنتظم في تاريخ الملوك والأمم، الإمام أبو الفرج عبد الرحمن بن علي بن محمد ابن الجوزي، رحمه الله، المتوفى ٥٩٧، دار صادر، بيروت، ١٣٥٨ھ، الطبعة الأولى.

٢٣٩- المنتقى شرح المؤطأ، القاضي أبو الوليد سليمان بن خلف الباجي، رحمه الله، المتوفى ٤٩٤ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الاولى، ١٤٢٠ھ.

٢٤٠- منهاج السنة النبوية، الإمام الهمام أبو العباس أحمد ابن تيمية الحراني، رحمه الله، المتوفى ٧٢٨ھ، مؤسسة قرطبة، ١٤٠٦، الطبعة الأولى.

٢٤١- موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان، الإمام أبو الحسن علي بن أبي بكر الهيثمي، رحمه الله، المتوفى ٨٠٧ھ، دار الكتب العلمية، بيروت.

٢٤٢- المواهب اللدنية المطبوع مع الشمائل المحمدية، الإمام الشيخ إبراهيم بن محمد بن أحمد الشافعي البيجوري، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ١٢٧٧ھ، فاروقى كتب خانه، ملتان.

٢٤٣- الموضوعات، الإمام أبو الفرج عبد الرحمن ابن الجوزي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٥٩٧ھ، قرآن محل، اردو بازار كراچى، ودار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٤ھ.

٢٤٤- موسوعة الإمام الشافعي (كتاب الأم)، الإمام المحدث الفقيه محمد بن إدريس الشافعي، رحمه الله، المتوفى ٢٠٤ھ، دار قتيبة، الطبعة الثانية، ١٤٢٤ھ.

٢٤٥- ميزان الاعتدال في نقد الرجال، حافظ شمس الدين محمد أحمد بن عثمان ذهبي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٧٤٨ھ، دار إحياء الكتب العربية، مصر، ١٣٨٢ھ.

٢٤٦- نسيم الرياض في شرح شفاء القاضي عياض، الإمام شهاب الدين أحمد بن محمد بن عمر الخفاجي، رحمه الله، المتوفى ١٠٦٩ھ، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الأولىٰ، ١٤٢١ھ.

٢٤٧- نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية، الحافظ جمال الدين عبد الله بن يوسف الزيلعي رحمه الله، المتوفى ٧٦٢ھ، مؤسسة الريان، بيروت / دار القبلة للثقافة

الإسلامية، جدة، الطبعة الأولى، ١٤١٨هـ.

٢٤٨- النكت الظراف على الأطراف، الإمام الحافظ أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٨٥٢هـ، المكتب الإسلامي، بيروت.

٢٤٩- النهاية في غريب الحديث والأثر، علامه مجد الدين أبو السعادات المبارك بن محمد ابن الأثير، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٦٠٦هـ، دار إحياء التراث العربي بيروت.

٢٥٠- الوابل الصيب في الكلم الطيب، أبو عبد الله محمد بن أبي بكر الزرعي الدمشقي، المعروف بابن القيم، رحمه الله، المتوفى ٧٥١هـ، دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٠٥هـ.

٢٥١- وفيات الأعيان، قاضي شمس الدين أحمد بن محمد المعروف بإبن خلكان، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٦٨١هـ، دار صادر، بيروت.

٢٥٢- الهداية، برهان الدين أبو الحسن علي بن أبي بكر المرغيناني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٥٩٣هـ، مكتبه شركت علميه، ملتان، ومكتبة البشرىٰ، كراتشي، الطبعة الأولى، ١٤٢٨هـ.

٢٥٣- هدى الساري (مقدمة فتح الباري)، حافظ ابن حجر عسقلاني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٥٩٣هـ، دار السلام، الرياض، الطبعة الأولى، ١٤٢١هـ.